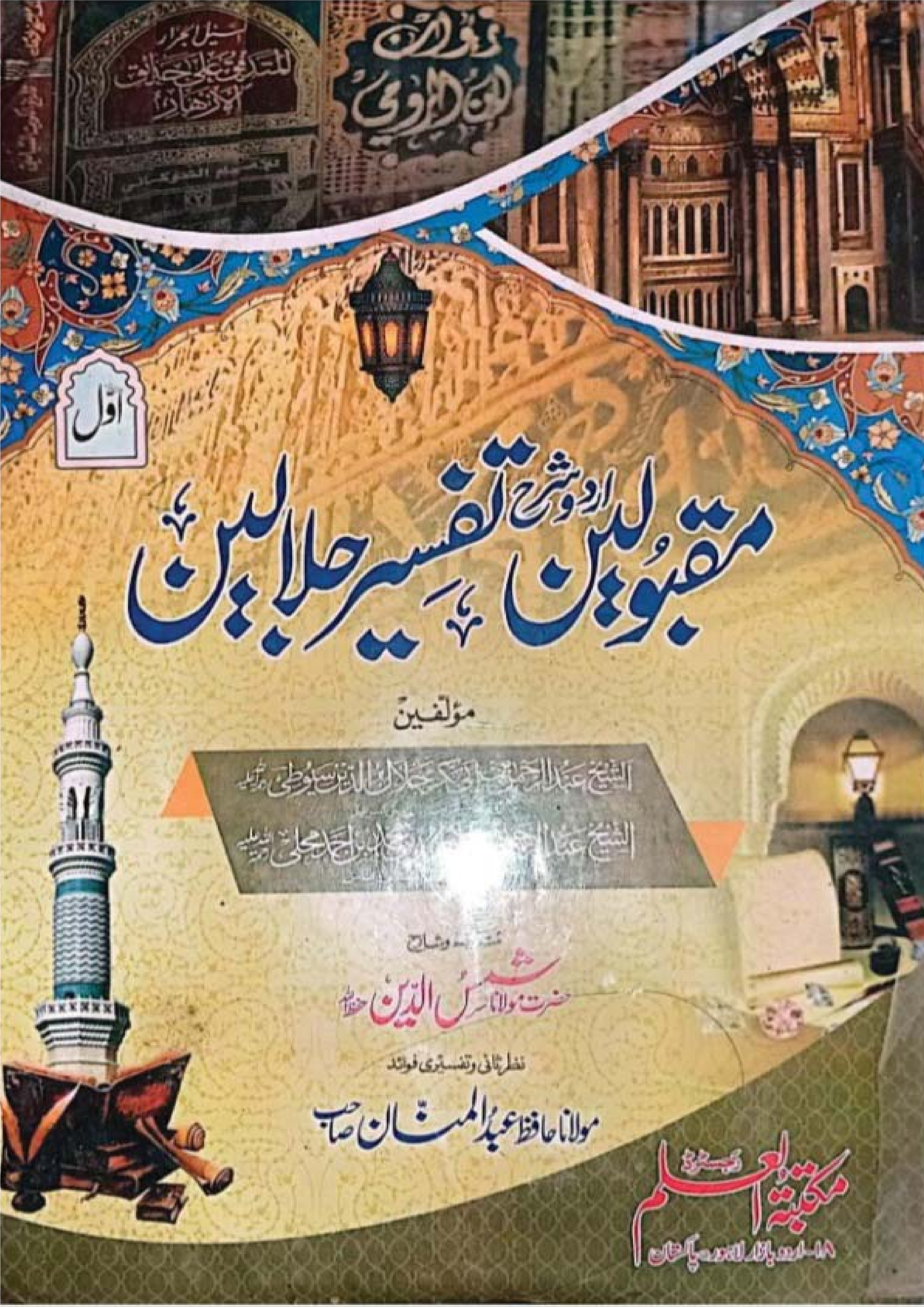
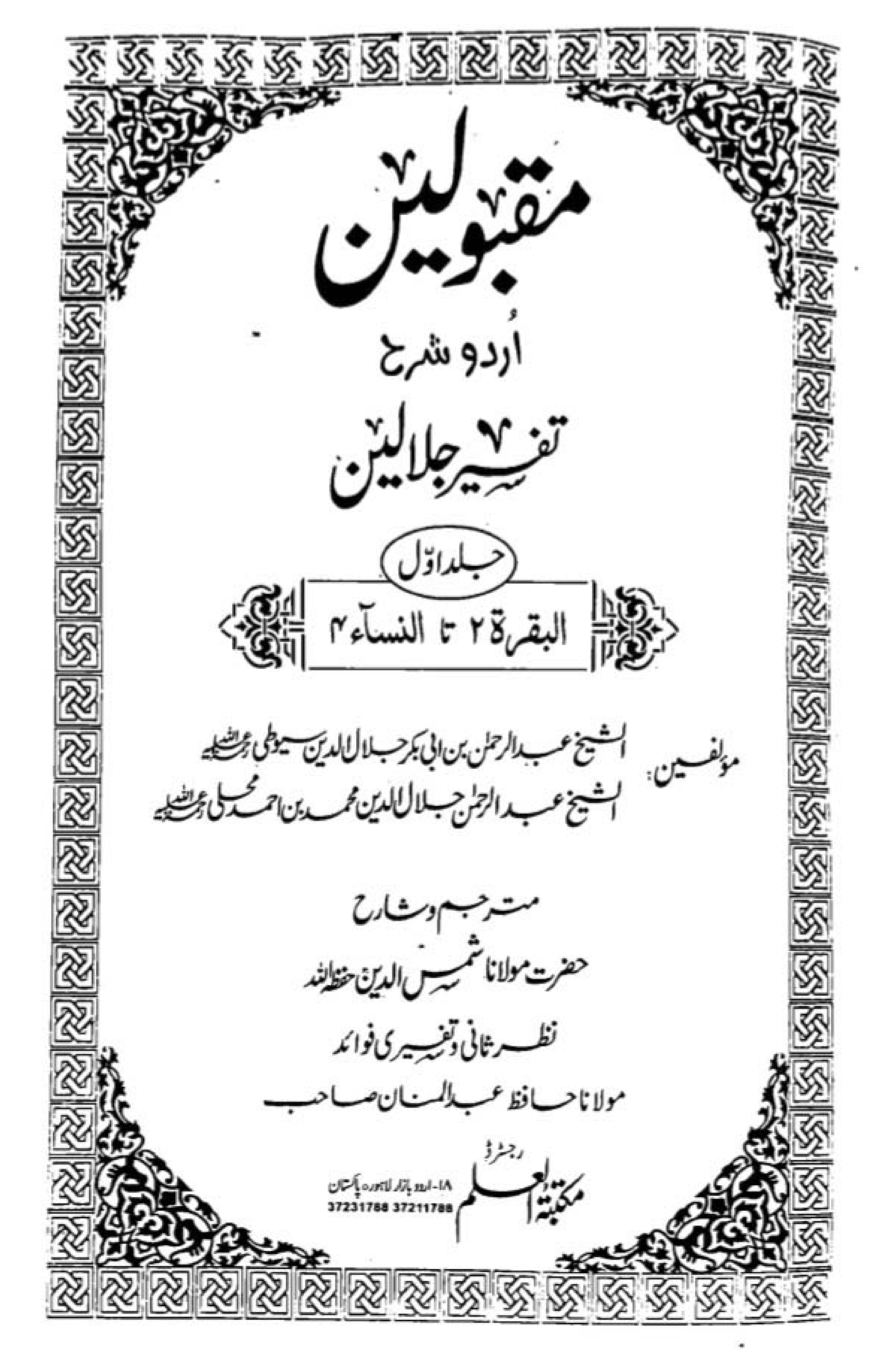

اوّل
مقبولین اردو شرح تفسیر جلالین
مؤلفین
الشیخ عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
الشیخ عبد ... احمد محلی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم وشارح
حضرت مولانا شمس الدین
نظر ثانی وتفسیری فوائد
مولانا حافظ عبد المنان صاحب
مکتبۃ العلم رجسٹرڈ
۱۸۔اردو بازار لاہور۔پاکستان



مقبولین

اُردو شرح

تفسیر جلالین

جلد اوّل

البقرة ۲ تا النسآء ۴

مؤلفین:
الشیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
الشیخ عبدالرحمٰن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح
حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی و تفسیری فوائد
مولانا حافظ عبدالمنان صاحب

رجسٹرڈ
مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار لاہور، پاکستان
37231788 37211788

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



مکتبۃ العلم (رجسٹرڈ)

نام کتاب: مقبولین اُردو شرح جلالین جلد اوّل

مؤلفین: الشیخ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ
الشیخ عبد الرحمٰن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمہ اللہ

شارح: حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

ناشر: مکتبۃ العلم (رجسٹرڈ)

مطبع: تایا سنز پرنٹرز

طابع: خالد مقبول

رحمٰن کمپنی الحمد مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار لاہور پاکستان 37241788
مکتبہ جویریہ ۱۸۔ اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان 37211788
مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ 37224228
مکتبہ علوم اسلامیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

پارہ دوم

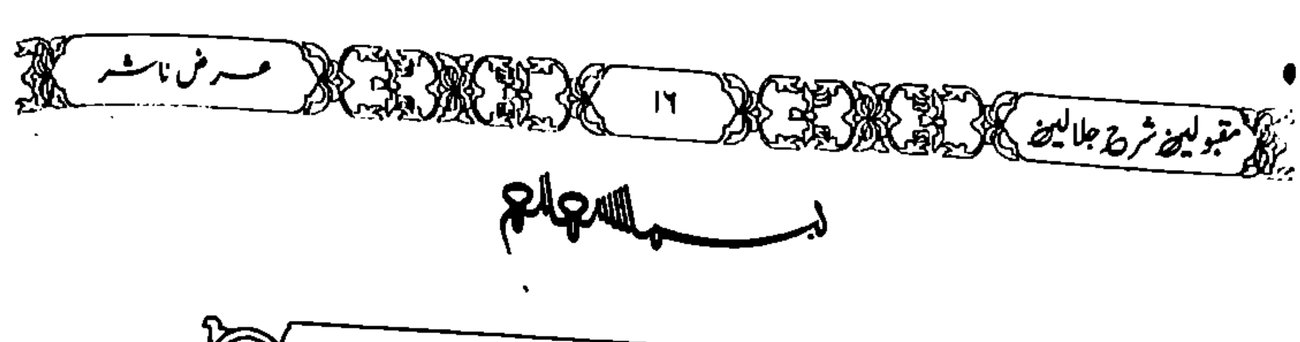
عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

پارہ سوم

آل عمران

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

اختتام جلد اوّل



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عَرضِ ناشر

الحمد للہ وکفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد!

قرآن مجید اللہ جل جلالہ آخری کتاب ہے اور مسلمانوں کے لیے قیامت تک ایک مکمل ضابطۂ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں یہ کتاب ایک برتر قانون اور دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید ایک ایسا ترازو اور پیمانۂ عمل ہے جس کی بنیاد پر حق و باطل میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ فُرقان ہے جو ہر صحیح کو ہر سقیم سے الگ کرسکتی ہے۔ یہ کتاب مسلمانوں کے لیے بالفعل براہِ راست اور پوری انسانیت کے لیے بالقوۃ ایک نظامِ ہدایت ہے۔ یہ وہ نظام ہدایت ہے جو رہتی دنیا تک کے لیے ہے، جس کی پیروی ہر زمان و مکان کے انسانوں کے لیے واجب ہے۔ یہ نظام ہدایت ہر صورتِ حال میں انسانوں کو پیش آنے والے ہر معاملہ میں روحانی ہدایت اور اخلاقی تشریعی راہنمائی فراہم کرسکتا ہے۔ اس کتاب کی مدد سے کلامِ اخلاق کے معیارات رہتی دنیا تک کے لیے مقرر کیے جاتے رہیں گے۔

قرآنِ حکیم کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا ہے کہ: ((وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ)) [ترمذی، باب فضائل القرآن، ح:۸۳۳] یعنی اس کے الفاظ و اسالیب میں پنہاں اسرار و حکم کے اتھاہ خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ کلام الٰہی کا اعجاز ہے کہ جب ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی اسے سادگی سے پڑھتا ہے تو اس کا وہ سادہ مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی جو اسے عمومی ہدایت کے لیے کافی ہے لیکن جب کوئی عالم اسی کلام سے احکام اور حکمتوں کا استنباط کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہی کلام بڑے دقیق و عمیق نکات کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ان نکات کی گہرائی اور وسعت ہر شخص کی علم و بصیرت کی نسبت سے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے جا بجا اس کلام میں تدبّر کا حکم دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں بسا اوقات ایک عالم پر وہ نکات واضح ہوتے ہیں جن کی طرف پہلے کسی توجہ نہیں ہو پائی۔

زیر نظر کتاب ''تفسیر جلالین'' اصل میں جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ ھ اور جلال الدین المحلی المتوفی ۸۶۴ ھ کی تصنیف شدہ کتاب ''تفسیر جلالین'' کا اردو ترجمہ وتشریح ہے۔

جلالین نصف اول علامہ جلال الدین سیوطی اور نصف ثانی علامہ جلال الدین المحلی رحمہما اللہ نے تصنیف کیا ہے چونکہ دونوں صاحبین تفسیر کے نام میں جلال آتا ہے اس لیے اس تفسیر کا نام ان کے ناموں کی طرف منسوب کرکے'' جلالین'' رکھا گیا جو کہ جلال کی جمع کا صیغہ ہے۔

اس کتاب کا نصف ثانی علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے لکھنا شروع کیا، انہوں نے شیخ موفق الدین احمد بن یوسف بن حسن بن رافع کواشی کی تفسیر ''تفسیر کواشی الصغیرہ'' کو سامنے رکھا، اسی لیے تفسیر کواشی تفسیر جلالین کا ماخذ مانی جاتی ہے۔ تفسیر جلالین فن تفسیر کی ایک مختصر کتاب ہے جس کے تفسیری الفاظ قریب قریب قرآنی الفاظ کے ہم عددی ہیں بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تفسیر جلالین دراصل قرآن کے عربی ترجمہ کی ایک شکل ہے کہ مشکل الفاظ اور مشکل ترکیبوں کا حل اور آیات کے ساتھ مختصر سے جملے ایضاح مطالب کے لیے زیادہ کردیئے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں کوئی تفصیل طلب بات ہوتی ہے تو اسے اجمالاً ذکر کردیا جاتا ہے، جلالین کو نصابِ دینیہ میں شامل کرنے کا مطلب ومقصد یہ ہے کہ طلباء وطالبات کو ایسی استعداد اور ملکہ راسخہ حاصل ہوجائے کہ تعلیمی زندگی سے الگ ہونے کے بعد بھی اپنے متعلقہ فنون کے حقائق ومسائل تک استاد کی اعانت کے بغیر رسائی ہونے لگے۔

علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی تفسیر کا نصف ثانی مکمل کیا تھا کہ زندگی نے ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ اس دارِ فانی سے کوچ فرماگئے۔ اس کے بعد اس تفسیر کا نصف اوّل علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز وانداز پر تقریباً بائیس سال کی عمر میں صرف ایک چلّہ میں تصنیف کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کتنے سریع التصانیف تھے۔

اس تفسیر کی بابت شیخ التفسیر والحدیث جناب مولانا شمس الدین صاحب سے گزارش کی کہ وہ اس کا ترجمہ و شرح کردیں تو انہوں نے اپنے لیے اسے سعادت سمجھتے ہوئے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

میں نے اسے اپنے والدِ محترم، مکتبہ رحمانیہ کے مدیر الحاج مقبول الرحمٰن حفظہ اللہ کے نام گرامی سے منسوب

کرتے ہوئے ''مقبولین'' کا نام دیا۔

اس تفسیر کی تیاری میں مَیں اپنے بھائی ناصر مقبول کا بے حد ممنون ہو، جنہوں نے اس تفسیر کی بابت میری راہنمائی کی۔اس کے علاوہ مولانا حافظ عبدالمنان صاحب نے نہ صرف اس کی پروف ریڈنگ کی بلکہ تفسیری حواشی جوکہ ''تفسیر مقبولین'' کے نام سے درج کیے گئے، میں کافی اضافہ جات کیے۔

آخر میں وہ تمام حضرات جنہوں نے اس کتاب کے منصۂ شہود پر آنے میں دامے، درمے سخنے کوشش کی، میں ان کا نہایت شکر گزار ہوں اور دُعا گو ہوں کہ یہ کتاب ان کے لیے اور احباب مکتبۃ العلم کے لیے توشۂ آخرت بنے۔

اس کتاب کے مطالعہ کے ساتھ بندہ کے والدین کو جنہوں نے مجھے قرآن وحدیث کے کام کی طرف نہ صرف رغبت دلائی بلکہ قدم قدم پر راہنمائی بھی فرمائی (جو الحمد للہ ہنوز جاری ہے) ان کو اپنی دعاؤں میں ضرور شامل کریں۔

والسلام مع الاکرام!

خالد مقبول عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۃ الکتاب

تمام تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، ایسی تعریف جو اس کی موجودہ نعمتوں اور آئندہ انعامات کے بدلہ کا سبب بن سکے اور بے شمار سلام اور رحمتیں ہوں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے آل و اصحاب اور معاونین تمام پر۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

حمد و صلوٰۃ و سلام کے بعد! یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق شدت سے رغبت ظاہر کی گئی کہ میں امام، علامہ، محقق، مدقق جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر قرآن کی تکمیل و تتمیم کروں۔ جس کو وہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ میری یہ تفسیر ابتداء سورۂ بقرہ سے سورۂ اسراء کے انتہاء تک ہوگی اور اس میں حتی الامکان علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز و انداز کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔

علامہ محلی کے پیشِ نظر ملاحظات:

1. فہم کلام اللہ کا حصول آسان سے آسان تعبیر کے ساتھ۔
2. قول راجح اور مختار قول کو مفسرین کے اقوال میں اختیار کرنا۔
3. قراءات مشہور کا تذکرہ۔
4. ان اعراب کا تذکرہ جن کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے۔
5. غیر ضروری اقوال و اعراب سے صرفِ نظر رکھنا کیونکہ وہ فنون کی کتب میں میسر و موجود ہیں، میں اس پر اللہ تعالیٰ سے دنیا میں فائدہ اور آخرت میں بہترین بدلے اور جزاء کا خواستگار ہوں۔

واللہ الموفق بالصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا مُّوَافِيًا لِنِعَمِهٖ مُكَافِيًا لِمَزِيْدِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ جُنُوْدِهٖ۔

تمام طرح کی خوبیاں اور حمد ربّ ذوالجلال والاکرام کو زیبا ہے جو اس کی نعمتوں کے برابر اور اس کے مزید احسان کی مکافات کرنے والی ہو اور صلوٰۃ وسلام ہو خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے آل واصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین اور لشکر (مجاہدین) پر۔

قرآن کریم کی تفاسیر کا جس قدر ذخیرہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کے دیکھنے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فرزندانِ اسلام نے اپنے تہذیب وشائستگی اور تمدن وحضارۃ کے مبارک عہد میں قرآن کریم کے حقائق ومعارف اور بصائر وحکم پر زور دینے اور دنیا کو اس کا حلقہ بگوش بنانے کے لئے کس قدر انتہائی سعی وکوشش سے کام لیا ہے اور اس کی تعلیمات صالحہ کی نشر واشاعت میں کس قدر ایثار وفدویت کا اظہار کیا ہے۔ ان جلیل القدر بزرگوں نے اس کتاب حکمت کے حقیقی مفہوم ومعانی کی تبلیغ ودعوت میں سرفروشانہ اقدام کیا اور دنیا کی مختلف زبانوں میں بے شمار تالیفات کیں۔ اس وقت ہم تمام زبانوں کی تفسیروں کو نظر انداز کر کے صرف عربی ہی کو لے لیں تو یقین کیجئے کے کئی ہزار تک ان کی تعداد پہنچ چکی ہے۔ یہاں اربابِ بصیرت کی ضیافت طبع کے لئے چند عربی تفاسیر کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ ان کی وسعت بیان کا اندازہ ہو جائے ملاحظہ کیجئے:

(۱) تفسیر ابن الجوزی جو ۲۷ جلدوں میں ہے۔

(۲) تفسیر الاصفہانی جو ۳۰ جلدوں میں ہے اس کے مؤلف امام ابومسلم اصفہانی ہیں۔ اس تفسیر کے اقتباسات جابجا تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے درج کیے ہیں اور ان کی ثنا خوانی اکثر مقامات پر کی ہے۔

(۳) کتاب الجامع فی التفسیر ۳۰ جلدوں میں مدون ہوئی۔

(۴) تفسیر ابن النقیب ۵۰ جلدوں سے زائد ہے۔

(۵) تفسیر ابی بکر عبد الرحمٰن بن کیسان الاصم۔

(۶) تفسیر الادفوی، علامہ ادفوی جو روم کے شہرہ آفاق عالم تھے اس تفسیر کے مؤلف ہیں اور اس کی ۱۲۰ جلدیں ہیں۔

(۷) تفسیر القزوینی تین صد جلدوں میں ہیں۔

(۸) تفسیر حدائق ذات بہجہ پانچ صد جلدوں میں ہے۔

اس وسعت بیان کو دیکھ کر کیا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرے گا کہ یہ تفسیریں کسی زمانے میں قرآن کریم کی انسائیکلو پیڈیا نہ رہی ہوں گی اقوام وامم عالم کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اس کثرت کے ساتھ اپنی کسی کتاب کی خدمت کی ہو۔ یہ شرف ومزیت اور خصوصیت کبریٰ صرف قرآن کریم ہی کو حاصل ہے کہ اس کثرت سے اس کی شرح وتفسیر کی گئی۔ اس کے احکام وضوابط کی تدوین وترتیب میں عمریں صرف کی گئیں۔ کشف وسرائرو مجوبات کے لئے جلدیں تالیف کی گئیں لیکن پھر بھی ارباب فہم وبصریت اور حقیقت شناس حلقوں سے یہی صدائے عشق بلند ہوتی دکھائی دی کہ ''قرآن وہ کتاب ہے جس کے عجائب وغرائب کی کوئی انتہا نہیں ہے''۔

دیکھئے کہ عبدالملک بن مروان ۵۶ ہجری میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے اولین کام یہ کیا کہ اپنی تمام تر توجہ علوم و فنون کی تدوین کی جانب پھیر دی۔ خلافت کے اطراف واکناف میں اعلان کر دیا کہ ہر ایک فن پر کتابیں تالیف ہوں۔ علمائے عظام کو دعوت دی اور ان کو تصنیف کی طرف متوجہ کیا۔ سعید بن جبیر سے درخواست کی کہ قرآن کریم کی شرح وتفسیر میں کچھ تحریر کریں۔ وہ اپنے زمانے کے امام اور تفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔ انہوں نے تفسیر لکھ کر بھیجی جس کو قصر خلافت میں جگہ دی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اور زیادہ اس دائرہ کو وسعت دی اور تمام بلاد وامصار اسلامی میں احکام نافذ کر دیے کہ سنن واحادیث پر تالیفات تیار ہوں۔

دور اول میں تفسیر کا طریق نہایت ہی دلآویز اور معنی خیز تھا۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ قرآن کریم میں اخلاق بھی ہے اور فلسفہ اخلاق بھی۔ تمدن وحضارۃ کے احکام بھی ہیں اور تہذیب وشائستگی کے اصول وضوابط بھی۔ تدبیر منزل وسیاست مدن کے آئین وقوانین بھی ہیں اور جہانگیری وجہانداری کے قوائد تنظیم وتشکیل بھی لیکن انداز بیان، طریق تعبیر اور اسلوب تحریر کچھ اس درجہ جاذب قلوب وانظار واقع ہوا ہے کہ ان علوم سے کوئی واقف ہو یا نہ ہو جس وقت یہ اعجازی کلمات اس کے کانوں تک پہنچیں گے اس کی فطرت صالح اور قلب سلیم کا یہی اقتضاء رہے گا کہ ہر وقت اس سے حلاوت اندوز رہے اور اس کے دل و دماغ پر حاوی ہوں۔

ابتدائی زمانہ کی تفسیروں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں ان میں نہ منطقی دلائل ہیں نہ فلسفیانہ موشگافیاں نہ ان کو ریاضت وطبیعات سے کوئی سروکار ہے، نہ ہیئت ونجوم کے زور سے استدلال وحجت کو قومی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ صاف صاف اور کھلی کھلی باتیں ہیں۔ کسی قوم کا اخفا اور حجاب نہیں البتہ اگر ان میں کوئی حقیقت نمایاں اور ممتاز پہلو لئے ہوئے ہے تو وہ عمل کی دعوت ہے اور بس۔

شقیق بن سلمہ اور ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب نے اپنے عہد حکومت میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا تھا انہوں نے خطبہ اس انداز سے بیان کیا اور سورہ نور کی تفسیر اس دلفریب طریق پر بیان کی کہ کفار ترک وروم بھی اگر اسے سن لیتے تو یقیناً دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتے اور ان کے لئے اس کے کوئی چارہ کار باقی نہ رہتا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ سورۂ بقرہ کی ایسی معنی خیز مؤثر اور دلآویز تفسیر بیان کی کہ ایک شخص تو بے اختیار

پکار اٹھا کہ: لو سمع هذا الديلم لاسلمت، اگر کفار دیلم اس کو سن لیتے تو ضرور حلقہ بگوش ہو جاتے۔
یہ محض افسانہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور تاریخ کے صفحات اس قسم کے بے شمار امثلہ ونظائر سے پُر ہیں غیر مسلم قوموں کو جب کبھی قرآن کریم کی تعلیمات کے سننے اور ان میں درس وفکر کرنے کا موقع ملا تو پھر ان کے مسلمان ہو جانے میں کوئی تامل نہ رہا۔

عہد نبوت سے جب تک قرب واتصال رہا تفسیر کا یہی انداز تھا خلفائے اربعہ، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی دور اول میں نہایت ہی جلی قلم سے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں اور باوجود امتداد عہد اور استیلائے جہل ان کی تابنا کی اور درخشندگی میں کسی قسم کا فرق پیدا نہیں ہوا۔

مکہ مکرمہ میں ابن عباسؓ کے شاگردوں کی فہرست تو بہت طویل ہے لیکن مجاہدؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عکرمہؒ مولیٰ ابن عباس، سعید بن جبیر اور طاؤس ان کے ارشد تلامذہ میں شامل ہیں اس لئے خصوصیت سے مشہور ہیں تفاسیر میں ابن عباسؓ کے جس قدر اقوال ملتے ہیں وہ سب انہی کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تیس بار قرآن کریم سنایا ہے۔ کوفہ کی سرزمین عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی وجہ سے علوم ومعارف قرآن کا نشیمن بنی رہتی تھی۔
اسی طبقہ میں حسن بصریؒ، عطا بن ابی سلمہ خراسانیؒ، محمد بن کعب قرظیؒ، ابوالعالیہؒ، ضحاک بن مزاحمؒ، عطیہؒ، قتادہؒ، زید بن اسلمؒ، مرہ ہمدانیؒ، ابومالکؒ اور ربیع بن انسؒ ہیں۔

تیسرے دور میں سفیان ابن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن حجاج، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، آدم بن ابی ایاس، اسحاق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد بن حمید اور ابوبکر بن شیبہ ہیں۔ رحمہم اللہ

نزول قرآن کی غرض وغایت:

قرآن کریم کے نزول کے غرض وغایت یہ تھی کہ جو لوگ اس کی تعلیم پر عمل کریں ان میں اعلیٰ ترین اخلاق پیدا ہوں۔ انہیں تمکین فی الارض حاصل ہو اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی اس سے ناآشنا نہ تھے۔

آپ غور کریں کہ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے شاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی۔ ابوسفیان ان دنوں روم ہی میں تھے۔ شاہ ہرقل نے ابوسفیان سے اسلامی تعلیمات، رسول اللہ ﷺ اور فرزندان اسلام کے متعلق مختلف سوال کیے اور آخر میں کہا: "اگر یہ سچ ہے جو تم کہتے ہو تو وہ نبی ہے اور اس کی سلطنت ضرور میرے قدموں تک پہنچے گی اور میرے نیچے کی زمین اس کی سلطنت کا حصہ بنے گی۔"

سبحان اللہ! یہ نتائج وثمرات قرآن کریم کی تعلیم وتربیت نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی مقدس جماعت خوب جانتی تھی کہ قرآن کریم کا نزول صرف اس لیے ہوا ہے کہ:

(ا): اس کو نہایت ہی غور وخوض سے پڑھیں اور اس کی آیات کریمات میں فکر وتدبر کریں۔
(ب): جس قدر پڑھیں سمجھ کر پڑھیں اور پھر اس پر عمل کریں۔
(ج): قرآن کریم کی ہدایات پر عمل کرنے میں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھیں اور خود رسالت مآب ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ:

''رسول اللہ ﷺ ہر سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے یہاں تک کہ ایک چھوٹی سورۃ بھی بڑی سورۃ ہو جاتی اور بعض اوقات ایک ہی آیات پر ٹھہر جاتے اور اسی کو بار بار پڑھتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

''آہستہ پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن کریم اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ جلدی اور زیادہ پڑھا جائے کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے تاکہ اس پر عمل ہو سکے۔ اس کے پڑھنا اور یاد رکھنا معانی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے''۔

چنانچہ سلف نے کہا ہے کہ قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے مگر لوگوں نے اس کی تلاوت کو ہی ایک مستقل عمل بنا لیا ہے۔ اس لئے گزشتہ طبقات میں اہل قرآن وہی سمجھے جاتے تھے جو قرآن کریم کے عالم اور عامل تھے۔ اگرچہ ان کو زبانی حفظ نہ ہوتا لیکن جس شخص نے قرآن کو یاد کیا اور اس کے مطالب نہ سمجھے اور نہ ان پر عمل کیا تو وہ اہل قرآن سے نہیں ہیں۔ اگرچہ اس کے حروف کو تیر کی طرح اس نے درست کر لیا۔ کیونکہ تلاوت تو ہر نیک و بد، مؤمن اور منافق کر سکتا ہے جو فہم وتدبر سے خالی ہو۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''قرآن پڑھنے والے منافق کی مثال ایسی ہے جیسے ریحان ہے جس کی بو عمدہ اور مزہ کڑوا ہوتا ہے''۔

شعبہ نے کہا کہ ابوحمزہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا میں تیز پڑھنے والا ہوں بعض اوقات ایک ہی شب میں ایک مرتبہ قرآن ختم کر لیتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے ایسے قرآن کریم پڑھنے سے ایک سورۃ پڑھنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اگر تم تیزی ہی سے پڑھنا چاہو تو بھی ایسا پڑھو کہ تمہارے کان سنیں اور تمہارا دل اسے خوب سمجھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم کے عجائب پر ٹھہرو اور ان سے دلوں کو حرکت دو اور تمہاری یہ کوشش نہ ہو کہ خواہ مخواہ سورۃ کے آخر تک پہنچو۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک عورت کے پاس گیا اور میں سورۃ ہود پڑھ رہا تھا اس نے کہا اے عبدالرحمٰن! تم اس طرح سورۃ ہود پڑھتے ہو، اللہ کی قسم میں چھ مہینے سے اس سورۃ کو پڑھ رہی ہوں اور اب تک اس سے فارغ نہیں ہوئی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے آگے نہ پڑھتا جب تک ان کی معنی اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتا۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے فرمایا ہے کہ ہم سے ہمارے اساتذہ نے بیان کیا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ سے پڑھا کرتے تھے جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تو ہم ان سے تجاوز نہ کرتے جب تک ان پر عمل نہ کر لیتے۔ لہٰذا ہم نے قرآن کریم اور ان پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے۔

ظاہر ہے کہ اس پاک گروہ کی نظر اس پر نہ تھی بلکہ وہ اس امر پر بھی غور وفکر کرتے تھے کہ تعلیم قرآن سے عمل ہماری کیا

حالت تھی؟ اور اب اس سے کس قدر انقلابات وتغیرات رونما ہوئے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں نے اس حقیقت کبریٰ پر مہر لگادی کہ:
''اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح بھی فقط اس چیز سے ہوگی جس سے اس کے اوّل کی اصلاح ہوئی ہے''۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا مُّوَافِيًا لِنِعَمِهٖ مُكَافِيًا لِمَزِيْدِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ جُنُوْدِهٖ۔

ہر اچھے کام کی ابتدا:

جیسا کہ قرآنِ کریم کا افتتاح بسم اللہ اور الحمد للہ سے کیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی جو تبلیغی مکتوبات کی مختلف بادشاہوں اور حکام کے نام ارسال فرمائے ان کی ابتداء بسم اللہ سے فرمائی ہے۔

ابن العربی اور بغوی کی روایت میں ''بالحمد للہ'' ہے یعنی ہر کام ''الحمد للہ'' سے شروع کرنا چاہیے اور امام نسائی کی روایت میں ''کل کلام لا یبدا فیہ بحمدللہ فھوا جزم'' کے الفاظ ہیں اور بعض روایات میں ''اقطع'' بھی موجود ہے۔ بلکہ بعض روایتوں میں ''الحمد'' کی بجائے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے جو کام شروع نہ کیا جائے وہ ابتر ہے، اجزم اور اقطع ہے اور دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ''الحمد للہ'' ہو یا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' افتتاح اعمال حقیقت فاتحہ ہی سے ہے اور ظاہر ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزء ہے، سبب یہ ہے کہ مؤمن کے خصائص وامتیازات میں اولین چیز یہی ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے کرتا ہے اور اس سے زندگی کے ہر شعبہ کو شروع کر کے اپنے تئیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص کر دیتا ہے اور کر دینا چاہیے۔ اس لئے عام مؤلفین ومصنفین نے عملاً اس کا اہتمام والتزام رکھا ہے کہ وہ اپنی کتابوں اور تحریروں کا آغاز بسم اللہ اور الحمد للہ سے کرتے رہے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعیؒ بھی اپنی اس شہرۂ آفاق تفسیر کا افتتاح قرآن وحدیث اور تعامل سلف کا اتباع کرتے ہوئے بسم اللہ اور الحمد للہ سے کر رہے ہیں۔ پھر سلسلۂ حمد میں بھی انہوں نے وہ صیغہ اختیار کیا جو سب سے اعلیٰ وافضل ہے یعنی الحمد للہ چنانچہ علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص نذر مانے کہ میرا اگر فلاں کام ہوجائے گا تو میں اللہ کی سب سے افضل حمد کروں گا۔ یا اللہ کے تمام محامد بیان کروں گا تو اس کو ''الحمد للہ'' کہہ لینا چاہئے اس طرح اس کی نذر پوری ہوجائے گی۔ یہ بات دوسرے صیغوں میں نہیں ہے۔ باقی الفاظ حمد، مدح، شکر کا استعمالی فرق؟ سو طلباء کو معلوم ہے کہ حمد کہتے ہیں محمود کے اوصاف جمیلہ اختیاریہ بیان کرنا، جیسے حمدت زیدا علی علمہ اور مدح کہتے ہیں ممدوح کے اوصاف غیر اختیاریہ بیان کرنے کو جیسے مدحت زیدا علی حسنہ نعمت کے بدلہ میں ہو یا بلا نعمت کے مگر صرف زبانی اظہار ہونا چاہئے۔ البتہ شکر صرف اظہار نعمت پر ہوتا ہے زبان سے یا دل اور جوارح سے۔ اس لئے زبانی اظہار کے لحاظ سے حمد ومدح خاص ہیں...... اور صرف نعمت کے اعتبار سے شکر خاص ہے گویا ان میں عموم خصوص کی نسبت حاصل ہوئی۔

حکام دنیا اور پیشوایانِ مذہب: دنیا میں جس طرح بادشاہوں اور حکام کے لئے مخصوص القاب وآداب اور خطابات ہوتے ہیں اور ان کو بے محل یا بے موقعہ استعمال کرنا بے ادبی اور گستاخی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح مذہبی مقتداؤں اور

پیشواؤں کے لئے حسب مراتب مختلف القاب وآداب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آئے تو ادب یہ ہے کہ ''صلوٰۃ وسلام'' کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر خیر آئے تو ان پر سلام بھیجا جائے۔ آپ ا کے اصحاب ث کا تذکرہ آئے تو مبارک ناموں کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کہنا چاہئے۔ وفات پائے ہوئے علماء صلحاء کا نام لیا جائے تو ''رحمہ اللہ'' اور ''قدس سرہ'' کے الفاظ سے یاد کرنا چاہئے۔ عامۂ مومنین کا نام آ جائے تو ''مرحوم'' کا لفظ استعمال کر لینا چاہئے۔ اس کے خلاف نہیں کرنا چاہئے چنانچہ علماء نے تصریح کی ہے کہ مستقلاً صلوٰۃ وسلام کا استعمال انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کے لئے مناسب نہیں ہے بلکہ جس طرح اصل دین میں وہ تابع ہیں اس میں بھی وہ تابع ہی رہیں گے۔ اصحاب سے مراد خاص آپ ا کے صحابہ ہیں جنہوں نے بحالت ایمان شرفِ زیارت حاصل کیا ہو خواہ حقیقتاً یا حکماً اور ایمان ہی پر ان کی وفات ہوئی ہو۔

علماءِ اُمت آلِ نبی ﷺ ہیں:

لیکن آل سے مراد اگر صرف اہل بیت کی بجائے تمام اتباع الی یوم القیامۃ ہوں اور جنود سے مراد تمام مجاہدینِ دین ہوں۔ خواہ ان کا جہاد، قتال فی سبیل اللہ ہو یا قلمی اور زبانی جہاد بصورتِ خدمات علمی ہو تو سب خدامِ دین اور علمائے ربانیین بھی اس میں داخل ہو جاویں گے باقی لفظ صلوٰۃ آل صحابی کی تحقیق سے طلبہ بے نیاز ہیں۔

تلاوت قرآن اور تدبر قرآن وحقوق قرآن

تفسیر جلالین کا تعارف کرانے سے قبل میں نے محسوس کیا کہ مقصود سے قبل کلام مجید پڑھنے اور اس میں غور وفکر کرنے کے کچھ آداب درج کیے جائیں کہ:

ع بے ادب محروم گشت از فضل رب

مختصر طور پر آداب کا خلاصہ یہ ہے کلام اللہ شریف معبود کا کلام ہے۔ محبوب ومطلوب کے فرمودہ الفاظ ہیں۔ جن لوگوں کو محبت سے کچھ واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں کہ معشوق کے خط کی محبوب کی تقریر وتحریر کی کسی دل کھوئے ہوئے کے یہاں کیا وقعت ہوتی ہے اس کے ساتھ جو شیفتگی وفریفتگی کا معاملہ ہوتا ہے اور ہونا چاہیے وہ قواعد وضوابط سے بالاتر ہے۔

ع محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

اس وقت اگر جمالِ حقیقی اور انعامات غیر متناہی کا تصور ہو تو محبت موجزن ہو گی اس کے ساتھ ہی وہ احکم الحاکمین کا کلام ہے سلطان السلاطین کا فرمان ہے۔ اس سطوت وجبروت والے بادشاہ کا قانون ہے کہ جس کی ہمسری نہ کسی بڑے سے بڑے سے ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں کو سلاطین کے دربار سے کچھ واسطہ پڑ چکا ہے وہ تجربے سے اور جن کو سابقہ نہیں پڑا وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سلطانی فرمان کی ہیبت قلوب پر کیا ہو سکتی ہے۔ کلامِ الٰہی محبوب وحاکم کا کلام ہے اس لیے دونوں آداب کا مجموعہ اس کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ جب کلام پاک پڑھنے کے لیے کھولا کرتے تھے تو بیہوش ہو کر گر جاتے تھے اور زبان پر جاری ہو جاتا تھا: هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ (یہ میرے ربّ کا کلام ہے یہ میرے ربّ کا کلام ہے) یہ اُن آداب کا اجمال ہے اور ان تفصیلات کا اختصار ہے جو مشائخ نے آداب تلاوت میں لکھے ہیں جن کی کسی قدر توضیح بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جن کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ بندہ نوکر بن کر نہیں، چاکر بن کر نہیں، بلکہ بندہ بن کر آقا و مالک، محسن ومنعم کا کلام پڑھے صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے کو قراءت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا اور جو اپنے کو رضا وعجب کی نگاہ سے دیکھے گا وہ ترقی سے دُور ہوگا۔

جان لینا چاہیے کہ قرآن پاک کی تلاوت کی فضیلت تمام عبادتوں سے افضل ہے خصوصا جب کہ نماز میں ہو۔ اس کی فضیلت اور ثواب ایسا ہے جو تحریر میں آنا ناممکن ہے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور نماز میں پچیس اور قرآن پاک کے پڑھنے سے خدا کا قرب نصیب ہوتا ہے اور دلوں کو روشن کرتا اور قیامت موسفارش کرے گا اور جعل متین سے مراد قرآن کریم ہے اور مقصد اعلیٰ تلاوت سے یہ ہے کہ وہ تفکر کے باعث ہو اور تذکر کے یعنی امور دین کے یاد دلانے کے اور اس سے آخرت کی فکر نصیب ہوتی ہے اور تلاوت کلام کی کثرت کی وجہ سے احکام الٰہی یاد اور مستحفر ہوں تا کہ اس پر عمل کیا جائے اور عبرت پکڑی جائے نہ یہ کہ محض آواز وحرف کو آراستہ کر کے پڑھیں اور دل غافل رہے جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل نہ کرے تو قرآن اس کا دشمن ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: ((رب قال للقرآن والقرآن یلعنه)) یعنی بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن کریم لعنت کرتا ہے ان کو اور اس کا قرآن پڑھنا اس طرح جت ہوگا نعوذ باللہ منہ۔ اس کے بعد جاننا چاہیے تفکر وتذکرا وافیهم معانی قرآن کریم کا استحضار آہستہ پڑھنے اور ترتیل اور حضور دل کے ساتھ پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے اسی لیے قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھنا لازمی ہے اور قرآن کریم کا تھوڑا پڑھنا مشروع ہے چنانچہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے قرآن کے حق کی ادائیگی کے لیے کافی ہے کہ وہ چالیس دن میں ختم کرے بلکہ ایک سال میں کافی ہے اور عبادت کے لیے بھی سات دن سے کم میں ختم نہیں کرنا چاہیے اور جس قدر اس سے زیادہ عرصہ میں ختم کرے افضل ہے اور جو شخص قرآن کے معانی وغیرہ نہ سمجھے اس کو بھی چاہیے کہ حضورِ دل سے شروع کرے اور ہمیشہ اپنے دل میں مشق کرے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے احکام ہیں جو انہوں نے اپنے بندوں پر کیے ہیں ایسی عاجزی سے تشریف فرما ہو گویا کہ اللہ عزوجل کا کلام سماعت فرما رہا ہے۔

ہم پر قرآنِ کریم کے حقوق

پہلا حق:

ایمان وتعظیم

ماننے کا اصطلاحی نام ایمان ہے اور اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک ''اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ'' اور دوسرے ''تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ''

اقرارِلسانی دائرۂ اسلام میں داخلے کی شرط لازم ہے اور تصدیق قلبی حقیقی ایمان کالازمہ ہے۔

قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' جو برگزیدہ فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ اس اقرار سے انسان دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے' لیکن حقیقی ایمان اُسے اُس وقت نصیب ہوتا ہے جب ان تمام امور پر ایک پختہ یقین اس کے قلب میں پیدا ہو جائے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب یہ صورت پیدا ہو جائے گی تو خود بخود قرآن کی عظمت کا نقش قلب پر قائم ہو جائے گا اور جوں جوں قرآن پر ایمان بڑھتا جائے گا اس کی تعظیم واحترام میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ گویا ایمان و تعظیم لازم وملزوم ہیں۔

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پر ایمان سب سے پہلے خود نبی کریمؐ اور آپ کے ساتھی رضوان اللہ علیہم اجمعین لائے۔

''ایمان لایا رسولؐ اس پر جو نازل کیا گیا اس کی جانب اور (اس کے ساتھی) اہلِ ایمان۔''

اور:

''قرآن (کو یاد کرنے) کی جلدی میں اپنی زبان کو (تیزی سے) حرکت نہ دو۔''

آنحضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے قرآن سے اس گہرے شغف اور اس کی جانب اس قدر التفات کا سبب یہ تھا کہ انہیں یہ ''حق الیقین'' حاصل تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اس کے بالکل برعکس ہمارا حال ہے۔ قرآن کے مُنزَّل من اللہ ہونے کا اقرار تو ہم کرتے ہیں' اور اس پر بھی خدا کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے کہ اس نے ہمیں ان لوگوں میں پیدا فرما دیا جو قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہیں' لیکن' اِلا ماشاء اللہ' اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا یقین ہمیں حاصل نہیں اور درحقیقت یہی ہمارے قرآن سے بُعد اور اس کی جانب عدمِ التفات وتوجہ کا اصل سبب ہے۔ آپ شاید میری اس بات سے ناراض ہوں لیکن اگر ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور ان کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ واقعی ہمارے قلوب قرآن پر یقین سے خالی ہیں اور ریب اور شک نے ہمارے دلوں میں ڈیرا ڈالا ہوا ہے۔ ہماری اس کیفیت کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''اور جو لوگ وارث ہوئے کتابِ الٰہی کے ان کے بعد وہ اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں۔''

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو اچھی طرح ٹٹولے اور دیکھے کہ وہ قرآن مجید کو بس ایک متوارث مذہبی عقیدے dogma کی بنا پر ایک ایسی ''مقدس آسمانی کتاب'' سمجھتا ہے جس کا زندگی اور اس کے جملہ معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو' یا اسے یقین ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس لئے نازل ہوا ہے کہ لوگ اس سے ہدایت پائیں اور اسے اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنائیں۔

اگر دوسری بات ہے تو فہو المطلوب' اور اگر پہلا معاملہ ہے' اور مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری ایک عظیم اکثریت کے ساتھ یہی صورت ہے' تو پھر سب سے پہلے ایمان کی اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے دوسرے تمام حقوق کی ادائیگی کا مکمل انحصار اسی پر ہے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ ھٰذِہِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ کَمَا یَصدَأُ الْحَدِیْدُ اِذَا اَصَابَہُ الْمَاءُ)) قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا جِلَاءُھَا؟ قَالَ : ((کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْآنِ)) (بیہقی)

''بنی آدم کے قلوب بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا پانی پڑنے سے!'' دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! اس زنگ کو دُور کس چیز سے کیا جائے؟ فرمایا: ''موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت!''

دوسرا حق:

تلاوت وترتیل

قرآن کے پڑھنے کے لئے خود قرآن مجید میں اگرچہ قراءت اور تلاوت دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں' لیکن احترام و تعظیم کے ساتھ اسے ایک مقدس آسمانی کتاب سمجھتے ہوئے ذہنی اور نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر کے اتباع اور پیروی کے جذبے کے ساتھ قرآن کو پڑھنے کے لئے اصل قرآنی اصطلاح ''تلاوت'' ہی کی ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ لفظ صرف آسمانی صحیفوں کے پڑھنے کے لئے خاص ہے' جبکہ قراءت ہر چیز کے پڑھنے کے لئے عام ہے اور اس لئے بھی کہ تلاوت کا لغوی مفہوم ساتھ لگے رہنے اور پیچھے پیچھے آنے کا ہے' جبکہ قراءت مجرد جمع وضم کے لئے آتا ہے۔

عام گفتگو میں ابتداءً قراءت کا لفظ قرآن سیکھنے اور اس کے علم کی تحصیل کے لئے استعمال ہوتا تھا اور قاری عالم قرآن کو کہا جاتا تھا' لیکن بعد میں یہ اصطلاح قرآن کو اہتمام اور تکلف کے ساتھ قواعد تجوید کی خصوصی رعایت اور حروف کے مخارج کی صحت کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے پڑھنے کے لئے خاص ہوتی چلی گئی' جبکہ تلاوت کا اطلاق عام طریقے پر انابت اور خشوع وخضوع کے ساتھ حصول برکت ونصیحت کی غرض سے قرآن پڑھنے پر ہونے لگا۔

تلاوت کلام پاک ایک بہت بڑی عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان کو تروتازہ رکھنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

اگر قرآن بس ایک مرتبہ پڑھ لینے کی چیز ہوتی تو کم از کم نبی اکرم ﷺ کو تو اس کے بار بار پڑھنے کی قطعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مسلسل قرآن پڑھتے رہنے کی بار بار تاکید ہوئی۔ عہد رسالت کے بالکل ابتدائی ایام میں تو انتہائی تاکیدی حکم ہوا کہ رات کا اکثر حصہ اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہو کر ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے ہوئے بسر کرو۔ بعد کے ادوار میں بھی' خصوصاً جب مشکلات ومصائب کا زور ہوتا تھا اور صبر واستقامت کی خصوصی ضرورت ہوتی تھی' نبی ﷺ کو تلاوت قرآن ہی کا حکم دیا جاتا تھا۔ چنانچہ سورۃ الکہف میں ارشاد ہوا ہے:

''اور پڑھا کر جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے پروردگار کی کتاب سے۔ کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور نہ ہی تو کہیں پا سکے گا اس کے سوا پناہ کی جگہ۔''

تجوید

اس سلسلے میں سب سے پہلی ضروری چیز قرآن مجید کے حروف کی شناخت' ان کے مخارج کا صحیح علم اور رموز اوقاف قرآنی

کی ضروری معلومات کی تحصیل ہے' جسے اصطلاحاً تجوید کہتے ہیں اور جس کے بغیر قرآن مجید کی صحیح اور رواں تلاوت ممکن نہیں۔
آج سے تیس چالیس سال قبل تک ہر مسلمان بچے کی تعلیم کی ابتدا اسی سے ہوئی تھی اور وہ سب سے پہلے قرآن کے حروف کی پہچان اور ان کی صحیح ادائیگی کی صلاحیت حاصل کرتا تھا۔ افسوس کہ اِدھر ایک عرصے سے مساجد و مکاتب کی تعلیم کے زوال اور کنڈر گارٹن قسم کے مدارس کے رواج کی بدولت یہ صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے کہ مسلمان قوم کی نوجوان نسل کی ایک عظیم اکثریت حتیٰ کہ بہت سے بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے لوگ بھی قرآن مجید کو ناظرہ پڑھنے پر بھی قادر نہیں۔ میں ایسے تمام حضرات سے گزارش کروں گا کہ وہ اپنی اس کمی کا احساس کریں اور جلد از جلد اسے دُور کرنے کی کوشش کریں' اور خواہ وہ عمر کے کسی بھی مرحلے میں ہوں قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کی صلاحیت لازماً پیدا کریں۔ ساتھ ہی ہمیں چاہئے کہ اپنی اولاد کے بارے میں یہ طے کرلیں کہ ان کی تعلیم کی ابتدا اسی سے ہوگی اور سب سے پہلے وہ قرآن کے حروف کی پہچان اور ان کو صحیح مخارج سے ادا کرنا سیکھیں گے اس معاملے میں حد سے زیادہ غلو تو اگرچہ اچھا نہیں لیکن قرآن مجید کو روانی کے ساتھ صحیح اصوات و مخارج اور رموزِ اوقاف کی رعایت و لحاظ کے ساتھ پڑھنے پر قادر ہونا تو ہر معمولی پڑھے لکھے انسان کے لئے بھی لازم اور قرآن مجید کے حق تلاوت کی ادائیگی کی شرطِ اوّلین ہے۔

روزانہ کا معمول:

قرآن مجید کے حق تلاوت کی ادائیگی کے لئے دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کو زندگی کے معمولات میں مستقل طور پر شامل کیا جائے اور ہر مسلمان تلاوت کا ایک مقررہ نصاب پابندی کے ساتھ لازماً پورا کرتا رہے۔ مقدارِ تلاوت مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہو سکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ مقدار جس کی نبی ﷺ نے توثیق فرمائی ہے' یہ ہے کہ تین دن میں قرآن ختم کیا جائے' یعنی دس پارے روزانہ پڑھے جائیں۔ اور کم سے کم مقدار' جس سے کم کا تصور بھی ماضی قریب تک نہ کیا جا سکتا تھا' یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھ کر ہر مہینے قرآن ختم کرلیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ وہ کم از کم نصاب ہے' جس سے کم پر تلاوتِ قرآن کے معمول کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ درمیانی درجہ جس پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم عامل تھے اور جس کا حکم بھی ایک روایت کے مطابق نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیا تھا' یہ ہے کہ ہر ہفتے قرآن ختم کرلیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ صحابہؓ میں قرآن کی تقسیم سورتوں کے علاوہ صرف سات احزاب میں تھی جن میں سے پہلے چھ احزاب علی الترتیب تین' پانچ' سات' نو' گیارہ اور تیرہ سورتوں پر مشتمل ہیں اور ساتواں جو حزبِ مفصل کہلاتا ہے' بقیہ قرآن مجید پر مشتمل ہے۔ اس طرح ہر حزب کم و بیش چار پاروں کا بنتا ہے' جن کی تلاوت انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ دو گھنٹوں میں کی جا سکتی ہے جو دن رات کے عشر سے بھی کم ہے۔

تلاوتِ قرآن مجید کا یہ نصاب ہر اُس شخص کے لئے لازمی ہے جو دینی مزاج اور مذہبی ذوق رکھتا ہو اور قرآن مجید کا حقِ تلاوت ادا کرنے کا خواہش مند ہو' چاہے وہ عوام میں سے ہو یا اہلِ علم و فکر کے طبقے سے تعلق رکھتا ہو' اس لئے کہ جہاں تک روح کے تغذیہ و تقویت کا تعلق ہے اس کے اعتبار سے تو سب ہی اس کے محتاج ہیں۔ اس کے علاوہ عوام کو اس سے ذکر و موعظت

حاصل ہوگی اور اہلِ علم وفکر حضرات اس سے اپنے علم کے لئے روشنی اور فکر کے لئے رہنمائی پائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ حضرات بھی جو دن رات قرآن حکیم پر تفکر وتدبر میں لگے رہتے ہوں اور قرآن کی ایک ایک سورت پر برسوں غور وفکر کرتے اور اس کے مشکل مقامات پر عرصۂ دراز تک توقف کرتے ہوں' وہ بھی قرآن کی اس تلاوتِ مسلسل سے مستغنی نہیں' بلکہ ان کو اس کی دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہی ضرورت ہے' اس لئے کہ قرآن کی تلاوتِ مسلسل سے اُن کی بہت سی مشکلیں از خود حل ہوتی چلی جاتی ہیں اور بے شمار نئے پہلو سامنے آتے رہتے ہیں۔

خوش الحانی:

قرآن کی تلاوت کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنی حد تک بہتر سے بہتر اسلوب' اچھی سے اچھی آواز اور زیادہ سے زیادہ خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ اس لئے کہ حسنِ سماعت کا ذوق کم وبیش ہر انسان میں ودیعت کیا گیا ہے اور اچھی آواز ہر شخص کو بھاتی ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور انسان کے کسی فطری جذبے کو یکسر ختم نہیں کرتا' بلکہ تمام فطری داعیات کو صحیح راستوں پر ڈالتا ہے۔ حسنِ نظر اور حسنِ سماعت انسان کے فطری داعیات میں سے ہیں۔ قرآن مجید کی خوبصورت اور خوش نما کتابت سے ایک مؤمن کے حسنِ نظر کو حقیقی تسکین حاصل ہوتی ہے اور اس کی خوش الحانی کے ساتھ قراءت اس کے ذوقِ سماعت کو آسودگی عطا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے تاکیداً فرمایا ہے:

((زَيِّنُوا الْقُرآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ))

''قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔''

ساتھ ہی اس معاملے میں کوتاہی پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ:

آدابِ ظاہری وباطنی:

قرآن کے حقِ تلاوت کی ادائیگی کی شرائط میں سے تلاوت کے کچھ ظاہری اور باطنی آداب بھی ہیں۔ یعنی یہ کہ انسان باوضو ہو' قبلہ رُخ بیٹھ کر تلاوت کرے' اور اس کی ابتدا تعوّذ سے کرے، پھر یہ کہ اس کا دل کلام اور صاحبِ کلام دونوں کی عظمت سے معمور ہو۔ حضورِ قلب' خشوع وخضوع اور انابت ورجوع الی اللہ کے ساتھ تلاوت کرے' اور خالص طلبِ ہدایت کی نیت اور قرآن حکیم کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کے عزمِ مصمم کے ساتھ قرآن کو پڑھے' اور مسلسل تذکر وتدبر اور تفہم وتفکر کرتا رہے اور اپنے خود ساختہ خیالات ونظریات کی سند قرآن سے حاصل کرنے کے لئے نہیں' بلکہ حتی الامکان معروضی طور پر اس سے ہدایت اخذ کرنے کے لئے پڑھے۔ اس لئے کہ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے' تلاوت کا لغوی مفہوم ''پیچھے لگنے'' اور ''ساتھ رہنے'' کا ہے' اور نفس میں حوالگی وسپردگی کی کیفیت تلاوت کا اصل جوہر ہے۔

تذکر وتدبر

ماننے اور پڑھنے کے بعد تیسرا حق قرآن مجید کا یہ ہے کہ اسے ''سمجھا'' جائے اور ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی نازل ہی اس لئے

ہوا ہے اور اس پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا فہم حاصل کیا جائے۔ بغیر فہم کے مجرد تلاوت کا جواز ایسے لوگوں کے لئے تو ہے جو پڑھنے لکھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہوں اور اب تعلیم کی عمر سے بھی گزر چکے ہوں۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹے پھوٹے طریق پر تلاوت کر لیں تو بھی بہت غنیمت ہے اور اس کا ثواب انہیں ضرور ملے گا' بلکہ ایک ایسا اَن پڑھ شخص جو ناظرہ بھی نہ پڑھ سکتا ہو اور اب اس کے لئے اس کا سیکھنا بھی ممکن نہ ہو' اگر اس یقین کے ساتھ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے' اسے کھول کر بیٹھتا ہے اور محبت و عقیدت اور احترام و تعظیم کے ساتھ اس کی سطور پر محض انگلی پھیرتا رہتا ہے تو اس کے لئے اس کا یہ عمل بھی یقیناً موجب ثواب و برکت ہوگا۔ لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا بھلا عرصہ صرف کر دیا ہو اور دنیا کے بہت سے علوم و فنون حاصل کئے ہوں' مادری ہی نہیں غیر ملکی زبانیں بھی سیکھی ہوں' اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین اور تمسخر و استہزاء کے مجرم گردانے جائیں اور اس اعراض عن القرآن کی سزا تلاوت کے ثواب سے بڑھ جائے۔ الا یہ کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرنے کا عزم کر لیں اور اس کے لئے سعی و جدوجہد شروع کر دیں تو درمیانی عرصے میں اگر مجرد تلاوت بھی کرتے رہیں تو امید ہے کہ اس کا اجر انہیں ملتا رہے گا۔

''سمجھ'' کے لئے یوں تو قرآن مجید نے فہم و فکر اور عقل و فقہ کے قبیل کے تمام ہی الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ فہم قرآن کے لئے وسیع ترین اصطلاح جو قرآن میں سب سے زیادہ استعمال ہوئی ہے وہ ذکر و تذکر کی ہے۔ چنانچہ خود قرآن اپنے آپ کو جا بجا ذکر' ذکریٰ اور تذکرہ کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ اصطلاح درحقیقت فہم قرآن کی اوّلین منزل کا پتہ بھی دیتی ہے اور اس کی اصل غایت اور حقیقی مقصود کا سراغ بھی اس سے ملتا ہے' اور ساتھ ہی اس سے اس حقیقت کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ تعلیمات قرآنی نفس انسانی کے لئے کوئی اجنبی چیز نہیں ہیں بلکہ یہ درحقیقت اس کی اپنی فطرت کی ترجمانی ہے اور اس کی اصل حیثیت ''یاددہانی'' کی ہے' نہ کہ کسی نئی بات کے ''سکھانے'' کی قرآن تمام ذی شعور انسانوں کو جنہیں وہ ''اُولُوا الْاَلْبَابِ'' اور ''قَوْمٌ یَّعْقِلُوْنَ'' قرار دیتا ہے' تفکر اور تعقل کی دعوت دیتا ہے اور اس کا اوّلین میدان خود آفاق و انفس کو قرار دیتا ہے جو آیات الٰہی سے بھرے پڑے ہیں۔ ساتھ ہی وہ انہیں آیات قرآنی میں بھی تفکر و تعقل کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ:

''اسی طرح ہم کھولتے ہیں اپنی آیات ان لوگوں کے لئے جو تفکر کریں۔''

اور فرمایا:

''اور اتارا ہم نے تم پر ذکر کہ تم جو کچھ لوگوں کے لئے اتارا گیا ہے اس کی وضاحت کرو' تاکہ وہ تفکر کریں۔''

اسی طرح:

''اسی طرح اللہ اپنی آیات کی وضاحت فرماتا ہے تاکہ تم تعقل کر سکو۔''

اور:

ہر انسان پر حجت قائم کر دی ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی کم اور کیسی ہی معمولی استعداد کا حامل کیوں نہ ہو' فلسفہ و منطق اور علوم و

فنون سے کتنا ہی نابلد اور زبان وادب کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں سے کتنا ہی ناواقف کیوں نہ ہو وہ قرآن سے تذکر کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کی طبع سلیم اور فطرت صحیح ہو اور ان میں ٹیڑھ اور کجی راہ نہ پا چکی ہو، اور وہ قرآن کو پڑھتے ہوئے اس کا ایک سادہ مفہوم روانی کے ساتھ سمجھتا چلا جائے۔

میرے نزدیک عربی زبان کی کم از کم اتنی تحصیل کہ قرآن مجید کا سرسری مفہوم انسان کی سمجھ میں آ جائے ہر پڑھے لکھے مسلمان پر قرآن کا وہ حق ہے جس کی عدم ادائیگی نہ صرف قرآن بلکہ خود اپنے آپ پر بہت بڑا ظلم ہے۔

''کیا یہ تدبر نہیں کرتے قرآن پر؟ یا دلوں پر لگے ہوئے ہیں ان کے قفل؟''

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں کسی عارف کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے قرآن کی عام تلاوت برائے تذکر اور اس پر گہرے غور وفکر کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک ختم تو قرآن مجید کا ہر جمعہ کو کرلیتا ہوں ایک ختم میں ماہانہ کرتا ہوں اور ایک سالانہ اور ایک اور ختم بھی ہے جس میں میں تیس سال سے مشغول ہوں اور تا حال فارغ نہیں ہوسکا۔

حکم واقامت

''ایمان وتعظیم''''تلاوت وترتیل'' اور ''تذکر وتدبر'' کے بعد قرآن مجید کا چوتھا حق ہر مسلمان پر یہ ہے کہ وہ اس پر عمل کرے۔ اور ظاہر ہے کہ ماننا' پڑھنا اور سمجھنا' سب فی الاصل عمل ہی کے لئے مطلوب ہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید نہ تو کوئی جادو یا جنتر منتر کی کتاب ہے جس کا پڑھ لینا ہی دفعِ بلیات کے لئے کافی ہو' نہ یہ محض حصولِ برکت کے لئے نازل ہوا ہے کہ بس اس کی تلاوت سے ثواب حاصل کرلیا جائے یا اس کے ذریعے جان کنی کی تکلیف کو کم کرلیا جائے۔ اور نہ ہی یہ محض تحقیق وتدقیق کا موضوع ہے کہ اسے صرف ریاضتِ ذہنی کا تختۂ مشق اور نکتہ آفرینیوں اور خیال آرائیوں کی جولانگاہ بنالیا جائے بلکہ' جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے' یہ "هُدًى لِّلنَّاسِ" یعنی انسانوں کے لئے رہنمائی ہے' اور اس کا مقصدِ نزول صرف اس طرح پورا ہوسکتا ہے کہ لوگ اسے واقعتاً اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنالیں۔

یہی وجہ ہے کہ خود قرآن حکیم اور اُس ذاتِ اقدس نے جس پر یہ نازل ہوا (ﷺ) اس بات کو بالکل واضح فرمادیا ہے کہ قرآن پر عمل نہ کیا جائے تو اس کی تلاوت یا اس پر غور وفکر کے کچھ مفید ہونے کا کیا سوال' خود ایمان ہی معتبر نہیں رہتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے دوٹوک فیصلہ سنادیا کہ:

''اور جو فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق کہ جو اللہ نے نازل فرمایا تو ایسے ہی لوگ تو کافر ہیں۔''

اور آنحضرت ﷺ نے مزید وضاحت فرمادی کہ:

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشِ نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہوجائے جو میں لایا ہوں۔''

''جو شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرائے وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا۔''

ایک ایسے شخص کا معاملہ تو مختلف ہے جو ابھی تلاشِ حق میں سرگرداں ہو اور قرآن کو پڑھ اور سمجھ کر ابھی اس کی حقانیت کے عدم یا اثبات کا فیصلہ کرنا چاہتا ہو' لیکن جو لوگ قرآن کو کتابِ الٰہی تسلیم کریں ان کے لئے اس سے استفادے کی شرط لازم یہ ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کے رُخ کو قرآن کی سمت میں عملاً موڑ دینے اور اس کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کی حتی الامکان سعی کے عزمِ مصمم کے بعد قرآن کو پڑھیں۔ چاہے اس میں انہیں کیسے ہی کسر وانکسار' ترک واختیار اور قربانی وایثار کے ساتھ سابقہ پیش آئے۔ بلکہ جیسا کہ اس سے قبل ''تلاوت'' کے لغوی مفہوم کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے' واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت تامہ تو درحقیقت ''منکشف'' ہی صرف ان لوگوں پر ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر کے اس کا مطالعہ کریں اس عزمِ صادق کے بعد بھی ایک طویل مجاہدے اور کٹھن ریاضت کے بعد ہی نفسِ انسانی میں تسلیم وانقیاد کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو نبی ﷺ کے اس قولِ مبارک میں بیان ہوئی جو ابھی میں نے آپ کو سنایا تھا۔ یعنی:

تبلیغ و تبیین

ماننے' پڑھنے' سمجھنے اور عمل کرنے کے علاوہ قرآن مجید کا ایک اور حق بھی ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت واستعداد عائد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔

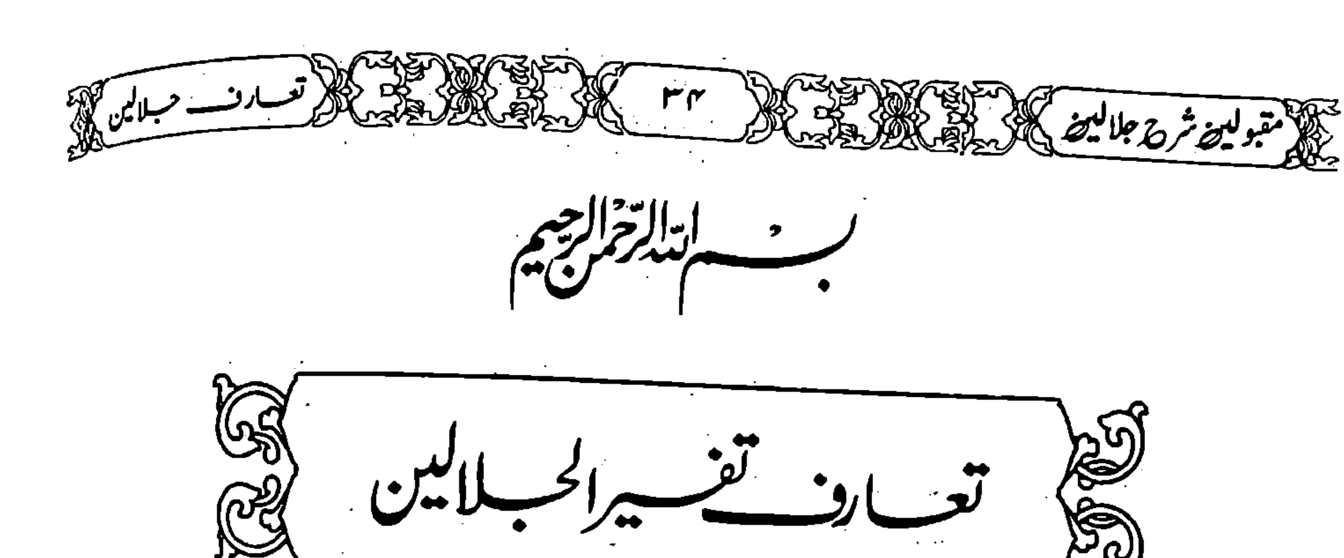
پہنچانے کے لئے قرآن حکیم کی اصل اور جامع اصطلاح ''تبلیغ'' ہے' لیکن تبلیغ کے پہلو بھی بہت سے ہیں اور مدارج و مراتب بھی۔ حتیٰ کہ تعلیم بھی تبلیغ ہی کا ایک شعبہ اور تبیین بھی اسی کا ایک بلند تر درجہ ہے۔

قرآن حکیم خود اپنے مقصدِ نزول کی تعبیر ان الفاظ میں سورۂ ابراہیم میں کرتا ہے:

''یہ (قرآن) پہنچا دینا ہے لوگوں کے لئے اور تاکہ وہ اس کے ذریعے خبردار کر دیئے جائیں۔''

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ۔ آمین

''پروردگار! ہم پر قرآن عظیم کی بدولت رحم فرما اور اسے ہمارے لئے پیشوا' نور اور ہدایت ورحمت بنادے۔ پروردگار! اس میں سے جو کچھ ہم بھولے ہوئے ہیں وہ ہمیں یاد کرا دے اور جو ہم نہیں جانتے ہمیں سکھا دے۔ اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ اس کی تلاوت کریں راتوں کو بھی اور دن کے حصوں میں بھی اور بنا دے اسے دلیل ہمارے حق میں اے تمام جہانوں کے پروردگار!'' (آمین)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف تفسیر الجلالین

اَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا مَا اشْتَدَّتْ اِلَيْهِ حَاجَةُ الرَّاغِبِيْنَ فِيْ تَكْمِلَةِ تَفْسِيْرِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ اَلَّفَهُ الْاِمَامُ الْعَلَّامَةُ الْمُحَقِّقُ الْمُدَقِّقُ جَلَالُ الدِّيْنِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الْمَحَلِّيُّ الشَّافِعِيُّ وَ تَتْمِيْمِ مَافَاتَه وَ هُوَ مِنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ اِلٰى اٰخِرِ سُوْرَةِ الْاِسْرَاءِ بِتَتِمَّةٍ عَلٰى نَمَطِه مِنْ ذِكْرِ مَا يُفْهَمُ بِه كَلَامُ اللّٰهِ وَالْاِعْتِمَادِ عَلٰى اَرْجَحِ الْاَقْوَالِ وَاِعْرَابِ مَايُحْتَاجُ اِلَيْهِ وَالتَّنْبِيْهِ عَلَى الْقِرَاءَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ الْمَشْهُوْرَةِ عَلٰى وَجْهٍ لَطِيْفٍ وَ تَعْبِيْرٍ وَ جِيْزٍ وَ تَرْكِ التَّطْوِيْلِ بِذِكْرِ اَقْوَالٍ غَيْرِ مَرْضِيَّةٍ وَّ اَعَارِيْبَ مَحَالُهَا كُتُبُ الْعَرَبِيَّةِ وَاللّٰهَ اَسْأَلُ النَّفْعَ بِه فِي الدُّنْيَا وَ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ عَلَيْهِ فِي الْعُقْبٰى بِمَنِّه وَ كَرَمِه۔

حمد وصلوٰۃ وسلام کے بعد یہ ایک کتاب ہے کہ امام، علامہ، محقق، مدقق جلال الدین محمد بن احمد محلی الشافعیؒ کی کتاب تفسیر القرآن کا تکملہ ہے اور جو تفسیر ان سے چھوٹ گئی تھی اس کی تتمیم ہے جس کی شدید ضرورت ہے جو اوّل سورۂ بقرہ سے شروع ہو کر آخر سورۂ اسراء تک ہے اور علامہ محلیؒ کے طرز پر مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

جلالین کی خصوصیات:

(۱) اس میں ایسی چیزوں کا ذکر ہے جن سے کلام الٰہی سمجھنے میں مدد ملے (۲) تمام اقوال میں سب سے زیادہ راجح قول پر اعتماد کیا گیا ہے (۳) ضروری اعراب اور مختلف و مشہور قراءات پر لطیف طریقہ اور مختصر عبارت کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے

(۴) ناپسندیدہ اقوال اور غیر ضروری اعراب کو ذکر کرکے جن کا اصلی محل علوم عربیہ کی کتابیں ہیں تطویل نہیں کی گئی ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے میری درخواست یہ ہے کہ دنیا میں اس کتاب سے نفع پہنچائے اور آخرت میں بہترین بدلہ مرحمت فرمائے۔

جلالین کا طرۂ امتیاز:

''تفسیر جلالین'' اصل میں جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ اور جلال الدین المحلی المتوفی ۸۶۴ھ کی تصنیف شدہ کتاب ''تفسیر جلالین'' کا اردو ترجمہ وتشریح ہے۔

جلالین نصف اول علامہ جلال الدین سیوطی اور نصف ثانی علامہ جلال الدین المحلی رحمہما اللہ نے تصنیف کیا ہے چونکہ دونوں صاحبین تفسیر کے نام میں جلال آتا ہے اس لیے اس تفسیر کا نام ان کے ناموں کی طرف منسوب کر کے'' جلالین'' رکھا گیا جو کہ جلال کی جمع کا صیغہ ہے۔

اس کتاب کا نصف ثانی علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے لکھنا شروع کیا، انہوں نے شیخ موفق الدین احمد بن یوسف بن حسن بن رافع کواشی کی تفسیر ''تفسیر کواشی الصغیرہ'' کو سامنے رکھا، اسی لیے تفسیر کواشی تفسیر جلالین کا ماخذ مانی جاتی ہے۔ تفسیر جلالین فن تفسیر کی ایک مختصر کتاب ہے جس کے تفسیری الفاظ قریب قریب قرآنی الفاظ کے ہم عددی ہیں بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ تفسیر جلالین دراصل قرآن کے عربی ترجمہ کی ایک شکل ہے کہ مشکل الفاظ اور مشکل ترکیبوں کا حل اور آیات کے ساتھ مختصر سے جملے ایضاح مطالب کے لیے زیادہ کردیئے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں کوئی تفصیل طلب بات ہوتی ہے تو اسے اجمالاً ذکر کر دیا جاتا ہے، جلالین کو نصاب دینیہ میں شامل کرنے کا مطلب ومقصد یہ ہے کہ طلباء و طالبات کو ایسی استعداد اور ملکہ راسخہ حاصل ہو جائے کہ تعلیمی زندگی سے الگ ہونے کے بعد بھی اپنے متعلقہ فنون کے حقائق ومسائل تک استاد کی اعانت کے بغیر رسائی ہونے لگے۔

علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی تفسیر کا نصف ثانی مکمل کیا تھا کہ زندگی نے ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ اس کے بعد اس تفسیر کا نصف اوّل علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز وانداز پر تقریباً بائیس سال کی عمر میں صرف ایک چلہ میں تصنیف کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کتنے سریع التصانیف تھے۔

صاحب جلالین کے تراجم:

جلال الدین نام کے چار حضرات آسمانِ شہرت کے نجوم وکواکب ہوئے ہیں: (۱) جلال الدین رومیؒ صوفیا میں۔ (۲) جلال الدینؒ دوانی مناطقہ میں۔ (۳) جلال الدین محلی شافعی مصریؒ المتولد ۷۹۱ھ المتوفی ۸۶۴ھ اور (۴) جلال

الدین سیوطیؒ الشافعی التوفی ۹۱۰ھ مفسرین میں علامہ محلیؒ کے چھ سال بعد بیس بائیس سال کی عمر میں سیوطیؒ نے سب سے پہلی تصنیف کا یہ تفسیری شاہکار پیش کیا اور صرف ایک چلہ میں۔ اس کے علاوہ ان کی تفسیر اتقان فی علوم القرآن شہرۂ آفاق تالیف ہے جس میں اسی ۸۰ ابواب ہیں اور تین سو سے زائد علوم پر بحث کی گئی ہے اگر اس میں موضوع وضعیف روایات نہ ہوتیں تو کتب خانۂ اسلام کی یہ بے نظیر کتاب سمجھی جاتی۔ ان کی ایک مبسوط تفسیر الدر المنثور فی التفسیر الماثور کے نام سے بھی ہے۔

جلالین کا مرتبہ:

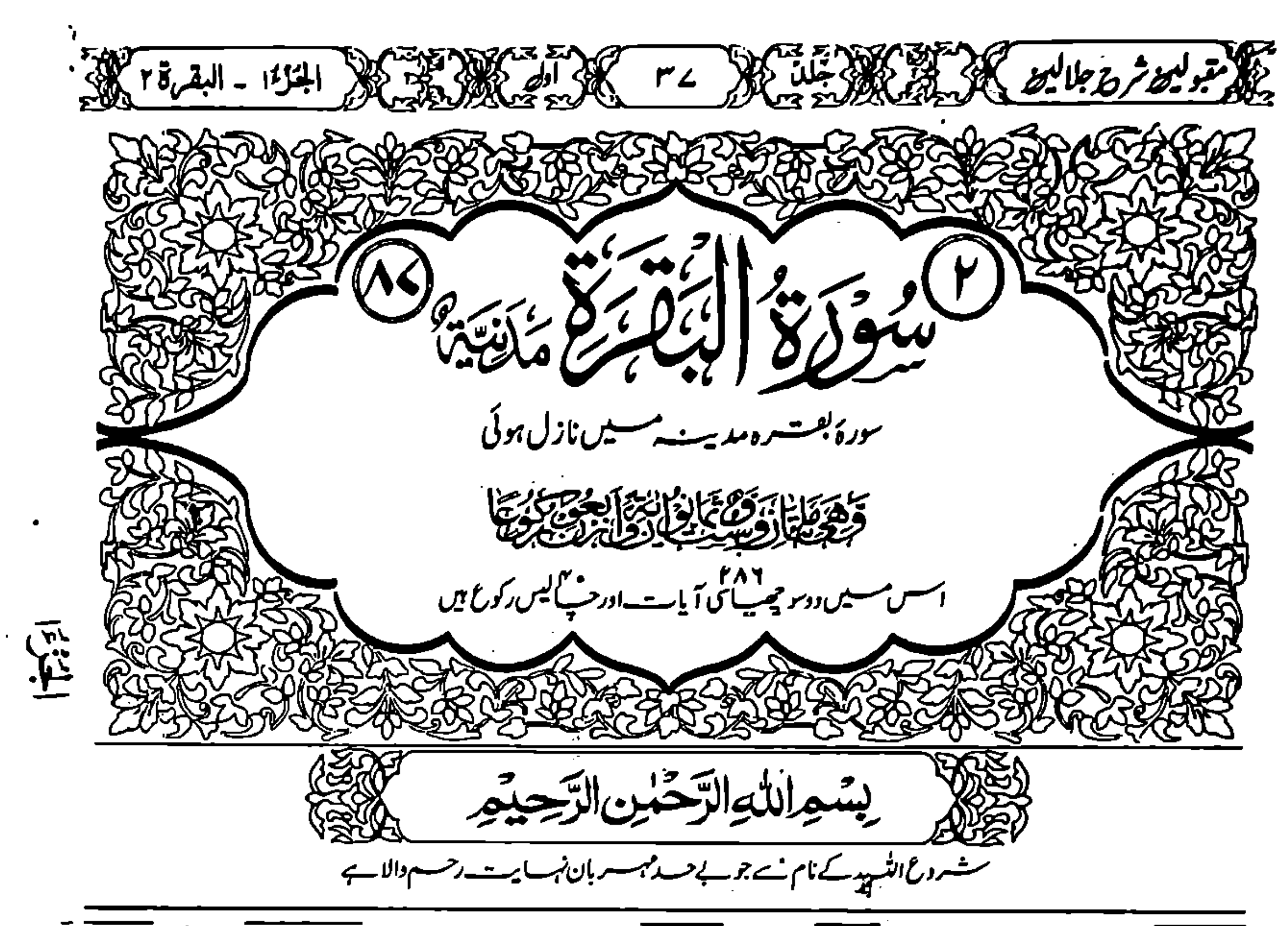
تفسیری کتابیں تین طرح کی ہوتی ہیں: اوّل نہایت مختصر اور وجیز جیسے جلالین کہ متن وتفسیر کے الفاظ تقریباً برابر ہیں یا زادالمسیر علامہ ابن جوزیؒ کی۔ اور وجیز واحدیؒ کی یا تفسیر واضح رازی کی اور شہیر ابی حیانؒ کی دوسرے اوسط درجہ کی جیسے تفسیر بیضاوی، مدارک، کشاف تفسیر قرطبی وغیرہ۔ تیسرے مبسوط ومفصل جیسے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور تفسیر العلامی کی چالیس مجلدات تفسیر امام راغبؒ اصفہانی وغیرہ۔

نیز کتب تفسیر کی ایک اور تقسیم بھی ہے (۱) صرف روایات ونقلیات پر مشتمل ہو (۲) صرف درایات وعقلیات پر حاوی ہو۔ (۳) تیسری قسم جو سب سے اعلیٰ ہے یعنی روایت ودرایت دونوں کی جامع ہو۔ جلالین اسی قسم ثالث میں شمار ہے۔

ضروری بات

سورۂ فاتحہ کی تفسیر چونکہ علامہ محلیؒ نے کی ہے اس لئے ان کی تفسیر یکجا کرنے کے لئے نصف آخر کے ساتھ اس کو ملحق کر دیا تھا کہ نصف اوّل علامہ سیوطیؒ کی تفسیر، نصف ثانی علامہ محلیؒ کی تفسیر سے علیحدہ ہو جائے۔





الٓمّٓ ۚ ۝ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ ذٰلِكَ أَيْ هٰذَا الْكِتٰبُ الَّذِيْ يَقْرَؤُهُ مُحَمَّدٌ ﷺ لَا رَيْبَ ۚ لَا شَكَّ فِيْهِ ۚ أَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَجُمْلَةُ النَّفْيِ خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهٗ ذٰلِكَ وَالْإِشَارَةُ بِهٖ لِلتَّعْظِيْمِ هُدًى خَبَرٌ ثَانٍ أَيْ هَادٍ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ۝ الصَّائِرِيْنَ إِلَى التَّقْوٰى بِامْتِثَالِ الْأَوَامِرِ وَاجْتِنَابِ النَّوَاهِيْ لِاتِّقَائِهِمْ بِذٰلِكَ النَّارَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِالْغَيْبِ بِمَا غَابَ عَنْهُمْ مِنَ الْبَعْثِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ أَيْ يَأْتُوْنَ بِهَا بِحُقُوْقِهَا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ أَعْطَيْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ ۝ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ أَيِ الْقُرْاٰنَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ أَيِ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَغَيْرِهِمَا وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ ۝ يَعْلَمُوْنَ أُولٰٓئِكَ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ الْفَائِزُوْنَ بِالْجَنَّةِ النَّاجُوْنَ مِنَ النَّارِ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَأَبِيْ جَهْلٍ وَأَبِيْ لَهَبٍ وَنَحْوِهِمَا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَالِ الثَّانِيَةِ أَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَإِدْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْأُخْرٰى وَتَرْكِهٖ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ لِعِلْمِ اللّٰهِ مِنْهُمْ ذٰلِكَ فَلَا تَطْمَعْ فِيْ إِيْمَانِهِمْ وَالْإِنْذَارُ إِعْلَامٌ مَعَ تَخْوِيْفٍ

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ طَبَعَ عَلَيْهَا وَاسْتَوْثَقَ فَلَا يَدْخُلُهَا خَيْرٌ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ أَيْ مَوَاضِعِه فَلَا يَنْتَفِعُوْنَ بِمَا يَسْمَعُوْنَهُ مِنَ الْحَقِّ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ غِطَاءٌ فَلَا يُبْصِرُوْنَ الْحَقَّ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ قَوِيٌّ دَائِمٌ۔ ع ۱

ترجمہ: الٓمّٓ ۝ اللہ ہی خوب جانتا ہے اپنی مراد کو اس (لفظ الٓمّٓ) سے۔ وہ (یعنی یہ) کتاب (جس کو محمد ﷺ پڑھتے ہیں) ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے (کہ وہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے) اور جملہ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ خبر ہے اور مبتدا اس کا ذٰلِكَ ہے اور اشارہ اس ذٰلِكَ سے تعظیم کے لیے ہے۔ هُدًى خبر ثانی ہے (ذٰلِكَ مبتداء کی) اور هُدًى مصدر بمعنی اسم فاعل ہادی (مرشد) کے ہے یہ کتاب ہدایت کرنے والی ہے تقویٰ والوں کو جو اوامر کی اطاعت اور نواہی سے اجتناب کے ذریعہ پرہیز گاری کی طرف مائل ہوں، ان لوگوں کے اس (امتثال و اجتناب کے ذریعہ) نار جہنم سے بچنے ہی کی وجہ سے وہ متقی و پرہیزگار ہیں۔ تقویٰ والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں (تصدیق کرتے ہیں) بغیر دیکھے (جو چیزیں ان سے غائب و پوشیدہ ہیں یعنی بعث بعد الموت اور جنت و دوزخ) اور قائم رکھتے ہیں نماز کو (یعنی نماز کو اس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں) اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی فرماں برداری یعنی نیک کاموں میں) اور (متقین وہ لوگ ہیں) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی یعنی قرآن اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں یعنی تورات و انجیل وغیرہ، اور آخرت پر وہ لوگ یقین رکھتے ہیں یعنی یقینی طور سے جانتے ہیں علم الیقین حاصل ہے پس یہی لوگ یعنی مذکورہ صفات والے ہدایت پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے یعنی جنت کے ذریعہ مراد کو پہنچنے والے اور نار جہنم سے نجات حاصل کرنے والے۔ بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں (جیسے ابو جہل اور ابولہب اور ان کے امثال) برابر ہے ان کے لئے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ بتحقیق الہمزتین الخ سے مفسر علام اختلاف قراءت بتلا رہے ہیں کہ ءَاَنْذَرْتَهُمْ میں پانچ قراءتیں ہیں۔ (۱) تحقیق ہمزتین، اس کی دو صورتیں ہیں: تحقیق همزتين مع مدة بينهما مدا طبيعيا و تركه، یعنی تحقیق ہمزتین مع توسط الف (۲) دوسری صورت تحقیق ہمزتین ترک توسط یعنی بلا توسط الف اور یہی دوسری صورت اصل ہے پہلی ہمزہ تسویہ یعنی دونوں چیزوں میں برابری ثابت کرنے کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ (۳) وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا یعنی ہمزہ ثانیہ کو الف سے بدل دینا۔ (۴) وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ یعنی تسہیل ہمزہ ثانیہ مع ادخال الف (وادخال الف کا واؤ بمعنی مع ہے) والاخرى تركه اى ترك الادخال یعنی تسہیل ہمزہ ثانیہ بلا توسط الف۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دو صورت تحقیق ہمزتین کی اور دو صورت تسہیل کی اور ایک صورت ہمزہ کی اور ایک صورت ہمزہ ثانیہ کو الف سے بدل کر لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اس لئے کہ اللہ کو ان لوگوں کی اس حالت کا علم ہے سو آپ ان کے ایمان کی امید نہ رکھئے۔ اور انذار کے معنی ایسی خبر دینا جس سے خوف اور ڈر پیدا ہو۔ مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر (بند لگا دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور مضبوط کر دیا کہ اب اس میں کوئی خیر نہیں داخل ہو سکتی ہے) اور ان کے کانوں پر (مفسر علام نے مضاف مقدر

مواضع کو ظاہر کر کے بتلادیا کہ سمع سے مراد موضع سمع یعنی کان ہے) پس حق باتوں کو سن کر اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے پس حق دیکھ نہیں سکتے ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جو قوی ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :اَللّٰهُ اَعْلَمُ :اس سے علامہ رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ یہ متشابہات سے ہے اور اس کی حقیقی تفسیر ذات باری تعالیٰ ہی کے حوالہ کرنا زیادہ بہتر قول ہے۔جنہوں نے اس کی طرح کے دیگر متشابہات کی کچھ تاویل کی ہے وہ بطور احتمال ہے۔

قوله : ذٰلِكَ :اس کا مشار الیہ الٓمّٓ ۚ بطور مجموعہ حروف یا قرآن یا الکتاب کی طرف اشارہ ہے۔اس صورت میں وہ کتاب مراد ہے جس کے اتارنے کا وعدہ دوسری آیت: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ [المزمل] میں فرمایا گیا ہے۔

قوله :اَيْ هٰذَا :اس سے اشارہ کیا کہ ذٰلِكَ یہ هٰذَا کے معنی میں ہے جو کہ قریب کے لیے آتا ہے،اس لیے کہ مشار الیہ الٓمّٓ ۚ قریب ہے اور اَلْکِتٰبُ اگر مشار الیہ ہو تو وہ بھی قریب ہے۔پس ذلک اشارہ بعید تعظیم کے لیے ہے۔اور اسم اشارہ محسوس کے لیے ہوتا ہے۔گویا یہ مشار کی طرح ہو گیا اور اشارہ عقلیہ کو اشارہ حسیہ کی طرح لایا گیا ہے۔(فتدبر)

قوله :اَلَّذِيْ ..... ۔اس سے اس بات پر خبردار کیا گیا کہ الکتاب میں الف لام عہد کا ہے کیونکہ اشارہ کے وقت ذہن اسی طرف جلدی سے منتقل ہوتا ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس سے سورۃ یا کتاب کے متعلق جنس کتاب کی صداقت کے ذریعہ خبر دینا مقصود ہے۔

قوله: اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ :اس کا اضافہ اس وجہ سے کیا گیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کتاب واحد نہیں بلکہ یہ قضیہ ہے اور شک و ظن وعلم کا اس سے متعلق کرنا درست ہے۔

قوله:وَجُمْلَةُ النَّفْيِ : یہ کہہ کر مفسر نے ان لوگوں کی تردید فرمائی جنہوں نے ظرف کو اسم کی صفت قرار دیا ہے اور اس کی خبر لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ہے۔مطلب یہ ہے: لاریب کائن فیہ للمتقین۔اسکے متقین کیلئے ہونے میں شک نہیں اور وجہ تردید کی یہ ہے کہ مقام مدح میں عموم زیادہ مناسب ہوتا ہے اور یہ بھی وجہ ہے کہ عام طور پر ظروف جو لَا نفی جنس کے بعد ہوتے ہیں وہ خبر ہوا کرتے ہیں۔

قوله :مُبْتَدَؤُهٗ ذٰلِكَ : یہ کہہ کر مفسرؒ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو اس کو خبر کہتے اور الٓمّٓ ۚ کو المؤلف منہا کی تقدیر سے مبتدا مانتے ہیں اور وجہ رد کی یہ ہے کہ المؤلف سے خاص ہے اور اخص کو اعم پر محمول نہیں کر سکتے۔

قوله :وَالْاِشَارَةُ بِهٖ: یہ عبارت اسلئے لائی گئی تا کہ اسم اشارہ سے محسوس کی طرف اشارہ کو لازم کرنے والوں کا اعتراض نہ آئے۔

قوله: خَبَرٌ ثَانٍ : یہ کہہ کر ان لوگوں کی تردید فرمائی جو اس کو حال قرار دیتے ہیں۔حال مان لینے سے شک کی نفی ہدایت سے مقید ہو جائے گی اور یہ مقصود نہیں۔

قوله: هَادٍ۔ هُدًى: ھدی تو مصدر ہے اور یہاں مبالغہ کے طور پر مشتق مراد ہے۔

قوله: الصَّائِرِينَ: اس میں اشارہ فرمایا کہ متقی سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو تقویٰ کی طرف جانے والے ہیں وہ لوگ مراد نہیں جو فی الحال اس سے موصوف ہوں۔

قوله: لِاتِّقَائِهِمْ: اس سے علامہؒ نے ان کے متقی کہلانے کی وجہ بیان فرمائی اور وہ تقویٰ اختیار کرنا ہے۔

قوله: يُصَدِّقُونَ: اس سے اشارہ فرمایا کہ ایمان کی حقیقت تصدیق ہے اور با سے متعدی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اعتراف کا معنی پایا جاتا ہے۔

قوله: بِمَا غَابَ: سے اشارہ فرمایا کہ یہاں غیب سے ذات باری تعالیٰ مراد نہیں اس لیے کہ غیب سے اس کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔

قوله: يَأْتُونَ بِهَا۔ اقام به اقام العود اذا ازال اعوجاجه۔ اس نے لکڑی کے ٹیڑھ کو درست کر دیا سے لیا گیا اور اس کے لفظ میں ازالہ ٹیڑھ کے ساتھ ساتھ، کامل ادائیگی حقوق بھی شامل ہو جاتی ہے۔

قوله: أَعْطَيْنَاهُمْ: یہاں رزق اپنے لغوی معنی میں ہے۔ عرفی معنی مراد نہیں وہ یہ ہے کہ کسی حیوان کو کسی شئی سے نفع اٹھانے پر پورا قابو دینا۔ اور یہ خلاف ظاہر ہے۔

قوله: فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ: یہاں سے اشارہ فرمایا کہ مطلق انفاق مراد نہیں کہ جس پر مسرف کے خرچ کا اعتراض ہو۔

قوله: يُوْقِنُوْنَ : نفی شک کے ساتھ علم کی پختگی یقین کہلاتی ہے۔

قوله: الْمَوْصُوْفُوْنَ: اس سے اشارہ کر دیا کہ اسم اشارہ کا یہاں آنا یہ اسی طرح ہے جیسا ان صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف کا ذکر کر دیا اور یہ صرف اسم کے اعادے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں مقتضی کا بیان ہے اور وہ وصف ہے جو حکم کا متقاضی ہے حکم کا وصف پر مرتب ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہی اس کا باعث ہے۔

قوله: كَأَبِيْ جَهْلٍ: قرآن کے ظاہر نظم سے ذہن میں پیدا ہونے والے سوال کا جواب دیا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم ازلی میں طے ہو چکا۔

قوله: عَلَيْهِمْ ۔ یہ ان کی خبر ہے اور فاصلے کی یہی وجہ ہے کہ اس کا ما سبق پر عطف نہیں۔ (فتفکر)

سواء یہ مصدر ہے اور استواء کے معنی میں آیا ہے اور مصادر صفت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

قوله: وَاسْتَوْثَقَ: اس کو استیثاق سے تعبیر کیا اس لیے کہ مہر لگا کر کسی چیز کو بند کر دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی اس کا دل حق کے نفوذ سے بند ہے جیسا کہ کسی برتن کے منہ پر مہر لگ جانے سے اس برتن میں اور کوئی چیز ڈالی نہیں جا سکتی ہے۔ خَتَمَ اور وَاسْتَوْثَقَ کا عطف کر کے بتا دیا کہ یہاں ختم حقیقی اور ظاہری مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہے۔

قوله: وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۔ اس کو واحد لائے کیونکہ یہاں التباس کا احتمال نہیں کیونکہ سمع مصدر ہے اور مصادر کی جمع نہیں بنتی۔

قولہ: أَيْ مَوَاضِعِهِ :اس سے اشارہ کر دیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے کیونکہ سمع مصدر ہے اس ختم کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان مواضع کے لیے خاص جہتیں تھیں، اس لیے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ چیز ذکر فرمائی اور ادراک تمام جوانب کو شامل تھا اس لیے اس کے ساتھ مہر کا ذکر کیا جو تمام جوانب وجہات کے لیے مانع ہے۔ (ک)

قولہ: عَذَابٌ: کسی زندہ کو دکھ دینا جو اس کی ذلت ورسوائی کا باعث ہو۔ (ک)

قولہ: عَظِيْمٌ ۝ :عظیم یہ حقیر کا مقابل ہے اور کبیر صغیر کا مقابل ہے اور حقیر صغیر سے چھوٹا ہوتا ہے پس عظیم کبیر سے بڑا ہوا، اسی وجہ سے اس کا معنی قوی دائم سے کیا۔ (ک)

ربط: سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی مانگی گئی تھی پہلے رکوع میں صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کی صفات اور نتیجہ اور اس سے روگردانی کرنے والوں اور ان کے انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ کا زمانہ نزول، فضائل اور سورۂ بقرہ کی وجہ تسمیہ

زمانۂ نزول:

مصحف عثمانی کی ترتیب کے لحاظ سے یہ دوسری سورت ہے۔ یہ سورۃ مدنی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن پاک کی سورتوں کی تقسیم یا شناخت کے سلسلے میں مکی یا مدنی ہونا بھی ایک حوالہ ہے۔ اس سے سورتوں کی شناخت میں بھی مدد ملتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اہل علم کو اس کے مضامین سمجھنے میں بھی آسانی ہو جاتی ہے کیونکہ جیسے ہی یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی، تو فوراً اس سورۃ کا زمانۂ نزول، پس منظر، تاریخ اور واقعات سے قرائن کا تعین آسان ہو جانے کے باعث احکام کو سمجھنے اور بعض احکام کی توجیہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لیے سورتوں کی مدنی اور مکی تفصیل بہر حال ایک اہمیت کی حامل ہے۔ اسی اہمیت کے باعث یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پیش نظر سورۃ مکی ہے یا مدنی۔ مکی اور مدنی کے الفاظ بظاہر یہ خبر دیتے ہیں، کہ کسی سورۃ کے مدنی ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور مکی ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بات جزوی طور پر تو صحیح ہے، کلی طور پر نہیں۔ اس کا مکمل مفہوم یہ ہے کہ جو سورۃ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، چاہے وہ مکہ میں نازل ہوئی ہو یا مکہ سے باہر یا معراج کو جاتے ہوئے فضا میں یا آسمانوں پر، وہ بہر حال مکی ہے اور مدنی ہونے کے مطلب یہ ہے کہ وہ سورۃ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہو۔ چاہے مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہو یا باہر کسی جگہ۔ حتیٰ کہ اگر وہ ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں بھی نازل ہوئی ہے، تب بھی وہ مدنی کہلائے گی۔ کیونکہ ہجرت کے بعد بعض ایسی بھی آیات ہیں، جو اس وقت نازل ہوئیں، جب آپ ﷺ چھ ہجری میں عمرہ کرنے کے ارادہ سے مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تھے اور وہ آیات بھی جو عمرہ سے واپسی پر، حالت سفر میں، آپ ﷺ پر نازل ہوئیں، جیسے ”سورۃ الفتح“۔ سورۃ الفتح سفر کے دوران حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی۔ اسی طرح جب آپ ﷺ دس ہجری میں حج کے لیے تشریف لائے، تو بعض آیات حج کے دوران نازل ہوئیں، جن میں سے تکمیل دین کی آیت بہت مشہور ہے۔

سورۃ البقرۃ چونکہ مدنی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت نہ صرف یہ کہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے بلکہ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں اس کا نزول ہوا ہے۔ البتہ اس کی بعض آیات ایسی ہیں، جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں۔ مثلاً ''سورۃ بقرۃ'' کی آخری آیات، وہ مکہ معظمہ میں معراج کے سفر میں نازل ہوئیں۔ لیکن انھیں اللہ کے حکم سے، رسول اللہ ﷺ نے اس سورۃ کے آخر میں لکھنے کا حکم دیا۔ اسی طرح بعض آیات ایسی ہیں۔ جو ہجرت کے جلدی بعد نہیں، بلکہ مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔ بالخصوص سود سے متعلقہ آیات، وہ تو آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دنوں میں نازل ہوئیں لیکن مضمون کی مناسبت سے، آنحضرت ﷺ نے انھیں بھی اس میں شامل کرنے کا حکم فرمایا۔

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی ہے۔ تو ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے، کہ جب اس سورۃ کا نزول ہوا ہے، تو مسلمانوں کو کس طرح کے حالات سے واسطہ تھا۔ اس طرح سے اس سورۃ کے مندرجات کے پس منظر کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

مشرکین مکہ کی خصوصیات

مکہ معظمہ میں آنحضرت ﷺ کی دعوت کو صرف مشرکین مکہ سے واسطہ تھا۔ ان کی چند خصوصیات تھیں۔ جنھیں سمجھ لینے سے اسلامی دعوت کو جو حالات درپیش تھے، انھیں سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

مشرکین مکہ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑتے تھے اور اپنے آپ کو ملت ابراہیم سے متعلق ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ لیکن حقیقت میں، وہ سوائے اس کے کہ اللہ کو بطور خالق و مالک تسلیم کرتے تھے اور اس کی ذات اور بعض صفات کا اعتراف کرتے تھے۔ لیکن اس سے زیادہ وہ کسی چیز سے واقف نہیں تھے۔ بلکہ وہ دین کی بنیادی باتوں سے بھی بے بہرہ تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ توحید، رسالت اور آخرت کیا چیزیں ہیں اور انسانی زندگی کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے۔ وہ اگرچہ بعض اخلاقی خوبیوں کے معترف تو تھے، لیکن ان خوبیوں کو اللہ کے احکام کے طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان میں بعض مکارم اخلاق ابھی تک زندہ تھے۔ وہ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دینی وراثت تھی، جس کا کچھ اثر ان میں باقی تھا۔ لیکن وہ انھیں عرب خصوصیات کے طور پر پہچانتے تھے۔ وحی الٰہی کا تصور، ان کے لیے بالکل ایک اجنبی چیز تھا۔ ان بنیادی دینی تشخصات کے ساتھ ساتھ مزید مشکل یہ تھی کہ وہ علم کی ہر بات سے کورے تھے۔ مکہ معظمہ اگرچہ پورے جزیرۂ عرب میں ہر لحاظ سے ایک منفرد حیثیت کا حامل تھا۔ غیر ملکی اسفار کے باعث ان کا ذہنی افق دنیوی معاملات میں دوسرے لوگوں سے زیادہ روشن تھا۔ لیکن یہ اپنے دینی تصورات میں چونکہ نہایت متعصب واقع ہوئے تھے۔ اس لیے کسی قسم کا بیرونی اثر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ مزید مشکل یہ تھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کو ہدایت کی علامت سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کی دینی وراثت میں سے کسی چیز کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے، بلکہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کے مقابلے میں بھی، وہ اپنے آباؤ اجداد کو دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ ہر جاہل معاشرے میں یہ خصوصیت موجود ہوتی ہے کہ جب بھی انھیں ان کے معتقدات سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے، تو وہ شروع میں ناراض ہوتا ہے اور پھر مشتعل ہو جاتا ہے، یہی کیفیت ان کی بھی تھی۔

البتہ اس طرح کے بند معاشروں میں ترجیحات واضح ہوتی ہیں کہ وہ جس چیز کو مانتے ہیں، تو اخلاص سے مانتے ہیں اور جس کا انکار کرتے ہیں، تو اس کو زندگی موت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ ان میں نفاق نہیں ہوتا۔ غلط راستے پر چلتے ہیں، تو یکسو ہو کر اور صحیح راستے کی طرف آتے ہیں، تو ہر طرف سے کٹ کر۔ مکہ والوں کا بھی یہ حال تھا۔ آنحضرت ﷺ کو جب ان کی ہدایت کا حکم ملا، تو آپ ﷺ کو ان دیواروں سے سر پٹخنا پڑا۔ شدید مخالفت ہوئی، اشتعال دشمنی تک کو چھونے لگا، لیکن انہی میں سے سعید روحیں چھن چھن کر ہدایت کی طرف آنے لگیں۔ اس طرح سے اگر مخالفین نے مخالفت اور عناد کی مثالیں قائم کیں، تو اصحاب ایمان نے بھی استقامت اور قربانی کی شمعیں روشن کیں۔ لیکن اس پوری صورتحال میں ایک حقیقت ایسی بھی ہے، جس کی طرف پوری طرح توجہ دی جانی چاہیے۔ وہ یہ کہ مکہ کا معاشرہ قبیلوں پر مشتمل معاشرہ تھا۔ قبائل پر مشتمل معاشرے میں ایک عجیب بات یہ ہوتی ہے، کہ قبیلے سے وابستگی بجائے خود ایک ایسی عصبیت کا نام ہے، جو بعض دفعہ باقی عصبیتوں پر بھی غالب آ جاتی ہے۔ اس کے جہاں نقصانات ہیں وہیں کچھ فوائد بھی ہیں۔ کسی قبیلے کے لیے دوسرے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کر دینا آسان نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ایسا واقعہ ہو جائے، تو مقتول کا پورا قبیلہ، اپنے حمایتی قبیلوں سمیت، قاتل قبیلے کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس وقت تک حالات رو بہ اصلاح نہیں ہوتے، جب تک قاتل کو قصاص میں قتل نہ کر دیا جائے۔ اس لیے اس معاشرے میں آنحضرت ﷺ کو انتہائی مخالفت کے باوجود، ایک تحفظ بھی حاصل تھا۔ اللہ کی طرف سے حفاظت تو ہر پیغمبر کے ہم رکاب رہتی ہے۔ لیکن ظاہری تحفظات میں سے آنحضرت ﷺ کو یہ تحفظ میسر تھا، جس کو باقی قبائل بھی سمجھتے تھے کہ اگر آنحضرت ﷺ پر کسی ناپاک ارادے سے ہاتھ ڈالا گیا، تو بنو ہاشم اور اس کے حلیف قبیلے، باوجود اس کے کہ سارے مسلمان نہیں ہوئے، پھر بھی وہ خاموش نہیں رہیں گے اور اس طرح سے ایک ایسی آگ بھڑکے گی، جس کے نتیجے میں صرف حرم کا احترام ہی مجروح نہیں ہوگا، بلکہ قریش کی قوت بھی داؤ پر لگ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں، اہل مکہ نے آپ ﷺ کی اور مسلمانوں کی مخالفت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ لیکن وہ آنحضرت ﷺ یا مسلمانوں کو ختم کر دینے کا ناپاک اقدام کبھی نہ کر سکے۔ وہ مسلمانوں کو اذیتیں تو دیتے تھے، لیکن ایک آدھ کسی لونڈی کے قتل کے واقعے کے سوا، کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا حالانکہ مسلمانوں کی اکثریت حبشہ یا دوسرے علاقوں میں ہجرت کر کے جا چکی تھی۔ اس طرح ان کے سامنے کوئی بڑی مدافعت بھی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی ان کی طرف سے کسی بڑے اقدام کا نہ ہونا، یہ صرف اس تحفظ کی وجہ سے تھا، جو قبائل کی زندگی میں ایک بڑے عنصر کے طور پر موجود ہوتا ہے۔ ممکن ہے آپ کو یہ خیال آئے کہ قریش نے بالآخر آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تو بنا یا تھا، اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ منصوبہ اس وقت بنا جب ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما چکے تھے اور اب بنو ہاشم کی سرداری ابولہب کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ میں محمد ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری سے دست بردار ہوتا ہوں۔ چنانچہ جیسے ہی آنحضرت ﷺ قبیلے کی حفاظت سے محروم ہوئے، تو دوسرے لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف اس طرح کی منصوبہ بندی کرنے کا موقع ملا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اب ہم نے کوئی ایسی حرکت کی تو بنو ہاشم ہم سے اس خون کا بدلہ لینے کی کوشش نہیں کریں گے اور جب بنو ہاشم ہی اس

دعویٰ سے ہی دست بردار ہو جائیں گے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خاندان، جو صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے آپ ﷺ کی پشت پر تھا، وہ بھی کسی طرح کی مزاحمت کی کوشش نہیں کرے گا۔ ہماری ان گذارشات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مکہ معظمہ میں اسلامی دعوت کو کس طرح کے حالات سے واسطہ تھا۔ وہاں اگرچہ دشمنی بے حد تھی، لیکن ایک طرح سے قبیلے کا تحفظ بھی حاصل تھا۔ وہاں جو کچھ بھی خطرہ تھا، وہ ایذا رسانی کی حد تک تھا۔ اس سے آگے بڑھنے کا امکان بہت کم تھا اور مزید یہ کہ اس جاہل معاشرے میں ایمان اور کفر کی ترجیحات واضح تھیں۔ جو وفادار تھے وہ آخر وقت تک وفادار تھے اور جو مخالف تھے وہ پوری صراحت کے ساتھ مخالف تھے۔ اس طرح اپنوں اور دشمنوں کی دو الگ الگ صفیں تھیں۔

ہجرت کے وقت مدینہ کا معاشرہ

لیکن مدینہ طیبہ میں آ کر آنحضرت ﷺ کو بالکل مختلف صورتحال سے واسطہ پڑا۔ یہاں کا معاشرہ ہر لحاظ سے ایک منقسم معاشرہ تھا۔ اس معاشرے میں ایک طرف اوس وخزرج کے دو قبیلے تھے۔ جو اپنی جہالت اور بے خبری میں تو قریش جیسے ہی تھے۔ لیکن دوستی اور دشمنی اور ایمان وکفر میں قریش کی طرح کی صلابت ان میں کم تھی۔ اگرچہ ان میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی، جو قریش کی طرح ایمان میں بھی راسخ اور ایمان نہ لانے کی صورت میں کفر میں راسخ تھے۔ لیکن ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی، جو حالات کے بہاؤ کے ساتھ بہتے اور ہوا کا رخ دیکھ کر اپنی سمت بدلتے انھیں دیر نہیں لگتی تھی۔ یہی وہ لوگ تھے کہ جب انھوں نے دیکھا کہ اوس وخزرج کی واضح اکثریت اسلام کی آغوش میں چلی گئی ہے، تو انھوں نے نفاق کا لبادہ اوڑھ لیا۔ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرنے لگے، تاکہ اپنے قبیلے کی اکثریت کے ساتھ ان کے لیے رہنا آسان ہو جائے۔ لیکن بباطن ان کی ہمدردیاں کفر کے ساتھ رہیں اور پھر اس میں بھی وہ سارے یکساں نہیں تھے، بلکہ ان کے ایک سے زیادہ روپ تھے۔ جسے قرآن کریم نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

مدینہ کے یہود

مدینے کے معاشرے میں تیسرا عنصر یہود کا تھا اور یہ قریش مکہ اور اوس وخزرج سے بالکل الگ پس منظر رکھتا تھا اور الگ مزاج کا حامل تھا۔ یہ لوگ دینی اعتقادات اور دینی تشخصات سے بے بہرہ نہ تھے۔ یہ لوگ توحید، رسالت، آخرت اور ملائکہ کے قائل تھے اور اس ضابطۂ شرعی کو تسلیم کرتے تھے، جو اللہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ یہ درحقیقت اپنے دور کے بگڑے ہوئے مسلمان تھے۔ مسلسل انحطاط اور زوال نے انھیں اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ جن بداخلاقیوں اور برائیوں سے ہر دور میں اللہ کے دین نے روکا ہے، یہ من حیث القوم ان برائیوں میں مبتلا تھے۔ ان کا مذہبی طبقہ جن کے سپرد ان کی اصلاح کا کام تھا، وہ بجائے خود اس حد تک گمراہ ہو گیا تھا کہ اللہ کی کتاب میں تحریف یا ترمیم کر دینا، ان کا دینی مزاج بن گیا تھا۔ اللہ کا قانون جو کسی حد تک ان کی کتاب میں موجود تھا، عملی خصوصیات سے بالکل محروم ہو گیا تھا۔ ملکی سطح پر تو اس کے نفاذ کا کوئی تصور ہی نہ رہا تھا۔ البتہ ان کی پنچائتیں اور ان کی عدالتیں بعض اخلاقی مفاسد پر حدود اللہ کا اجراء کرتی تھیں۔ ایک وقت تک تو امیر اور غریب کے فرق سے ان حدود کا احترام پامال ہوتا رہا، پھر رفتہ رفتہ پوری قوم ان کے مقابلے میں اپنے وضعی قوانین پر مطمئن ہو کر

بیٹھ گئی اور اجتماعی زندگی سے اللہ کا قانون خارج ہوگیا، البتہ عبادات یا معاشرتی ضرورتوں کے حوالے سے بعض شرعی احکام اگر زندہ بھی تھے، تو وہ بھی ایک ایسا بے جان قالب بن کر رہ گئے تھے، جس میں روح نام کی کوئی چیز باقی نہ تھی۔ بدعات وخرافات اور رسوم ورواج کو دین کا نام دے کر لوگوں کو اس کا عادی بنا دیا گیا تھا۔ یہ بگاڑ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ حقیقت میں بنی اسرائیل جو درحقیقت مسلمان تھے، اپنا اصل نام بھول کر اب صرف یہودی بن کر رہ گئے تھے اور دین سے بے زاری یہاں تک پہنچی کہ جس اللہ کے بندے نے (چاہے وہ اللہ کے نبی ہی کیوں نہ ہوں) انھیں برائیوں سے روکنا چاہا، تو انھوں نے یا تو اسے قتل کر دیا اور یا اسے اپنی مخالفت سے بے اثر کر دیا۔ اپنی ان تمام گمراہیوں کے باوجود، یہود اپنے دور کے پڑھے لکھے اور اہل علم شمار ہوتے تھے۔ باقاعدہ ان کے تعلیمی ادارے تھے، جو مدارس کے نام سے قائم تھے۔ اوس وخزرج ان کے مقابلے میں چونکہ بالکل جاہل تھے، اس لیے ان کے علم سے بے حد مرعوب تھے۔ یہود نے اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، صرف علمی دبدبہ ہی پیدا نہیں کیا تھا، بلکہ وہ کاروبار پر بھی چھائے ہوئے تھے۔ مدینے کا بیشتر کاروبار ان کے ہاتھ میں تھا۔ اوس وخزرج ان کے علم کی وجہ سے ان کا احترام بھی کرتے اور اپنی ہر ضرورت کے وقت ان سے رجوع بھی کرتے تھے۔ ان کی اس مرعوبیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ان سے انھوں نے حلیفانہ تعلقات پیدا کر لیے تھے۔ لیکن ان تعلقات سے اپنی قومی مصلحت کے مطابق، ہمیشہ انھیں ایک دوسرے سے لڑانے میں کام لیتے تھے۔ جب وہ آمادۂ جنگ ہوتے تو پھر انھیں سود پر قرض دیتے اور اس طرح سے ساہوکارانہ سود میں انھیں جکڑ کر ان کے باغات تک پر قبضہ کر لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے مدینہ ہونے کے بعد جب ان کا یہ طلسم ٹوٹنے لگا اور ان کا اصل چہرہ لوگوں کے سامنے آنے لگا۔ تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ اپنی کتابوں کی شہادت کے مطابق، آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لاتے اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کرتے۔ وہ ایک قومی حسد میں مبتلا ہوگئے اور انھوں نے مجموعی طور پر آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنے قومی پس منظر کے باعث، سازش کرنے اور چھپ کر وار کرنے میں ہمیشہ مشاق رہے ہیں۔ چنانچہ اسی مہارت سے کام لیتے ہوئے، ایک طرف انھوں نے منافقین کی پشت پناہی کرنا شروع کی۔ ہر ممکن طریقے سے ان کی حوصلہ افزائی کی اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کے لیے خطرات پیدا کرنا شروع کیے۔ قریش مکہ کو بار بار اکسایا کہ وہ باہر سے مدینہ پر حملہ کریں، ہم اندر سے ان کی حمایت کریں گے اور اس طرح سے یہ نوخیز تحریک اپنے انجام کو پہنچ جائے گی اور دوسری طرف مختلف حیلے بہانوں سے آنحضرت ﷺ کی جان لینے کی کوشش کی اور اس طرح کی صورتحال پیدا کر دی کہ حضور ﷺ کو اپنی حفاظت کے لیے پہرہ کا انتظام کرنا پڑا۔ حضور ﷺ آرام فرماتے تو صحابہؓ پہرہ دیتے اور اگر کبھی آنحضرت ﷺ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے، تو صحابہ پریشانی میں آنحضرت ﷺ کو تلاش کرنے نکل کھڑے ہوتے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ یہود کی طرف سے اندیشہ رہتا تھا۔ یہ تو وہ نئی صورتحال اور حالات تھے جو مدینے کی ہیئت کے باعث پیش آ رہے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مزید ایک حقیقت یہ تھی کہ اب اسلامی دعوت ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہی تھی۔ مکہ میں تو صرف اہل مکہ تک اسلامی دعوت کو پہنچانا اور اس کا حق ادا کرنا پیش نظر تھا اور اس کے ساتھ ساتھ جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے، ان کی ایمانی اور اخلاقی تربیت پیش نظر رہتی تھی۔ لیکن اب جبکہ

تمام مسلمان ہر طرف سے سمٹ کر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے۔ تو آنحضرت ﷺ نے اللہ کے حکم اور انصار کی مدد سے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اسلامی ریاست میں رہنے والوں کو ایسی تعلیمات دی جائیں جس سے ان کی انفرادی ضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی ضرورتیں بھی پوری ہوں انھیں بتایا جائے کہ اسلام کی اساس پر نیا نظام زندگی کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی تمدن، اسلامی معاشرت، اسلامی معیشت، اسلامی قانون اور اسلامی سیاست کے بنیادی اصول کیا ہیں۔

اسلامی دعوت نئے مراحل میں

اسلامی ریاست قائم ہو جانے کے بعد، خود بخود حالات نے جو ایک نئی کروٹ لی وہ یہ تھی کہ مکہ میں جو کچھ بھی خطرہ تھا، اس کا تعلق انفرادی زندگی سے تھا اور ہر ایمان لانے والا اپنے جان وتن پر اسے برداشت کر رہا تھا۔ لیکن اب یہ نئی بننے والی ریاست، اجتماعی اہداف سمیت مشق ستم بن رہی تھی۔ اب ضرورت تھی کہ اس ریاست کے ایک ایک فرد میں استقامت وایثار کی ایک ایسی شمع روشن کر دی جائے، جو بڑے سے بڑے طوفان کا بھی مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہو کیونکہ پوری دنیائے کفر اس نوزائیدہ ریاست کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ یہ اندھیروں کے باسی اس مدھم سی جلتی ہوئی شمع سے خوف زدہ ہو رہے تھے اور منصوبے باندھ رہے تھے کہ جب بھی موقع ملے اسے گل کر دیں۔ اس ریاست کے دائیں بائیں بسنے والے قبائل، قریش مکہ کے زیر اثر معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ جس کے نتیجے میں ریاست کے اندر معاشی دشواریاں پریشان کن صورت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ یہود اپنی ملی خصلت کے مطابق سازشوں کے جال بن رہے تھے۔ اور اہل مدینہ کو مستقبل کے موہوم اندیشوں سے ہراساں کر کے اسلام سے لاتعلقی کا سبق پڑھا رہے تھے۔ اس پراپیگنڈہ کے نتیجے میں کمزور طبیعتوں کے لوگ، اسلام کی طرف مائل ہونے کے باوجود، یکسو ہونے میں دقت محسوس کر رہے تھے۔ جس کا منطقی اور طبعی نتیجہ یہ تھا کہ اوس وخزرج کے سادہ دل لوگوں میں نفاق کے جراثیم پرورش پانے لگے تھے۔ جنھوں نے وقت کے ساتھ ساتھ مختلف صورتیں اختیار کیں۔ ایسے حالات میں انتہائی ضروری تھا کہ مسلمانوں میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور بنیادی اعتقادات سے گہری وابستگی پیدا کی جائے۔ مخالفتوں کا سامنا کرنے کے لیے تقویٰ وتوکل اور صبر کے اوصاف پیدا کیے جائیں۔ اسلام کے حلقہ اثر وسیع کرنے کے لیے تبلیغ ودعوت کے جذبے کو جنوں صفت بنایا جائے اور مدینے کا ایک ایک فرد اپنے قول وعمل سے چلتا پھرتا مبلغ بن جائے، تا کہ وہ جس ماحول میں بھی جائے وہاں اللہ کے دین کے اثرات کی بہار آجائے۔

ایک مزید دوررس تبدیلی اور اس کے تقاضے

مسلمانوں کے مدینہ طیبہ آجانے کے بعد، ایک نہایت دوررس نئی تبدیلی یہ آئی تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ تبدیل کر دیا گیا۔ پہلے اہل کتاب کی طرح بیت المقدس ہی کو مسلمان اپنا قبلہ بنائے ہوئے تھے اور اسی طرف نمازوں میں رخ کرتے تھے۔ اب جبکہ مسلمان ایک نئی امت کے طور پر متعارف ہو رہے تھے، تو ان کی شیرازہ بندی کے لیے ضروری تھا کہ انھیں ایک مرکز دیا جاتا، جو ان کی ملی زندگی کا مبداء ومعاد بن جاتا۔ چنانچہ اب مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ آج سے تمہارا قبلہ وہ بیت اللہ ہوگا، جو آنحضرت

ﷺ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور جہاں آپ نے ایک امت مسلمہ کے قیام کے لیے دعائیں مانگی تھیں اور ان کی ہدایت کے لیے نبی آخرالزمان کی بعثت کے لیے التجا کی تھی۔ لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ جیسے ہی مسلمانوں کو نئے قبلہ کی شکل میں ایک مرکز عطا ہوا، تو ایک طرف تو یہود نے آنحضرت ﷺ اور اسلام کے خلاف الزامات اور اتہامات کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آخری نبی اور آخری امت کی پہچان یہ ہے کہ بیت اللہ اس کا قبلہ بنے گا اور ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایک نئی امت کے قیام کے اعلان کا مطلب ہماری اس عظیم منصب سے معزولی ہے، جو حامل دعوت امت ہونے کے لحاظ سے ہمیں حاصل تھی۔ چنانچہ اب ضرورت تھی کہ قرآن کریم کے ذریعے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل علیہما السلام اور بیت اللہ اور شعائر اسلام کے سلسلے میں اہل کتاب جس طرح تحریف و ترمیم سے تاریخی خیانت کا ارتکاب کر چکے ہیں، ان کی خیانتوں کا پردہ چاک کیا جائے اور آخری پیغمبر اور آخری امت کی صحیح حیثیت کو صحیح تناظر میں پیش کیا جائے۔

مسلمان بیت اللہ سے پہلے سے جذباتی تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اب جب کہ بیت اللہ ان کا قبلہ بنا دیا گیا اور وہ ان کے لیے ایک مرجع کی حیثیت اختیار کر گیا، تو ان کے اندر بیت اللہ سے دوری اور اس کے طواف سے محرومی کا شدید احساس پیدا ہوا۔ اب وہ بار بار سوچنے پر مجبور ہوئے کہ کس طرح ہم اللہ کے اس گھر کی زیارت کو جا سکیں اور یہ کیسے ممکن ہو کہ ہم اپنا قبلہ دشمن کے تسلط سے آزاد کرا سکیں اور ویسے بھی ملی تقاضوں کے حوالے سے دیکھا جائے، تو کوئی قوم بھی اپنے مرکز پر غیروں کا قبضہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ ایسے حالات میں ضروری تھا کہ قرآن کریم بیت اللہ کی آزادی کے لیے ضروری احکام دیتا اور مسلمانوں میں اس کی آزادی کا جذبہ تیز کرنے کے لیے جہادی روح پیدا کرتا اور اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مسلمان بیت اللہ کی بازیابی میں کامیاب ہو جائیں۔ تو یہ بھی لازمی تھا کہ حج وعمرہ کے مناسک کے احکام نازل کیے جائیں، تاکہ مسلمان اس عبادت کی ادائیگی میں غلطی نہ کریں۔

متذکرہ بالا تاریخی حقائق اور اس سے جنم لینے والی دینی اور قومی ضرورتوں کو سامنے رکھیں اور پھر سورۃ البقرۃ کا مطالعہ کریں۔ تو آپ محسوس کریں گے کہ ان حالات کے تناظر میں نہایت تشفی بخش ہدایات دی گئی ہیں اور اس نوزائیدہ ریاست اور امت کی رہنمائی اور شیرازہ بندی کے لیے تمام ضروری احکامات دیئے گئے ہیں چنانچہ ہم نہایت اختصار سے اس سورۃ کی آیات کا ایک تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے ان احکام کی تدریج، ترتیب اور حکمت سمجھنے میں مدد ملے گی۔

1: ''سورۃ البقرۃ'' میں سب سے پہلے ایک تمہید اٹھائی گئی ہے۔ جس میں اس سورۃ کا اصل موضوع ''ایمان باللہ'' اور ''ایمان بالرسالۃ'' کو بنیاد بنا کر اس کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں اور اسی ضمن میں انسانوں کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ جس سے انسانوں میں حکمت دعوت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

2: نہایت مؤثر انداز میں بندگی رب کی دعوت پیش کرتے ہوئے، بنیادی موضوع رسالت وقرآن کی صداقت پر دلائل دیئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی حضرت آدم (علیہ السلام) اور ابلیس کا واقعہ پیش کر کے، مخلص مومنوں اور معاندوں کے درمیان حد فاصل بھی کھینچ دی ہے اور شناخت بھی متعین کر دی ہے۔ اور اس کا مصداق یہود کو بنا کر، ان کی مخالفت کی بنیاد واضح

کردی گئی ہے۔ یہ سلسلہ انتالیس آیتوں پر پھیلا ہوا ہے۔

3: یہود چونکہ من حیث القوم اسلام کے راستے میں سب سے بڑی دیوار بننے والے تھے اور اوس وخزرج پر ان کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا۔ مزید یہ کہ وہ مسلمانوں کی طرح حامل دعوت امت بھی رہ چکے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ ہر طرح سے ان کے اس طلسم کو توڑا جائے اور ان کے اعمال کی صورت میں اور دینی خیانتوں کی شکل میں ان کی اصل صورت لوگوں کے سامنے واضح کی جائے۔ تاکہ جب وہ اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائیں اور خود ہدایت کا نمونہ بن کر آنحضرت ﷺ کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کریں، تو لوگ ان کا اصل چہرہ دیکھ کر آسانی سے اندازہ کر سکیں کہ یہ جعل سازوں کا ایسا گروہ ہے، جنھوں نے محض دین کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ لیکن اندر سے یہ بدترین دنیادار، بلکہ دین کا نام لے کر دین کے سوداگر ہیں۔ یہ سلسلہ آیت نمبر 121 تک چلا گیا ہے۔

4: آیت نمبر 122 سے 162 تک، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت کو بیان کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ مشرکین مکہ اور یہود دونوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کس طرح کوشش کی ہے اور یہود نے کس طرح ان کی پوری تاریخ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور کس طرح ان کے نشانات تک مٹانے کی کوشش کی ہے۔ جہاں جہاں بھی ان کا تعلق مکہ معظمہ اور بیت اللہ سے ثابت ہوتا تھا، اسے انھوں نے تحریف کی نذر کر دیا اور حرم مکی سے پوری طرح ان کا تعلق کاٹ کر اپنی تاریخ میں محدود کر لیا اور پھر اس سرگزشت میں اس حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی اور کس طرح آنحضرت ﷺ کی بعثت کے لیے دعائیں مانگیں، اس طرح سے خانہ کعبہ اور مروہ وغیرہ سے متعلق یہود کی وہ تمام تحریفات بے نقاب کی گئیں، جو انھوں نے اپنے صحیفوں میں اس خیال سے کی تھیں کہ خانہ کعبہ اور مروہ کی قربان گاہ کے ساتھ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے تعلق کی ہر یادگار ریکارڈ سے حذف کر دی جائے۔

5: اس کے بعد 123 سے 242 تک، احکام وقوانین کا باب ہے۔ اس میں ملت اسلامیہ کو جو شریعت عطا ہو رہی تھی، ضرورت کے مطابق اس کے کچھ احکام اجمالی طور پر نازل کیے گئے ہیں۔ جن میں معاشرتی اصلاحات کاروباری ضرورتیں، عبادات اور اخلاقیات کے متعلق احکام موجود ہیں۔ مدینے میں چونکہ ایک سوسائٹی وجود میں آ رہی تھی، اس لیے شخصی اور عائلی قوانین کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

6: آیت نمبر 243 سے 282 تک، مسلمانوں پر من حیث الامت جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں۔ ان میں سے اہم تر ذمہ داری یہ تھی کہ ان کی مرکزیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو قبلہ مقرر کیا تھا، اسے کافروں کے قبضے سے آزاد کروائیں اور اپنی نوزائیدہ ریاست کو اپنے بے پناہ عزم اور اللہ کے اعتماد پر ناقابل تسخیر بنانے کے لیے اپنے اندر وہ ایمان کی قوت پیدا کریں، جو زندہ رہنے والی قوموں کا شعار ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں مسلمانوں میں جذبہ جہاد پیدا کرنے کے لیے آیات نازل ہوئیں اور اس جہاد کے امکانات بروئے کار لانے کے لیے انفاق کا حکم دیا گیا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں فلسطینیوں سے اپنا قبلہ آزاد کرانے کے لیے جو جنگ لڑی گئی تھی، اس کا بھی حوالہ دیا گیا تا کہ مسلمانوں میں جذبہ جوش پیدا ہو اور بنی اسرائیل کو

اپنی گراوٹ پر شرم آئے۔ اس کے بعد کی آیات سورۃ کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ جس میں اسلام کے بنیادی عقیدے پر زور دیا گیا ہے اور اس سے بننے والے خیالات اور اعمال کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ جس سے اس عظیم ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے، جس سے اس امت کو گراں بار کیا گیا ہے اور جس کو ادا نہ کرنے سے بنی اسرائیل ذلت کی وادیوں میں کھو گئے۔ چنانچہ اسی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے دعا پر اس سورۃ کا خاتمہ ہوا ہے۔

فضائل سورۃ البقرۃ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی ذکر و تلاوت سے گھروں کو خالی نہ رکھو جیسا کہ قبریں خالی ہوتی ہیں) بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (سنن ترمذی، ص ۴۰۸)

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے لوگوں کے لیے سفارش کرنے والا بن کر آئے گا۔ دو روشن چیزوں کو پڑھو (یعنی) سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو، کیونکہ وہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے بادل ہوں یا جیسے پرندوں کی دو جماعتیں صف بنائے ہوئے ہوں۔ اپنے لوگوں کے لیے خوب زوردار سفارش کریں گی۔ سورۃ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کرلینا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور وہ اہل باطل کے بس کی نہیں۔ (صحیح مسلم، ج۱، ص ۲۷۰)

اہل باطل کے بس کی نہیں۔ یعنی وہ اسے حفظ نہیں کر سکتے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل باطل سے جادوگر مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ سورۃ بقرہ کے پڑھنے والے پر جادو کا اثر نہیں ہوسکتا۔ (ابن کثیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک بلند حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا بلند حصہ سورۃ بقرہ ہے، اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی سب آیتوں کی سردار ہے۔ وہ آیۃ الکرسی ہے، جس گھر میں پڑھی جائے گی اس میں سے شیطان ضرور بھاگ جائے گا۔ (الترمذی فی السنن ص ۴۰۸ والحاکم وصححہ کما فی الدر المنثور ج۱ ص ۲۰)

سورۃ بقرہ کو سب سے بڑی سورت ہونے کے اعتبار سے قرآن کا بلند حصہ فرمایا نیز اس اعتبار سے بھی کہ اس میں احکام کثیر تعداد میں مذکور ہیں۔ اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں جہاد کا حکم ہے جس سے رفعت اور بلندی حاصل ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء سورۃ حج، سورۃ نور کو سیکھو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ (درمنثور)

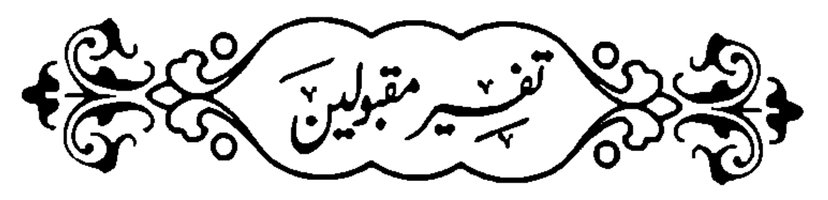
وجہ تسمیہ:

اس سورت میں بقرہ کا تذکرہ ہے، اس لیے سورۃ البقرہ کے نام سے موسوم ہوئی روایت حدیث میں اس کا یہ نام آیا ہے۔

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ کے بعد سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ قرآن کریم کی پہلی سورۃ ہے۔ احادیث اور آثار صحابہ میں اسی نام سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث میں اس کے اور نام بھی آئے ہیں، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسے آنحضرت ﷺ نے ''سنام القرآن'' اور ''ذروۃ القرآن'' سے بھی یاد فرمایا ہے۔ ''ذروۃ'' اور ''سنام'' ہر چیز کے اعلیٰ اور افضل حصہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ

سورۃ قرآن کریم کا ''سنام'' یا ''ذروۃ'' ہے۔

''البقرۃ'' اس سورۃ کا باقی سورتوں کی طرح نام ہے، عنوان نہیں۔ آج کا طرزِ نگارش یہ ہے کہ ہم جب کسی مضمون پہ قلم اٹھاتے ہیں، تو سب سے پہلے اس کی پیشانی پر اس کا عنوان لکھا جاتا ہے۔ جس سے پڑھنے والے کو یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ اس مضمون میں کس حوالے سے بحث کی گئی ہے اور اس کے مندرجات کا تعلق کس مبحث سے ہے۔ لیکن قرآن کریم کی سورتوں میں کسی سورت کا بھی، اس طرح کا عنوان تجویز نہیں کیا گیا بلکہ ہر سورۃ کا نام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی اکثر سورتوں میں، اس قدر متنوع مضامین بیان ہوئے ہیں اور اس طرح انسانی زندگی کے مختلف گوشوں کے بارے میں ہدایات دی گئیں ہیں کہ انھیں کسی ایک عنوان کے تحت سمیٹنا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں۔ لیکن قرآن کریم کلام اللہ ہونے کے باوجود، جس عربی زبان میں نازل ہوا ہے، وہ اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود بہر حال ایک انسانی زبان ہے۔ جس میں ہر لفظ کے معنی اور حدود مقرر ہیں۔ اس زبان میں بھی باقی زبانوں کی طرح الفاظ میں اتنی وسعت ہرگز نہیں، کہ قرآن کریم کی سورتوں میں بیان کردہ متنوع احکام اور مضامین کو کسی ایک لفظ کے تحت سمیٹا جا سکے اس لیے قرآن پاک میں بجائے عنوان مقرر کرنے کے، سورتوں کے نام مقرر فرمائے گئے ہیں۔ کیونکہ نام میں معنی مقصود نہیں ہوتا، بلکہ صرف مسمّٰی کا تعین اور شناخت مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ برکت اللہ کو بلا کر لاؤ، تو برکت اللہ سے مراد وہ شخص ہوگا، جس کا یہ نام ہے، اس سے اللہ کی برکت مراد نہیں ہوگی۔ اسے بلانے والا اللہ کی برکت تلاش نہیں کرے گا، بلکہ اس اسم کے مسمّٰی کو تلاش کرے گا۔ اسی طرح اس سورۃ کا نام ''البقرۃ'' رکھنے سے صرف اس کی شناخت مقصود ہے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ اس میں البقرۃ، یعنی گائے پر کوئی مضمون لکھا گیا ہے۔ جس سورۃ میں جو بھی اہم واقعہ ذکر ہوا ہے، جو عام طور پر آسانی سے ذہنوں میں رہ جاتا ہے۔ پروردگار نے عموماً ایسے ہی کسی واقعے کو سورۃ کا نام رکھ دیا ہے۔ تاکہ اس کے یاد رکھنے اور شناخت میں آسانی رہے۔ اس سورۃ میں بھی بنی اسرائیل کے واقعات کے سلسلے میں گائے کا ایک دلچسپ واقعہ مذکور ہوا ہے، اسی کی نسبت سے اس سورۃ کا نام ''البقرۃ'' رکھ دیا گیا ہے۔



حروف مقطعات اور ان کا معنیٰ و مفہوم:

الٓمٓ. طٰسٓمٓ. طٰسٓ. قٓ. نٓ وغیرہ، ایسے حروف کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کو حروف تہجی کی طرح علیحدہ علیحدہ طور پر پڑھا جاتا ہے، ملا کر ایک کلمے کی طرح نہیں پڑھا جاتا۔ مکررات کو حذف کرنے کے بعد یہ کل چودہ حروف رہ جاتے ہیں جو انتیس مختلف سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ ان کے معانی کے بارے میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان میں اعجاز قرآن کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن حکیم انہی معانی اور ان ہی حروف و کلمات سے مرکب ہے جن سے تمہارا اپنا روزمرہ کا کلام۔ مگر اس کے باوجود اگر تم لوگ اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی نظیر و مثال لانے سے بھی قاصر

ہو اور قرآن حکیم کی زوردار تحدی اور بار بار کے چیلنج کے باوجود اور تمہاری حق سے کھلم کھلا عداوت و دشمنی اور اعلانیہ بغض و عناد کے باوصف تم لوگ اس کلام معجز نظام کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو، جو خود تمہاری اپنی زبان میں ہے اور جس میں اپنی فصاحت و بلاغت پر تم لوگوں کو بڑا ناز ہے، جبکہ اس کلام حکیم کو اس نبی امی نے پیش فرمایا ہے، جنہوں نے کبھی ایک حرف بھی باضابطہ طور پر کسی انسان سے نہیں پڑھا۔ اور جو اپنے ہاتھ سے لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ تو یہ کس قدر کھلا ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ قرآن حکیم کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کے خالق و مالک حضرت حق جَلَّ جَلَالُہٗ کا کلام ہے۔ اور جس طرح وہ خود بے مثل ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے۔ جبکہ بعض دوسرے حضرات کے نزدیک یہ حروف مقطعات دراصل عربی فصاحت و بلاغت کے قدیم دستور کے مطابق اصل مقصود سے قبل یونہی بطور توطیہ و تمہید لائے جاتے ہیں۔ اور بعض نے ان کو مختلف سورتوں کے نام قرار دیا ہے اور بعض نے ان کلمات کے مختلف معانی بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ الٓمٓ کا معنی ہے " اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ اور الٓمّٓرٰ کا معنی ہے اَنَا اللّٰهُ اَرٰی وغیرہ۔ مگر ان تمام اقوال کا تعلق ظن و تخمین ہی سے ہے، کوئی مستقل سند اور ٹھوس ثبوت ان کے لئے موجود نہیں۔ اس لئے ثقہ اور محتاط علماء کرام کا کہنا یہی ہے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سِرّ ہے، جس کے حقیقی معنی وہی جانتا ہے۔ ہمارے ذمے بس یہ یقین و اعتقاد ہے کہ ان کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے۔ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ جیسے محققین کا کہنا ہے: اِنَّ هٰذَا عِلْمٌ مَسْتُوْرٌ وَسِرٌّ مَحْجُوْبٌ اِسْتَأْثَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ۔ (کبیر، محاسن، ابن کثیر وغیرہ) یعنی یہ ایک ایسا مخفی علم اور پوشیدہ راز ہے جس کو اللہ پاک نے اپنے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ سو ایسے میں محض ظن و تخمین کی بنا پر ان کے پیچھے لگنے کی اور اپنے طور پر ان کے معانی و مطالب بیان کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی ایسے تخمینی معانی و مطالب کی کوئی استنادی اور یقینی حیثیت ہو سکتی ہے کہ ان کی تصدیق کیلئے قرآن و سنت کی کوئی نص موجود نہیں اور نص کے بغیر کسی چیز کو قطعی نہیں مانا جا سکتا کہ یقین کا ذریعہ بہر حال نص ہی ہو سکتی ہے۔ (ابن کثیر)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ لفظ۔ ذٰلِكَ: کسی دور کی چیز کی طرف اشارے کے لئے آتا ہے اور کِتٰب سے مراد قرآن کریم ہے، ریب کے معنی شک و شبہ، معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں یہ موقع بظاہر اشارۂ بعید کا نہیں تھا کیونکہ اسی قرآن کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو لوگوں کے سامنے ہے مگر اشارۂ بعید سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی درخواست کی گئی تھی یہ سارا قرآن اس درخواست کا جواب بصورت قبولیت اور صراط مستقیم کی تشریح و تفصیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے یہ دعا سن لی اور قرآن کریم بھیج دیا جو ہدایت کا آفتاب ہے جو شخص ہدایت چاہتا ہے وہ اس کو پڑھے سمجھے اور اس کے مقتضا پر عمل کرے۔

اور پھر اس کے متعلق ارشاد ہے کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ کسی کلام میں شک و شبہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ خود کلام میں غلطی ہو تو وہ کلام محل شک و شبہ ہو جاتا ہے دوسرے یہ کہ سمجھنے والے کی فہم میں غلطی ہو، اس صورت میں کلام محلِ شک و شبہ نہیں ہوتا گو کج یا کم فہمی کی وجہ سے کسی کو شبہ ہو جائے جس کا ذکر خود قرآن کریم میں چند آیتوں کے بعد وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ میں آیا ہے، اس لئے ہزاروں کم فہموں یا کج فہموں کے شبہات و اعتراضات کے باوجود یہ کہنا صحیح ہے کہ اس کتاب میں

کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ : ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے یعنی مخصوص ہدایت جو نجات آخرت کا ذریعہ ہے وہ متقین ہی کا حصہ ہے اگر چہ قرآن کی ہدایت نہ صرف نوع بشر کے لئے بلکہ تمام کائنات عالم کے لئے عام ہے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ ہدایت کے تین درجے ہیں ایک درجہ تمام نوع انسان بلکہ تمام حیوانات وغیرہ کے لئے بھی عام اور شامل ہے دوسرا درجہ مؤمنین کے لئے خاص اور تیسرا درجہ مقربین خاص کے لئے مخصوص ہے پھر اس کے درجات کی کوئی حد وانتہا نہیں قرآن کریم کے مختلف مواقع میں کہیں ہدایت عامہ کا ذکر آیا ہے کہیں ہدایت خاصہ کا اس جگہ ہدایت ذکر ہے اس لئے متقین کی تخصیص کی گئی ہے اس پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہدایت کی زیادہ ضرورت تو ان لوگوں کو ہے جو متقی نہیں کیونکہ مذکورہ تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ اس جگہ متقین کی خصوصیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن غیر متقی لوگوں کے لئے ہدایت نہیں ہے۔

متقین کی خاص صفات:

اس کے بعد دو آیتوں میں متقین کی مخصوص صفات وعلامات بیان کر کے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ یہ جماعت ہدایت یافتہ ہے انھیں کا راستہ صراط مستقیم ہے جس کو سیدھا راستہ مطلوب ہو اس جماعت میں شامل ہو جائے ان کے ساتھ رہے ان کے عقائد ونظریات اور اعمال واخلاق کو اپنا نصب العین بنائے،

شاید یہی وجہ ہے کہ متقین کی مخصوص صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے: أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمۡۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُونَ ۝ یعنی یہی لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کو ان کے ربّ کی طرف سے ملی ہے اور یہی لوگ ہیں پورے کامیاب۔

متقین کی صفات جو ان دو آیتوں میں بیان ہوئی ہیں ان میں ایمان کی اجمالی تعریف اور اس کے بنیادی اصول بھی آگئے ہیں اور عمل صالح کے اصول بھی اس لئے ان صفات کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، مفتی شفیعؒ)

الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۝

یعنی خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور جو ہم نے روزی دی ہے اس سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں متقین کی تین صفات بیان کی گئی ہیں: ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، اس کے ضمن میں بہت سے اہم مسائل آگئے ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے،

ایمان کی تعریف:

ایمان کی تعریف کو قرآن کریم نے يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ کے صرف دو لفظوں میں پورا بیان کر دیا ہے لفظ ایمان اور غیب کے معنی سمجھ لئے جائیں تو ایمان کی پوری حقیقت اور تعریف سمجھ میں آجاتی ہے،

لغت میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے اسی لئے محسوسات ومشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے مثلاً ایک شخص سفید کپڑے کو سفید یا سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے اور دوسرا اس کی تصدیق کرتا ہے

اس کو تصدیق کرنا تو کہیں گے ایمان لانا نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس تصدیق میں قائل کے اعتماد کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تصدیق مشاہدہ کی بناء پر ہے اور اصطلاح شرع میں خبر رسول کو بغیر مشاہدہ کے محض رسول کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے لفظ غیب لغت میں ایسی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے جو بدیہی طور پر انسان کو معلوم ہوں، اور نہ انسان کے حواس خمسہ اس کا پتہ لگا سکیں یعنی نہ وہ آنکھ سے نظر آئیں نہ کان سے سنائی دیں، نہ ناک سے سونگھ کر یا زبان سے چکھ کر ان کا علم ہو سکے اور نہ ہاتھ سے چھو کر ان کو معلوم کیا جا سکے۔

قرآن میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان کا علم بداہت عقل اور حواس خمسہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بھی آجاتی ہیں تقدیری امور جنت و دوزخ کے حالات، قیامت اور اس میں پیش آنیوالے واقعات بھی، فرشتے، تمام آسمانی کتابیں اور تمام انبیاء سابقین بھی جس کی تفصیل اسی سورۃ بقرہ کے ختم پر اٰمَنَ الرَّسُول میں بیان کی گئی ہے گویا یہاں مجمل کا بیان ہوا ہے اور آخری آیت میں ایمان مفصل کا، تو اب ایمان بالغیب کے معنے یہ ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ جو ہدایات و تعلیمات لے کر آئے ہیں ان سب کو یقینی طور پر دل سے ماننا شرط یہ ہے کہ اس تعلیم کا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہونا قطعی طور پر ثابت ہو جمہور اہل اسلام کے نزدیک ایمان کی یہی تعریف ہے۔

(عقیدہ طحاوی عقائد نسفی وغیرہ)

اس تعریف میں ماننے کا نام ایمان بتلایا گیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض جاننے کو ایمان نہیں کہتے کیونکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے وہ تو ابلیس وشیطان اور بہت سے کفار کو بھی حاصل ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کے صدق کا یقین تھا مگر اس کو مانا نہیں اس لئے وہ مومن نہیں،

اقامتِ صلوٰۃ:

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ، اور نماز پڑھتے ہیں یقیمون کے معنی یحافظون کے ہیں یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو نماز کی کما حقہ نگرانی کرتے ہیں اس کی حدود و شرائط بجالاتے اور ارکان اور صفات ظاہرہ یعنی سنن وآداب اور صفات باطنہ یعنی خشوع و خضوع اور دلی توجہ سے ادا کرتے اور اوقات کی پوری حفاظت کرتے ہیں اس وقت يُقِيْمُوْنَ، اَقَامَ الْعُوْدَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جب کوئی لکڑی کو سیدھا اور سڈول کر لیتا ہے تو عرب اَقَامَ الْعُوْد بولا کرتے ہیں یا يُدِيْمُوْنَ اور يُوَاظِبُوْنَ کے معنی میں ہے یعنی وہ نماز پر ہمیشگی کرتے اور پابندی اوقات کے ساتھ ہمیشہ وقت پر ادا کرتے ہیں اس صورت میں يُقِيْمُوْنَ قَامت السوق سے مشتق ہوگا جب بازار پر رونق اور ترقی پر ہوتا ہے تو اہل محاورہ اسے قَامت السوق سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ صلوٰۃ کے اصلی معنی ہیں دعاء اور چونکہ نماز میں دعاء بھی شامل ہوتی ہے اس لیے اسے صلوۃ کہتے ہیں۔ (مظہری)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا:

اس میں بھی صحیح اور تحقیقی بات جس کو جمہور مفسرین نے اختیار فرمایا ہے یہی ہے کہ ہر قسم کا وہ خرچ داخل ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے خواہ فرض زکوٰۃ ہو، یا دوسرے صدقات واجبہ یا نفلی صدقات وخیرات، کیونکہ قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ انفاق

استعمال ہوا عموماً نفلی صدقات میں یا عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے زکوٰۃ فرض کے لئے عموماً لفظ زکوٰۃ ہی آیا ہے،

اس مختصر جملہ میں لفظ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ پر غور کیجئے تو ایک یہ لفظ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ایک قوی داعیہ شریف انسان کے دل میں پیدا کردیتا ہے کہ جو کچھ مال ہمارے پاس ہے یہ سب خدا ہی کا عطا کیا ہوا اور اسی کی امانت ہے، اگر ہم اس تمام مال کو بھی اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے خرچ کردیں تو حق اور بجا ہے اس میں بھی ہمارا کوئی احسان نہیں۔

ایمان اور اسلام میں فرق:

لغت میں ایمان کسی چیز کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور اسلام اطاعت وفرمانبرداری کا، ایمان کا محل قلب ہے اور اسلام کا بھی قلب اور سب اعضاء وجوارح لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کر لینا شرعاً اس وقت تک معتبر نہیں جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار نہ ہو اور فرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے ایمان اور اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور قرآن وحدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان اور اسلام میں فرق کا ذکر بھی ہے مگر شرعاً ایمان بدون اسلام کے اور اسلام بدون ایمان کے معتبر نہیں، جب اسلام یعنی ظاہری اقرار وفرمانبرداری کے ساتھ دل میں ایمان نہ ہو تو اس کو قرآن کی اصطلاح میں نفاق کا نام دیا گیا ہے اور اس کو کھلے کفر سے زیادہ شدید جرم ٹھہرایا ہے، یعنی منافقین جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں رہیں گے۔

اسی طرح ایمان یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ اگر اقرار واطاعت نہ ہو تو اس کو بھی قرآنی نصوص میں کفر ہی قرار دیا ہے ارشاد:
يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (۲:۱۴۶) یعنی یہ کفار رسول اللہ ﷺ اور آپ کی حقانیت کو ایسے یقینی طریق پر جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے،

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (۲۷:۱۴) یعنی یہ لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں ان کا یقین کامل ہے اور ان کی یہ حرکت محض ظلم وتکبر کی وجہ سے ہے۔ (معارف القرآن، مفتی شفیع)

حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، اس مضمون کو اس طرح بیان فرماتے تھے کہ ایمان اور اسلام کی مسافت ایک ہے فرق صرف ابتداء کا ہے، اسلام ظاہر عمل سے شروع ہوتا ہے اور قلب پر پہنچ کر مکمل سمجھا جاتا ہے اگر تصدیق قلبی ظاہری اقرار واطاعت تک نہ پہنچے وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں، اسی طرح اگر ظاہری اطاعت واقرار تصدیق قلبی تک نہ پہنچے تو وہ اسلام معتبر نہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی تحقیق ہے اور امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے مسامرہ میں اس تحقیق پر تمام اہل حق کا اتفاق ذکر کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

اعمالِ مؤمن:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تجھ سے پہلے کے انبیاء پر نازل ہوا وہ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں ایسا نہیں کہ وہ کسی کو مانیں اور کسی سے انکار کریں بلکہ اپنے ربّ کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث وقیامت، جنت ودوزخ، حساب ومیزان سب کو مانتے ہیں۔ قیامت چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں۔ (ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ عہد رسالت میں مؤمنین متقین دو طرح کے حضرات تھے ایک وہ جو پہلے مشرکین میں سے تھے پھر مشرف باسلام ہوئے دوسرے وہ جو پہلے اہل کتاب یہودی یا نصرانی تھے پھر مسلمان ہوگئے اس سے پہلی آیت میں ایک طبقہ کا ذکر تھا اور اس آیت میں دوسرے طبقہ کا ذکر ہے اسی لئے اس آیت میں قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی بھی تصریح فرمائی گئی کہ وہ حسب تصریح حدیث دوہرے ثواب کے مستحق ہیں ایک پچھلی کتابوں کے زمانے میں ان پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا ثواب دوسرے قرآن کے زمانے میں قرآن پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا ثواب پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا آج بھی ہر مسلمان کے لئے لازم ہے فرق اتنا ہے کہ آج ان کتابوں پر ایمان اس طرح ہوگا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں نازل فرمایا تھا وہ سب حق ہے اور اس زمانے کے لئے وہی واجب العمل تھا مگر قرآن نازل ہونے کے بعد چونکہ پچھلی کتابیں اور شریعتیں سب منسوخ ہوگئیں تو اب عمل صرف قرآن ہی پر ہوگا۔

مسئلہ ختم نبوت کی ایک واضح دلیل:

آیت کے اس طرز بیان سے ایک اہم اصولی مسئلہ بھی نکل آیا کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کی وحی آخری وحی کیونکہ اگر قرآن کے بعد کوئی اور کتاب یا وحی بھی نازل ہونے والی ہوتی تو جس طرح اس آیت میں پچھلی کتابوں اور وحی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب اور وحی پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری ہوتا بلکہ اس کی ضرورت زیادہ تھی کیونکہ تورات وانجیل اور تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا تو پہلے سے جاری اور معلوم تھا اگر آنحضرت ﷺ کے بعد بھی سلسلہ وحی اور نبوت جاری ہوتا تو ضرورت اس کی تھی کہ اس کتاب اور اس نبی کا ذکر زیادہ اہتمام سے کیا جاتا جو بعد میں آنے والے ہوں تاکہ کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ (معارف القرآن، مفتی شفیع)

انزال کہتے ہیں کسی چیز کے اوپر سے نیچے کی طرف انتقال کرنے کو اور یہاں کلام الٰہی کا جبرئیل علیہ السلام کے توسط سے لوح محفوظ سے زمین پر منتقل ہونا مراد ہے یا بلحاظ رتبہ اور قدر ومنزلت کے علو وسفل مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم سے علم بشر کی طرف نازل کیا گیا۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (اور وہ آخرت کے گھر کا بھی یقین رکھتے ہیں) دنیا مشتق ہے دُنُوٌ بمعنی قرب سے (اور چونکہ وہ حال سے قریب اور بہت ہی قریب ہے اس لیے اسے دنیا کہتے ہیں اسی طرح آخرت کو اس کے متاخر اور پیچھے ہونے کی وجہ

سے آخرت کہتے ہیں اصل میں دنیا اور آخرت دونوں دو صفتیں تھیں اب ان پر اسمیت غالب آ گئی اور استعمال میں دنیا اور آخرت دونوں اسم کہلائے جانے لگے۔ ایقان کہتے ہیں استحکام علم کو یعنی از روئے نظر اور استدلال کے نفی شک کے بعد جو آدمی علم کا ایک مرتبہ اور مضبوط و استوار درجہ حاصل ہو جاتا ہے اسے یقین اور ایقان سے تعبیر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خدا موقن کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ (مظہری)

ہدایت یافتہ لوگ:

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا، نماز قائم رکھنا، اللہ کے دیئے ہوئے سے دینا۔ حضور ﷺ پر جو اترا اس پر ایمان لانا، آپ سے پہلے جو کتابیں اتریں ان کو ماننا، دار آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے کے لئے نیک اعمال کرنا۔ برائیوں اور حرام کاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے نور ملا، اور بیان و بصیرت حاصل ہوا اور انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات ہے۔

مُفْلِحُونَ فَلَحٌ مصدر سے بنایا گیا ہے اور فَلَحٌ۔ فَلْقٌ۔ فَلْذٌ۔ فَلْیٌ سب مرادف لفظ ہیں اور سب مفہوم شق یعنی جانب اور قطع کے مفہوم پر دلالت کرتے ہیں گویا مُفْلِحٌ یعنی کامیاب ہونے والا شخص اپنے غیر سے علیحدہ اور یکسو ہو جاتا ہے اور ان دونوں میں فرق بعید اور دور دراز کی مسافت واقع ہو جاتی ہے (مطلب یہ ہے کہ) پرہیز گاروں کے لیے (جن کا ذکر اوپر ہوا) دنیا و آخرت دونوں میں ہر طرح کی خیر و خوبی اور فلاح و فوز موجود ہے اور وہ قطعی و یقینی طور پر کامیاب ہونے والے ہیں۔ اسم اشارہ مکرر اور دوبارہ اس تنبیہ کے لیے لایا گیا ہے کہ پرہیز گاروں کا صفات مذکورہ کے ساتھ متصف ہونا اس بات کو مقتضی ہے کہ ہدایت اور فلاح دونوں میں سے ہر ایک ان کے لیے ثابت ہے اور چونکہ دونوں جملے یعنی: أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى الخ اور أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ بلحاظ مفہوم مختلف تھے اس لیے بیچ میں حرف عطف (یعنی و) لایا گیا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ میں هُمْ ضمیر فصل ہے یعنی خبر کو صفت سے جدا اور ممتاز کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔ اور اس کا فائدہ تاکید نسبت اور اختصاص ہے یا یوں کہے کہ (ضمیر هُمْ) فصل کے لیے نہیں ہے بلکہ مبتدا واقع ہوئی ہے اور الْمُفْلِحُونَ اس کی خبر اور دونوں جملہ ہو کر أُولَٰئِكَ کی خبر ہے۔ فرقہ معتزلہ نے اسے ضمیر حصر قرار دے کر استدلال کیا ہے کہ یہ جملہ مرتکب کبیرہ کے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے پر دلالت کرتا ہے لیکن حقیقت میں ان کا یہ تمسک و استدلال نہایت ضعیف و کمزور اور نہ صرف کمزور بلکہ مردود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ) الْمُفْلِحُونَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو فلاح و خیر میں کامل اور مکمل ہیں۔ ہاں اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ جو لوگ ان جیسے نہ ہوں ان کو کمال درجہ کی خیر و فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ نہ یہ کہ مطلقاً فلاح میسر ہو ہی نہیں سکتی۔

ربط آیات: پھر جب خدا تعالیٰ ذکر قرآن کے ضمن میں یا مستقلاً (اگر موصول یعنی الَّذِينَ کو الْمُتَّقِينَ سے جدا اور منفصل قرار دیا جائے) اپنے برگزیدہ اور خاص بندوں کا اور دوستوں کا ذکر فرما چکا تو ان کے پیچھے اب ان سرکش اور متمرد لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو پہلی قسم کے لوگوں کے بالکل مخالف اور ضد ہیں اور اختلاف سیاق کی وجہ سے کچھ ضرورت نہ تھی کہ حرف عطف لایا جاتا چنانچہ

ارشاد ہوا۔

بدقسمت لوگ، آخرت میں بدحالی:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ....

اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں ان کافروں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کا اللہ کے علم میں خاتمہ کفر پر ہونا ہے اور جو لوگ حق واضح ہوتے ہوئے اور حق و باطل کو سمجھتے ہوئے کفر پر جمے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ہرگز کسی حالت میں اسلام قبول نہیں کرنا۔ اللہ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمانیہ پر پیدا فرمایا پھر اس کے ماں باپ اس کو کفر پر ڈال دیتے ہیں اور وہ اپنے ماحول اور معاشرہ کی وجہ سے ایمانی استعداد کو کھو بیٹھتا ہے اور اپنے کو اس درجہ میں پہنچا دیتا ہے کہ کسی قیمت پر اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جب انہوں نے اپنی شرارت اور عناد کی وجہ سے اپنی استعداد خود برباد کر دی تو اپنی تباہی کا سبب وہ خود ہی بن گئے لیکن چونکہ اللہ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے اس لیے اس خلق افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی جسے مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا۔

اس آیت میں سب کافروں کا بیان نہیں بلکہ خاص ان کافروں کا ذکر ہے جن کی نسبت خدا کو معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوگا اور اس آیت سے یہ غرض نہیں کہ ان کو عذاب الٰہی سے ڈرانے اور احکام سنانے کی ضرورت نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے ایمان لانے کی فکر نہ کریں اور ان کے ایمان نہ لانے سے مغموم نہ ہوں انکے ایمان لانے کی امید نہیں۔ (بیان القرآن)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ

(ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے) تو وہ بھلائی اور نیک باتوں کو یاد نہیں رکھ سکتے قلب ایک گوشت کے لوتھڑے کا نام ہے (جو صنوبری شکل میں بائی جانب پسلیوں کے قریب لٹکا ہوا ہے) لیکن کبھی اس کا اطلاق عقل اور معرفت پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ واضح ہو کہ خدا تعالیٰ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے خواہ وہ اعراض ہوں یا جواہر اور اسباب سب کے اسباب نظریہ ہیں جن کے عقب میں خدا تعالیٰ ان کے نتائج پیدا کرتا ہے تو جب آدمی اپنے حواس یعنی کان، آنکھ وغیرہ سے کام لیتا اور انہیں استعمال میں لاتا ہے تو اس کے بعد خدا علم بالمحسوسات پیدا کرتا ہے اور جب اسے علم بالمحسوسات حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے ذہن کو دو مقدموں کی ترتیب میں خرچ کرتا ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ علم بالنتیجہ پیدا کرتا ہے اگر خدا چاہے تو کوئی چیز بھی پیدا نہ کرے اور حواس کو معطل و بیکار اور ذہن کو مشوش و پریشان کر دے اور چاہے تو علم بالمحسوسات حاصل کرا دے لیکن یہ علم قلب میں ذرا بھی مؤثر و مفید نہ ہو۔ اسی واسطے جناب نبی عربی ﷺ نے فرمایا کہ: ((اِنَّ قُلُوْبَ بَنِيْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهٗ كَيْفَ يَشَآءُ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقلوب صَرف قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِك)) (یعنی تمام بنی آدم کے دل خدا کی دو انگلیوں میں اس طرح واقع ہیں جیسے ایک دل۔ وہ دل کو جس طرف چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا بار خدایا دلوں کے پلٹ دینے والے تو ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پلٹ دے۔ (مسلم)

الغرض چونکہ خدا تعالیٰ کو کفار کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہ تھا اس لیے ان کو آیات میں فکر کرنے اور قدرت کی نشانیوں میں غور کرنے سے روک دیا اگرچہ انہوں نے آیات و معجزات بھی دیکھے مگر اس کے بعد بھی ان کے دلوں میں ایمان و یقین کے اثر قبول کرنے کا ملکہ پیدا نہیں کیا۔ اسی عدم تاثر اور تصریف قلوب کو کہیں ختم سے اور کہیں طبع سے کسی موقع پر اغفال سے کسی جگہ اقساء اور غشاوہ سے مجازاً تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا نے اس گوشت کے لوتھڑے پر جسے ہم دل کہتے ہیں کوئی پتھر یا شیشے کی سچ مچ مہر لگا دی ہے بلکہ مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ اس نے دلوں میں یہ صلاحیت و قابلیت ہی پیدا نہیں کی کہ وہ ایمان و یقین کے اثر کو قبول کر لیں یا یوں کہئے کہ خدا نے ان کے دلوں کو اور حواس کو ان چیزوں سے تمثیل دی ہے جن پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے یا یوں کہو کہ ختم سے وہ سیاہی مراد ہے جو گناہوں کے مرتکب ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ گنہگاروں کے دلوں پر پیدا کر دیتا ہے چنانچہ امام بغوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((المؤمن اذا اذنب ذنبا کانت نکتة سوداء فی قلبه فان تاب و نزع و اسْتَغْفَر صَقِلَ قلبه منها و ان زاد زادت حتی تعلو قلبه فذلک الران الذی ذکر الله فی کتابه کَلَّا بل رانَ علٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ)) (یعنی مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر اس نے جھٹ پٹ توبہ کر لی اور آگے کو گناہ سے باز رہا اور بارگاہ الٰہی میں عفو جرائم کی درخواست کی تو اس کے دل سے وہ سیاہ نقطہ چھیل دیا جاتا اور قلب صاف شفاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بھی بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتا ہے تو جس زنگ کا خدا نے اپنی کتاب یعنی آیت: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ میں ذکر فرمایا یہ وہی زنگ ہے۔

یہاں دل کے سیاہ ہونے کا وہی مطلب ہے جو درج بالا حدیث میں مذکور ہو چکا۔ یعنی دل کا بگڑ جانا اور اس کا خراب و فاسد ہو جانا ارشاد فرمایا تھا: اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اور فساد قلب ضد ہے صلاح قلب کی اور جب مؤمن کے گناہ کی یہ کیفیت ہے کہ ایک گناہ کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے تو کافر کی کیا کچھ کیفیت ہوگی اسی کیفیت اور ہیئت کے پیدا کرنے کو کہیں طبع سے تعبیر کیا ہے اور کہیں اغفال سے اور کہیں اقساء وغیرہ سے ختم کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں چونکہ کسی چیز پر مہر لگانے سے اس کے مضبوط کرنے اور چھپانے میں مبالغہ کرنا مقصود ہوا کرتا ہے اس لیے دلوں پر مہر لگانے کو ختم سے تعبیر کیا گیا یا یوں کہئے کہ جس طرح کسی چیز پر مہر لگانا یہ اس شخص کا آخری فعل ہے جو اس چیز کے محفوظ کرنے اور چھپانے میں کیا کرتا ہے اسی طرح دلوں کے فاسد و خراب ہونے کا یہ آخری نتیجہ ہے کہ وہ اس مہر لگانے کے بعد بالکل نکمے اور بے کار ہو جاتے ہیں۔

وَعَلٰى سَمْعِهِمْ (اور ان کے کانوں پر بھی مہر لگا دی ہے) سَمْعٌ اگرچہ لفظاً مفرد ہے لیکن معنی میں ہے جمع کے یعنی وَعَلٰى اَسْمَاعِهِمْ اور چونکہ التباس کا خوف نہ تھا اور نیز اعتبار اصل بھی مقصود اور مدنظر تھا اس لیے ایسا کیا گیا سمع اصل میں مصدر ہے اور مصادر جمع کی صورت میں نہیں لائے جاتے اس لیے یہاں لفظ سمع مفرد لایا گیا اس کا عطف علٰی قُلُوْبِهِمْ پر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں دوسرے موقع پر ارشاد ہوا ہے: وَخَتَمَ عَلٰى قَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً اور جبکہ دل اور کان کا کسی چیز کو دریافت کرنا ہر طرف سے ممکن تھا اور اس میں سب جہتیں مساوی و یکساں تھیں تو ان دونوں کی مانع و حاجب ایک ہی چیز یعنی

مختم قرار دی گئی بخلاف آنکھ کے کہ وہ صرف مقابلہ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے مانع غِشَاوَةٌ (پردہ) ٹھہرایا گیا جو مقابلہ کے ساتھ مختص ہے چنانچہ فرمایا۔

وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (اوران کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے) ابصار جمع ہے بصر کی اوراس کے معنی ہیں کسی چیز کا آنکھ سے ادراک کرنا۔ لیکن اس کا اطلاق کبھی قوت باصرہ پر بھی ہوا کرتا ہے مجازاً اور کبھی نفس آنکھ کو بھی بصر کہتے ہیں اور اسی پر قیاس کر لیجئے سمع کو بھی۔

وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہونے والا ہے) عذاب لیا گیا ہے اَعْذَبَ الشَّیْءُ سے اور جب کوئی شخص کسی چیز کا منع کرنے اور روک دینے والا ہوتا ہے تو اہل محاورہ ایسے موقع پر اَعْذَبَ الشیء بولا کرتے ہیں چونکہ سزا بھی مجرم کو دوبارہ جرم پر دلیر ہونے سے منع کرتی اور روکتی ہے اس لیے اسے عذاب کہنے لگے پھر اس کے معنی میں یہاں تک توسیع ہو گئی کہ ہر دکھ اور درد کو عذاب کہنے لگے اگر چہ وہ سزا اور مانع نہ ہو یا یوں کہئے کہ عذاب مشتق ہے تعذیب سے جس کے معنی ہیں عذاب یعنی شیرینی کے زائل اور دور کرنے کے عَظِيْم ضد ہے حقیر کی (جیسا کہ کبیر نقیض ہے صغیر کی) اور جب یہ ہے تو عظیم کبیر سے بھی ایک درجہ اوپر رکھتا ہے جیسے حقیر صغیر سے کم رتبہ ہو جاتا ہے۔ (مظہری)

وَنَزَلَ فِی الْمُنَافِقِیْنَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لِاَنَّهٗ اٰخِرُ الْاَیَّامِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ رُوْعِیَ فِیْهِ مَعْنٰی مَنْ وَفِیْ ضَمِیْرِ یَقُوْلُ لَفْظُهَا يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاِظْهَارِ خِلَافِ مَا اَبْطَنُوْهُ مِنَ الْکُفْرِ لِیَدْفَعُوْا عَنْهُمْ اَحْکَامَهُ الدُّنْیَوِیَّةَ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ لِاَنَّ وَبَالَ خِدَاعِهِمْ رَاجِعٌ اِلَیْهِمْ فَیَفْتَضِحُوْنَ فِی الدُّنْیَا بِاِطِّلَاعِ اللّٰهِ نَبِیَّهٗ عَلٰی مَا اَبْطَنُوْهُ وَیُعَاقَبُوْنَ فِی الْاٰخِرَةِ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ خِدَاعَهُمْ لِاَنْفُسِهِمْ وَالْمُخَادَعَةُ هُنَا مِنْ وَاحِدٍ کَعَاقَبْتُ اللِّصَّ وَذِکْرُ اللّٰهِ فِیْهَا تَحْسِیْنٌ وَفِیْ قِرَاءَةٍ وَمَا یُخْدِعُوْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ شَکٌّ وَنِفَاقٌ فَهُوَ یُمْرِضُ قُلُوْبَهُمْ اَیْ یُضْعِفُهَا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا بِمَا اَنْزَلَهٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ لِکُفْرِهِمْ بِهٖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ مُؤْلِمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ بِالتَّشْدِیْدِ اَیْ نَبِیَّ اللّٰهِ وَبِالتَّخْفِیْفِ اَیْ فِیْ قَوْلِهِمْ اٰمَنَّا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَیْ لِهٰؤُلَاءِ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بِالْکُفْرِ وَالتَّعْوِیْقِ عَنِ الْاِیْمَانِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ وَلَیْسَ مَا نَحْنُ عَلَیْهِ بِفَسَادٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی رَدًّا عَلَیْهِمْ اَلَآ لِلتَّنْبِیْهِ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ بِذٰلِکَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ

السُّفَهَآءُ ط الْجُهَّالُ اَیْ لَا نَفْعَلُ کَفِعْلِھِمْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی رَدًّا عَلَیْھِمْ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا

یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ ذٰلِکَ وَ اِذَا لَقُوا اَصْلُہٗ لَقِیُوْا حُذِفَتِ الضَّمَّۃُ لِلْاِسْتِثْقَالِ ثُمَّ الْیَاءُ لِاِلْتِقَائِھَا سَاکِنَۃً مَعَ الْوَاوِ

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج وَ اِذَا خَلَوْا مِنْھُمْ وَرَجَعُوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ لا رُؤَسَائِھِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ لا فِی

الدِّیْنِ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ ۝۱۴ بِھِمْ بِاِظْھَارِ الْاِیْمَانِ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ یُجَازِیْھِمْ بِاسْتِھْزَائِھِمْ وَ

یَمُدُّھُمْ یُمْھِلُھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ تَجَاوُزِھِمُ الْحَدَّ بِالْکُفْرِ یَعْمَھُوْنَ ۝۱۵ یَتَرَدَّدُوْنَ تَحَیُّرًا حَالٌ اُولٰٓئِکَ

الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی ص اِسْتَبْدَلُوْھَا بِہٖ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ اَیْ مَارَبِحُوْا فِیْھَا بَلْ خَسِرُوْا

لِمَصِیْرِ ھِمْ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَۃِ عَلَیْھِمْ وَ مَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ۝۱۶ فِیْمَا فَعَلُوْا مَثَلُھُمْ صِفَتُھُمْ فِیْ

نِفَاقِھِمْ کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ اَوْقَدَ نَارًا ج فِیْ ظُلْمَۃٍ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ اَنَارَتْ مَاحَوْلَہٗ

فَاَبْصَرَ وَاسْتَدْفَأَ وَاَمِنَ مِمَّا یَخَافُہٗ ذَھَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِھِمْ اَطْفَأَہٗ وَ جَمْعُ الضَّمِیْرِ مُرَاعَاۃً لِمَعْنَی الَّذِیْ وَ

تَرَکَھُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ۝۱۷ مَاحَوْلَھُمْ مُتَحَیِّرِیْنَ عَنِ الطَّرِیْقِ خَائِفِیْنَ فَکَذٰلِکَ ھٰٓؤُلَاءِ اٰمَنُوْا

بِاِظْھَارِ کَلِمَۃِ الْاِیْمَانِ فَاِذَا مَاتُوْا جَاءَھُمُ الْخَوْفُ وَالْعَذَابُ ھُمْ صُمٌّۢ عَنِ الْحَقِّ فَلَا یَسْمَعُوْنَہٗ سِمَاعَ

قَبُوْلٍ بُکْمٌ خُرْسٌ عَنِ الْخَیْرِ فَلَا یَقُوْلُوْنَہٗ عُمْیٌ عَنْ طَرِیْقِ الْھُدٰی فَلَا یَرَوْنَہٗ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝۱۸ لا عَنِ

الضَّلَالَۃِ اَوْ مَثَلُھُمْ کَصَیِّبٍ اَیْ کَاَصْحَابِ مَطَرٍ وَاَصْلُہٗ صَیْوِبٌ مِنْ صَابَ یَصُوْبُ اَیْ یَنْزِلُ مِّنَ

السَّمَآءِ اَیِ السَّحَابِ فِیْہِ اَیِ السَّحَابِ ظُلُمٰتٌ مُتَکَاثِفَۃٌ وَّ رَعْدٌ ھُوَ الْمَلَکُ الْمُوَکَّلُ بِہٖ وَقِیْلَ صَوْتُہٗ وَ

بَرْقٌ ج لَمَعَانُ سَوْطِہِ الَّذِیْ یَزْجُرُہٗ بِہٖ یَجْعَلُوْنَ اَیْ اَصْحَابُ الصَّیِّبِ اَصَابِعَھُمْ اَیْ اَنَامِلَھَا فِیْٓ اٰذَانِھِمْ

مِّنْ اَجْلِ الصَّوَاعِقِ شِدَّۃِ صَوْتِ الرَّعْدِ لِئَلَّا یَسْمَعُوْھَا حَذَرَ خَوْفَ الْمَوْتِ ط مِنْ سِمَاعِھَا کَذٰلِکَ

ھٰٓؤُلَاءِ اِذَا نَزَلَ الْقُرْاٰنُ وَفِیْہِ ذِکْرُ الْکُفْرِ الْمُشَبَّہِ بِالظُّلُمَاتِ وَالْوَعِیْدِ عَلَیْہِ الْمُشَبَّہِ بِالرَّعْدِ وَالْحُجَجِ الْبَیِّنَۃِ

الْمُشَبَّھَۃِ بِالْبَرْقِ یَسُدُّوْنَ اٰذَانَھُمْ لِئَلَّا یَسْمَعُوْہُ فَیَمِیْلُوْا اِلَی الْاِیْمَانِ وَتَرْکِ دِیْنِھِمْ وَھُوَ عِنْدَھُمْ مَوْتٌ وَ

اللّٰہُ مُحِیْطٌۢ بِالْکٰفِرِیْنَ ۝۱۹ عِلْمًا وَقُدْرَۃً فَلَا یَفُوْتُوْنَہٗ یَکَادُ یَقْرُبُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ط یَاْخُذُھَا

بِسُرْعَةٍ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ اَیْ فِیْ ضَوْئِهٖ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَقَفُوْا تَمْثِيْلٌ لِاِزْعَاجِ مَا فِی الْقُرْاٰنِ مِنَ الْحُجَجِ قُلُوْبَهُمْ وَ تَصْدِيْقِهِمْ بِمَا سَمِعُوْا فِيْهِ مِمَّا يُحِبُّوْنَ وَوُقُوْفِهِمْ عَمَّا يَكْرَهُوْنَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ بِمَعْنٰى اَسْمَاعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ الظَّاهِرَةِ كَمَا ذَهَبَ بِالْبَاطِنَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَاءَهٗ قَدِيْرٌ ۧ وَمِنْهُ اِذْهَابُ مَا ذُكِرَ۔

ع ۲ ۱۳ ۲

ترجمہ: (اور یہ آیات منافقین کے لئے نازل ہوئی ہیں) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر (مراد قیامت کے دن ہے اس لئے کہ دونوں میں سے آخری دن ہے) حالانکہ قطعاً ایمان والے نہیں ہیں۔ (مؤمنین کے جمع لانے میں لفظ من لفظاً مفرد اور معنی جمع ہے) دھوکہ بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے (اپنے باطنی کفر کے خلاف ظاہر کر کے، تاکہ کفر کے دنیاوی احکام وسزا سے محفوظ رہ سکیں) اور در اصل کسی کو دھوکہ نہیں دیتے ہیں مگر اپنے آپ کو (اس لئے کہ ان کے دھوکہ کا وبال انہی کی طرف لوٹے گا چنانچہ دنیا میں رسوا ہوں گے بسبب اطلاع کر دینے اللہ تعالیٰ کے اپنے نبی کو ان کی باطنی خباثت (نفاق) پر اور آخرت میں سزا پائیں گے) اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے، (یعنی علم نہیں رکھتے کہ ان کی دھوکہ بازی کا انجام ان ہی کو بھگتنا ہے) اور لفظ مخادعت (مفاعلت) اس جگہ ایک جانب سے مراد ہے جیسے بولتے ہیں: عَاقَبْتُ اللِّصَّ میں نے چور کو سزا دی اور لفظ اللہ کا ذکر اس مقام پر تحسین کلام کے لئے ہے۔ ایک قراءت میں وَمَا یَخْدَعُوْنَ ہے۔ ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے (یعنی شک اور نفاق ہے کہ ان کے دلوں کو مریض کر دیتا ہے یعنی ان کے دلوں کو ضعیف اور کمزور کر دیتا ہے) پھر بڑھا دیا اللہ نے ان کی بیماری کو (یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ قرآن سے نازل کرتے اس کا یہ لوگ انکار کر کے مرض نفاق بڑھاتے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے (بالتشدید یعنی یُکَذِّبُوْنَ کی ایک قراءت تشدید کے ساتھ ہے، اس صورت میں اس کا مفعول نبی اللہ ہوگا یعنی اللہ کے نبی کو جھٹلاتے تھے اور دوسری قراءت تخفیف یعنی بلا تشدید ہے یعنی اپنے قول اٰمَنَّا میں جھوٹے ہیں) اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے (یعنی ان منافقوں کو) کہ تم زمین میں فساد مت کرو (بوجہ کفر کے اور ایمان سے روک کر) تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں (اور ہم جس طریق کار پر ہیں وہ فساد نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا: خبردار (تنبیہ کے لئے یعنی یاد رکھو) بلاشبہ یہی لوگ مفسد ہیں وہ لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایمان لے آؤ جس طرح ایمان لائے ہیں بہت سے لوگ (یعنی اصحاب نبی ﷺ) تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے ہیں بیوقوف (یعنی جاہل لوگ یعنی ہم ان جیسا کام نہیں کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا) خبردار! بلاشبہ یہی لوگ بیوقوف ہیں لیکن علم نہیں رکھتے ہیں (اس کا) اور جب ملاقات کرتے ہیں وہ منافقین مسلمانوں سے (لَقُوْا اصل میں لقیوا تھا یا پھر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ضمہ حذف کر دیا گیا بوجہ اجتماع ساکنین کے واؤ کے ساتھ، اور واؤ کی مناسبت سے قاف کو ضمہ دے دیا گیا) تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئیں ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں (ان مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر واپس پہنچتے ہیں) اپنے شیطان (سرداروں) کے

پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں (مذہب کے معاملہ میں) بلاشبہ ہم تو مذاق کرتے ہیں (ان مسلمانوں سے ایمان کا اظہار کر کے) اللہ مذاق کر رہا ہے ان سے (یعنی ان کو ان کے استہزاء کی سزا دیں گے) اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے۔ (یعنی ان کو مہلت دیتا ہے) ان کی سرکشی میں (کفر کی وجہ سے حد سے تجاوز کرنے میں) حال یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں (حیران پھر رہے ہیں يَعْمَهُوْنَ۞ حال ہے وَيَمُدُّهُمْ یا طُغْيَانِهِمْ سے)۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خریدا ہے گمراہی کو ہدایت کے بدلے (یعنی تبدیل کر لیا ہے) مگر ان کی یہ تجارت نفع بخش نہیں ہوئی (یعنی اس تجارت میں نفع نہیں اٹھایا بلکہ خسارہ میں رہے ابدی جہنم میں ٹھکانا بنانے کی وجہ سے) اور نہیں ہوئے صحیح راستہ پانے والے (اپنے کام میں)۔ ان منافقوں کی مثال (ان کے نفاق کے سلسلے میں ان کی حالت) اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس شخص کے آس پاس کو (کہ وہ دیکھنے لگا ٹھنڈک کا ازالہ کیا، اور ہر خوفناک چیز درندہ زہریلا جانور وغیرہ سے مطمئن ہو گیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی (اس کو بجھا دیا) نُوْرِهِمْ میں ضمیر جمع لانا الَّذِی کی معنوی رعایت کی وجہ سے ہوا) اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے ہیں (اپنے آس پاس راستہ کے متعلق حیران و خائف ہیں، پس اسی طرح سے یہ منافقین ہیں کہ کلمہ ایمان ظاہر کر کے مسلمان بنے یعنی مسلمانوں کے خوف سے زبان سے کلمہ ایمان ادا کر کے اس کی روشنی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور جان و مال کی حفاظت کرنا چاہی لیکن جب موت آئی تو خوف وعذاب سب سامنے آ گیا) یہ لوگ بہرے ہیں (یعنی حق سے بہرے ہیں کہ قبولیت کے کان سے نہیں سنتے) گونگے ہیں (یعنی اچھی اور سچی بات سے گونگے ہیں کہ اس کو کہہ نہیں سکتے) اندھے ہیں (یعنی راہ ہدایت سے اندھے ہیں کہ اس کو دیکھتے نہیں ہیں) سو اب وہ واپس نہیں ہوں گے (یعنی گمراہی سے)۔ یا ان منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے زور کی بارش ہو (صیب پانی برسنے والا بادل، اور اس صیب کی اصل صیوب تھی۔ صَابَ يَصُوْبُ، صَيْوِبٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اوپر سے برسنے اور نازل ہونے کے۔ مفسر علام کہتے ہیں کہ سماء کے معنی یہاں بادل کے ہیں) اس میں تاریکیاں (گنجان) ہوں اور رعد ہو (رعد فرشتہ ہے جو بادل پر مقرر ہے یعنی بادل ہانکنے والا فرشتہ اور بعض کی رائے ہے کہ اس کی آواز یعنی کڑک اور گرج) اور بجلی ہو (مفسر علام کہتے ہیں کہ بجلی فرشتہ کے اس کوڑا کی چمک ہے جس سے بادل ہانکتے ہے) وہ ٹھونس لیتے ہیں (اہل بارش) اپنی انگلیاں (یعنی انگلیوں کے پوروں کو) اپنے کانوں میں کڑک کی وجہ سے (جو رعد کی شدت آواز سے ہوتی ہے تا کہ اس آواز کو سن نہ پائیں) موت کے ڈر سے (یعنی اس کڑک کو سن کر جو ڈر پیدا ہوتا ہے، یہی حال ان منافقوں کا ہے کہ جب قرآن نازل ہوتا ہے اس میں کفر کا بیان ہے جس کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس قرآن میں کفر پر وعید ہے جس کو رعد سے تشبیہ دی گئی ہے اور روشن دلائل ہیں جن کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بجلی کی طرح روشن دلائل اور کفر پر قرآن کی گرج کے وقت اپنے کانوں کو بند کر لیتے ہیں تا کہ اس کو سن نہ سکیں کہ کہیں ایمان کی طرف اور ترک مذہب کی طرف مائل نہ ہو جائیں جو ان کے نزدیک موت ہے) اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہے کافروں کو (یعنی اپنے علم و قدرت کے لحاظ سے سو یہ لوگ اس سے بچ نہیں سکتے ہیں) قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں (یعنی بینائیوں کو فوراً لے لے) جہاں ان کے لئے بجلی چمکی تو چلنے لگے اس کی روشنی میں اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ

گئے یہ تمثیل اس لئے ہے کہ قرآن کے دلائل سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور اپنی پسندیدہ چیزوں کو سن کر تصدیق کرتے ہیں اور ناپسندیدہ چیزوں کو سن کر توقف کرتے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو لے جائے ان کے کان اور ان کی آنکھیں (جیسا کہ ان کی باطن کی آنکھیں لے گئے) بلاشبہ اللہ ہر اس چیز پر (کے جو ان کی مشیت ہو) قادر ہیں (منجملہ ان کے ان چیزوں کا سلب بھی ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: نَزَلَ۔ ان آیات کا نزول منافقین کی باطنی حالت اور ظاہر اور انجام اور ان کی تجھیل و استہزاء وغیرہ کے سلسلے میں ہوا۔

قوله: وَمِنَ النَّاسِ۔ یہ محل ظرف میں مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یا مقدر مبتداء کی صفت ہے جیسا اس آیت میں ومنادون ذلك۔ ای جمع منا۔ اور مَن موصولہ اور موصوفہ دونوں ہوسکتے ہیں خبر ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ہے۔ یعنی یہ ہیں بعض لوگ یا لوگوں میں سے بعض۔

قوله: يَوْمِ۔ يَوْمِ کو یہاں امر غیر ممتد کے ساتھ ملالیا گیا ہے اس لئے اس سے مطلق زمانہ مراد ہے خواہ محدود ہو یا غیر محدود۔ اور عرفی دن بھی مراد ہوسکتا ہے کہ ایسا دن مراد ہو جس میں سورج طلوع ہو وہ دنیا کا آخری دن ہوگا جب سورج کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

قوله: روعی۔ مومنین میں مَنْ کے معنی جمع کا لحاظ ہے اور ضمائر میں لفظ پیش نظر ہے۔

قوله: يُخٰدِعُوْنَ۔ یہ مجاز عقلی کی قسم سے ہے اور اصل ترکیب يخادعون ﷺ ہے۔ ٢: یوں تو یہ ہے ان کے اس معاملے کو خدا کے لفظ سے ذکر کیا ٣: اللہ تعالیٰ کا ذکر تو تحسین کلدمذ کے لئے ہے۔ اصل ایمان والوں سے فخادعہ مراد ہے جیسا کہ فرمایا: فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ: اس لئے منتہا مخادت کی منافقین کی طرف تھے کیونکہ اس کا وبال فقط انہی پر پڑنے والا ہے۔

قوله: مولَم۔ لدم کے فتحہ کے ساتھ عذاب میں مبالغہ کے لئے استعمال ہوا ہے گویا عذاب اپنی انتہاء میں معذب سے عذاب میں سرایت کر گیا ہے۔ مگر خطیب نے اس کو لام کے کسرہ حقیقی کے ساتھ درست قرار دیا ہے۔

قوله: نفاق۔ اس لئے اشارہ کیا کہ اس کو مجازاً مرض کہا گیا اور ویسے یہ نفس و روح کے امراض سے ہے۔

قوله: بِمَا كَانُوْا۔ باسببیہ اور ما مصدریہ ہے یعنی اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس صورت میں ضمیر عاید کی ضرورت نہیں۔

قوله: بِالْكُفْرِ: اس سے اشارہ فرمایا کہ کلام میں مال کے اعتبار سے مجاز ہے یعنی تم وہ حرکات مت کرو جو فساد تک پہنچانے والی ہوں۔ تو فنوں کو دھوکہ دے کر فتن اور جنگ کی باتوں کو ترجیح دینا فساد تک پہنچانے والا ہے۔ انسانوں اور حیوانات وغیرہ میں بھی پس حقیقت افساد والا اعتراض اس پر نہیں آسکتا۔

قوله: فِي الَّذِيْنِ: اس سے معیت کی مراد متعین کردی کہ وہ معیت بالمکان مراد نہیں ہے۔

قوله: بِهِمْ بِاِظْهَارِ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا مفعول المومنون ہے نہ کہ مخاطبین۔

قوله: يُجَازِيْهِمْ: اس سے اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے استہزاء کا بدلہ دیں گے۔ تو استہزاء کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف باب تاکلت سے ہے۔

قوله: اَصْحَابُ النَّبِيِّ: اس سے مفسرؒ اشارہ فرما رہے ہیں کہ الناس کا الف لام استغراق کا نہیں کہ کفار اس میں شامل ہوں بلکہ الف لام عہد کا ہے۔

قوله: لَا نَفْعَلُ: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہاں همزہ انکار کے لئے ہے۔

قوله: اِذَا لَقُوْا۔ اس میں مومنوں اور کافروں کے ساتھ ان کے معاملے کو ذکر فرمایا اور من يقول امنا میں ان کے مذهب کا بیان ہے۔ پس تکرار کا شائبہ نہ رہا۔

قوله: رَجَعُوْا: اس معنی سے اشارہ فرمایا کہ جب خلد کا لفظ الا سے متعدی ہوتا ہے تو اس وقت اس کے ضمن میں رجع کا معنی پایا جاتا ہے نہ کہ تخی کا۔

قوله: رُؤَسَائِهِمْ: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو شیطان کے مشابہہ ہیں۔ شیطان حقیقیہ مراد آیت کے مناسب نہیں۔

قوله: يُمْهِلُهُمْ: اس سے اشارہ فرمایا گیا کہ یمد۔ یہ مدالجیش سے لیا گیا ہے جس کا معنی بڑھانا ہے۔ مفسرؒ نے تا دبا امهال سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

قوله: يَتَرَدَّدُوْنَ: تردد فکر کے غائب ہونے کا لازمہ ہے۔ تو یہاں ملزوم بول کر لازم مراد لیا ہے۔

قوله: حَالٌ: یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ یہ صفت نہیں کہ اعتراض لازم آئے بلکہ حال ہے۔

قوله: اِسْتَبْدَلُوْهَا بِهِ: یہاں شراء کے لازمہ کو بیع وشراء کے مجاز کے طور پر لیا گیا ہے اور وہ استبدال ہے۔

قوله: مَارَبِحُوْا فِيْهَا: یہاں نفع کو اصحاب تجارت کے لئے مجاز عقلی کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کیونکہ تجارت کا تاجر سے تلبس کا تعلق ہے۔

قوله: فِيْمَا فَعَلُوْا: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہ کچھ انہوں نے کیا ہے تجارت میں کیا ہے نہ دین میں جیسا ظاہر ہے متبادر ہوتا ہے۔

قوله: مُرَاعَاةً لِمَعْنَى: اَلَّذِيْ یہاں اَلَّذِيْنَ کے معنی میں ہے جیسا: خضتم کالذی خاضوا۔ اب ایک شئی کا واحد وجمع ہونا لازم نہ ہوا اور ضمیر هم کی عدم وطاقت کا سوال بھی ختم ہوا۔

قوله: صِفَتُهُمْ: یہ صفت کے معنی میں ہے نظیر کے معنی میں نہیں۔

قوله: اَوْقَدَ: اس سے اشارہ کر دیا گیا کہ استفعال کا باب یہاں اَوْقَدَ کے معنی میں ہے فا کا اس پر ترتب درست ہے۔

قوله: فِيْ ظُلْمَةٍ۔

قوله: اَنَارَتْ: اس لفظ تغیر کر کے اضاءت وانَارَتْ کے مابین اشتقاقی مناسبت اور اس کے مرجع نار کی طرف اشارہ کر دیا۔

قوله: فَابْصَرَ: اس سے روشنی کے منافع کی طرف اشراہ کیا تا کہ اس کے نقدان پر حسرت ہو۔

قوله: اَطْفَأَهُ: اس سے روشنی کے مکمل ختم ہو جانے کی طرف اشارہ فرمایا اور یہی وجہ ہے کہ خنوط جو اضاءت کا مقتضا ہے اس سے مقرر کی طرف پلٹتے ہیں۔

قوله: مَاحَوْلَهُمْ۔ اس سے اس کے لَا يُبْصِرُوْنَ کا مفعول ہے بمنزلہ لازم نہیں۔ کیونکہ حقدر ملفوظ کی طرح ہی ہوتا ہے۔

قوله: عَنِ الْحَقِّ: اس سے اشراہ کیا کہ اس سے حقیقی بہرہ پن مراد نہیں کہ ان کے مورس کو درست دیکھ کر معترض ہو۔

قوله: عَنِ الضَّلَالَةِ: یہ لَا يَرْجِعُوْنَ سے متعلق ہے نہ کہ ھوگا۔ ورنہ لَا يَرْجِعُوْنَ کو لا یعبودون کے معنی میں لینا پڑے گا جو کہ ظاہر کے مخالف ہے۔

قوله: اَوْ مَثَلُهُمْ: اس سے اشارہ فرمایا کہ كَصَيِّبٍ کا عطف الذی ہے مَثَلُهُمْ پر نہیں کیونکہ اس وقت شبہہ بہ شبہہ سے الگ رہ جائے گا۔

قوله: مَطَرٍ: صیب سے مراد بارش ہے۔ نہ کہ بادل۔

قوله: السَّحَابِ: اس سے اشارہ کیا کہ السحاء سے مراد افق ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ من متصلہ ہے اور اتصال صحاب سے ہے نہ کہ افق سے۔

قوله: مُتَكَاثِفَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ ظلمات کی تنکیر تعظیم وکثرت کے لئے ہے۔

قوله: الْمَلَكُ: اس حکماء طبعیین کے اس قول کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ رعد بادلوں کے پھٹنے اور ٹکرانے کی آواز ہے۔ اسی طرح لَمَعَانُ کا لفظ فرما کر ان حکماء کی تردید کر دی جو اس کو زمین سے بلند ہونے والا شعلہ قرار دیتے ہیں۔

قوله: شِدَّةِ صَوْتِ: اس میں بھی حکماء کے قول کی تردید ہے۔

قوله: كَاصْحَابُ: مضاف کو مقدر مان کر يَجْعَلُوْنَ کا مرجع قرار دیا۔ تا کہ شبہ کے ساتھ سبب ختم نہ ہو۔

قوله: اَنَامِلَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ مراد انامل ہی ہیں اصابع کا ذکر مبالغہ کے لئے ہے۔

قوله: خَوْفَ الْمَوْتِ: حَذَرَ علت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ خوف کے معنی میں ہے بچنے کے معنی میں نہیں کیونکہ موت سے بچنا ان کے بس میں نہیں۔

قوله: عِلْمًا وَقُدْرَةً: احاطہ سے جسمانی مراد نہیں بلکہ علم وقدرت کے اعتبار سے احاطہ مراد ہے۔

قوله: يَكَادُ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو گویا اس اس سائل جواب بھی ہے جو کہتا ہے ایسی کڑکوں کے ہوتے ہوئے ان کا کیا حال ہے؟

قوله: فِيْ ضَوْئِهِ: اضاء لازم ہے اس لئے حذف مفعول کی حاجت نہیں اور مضاف محذوف ہے کیونکہ نہ کہ اس کے بغیر کلدم درست نہیں ہوتا اور ضوء سے مراد روشنی ڈالنے کا وقت وجگہ ہے۔

قوله: وَقَفُوْا: قام کا یہ معنی کر کے بتلایا کہ یہ اضداد سے ہے۔ یہاں قامت السوق جب بازار رک جائے والا معنی ہے۔

قوله: شَآءَ اللّٰهُ: لو کے شرطیہ ہونے کا فائدہ مانع کو ظاہر کرنا ہے اور وہ مقتضا کے باوجود شیت کا نہ ہونا ہے۔

قوله: بِمَعْنٰی اَسْمَاعِهِمْ: اس اشارے کا یہ اسمع وصدر ہے اس کی جمع نہیں بنتی تو مگر وہ جمع کے معنی میں ہے۔

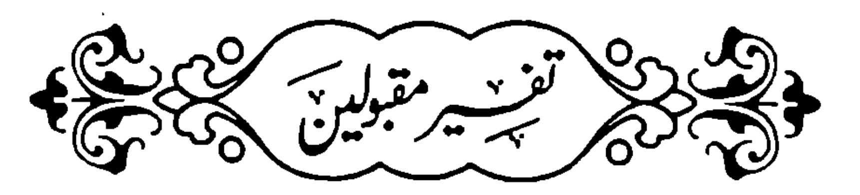
قوله: الظَّاهِرَةِ: ابصار یہ بصر کی جمع ہے بصیرة کی نہیں، جو کہ ادراک قلبی کے لئے بولا جاتا ہے۔

قوله: كَمَا ذَهَبَ بِالْبَاطِنَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ: الظَّاهِرَةِ کی تخصیص سے ماسواء کی نفی مقصود نہیں ہے۔

قوله: شَائَهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ شیٔ یہاں شیٔ (جو چاہا گیا ہو) کے معنی میں ہے: شَائَهٗ: (چاہنے والا) کے معنی میں نہیں۔ پس ممتنع شامل نہ ہوا۔

قوله: وَمِنْهُ اِذْهَابُ مَاذُكِرَ: اس نے اشارہ کر دیا کہ گذشتہ سے اس کا مفہوم الگ ہے۔ اس وجہ سے اس پر عطف نہیں کیا گیا تا کہ التزاماً وہی معنی نہ سمجھ لیا جائے۔

ربط آیات: مخلص مؤمن اور خالص کافر کا تذکرہ کرنے کے بعد باطنی کافر اور بظاہر مدعی ایمان کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا گویا ابرار و اشرار کا تقابل اہل سعادت وشقاوت کی واضح لکیر کھینچ دی کہ: يقال بضد هاتتبين الاشياء۔ (م)



وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

ابتداء سورت میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی جنہوں نے دل سے اللہ کی کتاب اور اس کے دین کو مانا اور زبان سے اس کا اقرار کیا۔ یہ اتقیاء کا گروہ تھا بعد میں اشقیاء کا حال ذکر کیا۔ اشقیاء میں دو گروہ تھے۔ پہلا گروہ وہ تھا جو دل اور زبان دونوں سے منکر تھے۔ ان کا ذکر ہو چکا۔ اب آئندہ آیات میں اشقیاء کے دوسرے گروہ کا ذکر ہے جو کسی دباؤ اور مصلحت کی بناء پر زبان سے تو مانتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے۔ ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں منافق کہتے ہیں۔

منافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب:

جب سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور دین اسلام خوب پھیلنے لگا تو یہودیوں اور خاص کر ان کے علماء اور احبار کو یہ بات زیادہ کھلی اور یہ لوگ دشمنی پر اتر آئے۔ کچھ لوگ اوس اور خزرج میں سے بھی اسلام کے مخالف ہو گئے۔ اسلام کی اشاعت عام ہو جانے کے بعد کھل کر یہ لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور دشمنی کے اظہار سے بھی عاجز تھے۔ اس لیے انہوں نے یہ چال چلی کہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا، اندر سے کافر تھے اور ظاہر میں مسلمان تھے۔

ان کا سردار عبداللہ ابن ابی تھا۔ حضور اقدس ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے اوس اور خزرج نے عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے اور اس کو تاج پہنانے کا مشورہ کیا تھا۔ سید العالمین ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کی سرداری نہیں چل سکتی

تھی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرا دیا اور اندر سے اسلام کی کاٹ میں لگے رہے۔ ان کے اس طریقۂ کار میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر جو منافع ہیں وہ بھی ملتے رہیں اور کنبے اور قبیلے سے باہر بھی نہ ہوں اور اہل کفر سے بھی گٹھ جوڑ رہے اور ان سے بھی فائدہ ملتا رہے۔

اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ اگر العیاذ باللہ اسلام اور داعی اسلام ﷺ کا قیام اور بقا زیادہ دیر تک نہ رہے تو حسب سابق پھر سرداری مل جائے گی لہٰذا یہ اوپر سے مسلمان اور اندر سے کافر رہے اور اسلام اور داعی اسلام کی ناکامی کے انتظار میں رہنے لگے۔ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں اور اس طرح سے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے تھے۔ اور خالص کافروں سے تنہائیوں میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن چونکہ دل سے نمازی نہ تھے، اس لیے جماعتوں کی حاضری میں سستی کرتے تھے، اور اکساتے ہوئے اوپر کے دل سے نماز پڑھتے تھے جہادوں میں بھی شریک ہونے کے لیے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن کبھی تو درمیان سے واپس آ گئے اور کبھی ساتھ رہتے ہوئے ہی مکر وفریب کو کام میں لاتے رہے۔ حضرت سرور عالم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور دل دکھانے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ جھوٹی قسمیں کھا کر کہتے تھے اور قسم کھا جاتے تھے کہ ہم نے تو نہیں کہا۔ ان لوگوں کے حالات سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں اور سورۃ نساء کے رکوع ٢١ میں اور سورۃ منافقون میں اور سورۃ حشر میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور سورۃ برءۃ میں خوب زیادہ ان کی قلعی کھولی گئی ہے۔

سیرت کی کتابوں میں ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں کہ یہ کون کون تھے اور کس قبیلہ سے تھے۔ البدایہ والنہایہ اوائل کتاب المغازی ص ٣٣٦ ج ٣ تا ص ٣٤٠ میں یہودی علماء اور احبار جنہوں نے اسلام اور داعی اسلام ﷺ کی کھل کر مخالفت اختیار کی اور خوب زیادہ دشمنی میں لگ گئے، ان کے نام اور ان لوگوں کے نام جو یہودیوں اور اوس وخزرج میں سے منافق بنے ہوئے تھے واضح طور پر ذکر کیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ مروت کا برتاؤ فرماتے رہے اور ان کی ایذاؤں کو سہتے رہے، آپ احسن اسلوب سے اپنی دعوت کو لے کر آگے بڑھتے رہے اور دین اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہی۔ اس میں جہاں یہ حکمت تھی کہ شاید یہ لوگ مخلص مسلمان ہو جائیں وہاں یہ مصلحت بھی تھی کہ اگر ان کے ساتھ سختی کریں گے تو عرب کے دوسرے قبائل جو مسلمان نہیں ہوئے ہیں اور صحیح صورت حال انہیں معلوم نہیں وہ اسلام کے قریب آنے کے بجائے اور دور ہو جائیں گے۔ اور شیطان ان کو یہ سمجھائے گا کہ دیکھو محمد (رسول اللہ ﷺ) کا اپنے ماننے والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی اور ذلت کے ساتھ مسجد نبوی سے نکال دیے گئے۔ جس کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام (جلد ثانی کے اوائل) میں مذکور ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں اور ان کے بعد والی چند آیتوں میں منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر بھی ایمان لائے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ اہل ایمان نہیں ہیں۔ ایمان فعل قلب ہے۔ صرف زبانی دعویٰ سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوگا۔ جب تک دل سے ان چیزوں کی تصدیق نہ کرے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اس وقت تک کوئی

شخص مؤمن نہیں ہوسکتا۔ منافقین کے اسی دوغلے پن کو کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ حالانکہ مومن نہیں۔ سورۃ مائدہ میں اس طرح بیان فرمایا: (مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ) (یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے) اس دورنگی اور دوغلے پن کو قرآن و حدیث میں نفاق اور منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ ان کو منافق فرمایا گیا ہے۔

یہ کلمہ لفظ "نَفَق" سے ماخوذ ہے۔ نفق اس سرنگ کو کہتے ہیں۔ جس میں دونوں طرف سے راستہ ہو چونکہ منافقین اسلام میں ایک دروازہ سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازہ سے نکل جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے اس عمل کا نام نفاق رکھا گیا۔ مفردات امام راغب میں ہے: و منه النفاق و هو الدخول فى الشرع من باب و الخروج عنه من باب و على ذلك نبه تعالى بقوله ان المنافقين هم الفاسقون اى الخارجون من الشرع۔ منافقت کفر کی بد ترین اور خبیث ترین قسم ہے۔ اس میں کفر بھی ہے، جھوٹ بھی ہے۔ دھوکہ دہی بھی ہے۔ ایسے لوگ صرف بندوں ہی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق بناتے ہیں اور جو کھلے کافر ہیں ان کو بھی دھوکہ دیتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ وہ کسی میں سے نہیں جس کو سورۃ نساء میں یوں بیان فرمایا ہے:

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

"یعنی وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بس تھوڑا بہت یاد کرتے ہیں، ایمان اور کفر کے درمیان مذبذب ہیں نہ ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف"۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ منافق کسی کا نہیں ہوتا وہ صرف اپنا ہوتا ہے۔ جہاں دنیا اور دنیاوی منافع دیکھتا ہے موقع دیکھ کر اسی طرف ہو جاتا ہے۔ اور اتنے ہی وقت کے لیے ہوتا ہے جتنے وقت تک ضرورت محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے۔ جیسے بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان ایک بکری ہے وہ گابھن ہونے کے لیے کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ (مشکوۃ ص ۱۷)

منافقین اپنے اس عمل کو چالبازی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکہ دیا اور اپنا کام نکالا۔ حالانکہ اس دھوکہ دہی اور چالبازی کا برا انجام خود انہی کے سامنے آئے گا۔ اور یہ چالبازی انہیں کے لیے وبال جان بنے گی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب سمجھتے ہیں حالانکہ اپنے اصل نفع اور نقصان تک کو نہیں سمجھتے۔

نفاق کا مرض بہت پرانا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ زمانہ نبوت کے منافقین اس مرض میں مبتلا تھے۔ جیسے جیسے اسلام آگے بڑھتا گیا منافقوں کا نفاق بھی بڑھتا رہا، مرض نفاق حسد اور حب دنیا کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، دنیا میں ایسا شخص ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں منافق کے لیے سخت سزا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفاق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا آج تو یا اسلام ہے یا کفر ہے۔ ان کا یہ ارشاد امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے اس لیے ہم کسی مدعی اسلام کو یوں نہیں کہیں گے کہ یہ منافق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی زمانہ کے منافقوں کے نفاق کا علم تھا اس لیے متعین طریقے پر ان کو منافق قرار دیا گیا، ہم ظاہر کے مکلف ہیں جو شخص کہے گا میں مسلمان ہوں، اس کو مسلمان سمجھیں گے جب تک کہ اس سے کفر کا کوئی کلمہ یا کفر کا کوئی کام صادر نہ ہو اگر کسی کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ ظاہر میں مسلمان بنتا ہے، اندر سے مسلمان نہیں ہے اسے منافق کہے بغیر اپنی حفاظت کریں گے۔ (انوار البیان)

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے ہیں دھوکہ دیتے ہیں) اصل میں خَدْعٌ اسے کہتے ہیں کہ تم کسی شخص کو اس مکروہ اور ناپسند بات کے برخلاف دھوکہ میں ڈالو جسے تم مخفی رکھتے ہو اور یہ عرب کے قول خدَعَ الضَّبُّ سے لیا گیا یعنی جب گوہ اپنے بل میں چھپ کر شکاری کو ظاہر ہونے اور نکلنے کا دھوکہ دیتی ہے (تو اہل زبان اسے خدع الضب سے تعبیر کرتے ہیں) خدَعَ کے لغوی معنے پوشیدہ کرنے کے ہیں۔ خدا کو دھوکہ دینے کا یہ مطلب ہے کہ وہ رسول خدا ﷺ کو دھوکا دیتے ہیں اس صورت میں یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ میں ایک مضاف محذوف ماننا پڑیگا یا یوں کہو کہ منافقوں کا رسول کے ساتھ یہ معاملہ کرنا گویا عین خدا کے ساتھ معاملہ کرنا ہے کیونکہ رسول زمین میں خدا کا نائب اور اس کا خلیفہ ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ اور فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یُخَادِعُوْنَ ہے تو باب مفاعلہ سے اور اس کا خاصہ ہے مشارکت یعنی ایک فعل کا دو شخصوں میں اس طرح واقع ہونا کہ ایک دوسرے کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو وہ اس کے ساتھ کرتا ہے لیکن یہاں یُخْدَعُوْنَ کے معنی میں ہے اور مفاعلہ مبالغہ کے لیے اختیار کر لیا گیا ہے کیونکہ فعل بوقت مقابلہ زیادہ قوی ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ منافقوں کا خدا تعالیٰ کے ساتھ یہ معاملہ کہ ظاہر میں ایمان کا دعویٰ کرتے اور دلوں میں کفر کی جڑ مخفی رکھتے ہیں اور خدا کا ان کے ساتھ یہ برتاؤ کہ ان پر اسلام کے احکام جاری فرماتا ہے باوجودیکہ وہ کافروں سے بھی زیادہ خبیث اور گندے ہیں۔ ادھر جناب نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کا حکم الٰہی بجالانا کہ ان کا حال مخفی رکھتے اور اسلام کے احکام ان پر جاری کرتے تھے یہ سب معاملات چونکہ صورۃً ایسے دو شخصوں کے فعل تھے جو باہم ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں (اس لیے یُخَادِعُوْنَ کا لفظ جو مشارکت کو مقتضی تھا لایا گیا) پھر یہ جملہ تو یَقُوْلُ کا بیان ہے۔ یا علیحدہ اور جدا مقصود کے بیان کے لیے جملہ شروع کیا۔

اِلَّا اَنْفُسَھُمْ (اور حقیقت میں دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو) کیونکہ خدا پر کوئی چھوٹی سی چھوٹی اور پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی چھپی نہیں رہتی اور وہ اپنے برگزیدہ اور مقدس نبی ﷺ اور پاکباز مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً ان کے حال پر مطلع کرتا ہے تو وہ اس لحاظ سے خود دھوکہ میں پڑ گئے کہ اپنے نفسوں کو اس بات پر فریب خوردہ کر دیا کہ ہم عذاب وفضیحت سے بے خوف ہو گئے (اور نبی وقت اور مسلمانوں پر ہمارا دھوکہ چل گیا لیکن حقیقت میں ایسا نہ تھا اور جب یہ ہے) تو ان کے دھوکہ دینے کا ضرر انہیں پر پلٹ پڑا نہ ان کے غیر پر۔

وَمَا یَشْعُرُوْنَ (اور اپنی غفلت و بے خبری میں منہمک ہونے کی وجہ سے اس بات کو محسوس نہیں کرتے) اور نہیں سمجھتے کہ ہمارے دھوکہ دینے کا ضرر خود ہم ہی پر پلٹ پڑتا ہے شُعور کہتے ہیں حواس سے کسی چیز کے معلوم کرنے کو۔ یہاں انہیں کی طرف

پلٹ جانے کو اس محسوس چیز کے قائم مقام کیا گیا جو صرف ماؤف الحواس شخص پر مخفی رہتی ہے۔ (مظہری)

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ

اس آیت میں فرمایا کہ ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے سو اور بھی بڑھا دیا اللہ نے ان کے مرض کو، مرض اور بیماری اس کیفیت کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے اعتدال مناسب سے نکل جائے اور اس کے افعال میں خلل پیدا ہو جائے جس کا آخری نتیجہ ہلاکت اور موت ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ان نفسانی کیفیات کو بھی مرض کہا جاتا ہے جو نفس انسان کے کمال میں خلل انداز ہوں اور جن کی وجہ سے انسان اپنے انسانی اعمال سے محروم ہوتا چلا جائے جس کا آخری نتیجہ روحانی موت وہلاکت ہے،

حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ دلوں کے امراض خواہشات نفسانی کے اتباع سے پیدا ہوتے ہیں جیسے بدن انسان کے امراض اخلاط انسان کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں اس آیت میں ان کے دلوں میں مخفی کفر کو مرض فرمایا گیا ہے جو روحانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے بڑا مرض ہے روحانی مرض ہونا تو ظاہر ہے کہ اوّل تو اپنے پیدا کرنے والے پالنے والے کی ناشکری اور اس کے احکام سے سرکشی جس کا نام کفر ہے یہ خود روح انسانی کے لئے سب سے بڑا مرض اور شرافت انسانی کے لئے بدترین داغ ہے دوسرے دنیا کی اغراض کی خاطر اس کو چھپاتے رہنا اور اپنی دل کی بات کو ظاہر کرنے کی بھی جرأت نہ ہونا یہ دوسری دناءت ہے جو روح کا بہت بڑا مرض ہے اور نفاق کا جسمانی مرض ہونا اس بناء پر ہے کہ منافق کے دل میں ہمیشہ یہ دغدغہ رہتا ہے کہ کہیں میرا اصلی حال نہ کھل جائے شب وروز اس کی فکر میں رہنا خود ایک جسمانی مرض ہے اس کے علاوہ اس مرض کا لازمی نتیجہ حسد ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر منافق کو جلن ہوگی مگر وہ مسکین اپنے دل کی سوزش کا اظہار بھی نہیں کرسکتا یہ اسباب ان کے جسمانی مرض بھی بن جاتے ہیں۔ (معارف)

اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض اور بھی بڑھا دیا اس کا مطلب یہی ہے کہ (رسول، اسلام اور جماعت مومنین کو مزید ترقیاں اور فتح مندیاں دے دے کر۔ یا اپنے کلام کے مسلسل نزول سے) منافقوں کے دل کے روگ کو ترقی دو طریقوں سے ہوتی رہی۔ یا تو یوں کہ جوں جوں اسلام کو مزید غلبہ واقتدار حاصل ہوتا گیا، ان لوگوں کے دل کی کڑھن اور جلن بڑھتی گئی۔ اور یا یوں کہ کلام الٰہی کی ہر ہر آیت کے نزول کے ساتھ ان کے غیظ وبغض میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ اہل تفسیر نے یہ دونوں پہلو اختیار کیے ہیں۔ کلما زاد رسوله نصرة وتبسطا فی البلاد ونقصا من اطراف الارض ازدادوا حسدا وغلا وبغضا۔ (کشاف)

جھوٹ بولنے کا وبال:

آیات مذکورہ میں منافقین کے عذاب الیم کی وجہ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ یعنی ان کے جھوٹ بولنے کو قرار دیا ہے حالانکہ ان کے کفر ونفاق کا جرم سب سے بڑا تھا اور دوسرے جرائم مسلمانوں سے حسد ان کے خلاف سازشیں بھی بڑے جرائم تھے مگر عذاب الیم کا سبب ان کے جھوٹ بولنے کو قرار دیا اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جھوٹ بولنے کی عادت ان کا اصلی جرم تھا اسی

بری عادت نے ان کو کفر و نفاق تک پہنچا دیا تھا اس لئے جرم کی حیثیت اگر چہ کفر و نفاق سے بڑھی ہوئی ہے مگر ان سب خرابیوں کی جڑ اور بنیاد جھوٹ بولنا ہے۔ (معارف)

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ۙ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾

فساد ضد ہے صلاح کی اور یہ دونوں لفظ ہر قسم کی ضرر دینے والی اور نفع بخشنے والی چیزوں کو عام ہیں (یعنی فساد کا لفظ ہر طرح کی مضرت رساں اور تکلیف دہ چیزوں کو شامل ہے اور صلاح کا لفظ ہر قسم کی مفید اور نفع بخش چیزوں کو)۔ (مظہری)

منافقین کی دوسری قباحت:

منافقین اپنے باطنی مرض کی وجہ سے اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں کہ فساد کو صلاح اور صلاح کو فساد اور مرض کو صحت سمجھنے لگے ہیں کیونکہ جب انہیں یہ کہا جائے کہ زمین میں فساد مت کرو تو یہ کہتے ہیں کہ جز ایں نیست کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ منافقین کئی طرح سے فساد پھیلاتے تھے۔ کبھی مسلمانوں کے راز فاش کرتے۔ کبھی کافروں کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کرتے اور کبھی کافروں کے اعتراضات ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے سامنے نقل کرتے تا کہ وہ مذبذب اور متزلزل ہو جائیں ان سب کو حق تعالیٰ نے فساد سے تعبیر فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں نفاق خواہ دین کا ہو یا دنیا کا خود ایک مستقل فساد ہے۔ دورویہ ہونے سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں۔ ایسا شخص ہمیشہ فساد پھیلاتا ہے اور کسی کا خیر خواہ نہیں ہوتا۔ مسلمان جب ان کو اس قسم کے فسادوں سے منع کرتے تو جواب میں یہ کہتے کہ: إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾۔ جز ایں نیست کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ سب شیر وشکر ہو جائیں۔ آپس میں کوئی اختلاف نہ رہے۔ نئے دین کی وجہ سے جو جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے کے درپے قتل و غارت اور ایذاء اور ہتک حرمت ہو گیا ہے وہ سب یک لخت ختم ہو جائے اور ملک اور ملت پہلی حالت پر لوٹ آئے اور سلسلۂ معاش و تجارت حسب سابق جاری ہو جائے۔ (معارف کاندھلوی)

خلاصہ یہ ہے کہ منافقین بچند وجوہ فساد پھیلاتے تھے اول تو خواہشات نفسانیہ میں منہمک تھے اور انقیاد احکام شرعیہ سے کاہل اور متنفر تھے، دوسرے مسلمانوں اور کافروں دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کو ہر ایک کی باتیں دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے، تیسرے کفار سے نہایت مدارات و مخالطت سے پیش آتے تھے۔ اور امور دین کی مخالفت پر کفار سے اصلاً مزاحمت نہ کرتے تھے اور کفار کے اعتراضات و شبہات کو جو دین کی باتوں پر ہوتے تھے مسلمانوں کے روبرو نقل کرتے تھے تا کہ ضعیف الاعتقاد اور ضعیف الفہم احکام شرعیہ میں متردد ہو جائیں اور جب کوئی ان فسادات سے ان کو منع کرتا تو جواب دیتے تھے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام قوم اور ملک مثل زمانہ سابق شیر وشکر ہو کر رہیں اور دین جدید کی وجہ سے جو مخالفت بڑھ گئی ہے بالکل جاتی رہے چنانچہ ہر زمانہ میں دنیا طلب ہوا پرست ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں: أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ: آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً یہی لوگ مفسد ہیں۔ کہ کفر اور ایمان اور شرک اور توحید کو ایک کرنا چاہتے ہیں اور جس کفر و شرک کے فتنہ اور فساد کی اصلاح کے لیے حق تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو

مبعوث فرمایا ہے یہ فتنہ پرداز پھر اسی فساد کو دوبارہ اپنی جگہ پر لانا چاہتے ہیں لیکن قلبی مرض کی وجہ سے ان کا باطنی احساس اس درجہ مختل ہو گیا ہے کہ اصلاح اور فساد کے فرق کو بھی محسوس نہیں کرتے۔ (معارف کاندہلوی)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ) یعنی جس طرح مہاجرین وانصار اسلام میں سچے دل سے داخل ہو گئے ہیں تم بھی ویسے ہی صاف دل سے داخل ہو جاؤ دیانت اور راستی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرو۔ اے ایمانا مقرونا بالاخلاص بعیدا عن النفاق (کبیر) اخلصوا فی ایمانکم (خازن) (آیت) "الناس" ناس، ال کے داخلہ کے بعد معرفہ ہو گیا۔ اب مراد ساری نوع انسان نہ رہی، بلکہ وہ متعین ومخصوص افراد رہ گئے جو مخاطبین کے لیے معلوم ومعروف تھے۔ روایتوں میں عبداللہ بن سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کر لیا تھا۔ ھم بعض الناس لا جمیعھم (ابن جریر) کما صدق المھاجرون والمحققون من اھل یثرب (قرطبی) ھم ناس معھودون کعبداللہ بن سلام واشیاعه (کشاف) یہ بھی جائز ہے کہ (آیت) "الناس" کو انسان کامل کے معنی میں لیا جائے۔ اور اس صورت میں مراد ہوگی کہ ایمان ان کی طرح لاؤ جو صفت انسانیت میں کامل ہیں۔ اور واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ الکاملون فی الانسانیة (کشاف) واللام فی الناس للجنس والمراد به الکاملون فی الانسانیة (بیضاوی) اس سے اشارہ یہ نکلا کہ جو منکرین ہیں وہ صورۃً انسان ہیں لیکن حقیقۃً اپنی ناسمجھی کے لحاظ سے چوپائے ہیں۔ ومن عداھم کالبھائم فی فقد التمییز بین الحق والباطل۔ (کشاف)

صحابہ معیار حق ہیں:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرام کے ایمان کی طرح ہو جن چیزوں میں جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے اسی طرح کا ایمان دوسروں کا ہوگا تو ایمان لیا جائے گا، ورنہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ؓ کا ایمان ایک کسوٹی ہے جس پر باقی ساری امت کے ایمان کو پرکھا جائے گا جو اس کسوٹی پر صحیح نہ ہو اس کو شرعاً ایمان اور ایسا کرنے والے کو مومن نہ کہا جائے گا اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کے نزدیک ایمان معتبر نہیں۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ (تو کہتے ہیں باہم کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں) سفہ کہتے ہیں خفت عقل کو اور اس کی ضد ہے علم۔ بعض کہتے ہیں جو شخص عمداً اور قصداً جھوٹ بولتا ہے اسے سفیہ کہتے ہیں منافقوں نے مسلمانوں کو یا تو اس وجہ سے احمق اور بیوقوف کہا کہ واقعی وہ ان کے فساد رائے کے معتقد تھے یا تحقیر شان کی وجہ سے کہا۔

سفیہ کہتے ہیں اس کم عقل کو جسے اپنے نفع ونقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ السفیه الجاھل ضعیف الرأی القلیل المعرفة بمواضع المنافع والمضار۔ (ابن جریر)

یہی سنت آج تک چلی آرہی ہے "ترقی پسندوں" "روشن خیالوں" اور "اہل تجدد" کے دربار سے آج بھی جمود پسند،

رجعت پسند، تاریک خیال وغیرہ کیسے کیسے خطابات خالص ومخلص اہل ایمان کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔
کیا ٹھکانا ہے ان کے حمق اور ناسمجھی کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے۔ اب حمق بالائے حمق یہ ہے کہ عقل، دوراندیشی، حکمت کو بے عقلی ٹھہرا رہے ہیں۔ (ماجدی)

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ

فریب زدہ لوگ:

مطلب یہ ہے کہ یہ بدباطن مسلمانوں کے پاس آ کر اپنی ایمان دوستی اور خیر خواہی ظاہر کر کے انہیں دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ مال وجان کا بچاؤ بھی ہو جائے، بھلائی اور غنیمت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے۔ اور جب اپنے ہم مشربوں میں ہوتے ہیں تو ان ہی کی سی کہنے لگتے ہیں اور انہیں باور کراتے ہیں کہ کفر واعتقاد دین کے معاملہ میں ہم بالکل تمہارے ساتھ ہیں تم سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتے۔

اور ظاہری موافقت جو ہم مسلمانوں سے کرتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقع میں انکے موافق ہیں۔ ہم تو ان سے تمسخر کرتے ہیں اور ان کی بیوقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مخالف ہیں مگر وہ اپنی بیوقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد سے ہمارا نکاح کر دیتے ہیں اور ہم انکے راز کی باتیں اڑالاتے ہیں۔ اور وہ اس پر بھی ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔ خلوا کے معنی یہاں ہیں انصرفوا اذھبوا اخلصوا اور مضوا یعنی لوٹتے ہیں اور پہنچتے ہیں اور تنہائی میں ہوتے ہیں۔ اور جاتے ہیں پس خلوا جو کہ الیٰ کے ساتھ متعدی ہے اس کے معنی لوٹ جانے کے ہیں ابن جریر کے کلام کا خلاصہ بھی یہ ہے کہ شیاطین سے مراد رؤسا بڑے اور سردار ہیں جیسے یہود علماء اور سرداران کفار قریش ومنافقین۔ حضرت ابن عباس اور ابن مسعود اور دیگر صحابہ کا قول ہے کہ یہ شیاطین ان کے امیر امراء اور سرداران کفر تھے اور ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی۔ شیاطین یہود بھی انہیں پیغمبری کے جھٹلانے اور قرآن کی تکذیب کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو یا تو مشرک تھے یا منافق۔ قتادہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو برائیوں میں اور شرک میں ان کے سردار تھے۔

اَللّٰهُ یَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ (خدا انکے ساتھ ٹھٹھا کرتا ہے) یعنی انہیں ٹھٹھا کرنے کی جزا دیتا ہے لفظی مقابلہ کے طور پر ٹھٹھا کرنے کی سزا کو ٹھٹھا کرنے سے تعبیر کر دیا ہے۔ علامہ بغوی (صاحب معالم التنزیل) نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ٹھٹھا کرنا یہ ہے کہ ان کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ جب وہ اس دروازہ تک پہنچیں گے تو فوراً بند کر دیا جائے گا اور آگ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کا ٹھٹھا کرنا یہ ہے کہ مؤمنین کے لیے ایک نور پیدا کیا جائے گا کہ جس کی روشنی سے پل صراط پر چلیں گے جب منافق اس نور تک پہنچیں گے تو ان کے اور مؤمنین کے مابین ایک پردہ حائل ہو جائے گا جیسا کہ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ایک جگہ فرماتا ہے: فَضُرِبَ بَیۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ (یعنی پھر بنادی جائے گی ان کے درمیان ایک دیوار کہ جس کا ایک دروازہ ہوگا) حسن نے فرمایا ہے کہ ٹھٹھا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ

تعالیٰ ان کے نفاق کو مومنین پر ظاہر فرما دیتا ہے۔

وَيَمُدُّهُمْ (اور اللہ انہیں مہلت دیتا ہے) لفظ یمد **مَدَّ الْجَيْشَ** سے مشتق ہے اور مد الجیش کے معنی ہیں لشکر کو زیادہ کیا اور اسے قوت دی مد کے اصلی معنی زیادتی کے ہیں۔ لفظ مد اور امداد ہم معنی ہیں صرف فرق ہے تو اتنا ہے کہ مد کا استعمال اکثر شر میں آتا ہے اور امداد کا خیر میں جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول میں امداد کا استعمال خیر میں آیا ہے۔ **وَ اَمْدَدْنَاكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ** (اور ہم نے مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی ہے)۔

فِيْ طُغْيَانِهِمْ (اپنی سرکشی میں طغیان سے مراد گناہ اور کفر میں حد سے متجاوز ہونا۔ کسائی نے لفظ طغیان کو ہر جگہ امالہ سے پڑھا ہے۔

يَعْمَهُوْنَ (بہکے پھرتے ہیں) لفظ عمہ لغت میں بصیرت یعنی دانائی اور سمجھ کے ضائع ہونے کو کہتے ہیں جیسا کہ لفظ عمٰی بینائی کے ضائع ہونے کو بولتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

منافقین نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خریدلی:

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ہر شخص کو فطرت ایمان پر پیدا فرمایا پھر عقل اور ہوش بھی دیا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ کتابیں نازل فرمائیں اس سب کے باوجود اگر کوئی شخص ہدایت کو اختیار نہ کرے اور گمراہی کو اختیار کرے تو یہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے والا بن گیا اس نے اپنی عقل و بصیرت کی پونجی کو جس کے ذریعہ ہدایت پر چل سکتا تھا، ضائع کر دیا اور گمراہی اختیار کر لی۔ یعنی اپنی پونجی گمراہی حاصل کرنے میں لگا دی ایسے لوگوں کی یہ تجارت نفع مند نہیں، بلکہ سراسر نقصان اور خسران کا باعث ہے۔ حقیر دنیا کے لیے گمراہی لی، ہدایت سے منہ موڑا، آخرت کی بربادی کو خریدا، فطرت سلیمہ جو ان کی پونجی تھی اس کو برباد کیا، ایسی تجارت میں نفع کہاں؟ نقصان کو نفع سمجھنا بہت بڑی حماقت اور خود فریبی ہے۔ اہل ایمان کو دھوکہ دیا ان کو بیوقوف بتایا اور خود ہی دھوکہ میں پڑے اور برباد ہوئے۔ (انوار البیان)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ....

منافقوں کے بارے میں دو اہم مثالیں:

منافقوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اور دل میں ان کے ایمان نہ تھا ظاہری ایمان قبول کرنے سے جو کچھ انہیں دنیاوی فائدہ پہنچ گیا مثلاً جان و مال محفوظ کر لیا کہ مسلمان ان سے تعرض نہ کریں اس کو اولاً ایسے شخص سے تشبیہ دی جو اندھیری رات میں آگ جلائے اور اس روشنی سے راستہ دیکھنے کا فائدہ حاصل کرنا چاہے، اور ان لوگوں کا جو انجام ہونے والا ہے کہ مرتے ہی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، اس کو اس آگ کے بجھانے سے تشبیہ دی جس کو انہوں نے روشنی کے لئے جلایا تھا، دنیا میں جھوٹے منہ سے ایمان ظاہر کر کے ذرا سا فائدہ اٹھا لیا اور ہمیشہ کے لیے عذاب الیم میں گرفتار ہوئے، جیسے کوئی شخص اندھیری رات میں آگ جلائے اور روشنی ہو جائے تو وہ روشنی اللہ تعالیٰ شانہٗ ختم فرما دے اور یہ آگ جلانے والا اندھیروں میں حیران

کھڑا رہ جائے نہ کچھ دیکھ سکے نہ بوجھ سکے، منافقوں نے اپنے طور پر بڑی ہوشیاری کی کہ ایمان ظاہر کر کے دنیا کا کچھ فائدہ اٹھا لیا لیکن دل میں جو کفر گھسا ہوا ہے اس کی وجہ سے موت کے بعد جن مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے اس کو نہ سوچا اور کفر میں بڑھتے بڑھتے اس درجے پر پہنچ گئے کہ بہرے بھی ہیں حق سننے کے قابل نہ رہے اور گونگے بھی ہیں جن کے منہ سے کلمہ حق ادا نہیں ہوسکتا اور اندھے بھی ہیں جو راہ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اپنا نفع نقصان جاننے اور سمجھنے سے غافل ہیں۔ ان کے بارے میں اب یہ سوچا جائے کہ وہ حق کی طرف رجوع کریں گے اور دل سے مسلمان ہوں گے۔ (ذکر ابن کثیر فی شرح المثل عدۃ اقوال و قد اخترنا ما نقله عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال هذا مثل ضربه اللّٰه للمنافقين انهم كانوا يعتزون بالاسلام فينا كحهم المسلمون ويوارثونهم ويقاسمونهم الفيء فلما ماتوا اسلبهم اللّٰه ذٰلک العز كما سلب صاحب النار ضوءه)۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ

ان دو آیتوں میں منافقین کی دوسری مثال پیش فرمائی جیسے تیز بارش ہو، اندھیریاں چھائی ہوئی ہوں، گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو موت کا سامنا ہو۔ جو لوگ وہاں موجود ہوں کڑک کی آواز سے خوف زدہ ہو رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ ابھی موت آ جائے گی۔ کڑک کی آواز کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے ہیں۔ سخت بجلی ان کی آنکھوں کی روشنی سلب کرنے کو ہے اسی حیرانی اور پریشانی میں کھڑے کھڑے جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں ایک دو قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران سرگرداں کھڑے رہ جاتے ہیں۔ منافقوں کی یہی حالت ہے جب غلبہ اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس کا نور پھیلتا ہوا نظر آتا ہے تو اس کی طرف بڑھنے لگتے ہیں پھر جب دنیا کی محبت زور پکڑتی ہے اور دنیاوی فائدے کفر اختیار کئے رہنے میں نظر آتے ہیں تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی ایمان کی طرف بڑھنے سے رک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت سے سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس کی طرف بڑھنا اور اس کا دین قبول کرنا لازم ہے۔ وہ چاہے تو سننے اور دیکھنے کی ساری قوتیں ختم فرما دے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (انوار البیان)

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ منافقین کو اصحاب صیب (بارش والوں) سے تشبیہ دی اور ان کے (ظاہری) ایمان کو جو کفر اور دھوکے بازی کے ساتھ ملا ہوا تھا ایسی بارش سے تشبیہ دی جس میں اندھیریاں ہوں، اور گرج ہو اور بجلی ہو۔ یہ تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ بارش اگرچہ فی نفسہ نافع ہے لیکن جب مذکورہ صورت میں بارش نازل ہوئی تو اس کا نفع ضرر سے بدل گیا اور منافقین نے جو نفاق اس لیے اختیار کیا کہ مومنین کی طرف سے جو تکالیف پہنچنے والی ہوں اور کھلے کافروں کی طرف سے جو تکالیف پہنچتی ہوں ان سے بچاؤ ہو جائے ان کی اس منافقت کو کانوں میں انگلیاں دینے سے تشبیہ دی جیسے کوئی شخص بجلیوں کی کڑک سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہا ہو اور موت سے ڈر رہا ہو تو جس طرح کانوں میں انگلیاں دینے سے اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلے کو نہیں ٹالا جا سکتا اس طرح سے منافقت اختیار کرنے سے مصائب و آلام سے حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اور شدت الامر کی وجہ سے جو ان کی حیرانی اور یہ پریشانی تھی کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں اسے بجلی سے تشبیہ دی کہ کوئی موقع پاتے ہیں تو ذرا اپنے مقاصد میں آگے بڑھ جاتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں نہ اچک لے۔ لہٰذا چند قدم چلتے ہیں پھر جب بجلی کی

چمک ختم ہو جاتی ہے تو بلا حس و حرکت کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

پھر دوسری طرح سے بھی اس تشبیہ کی تقریر کی ہے۔ (راجع البیضاوی ج ۱ ص ۳۹)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مثال ان منافقوں کے بارے میں پیش فرمائی ہے جو بہت مضبوطی کے ساتھ کفر پر جمے ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا: (وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ)

اور دوسری مثال ان منافقوں کے بارے میں ہے جن کو اسلام کے بارے میں تردد تھا کبھی اس کی حقانیت دل میں آتی تو اس کی طرف مائل ہونے لگتے اور جب دنیاوی اغراض سامنے آتیں اور دنیا کی محبت زور پکڑ لیتی تو وہ میلان ختم ہو جاتا تھا اور کفر ہی پر جمے رہ جاتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَیْ اَہْلَ مَکَّۃَ اعْبُدُوْا وَحِّدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ اَنْشَاَکُمْ وَلَمْ تَکُوْنُوْا شَیْئًا وَّ خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱ بِعِبَادَتِہٖ عِقَابَہٗ وَلَعَلَّ فِی الْاَصْلِ لِلتَّرَجِّیْ وَفِیْ کَلَامِہٖ تَعَالٰی لِلتَّحْقِیْقِ الَّذِیْ جَعَلَ خَلَقَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا حَالٌ بِسَاطًا یُفْتَرَشُ لَا غَایَۃَ لَھَا فِی الصَّلَابَۃِ اَوِ اللُّیُوْنَۃِ فَلَا یُمْکِنُ الْاِسْتِقْرَارُ عَلَیْھَا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً سَقْفًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ اَنْوَاعِ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ تَاْکُلُوْنَہٗ وَتَعْلِفُوْنَہٗ بِہٖ دَوَابَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا شُرَکَاءَ فِی الْعِبَادَۃِ وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۲ اَنَّہُ الْخَالِقُ وَلَا یَخْلُقُوْنَ وَلَا یَکُوْنُ اِلٰھًا اِلَّا مَنْ یَخْلُقُ۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَيْبٍ شَکٍّ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا مُحَمَّدٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَنَّہٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اَیِ الْمُنَزَّلِ وَمِنْ لِلْبَیَانِ اَیْ ھِیَ مِثْلُہٗ فِی الْبَلَاغَۃِ وَحُسْنِ النَّظْمِ وَالْاِخْبَارِ عَنِ الْغَیْبِ وَالسُّوْرَۃُ قِطْعَۃٌ لَھَا اَوَّلٌ وَاٰخِرٌ وَاَقَلُّھَا ثَلٰثُ اٰیَاتٍ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ اٰلِھَتَکُمُ الَّتِیْ تَعْبُدُوْنَھَا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِہٖ لِتُعِیْنَکُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۳ فِیْ اَنَّ مُحَمَّدًا قَالَہٗ مِنْ عِنْدِ نَفْسِہٖ فَافْعَلُوْا ذٰلِکَ فَاِنَّکُمْ عَرَبِیُّوْنَ فُصَحَاءُ مِثْلُہٗ وَلَمَّا عَجَزُوْا عَنْ ذٰلِکَ قَالَ تَعَالٰی فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا مَا ذُکِرَ لِعِجْزِکُمْ وَلَنْ تَفْعَلُوْا ذٰلِکَ اَبَدًا لِظُھُوْرِ اِعْجَازِہٖ اِعْتِرَاضٌ فَاتَّقُوْا بِالْاِیْمَانِ بِاللّٰہِ وَاَنَّہٗ لَیْسَ مِنْ کَلَامِ الْبَشَرِ النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ الْکُفَّارُ وَالْحِجَارَةُ کَاَصْنَامِھِمْ مِنْھَا یَعْنِیْ اَنَّھَا مُفْرِطَۃُ الْحَرَارَۃِ تَتَّقِدُ بِمَا ذُکِرَ لَا کَنَارِ الدُّنْیَا تَتَّقِدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِہٖ اُعِدَّتْ ھُیِّئَتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۲۴ یُعَذَّبُوْنَ بِھَا جُمْلَۃٌ مُسْتَاْنِفَۃٌ اَوْ حَالٌ لَازِمَۃٌ وَبَشِّرِ اَخْبِرِ الَّذِیْنَ صَدَّقُوْا بِاللّٰہِ اٰمَنُوْا وَ

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الْفُرُوْضِ وَالنَّوَافِلِ اَنَّ اَیْ بِاَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ حَدَائِقَ ذَاتَ شَجَرٍ وَمَسَاكِنَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا اَیْ تَحْتَ اَشْجَارِهَا وَقُصُوْرِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اَیِ الْمِيَاهُ فِيْهَا وَالنَّهْرُ الْمَوْضِعُ الَّذِیْ يَجْرِیْ فِيْهِ الْمَاءُ لِاَنَّ الْمَاءَ يَنْهَرُهُ اَیْ يَحْفِرُهُ وَاِسْنَادُ الْجَرْیِ اِلَيْهِ مَجَازٌ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا اُطْعِمُوْا مِنْ تِلْكَ الْجَنَّاتِ مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ اَیْ مِثْلُ مَا رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اَیْ قَبْلَهُ فِی الْجَنَّةِ لِتَشَابُهِ ثِمَارِهَا بِقَرِيْنَةِ وَ اُتُوْا بِهٖ جِيْئُوْا بِالرِّزْقِ مُتَشَابِهًا ؕ يُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا لَوْنًا وَيَخْتَلِفُ طَعْمًا وَ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مِنَ الْحُوْرِ وَغَيْرِهَا مُّطَهَّرَةٌ ۙ مِنَ الْحَيْضِ وَكُلِّ قَذَرٍ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ مَاكِثُوْنَ اَبَدًا لَا يَفْنُوْنَ وَلَا يَخْرُجُوْنَ وَنَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْيَهُوْدِ لَمَّا ضَرَبَ اللّٰهُ الْمَثَلَ بِالذُّبَابِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا وَالْعَنْكَبُوْتِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ مَا اَرَادَ اللّٰهُ بِذِكْرِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ الْخَسِيْسَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْیٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ جَعَلَ مَثَلًا مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ مَّا نَكِرَةٌ مَوْصُوْفَةٌ بِمَا بَعْدَهَا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَیْ اَیَّ مَثَلٍ كَانَ اَوْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ الْخِسَّةِ فَمَا بَعْدَهَا الْمَفْعُوْلُ الثَّانِیْ بَعُوْضَةً مُفْرَدُ الْبَعُوْضِ وَهُوَ صِغَارُ الْبَقِّ فَمَا فَوْقَهَا ؕ اَیْ اَكْبَرَ مِنْهَا اَیْ لَا يَتْرُكُ بَيَانَهُ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْحِكَمِ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ اَیِ الْمَثَلُ الْحَقُّ الثَّابِتُ الْوَاقِعُ مَوْقِعَهُ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ تَمْيِيْزٌ اَیْ بِهٰذَا الْمَثَلِ وَمَا اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ مُبْتَدَأٌ وَذَا بِمَعْنَى الَّذِیْ بِصِلَتِهٖ خَبَرُهُ اَیْ اَیُّ فَائِدَةٍ فِيْهِ قَالَ تَعَالٰى فِیْ جَوَابِهِمْ يُضِلُّ بِهٖ اَیْ بِهٰذَا الْمَثَلِ كَثِيْرًا ۙ عَنِ الْحَقِّ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ وَّ يَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِتَصْدِيْقِهِمْ بِهٖ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ۙ الْخَارِجِيْنَ عَنْ طَاعَتِهٖ الَّذِيْنَ نَعْتٌ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مَا عَهِدَهُ اِلَيْهِمْ فِی الْكُتُبِ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ تَوْكِيْدِهٖ عَلَيْهِمْ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ مِنَ الْاِيْمَانِ بِالنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالرَّحِمِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَاَنْ بَدَلٌ مِنْ ضَمِيْرِ بِهٖ وَ يُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ بِالْمَعَاصِیْ وَالتَّعْوِيْقِ عَنِ الْاِيْمَانِ اُولٰٓئِكَ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ كَيْفَ

تَكْفُرُوْنَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ بِاللّٰهِ وَ قَدْ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا نُطَفًا فِي الْاَصْلَابِ فَاَحْيَاكُمْ فِي الْاَرْحَامِ وَالدُّنْيَا بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِيْكُمْ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّعَجُّبِ مِنْ كُفْرِهِمْ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ وَالتَّوْبِيْخِ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ عِنْدَ انْتِهَاءِ اٰجَالِكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ بِالْبَعْثِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ تُرَدُّوْنَ بَعْدَ الْبَعْثِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَقَالَ تَعَالٰى دَلِيْلًا عَلَى الْبَعْثِ لَمَّا اَنْكَرُوْهُ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ اَيِ الْاَرْضَ وَمَا فِيْهَا جَمِيْعًا لِتَنْتَفِعُوْا بِهٖ وَتَعْتَبِرُوْا ثُمَّ اسْتَوٰٓى بَعْدَ خَلْقِ الْاَرْضِ اَيْ قَصَدَ اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ الضَّمِيْرُ يَرْجِعُ اِلَى السَّمَآءِ لِاَنَّهَا فِيْ مَعْنَى الْجَمْعِ الْاٰئِلَةِ اِلَيْهِ اَيْ صَيَّرَهَا كَمَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ مُجْمَلًا وَمُفَصَّلًا اَفَلَا تَعْتَبِرُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى خَلْقِ ذٰلِكَ ابْتِدَاءً وَهُوَ اَعْظَمُ مِنْكُمْ قَادِرٌ عَلٰى اِعَادَتِكُمْ.

ترجمہ: اے لوگو! (یعنی مکہ والو) بندگی کرو (توحید اختیار کرو اپنے رب کو یکتا مانو) اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا (یعنی تم کو پیدا کیا اس حال میں کہ تم کچھ نہیں تھے) اور (پیدا کیا) ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم بچ جاؤ (اس کی عبادت کے ذریعہ اس کے عذاب سے، لعل اصل میں ترجی (بمعنی امید) کے لئے آتا ہے لیکن کلام الٰہی میں تحقیق کے لئے آتا ہے وہی ذات ہے جس نے بنایا (پیدا کیا) تمہارے لئے زمین کو فرش (فِرَاشًا حال ہے یعنی ایسا بچھونا جس میں لیٹا جاسکے نہ اس میں انتہا درجہ کی سختی ہو یا نہ اتنی نرمی ہو کہ اس پر استقرار ممکن نہ ہوسکے) اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالا اس پانی کے ذریعہ (مختلف الاقسام) پھلوں کو تمہاری غذا کے لئے (کہ اس سے تم کھاتے ہو اور اپنے جانوروں کو اس سے چارہ دیتے ہو) سومت ٹھہراؤ اللہ کے لئے مقابل (یعنی شریک فی العبادات) درآنحالیکہ تم جانتے ہو (کہ وہی خالق ہے اور کوئی خالق نہیں ہے) اور معبود صرف وہی ہوسکتا ہے جو خالق ہو اور اگر تم شک میں ہو اس قرآن کی نسبت جو ہم نے اتارا ہے اپنے بندہ (حضرت محمد ﷺ) پر (یعنی اگر تم کو قرآن حکیم کے کلام اللہ ہونے میں شک ہو) تو بنالاؤ ایک سورت اس جیسی یعنی قرآن منزل کے مانند اور من بیانیہ ہے یعنی وہ سورہ منزل قرآن شریف کے مانند ہو بلاغت میں اور حسن الفاظ وغیبی اطلاعات میں اور سورت ایک ٹکڑا ہے جس کی ابتداء اور انتہا ہو اور کم سے کم تین آیات ہوں اور بلاؤ اپنے حمایتیوں کو (اپنے ان معبودوں کو جن کی تم بندگی کرتے ہو) اللہ کو چھوڑ کر (یعنی اللہ کے سوا سارے مددگاروں کو بلالو تاکہ تمہاری مدد کرسکیں مثل لانے میں) اگر تم سچے ہو (اس دعویٰ میں کہ محمد ﷺ نے اس کلام قرآن کو اپنی طرف سے کہا ہے تو تم بھی یہ کرلو اس لئے کہ تم لوگ بھی محمد ﷺ کی طرح فصحائے عرب ہو، اور جب یہ لوگ عاجز ہوگئے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں) پس اگر تم نے نہیں کیا (مذکورہ کام اپنے عجز کی وجہ سے) اور ہرگز نہیں کرسکو گے (یہ کام قیامت تک اعجاز قرآنی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے، یہ جملہ معترضہ ہے) پھر بچو (ایمان باللہ کے

ذریعہ اور اس بات کے ذریعہ کہ قرآن انسانی کلام نہیں ہے) اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی (کفار) اور پتھر ہیں (مثلاً وہ بت جو اس پتھر کے ہیں یعنی جہنم کی آگ بہت شدید گرم) ہوگی جو مذکورہ چیزیں (پتھر اور اس کے پوجاری کفار) سے روشن کی جائیگی اور وہ دنیاوی آگ کی طرح نہیں ہوگی جو لکڑی وغیرہ سے جلائی جاتی ہے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے جس کے ذریعہ ان کو عذاب دیا جائے گا یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال لازمہ ہے اور آپ خوشخبری سنا دیجئے (خبر کر دیجئے) ان لوگوں کو جو ایمان لائے (اللہ کی تصدیق کی) اور اعمال صالحہ کئے (یعنی فرائض ونوافل ادا کئے) اس بات کی کہ ان کے لئے جنتیں ہیں (یعنی باغات ہیں جن میں بہتیرے درخت ہیں اور کوٹھی بنگلے بھی) جاری ہوں گی ان باغات کے نیچے سے (یعنی باغات کے درختوں اور محلوں کے نیچے سے) نہریں (یعنی وہ پانی جو ان نہروں میں ہوگا وہ جاری ہوگا اور نہر وہ جگہ ہے جس میں پانی بہتا ہے کیونکہ پانی اس جگہ کو کھود دیتا ہے یعنی گڑھا کر دیتا ہے، اور جاری ہونے کی نسبت نہر کی طرف اسناد مجازی ہے) جب کبھی ان باغات سے ان کو رزق دیا جائے گا (یعنی ان جنتوں سے کھلائے جائیں گے) پھل بطور غذا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے (یعنی اس کا مثل ہے) جو ہم اس سے پہلے کھا چکے ہیں (یعنی جنت ہی میں سے اس سے پہلے، پھلوں کے ملتے جلتے ہونے کی وجہ سے اور قرینہ أُتُوا بِهِ ہے) اور دیئے جائیں گے ان کو رزق ملا جلتا (کہ رنگ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہوگا اور مزہ کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور ان کے واسطے جنت میں بیویاں ہوں گی (حور وغیرہ) پاک صاف حیض اور ہر قسم کی گندگی سے اور وہ لوگ اسی جنت میں ہمیشہ رہیں گے ابدالآباد ٹھہریں گے نہ فنا ہوں گے اور نہ نکلیں گے) کس طرح کافر ہوتے ہو (اے مکہ والو!) اللہ تعالیٰ سے حالانکہ تم بے جان تھے (یعنی باپ کے صلب میں نطفہ تھے) اس نے تم کو جاندار بنایا (رحم مادر میں اور دنیا میں روح پھونک کر اور استفہام تعجب کے لئے ہے ان کے کفر پر باوجود دلائل قائم ہونے کے اور زجر وتوبیخ مقصود ہے) پھر وہی تم کو ماریگے (تمہاری مدت ختم ہونے پر) پھر تم کو جلائینگے (قیامت میں حساب کے لئے زندہ کرینگے) پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے (یعنی قبروں سے اٹھا کر خدا کے روبرو پیش کئے جاؤ گے تاکہ تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جا سکے۔ اور اللہ تعالیٰ بطور دلیل فرماتے ہیں منکرین بعث پر) وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے (یعنی زمین اور جو کچھ زمین میں ہے) سب کا سب (تاکہ تم اس سے نفع اٹھاؤ اور عبرت حاصل کرو) پھر قصد کیا (زمین پیدا کرنے کے بعد) آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو (ضمیر ہن راجع ہے السماء کی طرف اس لئے السماء مایؤل کے اعتبار سے جمع کے معنی میں ہے یعنی درست کیا ان آسمانوں کو جیسا کہ دوسری آیت میں: فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ہے) سات آسمان اور وہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے (اجمالاً بھی اور تفصیلاً بھی، کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہو کہ وہ ذات جو قادر ہے ان آسمانوں اور زمین ومافیہا کی ابتدائی بناوٹ پر جو تم لوگوں سے عظیم تر ہے تو تم لوگوں کے دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَیْ اَھْلَ مَکَّۃَ: اس سے علقمہ" کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ یٰاَیُّھَا النَّاسُ کے تمام خطابات اہل مکہ کو اور یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ کے خطابات اہل مدینہ کو ہو۔

قوله: وَحِّدُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ عبادت سے مراد متبادر فی الذھن مراد نہیں بلکہ توحید مراد ہے جس کا ان سے مطالبہ کیا۔

قوله: اَنْشَاَکُمْ: اس نے ان لوگوں کی تردید فرمائی جو خلق کو تقدیر کے معنی میں قرار دے کر ایجاد کا انکار کرتے ہیں۔

قوله: وَخَلَقَ الَّذِیْنَ: اَلَّذِیْنَ یہ منصوب ہے اور اس کا عطف خَلَقَکُمْ کی منصوب ضمیر پر ہے۔ موصول پر نہیں جیسا کہ وہم پیدا ہوتا ہے۔

قوله: بِعِبَادَتِہٖ عِقَابَہٗ: اس سے کہ ماسبق کے ساتھ اس کے ربط اور عدم عطف کا اشارہ کیا ہے۔

قوله: وَفِیْ کَلَامِہٖ تَعَالٰی: اس سے ان لوگوں کی تردید فرمائی جو کہتے ہیں کہ ترجی متکلم کے لحاظ کے بغیر درست نہیں ورنہ عالم الغیب والشہادت کے لئے ترجی محال ہے۔ اور مخاطبین کے پیش نظر بھی درست نہیں کیونکہ تخلیق کے وقت وہ اہل علم میں سے نہ تھے پھر رجاء کے تصور کا ان سے کوئی مطلب نہیں اور نہ حال مقدر کے اعتبار سے کیونکہ حال مقدر وہ مخلوق کی حالت تقویٰ ہے اور رجاء۔ (فتدبر)

قوله: خَلَقَ: اس سے اشارہ کر دیا کہ جَعَلَ یہاں ایجاد کے معنی میں ہے جو کہ ایک مفعول سے متعدی ہوتا ہے۔ اور فِرَاشًا یہ حال ہے دوسرا مفعول نہیں کہ جعل کو صیّر کے معنی میں بنانا پڑے۔ یہ بھی اشارہ کر دیا کہ جعل بسیط جعل مولف سے راجح ہے۔

قوله: حَالٌ: اس نے ان لوگوں کو جواب دیا جو کہتے ہیں کہ جب خلق اوجد کے معنی میں ہے تو پھر فراشا پر نصب کیسے آیا۔

قوله: لَا غَایَۃَ لَھَا: اس سے اشارہ کیا کہ زمین کو فراش تشبیہ بلیغ کے اعتبار سے کہا گیا ہے مطلب یہ کہ زمین بستر کی طرح بیٹھنے اور سونے کی صلاحیت کے اعتبار سے فرمایا اس طرح کہ اس کو صلابت ولین کے درمیان درمیان بنایا۔ پس تصییر اس اعتبار سے ہے کہ جب زمین اس کے علاوہ چیزوں کے قابل تھی تو گویا اس کو اس سے منتقل کیا گیا۔

قوله: سَقْفًا: اس اشارہ فرمایا کہ بناء مصدر مبنی کے معنی میں ہے۔

قوله: مِنَ الثَّمَرٰتِ: یہ من تبعیضہ ہے بیانیہ نہیں۔ الثَّمَرٰتِ کا الف لام استغراقی نہیں ہے۔

قوله: اَنْوَاعِ: اَنْوَاعِ کو مقدر مان کر اشارہ دیا کہ الثَّمَرٰتِ بمعنی انواع واصناف، اجناس ثمار کی ایک جماعت کے لئے بولا گیا ہے۔ پس ثمرات ایسے افراد پر مشتمل ہے کہ ہر ایک ان میں سے خمار ہے۔ پس ثمرات وہ فائدہ دے دیتا ہے جو ثمار نہیں دیتا نکالے ہوئے ثمرات کثیر ہیں۔

قوله: رِزْقًا: یہ مفعول لہ ہے۔

قوله: تَاْکُلُوْنَہٗ وَتَعْلِفُوْنَہٗ: پس اس کے مطابق رِزْقًا لَّکُمْ کا معنی یہ ہے تمہارے نفع اٹھانے کو رزق دیا خواہ انتفاع براہ

راست ہو یا بالواسطہ ہو، پس رزق سے مرزوق الانسان مراد لینا درست نہ ہوا۔

قوله: شُرَكَاءَ: اس سے اشارہ کیا کہ انداد جمع ند بمعنی مثل خاص ہے مگر یہاں مراد شُرَكَاءَ ہیں جو کہ عام ہے۔

قوله: فِي الْعِبَادَةِ: یہ کہہ کر بتلایا کہ اس سے مطلق وجود میں عدم شرکت مراد نہیں بلکہ عبادت میں شرکت مراد ہے۔

قوله: وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: یہ جملہ حال واقع ہے۔

قوله: اَنَّهُ الْخَالِقُ: یہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید فرمائی جو اس کو غیر متعدی کی جگہ قرار دیتے ہیں۔

قوله: مُحَمَّدٍ ﷺ: یہاں اضافت عہد خارجی کے لئے ہے جنسی کے لیے نہیں۔ جب آپ ہی کی ذات گرامی مراد ہوئی تو آپ پر اترنے والی کتاب آپ کا معجزہ ہے۔

قوله: مِنَ الْقُرْاٰنِ: یہ کہہ کے غیر متلو وحی کو اس سے الگ کیا۔ اس لئے کہ اعجاز صرف قرآن کی خصوصیت ہے۔

قوله: اَيِ الْمُنَزَّلِ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر عبد کی لوٹانا تکلف ہے۔ وہ اس طرح کہ من ابتداء کے لئے ہے۔ اور تکلف کی وجہ یہ ہے۔ اعجاز میں مبالغہ پر دلالت یہ مقام تحدی کے زیادہ مناسب ہے۔ قرآن بذات خود معجز ہے اس سے قطع نظر کہ منزل علیہ کی ذات گرامی پر نگاہ کی جائے۔

قوله: لَهَا اَوَّلٌ وَاٰخِرٌ: سورت کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ جس کی ابتداء ما قابل سے تسمیہ کے ذریعہ منقطع ہو اور اسی طرح اس کا آخر بھی۔ پس اس سے آیت الکرسی اور متعدد آیات اس تعریف سے نکل گئیں۔

قوله: اَقَلُّهَا ثَلٰثٌ: اس نے اشارہ کیا قرآنی سور قلت وکثرت میں متفاوت ہیں۔

قوله: اٰلِهَتَكُمْ: اس سے اشارہ فرمایا کہ شہداء سے مراد الہ ہیں خواہ شہید کی تفسیر حاضر سے کرو یا قائم بالشہادت یا ناصر و مددگار یا امام سے کرو جس کو بھی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں لایا جائے۔ اس میں ان لوگوں کی بھی تردید کر دی جنہوں نے فصحاء عرب سے ان کی تفسیر کی ہے۔ اس لیے کہ اس پر کوئی قرینہ موجود نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اس صورت میں مضاف محذوف موجود نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اس صورت میں مضاف محذوف ماننا پڑے گا۔ ان کو شہداء اس وجہ سے کہا کہ کفار کا زعم یہ تھا کہ وہ قیامت کے دن ان کے حق میں گواہی دیں گے اور اس سے یہ اشارہ بھی مل گیا یہاں شہید قائم بالشہادت کے معنیٰ میں لیا جائے کیونکہ متبادر معنیٰ یہی ہے۔

قوله: اَيْ غَيْرِهٖ۔ دُوْنِ کا معنی ادنی یعنی قریب تر کا ہوتا ہے، وہ یہاں ممکن نہیں اس لیے بطور استعارہ وہ یہاں غیر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قوله: فِيْ اَنَّ مُحَمَّدًا: یعنی یہاں صدق سے صدق فی الاخبار المعینہ مراد ہے۔ مطلق ان کا صدق تو پہلے سے ثابت شدہ ہے۔

قوله: مَاذُكِرَ: یعنی تَفْعَلُوْا کا مفعول وہ ہے جو سابقہ سے سمجھ آرہا ہے سابقہ آیت کے قرینہ کی وجہ سے اس کو حذف کر دیا ہے نہ کہ کسی بھی امر سے۔

قوله: اَبَدًا۔ان یہ اذا کے معنی میں ان کے استمرار عجز کے لیے ہے۔پس مستقبل و ماضی میں عدم تحدی کا اعتراض اس پر نہیں آ سکتا۔

قوله: تَفْعَلُوْا:اشارہ کیا کہ شرط کے جواب کا حذف یہاں لازم ہے اس لیے کہ سابقہ شرط کی جزاء اس کی جزاء نہیں بن سکتی۔

قوله: اِعْتِرَاضٌ: کیونکہ یہ مراد نہیں۔وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا بلکہ اس نے مستقبل میں ہمیشہ فعل کے نہ ہونے کی خبر دی گئی ہے اور جملہ معترضہ کی خوبی یہ ہے کہ لفظ شرط تردد کے لیے ہے تو تردد کو وَ لَنْ تَفْعَلُوْا سے اسے دور کر دیا۔بِالْاِیْمَانِ کے لفظ سے اشارہ کیا یہ فَاتَّقُوْا جزاء کا لزامہ ہے اور اٰمَنُوْا کنایہ کے طور پر جزاء کے قائم مقام ہے تا کہ کنی عنہ کو پختہ کر دیا جائے۔اس سے دونوں اعتراض ختم ہو گئے۔

قوله: وَاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ كَلَامٍ:اس سے ایک وہم کا ازالہ کیا گیا کہ جب وہ پہلے ہی موحد و مؤمن ہیں تو پھر ان سے مطالبہ ایمان کا کیا مطلب ہے۔

قوله: اَلْكُفَّارُ:اس الف لام عہد خارجی کا ہے،جنس کے لیے نہیں۔

قوله: كَاَصْنَامِهِمْ:اس سے ان لوگوں کی بات کو رد کیا گیا ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اس سے سونا، چاندی مراد ہے جن کو وہ جمع کرتے تھے۔تردید کی وجہ یہ ہے کہ اس عذاب کی قسم میں تو مسلمان بھی شریک ہیں پھر کفار سے اس کو خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

قوله: يَعْنِي الْهَا:اس میں اس صفت کے ساتھ موصوف کرنے کی وجہ بتلائی۔

قوله: هُيِّئَتْ:یعنی اعداد سے ہے جو العد سے بنا ہے۔

قوله: يُعَذَّبُوْنَ بِهَا:یہاں لام انتفاع کے لیے نہیں ہے بلکہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ای لعذابهم۔

قوله: جُمْلَةٌ مُسْتَاْنِفَةٌ:ابتداء کلام ماقبل سے الگ ہے اگر بظاہر سابقہ صلہ پر عطف معلوم ہوتا ہے۔اس کی شان کا اہتمام کرتے ہوئے تا کہ اس کو مقصود بالذاب بنانے سے وعید میں مبالغہ کا فائدہ ہے۔

قوله: لَازِمَةٌ:یہ حال لازمہ ہے جو بمنزلہ صفت کے ہے۔پس یہ اس معنی کا فائدہ دے رہا ہے جو صلہ دیتا ہے۔

قوله: اَخْبِرْ بَشِّرْ:امر ہے ماضی مجہول نہیں جیسا کہ اعدت پر عطف ڈالنے والوں نے کہا اس صورت میں اس کی تاویل کرنا پڑے گی کہ اس طرح کہیں جنت مؤمنو کے لیے تیار کی گئی تا کہ معطوف علیہ سے مناسبت ہو جائے۔

قوله: صَدَّقُوْا:عمل کے عطف ڈالنے کے لیے ایمان سے ایمان کامل مراد نہیں۔

قوله: مِنَ الْفُرُوْضِ:اس سے اشارہ کر دیا کہ جو جمع معرف باللام ہو وہ بعض افراد کے ضمن میں استغراق انواع کے لیے آتا ہے نہ کہ استغراق افراد کے لیے۔

قوله: اَيْ بِاَنَّ لَهُمْ:انّ یہ نزع خافض سے منصوب ہے مفعولیت کی وجہ سے نہیں۔پس اب یہ اعتراض ختم ہوا کہ بشر دو مفعول کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔

قوله: جَنّٰتٍ: اس کی اصل جن ہے ہے اور ڈھانپنے کو کہا جاتا ہے یا ڈھال۔

قوله: اَشْجارِھا: اس سے اشارہ کر دیا کہ جنات کی ضمیر کی طرف جو مضاف ہے وہ محذوف ہے۔ اس سے تمام اشکال دور ہو گئے۔

قوله: أي المِيَاهُ: کلام کا مدار حذف مضاف پر ہے یا اسناد الجری کہہ کر یہ جواب دیا کلام میں مجاز کہ محل بول کر حال مراد لیا ہے۔

قوله: مِنْهَا ۔ مِنْ ثَمَرَةٍ: یہ دونوں من ابتدائیہ ہیں۔

قوله: مِثْلَ۔ مِثْلَ: کو مقدر مانا گیا کیونکہ جو رزق ان کو پہلے ملا وہ فنا ہو گیا پس اس کے لانے کا کوئی معنی نہیں۔

قوله: اَیْ قَبْلَهٗ: قبل کے معنی بالضم ہونے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قوله: فِي الْجَنَّةِ: یعنی وہ نہیں جو دنیا میں ہے۔

قوله: جِيْئُوْا بِالرِّزْقِ: یہاں اُتُوْا۔ جِيْئُوْا کے معنی میں ہے اس وجہ سے با کو اس کے بعد لایا گیا۔

قوله: يَشْبَهُ: یعنی وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دنیا اور آخرت کے ثمرات میں تماثل مفقود ہے۔

قوله: مِنَ الْحُوْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ ازواج سے مراد عورتیں ہیں۔ پس قرین کا معنی بھی منتفی ہوا اور مُطَهَّرَةٌ کے مؤنث لانے کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی۔

قوله: خٰلِدُوْنَ۔ خلد: اگر چہ ثبات مدید کے لیے آتا ہے خواہ اس کو دوام ہو یا نہ ہو لیکن یہاں دوام مراد ہے۔ اس اعتبار سے کہ وہ مکث طویل ہے۔ حاصل ہونے کے لحاظ سے نہیں۔

قوله: يَجْعَلَ: ضرب مثل اس کو ضرب الخاتم سے لیا گیا ہے اور اصل میں یہ ایک چیز کے دوسری پر مارنے کے لیے آتا ہے یہاں یہ جعل کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ پس دو مفعول والا اعتراض نہ رہا۔

قوله: مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ: اس میں ان معترضین کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یضرب کا مفعول بعوضۃ اور مثل یہ حال ہے جو نکرہ ہونے کی وجہ سے ذوالحال سے مقدم کیا گیا ہے۔

قوله: نَكِرَةٌ: یہ اسم ہے جو اسی شئی کے معنی میں ہے۔

قوله: اَوْ زَائِدَةٌ: یہ تردد کے ساتھ لائے کیونکہ ما جو نکرہ کے پاس ہو اس میں اختلاف ہے بعض نے اس کو اسم قرار دیا بعض نے زائدہ، اس صورت میں یہ حرف ہے۔ اسم کے زائدہ ہونے سے حرف کا زائدہ ہونا بہتر ہے جیسا اس آیت میں: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ۔

قوله: بَعُوْضَةً: یہ مثلا کا عطف بیان ہے۔

قوله: اَیْ اَكْبَرَ مِنْهَا۔ اَكْبَرَ مِنْهَا: کو ذکر کیا حالانکہ اس کا حکم تو بَعُوْضَةً سے بطریق اولی معلوم ہوتا ہے۔ دراصل مؤلف نے چاہا کہ اس کی تردید ہو جائے جس کو انہوں نے قصداً انوکھا قرار دیا۔ پس اس طرح وہ عبارۃ النص سے ثبوت دلالت النص کی

بنسبت قوی تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مچھر کی مثال بیان کرنا نہیں چھوڑتے چہ جائیکہ وہ جو اس سے بڑا ہو۔ اس سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو حقارت وصغر میں اس سے چھوٹی مراد لیتے ہیں۔

قوله: لَا يَتْرُكُ بَيَانَهُ: یہاں حیاء سے انقباض مراد نہیں بلکہ اس کا لازمہ ترک مراد ہے۔

قوله: الثَّابِتُ: وہ کہ جس کا انکار نہ کیا جاسکے خواہ اس کا تعلق اعیان ثابتہ سے ہو یا افعال صالحہ اور اقوال صادقہ سے ہو۔

قوله: تَمْيِيزٌ: اس سے ان لوگوں کی تردید کررہے ہیں جو اس کو حال قرار دیتے۔ حال کے جامد ومشتق ہونے میں اختلاف ہے جبکہ تمیز میں کوئی اختلاف نہیں۔

قوله: اَیْ بِهٰذَا الْمَثَلِ: نسبت سے تمیز حقیقت میں منسوب الیہ اور متعلق ہوتی ہے اور یہ یہاں ثابت ہے۔ پس تمیز ہونے میں کلام نہیں۔

قوله: وَمَا اسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ: اسے استفہام انکار کے لیے کہہ کر ان کی مذمت کی جو حکمت کے لیے سوال کو قبیح قرار نہیں دیتے۔ مَا مبتداء ذَا اپنے صلہ سے مل کر خبر ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے جو قاعدہ تقدیم کے موافق ہے۔

قوله: اَیْ اَیُّ فَائِدَةٍ: یعنی اس کا کچھ فائدہ نہیں۔

قوله: جَوَابُهُمْ۔ يُضِلُّ: یہ کلام الٰہی ہے۔ یہ ان کا کلام نہیں۔

قوله: عَنِ الْحَقِّ: یہ يُضِلُّ سے متعلق ہے اور لِكُفْرِهِمْ بھی اس کے متعلق ہے۔

قوله: الْخَارِجِيْنَ: یہاں فاسق سے مراد گنہگار مؤمن نہیں بلکہ کفار مراد ہیں جو اطاعت سے مکمل طور پر خارج ہیں۔ جیسا دوسری آیت میں ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ فسق کا لغوی معنی مراد ہے نہ کہ شرعی۔

قوله: نَعْتٌ: یعنی ذم کے لیے ہے اور عدم عطف کی یہی وجہ ہے۔

قوله: مَا عَهِدَهُ: یہ اضافۃ المصدر الی الفاعل کی قسم سے ہے نہ الی المفعول کی قسم ہے جیسا کہ يَنْقُضُوْنَ سے بظاہر سمجھ آ رہا ہے۔

قوله: تَوْكِيْدِهٖ: اس سے اشارہ فرمایا کہ میثاق مصدر ہے جو تاکید کے معنی میں ہے عہد کے معنی میں نہیں جیسا کہ مشہور ہے۔ پس ضمیر والا اعتراض ہوتا ہی نہیں۔

قوله: مِنَ الْاِيْمَانِ: یعنی وہ جناب رسول اللہ ﷺ پر ایمان کو بقیہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایمان سے ملاتے۔ یہ تفسیر اس لیے کی تاکہ فاسقین کفار ومشرکین کے ساتھ اہل کتاب بھی شامل ہو جائیں۔

قوله: مِنْ ضَمِيْرِ بِهٖ: مَا سے بدل کے طور پر نہیں جیسا کہ لوگوں نے کہا کیونکہ اول لفظ ومعنی کے لحاظ سے نہایت خوب ہے۔

قوله: بِالْمَعَاصِیْ: اس سے اشارہ کیا افساد کا مجازی معنی مراد ہے۔

قوله: الْمَوْصُوْفُوْنَ: یہاں اکیلے اسم کا اعادہ ہے اسم اشارہ کے ساتھ ذکر کرنا زیادہ بلیغ ہے۔

قوله: لِمَصِيْرِهِمْ: اس سے اشارہ کیا گیا کہ خسران سے خسران دنیا مراد نہیں بلکہ خسران آخرت مراد ہے۔

قولہ: یَااَهْلَ مَكَّةَ: فاسق کے خطاب سے یہاں خاص مکہ والے مراد ہیں ورنہ خطاب بطریق التفات مناسب ہے۔

قولہ: قَدْ: کو لفظاً مقدر مانا کیونکہ ماضی قَدْ کے بغیر حال نہیں بن سکتی خواہ لفظاً آئے یا مقدر مانا جائے۔

قولہ: نُطَفًا: کہہ کر اشارہ کر رہے ہیں کہ لوگ اہل حق کے ہاں اس شخص کے حق میں عدم حیات کو کہتے ہیں جس کی شان حیات کا ہونا کیونکہ بقیہ ہمارے ہاں حیات کے لیے شرط نہیں۔

قولہ: فِي الْأَرْحَامِ وَالدُّنْيَا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ حیات اس حیات سے مغایر ہے جس کو ثُمَّ يُحْيِيكُمْ میں ذکر کیا گیا ہے اور موتین میں احیاء کی تفسیر کا بھی یہی حال ہے۔ (فتدبر)

قولہ: لِلتَّعَجُّبِ مِنْ: یعنی حالت کا علم ہونے کے باوجود تمہارا کفر بڑا تعجب انگیز ہے۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عالم الغیب سے استفہام کیا۔

قولہ: بِالْبَعْثِ: اس سے اشارہ کیا کہ قبر والی زندگی بالذات احیاء کے خلاف ہے کیونکہ وہ ادراک الم ولذت کی حد تک ہے اس کے برخلاف حیات نشوری کے ان دونوں حیاتوں کو ایک لفظ میں جمع نہیں کر سکتا۔ فعل میں اس پر کوئی دلالت نہیں۔

قولہ: بَعْدَ الْبَعْثِ: اس سے تو ان لوگوں کی تردید ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے قائل ہیں۔

قولہ: فَيُجَازِيكُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ رجوع سے مراد حکم وامر کی طرف رجوع ہے۔ مکان کی طرف رجوع مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔

قولہ: اَيِ الْأَرْضَ: سے مراد جہت اسفل ہے۔ ظرفیت مراد نہیں۔

قولہ: لِتَسْتَفِعُوْا: لام اجلیہ ہے، غرض کے لیے نہیں ہے۔ پس غرض کا اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ: قَصَدَ: اسْتَوٰى: برابری مطلب کرنے پر بولا جاتا ہے مگر ذات باری تعالیٰ کے لیے اس سے مراد قصد ہے جو الیٰ سے متعدی ہوتا ہے۔

قولہ: فِي مَعْنَى الْجَمْعِ: زجاج کہتے ہیں: السَّمَآءِ کا لفظ واحد اور اس کا معنی جمع کا ہے اور سماۃ کی جمع بھی بن سکتا ہے۔

قولہ: الْأٰئِلَةَ اِلَيْهِ: یعنی آسمان تسویہ کے بعد سات کی طرف لوٹنے والا ہے کہ تسویہ کے وقت جمع کی ضمیر کا اس کی طرف لوٹانا مآل کے اعتبار سے ہے کیونکہ تسویہ کے وقت حقیقتاً جمع نہ تھے۔

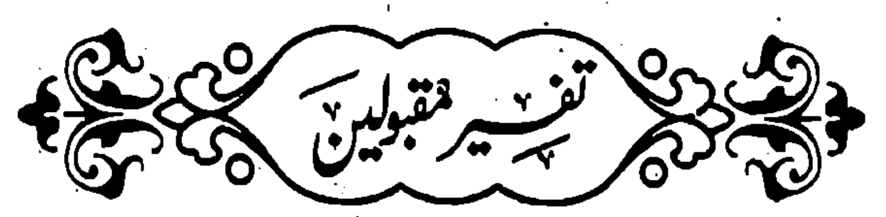
قولہ: يَخْلُفُنِي: خلیفہ جو دوسرے کے پیچھے آئے اور اس کے قائم مقام ہو۔

قولہ: نَحْنُ نُسَبِّحُ: یہ حال کے مقام پر ہے۔

قولہ: بَعْدَ خَلْقِ الْاَرْضِ: اس سے اشارہ کر دیا کہ ثم یہاں تراخی زمان کے لیے ہے۔ تراخی رتبی کے لیے نہیں۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ آسمان کی تخلیق زمین کی تخلیق سے متاخر ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد وحسن کا یہی مذہب ہے۔

قولہ: مُجْمَلًا: اس سے اشارہ فرمایا کہ تمام قسم کے اجزا کا تفصیلی اور اجمالی علم اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ پس ان کو ملا کر اعادہ ناقابل اشتباہ ہے۔

(۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے عظمت وصداقت قرآن کا ذکر فرمایا تھا یہاں سے قرآن مجید کی بنیادی دعوت کو ذکر کیا۔(۲) بیان امثلہ کے بعد یہاں ان کی حکمت ذکر فرمائی اور سعادت وشقاوت کا واضح فرق کر دیا۔ تو اب وحدانیت باری تعالیٰ پر دلائل ذکر کیے تاکہ لوگ اس پر شکر گزار ہوں اور ان کو مخاطب بنا کر فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ یہ تمام طبقات انسانی کو خطاب ہے۔



تعلیم توحید:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

یہاں تک مؤمنین اور کافرین اور منافقین کے احوال علیحدہ علیحدہ بیان فرمائے اب اس آیت میں علی العموم سب کو خطاب فرماتے ہیں۔ نیز وہ ہدایت جس کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی وہ دو اصولوں پر منقسم ہے ایک توحید اور دوسرے رسالت۔ اس لیے اول توحید اور عبادت کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری کی جڑ ہے۔ یعنی یہ کتاب متقین کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے۔ لیکن تقویٰ کے حاصل کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ صرف خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو اسی وجہ سے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا کے بعد لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ فرمایا۔

شروع سورت میں اس کتاب کا متقین کے لیے موجب ہدایت ہونا بیان فرمایا تھا اب ان آیات میں تحصیل تقویٰ کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو اگر واقع میں تم انسان ہو اور اپنی انسانیت کی حفاظت چاہتے ہو تو اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا یعنی تم کو اور تمہارے اصول (آباء واجداد) کو پردۂ عدم سے نکالا اور وجود کا عجیب وغریب خلعت تم کو پہنایا تاکہ تم اس غیر مترقب نعمت اور عمدہ مرحمت کا شکر کرو اور متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ متقی بننے کا طریقہ یہی ہے کہ ہر وقت تم اس امر کو پیش نظر رکھو کہ وہ تمہارا پروردگار ہے ایک لحہ اور ایک لحظہ کے لیے تم اس کی تربیت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتے اسی نے تم کو اور تمہارے آباؤ اجداد کو جن سے تم پیدا ہوئے محض اپنی قدرت سے کتم عدم سے نکال کر وجود کا خلعت پہنایا ہے۔ اپنے امکان کو سوچو تاکہ اس کا وجوب معلوم ہو۔ اپنی عاجزی اور درماندگی کو سوچو تو اس کا قادر مطلق ہونا معلوم ہو اپنی ذلت اور خواری کو سوچو تو اس کا عزیز مطلق اور ذوالجلال والاکرام ہونا معلوم ہو۔ اپنے مملوک ہونے کو سمجھو تاکہ اس کا مالک ہونا سمجھ میں آئے۔ وعلی ہذا القیاس غایت محبت اور نہایت تعظیم واجلال کے ساتھ انتہائی تذلل کا نام عبادت ہے۔ مطلق محبت اور مطلق تعظیم اور مطلق تذلل کا نام عبادت نہیں۔ اسی وجہ سے اولاد کی محبت اور والدین اور اساتذہ کی تعظیم اور ان کی تواضع عبادت نہیں کہلائے گی۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

کائنات زمین و آسمان میں قدرتِ حق کے مظاہر:

اس سے پہلی آیت میں ان انعامات کا ذکر تھا جو انسان کی ذات سے متعلق ہیں اور اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے جو انسان کے گرد و پیش کی چیزوں سے متعلق ہیں یعنی پہلی آیت میں انفسی اور دوسری میں آفاقی نعمتوں کا ذکر فرما کر تمام اقسام نعمت کا احاطہ فرمایا گیا۔

ان آفاقی نعمتوں میں سے زمین کی پیدائش کا ذکر ہے کہ اس کو انسان کے لئے فرش بنا دیا نہ پانی کی طرح نرم ہے جس پر قرار نہ ہو سکے اور نہ لوہے پتھر کی طرح سخت ہے کہ ہم اسے اپنی ضرورت کے مطابق آسانی سے استعمال نہ کر سکیں بلکہ نرمی اور سختی کے درمیان ایسا بنایا گیا جو عام انسانی ضروریات زندگی میں کام دے سکے۔

فراش کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین گول نہ ہو کیونکہ زمین کا یہ عظیم الشان کرہ گول ہونے کے باوجود دیکھنے میں ایک سطح نظر آتا ہے اور قرآن کا عام طرز یہی ہے کہ ہر چیز کی وہ کیفیت بیان کرتا ہے جس کو ہر دیکھنے والا عالم، جاہل، شہری، دیہاتی سمجھ سکے۔

دوسری نعمت یہ ہے کہ آسمان کو ایک مزین اور نظر فریب چھت بنا دیا تیسری نعمت یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسایا پانی آسمان سے برسانے کے لئے ضروری نہیں کہ بادل کا واسطہ درمیان میں نہ ہو بلکہ محاورات میں ہر اوپر سے آنے والی چیز کو آسمان سے آنا بولتے ہیں۔

پروردگار عالم کی چار مذکورہ صفات میں سے پہلی تین باتیں تو ایسی ہیں کہ ان میں انسان کی سعی و عمل تو کیا خود اس کے وجود کو بھی دخل نہیں بیچارے انسان کا نام و نشان بھی نہ تھا جب زمین اور آسمان پیدا ہو چکے تھے اور بادل اور بارش اپنا کام کر رہے تھے ان کے متعلق تو کسی بیوقوف جاہل کو بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کام سوائے حق جل شانہ کے کسی انسان یا بت یا کسی اور مخلوق نے کئے ہوں گے، ہاں زمین سے پھل اور پھلوں سے انسانی غذا نکالنے میں کسی سادہ لوح اور سطحی نظر رکھنے والے کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ انسانی سعی و عمل اور اس کی دانشمندانہ تدبیروں کا نتیجہ ہیں کہ وہ زمین کو نرم کرنے اور کمانے میں پھر بیج ڈالنے اور جمانے میں پھر اس کی تربیت اور حفاظت میں اپنی محنت خرچ کرتا ہے لیکن قرآن کریم نے دوسری آیات میں اس کو بھی صاف کر دیا کہ انسان کی سعی اور محنت کو درخت اگانے یا پھل نکالنے میں قطعاً کوئی دخل نہیں بلکہ اس کی ساری تدبیروں اور محنتوں کا حاصل رکاوٹوں کو دور کرنے سے زیادہ کچھ نہیں یعنی انسان کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ پیدا ہونے والے درخت کی راہ سے رکاوٹیں دور کرے اور بس۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

ربط: وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

اس سے پہلی دو آیتوں میں توحید کا ثبوت تھا ان دونوں آیتوں میں رسالت محمدی کا اثبات ہے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) وہ ہدایت جو قرآن لے کر آیا ہے اس کے دو عمود ہیں، توحید اور رسالت، پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے چند مخصوص کام ذکر کر کے

توحید ثابت فرمائی گئی ہے اور طریق اثبات دونوں کا ایک ہی ہے کہ پہلی دو آیتوں میں چند ایسے کام مذکور تھے جو سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں کرسکتا مثلاً زمین اور آسمان کا پیدا کرنا، آسمان سے پانی اتارنا، پانی سے پھل پھول پیدا کرنا،

تصدیق نبوت واعجاز قرآن:

اور خلاصہ استدلال یہ تھا کہ جب یہ کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا تو مستحق عبادت بھی اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا اور ان دونوں آیتوں میں ایک ایسا کلام پیش کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہوسکتا، اور نہ کوئی انسانی فرد یا جماعت اس کی مثال ونظیر لاسکتی ہے جس طرح زمین وآسمان کی بناوٹ، پانی برسانے اور اس سے پھل پھول نکالنے سے پوری مخلوق کا عاجز رہنا اس کی دلیل ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کسی مخلوق کا نہیں اس آیت میں قرآن نے پوری دنیا کے انسانوں کو خطاب کر کے چیلنج دیا ہے کہ ہم نے جو قرآن پاک اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر اتارا ہے اسے اگر تم ہمارا کلام نہیں مانتے تو تم اور تمہارے مددگار سب مل کر پورا قرآن نہیں صرف ایک سورت تو اس جیسی بنالاؤ۔ جب تم ایسا نہیں کرسکتے اور اس سے عاجز ہو تو پھر اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کیوں شک کرتے ہو؟ اپنے ہم فکر اور مددگار سب کو جمع کرو تو بھی تم سب ناکام رہو گے۔ مطلب یہ ہے کہ جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے انہیں بھی بلالو اور ان سے بھی مدد چاہو پھر اس جیسی ایک سورت ہی تو بنالاؤ۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زباں دان فصیح وبلیغ لوگوں سے بھی مدد لے لو۔

قرآن کے مقابلہ سے ہمیشہ عاجز رہیں گے:

پھر اس پر بھی اگر تم ایسی ایک سورت نہ بنا سکو اور یہ بات یقینی ہے کہ ہرگز نہ بنا سکو گے تو پھر ڈرو اور بچو نار دوزخ سے جو سب آگوں سے تیز ہے اس کا ایندھن کافر اور پتھر ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور بچنے کی صورت یہی ہے کہ کلام الٰہی پر ایمان لاؤ اور وہ آگ کافروں کے واسطے تیار کی ہوئی ہے جو کہ قرآن شریف اور نبی کریم ﷺ کو جھوٹا بتلاتے ہیں۔

یہ سن کر کیسا کچھ جوش وخروش اور پیچ وتاب نہ آیا ہوگا۔ اور کوئی دقیقہ سعی کا کیوں اٹھا رکھا ہوگا؟ پھر عاجز ہو کر اپنا سا منہ لیکر بیٹھ رہنا قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے۔

اس آیت سے اہل سنت نے یہ استنباط کیا ہے کہ جہنم کی اصل غایت کافروں کی تعذیب ہے، نہ کہ محض اہل فسق وعصیاں کا، عارضی طور پر یہ بھی تادیب کے لیے اس میں داخل کردیئے جائیں تو یہ ایک الگ چیز ہے۔

تفسیر درمنثور میں ج۱ ص ۶۳ بحوالہ طبرانی، حاکم اور بیہقی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ پتھر جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ) میں فرمایا ہے۔ کبریت (گندھک) کے پتھر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا پیدا فرمادیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سب قسم کے پتھر مراد ہیں اور یہ اس لئے فرمایا تا کہ اس آگ کی عظمت وہیبت معلوم ہو جائے اور بعض نے کہا ہے کہ حجارہ سے مراد بت ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نَارُكُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِيْنَ جُزْءً مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ (متفق علیہ) یعنی تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ (اس حدیث کو بخاری ومسلم

دونوں نے روایت کیا ہے) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَه نَعْلَانِ وَ شِرَا كَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُه كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَ اِنَّه لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا. (متفق علیہ) یعنی جہنم میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جسے دو جوتیاں اور تسمے [شراک تسمے کو کہتے ہیں] آگ کے پہنائے جائیں گے اور ان سے اس کا دماغ ایسا جوش مارتا ہوگا جیسے دیگ جوش مارتی ہے اور وہ خیال کرے گا کہ مجھ سے زیادہ سخت عذاب کسی کو نہیں حالانکہ وہ باعتبار عذاب سب سے کم ہوگا اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا: اُوْقِدَ عَلَى النَّارِ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَيْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَيْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهُوَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ (رواہ الترمذی) یعنی جہنم کی آگ ایک ہزار برس تک دھونکائی گئی یہاں تک کہ وہ بالکل سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار برس اور دھونکائی گئی تو سفید ہوگئی پھر ایک ہزار برس اور دھونکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی اب بالکل سیاہ تاریک ہے اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ((اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ)) (یعنی میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈراتا ہوں)۔ راوی حدیث نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ حضور یہی الفاظ فرماتے رہے اور آپ ﷺ نے اتنی بلند آواز سے فرمایا کہ اگر حضور ﷺ اس وقت میری جگہ تشریف رکھتے تو آپ کی آواز مبارک کو بازار والے سن لیتے اور اس جوش سے آپ فرماتے رہے کہ جو کلیم آپ زیب تن فرمائے ہوئے تھے وہ قدموں پر آپڑی تھی۔ اس حدیث کو دارمی نے روایت کیا ہے اور ان آیات واحادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہنم اب موجود ہے۔

ربط: وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اس سے پہلی آیت میں قرآن کریم کو نہ ماننے والوں کے عذاب کا بیان تھا اس آیت میں ماننے والوں کے لئے بشارت اور خوشخبری مذکور ہے جس میں جنت کے عجیب وغریب پھلوں کا اور حوران جنت کا ذکر ہے:

اہل ایمان کو جنت کی بشارت:

کافروں کی سزا بتانے کے بعد (جو اوپر کی آیت میں مذکور ہوئی) اس آیت میں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کی جزا ذکر فرمائی ہے جو طرح طرح کی نعمتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوگی۔

(اوّل): تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ باغوں میں رہیں گے یہ باغات دارالنعیم میں ہوں گے جسے جنت کہا جاتا ہے، ان باغوں میں رہنے کے لیے مکان بھی ہوں گے جیسا کہ سورۂ صف میں (وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ) فرمایا ہے، ان باغات میں نہریں جاری ہوں گی۔ جو صاف ستھرے پانی کی ہوں گی جس میں کسی طرح کا تغیر نہ ہوا ہوگا، اور دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہ ہوا ہوگا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لئے لذت کا ذریعہ ہوں گی۔ اور صاف ستھرے شہد کی نہریں ہوں گی جیسا کہ سورۂ محمد میں ان نہروں کا ذکر فرمایا ہے۔

(دوم): یہ فرمایا کہ ان باغوں کے درختوں میں جو پھل ہوں گے وہ ان کو کھانے کے لیے پیش کئے جائیں گے اور جب کبھی

بھی کوئی پھل لایا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور وجہ اس کی یہ ہوگی کہ وہ پھل آپس میں ہم شکل ہوں گے اگرچہ لذت اور مزے میں مختلف ہوں گے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ من قبل سے مراد ہے کہ دنیا میں جو پھل ہمیں دیئے گئے تھے یہ اسی جیسا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہیں جنت میں جو پھل دیئے جائیں گے ان کے بارے میں کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ابھی پہلے کھایا تھا۔

مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے معنی لینا زیادہ ظاہر ہے تاکہ لفظ کُلَّمَا کا عموم باقی رہے (کیونکہ جنت میں سب سے پہلے جب پھل ملے گا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے دیا گیا تھا اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب من قبل سے دنیا والے پھل مراد لیے جائیں) لیکن صاحب تفسیر نسفی لکھتے ہیں: والضمیر فی بہ یرجع الی المرزوق فی الدنیا والاخرۃ لان قولہ ھذا الذی رزقنا من قبل انطوی تحتہ ذکر ما رزقوہ فی الدارین۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ "یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا جا چکا ہے"۔ دونوں پھلوں کے بارے میں ہے، دنیا والے پھل اور جو پھل وہاں دیئے جاتے رہیں گے دونوں مراد ہیں جو پھل ان کو دیئے جائیں گے دیکھنے میں بظاہر دنیاوی پھلوں کے مشابہ ہوں گے، جس چیز کو پہلے دیکھا ہو اس سے انس اور الفت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی طرف طبعی میلان زیادہ ہوتا ہے اس لیے ظاہری صورت میں وہ پھل دنیا والے پھلوں کی طرح ہوں گے اور حقیقت میں ان کا مزہ اور کیف دوسرا ہی ہوگا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت کے پھلوں سے دنیا میں کوئی پھل نہیں بس ناموں کی مشابہت ہے یعنی پھلوں کو دیکھ کر اہل جنت کہیں گے کہ یہ سیب ہیں، یہ انار ہیں، ہم نے اس کو دنیا میں کھایا تھا لیکن وہ مزے میں دنیاوی پھل کی طرح نہ ہوں گے بلکہ ان کا مزہ اور کیف جنت کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ فرمایا ہے: (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ)۔

بعض حضرات نے یہ اشکال کیا ہے کہ دنیا والے پھل مراد لیے جائیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جنتی پھل صرف انہی پھلوں کے مشابہ ہوں جو دنیا میں تھے، یہ اشکال کوئی وزن دار نہیں ہے اس لیے کہ اگر شروع داخلہ کے وقت دنیا والے پھلوں کے مشابہ دیئے جائیں اور پھر ان پھلوں کے انواع واقسام پیش کیے جاتے رہیں جو دنیاوی پھلوں کے مشابہ نہ ہوں اور ان میں آپس میں مشابہت ہو تو اس میں کوئی بات عقل وفہم سے بعید نہیں ہے۔ اہل جنت کو بار بار اور ہمیشہ ایسے پھل دیئے جانا کہ جن میں ظاہری مشابہت ہو اور حقیقت میں مزہ اور کیف الگ الگ ہو اس سے بہت زیادہ استغراب واستعجاب ہوگا۔ اور اس سے خوشی دوبالا ہوگی۔

(سوم): یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مطھرۃ من القذی و الاذی کہ وہ گندگی اور تکلیف دینے والی چیز سے پاک ہوں گی۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: من الحیض و الغائط و البول و النخام و البصاق و المنی و الولد۔

یعنی وہ بیویاں حیض سے، اور پیشاب پاخانہ سے، ناک سے نکلنے والے بلغم سے، تھوک سے اور منی سے پاک وصاف ہوں گی اور اولاد بھی نہ ہوگی جس کے باعث نفاس آتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مطھرۃ من الاذی والمأثم۔ یعنی وہ بیویاں

ہر تکلیف والی چیز سے اور نافرمانی سے پاک ہوں گی۔ ان سب اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ ان عورتوں میں کسی قسم کی کوئی چیز گھن والی اور تکلیف دینے والی نہ ہوگی۔ ان کا ظاہر اور باطن سب کچھ عمدہ اور بہترین ہوگا۔ شوہروں کی بات مانیں گی نافرمانی نام کو بھی نہ ہو گی۔ (مذکورہ اقوال تفسیر ابن کثیر میں نقل کیے گئے ہیں)۔

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ مُطَهَّرَةٌ (باب تفعیل سے) فرمایا اور طَاهِرَاتٌ نہیں فرمایا، اس سے ان کی طہارت اور پاکیزگی کو نہایت اعلیٰ طریقے پر بیان فرمانا مقصد ہے کہ ان کو ایک پاک کرنے والے نے پاک بنایا ہے اور وہ پاک بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان بیویوں کا حسن و جمال دوسری آیات میں بیان فرمایا ہے۔ سورۂ رحمٰن میں ارشاد فرمایا:

(كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ) (گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں) اور سورۃ واقعہ میں فرمایا (وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ) (وہ سفید رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔)

(چہارم): یہ فرمایا (هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ) یعنی اہل جنت ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلیں گے اور نہ نکالے جائیں گے، نہ نکلنا چاہیں گے۔ کما فی سورۃ الکهف (لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا) صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو خوشخبری سنانے کے لیے) ایک ندا دینے والا پکار کر ندا دے گا تمہارے لیے یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ تندرست رہو گے لہٰذا کبھی بھی بیمار نہ ہو گے اور یہ کہ زندہ رہو گے۔ کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔ اور جوان رہوں گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور یہ کہ نعمتوں میں رہو گے پس تم کو کبھی محتاجگی نہ ہوگی۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸)

دُنیا کی نعمتوں میں کدورت ملی ہوئی ہے۔ خوشی کے ساتھ رنج ہے تندرستی کے ساتھ بیماری ہے۔ پھولوں کے ساتھ کانٹے ہیں۔ مال اور عہدوں کے ساتھ دوسروں کا حسد اور دشمنی ہے اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ سب نعمتیں فانی ہیں، صاحب نعمت بھی فانی ہے نعمتوں کا دوام اور ہمیشگی کسی کے لیے نہیں۔ آخرت کی نعمتیں ابدی ہیں دائمی ہیں ہمیشہ کے لیے ہیں۔ ان کے زوال اور چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔ زندگی بھی دائمی ہوگی۔ (خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا) ان کی شان میں فرما دیا ہے۔ (جعلنا اللہ تعالی منهم)

کفار کے معارضہ کا جواب:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا :

اس آیت میں اس معارضہ کا جواب دیا گیا جو کفار کی طرف سے پہلی آیت پر ہوا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب چھوٹی سی سورت بھی اس کلام جیسی ان سے نہ ہو سکی جس سے اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو چکا تو کفار نے کہا ہر چند ہم اس کلام کے مقابلہ سے عاجز ہیں مگر ہم دوسری دلیل سے اس کا کلام الٰہی نہ ہونا اور کلام بشری ہونا ثابت کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ بڑے بزرگ عظیم الشان اپنے کلام میں ذلیل وحقیر چیزوں کے ذکر سے اجتناب کیا کرتے ہیں حق تعالیٰ جو سب بزرگوں سے برتر اور اعظم ہے اس نے کیسے اپنے کلام میں مکھی اور مکڑی کا ذکر فرمایا اس معارضہ کا جواب دیا گیا کہ اس میں کوئی شرم اور عار کی بات نہیں کہ حق تعالیٰ

مچھر یا اس سے بڑی چیز مثل مکھی اور مکڑی کی مثال بیان فرمائے کیونکہ مثال سے تو توضیح وتفصیل ممثل لہ کی مطلوب ہوتی ہے۔ حقارت اور عظمت سے کیا بحث اور یہ مطلوب جبھی حاصل ہوگا کہ مثال اور ممثل لہ میں پوری مطابقت ہو ممثل لہ حقیر ہوگا تو اس کی مثال بھی حقیر ہونی چاہیے ورنہ تمثیل ہی بیہودہ سمجھی جائے گی۔ ہاں اگر تمثیل میں یہ ہوتا کہ مثال اور مثال دینے والے میں موافقت ضروری ہوتی تو بے وقوفوں کا یہ اعتراض چل سکتا مگر اس کا تو کوئی بیوقوف بھی قائل نہ ہوگا اور تورات وانجیل وکلام حکماء وسلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت اور عناد کی بات ہے اور **فما فوقها** کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مچھر سے حقارت اور چھوٹائی میں زیادہ ہو جیسے مچھر کے بازو کہ بعض احادیث میں اس کو دنیا کی تمثیل میں ذکر فرمایا ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ

یعنی ایمان والے تو ان مثالوں کو حق اور مفید سمجھتے ہیں اور کفار بطور تحقیر کہتے ہیں کہ ایسی حقیر مثالوں سے خدا کی مراد اور غرض کیا ہوگی، جواب دیا گیا کہ اس کلام سراپا ہدایت سے بہتیروں کو گمراہی میں ڈالنا اور بہتیروں کو راہ راست دکھلانا منظور ہے (یعنی اہل حق اور اہل باطل میں تمیز تام منظور ہے جو نہایت مفید اور ضروری ہے۔ (عثمانی)

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝

فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر وانکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی اس لئے لفظ فاسق کافر کے لئے بھی بولا جاتا ہے قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین کافروں ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور مومن گنہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کیلئے استعمال ہوا ہے ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسیم قرار دیا گیا ہے جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے۔ (مظہری)

اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔

فاسقوں کے اوصاف:

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ

پھر ان فاسقوں یعنی حکم عدولی کرنے والوں اور ہدایت ربانی کے خلاف چلنے والوں کے کچھ اوصاف ذکر فرمائے اور:

(۱) وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑتے ہیں۔ اس عہد سے یا تو عقل انسانی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے اور یہ عقل دنیا میں انسان پر حجت ہے اور ایک طرح کا عہد ہے کہ انسان اپنی عقل سے اپنے خالق اور مالک کو پہچانے، اور اپنے خالق اور مالک کو واحد جانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یا عہد الست بربکم مراد ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ساری ذریت کو (جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی) ان کی

پشت سے نکالا جو بہت چھوٹی چھوٹی شکلوں میں چیونٹیوں کی طرح سے تھے۔ اور ان سے عہد لیا اور سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا۔ ''بلٰی'' کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔ وادی نعمان میں (عرفات کے قریب) یہ عہد لیا گیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ از مسند احمد)

سورۂ اعراف کی آیت (وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ أَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى) میں اس عہد کا ذکر ہے۔ یہ عہد سب نے کیا پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس عہد کے یاد دلانے کے لیے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ جن حدیثوں میں اس عہد کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اقرار کے بعد فرمایا کہ میں ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو تمہارے اوپر گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی تم پر گواہ بناتا ہوں۔ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمیں اس بات کا پتہ نہ تھا۔ تم جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا یہ عہد اور میثاق یاد دلائیں گے، اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس بات کے گواہ ہو گئے کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں اور ہمارے لیے آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں چنانچہ سب نے اس کا اقرار کر لیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴)

جو عہد سب نے کر لیا تھا اس کی یاد دلانے کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ اس عہد کو توڑنا سراسر ناانصافی ہے اور عہد سے مکر جانا ہے۔ اور اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے بھی عہد لیا تھا کہ جو کتاب تمہارے اوپر نازل کی گئی اس کو تم لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں۔

کما قال تعالی: (وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ)

(آل عمران ع ۱۹)

یہ عہد بھی یہاں اس آیت سے مراد ہو سکتا ہے کیونکہ علماء اہل کتاب بھی قرآن کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے۔ منافقین اور مشرکین عرب کی طرح یہ لوگ بھی اسلام کے پھیلنے اور قرآن کی دعوت عام ہونے پر پوری طرح رکاوٹیں کھڑے کرتے رہتے تھے۔

(۲) ان فاسقوں کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو کاٹتے ہیں جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، ان میں وہ احکام بھی ہیں جو (فیما بین العبد وبین الله) ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سے بندے کا یہ تعلق ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کا فرمانبردار رہے) اور وہ احکام بھی ہیں جو (فیما بین العباد) ہیں۔ جن میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں تفریق نہ کریں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں بلکہ سب پر ایمان لائیں، اور (لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ) کا مصداق بنیں۔

اور ان احکام میں صلہ رحمی بھی ہے اور اہل ایمان سے دوستی کرنا بھی ہے۔ غرض ایمان باللہ کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق

عمل کرنا عہد کو جوڑے رکھنا ہے اور ہر وہ عمل جس میں خیر کا چھوڑنا اور شر کا اختیار کرنا ہو، یہ سب اس چیز کے قطع میں آتا ہے جس اللہ تعالیٰ نے جوڑے رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورۃ رعد میں ایفائے عہد اور عدم نقض میثاق اور وصل ما امر اللہ بہ کی مدح کی گئی ہے۔ اور جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ان کے توڑنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔

(۳) ان فاسقوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ زمین میں فساد کرتے ہیں، فساد بگاڑ کو کہتے ہیں اور یہ بہت جامع لفظ ہے۔ کفر اختیار کرنا، منافق بننا، مشرک ہونا، اللہ کی وحدانیت کا منکر ہونا، دوسروں کو ایمان سے روکنا۔ حق اور اہل حق کا مذاق بنانا، حقوق کا غصب کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، قتل و خون کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں دی گئی۔ یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ آخر میں فرمایا: (أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۞) کہ یہ لوگ پورے خسارے میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم بہت کامیاب ہیں ایمان نہ قبول کر کے اور منافقت اختیار کر کے دنیا کے فائدوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، انہوں نے دنیا کے حقیر فائدوں پر نظر کی، اور آخرت کے دائمی عذاب کے مستحق بنے جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔ (انوار البیان)

ربط: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ

پچھلی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے وجود، توحید اور رسالت کے دلائل واضحہ اور منکرین ومخالفین کے خیالات باطلہ کا رد مذکور تھا مذکورہ دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا ذکر کر کے اس پر اظہار تعجب کیا گیا ہے کہ اتنے احسانات کے ہوتے ہوئے کیسے یہ ظالم کفر وانکار میں مبتلا ہیں جس میں اس پر تنبیہ ہے کہ اگر دلائل میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے تو کم از کم محسن کا احسان مان کر اس کی تعظیم واطاعت پر آ جاؤ،

لفظ ''کیف'' کا استعمال قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی حق تعالیٰ کے سلسلہ میں آیا ہے، سیاق ہمیشہ تنبیہ یا توبیخ ہی کا رہا ہے۔ وکل ما اخبر اللہ تعالیٰ بلفظة کیف عن نفسه فهو استخبار علی طریق التنبیه للمخاطب او توبیخا۔ (راغب)

ٹھوس دلائل پر مبنی دعوت:

اس بات کا ثبوت دیتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ قدرتوں والا ہے۔ وہی پیدا کرنے والا اور اختیار والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا (اے کافرو اور منکرو!) یعنی کفر وانکار کی جرأت وہمت کس طرح رکھتے ہو؟ سوال سے مقصود ان کی جسارت پر استعجاب ہے۔ علی وجه التعجب (ابن عباس) فالمراد به التبکیت والتعنیف (کبیر) تم اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کیسے کر سکتے ہو؟ یا اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیسے کر سکتے ہو؟ جبکہ تمہیں عدم سے وجود میں لانے والا ایک وہی ہے۔

أَمْوَاتًا سے مراد عناصر غذائیں، اخلاط اور نطفے، خون بستہ، گوشت کے ٹکڑے اور جسم بلا روح ہے (کیونکہ جان پڑنے سے پہلے آدمی ان ہی اشیاء میں سے کوئی شئے ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ انسان دس چیزوں سے مرکب ہے پانچ عالم خلق سے یعنی چار تو عناصر پانی، آگ، ہوا، خاک، پانچواں نفس حیوانی جو اربعہ عناصر سے ہی پیدا ہوتا ہے اور پانچ عالم امر سے قلب، روح، سر، خفی، اخفی (اوّل کے پانچ جز تو ظاہر ہی ہیں دلیل کی حاجت نہیں) آخر الذکر پانچ بھی جسے فراست صحیحہ اسلامیہ ہو اس پر مخفی نہیں اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ

ان جملہ اجزاء میں سے عناصر اربعہ خصوصاً خاک زیادہ مہتم بالشان ہے۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے منجملہ اور اجزاء کے اس خاک کو خاص کر کے فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ. یعنی اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور اس لیے کافر یعنی شیطان (قیامت کے دن جبکہ اس طائر قفس خاکی کے مراتب اور درجات دیکھے گا تو بے اختیار بول اٹھے گا: يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا (اے کاش میں مٹی ہوتا) اور اسی وجہ سے منجملہ انواع مخلوق کے یہ حضرت انسان ہی حق تعالیٰ کی رؤیت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور اسی لیے وہ مشاہدہ قلبیہ کو رستہ کی پڑی ہوئی چیز جیسی خیال کرتے ہیں۔ فَأَحْيَاكُمْ پھر اسی نے تم میں جان ڈالی یعنی پھر تمہیں عالم امر کے عناصر خمسہ مذکورہ کے ساتھ ترکیب دے کے زندہ کیا اور فا کے ساتھ عطف اس لیے فرمایا کہ زندہ کرنے اور اس موت میں جو عناصر کو لازم ہے کوئی مدت فاصل نہیں ہے۔ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ پھر تمہیں مدت گزر جانے کے بعد مارتا ہے (یہاں ثم کے ساتھ اس لیے عطف کیا کہ یہ موت عمر کے ختم ہونے پر ظہور میں آتی ہے) بے جان ہونے کو نعمتوں میں سے اس لیے شمار کیا کہ نیست سے ہست ہونا نعمت اور خیر محض ہے کیونکہ اس میں وجودِ حقیقی سے مشابہت ہے اور پھر موت کو جو عمر کے اختتام پر واقع ہوتی ہے اس لیے انعامات میں سے گنا کہ وہ ابدی حیات تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا تو پھر تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قبر میں حیات نہ ہوگی کیونکہ حیات دس اجزاء مذکورہ کی ترکیب کا نام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قبر میں یہ اجزاء مجتمع نہ ہونگے اس لیے وہاں زندگی متصور نہیں ہوسکتی۔ (رہی یہ بات کہ جب قبر میں حیات نہ ہوگی تو ثواب وعذاب کیسے ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لیے خاصہ اس حیات کا ہونا ضروری نہیں ہے) ثواب وعقاب اجزاء بسیطہ پر بھی ہوسکتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ان آیات پر ایمان رکھتا ہے اسے تو عذاب قبر کے انکار کی گنجائش ہی نہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم لوگ اس کی تسبیح نہیں سمجھتے) اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا (اے مخاطب) کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں اور سورج، چاند، ستارے اور پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے آدمی) اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پکارتا اور دریافت کرتا ہے کہ تجھ پر کوئی اللہ کا یاد کرنے والا بھی آیا ہے؟ وہ اگر جواب دیتا ہے کہ ہاں آیا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا (ہم نے دکھائی امانت (تکلیف شرعیہ) آسمان اور زمین اور پہاڑوں کو پھر سب نے (ازراہ عجز) قبول نہ کیا کہ اسے اٹھائیں اور اس سے گھبرا گئے) یہ بات ظاہر ہے کہ ان نصوص میں تسبیح سجود زبان حال اور دلالت حال سے مراد نہیں کیونکہ یہ جو فرمایا ہے کہ تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے اور دوسرے مقام پر فرمادیا کہ بہت سے لوگ بھی سجدہ کرتے ہیں تو یہ دونوں مضمون اس تاویل کا بڑے زور سے انکار کر رہے ہیں۔ (بلکہ قطعاً حقیقی سجود اور حقیقی تسبیح

مراد ہے) ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ، یعنی حشر کے بعد پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمہارے اعمال کی تم کو جزا دے گا۔
آیت مدنیہ ہے اس میں کفار یہود اور منافقوں کو خطاب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہود حشر و نشر کے معتقد و معترف تھے کہ اہل کتاب ہیں (تو اب یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مخاطب تو حشر و نشر کے قائل نہیں پھر یہ آیت ان پر کس طرح حجت ہو سکتی ہے) ایک طرح منکرین بعث کو بھی خطاب ہو سکتا ہے یا تو اس طرح کہ ان کے انکار کو بوجہ دلائل کثیرہ صدق رسول اللہ ﷺ بمنزلہ عدم ٹھہرا کر خطاب کہا گیا ہے (جیسا کہ بلاغت کا قاعدہ ہے) اور یا اس طریق سے کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرف اشارہ فرمانا منظور ہے کہ جس قادر مطلق نے تمہیں عدم محض سے موجود کر دیا ہے وہ دوسری دفعہ زندہ کرنے پر تو بطریق اولیٰ قادر ہے۔

حیاتِ برزخی:

اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے روز ہونے والی ہے قبر کی زندگی قبر کا سوال و جواب اور قبر میں ثواب و عذاب ہونا قرآن کریم کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے ثابت ہے اس کا ذکر نہیں وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی اس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی بلکہ ایک درمیانی صورت مثل خواب کی زندگی کے ہے اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی اس لئے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب یہ اس نعمت عامہ کا ذکر ہے جس میں تمام انسان بلکہ حیوانات وغیرہ بھی شریک ہیں اور لفظ میں ان تمام نعمتوں کا اجمال آ گیا جو دنیا میں کسی انسان کو حاصل ہوئیں یا ہو سکتی ہیں کیونکہ انسان کی غذا، لباس، مکان، اور دوا اور راحت کے کل سامان زمین ہی کی پیداوار ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

استواء کے لفظی معنی سیدھا ہونے کے ہیں مراد یہ ہے کہ زمین کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق کا قصد راست فرمایا جس میں کوئی حائل اور مانع نہ ہو سکے یہاں تک کہ سات آسمانوں کی تخلیق مکمل فرما دی اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اس لئے تخلیق کائنات اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔

دنیا کی ہر چیز نفع بخش ہے:

اس آیت میں زمین کی تمام چیزوں کو انسان کے لئے پیدا فرمانے کا بیان ہوا ہے، اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو کسی نہ کسی حیثیت سے بلاواسطہ یا بالواسطہ فائدہ نہ پہونچتا ہو خواہ یہ فائدہ دنیا میں استعمال کرنے کا ہو یا آخرت کے لئے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا۔
بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انسان کو ان سے فائدہ پہونچتا ہے مگر اس کو خبر بھی نہیں ہوتی یہاں تک کہ جو چیزیں انسان کے

لئے مضر سمجھی جاتی ہیں جیسے زہریلی اشیاء زہریلے جانور وغیرہ غور کریں تو وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کے لئے نفع بخش بھی ہوتی ہیں جو چیزیں انسان کے لئے ایک طرح سے حرام ہیں دوسری کسی طرح اور حیثیت سے ان کا نفع بھی انسان کو پہنچتا ہے،

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں ۔ کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

عارف باللہ ابن عطاء نے اس آیت کے تحت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو تمہارے واسطے پیدا فرمایا کہ ساری کائنات تمہاری ہو اور تم اللہ کے لئے ہو اس لئے عقل مند کا کام یہ ہے کہ جو چیز اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے وہ اس کو ملے گی اس کی فکر میں لگ کر اس ذات سے غافل نہ ہو جس کے لئے یہ پیدا ہوا ہے۔ (بحر محیط)

اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے اور آسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا بلفظ ثم بیان کیا گیا ہے اور یہی صحیح ہے اور سورۂ والنازعات میں جو یہ ارشاد ہے: وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (۷۹:۳۰) یعنی زمین کو آسمانوں کے پیدا کرنے کے بعد بچھایا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کے بعد ہوئی ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی درستی اور اس میں سے پیداوار نکالنے وغیرہ کے تفصیلی کام آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے اگرچہ اصل زمین کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔ (بحر محیط وغیرہ)

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ: پھر آسمان کا قصد کیا (کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر سلف صالحین نے تو یہ تفسیر فرمائی ہے کہ پھر آسمان کی طرف صعود فرمایا۔ اس تفسیر پر یہ آیت مثل: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (رحمٰن عرش پر قائم ہوا) کے متشابہات میں سے ہوگی۔ ابن کیسان اور فراء اور نحویوں کی ایک جماعت کا میلان اس طرف ہے کہ استواء کے یہ معنے ہیں کہ آسمان پیدا کرنے کی طرف توجہ و قصد کیا کہتے ہیں کہ استواء بمعنی قصد عرب کے قول استوی الیھم، کالسھم المرسل سے مشتق ہے اور یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب سیدھ باندھ کر بغیر کسی دوسری طرف توجہ کے کسی شے کی جانب کسی نے قصد کیا ہو۔

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ: (تو انہیں سات آسمان ہموار بنا دیئے) یعنی ہموار و برابر پیدا کئے کہیں ان میں رخنہ اور دراڑ نہیں۔ هُنَّ کی ضمیر السَّمَآءِ کی طرف اس تقدیر پر راجع ہے کہ سماء سے مراد ہیں اجرام سماویہ کیونکہ سماء یا تو جمع ہے یا جمع کے معنی میں ہے اور سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اس ضمیر هُنَّ سے بدل ہے اور السماء کی تفسیر اجرام سے نہ کریں تو اس وقت ضمیر هُنَّ مبہم ہے (یعنی کسی کی طرف راجع نہیں اور سَبْعَ سَمٰوٰت اس کی تفسیر ہے) آسمانوں کا تعداد میں سات ہونا توریت و انجیل دونوں کو مسلم ہے۔ ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل میں ہے۔ ''عہد عتیق و عہد جدید دونوں میں آسمانوں کا جو تخیل ہے۔۔۔ وہ سات آسمانوں کا ہے'' (جلد 2 صفحہ 322) ''سواھن'' تسویہ کے معنی ہیں تکمیل تک پہنچا دینے اور ہر طرح درست کر دینے کے ضمیر ''ھن السماء'' کی طرف راجع ہے۔ خواہ اس کی تفسیر اجرام سے کی جائے یا خود اس کو معنی جمع قرار دیا جائے (بیضاوی) ومعنی تسویتھن تعدیل خلقھن واخلاؤہ من العوج والفطور واتمام خلقھن (کبیر) اس لیے "فسواھن" کا ترجمہ ٹھیٹھ اردو میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا'' "سبع سمٰوٰت" قدیم اہل ہیئت نے سات آسمانوں سے مراد سات مشہور سیاروں کے مدار لیے

ہیں۔ یعنی کرۂ قمر، کرۂ عطارد، کرۂ زہرہ، کرۂ شمس، کرۂ مریخ، کرۂ مشتری، کرۂ زحل (کبیر) صاحب تفسیر مظہری نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ عرش اور اس کے اندر جتنے سماوات ہیں سب کروی ہیں اور عرش زمین کے اطراف کو محیط ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں ایک خاص چال سے چلتا ہے اور آسمان کو حرکت نہیں۔

آخر میں فرمایا: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اتنے بڑے آسمان اتنی بڑی زمینیں اور ان میں جو کچھ اب ہے جو کچھ آئندہ ہوگا، جو کچھ پہلے تھا اور ان کے سوا بھی جو کچھ ہے ان سب کا اس کو پورا پورا علم ہے۔ جو انسان اور جنات دنیا میں آئے ان کے لیے ہدایت بھیجی، ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی، ہدایت قبول کرنے والے بھی اور اس سے منہ موڑنے والے بھی۔ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کا علم ہے۔ ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

وَاذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ يَخْلُفُنِي فِي تَنْفِيذِ أَحْكَامِي فِيهَا وَهُوَ آدَمُ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا بِالْمَعَاصِي وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ۚ يُرِيقُهَا بِالْقَتْلِ كَمَا فَعَلَ بَنُو الْجَانِّ وَكَانُوا فِيهَا فَلَمَّا أَفْسَدُوا أَرْسَلَ اللّٰهُ إِلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَطَرَدُوهُمْ إِلَى الْجَزَائِرِ وَالْجِبَالِ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ مُتَلَبِّسِينَ بِحَمْدِكَ أَيْ نَقُولُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ نُنَزِّهُكَ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِكَ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ أَيْ فَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْاسْتِخْلَافِ قَالَ تَعَالٰى إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ مِنَ الْمَصْلَحَةِ فِي اسْتِخْلَافِ آدَمَ وَأَنَّ ذُرِّيَّتَهُ فِيهِمُ الْمُطِيعُ وَالْعَاصِي فَيَظْهَرُ الْعَدْلُ بَيْنَهُمْ فَقَالُوا لَنْ يَخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا أَعْلَمَ لِسَبْقِنَا لَهُ وَرُؤْيَتِنَا مَا لَمْ يَرَهُ فَخَلَقَ تَعَالٰى آدَمَ مِنْ أَدِيمِ الْأَرْضِ أَيْ وَجْهِهَا بِأَنْ قَبَضَ مِنْهَا قَبْضَةً مِنْ جَمِيعِ أَلْوَانِهَا وَعُجِنَتْ بِالْمِيَاهِ الْمُخْتَلِفَةِ وَسَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ فَصَارَ حَيَوَانًا حَسَّاسًا بَعْدَ أَنْ كَانَ جَمَادًا وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ أَيْ أَسْمَاءَ الْمُسَمَّيَاتِ كُلَّهَا حَتَّى الْقَصْعَةَ وَالْقُصَيْعَةَ وَالْفَسْوَةَ وَالْفُسَيَّةَ وَالْمِغْرَفَةَ بِأَنْ أَلْقَى فِي قَلْبِهِ عِلْمَهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ أَيِ الْمُسَمَّيَاتِ وَفِيهِ تَغْلِيبُ الْعُقَلَاءِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ لَهُمْ تَبْكِيتًا أَنْبِئُونِي أَخْبِرُونِي بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ الْمُسَمَّيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾ فِي أَنِّي لَا أَخْلُقُ أَعْلَمَ مِنْكُمْ أَوْ أَنَّكُمْ أَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ قَالُوا سُبْحَانَكَ تَنْزِيهًا لَكَ عَنِ الْاعْتِرَاضِ عَلَيْكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِيَّاهُ إِنَّكَ أَنْتَ تَأْكِيدٌ لِلْكَافِ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾ الَّذِي لَا يَخْرُجُ شَيْءٌ عَنْ عِلْمِهِ وَحِكْمَتِهِ قَالَ

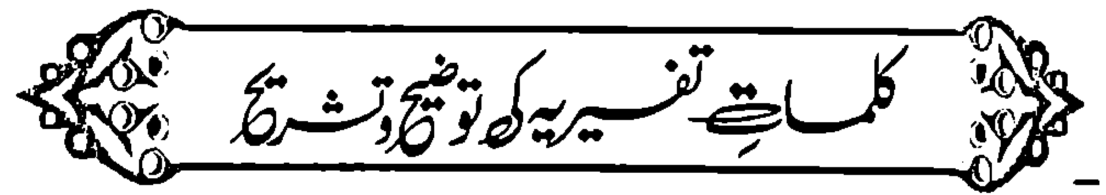
تَعَالٰى يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ اَيِ الْمَلٰٓئِكَةَ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ اَيِ الْمُسَمَّيَاتِ فَسَمّٰى كُلَّ شَيْءٍ بِاِسْمِهٖ وَذَكَرَ حِكْمَتَهُ الَّتِيْ خُلِقَ لَهَا فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ تَعَالٰى لَهُمْ مُوَبِّخًا اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ مَا غَابَ فِيْهِمَا وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ تُظْهِرُوْنَ مِنْ قَوْلِكُمْ اَتَجْعَلُ فِيْهَا الخ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ تُسِرُّوْنَ مِنْ قَوْلِكُمْ لَنْ يَخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ وَ اذْكُرْ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ هُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اَبٰى اِمْتَنَعَ مِنَ السُّجُوْدِ وَاسْتَكْبَرَ ڭ تَكَبَّرَ عَنْهُ وَقَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ تَاكِيْدٌ لِلضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ وَزَوْجُكَ حَوَّاءُ بِالْمَدِّ وَكَانَ خَلَقَهَا مِنْ ضِلْعِهِ الْاَيْسَرِ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا اَكْلًا رَغَدًا وَاسِعًا لَا حِجْرَ فِيْهِ حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ بِالْاَكْلِ مِنْهَا وَهِيَ الْحِنْطَةُ اَوِ الْكَرْمُ اَوْ غَيْرُهُمَا فَتَكُوْنَا فَتَصِيْرَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلْعَاصِيْنَ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا اِبْلِيْسُ اَذْهَبَهُمَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَاَزَالَهُمَا نَحَّاهُمَا عَنْهَا اَيِ الْجَنَّةِ بِاَنْ قَالَ لَهُمَا هَلْ اَدُلُّكُمَا عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَقَاسَمَهُمَا بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَهُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَاَكَلَا مِنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ مِنَ النَّعِيْمِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا اِلَى الْاَرْضِ اَيْ اَنْتُمَا بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا بَعْضُكُمْ بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ مَوْضِعُ قَرَارٍ وَّمَتَاعٌ مَا تَتَمَتَّعُوْنَ بِهٖ مِنْ نَبَاتِهَا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَقْتِ اِنْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ اَلْهَمَهُ اِيَّاهَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ اٰدَمَ وَرَفْعِ كَلِمَاتٍ اَيْ جَاءَتْهُ وَهِيَ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا الْاٰيَةَ فَدَعَا بِهَا فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ قَبِلَ تَوْبَتَهُ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ عَلٰى عِبَادِهِ الرَّحِيْمُ ۝ بِهِمْ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا مِنَ الْجَنَّةِ جَمِيْعًا ۚ كَرَّرَهُ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ فَاِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الْمَزِيْدَةِ يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى كِتَابٌ وَرَسُوْلٌ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَاٰمَنَ بِيْ وَعَمِلَ بِطَاعَتِيْ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ فِي الْاٰخِرَةِ بِاَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ كُتُبِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَاكِثُوْنَ اَبَدًا لَا يَفْنَوْنَ وَلَا يَخْرُجُوْنَ.

ع

ترجمہ: اور (اس وقت کو یاد کیجئے اے محمد ﷺ) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ

بنانے والا ہوں (جو میری نیابت کرے گا اس زمین پر میرے احکام کو جاری کرنے میں اور وہ آدم علیہ السلام ہیں) فرشتوں نے کہا: کیا آپ بنائیں گے اس زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد پھیلائیں گے (نافرمانیوں کے ذریعہ) اور خونریزیاں کرینگے (یعنی قتل و قتال کے ذریعہ خون ریزیاں کرینگے جیسا کہ قوم جنات نے کیا اور یہ جنات زمین پر پہلے سے تھے پھر جب ان لوگوں نے فساد مچایا تو اللہ نے ان کے پاس فرشتوں کو بھیجا اور ان فرشتوں نے ان کو جزیروں اور پہاڑوں کی طرف جلاوطن کر دیا) حالانکہ ہم برابر آپ کی حمد وثنا کی تسبیح پڑھتے ہیں (یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھتے ہیں) اور آپ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں (یعنی ہم ان چیزوں سے آپ کی تصدیق کرتے رہتے ہیں جو آپ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ لک میں لام زائدہ ہے اور جملہ حال ہے یعنی ہم خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، حق تعالیٰ نے فرمایا) بیشک میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے (یعنی اس مصلحت وحکمت کو تم نہیں جانتے ہو جو آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنانے میں ہے کہ ان کی اولاد میں وہ لوگ ہوں گے جو فرمانبردار ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو نافرمان ہوں گے پس ان میں عدل ظاہر ہوگا اور فرشتوں نے کہا ہرگز نہیں پیدا کرے گا ہمارا رب کوئی ایسی مخلوق جو ہم سے افضل ہو اور نہ ایسی مخلوق جو ہم سے اعلم ہو اس وجہ سے کہ ہم سابق ہیں اور اس وجہ سے کہ ہم نے دیکھا ہے جو کسی نے نہیں دیکھا، چنانچہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین کی مٹی سے پیدا کر دیا یعنی زمین کے ہر رنگ میں سے ایک مٹھی مٹی لی گئی اور مختلف پانیوں سے گوندھی گئی اور اس کا پتلا تیار کر کے اس میں روح پھونک دی چنانچہ ایک جاندار، حساس چیز تیار ہوگئی جو کہ بالکل بے جان تھی) اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب ناموں کا (یعنی سب چیزوں کا نام سکھلا دیا حتیٰ کہ پیالہ، پیالی، ربع، پھسکی اور چمچہ بایں طور کہ القاء کر دیا آدم علیہ السلام کے قلب میں ان چیزوں کا علم (پھر سامنے کر دیا ان کو) ان چیزوں کو) فرشتوں کے (وَفِيهِ تَغْلِيبُ الْعُقَلَاءِ. اس میں عقلاء کی تغلیب ہے کا مطلب یہ ہے کہ بجائے عرضها یا عرضهن کے ضمیر ہم جمع مذکر تغلیباً لائی گئی ہے) بتلاؤ مجھ کو ان تمام چیزوں کے نام اگر تم سچے ہو (اس خیال میں کہ میں تم سے زیادہ علم والا نہیں پیدا کروں گا یا تم ہی خلافت کے زیادہ مستحق ہو۔ جواب شرط محذوف ہے جس پر ماقبل کا أَنْبِئُونِي دال ہے عبارت ہوگی: ان کنتم صادقین فانبئونی) فرشتوں نے عرض کیا آپ تو پاک ہیں (یعنی اعتراض و نقص سے پاکی صرف آپ ہی کے لئے ہے) ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا آپ نے ہمیں سکھایا، بیشک آپ ہی (انت ضمیر کاف خطاب کی تاکید کے لئے ہے) علم والے اور حکمت والے ہیں (کہ جس کے علم وحکمت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے) فرمایا (حق تعالیٰ نے) اے آدم بتادے ان فرشتوں کو ان (چیزوں) کے نام (چنانچہ آدم نے ہر چیز کا نام بتایا اور بیان کر دیا اس حکمت و خواص کو جس کے لئے وہ چیزیں پیدا کی گئیں) پھر جب بتلا دیا ان کو آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام تو حق تعالیٰ نے فرمایا (بطور توبیخ) کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی ہوئی چیزیں (جو ان دونوں آسمان وزمین میں پوشیدہ ہیں) اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو (یعنی جانتا ہوں جو تم اپنی بات میں سے ظاہر کرتے ہو اتجعل فیہا الخ) اور جو تم چھپاتے ہو (یعنی جو تم اپنی بات میں سے چھپاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے افضل و اعلم مخلوق پیدا نہیں کرے گا) اور (یاد کیجئے) جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ آدم کو سجدہ کرو (سجدۂ تعظیمی جھک کر) تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے

(ابلیس ابوالجن تھا جو فرشتوں کے درمیان رہا کرتا تھا) کہ اس نے انکار کیا (سجدہ سے رک گیا) اور غرور کیا (تکبر کیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں) اور کافروں میں سے ہو گیا (علم الٰہی میں) اور ہم نے کہا اے آدم رہا کرو تم (انت ضمیر بارز ضمیر مستتر اسکن کی تاکید کے لئے ہے تاکہ اس پر عطف درست ہو سکے) اور تمہاری بیوی (مراد حضرت حوا ہیں حوا کا لفظ تلفظ مد کے ساتھ ہے، حق تعالیٰ نے حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا تھا) اور کھاؤ اس جنت سے بافراغت (جو چاہو بلا روک ٹوک) جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے (یعنی کھانے کی نیت سے، اور وہ درخت گیہوں یا انگور یا ان دونوں کے علاوہ انجیر وغیرہ ہو واللہ اعلم) پھر ہو جاؤ گے حد سے بڑھنے والوں میں (نافرمان) پس لغزش دے دی ان دونوں (آدم و حوا) کو شیطان نے (یعنی ابلیس نے ان دونوں کو ہٹا دیا، اور ایک قراءت میں فَاَزَالَهُمَا ہے جس کے معنی نَحَّاهُمَا یعنی ان دونوں کو دور کر دیا) اس جنت سے (بایں طور کہ ابلیس نے ان دونوں سے کہا: هَلْ اَدُلُّكُمَا الخ کیا تم لوگوں کو شجر خلد بتا دوں؟ یعنی وہ درخت جس کے کھانے سے ہمیشہ کے لئے خدا کے مقرب ہو جاؤ گے اور اللہ کی قسم کھا کر ان دونوں سے کہا میں تمہارا خیر خواہ ہوں چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا) سو نکال دیا ان دونوں کو اس عیش سے جس میں وہ تھے (یعنی نعمتوں سے) اور ہم نے کہا تم سب نیچے اترو (زمین کی طرف یعنی تم دونوں مع اپنی اولاد کے جو نسلاً تم دونوں پر مشتمل ہے) تمہارے بعض (بعض اولاد) بعض کے دشمن ہوں گے (یعنی اس زمین کی پیداوار سے جو فائدہ اٹھاؤ گے وہ بھی اپنی مدت عمر کے ختم ہونے تک) پھر حاصل کر لیا آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے چند کلمات کے رفع کے ساتھ ہے یعنی وہ کلمات آدم علیہ السلام کو حاصل ہوئے اور وہ کلمات: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ہیں جن کے ذریعہ آدم علیہ السلام نے دعا مانگی تو اللہ نے ان پر توجہ فرمائی (اللہ نے ان کی توبہ قبول کی) بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا (اپنے بندوں پر) ہم نے کہا: اتر جاؤ تم سب اس جنت سے (اس جملہ کو مکرر لائے تاکہ اس کا عطف ہو سکے) پھر اگر (اس لفظ اما میں ان شرطیہ کے نون کا ادغام ہے ما زائدہ میں) تمہارے پاس پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت (کتاب اور رسول) سو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا (کہ مجھ پر ایمان لایا اور میری فرمانبرداری کا عمل کیا) تو نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (یعنی آخرت میں بایں طور کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے) اور جو لوگ کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے ہماری آیتوں (کتابوں) کو وہی لوگ ہیں دوزخ والے اور وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے (ہمیشہ ٹھہریں گے کہ نہ فنا ہوں گے اور نہ ہی نکل سکیں گے)۔



قوله: وَاذْكُرْ يَا: یہ اِذْ کا مقدر عامل ہے نہ کہ قال اس لیے کہ اصل تقدیم عامل ہے۔

قوله: يَا مُحَمَّدُ: رَبُّكَ میں ضمیر کو مفرد لانے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا کہ مرجع بھی مفرد ہے نہ تمام مکلفین۔

قوله: يَخْلُفُنِي: اس سے اشارہ کیا کہ وہ سابقہ مکان ارضی کے نائب نہیں ہوں گے۔ اس طرح تو آدم کو کوئی عظمت وشرافت نہ

رہی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوں گے اور یہ بھی اشارہ کر دیا کہ ھا مبالغہ کے لیے ہے تانیث کی نہیں ورنہ ضمیر مذکر کی طرف نہ لوٹائی جاتی۔

قوله: وَهُوَ اٰدَمُ: اس سے اشارہ کیا کہ مراد یہاں فقط آدم علیہ السلام اس لئے ہیں کہ روایت میں آیا ہے اور خلیفہ کے لفظ کا مفرد ہونا بھی اس کا موید ہے اور اس لیے بھی تمام واقعہ کا تعلق حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔

قوله: بِالْمَعَاصِیْ: اس سے اشارہ کیا کہ فساد کا مجازی معنی مراد ہے۔ یعنی فساد تک پہنچانے والی باتیں۔

قوله: كَمَا فَعَلَ بَنُو الْجَانِّ: اس سے اشارہ کیا کہ ملائکہ نے یہ ثقلین میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جنات جو کہ پہلے زمین پر بھی رہے اور معصوم نہ ہونے میں بھی انسان ان کے ساتھ شریک ہے۔ ان پر قیاس کیا۔

قوله: بِحَمْدِكَ: یہ حال ہے اور با الصاق کے لیے ہے، سببیہ نہیں ہے۔ ای مُتَلَبِّسِیْنَ بِحَمْدِكَ۔

قوله: وَنُقَدِّسُ لَكَ: اس سے مراد اعتقادیات کے اعتبار سے تطہیر ہے اور تسبیح میں طاعات کے اعتبار سے تطہیر مراد ہوتی ہے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ: یہ واؤ عطف کا نہیں بلکہ حالیہ ہے اور نَحْنُ نُسَبِّحُ سے اشارہ کر دیا کہ مضارع کا صیغہ تو استقرار کے لیے ہے اور مسند الیہ کو مسند فعلی پر اختصاص کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ پس اعتراض نہ رہا۔

قوله: وَاٰنَّ ذُرِّيَّتَهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ فساد وسفک دماء کی نسبت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی طرف بطور تسبیب کے ہے۔

قوله: اَیْ نَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ: اس سے اشارہ فرمایا کہ تسبیح کلمات تسبیح کا زبان سے بولنا ہے اور تقدیس سے مراد ان باتوں سے جو اس کی ذات کے لائق نہیں، اس کی ذات کے پاک ہونے کا اعتقاد رکھنا ہے۔ پس تکرار نہیں۔

قوله: نُنَزِّهُكَ: تقدیس اپنے لغوی معنی تعبید میں نہیں بلکہ اعتقاد قدسیت کے معنی میں ہے۔

قوله: فَاللَّامُ زَائِدَةٌ: اس میں ان لوگوں کی تردید فرمائی جو لَكَ کی لام کو اجلیہ مانتے ہیں جس میں حذف مفعول کی ضرورت پڑتی ہے۔ تقدیس تو متعدی بنفسہٖ ہے۔

قوله: وَنَحْنُ: استخلاف آدم علیہ السلام میں اشکال کی جہت کو متعین کرنے کے لیے لائے۔

قوله: مِنَ الْمَصْلِحَةِ: اس سے اشارہ کر دیا کہ مفعول معلوم ہونے کی بناء پر محذوف ہے۔ پس موصول کے لیے عائد کے نہ ہونے کا اشکال نہ رہا۔

قوله: مِنْ اَدِيْمِ: اس میں آدم نام رکھنے کی وجہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

قوله: اَیْ اَسْمَاءَ الْمُسَمَّيَاتِ: اس سے اشارہ کر دیا کہ مضاف الیہ محذوف ہے، اس لیے کہ مضاف اس پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اسم کا مسمّٰی ضروری ہے، اور اس کے عوض لام لایا گیا اور مضاف الیہ کو مقدر مانا گیا تا کہ وہ ضمیر کا مرجع بنے۔

قوله: ثُمَّ عَرَضَهُمْ : کیونکہ عرض تو اسماء معروضات کے پوچھنے کے لیے ہے۔ پس معروض نفس اسماء نہ ہوئے کیونکہ آیت: أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ ، اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ عرض تو اسماء معروضات کے متعلق پوچھنے کے لیے ہے بذات خود وہ معروضات نہیں۔ پس اسماء کو مسمّٰی کہنے والوں کا زعم درست نہ ہوا۔

قوله: فِيْ قَلْبِهٖ عِلْمَهَا : اس میں اشارہ کردیا کہ یہ تعلیم کسی سابقہ اصطلاح کی محتاج نہیں ورنہ تو تسلسل لازم آئے گا۔

قوله: مِنْ جَمِيْعِ الْوَانِهَا : اس سے اشارہ کیا کہ آدم علیہ السلام کو جب اجزائے ارضیہ مختلفہ سے پیدا کیا بخلاف فرشتوں کے اس لیے وہ مدرکات کی انواع خواہ وہ معقولات سے تھیں یا محسوسات، موہومات اور قوانین صناعات ان تمام کے ادراک کے لیے مستعد تھے اور فرشتے اس کے لیے مستعد نہ تھے۔

قوله: الْمُسَمَّيَاتِ : ضمیر اسماء کی طرف راجع ہے اور کلام تقدیر مضاف سے ہے جیسا کہ ضمیر کا اعادہ اس پر دلالت کررہا ہے۔ ضمیر مسمیات محذوفہ کی طرف آیت: وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ میں نہیں لوٹائی تا کہ کہیں ضمنی طور پر ماء مدلول تک پہنچنے سے پہلے موزے کے اتارنے والی بات صادق نہ آئے۔

قوله: تَبْكِيْتًا : یعنی یہ تکلیف نہیں تا کہ اس کو تکلیف مالا یطاق کے باب سے قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عجز کو جانتے ہوئے ان کو لاجواب کرنے کے لیے اس بات کا حکم دیا۔

قوله: اَخْبِرُوْنِيْ : اس میں اشارہ کیا۔ انباء یہاں فقط اخبار کے معنی میں ہے نہ کہ کچھ اور۔

قوله: فِيْ اَنِّيْ لَا اَخْلُقُ : اس سے اس سوال کا جواب دیا کہ جب ان کو خبر نہیں دی گئی تو اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ کیسے کہہ دیا۔ کہ اگرچہ انہیں صراحت سے خبر نہیں دی گئی مگر ان کی بات نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ اور اَتَجْعَلُ فِيْهَا ۔ یہ مسبب کے لیے سبب کو لازم کرنے والی ہے اور یہی سبب ان کے سوال و استفسار کا ہے جو کہ معصیت نہیں کیونکہ یہ ان کے دلوں میں آنے والا ایک خلجان تھا جس کے متعلق راحت حاصل کرنے کے لیے انہوں نے سوال کیا اور یہ اختیاری بھی نہیں اور تصدیق کلام میں کبھی تو منطوق کے لحاظ سے آتی ہے اور کبھی لازم کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ سائل جب پوچھنا چاہتا ہے تو کہتا ہے: ازید فی الدار یا کہتا ہے مجھے کوئی چیز دو۔ گویا سوال اول سے وہ زید کے گھر میں ہونے سے ناواقفیت ظاہر کرتا ہے۔ اور دوسرے سوال سے اپنی ضرورت ظاہر کرتا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس کو صادق یا کاذب کہہ سکتے ہیں۔

قوله: دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهٗ : یعنی اخبرونی مراد ہے اس کا ماقبل مراد نہیں۔ پس اعتراض نہ رہا۔

قوله: تَنْزِيْهًا : اس سے اشارہ کیا کہ یہاں سبحان، تنزیہ کے معنی میں ہے۔ سبحان کہنے کے معنی میں نہیں۔ جیسا کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ میں ہے کیونکہ اس سے مزید کے مصدر والی تسبیح مراد ہے اور سبحان مجرد کا مصدر ہے جو علم کے طور پر تسبیح کے لیے آتا ہے۔ کذا قال القاضی۔

قوله: عَنِ الْاِعْتِرَاضِ عَلَيْكَ : اس میں اس بات سے مطلع کیا کہ فرشتوں کا یہ سوال بطور استفسار تھا نہ کہ بطور اعتراض، اس لیے کہ ان کی حالت کے زیادہ مناسب یہ تھا کہ وہ سوال ترک کر کے حقیقت حال کے ظاہر ہونے کا انتظار کرتے، اس وجہ

سے انہوں نے معذرت کی۔

قوله: اِيَاهُ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر محذوف کا مرجع ما ہے۔

قوله: تَاكِيْدٌ: اس لیے کہ تابع میں وہ چیز جائز ہے جو متبوع میں جائز نہیں۔ پس یہاں تابع کا ضمیر مرفوع ہونا درست ہے اگرچہ متبوع میں یہ درست نہیں۔ دیکھو کہ منادیٰ کا تابع معرف باللام ہوسکتا ہے۔ اگرچہ یہ منادیٰ میں جائز نہیں۔ جیسا کہ اس مثال میں: یاھذا الرجل۔

قوله: تَحِيَّةٌ: سجدہ لغوی معنی میں ہے۔ سابقہ امتیں یہ سلام اس طرح کرتی تھیں۔ شرعی معنی والا سجدہ مراد نہیں کہ شرک کا اعتراض ہو۔

قوله: بِالْاِنْحِنَاءِ: یعنی فقط جھک کر نہ کہ پیشانی ٹیک کر۔ معالم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

قوله: لَا يَخْرُجُ: مفعول کا حذف عموم پیدا کرنے کے لیے ہے اور فعیل کا صیغہ مبالغہ کے لیے ہے اور حکیم یہ ذوالحکمہ کے معنی میں ہے جو کسی فعل کی پختگی کو ظاہر کرتا ہے۔ علم کے معنی میں نہیں ہے کہ تکرار کا سوال ہو۔

قوله: مُؤَبِّخًا: یہ استفہام توبیخی ہے نہ کہ تعلیمی۔

قوله: مَاغَابَ فِيْهِمَا: آسمان وزمین کی طرف اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے بلکہ ملائکہ سے غائب مراد ہے۔ فتدبر۔

قوله: تُظْهِرُوْنَ: یہ خاص تفسیر مفسر نے حسن وقتادہ کی اتباع سے کی ہے ورنہ نظم تو عموم کی متقاضی ہے۔ فتامل۔

قوله: اَبُوالْجِنِّ: یہ کہہ کر ابلیس کو ملائکہ میں سے ماننے والوں کی تردید کی۔

قوله: كَانَ بَيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ: وہ لاکھوں فرشتوں میں ملا جلا رہتا تھا۔ ملائکہ کا لفظ سب پر تغلیب کے لحاظ سے لایا گیا حکم میں یہ بھی شامل تھا۔ پس استثناء میں بھی اشکال نہ ہوا۔

قوله: اِمْتَنَعَ مِنَ السُّجُوْدِ: مطلب یہ ہے کہ: اَبٰى کا تعلق سابقہ قرینہ سے محذوف ہے۔

قوله: تَكَبَّرَ عَنْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ باب استفعال طلب مع التکلف کے لیے آتا ہے جیسا باب تفعیل تکلف کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ شیطان نے باطل طریقے سے اپنے نفس کے متعلق وہ چیز ظاہر کی جو اس کے اندر نہیں تھی۔

قوله: فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اصل بات یہ ہے کہ اگرچہ وہ اس وقت مؤمن تھا مگر علم الٰہی میں تھا کہ وہ ایمان کے بعد ترک واجب کی وجہ سے کفر کرے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ علم الٰہی میں ابد سے ہی کافر تھا۔

قوله: لِيُعْطَفَ: امر حاضر کا صیغہ معطوف کے ساتھ نہ ہونا چاہیے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں وہ تابع کی حیثیت سے آیا ہے اور تابع کو ایسی چیزوں کی محتاجی ہو جاتی ہے جو متبوع کو نہیں ہوتی۔

قوله: اُكُلًا: یہ صفت کی وجہ سے منصوب ہے۔ نہ کہ كُلَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے۔ فتدبر

قوله: لَا حِجْرَ فِيْهِ: اس میں آدم علیہ السلام کے درخت کھانے کے عذر کو زائل کیا گیا ہے۔

قوله: بِالْاَكْلِ مِنْهَا: اس میں مبالغہ ہے کیونکہ اندازِ خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے سے ممانعت مقصود تھی مگر قرب کی

...صرف اس کا رخ مبالغہ کے لیے کر دیا۔

قولہ: ظالمین: یہاں ظلم سے مراد اپنے نفس پر ظلم ہے اور یہ بھی اشارہ ملا کہ نہی کی اصل تنزیہ کے لیے نہیں جیسا بعض نے کہا ... دونوں چیزیں خلاف اصل ہیں اور ظلم سے مراد اپنے حصے کا توڑنا ہے۔

قولہ: ابلیس: اس سے اشارہ کیا کہ الف لام عہد خارجی کا ہے نہ کہ اور۔

قولہ: ذھبھما: اس سے ان لوگوں کی تردید فرمائی جو اس کا معنی اصدر زلتھما عن الشجرۃ کرتے ہیں اس صورت میں معنی صدور والے فعل کی تضمین کی ضرورت پڑے گی۔ اخراج سے مراد نعمتوں سے اخراج ہے جو اخراج جنت کے علاوہ ہے البتہ ... ضروری ہے۔ پس تکرار نہیں۔

قولہ: وقت انقضاء: اس سے اشارہ کیا کہ جنہوں نے حِيْنٍ ﴿٣٦﴾ سے قیامت مراد لی وہ درست نہیں، اس کے لیے فی ...

قولہ: فتلقی: اس کا معنی لینے، قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کا ہے۔ نہ کہ ملاقات کے لیے پیش کرنا۔

قولہ: ...: یہ حاصل معنی کو بیان کیا ہے، تفسیر نہیں۔

قولہ: ...: استقبال یہ علاقہ سببیت کے ذریعہ آنے سے مجاز ہوگا۔

قولہ: قبل توبتہ: توبہ کی اصل رجوع ہے۔ جب بندے کو اس سے موصوف کریں تو مراد معصیت سے رجوع ہوتا ہے اور جب یہ باری تعالیٰ کا وصف ہو تو سزا سے مغفرت کی طرف رجوع مراد ہوتا ہے۔

قولہ: لیعطف: اس سے ظاہر کیا کہ ان کو تکلیف کے لیے اتارا گیا۔

قولہ: کررہ: اس سے یہ بتلایا کہ فصل کمال اتصال کی بنا پر ہے۔ پس یہ کہنا درست نہیں کہ یہ موقع عطف ہے۔

قولہ: فیہ ادغام: فمن تبع میں قالانے کی وجہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

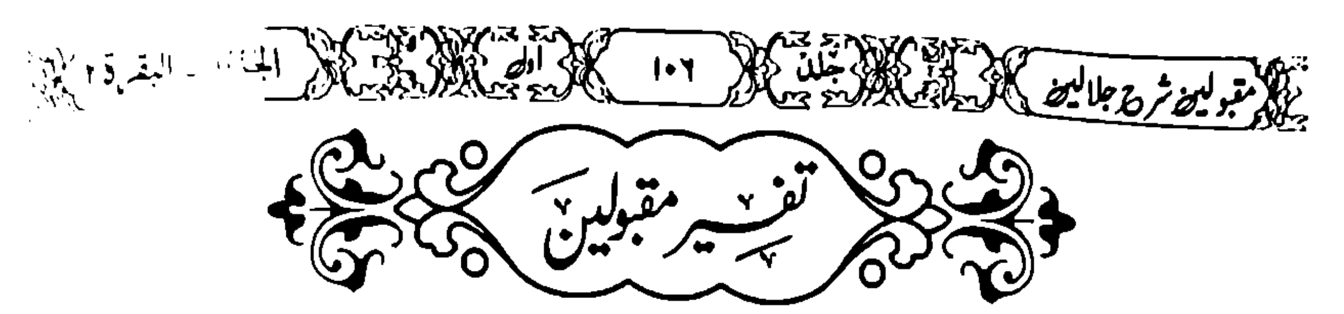
قولہ: فامن بی: اس سے اشارہ کر دیا کہ ھُدًی جو دوسری بار آیا ہے وہ ہدایت اس حیثیت سے ہے کہ اس کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس حیثیت سے نہیں کہ وہ ہدایت کی موافقت کرنے والا ہے کیونکہ نفع ہدایت کا مدار اضافت پر ہے۔

قولہ: فی الاخرۃ: دنیا کے خوف و حزن سے کوئی مؤمن بچا ہوا نہیں، جیسا آیات و احادیث سے ثابت ہے۔

قولہ: کتبنا: اس سے منزلہ کتب مراد ہیں۔ مصنوعہ نہیں اس لیے کہ یہ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ کا قسیم ہے۔

قولہ: ماکثون: اس سے ہمیشگی مراد ہے نہ کہ مکث طویل۔ عام کا ذکر کر کے خاص مراد لیا گیا ہے۔ فتدبر

ربط: گزشتہ رکوع کے آخر میں هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ تھا۔ اب اس پر دلیل ذکر فرمائی: سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٢﴾ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے احسان خلق ایجاد کا گزشتہ آیات میں ذکر فرمایا اور فرمایا: تم کو ہم نے عدم سے نکال کر نو وجود دیا تو اب ان سے اپنی تخلیق کی ابتداء کو ذکر فرمایا اور ان کے باپ کی تعریف و تکریم کا ذکر فرمایا۔ باپ پر احسان اولاد صالح پر احسان ہوتا ہے۔



وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان اور فرشتوں کی معروض:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (اور یاد کیجئے اے محمد ﷺ اس وقت کا تذکرہ جبکہ تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہا)۔
انسان کی تخلیق سے پہلے اس زمین میں جنات رہتے تھے۔ وہ آگ سے پیدا کیے گئے تھے ان کے مزاج میں شر ہے، زمین میں بہت فساد کرتے رہے اور خون بہاتے رہے۔ اللہ جل شانہٗ نے زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔ فرشتوں نے جنات کا حال دیکھ رکھا تھا، انہوں نے سمجھا کہ زمین کا مزاج ایسا ہی ہے کہ جو اس میں رہے گا فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ گویا فرشتوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں ہوں گی۔ (جن کا وجود خلافت کے لیے ضروری ہے) یعنی قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ، جو فساد اور خون خرابے پر آمادہ کرنے والی ہیں اور قوت عقلیہ جو معرفت باللہ اور طاعت اور فرمانبرداری پر آمادہ کرنے والی ہے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ پہلی دو قوتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا خلیفہ پیدا نہ کیا جائے جس میں یہ دونوں موجود ہوں اور قوت عقلیہ کے جو تقاضے ہیں یعنی فرمانبرداری اور اطاعت اور تسبیح و تقدیس و تحمید ہم اس میں لگے ہوئے ہیں، انہوں نے اس سے پہلے ایسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی تھی جس میں متضاد قوتیں جمع ہوں اور ان کے مجموعہ سے ایسی طبیعت پیدا ہو جائے جس سے خیر کا مظاہرہ ہو۔ عفت بھی ہو، شجاعت بھی ہو۔ عدل و انصاف بھی ہو۔ اہل شر کی سرکوبی پر قدرت بھی ہو اور پہلی دو قوتیں مہذب ہو کر قوت عقلیہ کے تابع ہو جائیں۔ لہٰذا وہ سوال کر بیٹھے، انہوں نے پہلی دو قوتوں کے بارے میں الگ الگ غور کیا، اور یہ نہ غور کیا کہ قوت عقلیہ کے ساتھ ان دونوں کے ملنے سے کیا کچھ کمال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ فرشتوں نے لفظ خلیفہ سے یہ بات نکال لی کہ اس دنیا میں فسادی لوگ ہوں گے کیونکہ خلیفہ کی ضرورت ہی اس لیے ہے کہ اصلاح کی جائے اور اصلاح جبھی ہوگی جب فساد ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے بطور تعجب یہ عرض کیا کہ کیا آپ اپنی زمین میں ایسا خلیفہ بنائیں گے جو نافرمانی کرے گا، لفظ خلیفہ سے جہاں یہ بات نکلتی ہے کہ زمین میں فساد کرنے والے ہوں گے وہاں یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اصلاح کرنے والے بھی ہوں گے لیکن انہوں نے معصیت کا حکم سب پر لگا دیا۔ جو صحیح نہیں تھا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا تھا کہ زمین میں ایسی مخلوق ہوگی جو فساد کرے گی اور خون بہائے گی، اس لیے انہوں نے وہ بات کہی جو (اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ) میں ذکر فرمائی۔ فرشتوں نے جو کچھ کہا وہ بطور اعتراض نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے اور فرشتے کفر سے اور ہر طرح کی معصیت سے بری اور معصوم ہیں۔ کما قال تعالی: (لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ) (سورۃ الانبیاء) اور فرمایا: (لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ) (سورۃ تحریم) راجع فی ذلک کلہ القرطبی والبیضاوی۔

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر عیب اور ہر نقص سے آپ کی تنزیہ کرتے ہیں اور تسبیح حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یعنی تسبیح کے ساتھ آپ کی حمد بھی کرتے ہیں۔ اور ہر کمال سے آپ کو متصف جانتے ہیں اور اس کو بیان کرتے ہیں، نُسَبِّحُ کے ساتھ (وَ نُقَدِّسُ لَکَ) بھی مذکور ہے۔ یہ لفظ تقدیس سے مشتق ہے۔ تسبیح اور تقدیس کا معنی تقریباً ایک ہی ہے۔ اور تفسیر قرطبی میں حضرت مجاہد تابعی سے نُقَدِّسُ کا معنی یوں نقل کیا ہے: ای نعظمك و نمجدك و نطهر ذكرك عما لا يليق بك مما نسبك اليه الملحدون "یعنی ہم تیری عظمت اور بزرگی بیان کرتے ہیں اور تیرے ذکر کو ہر اس چیز سے پاک کرتے ہیں جس کی نسبت ملحدوں نے تیری طرف کی ہے۔" (نُقَدِّسُ لَکَ) کا ایک معنی مفسر بیضاوی نے یوں لکھا ہے۔ نطهر نفوسنا عن الذنوب لاجلك (یعنی ہم اپنی جانوں کو آپ کی رضا کے لیے پاک وصاف رکھتے ہیں گناہوں میں ملوث نہیں ہیں)۔

قَالَ اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (خدا نے فرمایا میں وہ مصلحتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے یہ جانتے تھے کہ بعض انسان نیک اور فرمانبردار ہونگے اور بعض نافرمان وکفار اس لیے انہیں یہ اعتقاد ہوگیا کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں کیونکہ وہ سب کے سب معصوم ہیں خدا کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم کردیئے گئے اس کے موافق کرتے ہیں اور اسی بناء پر یہ بھی سمجھ گئے کہ ہمیں خلیفہ بنانا اولیٰ اور بشر کو خلافت کا عطا فرمانا فساد کا سبب ہوگا۔ چنانچہ جو فسادی تھے ان سے فساد ہی واقع ہوا اور ہو رہا ہے مگر انہوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کے دلوں میں اپنی حقیقی محبت امانت رکھیں گے کہ اس کے سبب انہیں معیت ذاتیہ اور محبوبیت خالصہ نصیب ہوگی۔

خلیفہ کا معنی ومفہوم اور اس کا تقاضا؟:

خلیفہ وہ ہے جو زمین پر اللہ کے احکام کی تنفیذ کرے، اور ان کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے وہ زمین کی تعمیر واصلاح کا کام کرے، پس خلیفہ کے اسی ایک لفظ سے آدم اور اولاد آدم کا تمام نظام حیات اور دائرۂ کار واضح ہوگیا کیونکہ خلیفہ اور نائب وہ ہوتا ہے جو کہ اپنے اصل اور منوب عنہ کا نمائندہ اور اس کا نائب ہوتا ہے، اس کا کام اس کے احکام کو نافذ کرنا ہوتا ہے، اور اسی کے مقرر کردہ دائرۂ کار کے اندر رہ کر کام کرنا اس کی اصل ذمہ داری ہوتی ہے، پس نہ وہ آزاد وخود مختار ہوتا ہے، کہ جو چاہے کرے اور خود اپنی مرضی وخواہش سے قانون سازی کرے، اور نہ ہی وہ اپنے منوب عنہ کے مقرر کردہ قوانین کی خلاف ورزی کرسکتا ہے، ورنہ اسے نہ صرف یہ کہ منصب خلافت ونیابت سے معزول کردیا جائے گا، بلکہ وہ مستوجب عقوبت قرار پائے گا، پس مغرب کی وہ مادہ پرستانہ اور مادر و پدر آزاد جمہوریت جس میں انسانوں کی گنتی اور عددی اکثریت کی بناء پر اخلاقی حدود تک کو پھلانگ کر قانون سازی کی کھلی اجازت ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، آخر اس کا اسلامی قانون اور اسلامی دستور اور نظام خلافت سے کوئی لگاؤ اور جوڑ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے؟ جہاں کہ انسان کیلئے وہ خاص حدود وقیود ہیں جو کہ عقل سلیم اور فطرت مستقیم کے مطابق ہیں، اور ان سے خروج کی کسی کیلئے کوئی اجازت نہیں ہوگی۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے خلافت آدم کا اعلان فرمایا۔ جس سے ان کا مرتبہ ومقام بھی واضح ہوگیا اور ان کی سعی وعمل کی حدود بھی متعین ہوگئیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام بتا کر فرشتوں سے سوال فرمانا:

جس نئی مخلوق کے پیدا فرمانے اور زمین میں خلیفہ بنانے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اوّل تو پتلا بنایا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی اور جب یہ جاندار چیز بن گئی اور جاننے اور پہچاننے کے قابل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ساری چیزوں کے نام بتا دیے پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش فرمایا، جن کے نام حضرت آدم علیہ السلام کو بتا دیے تھے اور فرمایا تم مجھے ان کے نام بتا دو اگر تم سچے ہو۔

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں: فی زعمکم انکم احق بالخلافة لعصمتکم وان خلقهم واستخلافهم وهذه صفتهم لا یلیق بالحکیم وهو وان لم یصرحوا به لکنه لازم مقالهم، مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے خیال میں اور اس بات میں سچے ہو کہ خلافت کے زیادہ حقدار تم ہو کیونکہ تم معصوم ہو، اور یہ کہ ایسی مخلوق کا پیدا کرنا اور خلیفہ بنانا جس کی صفت فساد فی الارض اور سفک دماء ہو شان حکیم کے لائق نہیں ہے، تو تم ان چیزوں کے نام بتا دو، یہ بات کہ ہم بہ نسبت نئی مخلوق کے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں صاف طور سے انہوں نے نہیں کہی تھی لیکن ان کے قول سے یہ بات بطور لزوم کے نکلتی ہے۔

لفظ اٰدم کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عجمی لفظ ہے۔ جیسے آزر اور شالخ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عربی لفظ ہے جو اُدمۃ سے مشتق ہے۔ عربی میں یہ مادہ گندم گونی رنگ کے معنی دیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام بتا دیے تھے حتیٰ کہ چھوٹے بڑے پیالے کا نام بھی بتا دیا تھا۔ جب فرشتوں کے سامنے پیش فرما کر ان کے نام پوچھے تو وہ عاجز رہ گئے (اور سوال ہی ان کا عجز ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا تھا) اور اس طرح سے اللہ جل شانہٗ نے نئی مخلوق کی فضیلت ثابت فرما دی اور بتا دیا کہ اس نئی مخلوق میں صفت علم ایک ایسی بڑی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے زمین میں خلافت قائم کی جا سکتی ہے اور باقی رکھی جا سکتی ہے۔ بغیر علم کے خلافت نہیں چل سکتی بلکہ کوئی بھی کام علم کے بغیر صحیح طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ صحیح عمل کے لیے صحیح علم کی ضرورت ہے۔ اور صفت علم میں یہ نئی مخلوق تم سے بڑھ کر ہے۔

(انوار البیان)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

فرشتوں کا عجز اور اقرار:

جب فرشتوں نے دیکھ لیا کہ اس نئی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نواز دیا اور جو علوم اس کو دیے ہیں وہ ہم میں نہیں ہیں تو انہوں نے اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ ہم ان چیزوں کے نام نہیں بتا سکتے۔ ہمیں جو کچھ علم ہے وہ اسی قدر ہے جو آپ نے عطا فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی کہ آپ نے جو اس مخلوق کو خلیفہ

بنانے کا ارادہ فرمایا ہے بالکل صحیح ہے۔ آپ ہر عیب اور نقص سے پاک ہیں آپ نے جو کچھ ارادہ فرمایا، اس کے متعلق کسی قسم کا کوئی سوال اٹھانا درست نہیں اور آپ علیم ہیں سبھی کچھ جانتے ہیں اور حکیم بھی ہیں آپ کا کوئی ارادہ اور فعل حکمت سے خالی نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ کہو ہم نہ کہتے تھے کہ ہم جملہ مخفی امور آسمان وزمین کے جاننے والے ہیں اور تمہارے دل میں جو باتیں مکنون ہیں وہ بھی سب ہم کو معلوم ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ

ربط: پچھلے واقعہ میں جب آدم کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی اور دلائل سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ صلاحیت خلافت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ آدم علیہ السلام میں سب مجتمع ہیں اور ملائکہ کو ان میں سے بعض علوم حاصل ہیں اور جنوں کو تو بہت ہی کم حصہ ان علوم کا حاصل ہے جیسا کہ اوپر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور اس حیثیت خاص سے کہ ملائکہ وجن ہر دو گروہ کے علوم کے یہ جامع ہیں ان کا شرف ہر دو گروہ پر ظاہر فرما دیا جاوے اور ملائکہ اور جنوں سے ان کو کوئی خاص تعظیم کرائی جاوے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ دونوں سے کامل اور مصداق۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کے ہیں اور آدم علیہ السلام ان علوم خاصہ میں ملائکہ اور جن ہر دو گروہ سے کامل اور دونوں کے علوم وقویٰ کو جامع ہیں جیسا کہ مفصل طور پر مذکور ہوا اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان غیر کاملوں سے اس کامل کی کوئی ایسی تعظیم کرائی جاوے کہ عملاً بھی یہ امر ظاہر ہو جاوے کہ یہ ان دونوں سے کامل اور جامع ہیں جب تو یہ دونوں ان کی تعظیم کر رہے ہیں اور گویا بزبان حال کہہ رہے ہیں کہ جو اوصاف ہم میں الگ الگ ہیں وہ ان کے اندر یکجا ہیں اس لئے جو عمل تعظیمی تجویز فرمایا گیا ہے اس کی حکایت ذکر فرماتے ہیں کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور غرور میں آ گیا،

کیا سجدہ کا حکم جنات کو بھی تھا:

اس آیت میں جو بات صراحۃً مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا تو اس سے فرشتے اور جنات سب داخل ہیں مگر حکم میں صرف فرشتوں کے ذکر پر اس لئے اکتفا کیا گیا کہ وہ سب سے افضل اور اشرف تھے جب آدم علیہ السلام کی تعظیم کا حکم ان کو دیا گیا تو جنات کا بدرجہ اولیٰ اس حکم میں شامل ہونا معلوم ہو گیا،

سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا اسلام میں ممنوع ہے:

- اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مذکور ہے

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (۱۲: ۱۰۰) یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک وکفر ہے جس کا احتمال ہی نہیں کہ کسی وقت کسی شریعت میں جائز ہو سکے اس کے سوا کوئی احتمال نہیں کہ قدیم انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں

سجدے کا بھی وہی درجہ ہوگا جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، معانقہ اور دست بوسی یا تعظیم کے لئے کھڑے ہوجانے کا ہے۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں یہی فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لئے سجدہ مباح تھا شریعت محمدیہ میں منسوخ ہوگیا اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام مصافحہ کی اجازت دی گئی، رکوع، سجدہ اور ہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دے دیا گیا،

توضیح اس کی یہ ہے کہ اصل کفر و شرک اور غیر اللہ کی عبادت تو اصول ایمان کے خلاف ہے وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہوسکتے لیکن کچھ افعال و اعمال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں شرک و کفر نہیں مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت سے وہ افعال ذریعہ شرک و کفر کا بن سکتے ہیں ایسے افعال کو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں مطلقاً منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کو ذریعہ شرک بنانے سے روکا گیا جیسے جانداروں کی تصویر بنانا اور استعمال کرنا اپنی ذات میں کفر و شرک نہیں اس لئے پچھلی شریعتوں میں جائز تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے،

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ (۱۳:۳۴) یعنی جنات ان کے لئے بڑی محرابیں اور تصویریں بنایا کرتے تھے۔

اسی طرح سجدہ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں اور اسی راہ سے انبیاء علیہم السلام کے دین و شریعت میں تحریف ہوگئی۔

اور پھر دوسرے انبیاء علیہم السلام اور دوسری شریعتوں نے آ کر اس کو مٹایا شریعت محمدیہ چونکہ دائمی اور ابدی شریعت ہے رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت ختم اور آپ کی شریعت آخری شریعت ہے اس لئے اس کو مسخ و تحریف سے بچانے کے لئے ہر ایسے سوراخ کو بند کر دیا گیا جہاں سے شرک و بت پرستی آسکتی تھی اسی سلسلہ میں وہ تمام چیزیں اس شریعت میں حرام قرار دے دی گئیں جو کسی زمانے میں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بنی تھیں۔

اب یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ سجدہ تعظیمی کا جواز تو قرآن کی مذکورہ آیات سے ثابت ہے شریعت محمدیہ میں اس کا منسوخ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ مشہورہ سے سجدہ تعظیمی کا حرام ہونا ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کیا کرے (مگر اس شریعت میں سجدۂ تعظیمی مطلقاً حرام ہے اس لئے کسی کو کسی کے لئے جائز نہیں)۔

یہ حدیث بیس صحابہ کرام کی روایت سے ثابت ہے اصول حدیث کی معروف کتاب تدریب الراوی میں ہے کہ جس روایت کو دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نقل فرمادیں تو وہ حدیث متواتر ہوجاتی ہے جو قرآن کی طرح قطعی ہے یہاں تو بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یہ بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایتیں حاشیہ بیان القرآن میں حضرت حکیم الامت تھانوی نے جمع فرمادی ہیں ضرورت ہو تو وہاں سے دیکھا جاسکتا ہے،

سجدے کا بھی وہی درجہ ہوگا جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، معانقہ اور دست بوسی یا تعظیم کے لئے کھڑے ہوجانے کا ہے۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں یہی فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لئے سجدہ مباح تھا شریعت محمدیہ میں منسوخ ہوگیا اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام مصافحہ کی اجازت دی گئی، رکوع، سجدہ اور ہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دے دیا گیا،

توضیح اس کی یہ ہے کہ اصل کفر و شرک اور غیر اللہ کی عبادت تو اصول ایمان کے خلاف ہے وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہوسکتے لیکن کچھ افعال واعمال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں شرک وکفر نہیں مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت سے وہ افعال ذریعہ شرک وکفر کا بن سکتے ہیں ایسے افعال کو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں مطلقاً منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کو ذریعہ شرک بنانے سے روکا گیا جیسے جانداروں کی تصویر بنانا اور استعمال کرنا اپنی ذات میں کفر و شرک نہیں اس لئے پچھلی شریعتوں میں جائز تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے،

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ (۱۳:۳۷) یعنی جنات ان کے لئے بڑی محرابیں اور تصویریں بنایا کرتے تھے۔

اسی طرح سجدہ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں اور اسی راہ سے انبیاء علیہم السلام کے دین وشریعت میں تحریف ہوگئی۔

اور پھر دوسرے انبیاء علیہم السلام اور دوسری شریعتوں نے آکر اس کو مٹایا شریعت محمدیہ چونکہ دائمی اور ابدی شریعت ہے رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت ختم اور آپ کی شریعت آخری شریعت ہے اس لئے اس کو مسخ وتحریف سے بچانے کے لئے ہر ایسے سوراخ کو بند کردیا گیا جہاں سے شرک و بت پرستی آسکتی تھی اسی سلسلہ میں وہ تمام چیزیں اس شریعت میں حرام قرار دے دی گئیں جو کسی زمانے میں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بنی تھیں۔

اب یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ سجدہ تعظیمی کا جواز تو قرآن کی مذکورہ آیات سے ثابت ہے شریعت محمدیہ میں اس کا منسوخ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ مشہورہ سے سجدہ تعظیمی کا حرام ہونا ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کیا کرے (مگر اس شریعت میں سجدہ تعظیمی مطلقاً حرام ہے اس لئے کسی کو کسی کے لئے جائز نہیں)۔

یہ حدیث بیس صحابہ کرام کی روایت سے ثابت ہے اصول حدیث کی معروف کتاب تدریب الراوی میں ہے کہ جس روایت کو دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نقل فرمادیں تو وہ حدیث متواتر ہوجاتی ہے جو قرآن کی طرح قطعی ہے یہاں تو بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یہ بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایتیں حاشیہ بیان القرآن میں حضرت حکیم الامت تھانوی نے جمع فرمادی ہیں ضرورت ہو تو وہاں سے دیکھا جاسکتا ہے،

... عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں:

... کو فرشتوں کا سجدہ اور یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ جو قرآن میں مذکور ... جو ان کی شریعت میں سلام، مصافحہ، اور دست بوسی کا درجہ رکھتا تھا اور جائز تھا شریعت محمدیہ کو کفر وشرک کے ... بھی پاک رکھنا تھا اس لئے اس شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بقصد تعظیم بھی سجدہ یا رکوع کرنا جائز نہیں رکھا گیا،

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ابلیس اصل میں جنات سے ہے مگر ابتداء میں ملائکہ کے ساتھ اختلاط رکھتا تھا۔ فساد اور خونریزی کی وجہ سے جب جنات کو زمین سے نکال کر جزائر اور جبال میں منتشر کیا گیا تو ابلیس ان میں بہت بڑا عالم اور عابد تھا۔ فساد اور خونریزی سے اپنا بے لوث ہونا ظاہر کیا تو فرشتوں کی سفارش سے بچ گیا اور فرشتوں میں رہنے کی اجازت ہوئی مگر دل میں یہ طمع لگی رہی کہ کسی طرح زمین کی فرمانروائی مجھ کو مل جائے اس طمع میں خوب عبادت کرتا رہا۔ جب حضرت آدم کی خلافت کا وقت آیا اور تمام ملائک کو سجدہ کا حکم ہوا۔ تو ابلیس اس وقت ناامید ہوا اور استکبار اور حسد نے اس کو حق جل شانہ کے مقابلہ اور معارضہ پر آمادہ کیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون ومطرود ورجیم ومردود ہوا۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

(اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں بسو) بغوی نے فرمایا ہے کہ جنت میں حضرت آدم (علیہ السلام) کا کوئی ہم جنس نہ تھا (اس لیے اکثر ان کی طبیعت ہم جنس نہ ہونے کے سبب گھبرایا کرتی تھی) ایک دن وہ سو رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں جانب سے حضرت حوا کو پیدا کیا جب سو کر اٹھے تو دیکھا کہ سر کے قریب ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہوئی ہے حضرت آدم (علیہ السلام) نے پوچھا تو کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں حوا آپ کی بیوی ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے پیدا کیا ہے کہ آپ کو میری وجہ سے آرام ہو اور مجھے آپ کی وجہ سے چین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے صرف آدم (علیہ السلام) کو خطاب فرمایا اور اول سے دونوں کو خطاب نہ فرمایا اس لئے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) ہی کو امر فرمانا مقصود تھا اور حوا ان کی تابع تھیں۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور خوب بافراغت اچھی طرح کھانے کا کھلا اختیار دے دیا۔ لیکن خاص ایک درخت کے بارے میں فرمایا کہ اس کے پاس نہ پھٹکنا۔ مقصد تو یہ تھا کہ اس میں سے مت کھانا لیکن بطور مبالغہ اچھی طرح اہتمام کے ساتھ اس سے بچنے کے لیے یہ فرمایا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے اس میں سے کھا لیا تو ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے۔ اس سے دو طرح کا ظلم مراد ہو سکتا ہے۔ اوّل تو یہ کہ اس کے کھانے سے جو ممانعت کی خلاف ورزی ہوگی، یہ گناہ ہوگا اور ہر گناہ، گناہ کرنے والے کے لیے وبال ہے، اور وہ اس کی وجہ سے مستحق سزا ہے۔ دوم یہ کہ جب خلاف ورزی کر لو گے تو یہاں جن نعمتوں میں رہ رہے ہو سلب ہو جائیں گی اور یہاں سے نکلنا پڑے گا۔ اور یہ بھی اپنی جان پر ظلم ہوگا۔

شجرہ (درخت) جس کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ کون سا درخت تھا۔ اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت

نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ سے منقول ہے کہ یہ گیہوں کا درخت تھا۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کھجور کا درخت تھا۔ (یہ اقوال تفسیر درمنثور میں ج۱ ص ۵۲ - ۵۳ پر درج ہیں)

صحیح علم اللہ ہی کو ہے کہ وہ کون سا درخت تھا، ہمیں معین طریقہ پر اس کا علم یقینی نہیں ہے اور اس میں مضائقہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے جاننے پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ

حضرت آدم علیہ السلام وحواء کو شیطان کا بہکانا اور جنت سے نکالا جانا:

اللہ جل شانہٗ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ دیکھو! یہ ابلیس تمہارا دشمن ہے تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے یعنی جنت سے نکال دیئے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے، اُدھر شیطان نے بھی دشمنی پر کمر باندھ لی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی اور ان کی ذریت کو تکلیف پہنچانے کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ اس تاک میں رہا کہ ان کو کسی طرح جنت سے نکلواؤں اور یہاں کی نعمتوں سے محروم کروں۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ ان کو ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے، اگر کسی طرح ان سے اس ممانعت کی خلاف ورزی کرادوں تو ضرور ان پر عتاب ہوگا۔ جو یہاں سے نکالے جانے کا سبب بنے گا، چنانچہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ دیکھو تم کو اس درخت کے کھانے سے اس لیے روکا گیا ہے، کہ جو کوئی شخص اس درخت میں سے کھالے گا وہ ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور جو بادشاہی یہاں حاصل ہے اس میں کبھی ضعف نہ آئے گا، اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے اس لیے روکا ہے کہ اس کو کھا کر فرشتے ہو جاؤ گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے۔

(مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ (سورۃ الاعراف) يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى) (سورۃ طٰہٰ)

اور اس نے صرف معمولی طور پر ہی ترغیب نہیں دی، بلکہ دونوں میاں بیوی سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے لیے خیر خواہی کا مشورہ دینے والا ہوں۔ (کمافی سورۃ الاعراف) (وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ)

شیطان کے سمجھانے بجھانے اور قسم کھانے سے دونوں میاں بیوی نے اس درخت میں سے کھالیا' جس سے منع فرمایا گیا تھا اور وہ ان کو فریب دے کر نیچے اتارنے میں کامیاب ہوگیا۔ (فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ) اس درخت کو چکھنا تھا کہ جنت کے کپڑے ان کے تن سے جدا ہوگئے اور دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہوگئیں اب تو جنت کے پتے اپنے جسموں پر جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جب شیطان کو سجدے سے انکار کی بنا پر پہلے ہی مردود کر کے جنت سے نکال دیا گیا تھا تو یہ آدم وحوا کو بہکانے کے لئے جنت میں کیسے پہنچا؟ اس کا بے غبار جواب یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے اور وہاں تک پہنچنے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں

ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنات کو بہت سے ایسے تصرفات پر قدرت دی ہے جو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے ان کی مختلف شکلوں میں متشکل ہو جانے کی بھی قدرت دی ہے ہو سکتا ہے کہ اپنی قوت جنیہ کے ذریعہ مسمریزم کی صورت سے آدم وحوا کے ذہن کو متاثر کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دوسری شکل میں مثلاً سانپ وغیرہ کی شکل میں متشکل ہو کر جنت میں داخل ہو گیا ہو اور شاید یہی سبب ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اس کی دشمنی کی طرف دھیان نہ رہا قرآن مجید کی آیت: وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ (...) سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے صرف وسوسہ اور ذہنی اثر ڈالنے سے کام نہیں لیا بلکہ آدم وحوا سے زبانی گفتگو کر کے اور قسمیں کھا کر متاثر کیا۔

اس خطا کی سزا میں حضرت آدم علیہ السلام اور حوا اور جو اولاد پیدا ہونے والی تھی سب کی نسبت یہ حکم ہوا کہ بہشت سے زمین پر جا کر رہو۔ یہ جنت زمین کے کسی حصہ میں نہیں آسمان پر تھی۔ قول محقق یہی ہے۔ اور خود لفظ اهبطوا کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ جب تک کوئی اور قرینہ موجود نہ ہوگا ھبوط کے معنی بلندی سے پستی میں اترنے ہی کے لیے جائیں گے۔ ای انزلوا الی الارض (معالم) الھبوط النزول الی الارض (مدارک) اهبطوا۔ خطاب اب بجائے صیغہ تثنیہ (تم دونوں) کے صیغہ جمع (تم سب) میں ہو رہا ہے۔ گویا مخاطب اب تنہا آدم وحوا علیہما السلام ہی نہیں بلکہ ان کی ساری نسل بھی ہے۔ المراد ھما و ذریتھما (مدارک) اجمع الضمیر لانھما اصلا الجنس (بیضاوی)

نیز تم باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو نگے جس کی وجہ سے تکلیفیں پیش آئیں گی۔ بہشت دار العصیان اور دار العداوۃ نہیں۔ ان امور کے مناسب دار دنیا ہے جو تمہارے امتحان کے لئے بنایا گیا ہے۔ پھر دنیا میں بھی ہمیشہ نہ رہو گے بلکہ ایک وقت معین تک وہاں رہو گے اور وہاں کی چیزوں سے بہرہ مند ہو گے اور پھر ہمارے ہی روبرو آؤ گے اور وہ وقت معین ہر ہر شخص کی نسبت تو اس کی موت کا وقت ہے اور تمام عالم کے حق میں قیامت کا۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا اور توبہ قبول ہونا:

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی سے جو خطا ہو گئی اس کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ ندامت تھی۔ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ان کو چند کلمات بتائے گئے کہ ان کے ذریعے توبہ کریں، یہ کون سے کلمات تھے بعض مفسروں نے فرمایا کہ سورۃ اعراف میں جو ان کی توبہ کے الفاظ مذکور ہیں وہی مراد ہیں یعنی: (رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾) ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ضرور ضرور ہم خسارے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

ان الفاظ میں متکلم مع الغیر کا صیغہ استعمال فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا دونوں ہی نے مذکورہ الفاظ کے ذریعہ توبہ کی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوئے تھے وہ یہ الفاظ تھے: (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ

فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ) ''اے اللہ! میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور آپ کی حمد بیان کرتا ہوں اور آپ کا نام بابرکت ہے اور آپ کی شان بلند ہے اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، لہٰذا مجھے بخش دیجیے بے شک آپ کے علاوہ کوئی بھی گناہ کو نہیں بخش سکتا۔''

جو بھی الفاظ ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کے الفاظ بتائے انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے، توبہ کے الفاظ خود ہی القاء فرمائے اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا اور بہت بڑا مہربان ہے جب کبھی بھی کوئی شخص ندامت کے ساتھ رجوع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ سورۃ شوریٰ میں ارشاد ہے: (وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْ عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ) ''اور اللہ وہ ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔''

معافی اور مغفرت تو ہو گئی لیکن جنت میں واپس نہیں بسایا گیا کیونکہ تکوینی طور پر ان کو پہلے ہی سے دنیا میں بھیجنا اور خلیفہ بنانا طے تھا، ان کے دنیا میں آنے کی وجہ سے بہت کثیر تعداد میں ان کی ذریت کے افراد مرد اور عورت ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے مستحق جنت ہوئے۔ یہ بنی نوع انسان کا بہت بڑا فائدہ ہوا۔ اگر وہ دونوں جنت ہی میں واپس کر دیئے جاتے تو وہاں کی نعمتوں سے وہی منتفع اور متمتع رہتے۔ اور اگر بالفرض وہاں اولاد ہوتی تو وہ اعمال صالحہ کی محنت اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی مشقت کے بغیر ہی نعمتوں میں رہتی اور نعمتوں کی زیادہ قدر نہ ہوتی، اپنی محنت سے جو چیز حاصل ہو اور دکھ تکلیف کے بعد جو نعمتیں ملیں ان کا مزہ اور کیف اور ہی ہوتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ تو قبول فرمائی مگر فی الفور جنت میں جانے کا حکم نہ فرمایا بلکہ دنیا میں رہنے کا جو حکم ہوا تھا اسی کو قائم رکھا کیونکہ مقتضائے حکمت و مصلحت یہی تھا۔ ظاہر ہے کہ زمین کے لئے خلیفہ بنائے گئے تھے نہ کہ جنت کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ جو ہمارے مطیع ہوں گے ان کو دنیا میں رہنا مضر نہ ہو گا بلکہ مفید، ہاں جو نافرمان ہیں ان کے لئے جہنم ہے اور اس تفریق و امتحان کے لئے بھی دنیا ہی مناسب ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۳۸

جنت کے حصول کی شرائط:

جنت سے نکالتے ہوئے جو ہدایت حضرت آدم حضرت حوا اور ابلیس کو دی گئی اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ ہماری طرف سے کتابیں انبیاء اور رسول بھیجے جائیں گے، معجزات ظاہر کئے جائیں گے، دلائل بیان فرمائے جائیں گے، راہ حق واضح کر دی جائے گی، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آئیں گے، آپ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا، جو بھی اپنے زمانے کی کتاب اور نبی کی تابعداری کرے گا اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ ہی دنیا کے کھو جانے پر کوئی غم ہو گا۔

[خوف اور ح]زن میں فرق:

جو صدمہ اور اندیشہ کسی مصیبت پر اس کے ہونے سے پہلے ہوتا ہے اس کو خوف کہتے ہیں اور اس کے واقع ہو چکنے کے بعد جو غم ہوتا ہے اس کو حزن کہتے ہیں۔ مثلاً کسی مریض کے مرجانے کے خیال پر جو صدمہ ہے وہ خوف ہے اور مرجانے کے بعد جو صدمہ ہے وہ حزن ہے۔ اس آیت میں جو خوف وحزن کی نفی فرمائی اس سے اگر خوف وحزن دنیاوی مراد لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ جو لوگ ہماری ہدایت کے موافق چلیں گے اس میں اس اندیشہ کی گنجائش نہیں کہ شاید یہ ہدایت حقہ نہ ہو شیطان کی طرف سے دھوکہ اور مغالطہ ہو اور نہ وہ اس وجہ سے کہ ان کے باپ سے بالفعل بہشت چھوٹ گئی محزون ہوں گے کیونکہ ہدایت والوں کو عنقریب جنت ملنے والی ہے اور اگر خوف وحزن آخرت مراد ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ قیامت کو اہل ہدایت کو نہ خوف ہوگا نہ حزن مگر حزن کا نہ ہونا تو بیشک مسلم لیکن خوف کی نفی فرمانے پر ضرور یہ خلجان ہوتا ہے کہ اس روز خوف تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک کو ہوگا کوئی بھی خوف سے خالی نہ ہوگا۔ تو بات یہ ہے کہ خوف دو طرح ہوتا ہے کبھی تو خوف کا باعث اور مرجع خائف (یعنی ڈرنے والے) میں پایا جاتا ہے جیسے مجرم بادشاہی جو بادشاہ سے ڈرتا ہے تو موجب خوف جرم ہے جو مجرم کی طرف رجوع ہوتا ہے اور کبھی مرجع خوف مخوف منہ یعنی جس سے ڈرتے ہیں اس میں کوئی امر ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی بادشاہ صاحب جاہ وجلال کے روبرو یا شیر کے روبرو ہو تو اس کے خائف ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اس نے بادشاہ یا شیر کا جرم کیا ہے بلکہ قہر وجلال سلطانی اور ہیبت اور غضب و درندگی شیر موجب خوف ہے جس کا مرجع ذات سلطانی اور خود شیر ہے۔ آیت سے پہلی قسم کی نفی ہوئی نہ دوسری قسم کی، شبہ تو جب ہو سکتا تھا کہ **لا خوف علیهم** کی جگہ لا خوف فیهم یا لا یخافون فرماتے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

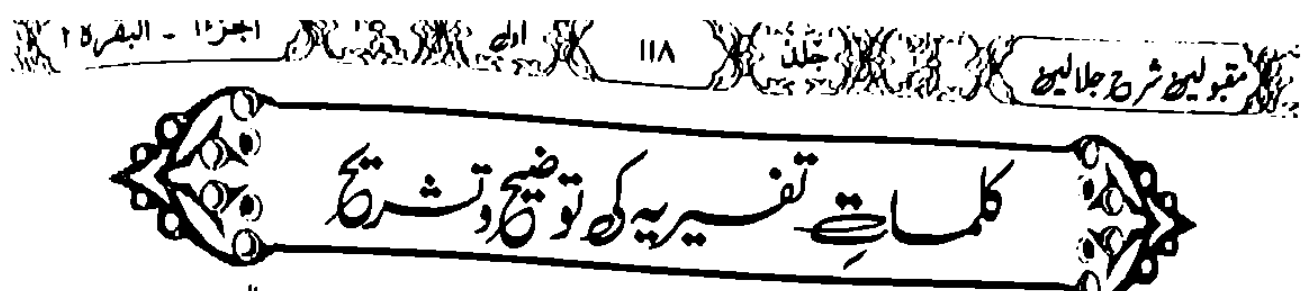
"كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ" اہل جنت کے ذکر میں ذات حق کے لیے ضمیر متکلم صیغہ جمع میں ہوگئی ہے۔ "بِاٰيٰتِنَاۤ" اہل لطائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہار خصوصیت وشفقت کا تھا۔ اس لیے "میری" ہی مناسب تھا۔ اب محل حاکمانہ جلالت واقتدار کا ہے، اس لیے یہاں "ہماری" ہی موزوں ہے۔ (آیت) "اَصْحٰبُ النَّارِ" یعنی دوزخ والے۔ وہ لوگ جو دوزخ کے ہو چکے۔ گویا وہ دوزخ ہی کی آبادی ہیں۔ الصاحب الملازم (راغب) ومعنى الصحبة اقتران بالشئي والغالب في العرف ان تطلق على الملازمة (روح) گویا جو لوگ ضابطہ شریعت سے انکار اور قانون الٰہی کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے اپنا مستقل تعلق دوزخ اور آتش دوزخ سے پیدا کر لیا ہے۔ آخرت میں یہی تعلق جو ابھی خفی اور غیر مرئی ہے، مجسم ومتشکل ہو جائے گا، عذاب آخرت سے ڈرانا صرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، گو جتنا زور اس پر قرآن مجید نے دیا ہے، اس کی نظیر بیشک کہیں نہیں ملتی۔ جہنم کے عذاب آتشیں بلکہ اس کے دوام وخلود کے ذکر سے بائبل کے صفحات بھی خالی نہیں۔ "خداوند سلطنت کرتا ہے۔ ایک آگ اس کے آگے آگے جاتی ہے، اور اس کے دشمنوں کو ہر طرف جلاتی ہے" (زبور۔ 97:1،3) "فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کر دیں گے۔ اور انہیں آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے، وہاں رونا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا" (متی۔ 13: 49-50) "اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ، جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لیے تیار کی گئی ہے

---اور یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے" (متی-25-14:46)---جہنم میں ڈالا جائے جہاں اس کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی
(مرقس-9:48)

يٰبَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اَوۡلَادَ يَعۡقُوۡبَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ اَيۡ عَلٰى اٰبَائِكُمۡ مِنَ الۡاِنۡجَاءِ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وَفَلۡقِ الۡبَحۡرِ وَتَظۡلِيۡلِ الۡغَمَامِ وَغَيۡرِ ذٰلِكَ بِاَنۡ تَشۡكُرُوۡهَا بِطَاعَتِيۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيۡٓ الَّذِيۡ عَهِدۡتُهٗ اِلَيۡكُمۡ مِنَ الۡاِيۡمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ الَّذِيۡ عَهِدۡتُّهٗ اِلَيۡكُمۡ مِنَ الثَّوَابِ عَلَيۡهِ بِدُخُوۡلِ الۡجَنَّةِ وَ اِيَّايَ فَارۡهَبُوۡنِ ۝٤٠ خَافُوۡنِ فِيۡ تَرۡكِ الۡوَفَاءِ بِهٖ دُوۡنَ غَيۡرِيۡ وَ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ مِنَ التَّوۡرٰةِ بِمُوَافَقَتِهٖ لَهٗ فِي التَّوۡحِيۡدِ وَالنُّبُوَّةِ وَ لَا تَكُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لِاَنَّ خَلۡفَكُمۡ تَبَعٌ لَكُمۡ فَاِثۡمُهُمۡ عَلَيۡكُمۡ وَ لَا تَشۡتَرُوۡا تَسۡتَبۡدِلُوۡا بِاٰيٰتِيۡ الَّتِيۡ فِيۡ كِتَابِكُمۡ مِنۡ نَعۡتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۫ عِوَضًا يَسِيۡرًا مِنَ الدُّنۡيَا اَيۡ لَا تَكۡتُمُوۡهَا خَوۡفَ فَوَاتِ مَا تَاۡخُذُوۡنَهٗ مِنۡ سِفۡلَتِكُمۡ وَ اِيَّايَ فَاتَّقُوۡنِ ۝٤١ خَافُوۡنِ فِيۡ ذٰلِكَ دُوۡنَ غَيۡرِيۡ وَلَا تَلۡبِسُوا تَخۡلِطُوا الۡحَقَّ الَّذِيۡ اَنۡزَلۡتُ عَلَيۡكُمۡ بِالۡبَاطِلِ الَّذِيۡ تَفۡتَرُوۡنَهٗ وَ لَا تَكۡتُمُوا الۡحَقَّ نَعۡتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝٤٢ اَنَّهٗ حَقٌّ وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ۝٤٣ صَلُّوۡا مَعَ الۡمُصَلِّيۡنَ مُحَمَّدٍ وَاَصۡحَابِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ فِيۡ عُلَمَائِهِمۡ وَقَدۡ كَانُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ لِاَقۡرِبَائِهِمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ اُثۡبُتُوۡا عَلٰى دِيۡنِ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَقٌّ اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ بِالۡاِيۡمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَ تَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ تَتۡرُكُوۡنَهَا فَلَا تَاۡمُرُوۡنَهَا بِهٖ وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ التَّوۡرٰةَ وَفِيۡهَا الۡوَعِيۡدُ عَلٰى مُخَالَفَةِ الۡقَوۡلِ الۡعَمَلَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝٤٤ سُوۡءَ فِعۡلِكُمۡ فَتَرۡجِعُوۡنَ فَجُمۡلَةُ النِّسۡيَانِ مَحَلُّ الۡاِسۡتِفۡهَامِ الۡاِنۡكَارِيۡ وَ اسۡتَعِيۡنُوۡا اُطۡلُبُوا الۡمَعُوۡنَةَ عَلٰى اُمُوۡرِكُمۡ بِالصَّبۡرِ الۡحَبۡسِ لِلنَّفۡسِ عَلٰى مَا تَكۡرَهُ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اَفۡرَدَهَا بِالذِّكۡرِ تَعۡظِيۡمًا لِشَانِهَا وَفِي الۡحَدِيۡثِ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَبَهٗ اَمۡرٌ بَادَرَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَقِيۡلَ الۡخِطَابُ لِلۡيَهُوۡدِ لَمَّا عَاقَهُمۡ عَنِ الۡاِيۡمَانِ الشَّرَهُ وَحُبُّ الرِّيَاسَةِ فَاُمِرُوۡا بِالصَّبۡرِ وَهُوَ الصَّوۡمُ لِاَنَّهٗ يَكۡسِرُ الشَّهۡوَةَ وَالصَّلٰوةُ لِاَنَّهَا تُوۡرِثُ الۡخُشُوۡعَ وَتَنۡفِي الۡكِبۡرَ وَ اِنَّهَا اَيِ الصَّلٰوةَ لَكَبِيۡرَةٌ ثَقِيۡلَةٌ اِلَّا عَلَى

... الی الطاعۃ اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ یوقنون اَنَّھُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّھِمۡ بالبعث وَ اَنَّھُمۡ اِلَیۡہِ
... الآخرۃ فیجازیھم.

... بنی اسرائیل (اولاد یعقوب علیہ السلام) یاد کرو میرے ان احسانوں کو جو میں نے تم پر کئے (یعنی تمہارے باپ دادا
... نجات دینا، سمندر کا پھاڑنا، ابر کو سائبان بنانا وغیرہ بایں طور کہ ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرو میری فرمانبرداری کر
... تم میرے عہد کو (جو عہد وقرار میں نے تم سے لیا یعنی محمد ﷺ پر ایمان لانے کے متعلق) میں پورا کروں گا
... جو عہد میں نے تم سے کیا ہے ثواب کا دخول جنت کے ذریعہ اور صرف مجھ سے ہی ڈرو (یعنی مجھ ہی سے ڈرو بد
... میں میرے علاوہ اور کسی سے مت ڈرو) اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے (یعنی قرآن پر) درآنحالیکہ
تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو تمہارے ساتھ ہے (یعنی تورات سے توحید ونبوت میں موافقت ہے) اور مت بنو تم پہلے انکار
کرنے والے اس قرآن کے (یعنی اہل کتاب میں سے کیونکہ تمہارے بعد آنے والے تمہارے تابع ہوں گے اور ان سب کا
گناہ تم پر ہوگا) اور نہ خریدو (تبادلہ نہ کرو) میری آیتوں کے عوض (جو تمہاری کتاب میں محمد ﷺ کی صفت ہے) حقیر
معاوضہ (دنیا کی حقیر پونجی، یعنی مت چھپاؤ ان آیات صفات کو منافع کے فوت ہونے کے خوف سے جو تم لیتے ہو اپنے عوام سے)
اور مجھ ہی سے ڈرو (اس معاملہ میں صرف مجھ سے ڈرو میرے علاوہ کسی کا خوف مت کرو) اور خلط ملط مت کرو حق کو (جو میں نے
تم پر نازل کیا ہے) باطل کے ساتھ (جس کو تم گڑھتے ہو) اور مت چھپاؤ حق کو (محمد ﷺ کی صفت) درانحالیکہ تم جانتے
ہو (کہ وہ حق ہے) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (نماز پڑھنے والے محمد ﷺ اور
آپ کے اصحاب کے ساتھ۔ آئندہ آیت ۴۴ ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے مسلمان رشتہ داروں سے کہا
کرتے تھے کہ تم لوگ محمد ﷺ کے دین پر قائم رہو کیونکہ دین حق ہے) کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا (یعنی محمد ﷺ پر
ایمان لانے کا) اور بھولتے ہو اپنے آپ کو (یعنی اپنے نفس کو چھوڑ دیتے ہو کہ اس نیکی کا حکم نہیں دیتے ہو) حالانکہ تم کتاب
پڑھتے ہو (یعنی توریت پڑھتے ہو جس میں قول وعمل کی مخالفت پر وعید موجود ہے) کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ (یعنی اپنی بدعملی کو
نہیں سوچتے ہو کہ باز آجاؤ جملہ نسیان یعنی جملہ تنسون، استفہام انکاری کے محل میں ہے) اور مدد چاہو (اپنے تمام کاموں میں
مدد حاصل کرو) صبر سے (صبر اصل میں روکنا ہے اپنے نفس کو اس پر جو نفس کو پسند نہیں یعنی نفس کو خلاف خواہش پر مجبور کرنا) اور
نماز سے (نماز کا بالاستقلال ذکر کرنا تعظیم شان کے لئے ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو جب کسی معاملہ
میں پریشانی لاحق ہوتی تو نماز کی طرف سبقت فرماتے۔ اور بعض حضرات کے نزدیک یہود کو خطاب ہے جب ان کو حرص کی
شدت اور ریاست کی محبت نے ایمان سے روک رکھا تو ان کو صبر یعنی روزے رکھنے کا حکم دیا گیا اس لئے کہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے
اور نماز کا حکم دیا گیا اس لئے کہ اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے اور تکبر دور ہوتا ہے) اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر (ان لوگوں پر
دشوار نہیں) جن کے دلوں میں خشوع ہے (جو لوگ طاعت کی طرف مائل ہیں) جو سمجھتے ہیں (یقین رکھتے ہیں) کہ روبرو ہونے
والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ بیشک وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں (یعنی آخرت میں تاکہ ان کو بدلہ دے)۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: اَوْلَادَ یَعْقُوْبَ: اسرائیل یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ عبرانی میں اس کا معنی اللہ تعالیٰ کا بندہ یا اللہ تعالیٰ کا چنا ہوا ہے۔

قولہ: عَلٰی اٰبَائِکُمْ: یہاں گویا مضاف محذوف ہے۔ اس لیے کہ یہ انعامات ان کے آباء پر تھے جن کی وہ بہت تعریف کرتے تھے۔

قولہ: بِاَنْ تَشْکُرُوْهَا: یعنی نعمت کو یاد کرنے کا مطلب اس کے شکریہ کی ادائیگی ہے، مطلق یاد کرنا مقصود نہیں۔

قولہ: اَلَّذِیْ عَهِدْتُهٗ: یہاں عہد اللہ سے مراد ان کو ایمان اور اعمالِ صالحہ کا حکم دینا ہے، پس ان کی انجام دہی کے ذریعہ ان سے پورا کرنے کا مطالبہ درست ہوا۔

قولہ: عَهِدْتُهٗ اِلَیْکُمْ مِنَ الثَّوَابِ: اس سے اشارہ کر دیا کہ عہد کی اضافت دونوں میں فاعل کی طرف ہے۔ فاعل کی طرف اضافت راجح ہے۔ پس دوسری طرف قرینہ صارفہ کے بغیر جا نہیں سکتے۔

قولہ: فِیْ تَرْکِ الْوَفَاءِ: عہد کی وفا چھوڑ دینا خاص طور پر اس لیے مراد لیا کیونکہ اس کے ساتھ خوف کا تذکرہ ہے۔ ورنہ تو بہ کرنے اور چھوڑنے والے معاملے میں ڈر کا لحاظ مراد ہے۔

قولہ: دُوْنَ غَیْرِیْ: اختصاص کے لیے مفعول کو مقدم کیا اور تخصص کے لیے یہ نہایت مؤکد چیز ہے۔

قولہ: مِنَ الْقُرْاٰنِ: مَا سے خاص مراد ہے اور اس کے لیے قرینہ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ ہے۔ یعنی قرآن۔

قولہ: مِنَ التَّوْرٰةِ: اس سے ان جھوٹے قصے اور من گھڑت افتراءات سے احتراز مقصود ہے، اس لیے وہ توحید اور دیگر عقائد میں اس کے موافق ہے، خواہ احکام نہ ہی۔

قولہ: مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ: اولیت بالکفر سے مراد اہل کتاب کی نسبت سے اولیت ہے، مطلق مراد نہیں اور اس کے مخاطبین آپ کے زمانہ کے اہل کتاب بلکہ ان کے علماء مراد ہیں۔ پس اعتراض نہ رہا۔

قولہ: لِاَنَّ خَلْفَکُمْ: اولیت کی وجہ تخصیص بیان فرمائی کہ تمہارے پیروکار تمہاری پیروی میں یہی کچھ کریں گے۔ پس تخصیص اولیت والا اعتراض نہ رہا۔

قولہ: تَسْتَبْدِلُوْا: اس سے اشارہ کر دیا کہ اشتراء یہاں مجازی طور پر استبدال کے معنی میں آیا ہے، جیسے مقید مطلق کے معنی میں آتا ہے۔

قولہ: اَلَّتِیْ فِیْ کِتَابِکُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ آیات سے تورات وانجیل کی وہ آیات مراد ہیں جن میں صفات محمد ﷺ تھیں نہ کہ آیات قرآن۔

قولہ: عِوَضًا یَسِیْرًا: عوض پر ثمن کا اطلاق آیات مقابلہ میں اس کی تحقیر ظاہر کرنے کے لیے ہے ورنہ اشتراء کا مقتضا تو ثمن ہے۔

قوله: لَا تَکْتُمُوْهَا: استبدال سے مراد کتمان ہے، فتدبر۔

قوله: خَافُوْنِ: تقویٰ سے یہاں مراد خوف ہے نہ کہ صیانت۔ پس صیانت پر عدم قدرت کا اعتراض متوجہ نہیں ہوسکتا۔

قوله: تَخْلِطُوْا: اشارہ کیا کہ لَا تَلْبِسُوا، لبس بمعنی خلط سے ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔

قوله: وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ: یہ اشارہ کیا کہ ان تکتموا یہ نہی کے تحت ہے۔ واو، جمع کے لیے نہیں اور نہ اُن کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: اَنَّهُ حَقٌّ: مفعول مصدر ہے، سابقہ قرینہ کی وجہ سے پس اس کو لازم کے قائم مقام بنانے کی حاجت نہیں۔

قوله: مَعَ الرّٰكِعِيْنَ: صلاۃ کی تعبیر رکوع سے کرکے یہود کی موجود نماز سے احتراز مقصود ہے کیونکہ اس میں رکوع نہیں اور وہ نماز بھی الگ الگ پڑھتے تھے۔

قوله: بِالْاِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْبِرِّ سے مراد خیر میں وسعت نہیں بلکہ یہ آیت علمائے یہود کے متعلق نازل اس لیے اَلْبِرِّ سے یہاں حضرت محمد ﷺ پر ایمان مراد ہے۔

قوله: تَتْرُكُوْنَهَا: اس سے اشارہ کیا کہ تَنْسَوْنَ کا معنی یہاں تَتْرُكُوْنَ بطور استعارہ تبعیہ لیا گیا ہے کیونکہ اپنے کو کوئی نہیں بھلاتا بلکہ اس کو خیر سے محروم کرتا ہے اور اس سے بے پروائی برتتا ہے۔

قوله: اَلتَّوْرٰةَ: اس سے الف لام عہد خارجی ہے، وہ کتاب کا حصہ جو بصورتِ تورات ان کے پاس موجود تھا، وہ مراد ہے۔

قوله: وَفِيْهَا الْوَعِيْدُ: اس میں جملہ حالیہ کے نسیان کو مقید کرکے ایک فائدہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ الزام خصم اور تبکیت یہود کے لیے ہے کہ پڑھے لکھے ہو کر ایسا کرتے ہو، شرم کرو۔

قوله: سُوْءَ فِعْلِكُمْ: یہ مفعول مقدر ہے تَعْقِلُوْنَ کا۔

قوله: فَتَرْجِعُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کا ہمزہ ان کی بے عقلی کو پختہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے کیونکہ عقل صحیح کا تقاضا ڈانٹ ڈپٹ سے آدمی کو معصیت سے رک جانا چاہیے۔

قوله: مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ: اس سے اشارہ کیا کہ انکار کا تعلق تَنْسَوْنَ سے ہے اَتَاْمُرُوْنَ سے نہیں اور استفہام بھی انکاری ہے۔

قوله: عَلٰی اُمُوْرِكُمْ: اشارہ کیا کہ متعلق کا حذف تعمیم کو چاہتا ہے اور بدون مخصص تخصیص نہیں ہوسکتی۔

قوله: بِالْحَبْسِ: اشارہ کیا کہ صبر یہاں لغوی معنی میں ہے یعنی ناپسندیدہ پر اپنے آپ کو روکنا اور الف لام جنس کا ہے تمام اقسام صبر مراد ہیں۔

قوله: اَفْرَدَهَا: اس سے اشارہ فرمایا کہ اقسام صبر میں صرف نماز کا تذکرہ اس کی تنویہ شان کے لیے ہے وہ تمام عبادات کی جامع ہے۔

قوله: وَقِيْلَ الْخِطَابُ: قِيْلَ سے اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کردیا کیونکہ جو نماز روزے کا قائل نہ ہو اس سے وَ

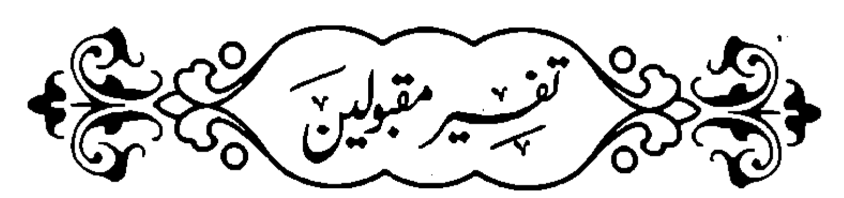
اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کہنا بے جا ہے۔

قوله: ثَقِيْلَةٌ : بتلادیا کہ لَكَبِيْرَةٌ یہاں ثَقِيْلَةٌ کے معنی میں ہے کیونکہ ظن علم کی طرف رجحان کا فائدہ دیتا ہے۔ ابن مسعود کی قراءت یعلمون اس معنی کی مؤید ہے۔

قوله: بِالْبَعْثِ : اس سے لقاء حشر مراد ہے جو بعث کے ذریعہ ہوگی۔

قوله: فَيُجَازِيْهِمْ : رجوع سے دنیا کی طرف نہیں بلکہ آخرت کی طرف رجوع مراد ہے اور یہ رجوع مجازات اعمال کیلئے ہے۔

ربط: فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى سے تمام اولادِ آدم کو خطاب تھا تو یہاں خاص بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا گیا جو آیت نمبر ۱۴۲ تک چلا گیا، گویا قرآن نے یہود کے مکروفریب کو خوب کھولا تا کہ مسلمان ان سے بچیں۔ جب توحید پر واضح دلائل ذکر کر دیئے پھر تمام انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام کا تذکرہ کیا پھر یہود کو اسلام کی طرف بلایا کہ اس پیغمبر کا تذکرہ تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ ان کو دعوت دینے میں نرمی، تخویف، تذکیر، توبیخ، قیام دلائل سبھی اقسام استعمال فرمائیں۔



يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی:

مشہور ونامور پیمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام عراقی ثم شامی ثم حجازی (1602 تا 1985 ق۔م) سے مشہور ونامور دو نسلیں چلیں۔ ایک بی بی ہاجرہ علیہا السلام مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل ابن اسمٰعیل کہلائی۔ اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ ان کا وطن عرب رہا۔ دوسری،، بی بی سارہ علیہا السلام عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب عرف حضرت اسرائیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ اس کا وطن شام رہا۔ قدیم جغرافیہ میں فلسطین کوئی الگ ملک نہ تھا،، شام ہی کا جزو تھا۔ ایک تیسری نسل، تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، اور بنی قطورہ کہلائی، لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا۔ توحید کی علمبردار دنیا میں یہی قوم رہی۔ انبیاء ومرسلین ان کے درمیان ہوتے رہے۔ بڑے بڑے عابد وزاہد ان میں پیدا ہوا کیے۔ حکمران، سلاطین اور فوجی جنرل بھی ان میں بڑے بڑے پیدا ہوتے رہے۔ نزول قرآن کے وقت ان کا دنیوی اقتدار مدت ہوئی رخصت ہو چکا تھا۔ اپنے وطن سے نکل کر عراق، مصر وغیرہ اطراف وجوانب میں پھیل چکے تھے۔ اور ان کے بعض قبیلے حجاز واطراف حجاز خصوصا یثرب (اسی کا نام بعد کو مدینۃ النبی پڑا) اور حوالی یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔ ''بنی اسرائیل'' تو ایک قومی ونسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے، اہل کتاب تھے۔ توریت محرف ومسخ شدہ ہو کر، لیکن بہر حال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلہ وحی ونبوت اور عقیدہ جزاوسزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علوم انبیاء ومعارف اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار

غے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر وکہانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔ حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی
تفوق کی بنا پر اہمیت انہیں اس وقت اچھی خاصی حاصل تھی، ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی، وہ لوگ ایک
طرف تو یہود کے علم وفضل کے قائل اور ان کی دینی و دنیوی اکثر حاجتوں میں انہیں کو مشکل کشا جانتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ
ہے کہ منظم وقاہر قوموں کے تمدن سے کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب ومتاثر ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق،
... اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے، اور بہت سے مسائل میں یہود کو اپنا استاد جانتے تھے۔ ان
... یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں، دونوں میں ایک آنے والے نبی کی
... اس نبی موعود کے ظہور کے منتظر رہتے تھے، ان اسباب عام وخاص دونوں کی بنا پر یہ بالکل قدرتی تھا
... اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب مفصل ہو۔ اس منزل پر پہنچ کر بہتر ہوگا کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیب
... قرآن مجید کا اصل تخاطب ساری کائنات انسانی سے ہے۔ اسی مناسبت سے رکوع اول میں بیان اس کا
ہوا کہ نوع انسان کی حقیقی تقسیمیں کل دو ہیں۔ ایک اچھے یا مومن، دوسرے برے یا کافر، مومن یا نیک وہ جو قرآن مجید کے
دستور حیات کو تسلیم کرتے ہیں، کافر یا بد وہ جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ دوسرے رکوع میں بیان کافروں ہی کی ایک خاص قسم،
مخفی کافروں کا ہوا۔ اور یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ بھی ایمان ونجات سے محروم ہی رہیں گے۔ تیسرے رکوع میں مخاطب ساری نسل
انسانی کو کیا گیا، اور قرآن مجید کا اصل پیام یعنی توحید ورسالت بیان کر دیا گیا۔ چوتھا رکوع تاریخ نسل انسانی پر ہے۔ اسی میں یہ
بیان ہوا کہ انسان کی اصلی غرض آفرینش دنیا میں قانون الٰہی کی تنفیذ ہے۔ اور حاکمیت الٰہی کی نیابت۔ ذرا سی غفلت میں نسل
انسانی کا دیرینہ دشمن شیطان اس کو پچھاڑ سکتا، اور حق سے باطل کی طرف، نور سے ظلمت کی جانب اسے موڑ سکتا ہے۔ لیکن انسان
اگر ذرا بھی ہمت اور توجہ صرف کرتا رہے، اور انبیاء کی بتائی ہوئی اور دکھائی ہوئی صراط مستقیم پر قائم رہے تو وہی غالب ومنصور
رہے گا۔ اب پانچویں رکوع میں بیان اس کا شروع ہوتا ہے (اور اس کی تفصیل متعدد رکوعوں تک چلتی رہے گی) کہ مدت دراز
ہوئی ایک بڑے مقبول، برگزیدہ بندہ کی اولاد میں ایک خاص نسل کو توحید کی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا تھا مگر وہ قوم اس کی
نااہل ثابت ہوئی۔ موقعے اسے بار بار دیئے گئے، رعایت اس کے ساتھ بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اس نے اس نعمت کو اپنے
ہاتھوں ضائع کیا، یہاں کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی مخالفت میں تو حد ہی سے گزر گئی۔ طویل
مسلسل مراعات کے بعد اب حکومت الٰہی کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے۔ اس ناشکر گزار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس
منصب سے معزول کیا جاتا ہے اور یہ نعمت اس سے چھین کر ایک اسماعیلی پیغمبر کے واسطہ سے دنیا کی تمام قوموں اور ساری نسلوں
کے واسطے عام کی جارہی ہے۔

مولانا عاشق الٰہی رقمطراز ہیں:

بنی اسرائیل (اسرائیل کی اولاد) سے یہودی مراد ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو عبرانی زبان کا لفظ
ہے۔ اسرائیل کا معنی ہے صفوۃ اللہ یعنی اللہ کا برگزیدہ بندہ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے عبد اللہ (اللہ کا بندہ)۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن کی اولاد بارہ قبیلوں پر منقسم ہے اور بنی اسرائیل کا خطاب ان سب کو شامل ہے۔ بنی اسرائیل مدینہ منورہ میں اور خیبر میں اور شام میں اور ان کے علاوہ مختلف علاقوں میں آباد تھے۔ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ عربی تھے۔ آپ کی بعثت تو سارے ہی انسانوں کے لیے ہے لیکن آپ کے اولین مخاطبین مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے اور وہاں سے ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ میں اوس وخزرج اور یہودیوں کے تینوں قبیلے سامنے تھے اوس اور خزرج تو مسلمان ہو گئے لیکن یہودیوں میں سے صرف چند افراد نے اسلام قبول کیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو خصوصی خطاب بھی فرمایا ہے اور ان کو اپنے انعامات اور احسانات یاد دلائے ہیں۔ آیت بالا میں یہی ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دی ہیں اور میرا عہد پورا کرو میں بھی تمہارا عہد پورا کروں گا اور صرف مجھ سے ڈرو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بنی اسرائیل پر جو کچھ تھیں وہ ان کو جانتے تھے انہیں اپنی تاریخ کا پتہ تھا۔ قرآن مجید میں ان نعمتوں کا تذکرہ فرمانے میں جہاں یہود کو نصیحت ہے کہ وہ اللہ کے آخری نبی پر ایمان لائیں وہاں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی ہیں کیونکہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھا تھا، اہل کتاب کی صحبت نہیں اٹھائی تھی۔ یہ واقعات آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائے، آپ کا ان چیزوں کی خبر دینا، یہ سب آپ کے معجزات میں شامل ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت:

بنی اسرائیل کو مزید خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اس کتاب پر ایمان لاؤ، جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن مجید، اور یہ کتاب اس کتاب کے معارض نہیں ہے جو تم کو دی گئی تھی (یعنی توریت شریف) بلکہ یہ کتاب تو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی جس کو تم جانتے ہو اور مانتے ہو۔ جو توریت وانجیل بزمانہ نزول قرآن اہل کتاب کے پاس تھیں اگرچہ ان لوگوں نے ان میں تحریفات کر دی تھیں پھر بھی ان میں نبی آخر الزماں ﷺ کی صفات موجود تھیں۔ سورۂ اعراف میں فرمایا: (الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ) (الآیۃ)

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ

کافر ہونا خواہ سب سے پہلے ہو یا بعد میں بہرحال انتہائی ظلم اور جرم ہے مگر اس آیت میں یہ فرمایا کہ پہلے کافر نہ بنو اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص اول کفر اختیار کرے گا تو بعد میں اس کو دیکھ کر جو بھی کفر میں مبتلا ہو گا اس کا وبال جو اس شخص پر پڑے گا اس پہلے کافر پر بھی اس کا وبال آئے گا اس طرح یہ پہلا کافر اپنے کفر کے علاوہ بعد کے لوگوں کے کفر کا سبب بن کر ان سب کے وبال کفر کا بھی ذمہ دار ٹھہرے گا اور اس کا عذاب چند در چند ہو جائے گا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دنیا میں دوسروں کے لئے کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنتا ہے تو جتنے آدمی اس کے

...ے گناہ ہوں گے ان سب کا گناہ ان لوگوں کو بھی ہوگا اور اس شخص کو بھی، اسی طرح جو شخص دوسروں کے لئے کسی ...ن جائے تو جتنے آدمی اس کے سبب سے نیک عمل کریں گے اس کا ثواب جیسا ان لوگوں کو ملے گا ایسا ہی اس شخص کے ...یں بھی لکھا جائے گا قرآن مجید کی متعدد آیات اور رسول کریم ﷺ کی متعدد احادیث میں یہ مضمون بار بار آیا ہے۔

...تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا

...میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو) مفسرین نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میری آیات ...ر میرے تمام رسولوں کی تصدیق کرو (جس میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق بھی ...ر حقیر دنیا کے چلے جانے کی وجہ سے ایمان سے نہ رکو، اگر کفر اختیار کئے رہنے میں کچھ منافع نظر آتے ہیں تو ان کو ...

...دنیا آخرت کے مقابلہ میں حقیر ہی ہے خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے ...ت میں تبدیل اور تحریف نہ کرو اور کتمان حق نہ کرو۔ جیسا کہ اب تک کرتے رہے ہو اور اپنے عوام سے اس کے ...نع حاصل کرتے ہو۔ وقیل کانوا یاکلون الرشی فیحرفون الحق ویکتمونہ۔ (من البیضاوی)

بعض نے کہا وہ رشوت کھا کر حق میں تحریف کرتے اور اسے چھپاتے ہیں۔''

پھر فرمایا (وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ) (کہ صرف مجھ ہی سے ڈرو) درحقیقت خوف خدا بہت بڑی چیز ہے کفر اور شرک اور ہر طرح کے معاصی چھڑانے میں اس کو سب سے بڑا دخل ہے۔ اس کی طرف دوبارہ توجہ دلائی اور بطور تاکید اس کا دوبارہ اعادہ فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ رھب سے تقویٰ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور چونکہ ایمان کا حکم عوام وعلماء سب کو ہے اس لیے پہلی آیت کے ختم پر فَارْهَبُوْنِ فرمایا اور دوسری آیت میں جب علماء کو خصوصی خطاب ہوا تو فَاتَّقُوْنِ فرمایا، کیونکہ تقویٰ خوف وخشیت اور رھبت کا منتہی ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

<u>بدخو یہودی:</u>

اس آیت میں بھی علماء یہود کو خطاب ہے یہ لوگ توریت شریف میں تحریف کر چکے تھے اور اس میں سے کچھ صحیح باتیں ان کے پاس باقی تھیں ان میں بھی خلط ملط کرتے تھے۔ اوّل تو تعلیم عام نہیں تھی اپنی قوم کے تمام افراد کو دین اور کتاب نہیں سکھاتے تھے اور توریت شریف کے اوراق منتشر کر کے رکھ رکھے تھے۔ (تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا) جو شخص کوئی بات پوچھتا تو کوئی ایک ورقہ نکال کر اس کا مطلب جو چاہتے بتا دیتے تھے۔ اور پوچھنے والے کو خوش کرنے اور اس سے رشوت لینے کے لیے اس کی مرضی کے مطابق توریت شریف کے مضامین کی تشریح کر دیتے تھے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی جو علامات توریت شریف میں لکھی تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ ان کو حکم فرمایا کہ تم حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ، اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو خود تراشیدہ بات کو حکم خداوندی ظاہر نہ کرو، تم جانتے ہو کہ ہم ایسا کر رہے ہیں اور

یہ بھی جانتے ہو کہ اس کا کیا وبال ہے۔ پھر بھی ایسی حرکت کرتے ہو۔ (انوار البیان)

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ربط: بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں اور احسانات یاد دلا کر ایمان اور عمل صالح کی طرف دعوت دی ہے پچھلی تین آیتوں میں ایمان و عقائد سے متعلق ہدایات تھیں اور ان چار آیتوں میں اعمال صالحہ کی تلقین ہے اور ان میں جو اعمال سب سے زیادہ اہم ہیں ان کا ذکر ہے

نماز اور زکوٰۃ کا حکم:

اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنے کا مطلب سورۃ البقرہ کے شروع میں بیان ہو چکا ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ نفس میں رجوع الی اللہ اور تواضع پیدا ہوتی ہے۔ اور نماز کی برکات اور ثمرات بہت ہیں جو علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ زکوٰۃ سے نفس کی کنجوسی دور ہوتی ہے اور مال کا خبث بھی دور ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یعنی نماز با جماعت پڑھو، جماعت کی نماز میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں۔ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ با جماعت نماز پڑھنے سے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور ایک نماز کا ثواب ستائیس نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو سبھی کو ہے۔ لیکن یہودیوں کو خصوصی خطاب اس لیے فرمایا کہ ان لوگوں میں حب جاہ اور حب مال کا مرض تھا۔ نماز اور زکوٰۃ میں ان دونوں کا علاج ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ (وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ) اس لیے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا، مطلب یہ ہوا کہ اب تک جو نماز پڑھتے رہے اب اس کو چھوڑ دو اور اب وہ نماز پڑھو جو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے بتائی ہے۔ جو رکوع اور سجدہ دونوں پر مشتمل ہے۔ بعض علماء نے اس آیت سے فرض نماز با جماعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ اور جو حضرات واجب نہیں کہتے ان کے نزدیک نماز با جماعت بہت زیادہ مؤکد ہے اس آیت شریفہ سے نماز با جماعت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ احادیث شریفہ میں بھی اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشک میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جو جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں، تاکہ اذان دی جائے پھر کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کا امام بنے اور میں ان لوگوں کے گھروں کی طرف چلا جاؤں جو جماعت میں حاضر نہ ہوئے۔ پھر ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۸۹)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی جماعت قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ (ان لوگوں کے گھروں میں جو کچھ ہے) آگ سے جلا دیں (جو جماعت میں نہیں آئے)۔

(رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص۹۷)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا، کیا فلاں شخص حاضر ہے حاضرین نے عرض کیا نہیں، فرمایا: کیا فلاں شخص حاضر ہے، عرض کیا نہیں۔ فرمایا: بے شک یہ دونوں نمازیں (عشاء اور فجر) منافقوں پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کیا (اجر وثواب) ہے تو ان دونوں میں حاضر ہوتے، اگرچہ گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا۔ اور (فرمایا) کہ بلاشبہ پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح سے ہے اور اگر تم جان لو کہ اس کی کیا فضیلت ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور بلاشبہ ایک شخص کی نماز دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے بہ نسبت تنہا نماز پڑھنے کے، اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جتنی بھی زیادہ تعداد ہوگی، اسی قدر اللہ کو محبوب ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی کمافی المشکوٰۃ ص ۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں نے اپنا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ نماز جماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہ جاتا تھا جو منافق ہوتا اور اس کا نفاق کھلا ہوا سب کو معلوم ہوتا تھا یا کوئی مریض ہوتا (بلکہ) مریض کا بھی یہ حال تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر آتا تھا۔ یہاں تک کہ نماز میں حاضر ہو جاتا تھا اور فرمایا کہ بلاشبہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ہدایت کے طریقے بتائے ہیں اور ہدایت کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان دی جاتی ہو۔

(صحیح مسلم ص ۲۳۲ ج ۱)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی تین مرد کسی جنگل یا بستی میں ہوں جن میں نماز باجماعت قائم نہ کی جاتی ہو تو ضرور شیطان ان پر غلبہ پالے گا۔ لہٰذا جماعت کی حاضری کو لازم کر لو کیونکہ بھیڑیا اسی بکری کو کھا جاتا ہے جو گلہ سے دور ہو جائے۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی کمافی المشکوٰۃ ص ۹۶)

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

واعظ بے عمل اور یہودی:

بعض علمائے یہود یہ کمال کرتے تھے کہ اپنے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ دین اسلام اچھا ہے اور خود مسلمان نہ ہوتے تھے اور نیز علمائے یہود بلکہ اکثر ظاہر بینوں کو اس موقع پر یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ جب ہم تعلیم احکام شریعت میں قصور نہیں کرتے اور حق پوشی بھی نہیں کرتے تو اس کی ضرورت نہیں کہ ہم خود بھی احکام پر عمل کریں جب ہماری ہدایت کے موافق بہت سے آدمی اعمال شریعت بجالاتے ہیں تو بحکم قاعدہ الدال علی الخیر کفاعلہ وہ ہمارے ہی اعمال ہیں تو اس آیت میں دونوں کا بطلان فرما دیا گیا اور آیت سے مقصود یہ ہے کہ واعظ کو اپنے وعظ پر ضرور عمل کرنا چاہیے یہ غرض نہیں کہ فاسق کسی کو نصیحت نہ کرے۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ۝

علمائے اہل کتاب جو بعد وضوح حق بھی آپ پر ایمان نہ لاتے تھے اس کی بڑی وجہ حب جاہ اور حب مال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتا دیا صبر سے مال کی طلب اور محبت جائے گی اور نماز سے عبودیت و تذلل آئے گا اور حب جاہ کم ہوگی۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

یعنی صبر اور نماز حضور دل سے بہت بھاری ہے مگران پر آسان ہے جو عاجزی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں جن کا خیال اور دھیان یہ ہے کہ ہم کو خدا کے روبرو ہونا اور اس کی طرف پھر جانا ہے (یعنی نماز میں خدا کا قرب اور گویا اس سے ملاقات ہے) یا قیامت میں حساب و کتاب کے لئے روبرو جانا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ بِالشُّكْرِ عَلَيْهَا بِطَاعَتِيْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ اَيْ اٰبَائَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ عَالَمِيْ زَمَانِهِمْ وَ اتَّقُوْا خَافُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ فِيْهِ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَّ لَا يُقْبَلُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ مِنْهَا شَفَاعَةٌ اَيْ لَيْسَ لَهَا شَفَاعَةٌ فَتُقْبَلُ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ فِدَاءٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ يُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔ وَاذْكُرُوْا اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ اَيْ اٰبَائَكُمْ وَالْخِطَابُ بِهٖ وَبِمَا بَعْدَهٗ لِلْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرُوْا بِمَا اَنْعَمَ عَلٰى اٰبَائِهِمْ تَذْكِيْرًا لَّهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ لِيُؤْمِنُوْا مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ يُذِيْقُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اَشَدَّهٗ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ نَجَّيْنٰكُمْ يُذَبِّحُوْنَ بَيَانٌ لِمَا قَبْلَهٗ اَبْنَآءَكُمْ الْمَوْلُوْدِيْنَ وَ يَسْتَحْيُوْنَ يَسْتَبْقُوْنَ نِسَآءَكُمْ لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ لَهٗ اَنَّ مَوْلُوْدًا يُوْلَدُ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ يَكُوْنُ سَبَبًا لِذَهَابِ مُلْكِكَ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ الْعَذَابِ اَوِ الْاِنْجَاءِ بَلَآءٌ اِبْتِلَاءٌ وَ اِنْعَامٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ اذْكُرُوْا وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمْ بِسَبَبِكُمْ الْبَحْرَ حَتّٰى دَخَلْتُمُوْهُ هَارِبِيْنَ مِنْ عَدُوِّكُمْ فَاَنْجَيْنٰكُمْ مِنَ الْغَرَقِ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهٗ مَعَهٗ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِلٰى انْطِبَاقِ الْبَحْرِ عَلَيْهِمْ وَ اِذْ وٰعَدْنَا بِالِفٍ وَدُوْنِهَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً نُعْطِيْهِ عِنْدَ انْقِضَائِهَا التَّوْرٰةَ لِتَعْمَلُوْا بِهَا ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ الَّذِيْ صَاغَهٗ لَكُمُ السَّامِرِيُّ اِلٰهًا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَيْ بَعْدَ ذَهَابِهٖ اِلٰى مِيْعَادِنَا وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ بِاتِّخَاذِهٖ لِوَضْعِكُمُ الْعِبَادَةَ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهَا ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مَحَوْنَا ذُنُوْبَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ الْاِتِّخَاذِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ نِعْمَتَنَا عَلَيْكُمْ وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَ الْفُرْقَانَ عَطْفُ تَفْسِيْرٍ اَيِ الْفَارِقِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ بِهٖ مِنَ الضَّلَالِ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ الَّذِيْنَ عَبَدُوا الْعِجْلَ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ اِلٰهًا فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ خَالِقِكُمْ مِنْ عِبَادَتِهٖ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَيْ لِيَقْتُلِ الْبَرِيْءُ مِنْكُمُ الْمُجْرِمَ ذٰلِكُمْ

الْقَتْلُ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ط فَوَفَّقَكُمْ لِفِعْلِ ذٰلِكَ وَاَرْسَلَ عَلَيْكُمْ سَحَابَةً سَوْدَاءَ لِئَلَّا يُبْصِرَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَيَرْحَمَهُ حَتّٰى قُتِلَ مِنْكُمْ نَحْوَ سَبْعِيْنَ اَلْفًا فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط قَبِلَ تَوْبَتَكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَ اِذْ قُلْتُمْ وَقَدْ خَرَجْتُمْ مَعَ مُوْسٰى لِتَعْتَذِرُوْا اِلَى اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِجْلِ وَ سَمِعْتُمْ كَلَامَهٗ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً عِيَانًا فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ الصَّيْحَةُ فَمُتُّمْ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ مَا حَلَّ بِكُمْ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ اَحْيَيْنَاكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ نِعْمَتَنَا بِذٰلِكَ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ سَتَرْنَاكُمْ بِالسَّحَابِ الرَّقِيْقِ مِنْ حَرِّ الشَّمْسِ فِي التِّيْهِ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ فِيْهِ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ط هُمَا التَّرَنْجَبِيْنُ وَالطَّيْرُ السُّمَانٰى بِتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ وَالْقَصْرِ وَقُلْنَا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ط وَلَا تَدَّخِرُوْا فَكَفَرُوا النِّعْمَةَ وَادَّخَرُوْا فَقُطِعَ مِنْهُمْ وَ مَا ظَلَمُوْنَا بِذٰلِكَ وَ لٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ لِاَنَّ وَبَالَهٗ عَلَيْهِمْ۔ وَ اِذْ قُلْنَا لَهُمْ بَعْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ التِّيْهِ ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ اَوْ اَرِيْحَا فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاسِعًا لَا حَجْرَ فِيْهِ وَّادْخُلُوا الْبَابَ اَيْ بَابَهَا سُجَّدًا مُنْحَنِيْنَ وَّ قُوْلُوْا مَسْاَلَتُنَا حِطَّةٌ اَيْ اَنْ تُحِطَّ عَنَّا خَطَايَانَا نَّغْفِرْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ فِيْهِمَا لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ط وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بِالطَّاعَةِ ثَوَابًا فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَقَالُوْا حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ وَدَخَلُوْا يَزْحَفُوْنَ عَلٰى اَسْتَاهِهِمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ مُبَالَغَةً فِيْ تَقْبِيْحِ شَاْنِهِمْ رِجْزًا عَذَابًا طَاعُوْنًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ اَيْ خُرُوْجِهِمْ عَنِ الطَّاعَةِ فَهَلَكَ مِنْهُمْ فِيْ سَاعَةٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا اَوْ اَقَلُّ۔

ع ۱۳ ۶

ترجمہ: اے اولاد یعقوب! یاد کرو میری اس نعمت کو میں نے تم پر احسان کیا (یعنی میری اطاعت کر کے اس کی شکر گزاری کرو) اور اس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت دی (یعنی آباؤ اجداد کو) سارے جہاں والوں پر (یعنی اس زمانہ کے تمام لوگوں پر) اور ڈرو (خوف کرو) اس دن سے کہ کوئی شخص کسی کے کام نہ آئے کچھ بھی (وہ قیامت کا دن ہے) اور نہ قبول ہو سکے اس کی طرف سے کوئی سفارش (یقبل میں دو قراءت ہے تاء کے ساتھ تقبل اور یاء کے ساتھ یقبل، یعنی ان کافروں کے لئے کسی کی کوئی سفارش نہ ہوگی کہ قبول کیا جائے جیسا کہ مفسر نے دوسری آیت نقل فرمائی: فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ (ہم کو کوئی نہیں ہے ہماری سفارش کرنے والا) اور نہ لیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ (فدیہ) اور نہ وہ مدد کئے جائیں

گے (کہ اللہ کے عذاب سے بچالئے جائیں) اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے نجات دی تم کو (یعنی تمہارے آباؤ اجداد کو) اور خطاب اس لفظ نَجَّيْنٰكُمْ اور اس کے مابعد میں ان یہود کو ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے ان کو اطلاع دی گئی جو ان کے آباؤ اجداد پر احسان کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کر کے ایمان لائیں۔ متعلقین فرعون سے جو چکھاتے تھے تم کو برا عذاب (سخت عذاب۔ یہ جملہ نَجَّيْنٰكُمْ کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے) ذبح کرتے تھے (یہ ماقبل کا بیان ہے) تمہارے بیٹوں کو (پیدا شدہ) اور زندہ رہنے دیتے تھے (باقی چھوڑ دیتے تھے) تمہاری عورتوں کو (بعض کاہنوں کے کہنے کی وجہ سے فرعون کو کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کے زوال کا سبب ہوگا) اور اس میں (یعنی واقعہ عذاب یا انجاء میں) امتحان تھا (ابتلاء یا انعام) تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑا اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ شق کر دیا ہم نے (پھاڑ دیا) تمہاری وجہ سے سمندر کو (یہاں تک کہ تم اس میں داخل ہو گئے اپنے دشمن سے بھاگ کر) پھر ہم نے تم کو بچا لیا (ڈوبنے سے) اور ہم نے غرق کر دیا متعلقین فرعون کو (یعنی اور اس کے ساتھ اس کی قوم کو) درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے (یعنی ان پر سمندر کے مل جانے کو) اور (یاد کرو وہ زمانہ) جبکہ ہم نے وعدہ کیا (لفظ وٰعَدْنَا میں دو قراءتیں ہیں، الف کے ساتھ، دوسری قراءت بغیر الف کے ہے یعنی وعدنا) موسیٰ سے چالیس رات کا (کہ ہم آپ کو توریت عطا کریں گے بوقت پورا ہونے اس مدت کے تا کہ اس توریت پر عمل کر سکو) پھر تم نے بنا لیا بچھڑا کو (جس کو تمہارے لیے سامری نے ڈھالا تھا معبود) موسیٰ کے بعد (یعنی مقام وعدہ کی طرف موسیٰ کے جانے کے بعد) اور تم ظالم تھے (بچھڑا معبود بنا کر، عبادت کو غیر محل میں رکھ کر) پھر ہم نے معاف کیا (تمہارے گناہوں کو مٹا دیا) اس (بچھڑا اختیار کرنے) کے بعد تا کہ تم شکریہ ادا کرو گے (ہمارے احسان کا) اور (یاد کرو وہ زمانہ) جبکہ ہم نے دی موسیٰ کو کتاب (توریت) اور فرقان (لفظ فرقان کتاب کا عطف تفسیری ہے یعنی وہ کتابیں جو حق و باطل، حلال و حرام کو جدا کرنے والی ہیں تا کہ تم راستہ پا سکو) اس فرقان کے ذریعہ گمراہی سے۔ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے (یعنی ان لوگوں سے جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی) اے میری قوم! بلاشبہ تم نے ظلم کیا ہے اپنے نفسوں پر بچھڑا بنا کر (یعنی معبود بنا کر) پس توبہ کرو اپنے پروردگار کی طرف (یعنی اپنے خالق کی طرف اس کی عبادت کے ذریعہ) اور قتل کروا اپنی جانوں کو (یعنی قتل کرے جو تم میں سے بری ہے مجرم کو) یہ (قتل) تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے نزدیک بہتر ہوگا (چنانچہ اللہ نے اس کام کی تم کو توفیق بخشی اور تم پر ایک سیاہ بادل بھیج دیا تا کہ تم میں سے بعض بعض کو دیکھ کر رحم نہ کھا سکے یہاں تک کہ تم میں سے تقریباً ستر ہزار قتل کیے گئے) پھر اللہ نے مہربانی کی تم پر (یعنی تمہاری توبہ قبول ہوئی) بلاشبہ وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم لوگوں نے کہا (درآنحالیکہ تم موسیٰ کے ساتھ نکلے تھے کہ گوسالہ پرستی سے معذرت کریں، اللہ کے پاس اور تم نے اللہ کا کلام سن لیا) اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں گے اللہ کو اعلانیہ (آنکھ سے) چنانچہ آ پکڑا تم لوگوں کو بجلی نے (یعنی کڑک نے کہ تم مر گئے) درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے (جو بجلی تم پر گری) پھر ہم نے اٹھایا تم کو (یعنی زندہ کیا) تمہارے مر جانے کے بعد تا کہ تم شکر کرو (ہماری اس نعمت کا) اور سایہ کیا (اس میدان میں) من اور سلویٰ (ترنجبین اور بٹیریں) سمانی میم کی تخفیف اور قصر کے ساتھ یعنی بغیر مد کے اور ہم نے کہا) کھاؤ نفیس

چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں (اور ذخیرہ مت کرو، سوانہوں نے کفرانِ نعمت کی اور ذخیرہ کرلیا تو ان سے منقطع کرلیا گیا) اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا (اس سے) بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے (اس لیے کہ اس کا وبال خود ان پر پڑا۔ اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے کہا (ان سے میدانِ تیہ سے نکلنے کے بعد) کہ داخل ہو جاؤ اس بستی (بیت المقدس یا اریحا) میں پھر کھاؤ اس میں سے جہاں چاہو بلا تکلف (فراغت سے بلا روک ٹوک) اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے (یعنی جھکتے ہوئے) اور کہتے جاؤ (کہ ہماری درخواست ہے) معاف کر دے (یعنی ہمارے گناہوں کو جھاڑ دے) ہم معاف کر دیں گے (ایک قراءت میں یاء کے ساتھ اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ ہے اور ہر دو مجہول ہیں) تمہاری خطائیں اور عنقریب زیادہ دیں گے نیکی والوں کی (اطاعت کا ثواب) پھر بدل ڈالا ظالموں نے (ان میں سے) بات کو خلاف اس کے جو ان سے کہہ دی گئی تھی (چنانچہ حطة کے بجائے حبة فی شعرة کہا یعنی بال میں دانہ اور داخل ہوئے اپنے سرینوں پر گھسٹتے ہوئے) تو ہم نے اتارا ظالموں پر (یہاں بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا ہے ان کی تفضیح شان میں مبالغہ کے لیے) عذاب (یعنی عذاب طاعون) آسمان سے ان کی نافرمانی کی وجہ سے (ان کے فسق کی وجہ سے) یعنی اطاعت سے باہر ہو جانے کی وجہ سے چنانچہ ان میں سے ستر ہزار یا کچھ کم فوراً ہلاک ہو گئے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِالشُّكْرِ عَلَيْهَا: یہاں ذکر سے مراد زبان سے ذکر نہیں بلکہ شکر مراد ہے۔

قوله: اٰبَائِكَ: مضاف محذوف ہے کیونکہ حاضرین کی فضیلت مراد نہیں بلکہ ان کے آباء کی فضیلت مراد ہے۔

قوله: عَالَمِیْ زَمَانِهِمْ: عالم سے مراد ان کے زمانہ کی ماسوی اللہ موجودات تاکہ ہمارے پیغمبر ﷺ اور آپ ﷺ کی امت پر فضیلت لازم نہ آئے۔

قوله: خَافُوْا: تقویٰ یہاں صیانۃ کے معنی میں نہیں بلکہ خوف کے معنی میں ہے۔

قوله: لَا تَجْزِیْ فِیْهِ: کا جملہ یہ یَوْمًا کی صفت ہے اور فِیْهِ عائد مقدر ہے۔

قوله: هُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ: یَوْمًا کی تنکیر عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور وہ بلا تعیین اس وصف کے ذریعہ تمام ایام میں ممتاز ہے۔

قوله: لَیْسَ لَهَا: اس سے شفاعت کی نفی مراد ہے یہ معنی نہیں کہ وہاں سفارشی ہے لیکن اس کی سفارش مقبول نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہاں اس کا کوئی سفارشی ہی نہ ہوگا۔ اس کی دلیل آیت: فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ۝ ہے۔

قوله: فِدَاء: یعنی عَدْلٌ سے مراد فدیہ ہے اور فدیہ مفدی لہٗ کا معادلہ ہوتا ہے نہ کہ بدل جیسا کہ بعض کا قول ہے۔

قوله: وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝: اشارہ کیا کہ ہم ضمیر نفس سے بتاویل عباد لائی گئی ہے۔

معطوف علیہ کے مابین فاصلہ کا اعتراض آئے۔

قوله: وَ اِذْكُرُوْا: اِذْ کا معمول مقدر ہے نجینا نہیں کہ اس پر معطوف

قوله: يُذِيقُوْنَكُمْ: اشارہ کیا کہ سوم بمعنی ذوق ہے نہ کہ بمعنی طلب پھر اس کے تعدیہ کے لیے حرف جر لانا پڑے گا، فتدبر۔

قوله: اَشَدَّهُ: سوء کی اضافت عذاب کی طرف کی گئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب کا وجود بغیر سوء کے بھی پایا جائے حالانکہ ہر عذاب برا ہے تو اَشَدّ سے اشارہ کر دیا کہ دوسرے عذاب کے مقابلے میں بدترین ہے پس اضافت کا اقتضاء پورا ہوگیا۔

قوله: اَلْعَذَابِ اَوِ الْاِنْجَاءِ: مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلاء سے عذاب مراد لیا جا سکتا ہے یا انعام مراد ہوگا بیک وقت دونوں مراد نہیں کیونکہ مشترک میں عموم نہیں۔

قوله: اذْكُرُوْا: سے اشارہ کیا کہ اذ کا معمول ہے نہ کہ فَرَقْنَا۔ فتدبر

قوله: فَرَقْنَا: فرق کو بحر کی طرف اس لیے تعدیہ کیا کیونکہ وہ فلق کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: بِسَبَبِكُمْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ با یہاں سببت کے لیے ہے جیسا کہ لازم نہ کہ استعانت کے لیے جیسا بعض کا قول ہے۔

قوله: حَتّٰى دَخَلْتُمُوْهُ: اس سے وجہ امتنان کی طرف اشارہ کیا کہ سمندر کا پھاڑنا تمہارے چھٹکارے کے لیے تھا، نہ کہ تمہارے ڈرانے کے لیے۔

قوله: حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ: یعنی اس کی صفت نہیں کیونکہ ضمیر موصوف نہیں بن سکتی اور نہ آل کی صفت بن سکتی ہے کیونکہ وہ اضافت سے معرفہ ہے۔

قوله: بَيَانٌ لِمَا قَبْلَهُ: یہ عطف نہ ہونے کی وجہ ہے۔

قوله: اَلْمَوْلُوْدِيْنَ: اطلاع آئندہ پیدا ہونے والے بچے سے متعلق تھی اس لیے وہ بچوں کو قتل کرتے نہ کہ بڑوں کو۔

قوله: يَسْتَبْقُوْنَ: بقاء مراد تھی حقیقی معنی زندگی کا مراد نہیں۔

قوله: قَوْمَهُ مَعَهُ: اس میں فرعون سے احتراز مقصود نہیں یہ جانتے ہوئے کہ وہ ان کے ساتھ ہے اس کے علم پر اکتفا کیا۔

قوله: اِلَى انْطِبَاقِ الْبَحْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اَغْرَقْنَا کے متعلق ہے نہ کہ مجموعہ ماذکر سے۔

قوله: نُعْطِيْهِ عِنْدَ: اربعین یہ دوسرا مفعول ہے واعدنا کا ظرف نہیں کیونکہ وعد کا تعلق آن واحد سے ہے۔

قوله: السَّامِرِيُّ: العجل کا لام عہد خارجی کا ہے اس لیے کہ بچھڑا ایک ہی تھا۔

قوله: اِلٰهًا: اتَّخَذَ کا دوسرا مفعول مقدر ہے جو شفاعت کے لیے مقدر مانا گیا۔

قوله: بَعْدَ ذَهَابِهِ: اس کلام میں مضاف محذوف ہے۔ یہ معنی بعد اتخاذ موسیٰ نہیں۔ یہ شایان نبوت نہیں۔

قوله: مَحْوًا ذُنُوْبَكُمْ: مضاف محذوف ہے اور یہ اشارہ کیا کہ عفا کبھی تو بذات خود متعدی ہوتا ہے اور کبھی متعدی نہیں ہوتا۔

قوله: عَطْفُ تَفْسِيْرٍ: اَلْفُرْقَانَ یہ کتاب کی تفسیر ہے۔ جیسا آیت: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً میں ضیاء، فرقان کی تفسیر ہے۔

قوله :الْاِتِّخَاذِ :اسم اشارہ کا اختیار کرنا اس کی تمیز کی طرف کمال عنایت کی بناء پر ہے گویا ان کا ظلم آنکھوں کے سامنے تھا۔

قوله :نِعْمَتَنَا :سابقہ قرینہ سے مفعول محذوف ہے۔ اس لیے کہ وہ بمنزلہ ظاہر کے ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ قول راجح ہے کہ ہر بری مجرم کو قتل کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس کا مؤید ہے۔

قوله :الْفَارِقِ :یہ مصدر ہے جو فاعل کے معنی میں ہے۔

قوله :الَّذِيْنَ عَبَدُوا :اضافت عہد کے لیے ہے نہ کہ جنس کے لیے۔

قوله :لِيَقْتُلْ :اعتقاد ونسبت میں اتحاد کی وجہ سے مقتول کو نفس قاتل قرار دیا گیا۔

قوله :فَوَفَّقَكُمْ :اس مقدر کو ماننے سے یہ اشارہ کیا کہ فتاب کا عطف محذوف پر ہے۔ پس یہ خطاب الٰہی ہوا۔

قوله :قَبِلَ تَوْبَتَكُمْ :اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا معنی قبولیت ہے پس اللہ کی طرف اس کی نسبت میں اشکال نہ رہا۔

قوله :لِيَعْتَذِرُوْا :اس سے اشارہ کر دیا کہ اس میقات سے میقات اعتذار مراد ہے جو پہلے میقات سے الگ ہے۔ بغوی نے اسے معالم میں لکھا ہے۔

قوله : لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ : لَكَ کا معنی لام اجلیہ۔ یعنی ہم تمہاری خاطر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور آپ پر ایمان لانا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آپ کو تورات دی اور آپ سے کلام کیا۔ (ک)

قوله :عِيَانًا :روبرو دیکھنا۔ جہر ایسی آواز جس میں ظہور تام ہو۔ یہ رؤیت میں مجاز ہے۔

قوله :مَاحَلَّ بِكُمْ :یہ مفعول مقدر ہے۔

قوله :اَحْيَيْنَاكُمْ :اس سے اشارہ کر دیا کہ بعث کو بعد الموت سے مقید کرنا اغماء ونوم سے احتراز کے لیے ہے۔

قوله :نِعْمَتَنَا :یہ مفعول مقدر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سابقہ کلام کے قرینہ سے یہ بمنزلہ لازم کے ہے۔

قوله :قُلْنَا :کو حکایت حال ماضی کے لیے لایا گیا ہے اس لیے کہ كُلُوْا تو حاضرین کو خطاب ہے جو زمانہ موسیٰ میں تھے۔

قوله :فَكَفَرُوْا :اس میں اختصار ہے۔ پس خبر کے انشاء پر عطف کا اعتراض اس پر درست نہیں۔

قوله :فَكَفَرُوْا النِّعْمَةَ :یہ اس محذوف پر دلالت کی وجہ سے ہے کہ یہ عطف کی راہ سے نفی ہے۔ ظلم کا تعلق مفعول سے ہے اور مفعول کے لیے اس کو ثابت کیا یہ اصل ظلم کے ثبوت کا مقتضی ہے۔

قوله :لِاَنَّ وَبَالَهُ عَلَيْهِمْ :ظلم کے ان پر محصور کرنے کا مطلب اس کے وبال کا انہی پر پڑنا نہ کہ نفس ظلم۔ فتدبر

قوله :بَعْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ التِّيْهِ :اس سے اشارہ کیا کہ یہ اور معاملہ ہے اور يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ والا معاملہ الگ ہے۔ یہ تکلیفی امر ہے اس کو وَلَا تَرْتَدُّوْا... ظاہر کرتی ہے اور یہ التِّيْهِ سے پہلے پیش آیا اور یہ امر اباحت کے لیے ہے جو التِّيْهِ کے بعد پیش آیا اس کے لیے كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کا عطف دلیل ہے۔ اس سے ایک بنانے والوں کی تردید فرمائی۔

قوله :اَیْ بَابِهَا :لام مضاف الیہ کا بدل ہے۔ اس سے اشارہ کیا کہ یہ اریحا شہر کا واقعہ ہے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فتح ہوا۔ فتدبر۔ مگر حدیث میں موسیٰ وہارون علیہما السلام کی وفات تیہ میں لکھی ہے اور یہ معاملہ بیت المقدس سے متعلق ہے۔

قولہ: مُنْحَنِيْنَ: کہہ کر اشارہ کیا کہ سجدے کا شرعی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی مراد ہے۔ بعض نے اس سے شرعی معنی مراد لیا بغوی نے اس پر حضرت ابو ہریرہؓ والی روایت پیش کی ہے۔ (معالم)

قولہ: مَسْأَلَتُنَا: اس سے اشارہ کیا کہ حطۃ یہ مبتدا محذوف مَسْأَلَتُنَا کی خبر ہے نہ امر نا کی۔ حطۃ کا ظاہر نصب مقولہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

قولہ: اَنْ تُحِطَّ: حطۃ کا فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

قولہ: سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾: محسن کے ثواب کا اضافہ جواب امر کی صورت میں ظاہر کیا گیا اس بنا پر کہ اس پر جزم نہیں۔

قولہ: حَبَّۃٌ الی آخر: اس سے اشارہ کیا کہ تبدیل کا تعلق ہر دو معاملے سے ہے صرف ایک سے نہیں۔

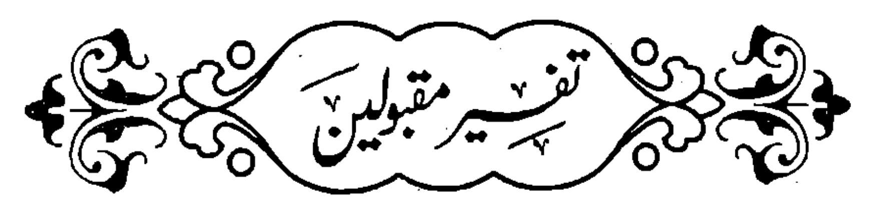
قولہ: قَوْلًا غَيْرَ: مفسر رحمہ اللہ نے ظاہر کو لیا کیونکہ اس میں ان کے فعل کی انتہائی قباحت کو ذکر کیا اور اس میں یہ بھی بیان کیا کہ یہ تبدیلی تغیر کے معنی میں نہ تھی بلکہ خوف سے نڈر ہونے کی صورت میں تھی۔

قولہ: فِي تَقْبِيْحِ شَانِهِمْ: اس کو دوبارہ لائے تاکہ ان کا ظالم ہونا پختہ طور پر ثابت ہو جائے اور یہ بتلایا جائے کہ ان کا ظلم ہی ان پر عذاب کا سبب بنا۔

قولہ: مِّنَ السَّمَآءِ: یہ ظرف مستقر ہے نہ کہ لغو۔ یہ رجز کی صفت ہے۔ ای مقدر لہ من السماء۔ یہ مآ مصدر یہ ہے موصولہ نہیں کہ ضمیر عائد محذوف ماننے کی حاجت ہو۔

قولہ: اَیْ خُرُوْجِهِمْ: فسق یہاں لغوی معنی میں ہے شرعی میں نہیں۔ یعنی سیدھی راہ سے نکالنا۔ پس یہ کفار و فساق سب کو شامل ہے۔

ربط: اس رکوع کے آخر میں وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ تھا۔ تو یہاں فرمایا: وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ (۲) اول خطاب میں جن چیزوں کو مجمل بیان کیا تھا اس میں تفصیل کر دی، یہ چیز تذکیر و تشکر کی طرف زیادہ راغب کرنے والی ہے۔ گویا اس طرح فرمایا: اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ۔ وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۔ وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ۔ غرضیکہ یہ تمام انعامات شکریے کی طرف لانے والے ہیں نہ کہ کفر و عصیان کی طرف۔ پھر آیت نمبر ۵۵ تا ۵۹ میں ان کی خصوصی طرح کی سرکشی ذکر کی کہ اللہ ہمیں آنکھوں سے دکھاؤ، ورنہ ہم نہ مانیں گے۔



يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر اللہ تعالیٰ کے انعامات:

بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر جو نعمت الہیہ انعام کی گئی تھی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان میں سے رسول ہوئے ان پر کتابیں اتریں انہیں انؐ کے زمانہ کے دوسرے لوگوں پر مرتبہ دیا گیا جیسے فرمایا آیت (وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ)

(الدخان: ۳۲) یعنی انہیں ان کے زمانے کے (اور لوگوں پر) ہم نے علم میں فضیلت دی۔ اور فرمایا آیت: (وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ) (المائدۃ: ۲۰) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر انعام کی گئی ہے تم میں اس نے پیغمبر پیدا کئے تمہیں بادشاہ بنایا اور وہ دیا جو تمام زمانے کو نہیں دیا۔ تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد ان کے زمانے کے تمام اور لوگ ہیں اس لئے کہ امت محمدیہ ان سے یقیناً افضل ہے

اس آیت میں خطاب چونکہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو ہے اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ باپ دادا پر جو احسان واکرام کیا جائے اس سے اس کی اولاد بھی فائدہ حاصل کرتی ہے جس کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس لئے ان کو بھی اس آیت میں مخاطب سمجھا جاسکتا ہے،

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا

حشر کا منظر:

اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ (جس میں) نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکتا ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوسکتی ہے (جبکہ خود اس شخص میں ایمان نہ ہو جس کی سفارش کرتا ہے) اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے اور نہ ان لوگوں کی طرفداری چل سکے گی،

آیت میں جس یوم کا ذکر ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے مطالبہ ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی کے ذمہ نماز روزہ کا مطالبہ ہو اور دوسرا کہہ دے کہ میرا نماز روزہ لے کر اس کا حساب بیباق کر دیا جائے اور معاوضہ یہ کہ کچھ مال وغیرہ داخل کر کے بچالائے سو دونوں باتیں نہ ہوں گی اور بدون ایمان کے سفارش قبول نہ ہونے کو جو فرمایا ہے تو اور آیتوں سے معلوم ہوا کہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایسوں کی خود سفارش ہی نہ ہوگی جو قبول کی گنجائش ہو اور طرفداری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی زوردار حمایت کر کے زبردستی نکال لائے۔

غرض یہ کہ دنیا میں مدد کرنے کے جتنے طریقے ہوتے ہیں بدون ایمان کے کوئی طریقہ بھی نہ ہوگا۔

وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ سے فرعون کے متعلقین اور اس کے ہم مشرب لوگ مراد ہیں اور آل اصل میں اہل تھا۔ کیونکہ اس کی تصغیر اہیل آتی ہے اور آل کے لفظ کا استعمال انبیاء، اور بادشاہ اور بڑے بڑے لوگوں میں آتا ہے۔

احسانات کی یاددہانی:

ان آیتوں میں فرمان باری ہے کہ اے اولاد یعقوب میری اس مہربانی کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں فرعون کے بدترین عذابوں سے چھٹکارا دیا، فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی جو مصر کے ہر ہر قبطی کے

گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں اس کا غرور ٹوٹے گا اس کے اللہ کے دعویٰ کی بدترین سزا اسے ملے گی۔ علامہ محمد حسین بغوی نے کہا ہے کہ اس کے بعد فرعون نے یہ حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے اور شہر کی سب دائیوں کو جمع کر کے حکم دے دیا کہ دیکھو آج سے بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو زندہ نہ چھوڑا جائے ہاں لڑکیوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ روایت ہے کہ اس جستجو وتلاش میں اس مردود نے بارہ ہزار بچے قتل کروائے۔ وہب فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فرعون نے نوے ہزار بچے ذبح کرائے۔ پھر بنی اسرائیل کے بوڑھے لوگوں میں مری پھیل گئی۔ قبطیوں کے رئیسوں نے یہ حالت دیکھ کر فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بچے تو آپ کے حکم سے مارے جاتے ہیں اور بوڑھے اپنی موت مر رہے ہیں اگر یہی حالت رہی تو بنی اسرائیل بالکل نیست و نابود ہو جائیں گے اور ساری بیگار ہم پر آپڑے گی اور کوئی مزدور و بیگاری ہمیں نہ مل سکے گا فرعون نے یہ بات سن کر حکم دیا کہ اچھا ایک سال تو بچے قتل کئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں۔ تقدیر الٰہی سے حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے جس میں بچوں کو چھوڑا جاتا تھا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اس وقت رونق افروز عالم ہوئے جس میں بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔

علاوہ ازیں بنی اسرائیل سے سخت بیگار لی جائے ہر طرح کی مشقت کے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے۔ یہاں پر عذاب کی تفسیر لڑکوں کے مار ڈالنے سے کی گئی اور سورۃ ابراہیم میں ایک کا دوسری پر عطف ڈالا جس کی پوری تشریح انشاء اللہ سورۃ قصص کے شروع میں بیان ہوگی اللہ تعالیٰ ہمیں مضبوطی دے ہماری مدد فرمائے اور تائید کرے آمین یسومونکم کے معنی مسلسل کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر دکھ دیئے جاتے تھے چونکہ اس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا کہ میری انعام کی ہوئی نعمت کو یاد کرو اس لئے فرعون کے عذاب کی تفسیر کو لڑکوں کے قتل کرنے کے طور پر بیان فرمایا تاکہ نعمتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یعنی متفرق عذابوں سے اور بچوں کے قتل ہونے سے تمہیں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں نجات دلوائی۔ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیق وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا جیسے کہ روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسریٰ اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطلیموس۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بعض نے مصعب بن ریان بھی کہا ہے۔ عملیق بن اود بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا اس کی کنیت ابو مرہ تھی۔ اصل میں اصطخر کے فارسیوں کی نسل میں تھا اللہ کی پھٹکار اور لعنت اس پر نازل ہو پھر فرمایا کہ اس نجات دینے میں ہماری طرف سے ایک بڑی بھاری نعمت تھی بلاء کے اصلی معنی آزمائش کے ہیں لیکن یہاں پر حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، ابو العالیہ، ابو مالک سدی وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں، امتحان اور آزمائش بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بلوتہ بلاء کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لئے اور ابلیہ ابلاء و بلاء کا لفظ بھلائی کے ساتھ کی آزمائش کے لئے آتا ہے یہ کہا گیا ہے کہ اس میں یعنی عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے میں تمہاری آزمائش تھی۔ قرطبی اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہوگا اور بلاء کے معنی برائی کے ہوں گے پھر فرمایا کہ ہم نے فرعون سے بچالیا۔ تم موسیٰ کے ساتھ شہر سے نکلے اور فرعون

تمہیں پکڑنے کو نکلا تو ہم نے تمہارے لئے پانی کو پھاڑ دیا اور تمہیں اس میں سے پار اتار کر تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لشکر سمیت ڈبو دیا۔ ان سب باتوں کا تفصیل وار بیان سورۃ شعراء میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ عمرو بن میمون اودی فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ جب مرغ بولے تب سب نکلو اور سب کو پکڑ کر قتل کر ڈالو لیکن اس رات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صبح تک کوئی مرغ نہ بولا مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس کی کلیجی سے میں فارغ ہوں اس سے پہلے چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہئے چنانچہ حاضر ہو گیا اور یہ ملعون اتنی بڑی جمعیت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لئے بڑے کر وفر سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پالیا۔ اب بنی اسرائیل پر دنیا تنگ ہوگئی پیچھے ہٹیں تو فرعونیوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع بن نون نے کہا کہ اے اللہ کے نبی اب کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا حکم الٰہی ہمارا راہنما ہے، یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو جھوٹا جانتے ہیں نہ رب کو تین مرتبہ ایسا ہی کہا۔ اب حضرت موسیٰ کی طرف وحی آئی کہ اپنا عصا دریا پر مارو عصا مارتے ہی پانی نے راستہ دے دیا اور پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا حضرت موسیٰ اور آپ کے ماننے والے ان راستوں سے گزر گئے انہیں اس طرح پار اترتے دیکھ کر فرعون اور فرعونی افواج نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستہ پر ڈال دیئے۔ جب تمام کے تمام اس میں داخل ہو گئے پانی کو مل جانے کا حکم ہوا پانی کے ملتے ہی تمام کے تمام ڈوب مرے بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ دن عاشورہ کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ شریف میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم سے نجات پائی اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا آپ نے فرمایا تم سے زیادہ حقدار موسیٰ علیہ السلام کا میں ہوں پس حضور ﷺ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری مسلم نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا اس حدیث کے راوی زید العمی ضعیف ہیں اور ان کے استاد یزید رقاشی ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا اور بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت کرنا:

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو لے کر سمندر پار ہو گئے تو ایک میدان میں پہنچ گئے۔ یہاں سے ان کو اپنے وطن فلسطین جانا تھا لیکن چالیس سال کے بعد وہاں پہنچ سکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے علاقے میں ان کو جانا نصیب ہوا ان کی وفات اسی میدان میں ہوگئی۔ اور اسی عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی۔ طور پہاڑ

اسی میدان میں ہے۔ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بلایا ایک مہینہ اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم ہوا تھا۔
لیکن تیس راتیں گزرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی رائحہ دور ہوگئی جو روزہ رکھنے سے
منہ میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو حدیث میں (خُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ) سے تعبیر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک
مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عمدہ ہے۔ (کما فی صحیح البخاری)

جب یہ رائحہ دور ہوگئی تو دس دن مزید روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ لہٰذا چالیس دن کوہ طور پر گزارے۔ مدت مذکورہ گزر
جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی۔ سورۃ بقرہ میں چالیس راتوں کا ذکر ہے۔ اور سورۃ اعراف میں تفصیل بیان فرمائی
کہ تیس راتوں میں دس راتیں اور بڑھا دی گئیں۔ لہٰذا چالیس راتیں پوری ہوئیں۔ (وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ
اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً).

سامری سنار کا زیورات سے بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنا لینا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے اور وہاں چالیس دن لگ گئے۔ ادھر ان کے پیچھے ان کی قوم بنی اسرائیل نے
بچھڑے کی پرستش شروع کر دی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے۔ تو انہوں نے قبطی قوم کے
لوگوں سے (جو مصر کے اصل باشندے تھے) زیورات مانگ لئے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے ان میں ایک آدمی
سامری نام کا تھا جو سنار کا کام کرتا تھا اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے گائے کے بچھڑے کی شکل بنا دی اور اس کے منہ میں مٹی
ڈال دی۔ یہ وہ مٹی تھی جو اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی
میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمہ سے گائے کے بچہ کی آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی دیکھ آئے تھے۔ جب اس کی
آواز سنی تو کہنے لگے۔ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ۔
(یعنی یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے گئے۔ معبود
تو العیاذ باللہ یہاں موجود ہے)۔ حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے چھوڑ گئے تھے انہوں نے بنی اسرائیل کو سمجھایا
اور بتایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب رحمٰن ہے میری اتباع کرو۔ میری اطاعت کرو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر
اس بچھڑے کے آگے پیچھے لگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں۔

سامری کو بددعا اور بچھڑے کا انجام:

جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے تو انہوں نے یہ ماجرا دیکھا، بہت غصہ ہوئے اور پوری
صورتحال معلوم فرمائی پتہ چلا کہ سامری نے یہ حرکت کی ہے۔ اس سے بھی سوال جواب فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو
بددعا دے دی اور فرمایا:

(فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ) (تو جا تیرے لیے زندگی بھر یہ بات طے کر دی گئی کہ تو جسے
دیکھے گا اس سے کہے گا کہ مجھے نہ چھونا)۔ لہٰذا وہ حیران پریشان جنگل میں پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا یا کوئی شخص اس کو

چھولیتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو جلا دیا اور راکھ کو سمندر میں بہا دیا اور فرمایا: (اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا) (تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے)۔ (انوار البیان)

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً

مطلب یہ ہے کہ باوجود اس شرک جلی کے ہم نے تم سے درگزر فرمائی اور تمہاری توبہ منظور کی اور تم کو فی الفور ہلاک نہ کیا (جیسے آل فرعون کو اس سے کم قصور پر ہلاک کر دیا تھا) کہ تم ہمارا شکر ادا کرو اور احسان مانو۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

کتاب تو تورات ہے اور فرقان فرمایا ان احکام شرعیہ کو جن سے جائز ناجائز معلوم ہو یا فرقان کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو جن سے جھوٹے سچے اور کافر ومومن کی تمیز ہو یا تورات ہی کو کہا کہ وہ کتاب بھی ہے اور اس سے حق اور ناحق بھی جدا ہوتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

بچھڑے کی پوجا کی سزا:

یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے انہوں نے بچھڑے کو پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کا یقین کر کے توبہ استغفار کرنے لگے تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل ومقتول دونوں کو بخش دیا۔ اس کا پورا بیان سورۃ طٰہٰ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کرو بتا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الٰہی سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑا پوجا تھا انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے رہ گئے اور قتل کرنا شروع کیا قدرتی طور پر اندھیرا چھا یا ہوا تھا جب اندھیرا ہٹا تو انہیں روک دیا گیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ ایک سخت فرمان تھا جس کی ان لوگوں نے تعمیل کی اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمادیا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون نے جب اسی طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنی شروع کی کہ اللہ اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرما دیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر مقتولوں کا غم نہ کرو وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں وہ یہاں زندہ ہیں اور غذا پا رہے ہیں اب آپ کو اور آپ کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری موقوف ہوئی۔ تلواریں نیزے چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں، بھائیوں میں قتل وخون موقوف ہوا اور اللہ تواب ورحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (ابن کثیر)

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

بنی اسرائیل کی بیجا جسارت:

جب موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام توریت شریف لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل کو پایا کہ ان میں سے بہت سے لوگ بچھڑے کی عبادت کر چکے ہیں بچھڑے اور اس کی عبادت کرنے والوں کا انجام اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے گو سالہ پرستی کے علاوہ ایک اور اڑ لگائی۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ جو فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہمارے پاس اس کی کیا دلیل ہے۔ ہم تو اس کو جب مانیں گے جب اللہ تعالیٰ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چلو یہ بھی سہی تم لوگ اپنے نمائندے تیار کر لو اور جو لوگ میرے ساتھ چلیں وہ روزہ رکھیں اور پاک صاف ہو کر چلیں جس دن ان کو خداوند قدوس سے ہم کلامی سے مشرف ہونے کا موقع آیا (جس کے لیے پہلے سے اجازت لی ہوئی تھی اور وقت مقرر فرما دیا تھا) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر آدمیوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر یہ لوگ مطمئن نہ ہوئے اور دوسری کروٹ بدلی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر اپنے آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے لقمہ اجل بن گئے۔ جب یہ ماجرا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی کہ پہلے ہی بنی اسرائیل مجھے متہم کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اب اتنے آدمی ہلاک ہو گئے تو میں جب یہ بیان کروں گا کہ وہ لوگ بجلی کی کڑک سے مر گئے تو خدا جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے اور کیسے اتہام دھریں گے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعاء کی جس کی وجہ سے دوبارہ زندہ کر دیے گئے۔ اس نعمت کا شکران زندہ ہونے والوں پر اور ساری قوم پر واجب ہوا۔ (ابن کثیر، البیضاوی)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ

یہود پہ احسانات الٰہیہ کی تفصیل:

جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل بحکم الٰہی مصر سے شام کو چلے جنگل میں ان کے خیمے پھٹ گئے اور گرمی آفتاب کی ہوئی تو تمام دن ابر رہتا اور اناج نہ رہا تو مَن وسلویٰ کھانے کے لیے اترتا

یہ دونوں قصے وادی تیہ میں واقع ہوئے وادی تیہ کی حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر آئے تھے اور یہاں ہی رہ پڑے اور ملک شام میں عمالقہ نامی قوم کا تسلط ہو گیا فرعون جب غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کا ان کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنی اصلی جگہ کو ان کے قبضہ سے چھڑا لو بنی اسرائیل اس ارادہ پر مصر سے چلے اور ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقہ کے زور وقوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی یہ سزا دی کہ چالیس برس تک ایک میدان میں سرگرداں وپریشان پھرتے رہے گھر پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا،

یہ میدان کچھ بہت بڑا رقبہ نہ تھا بلکہ مصر اور شام کے درمیان پانچ چھ کوس یعنی تقریباً دس میل کا رقبہ تھا روایت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے وطن مصر جانے کے لئے دن بھر سفر کرتے اور رات کو کسی منزل پر اترتے صبح کو دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں وہیں اسی طرح چالیس سال سرگرداں و پریشان اس میدان میں پھرتے رہے اسی لئے میدان کو وادی تیہ کہا جاتا ہے۔ تیہ کے معنی ہیں سرگردانی اور پریشانی کے یہ وادی تیہ ایک کھلا میدان تھا نہ اس میں کوئی عمارت تھی نہ درخت جس کے نیچے دھوپ اور سردی اور گرمی سے بچا جا سکے اور نہ یہاں کوئی کھانے پینے کا سامان تھا نہ پہننے کے لئے لباس مگر اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا بنی اسرائیل نے دھوپ کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سفید رقیق ابر کا سایہ کر دیا اور بھوک کا تقاضا ہوا تو من وسلویٰ نازل فرمایا یعنی درختوں پر ترنجبین جو ایک شیریں چیز ہے بکثرت پیدا کر دی یہ لوگ اس کو جمع کر لیتے اسی کو من کہا گیا ہے اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہو جاتیں ان سے بھاگتی نہ تھیں یہ ان کو پکڑ لیتے اور ذبح کر کے کھاتے اسی کو سلویٰ کہا گیا ہے یہ لوگ دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیتے چونکہ ترنجبین کی کثرت معمول سے زائد تھی اور بٹیروں کا وحشت نہ کرنا یہ بھی معمول کے خلاف ہے لہٰذا اس حیثیت سے دونوں چیزیں خزانہ غیب سے قرار دی گئیں ان کو پانی کی ضرورت پیش آئی تو موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا گیا اس پتھر سے چشمے پھوٹ پڑے جیسا کہ دوسری آیات قرآنی میں مذکور ہے ان لوگوں نے رات کی اندھیری کا شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایک روشنی عمودی شکل میں ان کے محلہ کے درمیان قائم فرما دی کپڑے میلے ہوئے اور پھٹنے لگے اور لباس کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بطور اعجاز یہ صورت کر دی کہ ان کے کپڑے نہ میلے ہوں نہ پھٹیں اور بچوں کے بدن پر جو کپڑے ہیں وہ ان کے بدن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسی مقدار میں بڑھتے رہیں۔ (تفسیر قرطبی)

اور ان لوگوں کو یہ بھی حکم ہوا تھا کہ بقدر خرچ لے لیا کریں، آئندہ کے لئے جمع کر کے نہ رکھیں مگر ان لوگوں نے حرص کے مارے اس میں بھی خلاف کیا تو رکھا ہوا گوشت سڑنا شروع ہو گیا اسی کو فرمایا ہے کہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے،

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

یہود کی ایک اور حکم عدولی اور اسکی سزا:

جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے آئے اور انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ہوا جو ان کی موروثی زمین تھی ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورۃ مائدہ میں ذکر ہے قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا کی بلکہ سورج کو ان کے لئے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تھا تا کہ فتح ہو جائے فتح کے بعد انہیں حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ جو اس فتح کی اظہار تشکر کا مظہر ہوگا ابن عباس نے سجدے سے مراد رکوع لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدے سے مراد یہاں پر خشوع خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحطہ تھا۔ رازی نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے

کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکنا شروع کیا اور کروٹ کے بل داخل ہونے لگے سروں کو جھکانے کے بجائے اور اونچا کر لیا حِطَّةٌ کے معنی بخشش کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے عکرمہ کہتے ہیں اس سے مراد آیت (لا الہ الا اللہ) کہنا ہے ابن عباس کہتے ہیں ان میں گناہوں کا اقرار ہے حسن اور قتادہ فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں اللہ ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے ہوئے شہر میں جاؤ گے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کرو گے اور مجھ سے بخشش مانگو تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں میں تمہاری خطاؤں سے درگزر کر لوں گا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّةٌ کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حِطَّةٌ کے بجائے حبة فی شعرة کہتے ہوئے جانے لگے۔ نسائی، عبدالرزاق، ابوداؤد، مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ موجود ہے اور سنداً صحیح ہے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں حِطَّةٌ کے بدلے انہوں نے حنطة حبته حمراء فیها شعیرة کہا تھا ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے: هطا سمعانا ازبته مزبا، ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کی اس لفظی تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حِطَّةٌ کے بدلے حنطة کہتے ہوئے داخل ہوئے حضرت عطا، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع، یحییٰ نے بھی یہی بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے مذاق اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔

"من السمآء" سے مراد یہ نہیں کہ وہ عذاب، برف، بارش وغیرہ کی طرح آسمان سے نازل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ بلکہ یہ فقرہ اس حقیقت کے نمایاں کرنے کے لیے ہے کہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا، ارضی اسباب سے خود بخود پیدا نہیں ہو گیا تھا۔ اے مقدر من السماء۔ (بیضاوی)

سزا کی نوعیت:

رجز سے مراد عذاب ہے کوئی کہتا ہے غضب ہے کسی نے طاعون کہا ہے ایک مرفوع حدیث ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے تم سے پہلے لوگ انہی سے عذاب دیئے گئے تھے۔

انعاماتِ بنی اسرائیل

❶: بنی اسرائیل پر کیے جانے والے انعامات میں سے دس بڑے انعامات کا یہاں تذکرہ فرمایا: (۱) اللہ تعالیٰ نے اس خاندان میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، تورات، انجیل، زبور جیسی کتابیں نازل کر کے اس وقت کے تمام لوگوں پر

عظمت وفضیلت دی۔(۲) مظالم فرعون سے نجات عنایت فرمائی۔(۳) بنی اسرائیل کو پار گزارنے کے لیے سمندر کو پھاڑ دیا وہ محض مدوجزر نہ تھا بلکہ ہم نے اپنے ارادہ سے پھاڑ دیا اور اس میں فرعون کو ۱۰ محرم کو غرق کر دیا۔(۴) موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر، تورات دینے کو بلایا اور وہاں روزے کا حکم فرمایا۔ ادھر سامری منافق نے گاؤ سالہ پرستی کا فتنہ کھڑا کر دیا۔(۵) ثُمَّ عَفَوْنَا سے پانچویں انعام کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے اپنے فضل ورحمت سے معاف کر دیا۔ اس جرم میں تباہ و برباد نہیں کر دیا۔(۶) موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لیے تورات اور معجزات عنایت فرمائے گئے۔ جن سے حق و باطل کی پہچان ہوتی تھی۔(۷) وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ اس میں ساتویں انعام کا ذکر فرمایا۔ گائے کی پرستش سے جو لوگ مرتد ہو گئے اور جنہوں نے نہی عن المنکر سے خاموشی اختیار کی وہ بھی توبہ کریں، مرتدین کی قتل اور ساکنین کی ان پر تلوار چلانے سے توبہ قبول کر لی گئی۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے گائے پرستی کے فعل کی قوم کی طرف سے معذرت کے لیے ستر افراد منتخب کیے اور ان کو کوہِ طور پر لے گئے۔ انہوں نے اعلانیہ اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کر دیا۔(۸) وَ اِذْ قُلْتُمْ یہ آٹھویں انعام کا تذکرہ ہے۔ اس احمقانہ مطالبہ کی وجہ سے غضب الٰہی ٹوٹا اور ان کو بجلی کی کڑک سے ہلاک کر دیا۔ یہاں غضب کے دو اسباب تھے: (۱) موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق سے انکار۔(۲) بے باکانہ یہ کہنا:۔ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے قصور معاف ہوا اور دوبارہ زندہ کر دیئے گئے۔(۹) وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وادی تیہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سفید ابر کا ٹھنڈا سایہ عنایت فرمایا اور کھانے کے لیے من وسلویٰ جیسی عمدہ قدرتی اشیاء میسر فرمائیں۔(۱۰) وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا بقول حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ یہ بیت المقدس کی فتح کا تذکرہ ہے جو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں ہوئی۔ شہر میں داخلہ کے وقت سجدۂ شکر اور زبان سے استغفار کا حکم ملا۔ مگر ان کی بہت بڑی تعداد نے اس کی خلاف ورزی کی، جس پر عذاب اترا، جس سے ستر ہزار مر گئے۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

(م باختصار)

---

❷: علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ آیت: ۴۵، و، آیت ۱۵۳ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ سورہ طٰہٰ: ۱۳۲ میں فرمایا: وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا روایات احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف جلدی کرتے۔

تو اس سے مراد یہ ہے کہ نماز رزق کو لانے والی، صحت کی حفاظت کرنے والی اور دکھ کا ازالہ کرنے والی، بیماریوں کو بھگانے والی، دل کو مضبوط کرنے والی، چہرے کو روشن کرنے والی، نفس کو راحت بخشنے والی، سستی کو دور کرنے والی، اعضاء میں نشاط پیدا کرنے والی، قویٰ کی معاون سینے کو کھولنے والی، روح کو غذا دینے والی، دل کو روشن کرنے والی، نعمت کو محفوظ کرنے والی، برکت کو کھینچ لانے والی، شیطان کو دور بھگانے والی اور رحمٰن کا قرب بخشنے والی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کو بدن وقلب اور قویٰ کی حفاظت میں عجیب تاثیر ہے۔ ردی مواد کو دور کرنے میں مددگار ہے۔ جو شخص کسی سخت بیماری میں مبتلا ہو تو نمازی کو اس میں ابتلاء کی صورت میں ہلکی بیماری والا پاؤ گے اور اس کا انجام دوسروں سے زیادہ سلامتی والا ہے۔

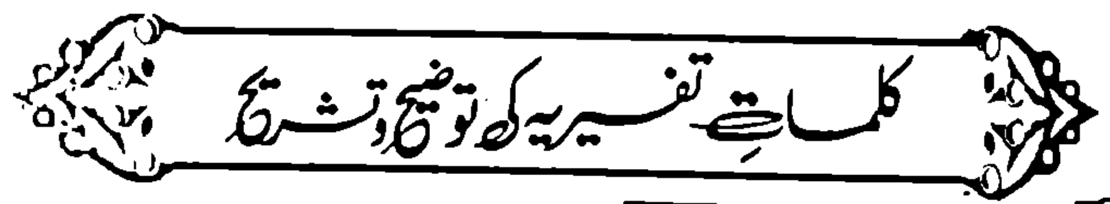
نماز درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا ذریعہ ہے اور یہ تعلق جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر اس کے لیے بھلائیوں کے دروازے کھولے جائیں گے اور شرور و آفات کے اسباب کو اسی قدر منقطع کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اسی قدر منقطع کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اسی قدر بڑھائی جائے گی اور عافیت، غنیمت، غنی، راحت، نعمت، خوشیاں اس کا استقبال کریں گی اور جلد حاصل ہوں گی۔

۳: دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرنے کے لیے یہ سب سے بہتر معاون ہے۔

وَاذْكُرْ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى اَیْ طَلَبَ السُّقْیَا لِقَوْمِهٖ وَقَدْ عَطِشُوْا فِی التِّیْهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ وَهُوَ الَّذِیْ فَرَّ بِثَوْبِهٖ خَفِیْفٌ مُّرَبَّعٌ كَرَاْسِ رَجُلٍ رُخَامٌ اَوْ كَذَانٌ فَضَرَبَهٗ فَانْفَجَرَتْ اِنْشَقَّتْ وَسَالَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ بِعَدَدِ الْاَسْبَاطِ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ سِبْطٍ مِّنْهُمْ مَّشْرَبَهُمْ ؕ مَوْضِعَ شُرْبِهِمْ فَلَا یُشْرِكُهُمْ فِیْهِ غَیْرُهُمْ وَقُلْنَا لَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ حَالٌ مُّؤَكِّدَةٌ لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِیَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ اَیْ نَوْعٍ مِّنْهُ وَّاحِدٍ وَهُوَ الْمَنُّ وَالسَّلْوٰى فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا شَیْئًا مِّمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْ لِلْبَیَانِ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا حِنْطَتِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ لَهُمْ مُوْسٰى اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى اَخَسُّ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اَشْرَفُ اَیْ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بَدَلَهٗ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ فَاَبَوْا اَنْ یَّرْجِعُوْا فَدَعَا اللّٰهَ فَقَالَ تَعَالٰى اِهْبِطُوْا اِنْزِلُوْا مِصْرًا مِّنَ الْاَمْصَارِ فَاِنَّ لَكُمْ فِیْهِ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ مِنَ النَّبَاتِ وَضُرِبَتْ جُعِلَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ الذُّلُّ وَالْهَوَانُ وَالْمَسْكَنَةُ ق اَیْ اَثَرُ الْفَقْرِ مِنَ السُّكُوْنِ وَالْخِزْیِ فَهِیَ لَازِمَةٌ لَهُمْ وَاِنْ كَانُوْا اَغْنِیَاءَ لُزُوْمَ الدِّرْهَمِ الْمَضْرُوْبِ لِسِكَّتِهٖ وَبَآءُوْ رَجَعُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ اَیِ الضَّرْبُ وَالْغَضَبُ بِاَنَّهُمْ اَیْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ كَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰى بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اَیْ ظُلْمًا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ ع یَتَجَاوَزُوْنَ الْحَدَّ فِی الْمَعَاصِیْ وَكَرَّرَهٗ لِلتَّاكِیْدِ

ترجمہ: اور (یاد کرو) جبکہ پانی مانگا موسیٰ نے (سیرابی طلب کی) اپنی قوم کے واسطے (جن کو پیاس لگی میدانِ تیہ میں) تو ہم نے کہا مارو اپنے عصا کو اس پتھر پر (اور پتھر وہی تھا جو موسیٰ کا کپڑا لے بھاگا تھا، ہلکا چوکور آدمی کے سر کی طرح، سفید رنگ نرم پتھر، چنانچہ موسیٰ نے اس پتھر پر مارا) پس جاری ہو گئے (یعنی پھوٹ نکلے اور بہنے لگے) اس سے بارہ چشمے (قبیلوں کی تعداد

کے مطابق) معلوم کرلیا ہر گروہ نے (یعنی ان کے ہر قبیلے نے) اپنا گھاٹ (یعنی پینے کی جگہ اس میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ) کھاؤ اور پیو اللہ کی روزی سے اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو (یہ حال مؤکدہ ہے اپنے عامل فی سے جو بکسرِ الْمُثَلَّثَةِ ای الثاء ہے بمعنی اَفْسَدَ) اور (یاد کرو) جب تم لوگوں نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک قسم کے کھانے (یعنی من وسلویٰ) پر سو آپ دعا کیجئے ہمارے لئے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے (کچھ) ان چیزوں میں سے جو زمین اگاتی ہے (من بیانیہ ہے) یعنی ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا) کیا تم بدلنا چاہتے ہو گھٹیا (بری چیز) کو بعوض ان چیزوں کے جو بہترین ہیں (خیر بمعنی اشرف ہے یعنی بہترین چیز کے بدلے میں گھٹیا چیزیں لینا چاہتے ہو) اَتَسْتَبْدِلُوْنَ کا ہمزۂ استفہام انکاری ہے، سو ان لوگوں نے رجوع کرنے سے انکار کیا چنانچہ موسیٰ نے اللہ سے دعا کی تو حق تعالیٰ نے فرمایا: اترو کسی شہر میں (شہروں میں سے) تو بیشک تم کو ملے گی جو چیزیں تم مانگتے ہو (یعنی زمینی پیداوار) اور ڈالی گئی (مقرر کردی گئی) ان پر ذلت (خواری و پستی) اور محتاجی (لفظ مسکنت کے معنی ہیں محتاجی کا اثر اور یہ ماخوذ ہے سکون سے جس کے معنی ہیں بدبختی اور رسوائی کے چنانچہ یہ ذلت ان کے لئے لازم ہوگئی اگرچہ وہ مالدار ہوں جیسے نکسالی سکہ کے لئے ٹھپہ لازم ہوتا ہے۔) اور پھرے (لوٹے) اللہ کا غصہ لے کر، یہ (پھٹکار و غضب) اس لئے ہے (اس سبب سے ہے) کہ اللہ کے احکام کا انکار کرتے تھے اور قتل کرتے تھے پیغمبروں کو (جیسے حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام کو) ناحق (ظلماً) یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے اور اس کو تاکید کے لئے مکرر لائے۔



قوله: اِذْ: یہ اُذْکُرْ مقدر کا مفعول ہے نہ کہ اِسْتَسْقٰی کا۔

قوله: وَهُوَ الَّذِیْ فَرَّ بِثَوْبِهٖ: یہ لام عہدی ہے جنس کا نہیں۔ یہ طور کا پتھر نہ تھا۔ بخاری ومسلم کے مطابق کپڑے لے کر بھاگا تھا۔

قوله: وَسَالَتْ: انفجار کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ پھٹ کر بہنا مراد ہے۔

قوله: فَضَرَبَهٗ: اس میں اختصار ہے۔ فقال

قوله: فَانْفَجَرَتْ: اس کا عطف محذوف پر ہے موجود پر نہیں۔

قوله: كُلُّ اُنَاسٍ: یہ كُلُّ کا لفظ افرادی ہے (مجموعی نہیں) اسباط کے لحاظ سے۔

قوله: حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ: حال قید زائد پر حال منتقلہ میں تو دلالت کرتا ہے، مؤکدہ میں نہیں۔

قوله: مَوْضِعَ شُرْبِهِمْ: مشرب ظرف ہے مصدر میمی نہیں ورنہ معنی درست نہیں بنتا۔

قوله: فَلَا يُشْرِكُهُمْ :اضافت عدم شرکت غیر کے لحاظ سے اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔ مطلقاً عدم شرب کے لحاظ سے نہیں۔ پس اساک پر دلالت نہیں کرتی جو کہ صحیح ہے۔

قوله: وَقُلْنَا :اس کو مقدر مانا تا کہ قوم موسیٰ کا بیک وقت غائب وحاضر ہونا لازم نہ آئے۔

قوله: اَیْ نَوْعٍ مِنْهُ :سے اشارہ کر دیا کہ طعام واحد وحدت نوعی مراد ہے جو تعدد و جمیعت کے مخالفت نہیں نہ کہ فردی۔

قوله: شَيْئًا :کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مما میں من تبعیضیہ ہے بیانیہ نہیں۔

قوله: مِنْ لِلْبَيَانِ :یہ من بیانیہ ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ دو حرف جر جو ہم معنی ہوں وہ بغیر حرف عطف کے ایک شئی سے متعلق وہاں نہیں ہو سکتے جہاں ایک معنی ہو یہاں دو معنی ہیں، فتدبر۔

قوله: حِنْطَتِهَا :سے اشارہ کیا کہ گندم ہی مراد تھی۔ سبزیات اور گندم کی روٹی مراد نہ تھی۔

قوله: لَهُمْ مُوْسٰى :سے اشارہ کیا کہ یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا۔

قوله: اَخَسُّ :اس کا اصل معنی قرب مکان ہے اس کو بطور استعارہ خست کے لیے استعمال کیا جیسا بعد کو بھی شرف کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

قوله: اَشْرَفُ :بطور تقابل اس سے تفسیر کی۔

قوله: وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ :یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: اِهْبِطُوْا :کیونکہ استفہام انکاری ہے تو یہ جملہ معنی کے لحاظ سے خبر ہے۔ اس کا معنی اِنْزِلُوْا سے کر کے اشارہ کیا کہ اس سے رتبے کے لحاظ سے ہبوط مراد ہے جو کہ مقام کے مناسب ہے نہ کہ مکانی اور مِصْرًا سے بھی کوئی شہر مراد ہے مصر فرعون نہیں۔ چنانچہ مِنَ الْاَمْصَارِ سے مفسر نے جمہور کے اسی قول کی طرف اشارہ کیا ہے اور فِيْهِ کو ماقبل سے ربط کے لیے لائے۔

قوله: جُعِلَتْ - ضُرِبَتْ :میں استعارہ تبعیہ ہے جو لزوم ولصوق کے لیے آتا ہے جو کہ ان کے ذلیل ہونے سے کنایہ ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ ضُرِبَتْ اسی وجہ سے مجہول لائے کیونکہ یہ جعل کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: الذُّلُّ وَالْهَوَانُ :اس سے اشارہ کیا کہ ذلت گناہ کے معنی میں نہیں بلکہ رسوائی کے معنی میں ہے۔

قوله: اَیْ اَثَرُ الْفَقْرِ :بعینہ مسکنت لازم نہیں اس لئے کہ وہ بعض اوقات مالدار ہوتے ہیں۔ پس حذف مضاف ضروری ٹھہرا۔

قوله: اَیِ الضَّرْبُ وَالْغَضَبُ :یہ قبل مذکور کی تفسیر ہے۔ پس اسم اشارہ والا اعتراض بے جا ہے۔

قوله: رَجَعُوْا :یہ واپس لوٹنے کے معنی میں ہے۔ مساوات کے معنی میں نہیں کیونکہ اس وقت اس کا صلہ لازم آتا ہے حالانکہ یہاں تو با تعدیہ کے لیے آ رہا ہے۔

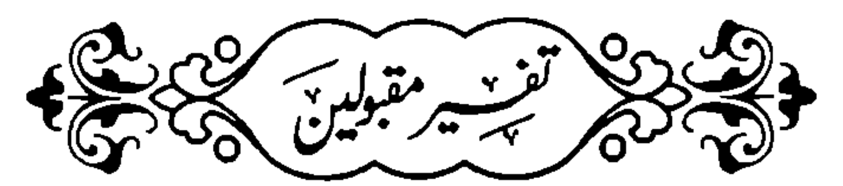
قوله: اَیْ ظُلْمًا :اس قید کا کیا فائدہ جبکہ قتل پیغمبر ﷺ ہوتا ہی ناحق ہے۔ جواب یہ ہے اَلْحَقِّ میں لازم جنس کے لیے ہے اور معنی یہ ہے۔ یہ قتل انبیاء علیہم السلام تو ان کے اعتقاد میں بھی محض ظلم ہے اور جنس کی نفی عموم کا فائدہ دیتی ہے۔ فتدبر۔

قوله: يَتَجَاوَزُوْنَ :مطلب یہ ہے کہ يَعْتَدُوْنَ یہ اعتداء سے ہے جو تجاوز کے معنی میں آتا ہے یہ عدو سے نہیں اور نہ ہی

اعداد سے کیونکہ وہ معنی اس سے مناسبت نہیں رکھتا۔

قولہ: کَرَّرَہٗ: یَعْتَدُوْنَ کو دوبارہ لا کر اشارہ کر دیا کہ اس سے بھی اسی طرف اشارہ ہے جس طرف اول سے ہے۔ کفر و قتل انبیاء کی طرف اشارہ نہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اس صورت میں باسببیت کے لیے ہوگی اور با ظاہر معنی کے خلاف حمل کرنا لازم آئے گا۔ اسی وجہ سے تو عطف نہیں کیا گیا۔

ربط: بنی اسرائیل پر کیے جانے والے انعامات اور ان کی ناشکری کا جس طرح گزشتہ رکوع میں تذکرہ تھا اسی طرح اس رکوع میں مزید انعامات اور ان کی ناقدری و نالائقی کا تذکرہ ہے۔ یہاں بارہ چشموں کے اُبلنے کا تذکرہ ہے۔



وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

میدان تیہ میں بنی اسرائیل کے لیے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنا:

یہ بھی میدان تیہ کا قصہ ہے۔ اس میدان میں جب بنی اسرائیل کو پیاس لگی اور پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں پانی کی درخواست کی تو اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لاٹھی کا پتھر پر مارنا تھا کہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جس پتھر پر لاٹھی مارنے سے چشمے جاری ہوئے تھے یہ ایک ہلکا سا پتھر تھا جو چوکور تھا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں رہتا تھا۔ جب پانی کی حاجت ہوتی تو اسے زمین پر رکھ کر لاٹھی مار دیتے تھے جس سے چشمے جاری ہو جاتے تھے۔

جب بنی اسرائیل پانی سے سیراب ہو جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو اٹھا کر تھیلے میں رکھ لیتے تھے اور جب پانی پینا چاہتے تھے تو پھر اس پر لاٹھی مار دیتے تھے۔ جس سے پانی نکلتا، روزانہ چھ لاکھ آدمی اس سے سیراب ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلے کے لیے پتھر سے چشمہ پھوٹتا تھا اور ہر قبیلہ اپنے چشمے سے سیراب ہوتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ ایک چکور پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم اللہ اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہہ نکلیں۔ جب کوچ کرتے اٹھا لیتے نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا تھا بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا دو شاخیں تھیں جو چمکتی رہتی تھیں۔ ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدم کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیب کو ملا تھا انہوں نے لکڑی اور پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دئے تھے بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ اپنے کپڑے رکھ کر نہار ہے تھے اور بحکم الٰہی یہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل کے

مشورے سے اٹھالیا تھا جس سے آپ کا معجزہ ظاہر ہوا۔

مشہور ماہر اثریات سر فلنڈرز پٹری (Petrir) 30 آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ 5-1904ء میں اسی جزیرہ نمائے سینا کی تحقیقی مہم پر روانہ ہوئے، ان کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبان سے سنیے: "یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کی پہاڑیوں سے لبریز ہے۔ جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں۔ اور گہری گہری وادیاں اور شگاف جا بجا نخلستان کے ساتھ فاصلے جو نقشہ پر قریب قریب معلوم ہوتے ہیں، ان ہمواریوں کے باعث عملاً بڑے لمبے لمبے ہیں، پینے والے پانی کے کافی ذخیرہ کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرا نوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے"۔ (تفسیر ماجدی)

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ

احسان فراموش یہود:

میدان تیہ میں بنی اسرائیل کو دونوں وقت کھانے کے لیے من وسلویٰ ملتا تھا۔ انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے کہ وہ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے بددل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے کھانے کھائے بنی اسرائیل من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے لیکن انہوں نے طبعی اکتاہٹ کو دیکھا اور اس بات کو نہ دیکھا کہ ہم ایسی بدترین غلامی سے نکل کر آئے ہیں جہاں ہمارے بچے ذبح کر دیئے جاتے تھے اور اف نہ کر سکتے تھے ایسے بڑے دشمن کا ہلاک اور برباد ہونا اور اس سے نجات پانا یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے سامنے کھانے کی طبعی اکتاہٹ پر صبر کر لینا معمولی بات ہے لیکن انہوں نے صبر کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے زمین سے نکلنے والی چیزیں پیدا فرمائے ہمیں سبزیاں چاہئیں، کھیرا چاہیے، گیہوں چاہیے، مسور کی دال چاہیے اور پیاز چاہیے۔ اور طرز سوال بھی عجیب ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ رہے ہیں آپ اپنے رب سے دعا کریں یہ نہیں کہتے کہ ہم سب مل کر اپنے رب سے مانگیں، گویا اپنا کوئی تعلق ہی اپنے رب سے نہیں ہے اور گویا موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مصر سے لا کر ایک طرح کے کھانے کی مصیبت میں ڈالا ہے لہٰذا وہ دعا کریں اور وہی مصیبت حل کریں۔ ان کا شکریہ تو کجا کہ ان کی محنتوں کوششوں اور قربانیوں سے بدترین غلامی سے نجات پائی، شکریہ کی بجائے ان کو مطعون کر رہے ہیں کہ تم نے ہم کو مصیبت میں ڈالا، جب مذاق بگڑ جاتا ہے تو انسان عزت اور رفعت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے پست ذہن کی وجہ سے پستی کو ہی پسند کرتا ہے اور ذلت کا خوگر ہو جاتا ہے اس کی طبیعت ذلیل ہو کر رہنے ہی کو پسند کرتی ہے، وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ طبیعت کی خواہشوں کے مطابق جیتا رہوں، چاہے جوتے ہی پڑتے رہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی یہ ادا پسند نہ آئی اور فرمایا کہ تمہارے پاس عمدہ کھانا بغیر کسب معاش اور بغیر محنت

شفقت کے پہنچ جاتا ہے تم اس عمدہ چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیزیں طلب کر رہے ہو، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اگر تم کو سبزیاں ترکاریاں، دال اور پیاز چاہئے تو کسی شہر میں چلے جاؤ۔ یہ چیزیں وہیں ملیں گی۔

لفظ ''فوم'' کا معنی تفسیر کی کتابوں میں گیہوں بھی لکھا ہے۔ اور لہسن بھی، دونوں ہی معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ بنی ہاشم کی زبان میں فوم گیہوں کو کہا جاتا تھا۔ حضرت مجاہد نے اس کا ترجمہ لہسن کیا اور حضرت ابن عباس سے ایک قول یہ بھی منقول ہے۔ حضرت امام بخاری نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ ''الحبوب التی توکل کلھا فوم'' یعنی تمام غلے جو کھائے جاتے ہیں وہ سب فوم کا مصداق ہیں۔ (راجع ابن کثیر ص ۱۰۱ ج ۱)

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ

یہودیوں پر ابدی ذلت کا مطلب اور اسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ اور اسکا جواب:

آیات مذکورہ میں یہود کی سزا دنیا میں دائمی ذلت و مسکنت اور دنیا و آخرت میں غضب الٰہی کو بیان کیا گیا ہے، ان کی دائمی ذلت و مسکنت کا مفہوم جو ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین سے منقول ہے اس کا خلاصہ ابن کثیر کے الفاظ میں یہ ہے کہ: لا یزالون مستذلین من وجدھم استذلھم وضرب علیھم الصغار، یعنی وہ کتنے ہی مالدار بھی ہو جائیں ہمیشہ تمام اقوام میں ذلیل و حقیر ہی سمجھے جائیں گے جس کے ہاتھ لگیں گے ان کو ذلیل کرے گا اور ان پر غلامی کی علامتیں لگا دے گا۔

امام تفسیر ضحاک ابن مزاحم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ان کی ذلت و مسکنت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے ان کو ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے خود ان کو کوئی قوت و اقتدار حاصل نہ ہوگا،

اس مضمون کی ایک آیت سورۂ آل عمران میں ایک زیادتی کے ساتھ اس طرح آئی ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (۳:۱۱۲) جمادی گئی ان پر بے قدری جہاں کہیں جائیں گے مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ذریعہ کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے قانون میں امن دے دیا ہو جیسے نابالغ بچے، عورتیں یا ایسے عبادت گزار جو مسلمانوں سے لڑتے نہیں پھرتے وہ محفوظ و مامون رہیں گے اور آدمیوں کے ذریعہ سے مراد صلح ہے جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے معاہدہ صلح کا یا جزیہ دے کر ان کے ملک میں رہنے کا ہو جائے مگر الفاظ قرآنی میں مِنَ النَّاسِ فرمایا ہے مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ نہیں اس لئے یہ صورت بھی محتمل ہے کہ دوسرے غیر مسلموں سے معاہدہ صلح کا کر کے ان کی پشت پناہی میں آجائیں تو مامون رہ سکتے ہیں پھر یہ استثناء حبل من اللہ اور حبل من الناس کا اگر بقول کشاف استثناء متصل قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہود ہمیشہ ہر جگہ ذلیل و خوار رہیں گے بجز ان دو صورتوں کے کہ یا تو اللہ کے عہد کے ذریعہ ان کے بچے، عورتیں وغیرہ اس ذلت و خواری سے نکل جائیں یا معاہدہ صلح کے ذریعہ یہ اپنے آپ کو ذلت و خواری سے بچالیں۔

اور جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے معاہدہ صلح کے ذریعہ ذلت و خواری سے نکلنے کی صورت مسلمانوں سے معاہدہ صلح کر کے بھی

ہو سکتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوسری قوموں سے معاہدہ صلح کا کر کے ان کے سہارے ذلت وخواری سے محفوظ رہیں یہ سب تقریر استثنا متصل کی تقدیر پر ہے اور بہت سے حضرات مفسرین نے اس کو استثناء منقطع قرار دیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنی ذلت اور اپنی قومی حیثیت سے تو ذلیل وخوار ہی رہیں گے گو قانون الٰہی کی وسعت میں آ کر ان کے بعض افراد اس سے محفوظ ہو جائیں گے، یا دوسرے لوگوں کا سہارا لے کر ذلت وخواری پر پردہ ڈال دیں۔

اس طرح سورۂ بقرہ کی آیت کی وضاحت سورۂ آل عمران کی آیت سے پوری ہوگئی اور اسی سے وہ تمام شبہات بھی دور ہو گئے جو آجکل فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہونے کی بنا پر بہت سے مسلمانوں کو پیش آتے ہیں کہ قرآن کے قطعی ارشادات سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اور واقعہ یہ پایا جاتا ہے کہ فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوگئی جواب واضح ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی موجودہ حکومت کی حقیقت سے جو لوگ باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکومت درحقیقت اسرائیل کی نہیں ہے بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں، یہ اپنی ذاتی طاقت سے ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے یورپین طاقتوں نے اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کے لئے ان کے بیچ میں اسرائیل کا نام دے کر ایک چھاؤنی بنائی ہوئی ہے اور اسرائیلی ان کو نظروں میں بھی ان کے فرماں بردار غلام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے صرف قرآن کریم کے ارشاد حبل من الناس کے سہارے ان کا اپنا وجود قائم ہے وہ بھی ذلت کے ساتھ اس لئے موجودہ اسرائیلی حکومت سے قرآن کریم کے کسی ارشاد پر ادنی شبہ بھی نہیں ہو سکتا،

اس کے علاوہ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں میں سب سے پہلے یہود ہیں ان کی شریعت ان کی تہذیب سب سے پہلی ہے اگر پوری دنیا میں فلسطین کے ایک چھوٹے سے قصبہ پر ان کا تسلط کسی طرح ہو بھی گیا تو پوری دنیا کے نقشہ میں یہ حصہ ایک نقطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے اس کے بالمقابل نصاریٰ کی سلطنتیں اور مسلمانوں کے دور تنزل کے باوجود ان کی سلطنتیں، بت پرستوں کی سلطنتیں لامذہبوں کی حکومتیں جو جگہ جگہ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں ان کے مقابلے میں فلسطین اور وہ بھی آدھا اور اس پر بھی امریکہ، برطانیہ کے زیر سایہ کوئی تسلط یہودیوں کا ہو جائے تو کیا اس سے پوری قوم یہود پر خدا تعالیٰ کی طرف سے لگائی ہوئی دائمی ذلت کا کوئی جواب بن سکتا ہے؟

ایک اشکال کا جواب:

"علیہم" میں ضمیر ھم کے مرجع کو خوب سمجھ لینا چاہیے یہ ہیں کون لوگ جن کے اوپر ذلت اور تنگ حالی مسلط کر دی گئی؟ ضمیر کا مرجع الیھود بالذین ھادوا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہے، یعنی اس وعید کے مورد فلاں فلاں عقیدے رکھنے والے فلاں مسلک کے ماننے والے نہیں، بلکہ اسرائیلی نامی ایک متعین قوم ونسل ہے۔ سبحان اللہ! ایک ذرا سا لفظ جان بلاغت ہے۔ اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ جو ذلت، نکبت، افلاس، مقہوریت تقریباً 1400 سال گزر جانے پر بھی آج تک چپکی، لپٹی چلی آرہی ہے اس کی مورد وحامل ایک مخصوص قوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب وملت کے پیرو،، خود لفظ Arti Semitism بتا رہا ہے کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً اور اٹلی ہنگری، رومانیہ وغیرہ، یورپ اور امریکہ کی اکثر ولایتوں کو عموماً ہے،

اس کی بنا نسلی یا قومی ہے، نہ کہ دینی یا اعتقادی، لیکن سیاسی محکومی اور ذلت تک تو خیر، باقی مفلسی، محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو، اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تمول تو یہود کا ضرب المثل ہے، پھر اس قوم کو محتاج و تنگدست کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن یہ محض دھوکا، اور عام طور سے چلا ہوا مغالطہ ہے۔ دولت و ثروت جتنی بھی ہے، وہ قوم یہود کے صرف اکابر و مشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے۔

جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے: ''گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے، لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں، وہاں کی آبادی میں انہیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے''۔ (جلد 10 صفحہ 115) ''عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زائد دولتمند ہیں''۔ (جلد 1 صفحہ 16)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

یہ ذلت اور مسکنت اور خدا کا غضب اس لیے ہوا کہ وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور خدا کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یعنی خود بھی ان کے قتل کو ناحق سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک بھی حضرات انبیاء کے قتل کی کوئی وجہ نہ تھی محض عناد اور سرکشی اس کا باعث ہوئی۔ انبیاء اللہ کا قتل ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے ان کے جرم کی شدت بتلانے کیلئے بطور تاکید بغیر الحق کا لفظ ذکر کیا گیا جیسا کہ رب احکم بالحق (اے پروردگار حق کے مطابق حکم دیجئے) اس آیت میں بالحق کا لفظ محض تاکید کیلئے ہے یہ مقصد نہیں کہ معاذ اللہ اللہ کے حکم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق اور ایک ناحق۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ کا حکم ہمیشہ حق بر ہوتا ہے اسی طرح انبیاء اللہ کا قتل بھی ہمیشہ ناحق ہوتا ہے، یہود بے بہبود کے جرم کی شدت بیان کرنے کے لیے بغیر الحق کا لفظ محض تاکید کیلئے بڑھایا گیا حاشا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انبیاء کا قتل کبھی حق ہوتا ہے اور کبھی ناحق، یا بالعنوان دیگر اس طرح سمجھئے کہ بغیر الحق سے ظلم اور تعدی مراد ہے، یعنی سوائے ظلم اور تعدی اور سوائے جور و ستم اور سوائے تمرد اور سرکشی کے اور کوئی امر انبیاء کے قتل کا باعث نہ تھا۔ حضرات انبیاء نے تو ان کو حق کی دعوت دی اور نصیحت اور فلاح دارین کی طرف بلایا اور ان لوگوں نے ان کا ناحق مقابلہ کیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کو قتل کرتے تاکہ رشد و ہدایت کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے اور فیض عام کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اسی لیے ذلت و مسکنت اور غضب الٰہی کے مورد بنے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زائد سخت عذاب والا قیامت کے دن وہ شخص ہوگا کہ جس کو کسی نبی نے قتل کیا یا اس نے کسی نبی کو قتل کیا یا کسی گمراہی کا پیشوا یا تصویر بنانے والا۔ (مسند احمد)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں جن پیغمبروں کو حق جل شانہ نے کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا انہی سے دشمنوں کے مقابلہ پر فتح و نصرت کا وعدہ کیا۔ کما قال تعالیٰ: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وہ پیغمبر صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ کے مصداق بنے وہ کبھی دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول نہیں ہوئے اس لیے کہ حق جل شانہ کا ان کو جہاد کا حکم دینا پھر ان کی صیانت اور حفاظت نہ فرمانا بظاہر شان حکمت کے مناسب نہیں معلوم ہوتا، ایسے ایسے حضرات ہمیشہ مظفر و منصور اور ان کے دشمن ہمیشہ خائب و خاسر ہوئے اور جن پیغمبروں کو جہاد و قتال کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ان سے حق جل وعلا نے کوئی عصمت اور نصرت کا

وعدہ فرمایا ان میں سے جس کو چاہا جام شہادت پلایا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

تا کہ ان کے مدارج اور مراتب میں عزت اور وجاہت میں اور قربت الٰہی اور رفعت شان میں اضافہ ہو۔ اور ان کے دشمنوں پر ذلت اور مسکنت خواری اور رسوائی گدائی اور بینوائی کی مہر لگے۔ (کذا فی روح البیان وجامع الاحکام للامام القرطبی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلُ وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا هُمُ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ طَائِفَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فِيْ زَمَنِ نَبِيِّنَا وَ عَمِلَ صَالِحًا بِشَرِيْعَتِهِ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ اَيْ ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ رُوْعِيَ فِيْ ضَمِيْرِ اٰمَنَ وَعَمِلَ لَفْظُ مَنْ وَفِيْمَا بَعْدَهُ مَعْنَاهَا وَ اذْكُرُوْا اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ عَهْدَكُمْ بِالْعَمَلِ بِمَا فِي التَّوْرٰةِ وَ قَدْ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ الْجَبَلَ اقْتَلَعْنَاهُ مِنْ اَصْلِهِ عَلَيْكُمْ لَمَّا اَبَيْتُمْ قَبُوْلَهَا وَقُلْنَا خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ بِجِدٍّ وَّاجْتِهَادٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ بِالْعَمَلِ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ النَّارَ اَوِ الْمَعَاصِيَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اَعْرَضْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ الْمِيْثَاقِ عَنِ الطَّاعَةِ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُمْ بِالتَّوْبَةِ اَوْ تَاْخِيْرِ الْعَذَابِ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ الْهَالِكِيْنَ وَ لَقَدْ لَامُ قَسَمٍ عَلِمْتُمُ عَرَفْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا تَجَاوَزُوا الْحَدَّ مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ بِصَيْدِ السَّمَكِ وَقَدْ نَهَيْنَاكُمْ عَنْهُ وَهُمْ اَهْلُ اَيْلَةَ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ مُبْعَدِيْنَ فَكَانُوْهَا وَهَلَكُوْا بَعْدَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَجَعَلْنٰهَا اَيْ تِلْكَ الْعُقُوْبَةَ نَكَالًا عِبْرَةً مَانِعَةً مِنِ ارْتِكَابِ مِثْلِ مَا عَمِلُوْا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا اَيْ لِلْاُمَمِ الَّتِيْ فِيْ زَمَانِهَا وَبَعْدَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ اللّٰهَ وَخُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ۔ وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ وَقَدْ قُتِلَ لَهُمْ قَتِيْلٌ لَا يُدْرٰى قَاتِلُهٗ وَسَاَلُوْهُ اَنْ يَّدْعُوَ اللّٰهَ اَنْ يُّبَيِّنَهٗ لَهُمْ فَدَعَاهُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ مَهْزُوًّا بِنَا حَيْثُ تُجِيْبُنَا بِمِثْلِ ذٰلِكَ قَالَ اَعُوْذُ اَمْتَنِعُ بِاللّٰهِ مِنْ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ فَلَمَّا عَلِمُوْا اَنَّهٗ عَزْمٌ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ اَيْ مَا سِنُّهَا قَالَ مُوْسٰى اِنَّهٗ اَيِ اللّٰهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ مُسِنَّةٌ وَّ لَا بِكْرٌ ۭ صَغِيْرَةٌ عَوَانٌۢ نَصَفٌ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ

الْمَذْكُوْرِ مِنَ التَّبْيِيْنِ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ بِهٖ مِنْ ذِبْحِهَا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا شَدِيْدُ الصُّفْرَةِ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ اِلَيْهَا بِحُسْنِهَا اَیْ تُعْجِبُهُمْ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اَسَائِمَةٌ اَمْ عَامِلَةٌ اِنَّ الْبَقَرَ اَیْ جِنْسَهُ الْمَنْعُوْتَ بِمَا ذُكِرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ لِكَثْرَتِهٖ فَلَمْ نَهْتَدِ اِلَى الْمَقْصُوْدَةِ وَ اِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِلَيْهَا فِى الْحَدِيْثِ لَوْلَمْ يَسْتَثْنُوْا لَمَا بُيِّنَتْ لَهُمْ اٰخِرَ الْاَبَدِ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ غَيْرُ مُذَلَّلَةٍ بِالْعَمَلِ تُثِيْرُ الْاَرْضَ تُقَلِّبُهَا لِلزِّرَاعَةِ وَالْجُمْلَةُ صِفَةُ ذَلُوْلٍ دَاخِلَةٌ فِى النَّفْيِ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ الْاَرْضَ الْمُهَيَّئَةَ لِلزَّرْعِ مُسَلَّمَةٌ مِنَ الْعُيُوْبِ وَاٰثَارِ الْعَمَلِ لَّا شِيَةَ لَوْنَ فِيْهَا ۭ غَيْرَ لَوْنِهَا قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ نَطَقْتَ بِالْبَيَانِ التَّامِّ فَطَلَبُوْهَا فَوَجَدُوْهَا عِنْدَ الْفَتَى الْبَارِّ بِاُمِّهٖ فَاشْتَرَوْهَا بِمِلْءِ مَسْكِهَا ذَهَبًا فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لِغَلَاءِ ثَمَنِهَا وَفِى الْحَدِيْثِ لَوْ ذَبَحُوْا اَیَّ بَقَرَةٍ كَانَتْ لَاَجْزَاَتْهُمْ وَلٰكِنْ شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.

ع ۸/۱۰

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں (انبیائے سابقین پر) اور جو لوگ یہود ہوئے اور نصرانی اور صابی (صابی ایک فرقہ ہے یہود یا نصاریٰ میں سے) (ان میں سے) جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر (یعنی ہمارے پیغمبر حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں) اور نیک عمل کئے (حضور ﷺ کی شریعت کے موافق) تو ان کے لئے ہے ان کا اجر (یعنی اعمال کا ثواب) ان کے پروردگار کے پاس، اور نہ ان کو کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (امن اور عمل کی ضمیر میں لفظ من کی رعایت کی گئی ہے یعنی مفرد لایا گیا اور اس کے مابعد میں اس کے معنی کا لحاظ کیا گیا ہے یعنی اَجْرُهُمْ وغیرہ جمع لایا گیا ہے) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا (توریت پر عمل کرنے کا عہد) اور اٹھایا تم پر طور (پہاڑ) کو (یعنی ہم نے اس طور کو اس کی جڑ سے اکھاڑ کر تمہارے سر پر اٹھا دیا جب تم نے قبولیت توریت کا انکار کیا، اور ہم نے کہا) پکڑ لو مضبوطی کے ساتھ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے (پوری طاقت اور کوشش سے) اور یاد رکھو ان حکموں کو جو اس میں ہیں (اس پر عمل کر کے) تاکہ تم بچ سکو (نار جہنم سے آخرت میں یا معاصی سے دنیا میں) پھر تم پھر گئے (اعراض کیا) اس کے بعد (اطاعت کے متعلق اس عہد و قرار کے بعد تم پھر گئے) تو اگر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی تم پر نہ ہوتی (یعنی تم میں سے ایمان والوں پر توبہ کی اجازت اور کافروں پر عذاب کی تاخیر کے ذریعہ اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو تم ضرور تباہ ہو جاتے ہلاک ہو جاتے) اور بیشک (لقد میں لام قسمیہ ہے) تمہیں معلوم ہے (تم جان چکے ہو) ان لوگوں کا حال جنہوں نے زیادتی کی تھی (حد سے تجاوز کیا تھا) تم میں سے ہفتہ کے دن میں (مچھلی کا شکار کر کے حالانکہ ہم نے اس سے ان کو منع کیا تھا اور وہ ایلہ کے رہنے والے تھے) تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ہو

جاؤ بندر ذلیل (اللہ کی رحمت سے دور کیا ہوا، دھتکارا ہوا، چنانچہ وہ سب بندر ہو گئے اور تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے) پھر ہم نے کر دیا اس کو (یعنی اس سزا کو) موجب عبرت (اس جیسے کام کے ارتکاب سے روکنے والی عبرت) ان لوگوں کے لئے جو ان کے سامنے تھے اور جو ان کے پیچھے آنے والے تھے (یعنی ان کے زمانہ والے معاصرین اور بعد والوں کے لئے) اور بنا دیا موجب نصیحت اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے (بیان میں متقیوں کو اس لئے خاص کیا ہے کہ دراصل یہی نفع حاصل کرنے والے ہیں بخلاف غیروں کے۔) اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا درانحالیکہ قتل کر دیا گیا تھا ان میں سے کوئی شخص اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا، لوگوں نے موسیٰ سے درخواست کی کہ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس قاتل کو ظاہر کر دیں ان کے لئے، چنانچہ آپ نے دعا کی بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے ایک گائے ذبح کرنے کا، کہنے لگے کیا آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں، (ہم سے مذاق کر رہے ہیں کہ ہم کو اس طرح کا جواب دے رہے ہیں) موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں (یعنی باز رہتا ہوں) کہ میں جاہلوں میں سے ہوں (جو مذاق کیا کرتے ہیں، پھر جب ان لوگوں نے جان لیا کہ یہ پختہ حکم ہے) تو کہنے لگے دعا کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے (یعنی اس کی عمر کیا ہے؟) موسیٰ علیہ السلام نے کہا بیشک وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو (عمر رسیدہ) اور نہ نو عمر (بچہ) بیچ کا ہو ان کے درمیان (مذکورہ دونوں عمر بوڑھے اور بچے کے درمیان کا ہو) سو کر ڈالو جو تم کو حکم دیا جاتا ہے (گائے ذبح کرنے کا) کہنے لگے دعا کیجئے ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ ہمارے لئے واضح کر دیں کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد جس کا رنگ خوب گہرا ہو (سخت زرد ہو) کہ دیکھنے والوں کا جی خوش ہو جائے (یعنی دیکھنے والا اس گائے کا حسن دیکھ کر خوش ہو جائے یعنی وہ گائے لوگوں کو تعجب میں ڈال دے) کہنے لگے ہماری خاطر اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ ہمارے واسطے واضح کر دیں کہ وہ کیا ہے (یعنی جنگل کی چرنے والی یا کسان کے کام والی) بیشک گایوں میں (یعنی جنس گائے جس کی صفت بتلائی گئی ہے) ہم کو شبہ پڑ گیا ہے چونکہ جنس گائے بہت ہے اس لئے مقصد تک رسائی نہیں ہوتی ہے اور ہم ان شاء اللہ ضرور بالضرور راستہ پالیں گے (یعنی ہم کو مطلوبہ گائے کی طرف حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو ان کے لئے قیامت تک وضاحت نہیں ہوتی۔) موسیٰ علیہ السلام نے کہا بیشک خدا فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں (کام کاج میں تابع نہیں رہی ہو) کہ زمین جوتتی رہے (یعنی زمین کو کھیتی کے لئے جوتے اور جملہ تثیر الارض ذلول کی صفت ہے اور نفی داخل ہے) اور نہ سیراب کرتی ہو کھیت کو (جو زمین کھیتی کے لئے تیار کی گئی ہو) صحیح سالم ہو (تمام عیوب اور آثار محنت سے) کوئی داغ (دھبہ) اس گائے میں نہ ہو (اس کے اصلی رنگ کے علاوہ) کہنے لگے اب آپ ٹھیک بات لائے ہیں (یعنی پوری وضاحت سے بتلایا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے تلاش کیا تو پایا اس کو ایک نوجوان کے پاس جو اپنی ماں کا فرمانبردار تھا پس خرید لیا اس گائے کو اس کی کھال بھر سونے کے عوض میں) پھر اس کو ذبح کیا حالانکہ وہ قریب نہ تھے کہ ایسا کریں گے (گراں قیمت ہونے کی وجہ سے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر وہ جو کوئی گائے ذبح کر دیتے تو کافی ہو جاتا لیکن خود ان لوگوں نے اپنے اوپر تشدد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کر دی۔)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِالْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلُ: یہ مِنْ قَبْلُ کی قید اس لیے لگائی تا کہ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کا صحیح مطلب بن جائے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک کی مراد دوسرے سے الگ ہے۔ مِنْ قَبْلُ کی قید ہمارے پیغمبر ﷺ پر ایمان لانے سے احتراز پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والا تو مخلص مؤمن ہے پس ان کو خواہ مخواہ کفار میں داخل کرنے کی حاجت نہیں۔ مَنْ اٰمَنَ کا مَنْ شرطیہ احتمال کو ثابت کرتا ہے۔

قوله: هُمُ الْيَهُوْدُ: یہود یہ ھادَ بمعنی تابَ سے ہے یا یعقوب علیہ السلام کے بڑے فرزند یہودا کی طرف نسبت ہے اور معرب بنایا گیا۔

قوله: النَّصٰرٰی: یہ نصران کی جمع ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی نصرت کی تھی۔

قوله: طَائِفَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی: انہوں نے ہر دین میں سے اپنی من پسند اشیاء لے لیں۔ یہ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ صابی زبور پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کو ماننے کا اقرار کرتے اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

قوله: فِيْ زَمَنِ نَبِيِّنَا: اس ایمان میں اور اس ایمان میں جو اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے سمجھ آتا ہے، مغایرت ثابت کر رہے ہیں۔

قوله: بِشَرِيْعَتِهٖ: اس سے ہمارے پیغمبر ﷺ کی شریعت کے مطابق شرائع سابقہ سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ ان کے کئی احکام وہ ہیں جو ہماری شریعت میں منسوخ ہیں۔

قوله: ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ: ان کی طرف اجر کی اضافت اس لیے ہے کہ وہ ان کے اعمال کے ساتھ خاص ہے اور اختصاص فقط وعدے سے متعلق ہے، ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر واجب کر لینے کے ذریعہ سے نہیں۔

قوله: عَهْدَكُمْ: اس میں بتلایا کہ میثاق یہاں مطلق وعدہ کے معنی دے رہا ہے۔ تاکید کے معنی میں نہیں جیسا اس آیت میں ہے: مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ۔ اصل معنی سے تبدیلی کا کوئی داعیہ یہاں موجود نہیں اور یہ بھی اشارہ کیا کہ یہ اضافۃ المصدر الی الفاعل کی قسم سے ہے جیسا کہ عموماً ہوتا ہے اس کا قرینہ "بالعمل" ہے۔

قوله: وَقَدْ رَفَعْنَا: اشارہ کیا کہ یہ قد کو مقدر مان کر حال ہے اَخَذْنَا معطوف نہیں کیونکہ پہلے رفع طور ہے پھر اَخذِ میثاق ہے۔

قوله: لَمَّا اَبَيْتُمْ: یعنی طور کا بلند کرنا ان کی مصلحت کے لیے تھا تا کہ سزا سے بچ جائیں، پس نعمت بنا۔

قوله: بِجِدٍّ: یعنی بڑی محنت اور پختہ قوت ارادیہ کے ساتھ جِدّ یہاں عزیمت کے معنی میں ہے اور وہ کبھی فعل سے مقدم ہوتی ہے۔

قوله: بِالْعَمَلِ: اس سے اشارہ کر دیا کہ ذکر سے فقط لسانی مراد نہیں بلکہ مقصود عمل ہے۔

قوله: النَّارَ: یہ لا کر اشارہ کیا کہ لَعَلَّكُمْ کا جملہ خُذُوْا۔ اذْكُرُوْا کی علت ہے۔ پس وہ اپنی حقیقت پر ہے اور وہ مخاطب

کی امید بنی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور یہ بھی اشارہ ہے کہ مفعول محذوف ہے اور قرآن کا کوئی متعدی لازم کی جگہ نہیں۔

قوله: أَعْرَضْتُمْ: تَوَلّٰی اعراض کے معنی میں ہے وہ تولیہ اور ولایۃ سے نہیں۔

قوله: الْمِيْثَاقِ: اشارۂ بعید کو کمال امتیاز اور بعد رتبی کے لیے اور عَنِ الطَّاعَةِ یہ أَعْرَضْتُمْ سے متعلق ہے اور لکم مائل کے ساتھ ربط کے لیے لائے ہیں۔

قوله: بِالتَّوْبَةِ: یعنی حاضرین کو خطاب بطور مجاز ہے اس لیے کہ وہ ان کے اسلاف تھے۔

قوله: الْهَالِكِيْنَ: خسران سے ذاتی خسارہ مراد ہے، اموال واولاد کا نہیں وہ اس سے لازم ہے۔

قوله: لَامُ قَسَمٍ: یعنی محذوف قسم کی تمہید کے طور پر لام لائے اور اس پر قرینہ کے لیے عرفی معنی میں نہیں اور وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ کی لام اس طرح نہیں۔

قوله: عَرَفْتُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ عَلِمَ یہاں معرفت کے معنی میں ہونے کی وجہ سے ایک مفعول پر مکتفی ہے۔

قوله: بِصَيْدِ السَّمَكِ: ہفتہ کی تعظیم اور ہتک عزت میں اعتداء مراد ہے۔ بذلتہ یوم سبت ظرف اعتداء نہیں۔ یہ سبت الیہود تعظیم کی یہ اسم یوم کے معنی میں ہے۔

قوله: مُبْعَدِيْنَ: یہ ابعاد وتبعید سے صیغہ مفعول ہے۔ اس سے اشارہ کر دیا کہ الخسؤ یہاں طرد کے معنی میں نہیں بلکہ ابعاد کے معنی میں مصدر مبنی للمفعول ہے۔

قوله: خٰسِـِٕيْنَ ۝۶۵: یہ حال ہے نہ کہ صفت اور قِرَدَةً اور خٰسِـِٕيْنَ ۝۶۵ یہ دونوں خبریں ہیں یعنی بندر بنے اور ذلت کے جامع بن جاؤ۔

قوله: فَكَانُوْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ كُوْنُوْا ایجاد کے لیے ہے نہ کہ ایجاب کے لیے۔

قوله: تِلْكَ الْعُقُوْبَةَ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع محذوف ہے اور وہ عُقُوْبَةٌ ہے۔

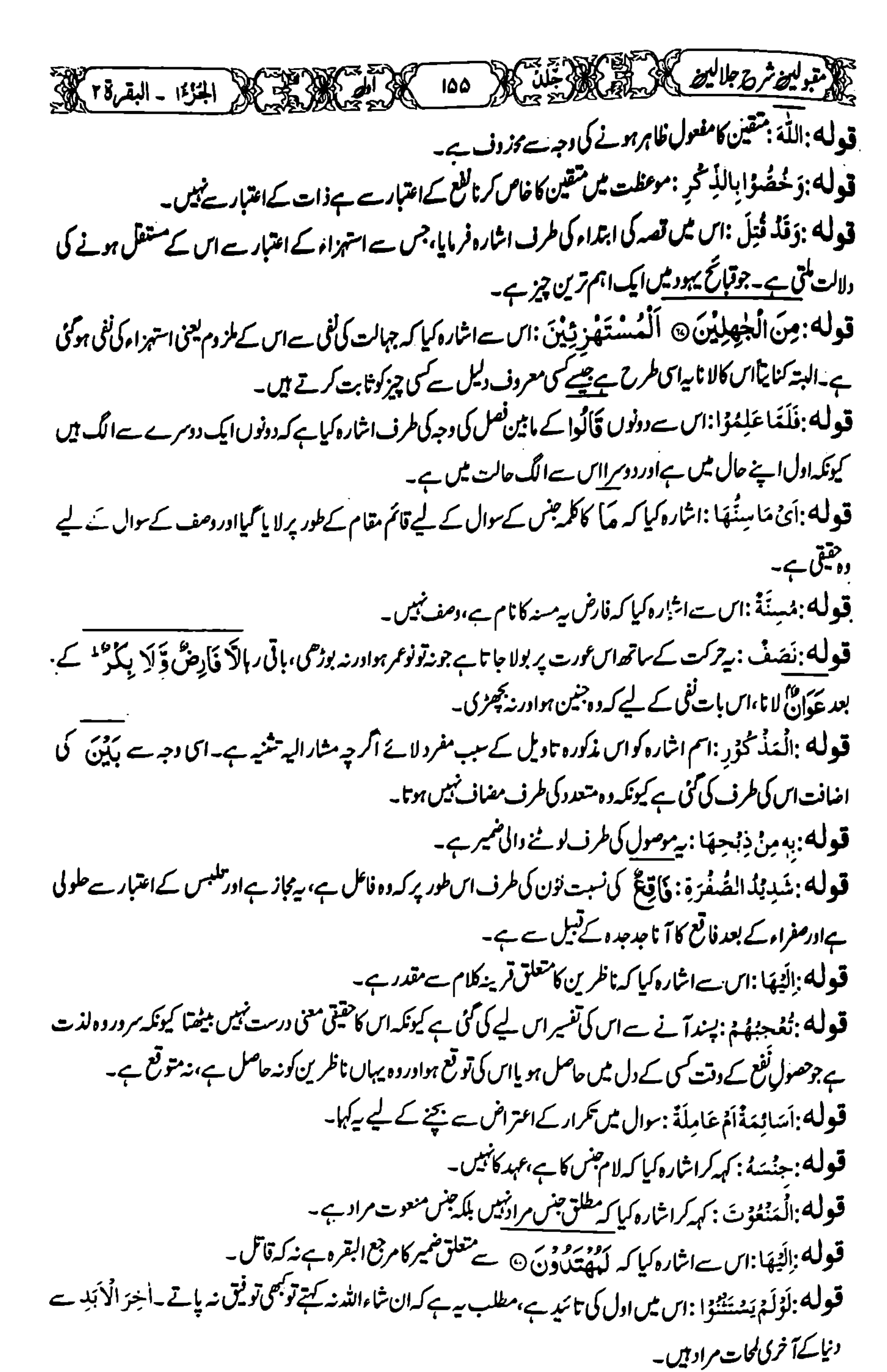
قوله: عِبْرَةً مَانِعَةً: نکل منع کو کہتے ہیں۔ نکول عن الیمین اسی سے ہے۔ یعنی قسم سے منع کرنا۔

قوله: مَهْزُوًّا بِنَا: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں الهزو بمعنی مهزو بہ ہے۔ اس لیے کہ یہ لا تتخذ کا دوسرا مفعول ہے۔ اس کو مفعول نہیں بنایا جا سکتا، وہ ضمیر متکلم ہی ہے۔

قوله: أَمْتَنِعُ: مذکورہ منع کو استعاذہ کی صورت میں استہزاء کی شدید قباحت بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ استہزاء موقع ارشاد میں کفر بن جائے اس لیے استعاذہ درست ہوا۔

قوله: أَيْ لِلْأُمَمِ: اس میں اشارہ فرمایا کہ مَا خَلْفَهَا میں مَا بمعنی مَنْ ہے۔ اس لیے کہ یہ عبرت حاصل کرنے والوں کی صفت ہے کیونکہ مَا کو جب مَنْ کی جگہ رکھا جاتا ہے تو اس وقت اس میں وصفیت کا اعتبار ہے جیسا آیت: مَا يُمْسِكُهُنَّ۔ ای من يمسكهن۔

قوله: فِيْ زَمَانِهَا: اس سے اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہر دو ظرف مکان زمانے کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں اس لیے کہ مکان کا معنی درست نہیں بیٹھتا۔ ماقبل ومابعد کی امتیں مراد ہیں پھر فَجَعَلْنٰهَا اس کی موافقت نہیں کرتا۔



قوله: اللّٰہَ: متقین کا مفعول ظاہر ہونے کی وجہ سے محذوف ہے۔

قوله: وَخُصُّوْا بِالذِّكْرِ: موعظت میں متقین کا خاص کرنا نفع کے اعتبار سے ہے ذات کے اعتبار سے نہیں۔

قوله: وَقَدْ قُتِلَ: اس میں قصہ کی ابتداء کی طرف اشارہ فرمایا، جس سے استہزاء کے اعتبار سے اس کے مستقل ہونے کی دلالت ملتی ہے۔ جو قبائح یہود میں ایک اہم ترین چیز ہے۔

قوله: مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۞ اَلْمُسْتَهْزِئِيْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ جہالت کی نفی سے اس کے ملزوم یعنی استہزاء کی نفی ہو گئی ہے۔ البتہ کنایۃً اس کا لانا یہ اسی طرح ہے جیسے کسی معروف دلیل سے کسی چیز کو ثابت کرتے ہیں۔

قوله: فَلَمَّا عَلِمُوْا: اس سے دونوں قَالُوْا کے مابین فصل کی وجہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں کیونکہ اول اپنے حال میں ہے اور دوسرا اس سے الگ حالت میں ہے۔

قوله: اَیُّ مَا سِنُّهَا: اشارہ کیا کہ مَا کا کلمہ جنس کے سوال کے لیے قائم مقام کے طور پر لایا گیا اور وصف کے سوال کے لیے وہ حقیقی ہے۔

قوله: مُسِنَّةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ فارض یہ مسنہ کا نام ہے، وصف نہیں۔

قوله: نَصَفٌ: یہ حرکت کے ساتھ اس عورت پر بولا جاتا ہے جو نہ تو نوعمر ہو اور نہ بوڑھی، باقی رہا لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ کے بعد عَوَانٌ لانا، اس بات نفی کے لیے کہ وہ جنین ہو اور نہ بچھڑی۔

قوله: اَلْمَذْكُوْرِ: اسم اشارہ کو اس مذکورہ تاویل کے سبب مفرد لائے اگرچہ مشار الیہ تثنیہ ہے۔ اسی وجہ سے بَیْنَ کی اضافت اس کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ متعدد کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔

قوله: بِهٖ مِنْ ذِبْحِهَا: یہ موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے۔

قوله: شَدِيْدُ الصُّفْرَةِ: فَاقِعٌ کی نسبت لون کی طرف اس طور پر کہ وہ فاعل ہے، یہ مجاز ہے اور ملتبس کے اعتبار سے طولی ہے اور صفراء کے بعد فاقع کا آنا جد جدہ کے قبیل سے ہے۔

قوله: اِلَيْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ ناظرین کا متعلق قرینہ کلام سے مقدر ہے۔

قوله: تُعْجِبُهُمْ: پسند آنے سے اس کی تفسیر اس لیے کی گئی ہے کیونکہ اس کا حقیقی معنی درست نہیں بیٹھتا کیونکہ سرور وہ لذت ہے جو حصول نفع کے وقت کسی کے دل میں حاصل ہو یا اس کی توقع ہو اور وہ یہاں ناظرین کو نہ حاصل ہے، نہ متوقع ہے۔

قوله: اَسَائِمَةٌ اَمْ عَامِلَةٌ: سوال میں تکرار کے اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہا۔

قوله: جِنْسَهٗ: کہہ کر اشارہ کیا کہ لام جنس کا ہے، عہد کا نہیں۔

قوله: اَلْمَنْعُوْتَ: کہہ کر اشارہ کیا کہ مطلق جنس مراد نہیں بلکہ جنس منعوت مراد ہے۔

قوله: اِلَيْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ لَمُهْتَدُوْنَ ۞ سے متعلق ضمیر کا مرجع البقرہ ہے نہ کہ قاتل۔

قوله: لَوْلَمْ يَسْتَثْنُوْا: اس میں اول کی تائید ہے، مطلب یہ ہے کہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی توفیق نہ پاتے۔ اٰخِرَ الْاَبَدِ سے دنیا کے آخری لمحات مراد ہیں۔

قوله: مُّسَلَّمَةٌ: لا کو غیر کے معنی میں لیا تا کہ وہ صفت بن سکے۔

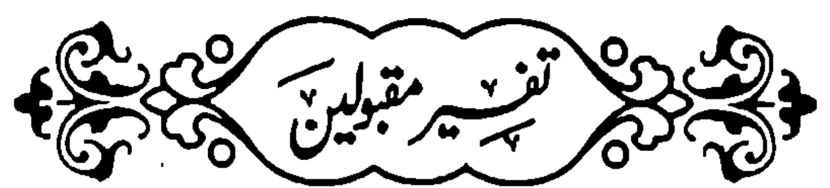
قوله: وَالْجُمْلَةُ: اس سے اشارہ کیا کہ تُثِيْرُ صفت ہے، حال نہیں۔

قوله: وَاٰثَارِ الْعَمَلِ: یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔

قوله: لَا شِيَةَ: یہ وشی او شیا۔ ملانا سے ہے، یعنی اس میں کسی دوسرے رنگ کی ملاوٹ بھی نہ ہو۔

قوله: نَطَقْتَ بِالْبَيَانِ: سے اشارہ کیا کہ فَذَبَحُوْهَا کی فا فاءِ فصیحہ ہے اور محذوف پر اس کا عطف ہے۔

قوله: وَ مَا كَادُوْا: اس کا عطف فَذَبَحُوْهَا پر ہے۔ انہوں نے بطور تعمیل ذبح کیا اور قیمت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ ما کادوا سے دراصل ان کے سوال کے انقطاع کے بعد ان کی کیفیت کا بیان ہے۔ فتدبر وتشکر۔



اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا......:

فرمانبرداروں کے لئے بشارت

اوپر چونکہ نافرمانوں کے عذاب کا ذکر تھا تو یہاں ان میں جو لوگ نیک تھے ان کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے نبی کی تابعداری کرنے والوں کے لئے یہ بشارت تا قیامت ہے کہ نہ مستقبل کا ڈر نہ یہاں حاصل نہ ہونے والی اشیاء کا افسوس وحسرت: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس:۶۲) یعنی اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف وغم نہیں اور وہ فرشتے جو مسلمان کی روح نکلنے کے وقت آتے ہیں یہی کہتے ہیں: اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (فصلت:۳۰) تم ڈرو نہیں تم اداس نہ ہو تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا تھا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن ایمان والوں سے ملا تھا ان کی عبادت اور نماز روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمان نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد تھے کہ آپ مبعوث ہونے والے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں، حضرت سلمان کو اس سے بڑا رنج ہوا وہیں یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ واضح رہے کہ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توراۃ کو مانتا ہو اور سنت موسیٰ علیہ السلام کا عامل ہو لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ جائیں تو ان کی تابعداری نہ کرے تو پھر بے دین ہو جائے گا اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے شریعت عیسوی پر عمل کرے اور اگر اپنے زمانے میں پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفی (ﷺ) کو پالے تو آپ کی تابعداری اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اگر اب بھی وہ انجیل کو اور اتباع عیسوی کو نہ چھوڑے اور حضور (ﷺ) کی رسالت کو تسلیم نہ کرے تو ہلاک ہوگا۔ (ابن ابی حاتم) سدی نے یہی روایت کی ہے اور سعید بن جبیر بھی یہی فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا تابعدار اس کا ماننے والا ایماندار اور صالح ہے

اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا لیکن جب دوسرا نبی آئے اور وہ اس سے انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔ قرآن کی ایک آیت تو یہ جو آپ کے سامنے ہے اور دوسری وہ آیت جس میں بیان ہے: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (آل عمران:۸۵) یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں یہی تطبیق ہے کسی شخص کا کوئی عمل کوئی طریقہ مقبول نہیں تاوقتیکہ وہ شریعت محمدیہ (ﷺ) کے مطابق نہ ہو مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے آپ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے ان کے لئے ان کے زمانے کے نبی کی تابعداری اور اس کی شریعت کی مطابقت شرط ہے۔

آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخری کتاب پر ایمان لانے کے معنی کل عقائد ضروریہ کے تسلیم کر لینے کے ہیں، توحید پر ایمان، رسالت پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، سب کچھ اس میں شامل ہے اور: "الذین امنوا۔ مطلق صورت میں قرآن مجید میں جہاں جہاں آیا ہے مراد اس سے مسلمان ہی ہیں۔ یہاں بھی مراد مؤمنین ہی ہیں۔ اے من امن بمحمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم) (بحر۔ عن ابن عباسؓ) هم المصدقون رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی ما اتاهم من الحق من عند اللہ (ابن جریر) اور رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متکلمین سے یہی معنی نقل کیے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر دین پر ثابت وقائم رہے۔ الذین امنوا فی الماضی وثبتوا علی ذلك واستمروا علیه فی المستقبل وهو قول المتكلمين (کبیر)

یہود کون ہیں؟

لفظ یہود ہوداۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے تہود سے جس کے معنی توبہ کے ہیں جیسے قرآن میں ہے آیت: انا هدنا الیك. حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں پس انہیں ان دونوں وجوہات کی بنا پر یہود کہا گیا ہے یہودا حضرت یعقوب کے بڑے لڑکے کا نام تھا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراۃ پڑھتے وقت ہلتے تھے۔ اس بنا پر انہیں یہود یعنی حرکت کرنے والا کہا گیا ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی تب ان کا نام نصاریٰ ہوا کیونکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی نصرت یعنی تائید اور مدد کی تھی انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے آیت (مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ) (آل عمران: ۵۲) اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں بعض کہتے ہیں یہ لوگ جہاں اترے تھے اس زمین کا نام ناصرہ تھا اس لئے انہیں نصاریٰ کہا گیا قتادہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے واللہ اعلم۔ (آیت)۔ النصری"۔ نصاریٰ جمع ہے نصرانی کی۔ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبہ ناصرہ (Nazarith) علاقہ گلیلی میں۔ بیت المقدس سے ستر میل شمال میں، اور بحر روم سے مشرق میں 20 میل کے فاصلہ پر۔ موجودہ آبادی آٹھ اور نو ہزار کے درمیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے اور آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ ناصرہ ہی کو عربی تلفظ میں نصران بھی کہتے ہیں۔ نصرانی کا انتساب اسی قصبہ کی جانب ہے۔

سموا بذلک انتسابا الی قریۃ یقال لہا نصران (راغب) نصران قریۃ بالشام ینسب الیہ ال نصاری (جوہری)
یہی اشتقاق ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے آیا ہے۔ سمیت النصاری نصاری لان قریۃ عیسی
ابن مریم کانت تسمی ناصرۃ و کان اصحابہ یسمون الناصریین (ابن جریر، عن ابن عباس) اور یہی قول قتادہ و ابن
جریج تابعین کا ہے۔ نیز بعد کے محقق مفسرین کا وھو قول ابن عباس وقتادۃ وابن جریج (کبیر) سموا بذلک لقریۃ تسمی
ناصرۃ کان ینزلہا عیسی فلما ینسب اصحابہ الیہ قیل ال نصاری (قرطبی) بعض نے اسے عربی کا لفظ فرض کرکے
نصرت سے مشتق سمجھا ہے لیکن قول صحیح وہی ہے جو ابھی گزر چکا۔ خوب خیال کرلیا جائے قرآن یہاں ذکر مسیحیوں کا نہیں، نصاریٰ
کا کر رہا ہے، اور قرآن حکیم کا ہر ہر لفظ پر حکمت ہوتا ہے۔ مسیحی وہ ہیں جو اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو خدا کا نبی
نہیں، خدا کا بیٹا مانتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ان کے قالب میں حلول کر آیا تھا۔ آخرت میں نجات دینے والا (Saviour)
خدا کو نہیں، مسیح ''ابن اللہ'' کو یقین کرتے ہیں اور خدائی کو تین اقنوموں میں تقسیم کرکے ایک ناقابل فہم فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ
ہر اقنوم بجائے خود بھی خدا ہے، اور تینوں اقنوم مل کر بھی ایک ہی خدا بنتے ہیں۔ اس کھلے ہوئے شرک کے قائلوں کا ذکر ہرگز اس
مقام پر مقصود نہیں، اسی لیے نام بھی جو مشہور اور چلا ہوا تھا، اسے ترک کرکے نصاریٰ لایا گیا۔ نصرانی معرب (Nazarene) کا
حضرت مسیح کے سچے پیرو، نبی کو نبی ماننے والے، ابتدائی زمانہ میں (Nazarenes) کہلاتے تھے۔ یہ توحید کے قائل تھے اور
بجائے اناجیل اربعہ کے صرف انجیل متی کو مانتے تھے، آگے چل کر یہی لوگ ایبونیہ (Ebonites) بھی کہلائے لیکن جب
مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت، حلولیت اور تثلیث ہی قرار پاگئی، تو قدرۃ نصرانیت کا ستارہ بھی گردش میں آیا اور
نصرانی و نصرانیت کے الفاظ بجائے عزت و تکریم کے، تحقیر کے موقع اور ذم کے محل میں استعمال ہونے لگے، موجودہ مسیحیت سرتا
سر پولوسیت ہے اور تمامتر پولوس (Paul) طرسوسی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کچھ ہی روز بعد شروع ہوگئی تھی
اور نصرانی اس کے بالکل منکر تھے۔ قرآن مجید نے محل مدح میں ایک موقع پر بھی تثلیثی مسیحیت کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ذکر جب کبھی
آیا ہے تو ہمیشہ ملامت، بیزاری کے ساتھ ان آیتوں میں: "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ. لقد کفر
الذین قالوا ان اللہ ہو المسیح ابن مریم"۔ وقس علی ھذا۔

اب جبکہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانہ آیا اور آپ تمام دنیا کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تو ان پر بھی اور دوسرے
سب پر بھی آپ کی تصدیق و اتباع واجب قرار دی گئی اور ایمان و یقین کی پختگی کی وجہ سے آپ کی امت کا نام مؤمن رکھا گیا اور
اس لئے بھی کہ ان کا ایمان تمام اگلے انبیاء پر بھی ہے اور تمام آنے والی باتوں پر بھی۔

الصابئون: صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اس کی طرف مائل
ہوجائے۔ من خرج او مال عن دین الی دین (قرطبی) قیل لکل خارج من الدین الی دین اخر صابیء
(راغب) اصطلاح میں صابیون Sabians کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال و مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر
آباد تھا۔ یہ لوگ دین توحید اور عقیدہ رسالت کے قائل تھے اور اس لیے اصلا اہل کتاب تھے، اپنے کو ''نصارائے یحییٰ'' کہتے
تھے، گویا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی امت تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مبصر و نکتہ رس خلیفہ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے

محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔ قال عمر ابن الخطاب وابن عباس هم قوم من اهل الکتاب وقال عمر تحل ذبائحهم مثل ذبائح اهل الکتاب (معالم) تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ هم طائفة من اهل الکتب (ابن جریر، عن السدی) فرقة من اهل الکتاب (ابن کثیر، عن ابی العالیہ والربیع بن انس والضحاک والسدی واسحاق بن راہویہ) ابن زیدان کے موحد ہونے کے قائل تھے، اور قتادہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہل قبلہ تھے اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے تھے۔ (ابن جریر) اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی عراقی تھے اور اس لیے صابیوں سے براہ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ قال ابو حنیفة لا باس بذبائحهم ونکاح نساءهم (قرطبی) تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا اردو ترجمہ ابھی حال ہی میں نکلا ہے (انجمن ترقی اردو، دہلی) اس کے صفحہ 7 پر فاضل مترجم، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اورنٹیل کالج لاہور، لفظ مینڈین Mandean پر حاشیہ دیتے ہیں: ''مینڈین بہ زبان آرامی بمعنی اولوالعلم۔ اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابیون کہلاتے ہیں۔ وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحییٰ کی امت کہتے ہیں۔'' (ایران بہ عہد ساسانیاں)

''من امن باللّٰہ'': یعنی اللہ کی ذات وصفت پر ایمان لائے، جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے اور وہ ایمان ہر قسم کی شرک آمیزی سے پاک ہو۔ اس ایمان باللہ کے تحت میں اس کے سارے لوازم وتضمنات بھی داخل ہیں، ورنہ خدا پر مطلق ایمان تو کسی نہ کسی صورت میں تقریباً ہر انسان کا ہے اور ان لوازم توحید میں سب سے اونچے نمبر پر ایمان بالرسل ہے کہ بندوں کا صحیح تعلق اللہ کے ساتھ قائم کرنے والی، اس کا سیدھا راستہ بتانے والی ذات رسول ہی کی ہوتی ہے۔ قد دخل فی الایمان باللّٰہ الایمان بما اوجبه اعنی الایمان برسله۔ (کبیر)

''والیوم الاخر'' یوم آخرت پر ایمان لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ سارے احکام آخرت پر ایمان لایا جائے۔ دخل فی الایمان بالیوم الاخر جمیع احکام الاخرة (کبیر) تناسخ، حلول وغیرہ کے گمراہانہ عقائد کی بنیاد صرف یہی ہے کہ دوسرے مذہبوں میں یوم حشر کا ایمان صحیح باقی نہیں رہا اور انہوں نے جزا وسزا کی اور اور صورتیں تجویز کر لیں۔

(اور عمل صالح کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل وحی الٰہی یعنی شریعت اسلامی کے ماتحت ہو) دور حاضر کی چلتی ہوئی گمراہیوں میں سے ایک سوال جو بار بار پیش ہوتا رہتا ہے، یہ ہے کہ ایک شخص صاحب ایمان ہے مگر بدعمل، اور دوسرا خوش عمل ہے مگر ایمان سے خالی، تو ان دو میں نجات کس کی ہوگی؟ علماء اس کے جوابات مختلف دیتے رہتے ہیں، لیکن سب سے سیدھا اور بے تکلف جواب یہ ہے کہ حسن عمل کا ایک لازمی عنصر تو خود ایمان ہی ہے، بغیر تصحیح ایمان کے، بغیر حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے خیال کے، کوئی عمل، عمل صالح کی تعریف میں آ ہی کب سکتا ہے؟ ایمان سے خالی شخص کا ''حسن عمل'' تو صرف صورۃ عمل ہوگا، ورنہ اس کی حقیقت (یعنی خالق کونین کی رضا طلبی) تو اس سے خارج ہی ہوگی۔

اعتقاد صحیح اور عمل صحیح بس یہی دو شرائط نجات ہیں، گویا مذہبی دنیا کو یہ بشارت پہلی بار کھلے لفظوں میں پہنچی کہ اصل شے عقیدہ

اور عمل ہیں اوران دو کی تصحیح کے بعد قوم، نسل وغیرہ کی ساری نسبتیں ہیچ ہیں۔

"عندربھم" میں عند سے مراد عندیت مکانی نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حق میں جو مکان و جہت سے پاک ومنزہ ہے، محال ہے۔ بلکہ مراد اجر کا یقینی اور قطعی ہونا ہے۔ لیس المراد العندیة المکانیة فان ذلک محال فی حق اللہ تعالی بل المراد ان اجرھم متیقن جار مجری (کبیر) قرآن مجید کا ایک بلیغ وحکیمانہ اسلوب یہ بھی ہے کہ جزئیات کے ضمن میں بڑے بڑے اہم کلیات بیان کر جاتا ہے۔ ذکر بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی اور پشتہا پشت کی سرکشی کا چلا آرہا تھا، مخاطبین پر یہ اثر پڑنا بالکل طبعی تھا کہ ایسے مجرموں کے لیے اب نجات کی کوئی گنجائش ہو ہی کیا سکتی ہے؟ معاً درمیان میں یہ آیت لا کر اس مایوسی کو رفع کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی اپنا عقیدہ اور عمل درست رکھے گا، خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی یا صابی، غرض کوئی بھی ہو، رحمت ومغفرت کی راہیں سب کے لیے کھلی ہوئی ہیں، کام کی چیزیں صرف ایمان صحیح اور عمل صحیح ہیں۔ لیعرف ان جمیع ارباب الضلال اذا رجعوا عن ضلالھم وامنوا بالدین الحق فان اللہ سبحانہ وتعالی یقبل ایمانھم وطاعتھم ولا یردھم عن حضرتہ البتة (کبیر)

"لاخوف علیھم ولاھم یحزنون" بیان آخرت کا ہو رہا ہے۔ یعنی قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا اہل ایمان کو نہ اپنے ماضی پر حسرت ہوگی نہ اپنے مستقبل کی طرف سے تشویش، خوف واندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم وحزن کا ماضی سے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ....

عہد شکن یہود

(اور وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور طور (پہاڑ) تم پر اٹھایا (لٹکایا) یہ عہد حضرت موسیٰ کے اتباع اور تورات پر عمل کرنے کا تھا۔ طور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ علامہ بغوی کہتے ہیں کہ یہ قصہ اس طرح ہوا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی تو موسیٰ نے اپنی قوم کو اس کے قبول کرنے اور ماننے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم فرمایا وہ صاف انکار کر بیٹھے کیونکہ اس میں طرح طرح کے احکام شاقہ تھے اور شریعت موسوی نہایت سخت تھی اس انکار پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کے پھیلاؤ کے موافق ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے الگ کر کے قد آدم بلند سائبان کی طرح ان کے سر پر لا کھڑا کیا اور کہہ دیا کہ اگر تم تورات کو نہ مانو گے تو یہ پہاڑ تم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قصہ کو اسی طرح نقل کیا ہے اور عطا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سروں پر طور کو لا کھڑا کیا اور ایک آگ ان کے سامنے سے بھیجی اور دریائے شور پیچھے سے آیا اور حکم ہوا کہ قبول کرو ورنہ یہ چیزیں تمہیں ہلاک کر ڈالیں گے۔

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (اور ہم نے کہا کہ (اسے) مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو۔ تاکہ تم بچ جاؤ) یعنی تورات پر عمل کرو تاکہ معاصی یا ہلاکت سے دنیا میں اور عذاب سے

آخرت میں بچو یا یہ معنی کہ تورات پر اس امید سے عمل کرو کہ متقی ہو جاؤ۔ القصہ جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ اب تو کوئی بچاؤ کی جگہ بھی نہیں تو جھٹ قبول کر لیا اور سجدہ میں گر پڑے اور اسی حالت میں لگے پہاڑ کو دیکھنے اس لیے یہود میں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ وہ اپنے آدھے چہرہ سے سجدہ کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم پر سے اسی سجدہ کی بدولت عذاب اٹھایا گیا ہے۔

ایک وسوسہ اور اس کا جواب

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ دین میں تو زبردستی نہیں ہے جیسا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ میں بتایا ہے پھر پہاڑ سروں پر اٹھا کر بنی اسرائیل سے کیوں قول و قرار لیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کرانے کے لیے زبردستی نہیں ہے، اگر کوئی قوم مسلمان نہ ہو جزیہ دے کر رہنا چاہے اس سے جزیہ قبول کر لیا جائے گا جس نے اسلام قبول کر لیا اس سے احکام پر زبردستی عمل کرانے کی نفی (لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ) میں نہیں ہے اس لیے ذمی کو قتل نہیں کیا جاتا اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر تین دن کے بعد اسلام میں واپس نہ آئے تو قتل کر دیا جائے گا۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ (پھر تم اس کے بعد پھر گئے (یعنی عہد کے پورا کرنے سے تم نے منہ پھیرا) تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی) فضل سے مہلت دینا اور عذاب کو مؤخر کرنا مراد ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل اگر محمد (ﷺ) کے وجود با جود کا فضل تم پر نہ ہوتا تو تم پر ضرور عذاب الٰہی نازل ہوتا کیونکہ حق تعالیٰ نے حضور سرور عالم (ﷺ) کو رحمت للعالمین بنایا ہے اس لیے حضور کے وجود سراپا جود سے عذاب مؤخر کر دیا گیا اور دھنس جانے اور صورتیں بدل جانے کا عذاب اٹھا لیا گیا۔

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (تو بے شک تم خسارہ یاب ہوتے) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو تم اب بھی خسارہ اور عذاب میں گرفتار ہوتے جس طرح کہ پہلے اگر اللہ کا حکم قبول نہ کرتے تو پہاڑ سے ہلاک کر ڈالے جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ ....

یہودیوں کا سنیچر کے دن میں زیادتی کرنا اور بندر بنا دیا جانا:

اس واقعہ کا بیان تفصیل کے ساتھ سورۃ اعراف میں ہے جہاں فرمایا: وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ (الاعراف: ۱۶۳) وہیں اس کی تفسیر بھی پوری بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ ایلہ بستی کے باشندے تھے ان پر ہفتہ کے دن تعظیم ضروری کی گئی تھی اس دن کا شکار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں تو انہوں نے مکاری کی۔ گڑھے کھود لیے۔ رسیاں اور کانٹے ڈال دیئے۔ ہفتہ والے دن وہ آ گئیں۔ یہاں پھنس گئیں۔ اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا۔ اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علماء کو گدھوں سے مثال دی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور عبارت قرآن کے ظاہر الفاظ کے بھی خلاف ہے اس آیت پر پھر سورۃ اعراف کی آیت (واسالهم ....) اور: (وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ) (المائدہ: ۶۰) پر نظر ڈالو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جوان لوگ بندر بن گئے اور

بوڑھے سور بنا دیئے گئے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں یہ تمام مرد اور عورت دم والے بندر بنا دیئے گئے۔ آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے جو لوگ انہیں اس مکروہ حیلہ سے روکتے تھے وہ اب آئے اور کہنے لگے دیکھو ہم پہلے سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے ان کی نسل نہیں ہوئی تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی۔ یہ بندر جواب ہیں اور جو اس وقت بھی تھے یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کئے گئے تھے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے جس طرح کا چاہے بنا دیتا ہے (اللہ اپنے غضب وغصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور اخروی عذاب سے نجات دے آمین) خاسئین کے معنی ذلیل اور کمینہ۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابن عباس وغیرہ نے جو بیان کیا ہے وہ سب سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت وادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا اس دن کی عظمت کے طور پر ان پر شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ ادھر اللہ کی آزمائش کی بنا پر ہفتہ والے دن تمام مچھلیاں اوپر آ جایا کرتی تھیں اور کودتی اچھلتی رہتی تھیں لیکن باقی دنوں میں کوئی نظر ہی نہیں آتی تھی۔ ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔ بعد ازاں ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا اتوار والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی۔ لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آ جاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں ان شکار کھیلنے والوں اور ان کو منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور بھی تھا جو مصلحت وقت برتنے والا اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والا وہ تو پورا ساتھ دیتا تھا۔ ان کا نہ شکار کھیلتے تھے نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ ونصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑ دو۔ یہ جواب دیتے کہ ایک تو اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ مان جائیں اور عذاب الٰہی سے نجات پائیں بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ جو فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے۔ بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور دروازے اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گزر گئی ایک دن صبح مسلمان جاگے دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آ رہی تھیں یہ لوگ متحیر تھے کہ آج کیا بات ہے؟ آخر جب زیادہ دیر لگ گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا دیکھا کہ وہ تمام لوگ مع عورتوں بچوں کے بندر بن گئے ہیں ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ کل انسان بندر کی صورتوں میں ہیں جن کی دمیں نکلی ہوئی ہیں۔ بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں عورتیں

بندریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عذاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو انہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا صرف وہ بچے جو انہیں منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیتیں وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ان کی صورتیں بدل دی گئی تھیں سچ مچ بندر بنا دیئے گئے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے تھے جیسے کہ مجاہد کا قول ہے ٹھیک تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری صورتیں بھی ان کی ان بدجانوروں جیسی ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔ (ابن کثیر)

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حقیقۃً بندر بنا دیئے گئے تھے یعنی صورتیں اور شکلیں بندروں کی بن گئیں وما ذلک علی اللہ بعزیز اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں اور آثار صحابہ اور تابعین بھی اس کی شہادت دے رہے ہیں اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے کہ وہ لوگ حقیقۃً بندر بنا دیئے گئے تھے اور جس شخص نے یہ کہا کہ حقیقۃً بندر نہیں بنائے گئے تھے بلکہ ان کے اخلاق اور عادات بندروں جیسے ہو گئے تھے تو یہ صریح خطا ہے۔ ظاہر قرآن اور ظاہر روایات اور اجماع سلف کے خلاف ہے۔ کافروں کے اخلاق تو ہر زمانہ میں بندروں سے بھی بڑھ چڑھ کر رہے اور اب تو ترقی کا دور ہے اور اس زمانہ کے کافر تو اخلاق میں بندر اور سؤر سے بھی بڑھ کر ہیں یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کی خصوصیت نہیں۔

ف: مسخ کی تین قسمیں ہیں:

اول: مسخ حقیقی۔ یعنی حقیقت اور ماہیت کا بدل جانا جیسے گوشت کا پتھر ہو جانا جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے۔

دوسرے: مسخ صوری۔ یعنی حقیقت انسانیہ تو باقی رہے اور فقط صورت اور شکل بدل جائے جیسے اس قصہ میں ہوا کہ بنی اسرائیل کی فقط صورتیں اور شکلیں مسخ کی گئیں کہ بجائے صورت انسانی کے بندر کی صورت بنا دیئے گئے مگر حقیقت انسانی جس کے ذریعہ سے انسان ادراک اور احساس کرتا ہے وہ بحالہ باقی تھی گویائی اور بولنے کی قوت سلب کر لی گئی تھی مگر عقل باقی تھی جس کے ذریعہ سے اپنی صورت بدلنے کا ادراک کرتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ ہماری نافرمانی کی سزا ہے مسخ سے فقط ان کی انسانی صورت زائل ہوئی اور فہم اور شعور انسانی سب باقی رہا۔ اسی لیے خاسئین ذوی العقول کی جمع لائی گئی تاکہ ادراک انسانی کی بقاء پر دلالت کرے۔

تیسرے: مسخ معنوی۔ یعنی صفات نفسانیہ کا بدل جانا۔ مثلاً قناعت کا حرص اور طمع سے فہم و فراست کا سفاہت و بلادت سے بدل جانا کہ پہلے قانع تھا اب حریص بن گیا۔ پہلے متواضع تھا اب متکبر ہو گیا اس کو مسخ معنوی کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے ختم اور طبع کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور آیت: کمثل الحمار یحمل اسفارا اور فمثلہ کمثل الکلب میں۔ گدھے اور کتے کی مثال سے مسخ معنوی مراد ہے۔

بنی اسرائیل کا مسخ معنوی پہلے ہو چکا تھا اس وقت تو فقط مسخ صوری ہوا کہ بجائے شکل انسانی کے بندر کی شکل بنا دیئے گئے اس لیے کہ مسخ معنوی تو اسی وقت ہو چکا تھا کہ جب انبیاء اور علماء کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کمثل الحمار اور کمثل الکلب کا مصداق بن چکے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

دینی معاملات میں کوئی ایسا حیلہ جس سے اصل حکم شرعی باطل ہو جائے حرام ہے:

اس آیت میں یہودیوں کے جس اعتداء یعنی حدود سے تجاوز کا ذکر کر کے اس کو سبب عذاب بتلایا گیا ہے روایات سے ثابت ہے کہ وہ صاف طور پر حکم شرعی کی خلاف ورزی نہ تھی بلکہ ایسے حیلے تھے جن سے حکم شرعی کا ابطال لازم آتا تھا مثلاً ہفتہ کے دن مچھلی کی دم میں ایک پھندا لگا کر دریا میں چھوڑ دیا اور یہ ڈور زمین پر کسی چیز سے باندھ دی پھر اتوار کے روز اس کو پکڑ کر کھالیا تو یہ ایک ایسا حیلہ ہے جس میں حکم شرعی کا ابطال بلکہ ایک قسم کا استہزاء ہے اس لئے ایسا کرنے والوں کو بڑا سرکش نافرمان قرار دے کران پر عذاب آیا۔

مگر اس سے ان فقہی حیلوں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی جن میں سے بعض خود رسول اللہ (ﷺ) نے بتلائے ہیں مثلاً ایک سیر عمدہ کھجور کے بدلے دو سیر خراب کھجور خریدنا سود میں داخل ہے مگر اس سے بچنے کا ایک حیلہ خود رسول اللہ (ﷺ) نے یہ بتلایا کہ جنس کا تبادلہ جنس سے نہ کرو قیمت کے ذریعہ خرید وفروخت کرلو مثلاً دو سیر خراب کھجوریں دو درہم میں فروخت کردیں پھر ان دو درہموں میں سے ایک سیر عمدہ کھجور خرید لی تو یہاں حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے، ابطال نہ مقصود ہے نہ واقع ہے اسی طرح بعض دوسرے مسائل میں بھی فقہا نے حرام سے بچنے کی بعض ایسی ہی تدبیریں بتلائی ہیں ان کو یہودیوں کے حیلوں کی طرح کہنا اور سمجھنا غلط ہے۔ (معارف مفتی شفیع)

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا ـــ

یعنی اس واقعہ اور اس عقوبت کو ہم نے باعث خوف وعبرت بنا دیا اگلے اور پچھلے لوگوں کے واسطے یعنی جنہوں نے اس عذاب کا مشاہدہ کیا اور جو آئندہ پیدا ہوں گے یا جو بستیاں شہر کے آگے اور اس کے پیچھے آباد تھیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ....

ذبح بقرہ کا قصہ، یہود کی کج بحثی:

اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار اور تونگر تھا اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کے لالچ میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ اور اس کی لڑکی سے نکاح بھی کرلوں قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقع پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے، اس بھتیجے نے اپنے چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر ہائے دہائی مچا دی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا۔ آخر کار ان قلعہ والوں پر تہمت لگا کر ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا، لیکن یہ اڑ گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ

عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ان سے کہو ایک گائے ذبح کریں انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ گائے کے ذبح کا حکم دے رہے ہیں؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اعوذ باللہ (مسائل شرعیہ کے موقع پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے اب اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچہ ہے جوان عمر کی ہے انہوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمائیے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے باہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں اترتی جاتی ہے پھر کہنے لگے حضرت ایسی گائیں بھی بہت سی ہیں کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمائیے وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جوتی گئی، کھیتوں کو پانی نہیں پلایا ہر عیب سے پاک ہے یک رنگی ہے کوئی داغ دھبہ نہیں جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔

احترام والدین پر انعام الٰہی:

اب ایسی گائے ڈھونڈنے کو نکلے تو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس ملی۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا ایک مرتبہ جبکہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں لڑکے نے کہا میں خریدوں گا قیمت ستر ہزار طے ہوئی لڑکے نے کہا ذرا ٹھہرو جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دونگا اس نے کہا ابھی دے دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو جگاؤں گا نہیں تم اگر ٹھہر جاؤ تم میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا یونہی ادھر سے کمی اور ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا باپ کی اس بزرگی کے احساس اور ان کے آرام پہنچانے کی کوشش کرنے اور ان کا ادب واحترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو یہ انکار کرتا ہے پھر کہتے ہیں تین لے لو چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا یہ آ کر حضرت موسیٰ سے شکایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خرید و آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی یہ برکت اللہ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جبکہ یہ بہت محتاج تھا اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کی بیوہ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے اس نے کہا میرے بھتیجے نے اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے اور میری لڑکی سے نکاح کر لے بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ چل گیا

اور بنی اسرائیل میں جو جنگ وجدال ہونے والی تھی وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا اس کی عیاری اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق، تکذیب ہم نہیں کر سکتے ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردہ کو زندہ کر دیا اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔ (ابن کثیر)

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الدَّالِ اَیْ تَخَاصَمْتُمْ وَتَدَافَعْتُمْ فِیْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مُظْهِرٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ مِنْ اَمْرِهَا وَهٰذَا اعْتِرَاضٌ وَهُوَ اَوَّلُ الْقِصَّةِ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ اَیِ الْقَتِیْلَ بِبَعْضِهَا ؕ فَضُرِبَ بِلِسَانِهَا اَوْعَجْبِ ذَنَبِهَا فَحَیِیَ وَقَالَ قَتَلَنِیْ فُلَانٌ وَفُلَانٌ اِبْنَا عَمِّهٖ وَمَاتَ فَحُرِمَا الْمِیْرَاثَ وَقُتِلَا قَالَ تَعَالٰی كَذٰلِكَ الْاِحْیَاءِ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی ۙ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ دَلَائِلَ قُدْرَتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰی اِحْیَاءِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ قَادِرٌ عَلٰی اِحْیَاءِ نُفُوْسٍ كَثِیْرَةٍ فَتُؤْمِنُوْنَ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ اَیُّهَا الْیَهُوْدُ صَلُبَتْ عَنْ قَبُوْلِ الْحَقِّ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنْ اِحْیَاءِ الْقَتِیْلِ وَمَا قَبْلَهٗ مِنَ الْاٰیَاتِ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ فِی الْقَسْوَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ مِنْهَا وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فِیْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الشِّیْنِ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ یَنْزِلُ مِنْ عُلُوٍّ اِلٰی سُفْلٍ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَقُلُوْبُكُمْ لَا تَتَاَثَّرُ وَلَا تَلِیْنُ وَلَا تَخْشَعُ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَاِنَّمَا یُؤَخِّرُكُمْ لِوَقْتِكُمْ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِیَّةِ وَفِیْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اَیِ الْیَهُوْدُ لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ اَحْبَارُهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ فِی التَّوْرٰةِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ یُغَیِّرُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ فَهِمُوْهُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنَّهُمْ مُفْتَرُوْنَ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ اَیْ لَا تَطْمَعُوْا فَلَهُمْ سَابِقَةٌ فِی الْكُفْرِ وَ اِذَا لَقُوْا اَیْ مُنَافِقُوا الْیَهُوْدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ بِاَنَّ مُحَمَّدًا نَبِیٌّ وَهُوَ الْمُبَشَّرُ بِهٖ فِیْ كِتَابِنَا وَ اِذَا خَلَا رَجَعَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْۤا اَیْ رُؤَسَاؤُهُمُ الَّذِیْنَ لَمْ یُنَافِقُوْا لِمَنْ نَافَقَ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ اَیْ عَرَّفَكُمْ فِی التَّوْرٰةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لِیُحَآجُّوْكُمْ لِیُخَاصِمُوْكُمْ وَاللَّامُ

لِلصَّيْرُوْرَةِ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ فِى الْاٰخِرَةِ وَيُقِيْمُوْا عَلَيْكُمُ الْحُجَّةَ فِى تَرْكِ اِتِّبَاعِهٖ مَعَ عِلْمِكُمْ بِصِدْقِهٖ

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَنَّهُمْ يُحَاجُّوْنَكُمْ اِذَا حَدَّثْتُمُوْهُمْ فَتَنْتَهُوْا قَالَ تَعَالٰى اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ الْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ

وَالْوَاوُ الدَّاخِلَةُ عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ مَا يُخْفُوْنَ وَمَا يُظْهِرُوْنَ مِنْ

ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ فَيَرْعَوُوْا عَنْ ذٰلِكَ وَمِنْهُمْ اَيِ الْيَهُوْدِ اُمِّيُّوْنَ عَوَامٌّ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ اِلَّآ لٰكِنْ

اَمَانِيَّ اَكَاذِيْبَ تَلَقَّوْهَا مِنْ رُؤَسَائِهِمْ فَاعْتَمَدُوْهَا وَاِنْ مَا هُمْ فِى جَحْدِ نُبُوَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

سَلَّمَ وَغَيْرِهٖ مِمَّا يَخْتَلِقُوْنَهٗ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ ظَنًّا وَلَا عِلْمَ لَهُمْ فَوَيْلٌ شِدَّةُ عَذَابٍ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ

الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ اَيْ مُخْتَلَقًا مِنْ عِنْدِهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

مِنَ الدُّنْيَا وَهُمُ الْيَهُوْدُ غَيَّرُوْا صِفَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى التَّوْرٰةِ وَاٰيَةَ الرَّجْمِ وَغَيْرَهَا وَكَتَبُوْهَا

عَلٰى خِلَافِ مَا اُنْزِلَ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ مِنَ الْمُخْتَلَقِ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا

يَكْسِبُوْنَ ۝ مِنَ الرُّشٰى وَقَالُوْا لَمَّا وَعَدَهُمُ النَّبِيُّ النَّارَ لَنْ تَمَسَّنَا تُصِيْبَنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ

قَلِيْلَةً اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا مُدَّةَ عِبَادَةِ اٰبَائِهِمُ الْعِجْلَ ثُمَّ تَزُوْلُ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ اَتَّخَذْتُمْ حُذِفَ مِنْهُ هَمْزَةُ

الْوَصْلِ اسْتِغْنَاءً بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا مِيْثَاقًا مِنْهُ بِذٰلِكَ فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ بِهٖ لَا اَمْ بَلْ

تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى تَمَسُّكُمْ وَتَخْلُدُوْنَ فِيْهَا مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً شِرْكًا وَّاَحَاطَتْ بِهٖ

خَطِيْٓـئَتُهٗ بِالْاِفْرَادِ وَالْجَمْعِ اَيِ اسْتَوْلَتْ عَلَيْهِ وَاَحْدَقَتْ بِهٖ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ بِاَنْ مَاتَ مُشْرِكًا فَاُولٰٓئِكَ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ رُوْعِيَ فِيْهِ مَعْنٰى مَنْ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع ۹ ۱۱ ۹

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم لوگوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر ایک دوسرے پر دھرنے لگے۔ (ادرء تم میں تاء کو دال بنا کر دال میں ادغام کر دیا پھر ابتداء بالسکون کی دشواری کی وجہ سے شروع میں ہمزہ وصل لائے یعنی تم اس کے بارے جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر تہمت ڈالنے لگے اپنی براءت کے لئے) اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے (یعنی اس شخص مقتول کا معاملہ اور یہ جملہ معترضہ ہے اور قصہ کا شروع ہے) پھر ہم نے کہا مارو اس کو (یعنی مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا چنانچہ اس گائے کی زبان سے یا اس کی دُم کی جڑ سے مارا گیا پس وہ زندہ ہو گیا اور بولا کہ مجھ کو فلاں اور فلاں نے قتل کیا ہے۔ اپنے چچا کے دو بیٹوں کا نام لے کر بتایا اور مر گیا چنانچہ دونوں چچا زاد بھائی میراث سے محروم کر دئے گئے اور قصاصاً قتل کر دئے

گئے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اس واقعہ (جلانے، زندہ کرنے) کی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے (یعنی اپنی قدرت کے دلائل و نظائر دکھلاتا ہے) تا کہ تم سمجھو (یعنی غور و فکر کرو تو جان لو گے کہ جو ایک جان کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ تمام مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے، اس پر ایمان لاؤ۔) پھر تمہارے دل سخت ہو گئے (یعنی اے یہود تمارے دل قبول حق سے سخت ہو گئے یعنی کوئی اثر نہیں ہوتا) اس کے بعد (یعنی مقتول کو زندہ کرنے اور اس سے پہلے کی مذکورہ نشانیوں کے بعد) سو وہ پتھر کے مانند ہیں (سختی میں) بلکہ سختی میں ان سے بھی زیادہ (مطلب یہ ہے کہ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں) اور بلاشبہ بعض پتھر تو ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور ان پتھروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں (یشقق اصل میں یتشقق تھا تاء تفعل کو شین سے بدل کر کے شین میں ادغام کر دیا) پھر ان سے پانی نکلتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو گر پڑتے ہیں (یعنی اوپر سے نیچے کی طرف لڑھک آتے ہیں) اللہ کے خوف سے (اور تمہارے دل ہیں کہ نہ متاثر ہوتے ہیں، نہ نرم ہوتے ہیں اور نہ ڈرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو (البتہ تم کو مہلت دیتا ہے تمہارے معینہ وقت کے لئے یعنی دنیاوی زندگی میں۔ ایک قراءت میں تحتانیہ یعنی یاء کے ساتھ یَعْلَمُوْنَ ہے اس صورت میں التفات ہو گا خطاب سے غیب کی طرف۔) کیا اب بھی تم توقع رکھتے ہو (اے مسلمانو!) کہ ایمان لے آئیں گے (یہود) تمہارے کہنے سے حالانکہ ان میں سے ایک فرقہ (گروہ) تھا (ان کے علماء) جب وہ اللہ کا کلام سنتا تھا (توریت میں) پھر بدل ڈالتا تھا اس کو سمجھنے کے بعد حالانکہ وہ خوب جانتے تھے (کہ وہ افتراء کر رہے ہیں یعنی اپنے مفتری اور جھوٹے ہونے کو خواب جانتے تھے۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ کا ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی ان کی توقع مت رکھو کیونکہ یہ کفر میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں) اور جب ملتے ہیں (منافقین یہود) مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں (کہ محمد ﷺ نبی ہیں اور یہی ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی ہے) اور جب تنہا ہوتے ہیں (یعنی تنہائی میں ملتے ہیں) ان میں سے بعض بعض کے پاس تو کہتے ہیں (ان کے وہ رؤساء جو منافق نہیں ہوئے ہیں بلکہ علانیہ یہودی ہیں جیسے کعب بن اشرف وغیرہ ان لوگوں سے جو منافق تھے جیسے عبداللہ بن سلول وغیرہ) کیا تم وہ باتیں بتلا دیتے ہو ان (مسلمانوں) کو جو اللہ نے تم پر ظاہر کیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے جو اوصاف توریت میں تم کو بتلا دیئے ہیں) تا کہ تمہارے پروردگار کے پاس اس کے ذریعہ تم پر حجت قائم کریں (یعنی جھگڑے میں تم پر غالب آ جائیں۔ لیحاجو کم میں لام صیرورت یعنی عاقبت اور نتیجہ کا ہے یعنی بتانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آخرت میں تم پر حجت قائم کریں گے کہ حضور ﷺ کی صداقت کے علم کے باوجود اتباع نہیں کیا ہے) کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو (کہ مسلمان تمہارے خلاف حجت قائم کر رہے ہیں۔ جب تم ان مسلمانوں سے ایسی باتیں بیان کر دیتے ہو اس لئے تم کو باز آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا یہ لوگ نہیں جانتے ہیں (ہمزہ استفہام تقریری ہے اور واؤ اس پر عطف کے لئے داخل ہے) کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں حق تعالیٰ کو سب خبر ہے اس لئے اس اخفاء سے باز آنا چاہئے اور بعض ان (یہود) میں سے ان پڑھ ہیں (عوام) جو علم نہیں رکھتے ہیں (توریت) کا سوائے جھوٹی آرزوؤں کے (جن کو اپنے سرداروں سے سیکھا ہے اور ان پر اعتماد کر لیا ہے) اور یہ لوگ کچھ نہیں ہیں (نبی کریم ﷺ کے نبوت وغیرہ کے انکار میں جن جھوٹے خیالات کو گھڑتے ہیں) مگر خیال پکاتے ہیں سو خرابی ہے (سخت عذاب ہے)

ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے (یعنی اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر) پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ حاصل کرلیں تھوڑا سا مال (یعنی دنیا کا مال دنیا کے مال ومتاع کو ثمن قلیل اس لئے فرمایا گیا کہ اس حرکت سے جس عذاب کے مستحق ہوئے ہیں اس کے لحاظ سے دنیا کا مال ومتاع انتہائی قلیل وحقیر ہے اور یہ لوگ یہود ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اوصاف اور آیت رجم وغیرہ کو بدل ڈالا اور اس کی جگہ نازل شدہ حکم کے خلاف لکھ دیا) سو خرابی ہے ان کو اس وجہ سے کہ لکھا ہے اپنے ہاتھوں سے (گھڑ کر) اور تباہی ہوگی اس وجہ سے جو کماتے ہیں (رشوت سے) اور یہود کہتے ہیں (جب نبی ﷺ ان کو ڈراتے ہیں جہنم کی آگ سے) ہم کو ہرگز نہیں چھوئے گی (لگے گی) جہنم کی آگ مگر گنتی کے چند دن (مختصر چالیس دن جتنے دن ان کے باپ دادوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی پھر زائل ہوجائے گی) آپ ان سے کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) کیا تم نے لے لیا ہے (اَتَّخَذْتُمْ پر ہمزہ استفہام ہے اصل میں تھا: أَءِ تخذتم ہمزہ اول استفہام ہمزہ دوم ہمزہ وصل ہے ہمزہ وصل کو حذف کر دیا گیا چونکہ ہمزہ وصل تلفظ بالساکن کی ضرورت سے لایا جاتا ہے یہاں ہمزہ استفہام نے اس ضرورت کو پورا کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ استفہام کا فائدہ بھی حاصل ہوگیا اس لئے ہمزہ وصل کو حذف کر دیا گیا، یہ ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی نفی کے معنی میں ہے اور منقطعہ بمعنی بَل ہے ای لم تتخذوا عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا بَلْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞) اللہ سے کوئی عہد (یعنی اللہ کی جانب سے اس کے متعلق کوئی قرار لے لیا ہے؟) کہ ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے عہد کے (ایسا نہیں ہے) یا (بلکہ) تم جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے ہو (تم کو چھوئے گی نار جہنم اور تم ہمیشہ اس جہنم میں رہو گے) جس نے کمایا گناہ (یعنی شرک کیا) اور احاطہ کرلیا اس کو اس کے گناہ نے (لفظ خطیئة مفرد خطیئة اور جمع خطیئات) پڑھا گیا ہے۔ (یعنی گناہ اس پر غالب ہوگیا اس کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ وہ شرک کی حالت میں مرگیا) سو وہی لوگ ہیں دوزخ والے اور وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے (اس لفظ میں من کے معنی کی رعایت کی گئی ہے یعنی ضمیر جمع هم لائی گئی ہے) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ ہیں جنت والے وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اِیْ تَخَاصَمْتُمْ وَتَدَافَعْتُمْ: اشارہ کیا کہ التَّدَارُءُ کا مجازی معنی اختصام بھی درست ہے اور حقیقی معنی توجیہ کے ساتھ یعنی تدافع بھی ہوسکتا ہے۔

قوله: مِنْ اَمْرِهَا: سے اشارہ دیا کہ ضمیر عائد مقدر ہے۔

قوله: فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ: اس کا عطف فَادّٰرَءْتُمْ ہے۔

قوله: اَلْقَتِيْلَ: ضمیر قتیل کے اعتبار سے نفس کی طرف لوٹتی ہے۔

قوله: قَالَ تَعَالٰى: یہ مقدر اس لیے مانا تاکہ کلام منتظم ہوجائے پس مشار الیہ زندہ لوگ ہیں، جس زمانہ کے بھی ہوں۔

قوله: دَلَائِلَ قُدْرَتِهٖ: آیات سے علامات قدرت مراد ہیں نہ کہ آیات قرآن۔

قوله: صَلُبَتْ عَنْ قَبُوْلِ الْحَقِّ: قساوت قلبی کا مطلب عبرت اور قبول حق سے دوری ہے اور ثُمَّ قَسَتْ میں استعارہ تبعیہ ہے۔ فِی الْقَسْوَۃِ کہہ کر بتلایا کہ قَسْوَۃً میں ان کا یہ حال ہے، عدم تعقل میں نہیں۔

قوله: مِنْهَا: اس سے اشارہ کیا ضمیر مفضل علیہ محذوف ہے کیونکہ التباس کا خدشہ نہیں نیز اسم تفضیل جب مِنَ کے ساتھ استعمال ہو تو اس میں واحد و جمع برابر ہیں۔ (کمانی النحو)

قوله: مِنْ خَشْيَةِ اللهِ: یہ انقیاد سے بطور مجاز استعمال ہوا۔

قوله: اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ایمان والوں کو خطاب ہے نہ کہ یہود کو۔

قوله: طَائِفَةٌ: یعنی ان کے اسلاف کا ایک گروہ۔ فریق کی تفسیر طائفہ سے کی تاکہ ضمیر کا مرجع درست رہے اور اس کا معنی رجل بھی استعمال ہوتا ہے، وہ نہ سمجھ لیا جائے۔

قوله: اَحْبَارُهُمْ: یہ اشارہ کیا کہ اگرچہ طائفہ عام ہے مگر مراد اس سے مقید گروہ علماء ہیں۔

قوله: وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: یہاں علم سے مراد ان کے اختراعات کا علم ہے اور مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ سے مراد کلام اللہ کے معنی کو سمجھنا، پس تکرار نہ ہوا۔

قوله: فَلَهُمْ سَابِقَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ جب احبار جو بڑے ہیں ان کا یہ حال ہے تو جہال تو ان سے دس قدم آگے ہوں گے۔

قوله: مُنَافِقُوا الْيَهُوْدِ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع ایک ہی ہے، وہ منافقین یہود نہیں۔ اس صورت میں لَقُوا حال ہے اور اس کا عطف وَقَدْ كَانَ پر ہے۔

قوله: بِاَنَّ مُحَمَّدًا: اس سے اشارہ کیا جس پر ایمان لانے کا یہاں تذکرہ ہے وہ نبوت محمدیہ ہے۔

قوله: رَجَعَ: خَلَا کا صلہ اِلٰی لائے کیونکہ وہ رَجَعَ کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: رُؤَسَاؤُهُمْ: اس سے وہ سردار مراد ہیں جو منافق نہیں، قَالُوْٓا کی ضمیر کا مرجع بھی وہی لوگ ہیں جو منافق نہیں۔

قوله: عَرَّفَكُمْ: سے اشارہ کیا کہ یہاں محاجہ حجت پیش کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ جھگڑا کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: وَاللَّامُ لِلصَّيْرُوْرَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ لام اجلیہ نہیں بلکہ صیرورت کے لیے ہے۔

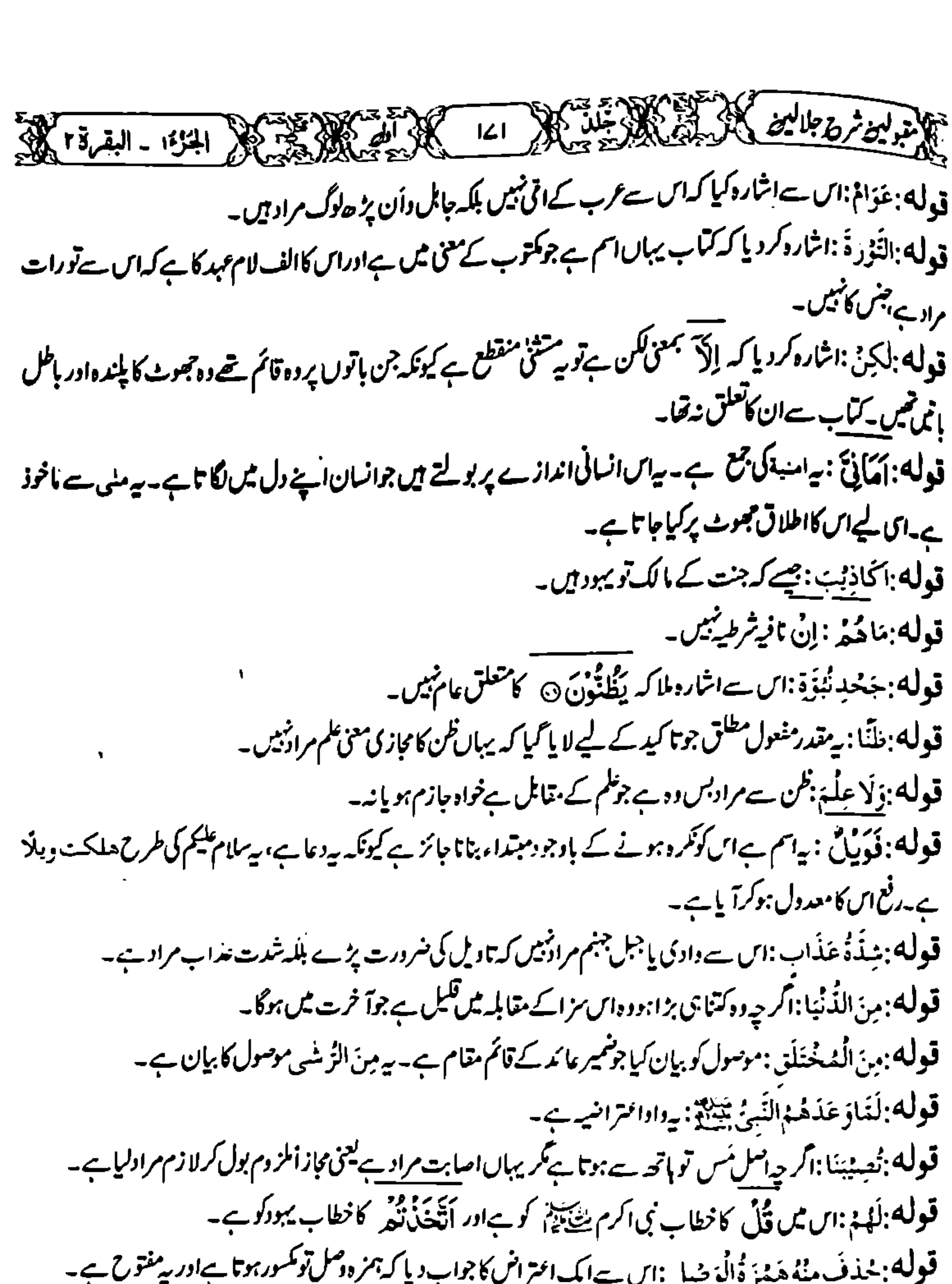
قوله: فِی الْاٰخِرَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ اس جھگڑا بازی سے آخرت کی جھگڑا بازی ہے نہ کہ دنیا کی۔

قوله: مَعَ عِلْمِكُمْ بِصِدْقِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ ان کا بات کے بیان سے رکنا زائد رسوائی سے بچنے کی خاطر تھا کیونکہ جو کوئی جانتے بوجھتے معصیت کرے تو اس کا گناہ دوسروں سے بڑھ کر ہے۔

قوله: اَنَّهُمْ لِيُحَاجُّوْكُمْ: اشارہ کیا کہ ملامت کرنے والوں کے کلام کا یہ تکملہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنوں کو خطاب نہیں اور اس کا عطف اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ اور فا اس لیے لائی گئی ہے تاکہ عدم عقل کا ترتب ان کی تحدیث پر ہو۔

قوله: اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتداء کلام ہے جو ان کی تردید میں فرمائی گئی ہے اور استفہام تقریری ہے۔

قوله: مِنْ ذٰلِكَ: یہ ماسبق و مابعد کلام کے ارتباط کے لیے لایا گیا ہے۔



قوله: عَوَام: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے عرب کے امی نہیں بلکہ جاہل وان پڑھ لوگ مراد ہیں۔

قوله: التَوْرٰة: اشارہ کردیا کہ کتاب یہاں اسم ہے جو مکتوب کے معنی میں ہے اور اس کا الف لام عہد کا ہے کہ اس سے تورات مراد ہے، جنس کا نہیں۔

قوله: لٰکِنْ: اشارہ کردیا کہ اِلَّا بمعنی لکن ہے تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ جن باتوں پر وہ قائم تھے وہ جھوٹ کا پلندہ اور باطل باتیں تھیں۔ کتاب سے ان کا تعلق نہ تھا۔

قوله: اَمَانِيَّ: یہ امنیۃ کی جمع ہے۔ یہ اس انسانی اندازے پر بولتے ہیں جو انسان اپنے دل میں لگاتا ہے۔ یہ منی سے ماخوذ ہے۔ اسی لیے اس کا اطلاق جھوٹ پر کیا جاتا ہے۔

قوله: اَکَاذِیْب: جیسے کہ جنت کے مالک تو یہود ہیں۔

قوله: مَاهُمْ: اِنْ نافیہ شرطیہ نہیں۔

قوله: جَحْدِ نُبُوَّةٍ: اس سے اشارہ ملا کہ یَظُنُّوْنَ۝ کا متعلق عام نہیں۔

قوله: ظَنًّا: یہ مقدر مفعول مطلق جو تاکید کے لیے لایا گیا کہ یہاں ظن کا مجازی معنی علم مراد نہیں۔

قوله: وَلَا عِلْمَ: ظن سے مراد بس وہ ہے جو علم کے مقابل ہے خواہ جازم ہو یا نہ۔

قوله: فَوَيْلٌ: یہ اسم ہے اس کو نکرہ ہونے کے باوجود مبتداء بنانا جائز ہے کیونکہ یہ دعا ہے، یہ سلام علیکم کی طرح ھلکت ویلًا ہے۔ رفع اس کا معدول ہو کر آیا ہے۔

قوله: شِدَّةُ عَذَاب: اس سے وادی یا جبل جہنم مراد نہیں کہ تاویل کی ضرورت پڑے بلکہ شدت عذاب مراد ہے۔

قوله: مِنَ الدُّنْيَا: اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا ہو وہ اس سزا کے مقابلہ میں قلیل ہے جو آخرت میں ہوگا۔

قوله: مِنَ الْمُخْتَلَقِ: موصول کو بیان کیا جو ضمیر عائد کے قائم مقام ہے۔ یہ مِنَ الرُّشٰی موصول کا بیان ہے۔

قوله: لَمَّا وَعَدَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ: یہ واو اعتراضیہ ہے۔

قوله: تُصِيْبَنَا: اگرچہ اصل مَس تو ہاتھ سے ہوتا ہے مگر یہاں اصابت مراد ہے یعنی مجاز اً ملزوم بول کر لازم مرادلیا ہے۔

قوله: لَهُمْ: اس میں قُلْ کا خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے اور اَتَّخَذْتُمْ کا خطاب یہود کو ہے۔

قوله: حُذِفَ مِنْهُ هَمْزَةُ الْوَصْلِ: اس سے ایک اعتراض کا جواب دیا کہ ہمزہ وصل تو مکسور ہوتا ہے اور یہ مفتوح ہے۔

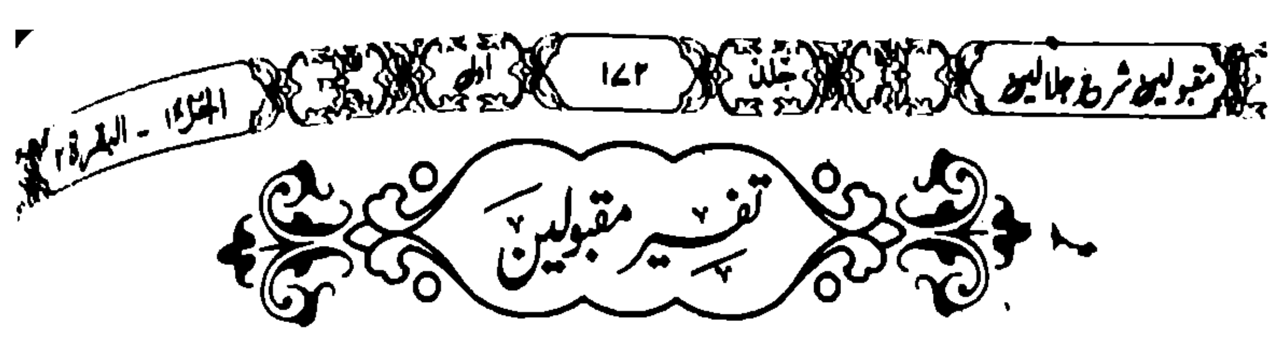
قوله: فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ: یہ شرط مقدر کا جواب ہے۔ یعنی ان کنتم اَتَّخَذْتُمْ یہ جملہ شرطیہ معترضہ ہے۔

قوله: لَا: یہ اشارہ ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: بَلٰى: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہ اَمْ منقطع ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد جملہ آرہا ہے۔

قوله: شِرْكًا: صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کی تفسیر کہ سَيِّئَةً یہاں شرک کے معنی میں ہے۔

قوله: رُوْعِيَ فِيْهِ: جمع کی ضمیر لانے میں مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے۔



وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا

مردہ زندہ ہونے کا ایک واقعہ اور قصہ سابقہ کا تکملہ:

ان آیات میں سابقہ قصہ کا تتمہ بیان فرمایا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ذبح بقرہ کا حکم کیوں ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ تم نے ایک خون کر دیا تھا اور اس خون کو ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے۔ قاتل اقراری نہیں تھا اور ہمیں منظور تھا کہ اس کے قاتل کا لوگوں کو علم ہو جائے لہٰذا ہم نے یہ طریقہ بتایا کہ جو بیل ذبح کیا ہے اس کا ٹکڑا مقتول کی لاش سے لگا دو۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ان لوگوں نے اس بیل کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے مونڈھوں کے درمیان لگا دیا چنانچہ وہ زندہ ہو گیا اس سے پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے تو اس نے کہا کہ مجھے میرے بھائی کے بیٹے نے قتل کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میرا مال لے لے اور میری بیٹی سے نکاح کر لے۔ یہ بات بیان کر کے وہ شخص دوبارہ مر گیا اور قصاص میں قاتل کو قتل کر دیا گیا۔

یہاں یہ سوال اٹھانا بے جا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ جس مردہ کو چاہے زندہ فرمائے پھر اس کے لیے بیل کا ذبح ہونا اور مقتول کو اس کے گوشت کا ٹکڑا مارا جانا کیوں مشروط کیا گیا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنا مخلوق کے بس کا کام نہیں اور نہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تکوین اور تشریع میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے کوئی سمجھ میں آ جاتی ہے کبھی سمجھ میں نہیں آتی۔ مؤمن بندہ کا کام ماننا اور عمل کرنا ہے۔ ذبح بقرہ سے متعلق ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل کی حجت بازی اور کج روی کا حال عام لوگوں کو اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کو معلوم ہو جائے تاکہ وہ ایسا نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

''ایسے ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم عقل سے کام لو۔

موت کے بعد زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لیے قبروں سے اٹھایا جانا قرآن و حدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ اس بات کے تسلیم کرنے سے بہت سے لوگوں کو انکار رہا ہے کہ موت کے بعد زندہ ہوں گے ان کے اشکالات قرآن مجید میں دور کئے گئے ہیں اور بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کر کے دکھایا ہے ان مواقع میں سے ایک موقع یہ بھی تھا کہ مقتول نے بحکم خدا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور یہ واقعہ حاضرین کے سامنے ہوا، سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہوا اور تواتر کے ساتھ یہ قصہ لوگوں تک پہنچ گیا۔ تو اب موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ عقلاً بھی یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مردوں کے زندہ کرنے پر قدرت ہے اور بعض مواقع میں حاضرین نے اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتا دیکھا ہے، عقل کو کام میں لائیں تو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ....

یہودیوں کی قلبی قساوت کا تذکرہ

اس آیت کریمہ میں یہودیوں کے قلوب کی قساوت اور سختی بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہوگئے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ ان میں سختی آ گئی۔ دلائل قدرت بھی دیکھتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کے دلائل نبوت بھی دیکھتے ہیں ان کے دلوں میں ذرا خدا کا خوف نہیں ہے اور حق قبول کرنے کے لیے ذرا بھی آمادہ نہیں۔ پتھروں میں تو یہ بات ہے کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور بعض پھٹ پڑتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اور بعض ان میں ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

پہلے ان کے دلوں کو سختی میں پتھروں سے تشبیہ دی جو اس اعتبار سے لوہے سے بھی سخت ہیں کہ لوہے کو بھٹی میں ڈالا جائے تو پگھل جاتا ہے لیکن کیسی ہی آگ ہو اس سے پتھر پگھلتا نہیں۔ پھر فرمایا کہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ بعض پتھروں سے تو نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور جب پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اگر تمہارے دل نرم ہوتے تو نافرمانیوں کی وجہ سے خوب زیادہ روتے (یہ مثال ہے نہریں جاری ہونے کی) اور کچھ بھی نہیں تو تھوڑا بہت ہی روتے (یہ مثال ہے فیخرج منه الماء کی) اور آنکھوں سے آنسو نہ نکلتے تو کم سے کم دل ہی روتا (یہ مثال ہے یھبط من خشیة اللہ کی)۔

(من ابن کثیر)

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں جو کچھ جانتا ہے اس سب کی سزا پاؤ گے دنیا کی کچھ دن کی زندگی کے دھوکے میں نہ آؤ۔

فائدہ: اس جگہ پتھر کے تین اثرات بیان کئے گئے ہیں اول ان سے زیادہ پانی نکلنا دوم کم پانی نکلنا، ان دو میں تو کسی کو شبہ نہیں پڑتا، تیسری صورت یعنی خدا کے خوف سے پتھر کا نیچے آ گرنا اس میں ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کیونکہ پتھر کو تو عقل کی ضرورت نہیں کیونکہ حیوانات لایعقل میں خوف کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے البتہ حس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جمادات میں اتنی حس بھی نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حس حیات پر موقوف ہے اور بہت ممکن ہے کہ ان میں ایسی لطیف حیات ہو جس کا ہم کو ادراک نہ ہوتا ہو جیسا جوہر دماغ کے احساس کا بہت سے عقلاء کو ادراک نہیں ہوتا، وہ محض دلائل سے اس کے قائل ہوتے ہیں تو دلائل طبعیہ سے ظاہر نص قرآن کی دلالت اور قوت کسی طرح بھی کم نہیں۔

پھر ہمارا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ ہمیشہ پتھر گرنے کی علت خوف ہی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بعض پتھر اس وجہ سے گر جاتے ہیں سو بہت ممکن ہے کہ گرنے کے اسباب مختلف ہوں ان میں سے بعض طبعی ہوں اور ایک سبب خوف خدا بھی ہو۔

اس مقام پر تین قسم کے پتھروں کے ذکر میں ترتیب نہایت لطیف اور افادہ مقصود نہایت بلیغ انداز میں کیا گیا ہے یعنی بعض پتھروں میں تاثر اتنا قوی ہے جس سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں جن سے مخلوق خدا فائدہ اٹھاتی ہے اور ان (یہودیوں) کے دل ایسے بھی نہیں (کہ مخلوق خدا کی تکلیف ومصیبت میں پگھل جائیں) اور بعض پتھروں میں ان سے کم تاثر ہوتا ہے جس سے کم نفع پہنچتا ہے تو یہ پتھر بہ نسبت اول کے کم نرم ہوئے اور ان کے قلوب ان درجہ دوم کے پتھروں سے بھی سخت ہیں۔

اور بعض پتھروں میں گو اس درجہ کا اثر نہیں مگر پھر بھی ایک اثر تو ہے (کہ خوف خدا سے نیچے گر آتے ہیں) گو درجے میں پہلی قسموں سے یہ ضعیف تر ہیں مگر ان کے قلوب میں تو کم درجہ اور ضعیف ترین جذبہ انفعال بھی نہیں

امت محمدیہ کو حکم کہ قاسی القلب نہ بنیں:

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو حکم ہے کہ تم اہل کتاب کی طرح سخت دل مت بن جاؤ۔ سورۃ حدید میں ارشاد ہے:
(اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ) ''کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے لیے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے لیے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں سے فاسق ہیں''۔

اپنے گناہوں کو یاد کرنا اور اللہ سے مغفرت چاہنا اور اللہ کے خوف سے رونا، یہ کسی کو حاصل ہو جائے تو بہت بڑی نعمت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ڈر سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس ہو جائے (جس طرح دودھ تھنوں میں واپس نہیں جاتا اسی طرح یہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہو گا)۔ (الترغیب والترہیب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ نجات کس چیز میں ہے؟
آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ کر تجھے نقصان نہ پہنچا دے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ جا) اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ (اخرجہ الترمذی فی ابواب الزہد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں بدبختی کی ہیں: (۱) آنکھوں کا جامد ہونا (یعنی ان سے آنسو نہ نکلنا) اور (۲) دل کا سخت ہونا (۳) لمبی لمبی آرزوئیں رکھنا (٤) اور دنیا کی حرص رکھنا۔ (الترغیب ص ۲۲۳ ج ۴ عن البزار)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے لوگو! روؤ اور رونا نہ آئے تو بتکلف رونے کی کوشش کرو کیونکہ دوزخ والے دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے چہروں پر اس طرح جاری ہوں گے جیسے چھوٹی چھوٹی نہروں میں پانی جاری ہوتا ہے روتے روتے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہنے لگیں گے جس سے آنکھوں میں زخم ہو جائیں گے اور اس قدر کثرت سے خون اور آنسو جمع ہو جائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۵۰۴ عن شرح السنہ) اگر کوئی شخص قبر دوزخ اور حشر کے حالات کا مراقبہ کیا کرے تو آسانی سے سخت دلی دور ہو سکتی ہے اور رونے کی شان پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرا دل سخت ہے آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر اور مسکین کو کھانا کھلایا کر۔ (مشکوۃ ص: ۵۰۴)

کثرت ذکر سے دل نرم ہوتا ہے اور زیادہ بولنے سے سختی آتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بات نہ کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ بات کرنا دل کی سختی کا سبب ہے اور بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ....

یہودیوں میں عناد ہے ان سے ایمان قبول کرنے کی امید نہ رکھی جائے:

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی یہ امید اور آرزو ختم فرمادی کہ یہودی ایمان لائیں گے اور فرمایا کہ ان کے اسلاف کا یہ حال تھا کہ اللہ کا کلام سنتے تھے۔ پر جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے اس میں تحریف کر دیتے تھے اور یہ لوگ ان پر اب تک کوئی نکیر نہیں کرتے اور طریقہ کار کو غلط نہیں بتاتے بلکہ ان سے محبت اور تعلق میں بہت آگے ہیں اور جس طرح ان لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ میں آیات بینات کا کھلا مشاہدہ کیا پھر بھی اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور اللہ کے کلام کی تکذیب کی اسی طرح یہ لوگ بھی معجزات اور دلائل اور شواہد دیکھتے ہیں لیکن ٹس سے مس نہیں ہوتے اور حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) پر ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت شریفہ میں جو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر اس میں تحریف کرنے کا ذکر ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا تھا۔ لیکن جب قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے اس کے خلاف بیان دیا جو وہاں سن کر آئے تھے۔ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے توریت شریف کی تحریف کرنا مراد ہے۔ علماء یہود رشوت لے کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے تھے اگر کوئی شخص رشوت لے آیا تو اس کے مطابق مسئلہ بتادیا اور جو شخص کچھ بھی نہ لایا اس کو صحیح اور حق بات بتادی۔ یہ لوگ جو ایسی حرکت کرتے تھے جانتے بوجھتے ہوئے کرتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔ پھر بھی اس کو کرتے چلے جاتے تھے۔ اسی تحریف میں یہ بات بھی تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) کی صفات اور علامات جو توریت شریف میں بیان کی گئی تھیں، ان کو بدل دیا۔ اس میں وہ لوگ بھی مبتلا تھے جو آنحضرت (ﷺ) کے زمانہ میں تھے جو لوگ خود مبتلائے تحریف ہوں اور دوسروں کو ایمان لانے سے روک رہے ہوں وہ خود کیا ایمان لائیں گے؟ (انوار البیان)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ....

یہود میں جو لوگ منافق تھے وہ بطور خوشامد اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزمان کی باتیں مسلمانوں سے بیان کرتے دوسرے لوگ ان میں سے ان کو اس بات پر ملامت کرتے کہ اپنی کتاب سند ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزمان (ﷺ) کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ ....

تحمیق یہود بے بہبود:

یعنی کیا ان کو یہ گمان ہے کہ اس چھپانے سے اللہ کے نزدیک ان پر کوئی حجت قائم نہ ہوگی اور کیا ان کی یہ ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویزیں (یعنی توریت اور زبور کی وہ آیتیں جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صریح صریح بشارتیں مذکور ہیں) خداوند ذوالجلال کو قیامت کے دن بہم نہ پہنچ سکیں گی۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جن کو و:

چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں جو جلوت میں آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور جو خلوت میں اعتراف کرتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔ خلوت کا اقرار اگرچہ مسلمانوں کی نظر سے مخفی ہے مگر ہماری نظر سے تو مخفی اور پوشیدہ نہیں ہوسکتا۔ تم نے اگرچہ بندوں کے سامنے اقرار نہ کیا مگر اس خداوند ذوالجلال کے سامنے تو اقرار کرلیا جو کہ ہر جلوت اور خلوت غیب اور شہادت کا حاضر و ناظر ہے۔ یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ اصل معاملہ تو خدا کے ساتھ ہے جس کے یہاں ظاہر و باطن سر اور علن جلی اور خفی سب یکساں ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ....

اور جو جاہل ہیں ان کو تو کچھ بھی خبر نہیں کہ تورات میں کیا لکھا ہے مگر چند آرزوئیں جو اپنے عالموں سے جھوٹی باتیں سن رکھی ہیں (مثلاً بہشت میں یہودیوں کے سوا کوئی نہ جائے گا اور ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوالیں گے) اور یہ ان کے خیالات بے اصل ہیں جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ (عثمانی)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ....

علمائے یہود کا غلط مسائل بتانا اور رشوت لینا

اس آیت شریفہ میں یہودی علماء کی بدعملی اور دھاندلی اور حب دنیا کی وجہ سے ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے عوام جب علماء کے پاس جاتے تھے اور ان سے مسائل معلوم کرتے تھے اور ساتھ ہی رشوت بھی دیتے تھے تو وہ لوگ سائل کی رضاجوئی کے لیے اس کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتادیتے تھے، خود اپنے ہاتھ سے مسئلہ لکھ دیتے تھے اور عوام کو باور کراتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور توریت شریف میں یوں ہی نازل ہوا ہے جو شخص رشوت نہ لاتا اس کے لیے مسئلہ میں ادل بدل نہیں کرتے تھے۔ ان کے علماء تحریف کتاب اللہ کے مجرم بھی تھے اور رشوت خوری کے گناہ میں بھی مبتلا تھے۔ اللہ جل شانہ نے ان کا حال بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کے لیے دونوں وجہ سے ہلاکت اور بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ حرام مال کماتے ہیں اور باقی رہنے والی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر دنیا کی کچھ نقدی لینے پر راضی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) پر ایمان لاتے اپنے عوام کو بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرتے آنحضرت (ﷺ) کی نعت اور صفت جو توریت شریف میں موجود پاتے تھے اسے واضح طور پر بتاتے تو اس میں ممکن تھا کہ ظاہری دنیا میں کمی ہوجاتی لیکن آخرت کے ثواب سے مالا مال ہوجاتے لیکن انہوں نے حقیر دنیا کو ترجیح دی اور تھوڑے سے فانی کے مقابلہ میں آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مستحق عذاب ہوئے۔ ان کے عوام میں اگرچہ بے پڑھے لوگ بھی تھے لیکن اتنا تو ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ جو شخص پیسہ لے کر ایک بات بتاتا ہے اور جو پیسہ نہ دے اسے دوسری بات بتاتا ہے ایسا شخص کیسے اہل حق ہوسکتا ہے ایسے شخص پر دین میں اعتماد کرنا سراسر حماقت ہے جس میں سراسر ہلاکت ہے۔

قرآن مجید کی خرید و فروخت:

بعض خشک اہل ظاہر نے آیت کے ظاہر الفاظ پر جاکر یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید و فروخت دونوں ناجائز

ہیں۔ لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ دونوں بالکل جائز ہیں۔ بیع وشرا یہاں جو کچھ بھی ہوتی ہے، وہ کاغذ، کتابت وغیرہ کی ہوتی ہے، نہ کہ اٰیاتُ اللہ کی۔ آیت سے اگر کوئی وعید لازم آتی ہے تو وہ جھوٹے مسئلہ بتانے والے اور موضوع حدیثیں بیان کرنے والوں کے حق میں ہے۔

ہر تصحیف موجب لعنت ہے:

قرآنی اور اسلامی معیار صداقت و دیانت سے ہر تصحیف موجب لعنت ہے اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت، اور اسی لیے یہ بات مسلمانوں کی سمجھ میں آتی نہیں کہ کوئی شخص کسی کلام کو کلام الٰہی مان کر اس میں دخل و تصرف کی نیت کر کیسے سکتا ہے۔ لیکن دوسری قومیں اس معیار ہی سے نا آشنا ہیں، بلکہ بعض اہل کتاب کے ہاں تو بھلائی کے لیے ہر برائی درست، اور ''خدا کی سچائی'' اور ''خداوند کے جلال'' کے اظہار کے لیے ہر جھوٹ جائز، آج دنیا میں مسیحیت کے نام سے جو تثلیثی شرک پھیلا ہوا ہے۔ اس مذہب کے بانی پولوس صاحب Paul اسرائیلی ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ مقولہ آج تک انجیل مروج میں لکھا چلا آ رہا ہے: ''اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تا کہ بھلائی پیدا ہو؟'' ۔ (رومیوں۔7:3)

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ....

یہود کی جھوٹی خوش گمانی:

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا ایک اور دعویٰ اور اس کی تردید مذکور ہے۔ یہودیوں کا یہ جھوٹا دعویٰ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ نہیں ہوگی اور اپنے بارے میں سمجھتے تھے کہ ہم اسی شریعت پر قائم رہیں گے لہٰذا ہمیں عذاب کیوں ہونے لگا اور عذاب ہوگا تو صرف چالیس دن عذاب ہوگا یعنی جتنے دن ہمارے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی عبادت کی ہے اتنے ہی دن عذاب میں گرفتار ہوں گے اس کے بعد دوزخ سے نکل جائیں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں منقول ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلہ ہم کو ایک دن دوزخ میں عذاب بھگتنا ہوگا اور گنے چنے سات دن ہوں گے جو زیادہ نہیں ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ہم کچھ دن دوزخ میں رہیں گے پھر ہم دوزخ سے نکل آئیں گے اور ہماری جگہ مسلمان دوزخ میں چلے جائیں گے۔ غزوہ خیبر کے موقع پر جب ایک یہودی عورت نے زہر ملا بکری کا گوشت حضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اس وقت آپ نے ان سے جو سوال و جواب کیے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ دوزخی کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دوزخ میں تھوڑا سا وقت گزاریں گے پھر آپ لوگ اس میں ہمارے بعد داخل ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا دور ہو جاؤ اللہ کی قسم ایسا کبھی نہ ہوگا کہ تم اس میں سے نکل جاؤ اور تمہارے بعد ہم اس میں چلے جائیں۔ مفسر ابن کثیر نے یہ روایات لکھی ہیں اور آخری بات جس میں خیبر کی گفتگو مذکور ہے اس کو بحوالہ مسند احمد و صحیح بخاری نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ص ۸۶۰ ج ۲ پر مذکور ہے۔

پہلی آیت میں یہودیوں کی آرزوؤں اور خوش گمانیوں کا جو ذکر تھا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم دوزخ

میں چند دن ہی جائیں گے۔ وہ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں آپ پر ایمان نہ لائے اور یہ جانتے ہوئے کہ کسی نبی کو نہ ماننا کفر ہے اور کفر کی سزا دائمی جہنم ہے طرح طرح کے جھوٹے دعوے کرتے تھے اور ان کے دعوے اور آرزوئیں سب خود ساختہ تھے جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔ بے سند باتیں کرتے تھے اور انہی باتوں میں مست تھے۔ اسی لیے اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: (قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا ....) کہ اے محمد (ﷺ) آپ ان سے فرمادیں کہ یہ جو کچھ تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں گے اس کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کیا اللہ تعالیٰ سے تم نے کوئی عہد لیا ہے جس کی بنیاد پر تم ایسی باتیں کر رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا لیکن تم سے اس کا کوئی عہد نہیں ہے خود اپنے پاس سے اللہ کی طرف ان باتوں کی نسبت کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔ اپنی طرف سے اپنے بارے میں کوئی بھی شخص کوئی بھی خیال اور گمان کر کے بیٹھ جائے اور اسی پر بھروسہ کرلے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی سند اور دلیل نہ ہو تو اس کا گمان اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کفر کی سزا بہر حال ملے گی خواہ کیسی ہی خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ یہودیوں کی حماقت تو دیکھو کہ خود اپنے اقرار سے دوزخ میں جانے کو تیار نہیں جبکہ یہ جانتے ہیں کہ دوزخ میں ایک سیکنڈ کا عذاب بھی بہت بڑا ہوگا جس کی برداشت کسی کو نہیں ہوسکتی۔ دنیا کی آگ کی ایک چنگاری تھوڑی سی دیر کے لیے ہاتھ میں لینے کو کوئی بھی شخص تیار نہیں اور دوزخ میں جانے کو بڑی اہمیت اور حوصلے کے ساتھ تیار ہیں۔ جبکہ دوزخ کی آگ کی گرمی دنیا کی آگ سے انہتر درجے زیادہ گرم ہے۔ (کما فی روایۃ الصحیحین)

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً ....

خلود فی الجنۃ والنار کا ضابطہ:

ان دو آیتوں میں جنتی اور دوزخی ہونے کا ضابطہ بتایا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرے طریقہ سے یہودیوں کے اس دعوے کی تردید بھی ہے جو اوپر کی آیت میں مذکور تھا۔ پہلی آیت میں یوں فرمایا کہ تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل نہیں اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے، اور ان دو آیتوں میں جو ضابطہ جنت اور دوزخ کے داخلے کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ تم لوگ ضابطہ کے مطابق ان لوگوں کے زمرہ میں آتے ہو جن کو ہمیشہ دائمی عذاب ہوگا۔

ارشاد فرمایا کہ تم یہ جو کہتے ہو کہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے صرف چند دن عذاب ہوگا تمہاری بات غلط ہے۔ تم ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہو۔ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص برائی کرے اور اس کی برائی ہر طرف سے اس کو گھیر لے کہ وہ کفر اختیار کرے جو سب سے بڑی برائی ہے تو وہ دوزخ والا ہے اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تم لوگ خاتم النبیین (ﷺ) کی نبوت اور رسالت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہو لہٰذا ضابطہ کے مطابق ہمیشہ دوزخ میں رہو گے اور اہل جنت وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جنہوں نے اللہ کے سب نبیوں کو مانا خاتم النبیین (ﷺ) پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کو مانا اور اعمال صالحہ انجام دیئے۔ یہ حضرات ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ (انوار البیان)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي التَّوْرٰىةِ وَقُلْنَا لَا تَعْبُدُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ اِلَّا اللّٰهَ خبر

بِمَعْنَى النَّهْيِ وَقُرِئَ لَاتَعْبُدُوا وَ اَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بِرًّا وَّ ذِى الْقُرْبٰى الْقَرَابَةِ عَطْفٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ قَوْلًا حُسْنًا مِنَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصِّدْقِ فِيْ شَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَالرِّفْقِ بِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِ السِّيْنِ مَصْدَرٌ وُصِفَ بِهٖ مُبَالَغَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ فَقَبِلْتُمْ ذٰلِكَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْوَفَاءِ بِهٖ فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْمُرَادُ اٰبَاؤُهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۞ عَنْهُ كَاٰبَائِكُمْ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ قُلْنَا لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ تُرِيْقُوْنَهَا بِقَتْلِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ لَايُخْرِجُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا مِنْ دَارِهٖ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ قَبِلْتُمْ ذٰلِكَ الْمِيْثَاقَ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۞ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ ثُمَّ اَنْتُمْ يَا هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ يَقْتُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الظَّاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّخْفِيْفِ عَلٰى حَذْفِهَا تَتَعَاوَنُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ الْمَعْصِيَةِ وَ الْعُدْوَانِ ؕ الظُّلْمِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى وَفِيْ قِرَاءَةٍ اَسْرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ تَفْدُوْهُمْ تُنْقِذُوْهُمْ مِنَ الْاَسْرِ بِالْمَالِ اَوْغَيْرِهٖ وَهُوَ مِمَّا عُهِدَ اِلَيْهِمْ وَ هُوَ اَيِ الشَّانُ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ مُتَّصِلٌ بِقَوْلِهٖ وَ تُخْرِجُوْنَ وَالْجُمْلَةُ بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ اَيْ كَمَا حَرُمَ تَرْكُ الْفِدَاءِ وَكَانَتْ قُرَيْظَةُ حَالَفُوا الْاَوْسَ وَالنَّضِيْرُ الْخَزْرَجَ فَكَانَ كُلُّ فَرِيْقٍ يُقَاتِلُ مَعَ حُلَفَائِهٖ وَيُخَرِّبُ دِيَارَهُمْ وَيُخْرِجُهُمْ فَاِذَا اُسِرُوْا فَدَوْهُمْ وَكَانُوْا اِذَا سُئِلُوْا لِمَ تُقَاتِلُوْنَهُمْ وَتَفْدُوْنَهُمْ قَالُوْا اُمِرْنَا بِالْفِدَاءِ فَيُقَالُ فَلِمَ تُقَاتِلُوْنَهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ حَيَاءً اَنْ يُسْتَذَلَّ حُلَفَاؤُنَا قَالَ تَعَالٰى اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَهُوَ الْفِدَاءُ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ وَهُوَ تَرْكُ الْقَتْلِ وَالْاِخْرَاجِ وَالْمُظَاهَرَةِ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ هَوَانٌ وَذُلٌّ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَقَدْ خُزُوْا بِقَتْلِ قُرَيْظَةَ وَنَفْيِ النَّضِيْرِ اِلَى الشَّامِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ بِاَنْ اٰثَرُوْهَا عَلَيْهَا فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۞ ع

ترجمہ: اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا (توریت میں ہم نے کہا) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا (لَا تَعْبُدُوْنَ میں دو قراءت ہے تاء کا ساتھ یاء کے ساتھ) اور لَا تَعْبُدُوْنَ خبر بمعنی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ لفظاً جملہ خبریہ ہے لیکن معنیً جملہ انشائیہ ہے اس لئے کہ اصل مقصد غیر اللہ کی عبادت سے منع کرنا ہے اور ایک قراءت شاذہ میں لَا تَعْبُدُوْا نہیں کا صیغہ پڑھا بھی گیا ہے اور (احسان کرو) والدین کے ساتھ احسان کرنا (نیک سلوک اچھا برتاؤ) اور رشتہ داروں کے ساتھ (الْقُرْبٰی بمعنی الْقَرَابَةِ ہے القربی کا عطف والدین پر ہے) اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور عام لوگوں سے نیک بات کہو (یعنی بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرو اور محمد ﷺ کی شان (بیان صفت) میں صداقت سے کام لو اور لوگوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرو اور ایک قراءت میں ضمۂ حاء اور سکون سین کے ساتھ ہے یعنی حُسنا جو مصدر ہے بطور وصف لایا گیا اور دوسری قراءت حَسَنًا بفتح الحاء والسین صیغہ صفت ہے) اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ (اور تم نے ان احکام کو قبول کرلیا تھا) پھر تم پھر گئے (تم نے عہد کو پورا کرنے سے اعراض کیا۔ اس تولیتم میں التفات ہے غیبت سے خطاب کی طرف اور مراد ان کے آباؤ اجداد ہیں) سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے تم میں سے مطلب یہ ہے کہ عہد سے سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور یہ چند آدمی وہ تھے جو ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ اور تم لوگ ہو بھی پھرنے والے (عہد سے اپنے آباؤ اجداد کی طرح) یعنی تمہاری تو عادت ہی عہد سے پھرنے کی ہے اور یاد کرو ہم نے تم سے عہد لیا (اور ہم نے یہ کہا) کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرنا (یعنی ایک دوسرے کا قتل کر کے خون نہ بہانا) اور نہ اپنے لوگوں کو اپنے شہروں سے جلاوطن کرنا (یعنی نہ نکالے تمہارا بعض بعض کو اس شہر سے) پھر تم نے اقرار کرلیا (اس عہد کو قبول کرلیا) اور تم گواہی دیتے ہو اپنے نفسوں پر، مطلب یہ ہے کہ تم مانتے ہو کہ یہ عہد ہوا تھا) پھر تم ہی ہو (اے لوگو!) جو قتل کرتے ہو اپنے لوگوں کو (یعنی تم میں سے بعض بعض کو قتل کرتا ہے) اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے تم مدد کرتے ہو (اس میں تاء کا ادغام ہے اصل میں ظاء کے اندر تَظّٰهَرُوْنَ اصل میں باب تفاعل سے تتظاھرون تھا۔ تاء ثانی کو ظاء سے بدل کر ظاء میں ادغام کر کے مشدّد پڑھتے ہیں اور ایک قراءت میں تتظاھرون کی ایک تاء کو حذف کر کے تخفیف کے ساتھ یعنی بلا تشدید پڑھتے ہیں بمعنی تتعاونون یعنی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو) ان کے مقابلہ میں گناہ اور ظلم کے ساتھ اور اگر وہی لوگ آئیں تمہارے پاس قیدی ہو کر (ایک قراءت میں اسریٰ ہے اور اساریٰ اور اسریٰ دونوں اسیر کی جمع ہیں) تو فدیہ دے کر انہیں رہا کرتے ہو (اور ایک قراءت میں تُفْدُوْهُمْ ہے یعنی تم ان کو رہا کرتے ہو قید سے بعوض مال کے یا اس کے علاوہ یعنی ایک قیدی کو دے کر دوسرے قیدی کو چھڑا لیتے ہو اور یہ بھی ان سے لیے گئے عہدوں میں سے تھا) اور حال یہ ہے کہ (هُوَ ضمیر شان ہے جس کے معنی ہوتے ہیں: (بات یہ ہے کہ، حال یہ ہے کہ) حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا نکالنا یعنی جلاوطن کرنا بھی (متصل بقولہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ سے ہے۔ اصل کلام اس طرح ہے: وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظّٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اور جملہ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى ان دونوں جملوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے، یعنی جس طرح ترک فدیہ حرام تھا تو ترک فدیہ کی طرح ان کا جلاوطن کرنا بھی تو حرام تھا۔ وَكَانَتْ قُرَيْظَةُ..... سے مفسر علام واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے اور بنو نضیر قبیلہ خزرج کے۔ پس

ہر فریق اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر قتال کرتا تھا اور جب ایک دوسرے پر غالب آجاتے تو ان کے گھروں کو برباد کر دیتے اور ان کو جلاوطن کر دیتے تھے پھر جب کوئی گرفتار ہو جاتا تو سب مل کر فدیہ دے کر جان چھڑا لیتے اور جب ان سے سوال کیا جاتا تھا: ایسا کیوں ہوا؟ کہ تم ان سے قتال بھی کرتے ہو اور پھر فدیہ دے کر چھڑاتے بھی ہو تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم کو فدیہ کا حکم دیا گیا ہے اور جب کہا جاتا ہے کہ پھر قتال کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے ہیں ہم اس بات سے شرماتے ہیں کہ ہمارے حلیف ذلیل سمجھے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا مانتے ہو کتاب کی بعض بات (اور وہ فدیہ ہے) اور نہیں مانتے ہو بعض بات (اور وہ قتل، جلاوطنی اور پشت پناہی کو چھوڑنا ہے) سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے۔ مگر رسوائی (حقارت وذلت) دنیا کی زندگی میں (چنانچہ بنوقریظہ قتل ہو کر اور بنونضیر شام کی طرف جلاوطن ہو کر اور جزیہ کے تسلط سے رسوا ہوئے) اور قیامت کے دن ڈالے جائیں گے سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں اس سے جو تم کر رہے ہو۔ (یعلمون میں یاء کے ساتھ اور تاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) یہی لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے (بایں صورت کہ دنیا کی زندگی کو ترجیح دے دی ہے آخرت پر) سو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی (کہ ان سے اللہ کا عذاب روک دے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: فِي التَّوْرٰةِ: اس سے اشارہ کیا کہ عام میثاق تو تمام اولادِ آدم سے لیا گیا مگر یہ یہاں میثاق سے تورات والا میثاق مراد ہے جس کے مخاطب صرف بنی اسرائیل ہی تھے۔

قوله: وَقُلْنَا لَا تَعْبُدُوْنَ: قُلْنَا کو مقدر نکالا تا کہ ماقبل سے ربط ہو جائے کیونکہ یہ چیز غائب وحاضر نہیں ہوتی۔

قوله: خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ صورت میں خبر معنیٰ انشاء ہے، عطف بھی انشاء کا اس پر صحیح ہے۔

قوله: وَاَحْسِنُوْا: یہ اشارہ کرنے کے لیے اس کو مقدر مانا کہ جار مجرور کا متعلق مقدر ہے۔

قوله: بِرًّا: احسان سے مراد مطلق طور پر اچھا سلوک ہے۔ احسان مالی مراد نہیں۔

قوله: اَلْقَرَابَةِ عَطْفٌ: اَلْقُرْبٰى یہاں مصدر ہے نہ یہ جمع ہے اور نہ صفت اور لفظ ذِی کا اس پر آنا دلیل ہے۔ پھر ذِی کا عطف بِالْوَالِدَيْنِ پر ہے ورنہ عطف ذات علی صرف الصفة لازم آتا ہے۔

قوله: قَوْلًا: مقصد یہ ہے کہ حُسْنًا مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ صفت مشبہ ہے، مصدر نہیں۔

قوله: مَصْدَرٌ: اس سے اشارہ کر رہے ہیں کہ حُسْنًا یہاں مصدر ہے ورنہ الف لام سے اس کا استعمال لازم آئے گا۔ جیسا اس آیت میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿﴾ جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے۔ وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔

اور رجل عدل کی طرح بطور مبالغہ صفت میں استعمال ہے۔ فتدبر۔

قوله: فَقَبِلْتُمْ ذٰلِكَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ کا عطف مقدر پر ہے۔ اَقِيْمُوْا پر نہیں۔

قوله: عَنِ الْوَفَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ تولی کا متعلق مقدر ہے۔ سابقہ نظم قرآنی اس کا قرینہ ہے۔ فتفکر

قوله: فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ: یہ غیبت سے مخاطب کی طرف التفات توبیخ کے لیے ہے۔

قوله: عَلٰى كَمَا بَائِكُمْ: اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ کا خطاب جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود لوگوں کے لیے ہے۔

قوله: وَقُلْنَا لَا تَسْفِكُوْنَ: قُلْنَا کو ماقبل سے ربط کی بناء پر مقدر نکالا گیا، نیز اس سے یہ اشارہ کیا کہ لَا تَسْفِكُوْنَ خبر ہے، جو نہی کے معنی میں ہے۔ فتفکر

قوله: بِقَتْلِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا: اس کلام میں مجاز ہے قتل غیر کو اپنے قتل سے تعبیر کیا کیونکہ وہ نسب و دین کے لحاظ سے اس سے متصل ہے۔ تو کُمْ ضمیر میں مجاز اسی لحاظ سے ہے۔

قوله: وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾: یہ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ کی تاکید و تحقیق ہے۔

قوله: قَبِلْتُمْ ذٰلِكَ الْمِيْثَاقَ: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ اقرار یہ سابقہ کی اخبار و اطلاع ہے اور یہ ابتداء لزوم ہے۔

قوله: عَلٰى اَنْفُسِكُمْ: اقرار کی نسبت جب حقیقی مانی جائے تو اس وقت استبعاد ان کے اپنے اقرار اور شہادت کی وجہ سے ہوگا اور یہ ان کی قباحت کو بیان کرنے کا زیادہ بلیغ پیرایہ ہے۔

قوله: يَا هٰٓؤُلَآءِ: یا کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا۔ هٰٓؤُلَآءِ یہ مبتداء کی خبر نہیں بلکہ یہ جملہ معترضہ ہے جو اَنْتُمْ مبتداء اور تَقْتُلُوْنَ خبر کے درمیان حائل ہے اور اس کا معنی تعاون ہے۔

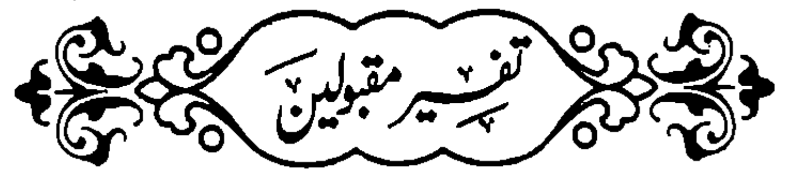
قوله: اُسٰرٰى: یہ ایک قراءت ہے یہ اسیر کی جمع ہے اور دوسری قراءت میں اسارٰی۔ یہ اسریٰ کی جمع۔ فلیتنبه۔

قوله: مُتَّصِلٌ: حال اپنے عامل سے متصل ہے اور وہ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى ہے اور اس کا قول اپنے قول سے ملا ہوا ہے اور وہ تُخْرِجُوْنَ ہے، وہ تُفٰدُوْهُمْ کے ساتھ ملا ہوا نہیں کیونکہ وہ دینا حرام نہیں۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ بَيْنَهُمَا: وہ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى یہ جملہ معترضہ ہے تَظٰهَرُوْنَ نہیں کیونکہ وہ حال ہونے کی وجہ سے تُخْرِجُوْنَ کا تمہ ہے۔ یہ لغوی لحاظ سے معترضہ ہوا کیونکہ حقیقی جملہ معترضہ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔

قوله: وَكَانَتْ قُرَيْظَةُ: یہ یہود کا ایک قبیلہ تھا۔

قوله: بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ: اشارہ کیا کہ غائب کے صیغہ کی صورت میں تو ضمیر کا مرجع مَنْ ہے اور مخاطب کا صیغہ ہو تو مطلب اس طرح ہے وہ تم میں داخل ہونے پر غور کرے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ ضمیر کا مرجع كُمْ بن گیا۔ فتفکر



وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ....

معبودانِ باطل سے بچو:

بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا ان کا ذکر ہو رہا ہے ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے

انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں یہ حکم نہ صرف بنواسرائیل کو ہی دیا گیا بلکہ تمام مخلوق کو دیا گیا ہے فرمان ہے: (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ) (الانبیاء:۲۵) یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کردیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں سب لوگ میری ہی عبادت کریں اور فرمایا: (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ) (النحل:۳۶) یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے اب حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق سب سے بڑا ہے اسی لئے پہلے ان کا حق بیان کیا گیا ہے ارشاد ہے: (اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ) (لقمان:۱۴) میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان اور جگہ فرمایا: (وقضی ربك ... تیرے ربّ کا فیصلہ ہے کہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کیساتھ احسان اور سلوک کرتے رہو۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا پوچھا اس کے بعد فرمایا ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرنا پوچھا پھر کونسا پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے پوچھا حضور میں کس کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، پھر پوچھا کس کے ساتھ؟ فرمایا! اپنے باپ کے ساتھ اور قریب والے کے ساتھ پھر اور قریب والے کے ساتھ آیت میں لا تعبدون فرمایا اس لئے کہ اس میں بہ نسبت لاتعبدوا کے مبالغہ زیادہ ہے طلب بہ خبر معنی میں ہے بعض لوگوں نے: ان لا تعبدوا ان لا تعبدوا بھی پڑھا ہے ابی اور ابن مسعود سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ لا تعبدوا پڑھتے تھے یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سرپرست آپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں اس کی مزید تشریح انشاء اللہ العظیم سورۃ نساء کی اس معنی کی آیات میں آئے گی پھر فرمایا لوگوں کو اچھی باتیں کہا کرو۔ یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو بھلی باتوں کا حکم اور برائی سے روکا کرو۔ حضرت حسن فرماتے ہیں بھلائی کا حکم دو۔ برائی سے روکو۔ بردباری، درگزر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شعار بنالو یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کرلیا کرو (مسند احمد) پس قرآن کریم نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے۔ پھر اچھی باتیں کہنے کا۔ پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کردیا نماز پڑھو زکوۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے پابند عہد رہے۔ (ابن کثیر)

توریت سے اثبات توحید وممانعت شرک:

توریت اثبات توحید وممانعت شرک سے بھری پڑی ہے۔ صرف دو ایک مقام بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں: ''میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین

کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر"۔ (خروج۔20:2۔5) "میرے آگے تیرا دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر نہ ان کی بندگی کر"۔ (استثناء۔5:7&8) "سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے"۔ (استثناء۔6:4) "تم اور معبودوں کی قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو، کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے۔ نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمہیں روئے زمین سے فنا کردے۔" (استثناء۔6:14،15) تعبدون ۔ صورۃ صیغہ مضارع ہے، لیکن معنی امر ہے۔ ھو اخبار فی معنی النھی (کشاف) بلکہ امر صریح سے بلیغ تر ہے۔ یعنی اس سے یہ لکلتا ہے کہ گویا اس حکم کی تعمیل ہو چکی۔ وھو ابلغ من صریح الامر والنھی لانہ کانہ سورع الی الامتثال (کشاف) ھو ابلغ من صریح النھی لما فیہ من ابھام ان المنھی سارع الی الانتھاء فھو یخبر عنہ (بیضاوی)

ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان در توریت:

اس سے ملتے جلتے احکام توریت موجودہ میں اب بھی موجود ہیں:۔ "تو اپنے ماں باپ کو عزت دے"۔ (خروج۔20:12) "اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔ جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا ہے۔" (استثناء۔5:16) "اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کیجیو۔ بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو، اور کسی کام میں جو وہ چاہے بہ قدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو۔" (استثناء۔15:8،9) "اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں۔ آویں اور کھاویں اور سیر ہوویں۔" (استثناء۔14:29) "مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے۔ اس لیے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لیے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔" (استثناء۔15:11)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ....

اوس وخزرج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد:

اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کی آپس میں کبھی بنتی نہ تھی ہمیشہ آپس میں جنگ وجدال رہتا تھا۔ مدینے کے یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے بنی قینقاع بنو نضیر اور بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنی نضیر تو خزرج کے طرف دار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے، بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس وخزرج میں جنگ ٹھن جاتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے، دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ مارے بھی جاتے اور موقع پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے، دیس نکالا بھی دے دیا کرتے تھے اور مال ودولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ جب لڑائی موقوف ہوتی تو مغلوب فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں اس پر جناب باری تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ میرے اس ایک حکم کو تو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل نہ کرو

گھروں سے نہ نکالو اسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے ایک جان کے مانند ہیں حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی، اخوت، صلہ رحمی اور رحم و کرم میں ایک جسم کے مثل ہیں کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بیتاب ہو جاتا ہے بخار چڑھ جاتا ہے راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک مسلمان کے لئے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہئے غرض آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے امانت داری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی نبی (ﷺ) کی صفتیں آپ کی نشانیاں آپ کی نبوت کی تصدیق آپ کی جائے پیدائش جائے ہجرت وغیرہ وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور (ﷺ) کی مخالفت کرتے تھے اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور دائمی آخرت کا عذاب بھی۔

اس مقام پر جن دو سزاؤں کا ذکر ہے ان میں سے پہلی سزا یعنی دنیا میں ذلت و رسوائی تو اس کا وقوع اس طرح ہوا کہ حضور (ﷺ) ہی کے زمانے میں مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کے سبب بنی قریظہ قتل و قید کئے گئے اور بنی نضیر ملک شام کی طرف بہزار ذلت و خواری نکال دیئے گئے،

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ اَیْ اَتْبَعْنَاهُمْ رَسُوْلًا فِیْ اَثَرِ رَسُوْلٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ الْمُعْجِزَاتِ كَاِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَاِبْرَاءِ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ وَاَيَّدْنٰهُ قَوَّيْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ مِنْ اِضَافَةِ الْمَوْصُوْفِ اِلَى الصِّفَةِ اَیِ الرُّوْحِ الْمُقَدَّسَةِ جِبْرَئِيْلَ لِطَهَارَتِهٖ يَسِيْرُ مَعَهٗ حَيْثُ سَارَ فَلَمْ تَسْتَقِيْمُوْا اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى تُحِبُّ اَنْفُسُكُمُ مِنَ الْحَقِّ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ تَكَبَّرْتُمْ عَنْ اِتِّبَاعِهٖ جَوَابُ كُلَّمَا وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ وَالْمُرَادُ بِهِ التَّوْبِيْخُ فَفَرِيْقًا مِنْهُمْ كَذَّبْتُمْ ۡ كَعِيْسٰى وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ الْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ اَیْ قَتَلْتُمْ كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَقَالُوْا لِلنَّبِیِّ اسْتِهْزَاءً قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ جَمْعُ اَغْلَفَ اَیْ مُغَشَّاةٌ بِاَغْطِيَةٍ فَلَا تَعِیْ مَا تَقُوْلُ قَالَ تَعَالٰى بَلْ لِلْاِضْرَابِ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهٖ وَخَذَلَهُمْ عَنِ الْقَبُوْلِ بِكُفْرِهِمْ وَلَيْسَ عَدَمُ قَبُوْلِهِمْ لِخَلَلٍ فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَا زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ اَیْ اِيْمَانُهُمْ قَلِيْلٌ جِدًّا وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ مِنَ التَّوْرٰةِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ قَبْلَ مَجِيْئِهٖ يَسْتَفْتِحُوْنَ

يَسْتَنْصِرُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا يَقُولُونَ اللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوثِ آخِرَ الزَّمَانِ فَلَمَّا
جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ وَهُوَ بَعْثَةُ النَّبِيِّ ﷺ كَفَرُوا بِهٖ حَسَدًا وَخَوْفًا عَلَى الرِّيَاسَةِ وَجَوَابُ لَمَّا
الْأُولَى دَلَّ عَلَيْهِ جَوَابُ الثَّانِيَةِ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بَاعُوا بِهٖٓ أَنْفُسَهُمْ أَيْ حَظَّهَا
مِنَ الثَّوَابِ وَمَا نَكِرَةٌ بِمَعْنَى شَيْئًا تَمْيِيزٌ لِفَاعِلِ بِئْسَ وَالْمَخْصُوصُ بِالذَّمِّ أَنْ يَّكْفُرُوا أَيْ كُفْرُهُمْ بِمَآ
أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْقُرْآنِ بَغْيًا مَفْعُولٌ لَهُ لِيَكْفُرُوا أَيْ حَسَدًا عَلَى أَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ
مِنْ فَضْلِهِ الْوَحْيِ عَلَى مَنْ يَّشَآءُ لِلرِّسَالَةِ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ رَجَعُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ بِكُفْرِهِمْ بِمَا أَنْزَلَ
وَالتَّنْكِيرُ لِلتَّعْظِيمِ عَلَى غَضَبٍ اسْتَحَقُّوهُ مِنْ قَبْلُ بِتَضْيِيعِ التَّوْرٰةِ وَالْكُفْرِ بِعِيْسٰى وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ
مُّهِينٌ ﴿٩٠﴾ ذُو إِهَانَةٍ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوا بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ الْقُرْآنِ وَغَيْرِهٖ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا أَيِ
التَّوْرٰةِ قَالَ تَعَالَى وَيَكْفُرُونَ الْوَاوُ لِلْحَالِ بِمَا وَرَآءَهٗ سِوَاهُ أَوْ بَعْدَهُ مِنَ الْقُرْآنِ وَهُوَ الْحَقُّ حَالٌ مُصَدِّقًا
حَالٌ ثَانِيَةٌ مُؤَكِّدَةٌ لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ لَهُمْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ أَيْ قَتَلْتُمْ أَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ بِالتَّوْرٰةِ وَقَدْ نُهِيتُمْ فِيهَا عَنْ قَتْلِهِمْ وَالْخِطَابُ لِلْمَوْجُودِينَ فِي زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ بِمَا فَعَلَ آبَاؤُهُمْ لِرِضَاهُمْ بِهٖ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ أَيِ الْمُعْجِزَاتِ كَالْعَصَا وَالْيَدِ وَفَلْقِ
الْبَحْرِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ إِلٰهًا مِنْ بَعْدِهٖ أَيْ بَعْدَ ذَهَابِهٖ إِلَى الْمِيقَاتِ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ بِاتِّخَاذِهٖ وَ
إِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ عَلَى الْعَمَلِ بِمَا فِي التَّوْرٰةِ وَقَدْ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ الْجَبَلَ حِيْنَ امْتَنَعْتُمْ مِنْ
قَبُولِهَا لِيَسْقُطَ عَلَيْكُمْ وَقُلْنَا خُذُوا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ بِجِدٍّ وَاجْتِهَادٍ وَّاسْمَعُوا مَا تُؤْمَرُونَ بِهٖ سِمَاعَ
قَبُولٍ قَالُوْا سَمِعْنَا قَوْلَكَ وَعَصَيْنَا أَمْرَكَ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ أَيْ خَالَطَ حُبُّهُ قُلُوبَهُمْ كَمَا
يُخَالِطُ الشَّرَابُ بِكُفْرِهِمْ قُلْ لَهُمْ بِئْسَمَا شَيْئًا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ إِيْمَانُكُمْ بِالتَّوْرٰةِ عِبَادَةُ الْعِجْلِ إِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾ بِهَا كَمَا زَعَمْتُمُ الْمَعْنَى لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِينَ لِأَنَّ الْإِيْمَانَ لَا يَأْمُرُ بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ وَالْمُرَادُ
آبَاؤُهُمْ أَيْ فَكَذٰلِكَ أَنْتُمْ لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِينَ بِالتَّوْرٰةِ وَقَدْ كَذَّبْتُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْإِيْمَانُ بِهَا

لا بأمر بتكذيبه قُلْ لَهُمْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ أي الجنة عِنْدَ اللهِ خَالِصَةً خاصة مِّنْ دُوْنِ

النَّاسِ كما زعمتم فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ تعلق بتمنيه الشرطان على ان الاول قيد في

الثاني اي ان صدقتم في زعمكم انها لكم ومن كانت له يؤثرها والموصل اليها الموت فتمنوه وَلَنْ

يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ من كفرهم بالنبي صلى الله عليه وسلم المستلزم لكذبهم وَ

اللهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞ الكافرين فيجازيهم وَلَتَجِدَنَّهُمْ لام قسم اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ

احرص مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ المنكرين للبعث عليها لعلمهم بان مصيرهم الى النار دون المشركين

لانكارهم له يَوَدُّ يتمنى اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ لو مصدرية بمعنى ان وهي بصلتها في

تاويل مصدر مفعول يود وَمَا هُوَ اي احدهم بِمُزَحْزِحِهٖ مبعده مِنَ الْعَذَابِ النار اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ فاعل

مزحزحه اي تعميره وَاللهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۞ بالياء والتاء فيجازيهم.

ع ۱۰

ترجمہ: اور بیشک ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) اور اس کے بعد پے در پے ہم نے بھیجا پیغمبروں کو (یعنی ہم نے پیغمبروں کو پیچھے لگا دیا ایک پیغمبر کے بعد ایک پیغمبر) اور ہم نے دیئے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل (معجزات جیسے مُردوں کو زندہ کر دینا، اور مادرزاد اندھا اور برص والے کو اچھا کر دینا) اور ہم نے اس کو قوت دی (ایدنا بمعنی قوینا ہے) روح القدس کے ذریعہ (روح القدس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے یعنی وہ روح جو مقدس ہے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں چونکہ آپ گناہوں سے پاک یعنی معصوم ہیں جبرائیل علیہ السلام آپ کے ساتھ چلتے ہیں جہاں آپ جاتے پھر بھی تم سیدھے راستے پر نہیں رہے اے یہود) تو کیا جب بھی لایا تمہارے پاس کوئی پیغمبر وہ حکم کہ نہیں چاہتے تھے (نہیں پسند کرتے تھے) تمہارے دل (یعنی حق بات) تم نے تکبر کیا (یعنی حق کی اتباع سے تم تکبر کرنے لگے اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ کلما کا جواب ہے۔ اَفَكُلَّمَا میں جو ہمزہ استفہام ہے اس کا محل یہی ہے مطلب یہ ہے کہ کیا تم پیغمبر کی حق بات کی پیروی سے روگردانی کرنے لگے؟ مقصد اس سے توبیخ اور ملامت ہے) سو ایک جماعت کو (ان پیغمبروں میں سے بعض کو تم نے جھٹلایا (جیسے عیسیٰ علیہ السلام) اور ایک جماعت کو قتل کرنے لگے۔ المضارع لحكاية الحال الماضية سے مفسر علام ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں، شبہ یہ ہے کہ قتل انبیاء علیہم السلام کا واقعہ تو خطاب سے قبل زمانہ گزشتہ میں ہو چکا ہے یعنی واقعہ ہے ماضی کا پھر مضارع کا صیغہ تَقْتُلُوْنَ ۞ کیوں ہے؟ مفسرؒ جواب دیتے ہیں کہ مضارع کا صیغہ ہے حال ماضیہ کی حکایت کے لئے یعنی واقعہ ماضیہ کو عظیم و حیرت انگیز ہونے کی وجہ سے حال سے بیان کیا تا کہ ایسا نقشہ سامنے آ جائے گویا اب ہو رہا ہے جیسے کہتے ہیں میں دہلی گیا تو دیکھتا ہوں کہ بہت بڑی جامع مسجد ہے، حالانکہ مہینوں قبل کی بات ہے پھر بھی دیکھتا ہوں، استعمال کرتا ہوں یعنی تم نے قتل کیا جیسے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو) اور کہتے

ہیں یہود (نبی اکرم ﷺ سے بطور استہزاء) ہمارے دل غلافوں میں ہے (غلف اغلف کی جمع ہے یعنی پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں، بند ہیں اس لئے نہیں قبول کر سکتے ان باتوں کو جو آپ کہتے ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں) بلکہ (بل اضراب کے لئے یعنی ماقبل سے اعراض کے لیے ہے) اللہ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے (ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور قبول حق کے سلسلے میں ان کو محروم کر دیا ہے) ان کے کفر کی وجہ سے (یعنی ان یہودیوں کا عدم قبول اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کے دلوں میں کوئی خلل ہے) سو وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے ہیں (فَقَلِيْلًا، ما زائدہ ہے، قلت کی تاکید کے لیے ہے) یعنی ان کا ایمان بہت ہی کم ہے اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب، اللہ کی طرف سے جو تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے (یعنی تورات اور وہ کتاب قرآن ہے) حالانکہ وہ پہلے (یعنی آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے) فتح کی دعا کرتے تھے (مدد مانگتے تھے) کافروں پر (کہتے تھے: اللھم انصرنا الخ اے اللہ ہماری مدد فرما ان کافروں کے مقابلہ میں اس نبی کی برکت سے جو آخری زمانہ میں مبعوث ہوگا) پھر جب آ پہنچا ان کے پاس وہ جس کو جان پہچان رکھا تھا (یعنی حق اور وہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہے) تو اس کا انکار کر دیا بوجہ حسد اور زوال ریاست کے خوف سے (اور پہلے لما کے جواب پر لما ثانیہ کا جواب دلالت کر رہا ہے) پس خدا کی لعنت ہے انکار کرنے والوں پر، بری چیز ہے وہ جس کے عوض بیچا ہے انہوں نے (اشتراء بمعنی بیع ہے) اپنی جانوں کو (یعنی اپنی جانوں کا حصہ اخروی و ثواب) مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کی بنا پر نجات اخروی کے لئے جس چیز کو اختیار کیا ہے وہ بری چیز ہے اور وہ انکار قرآن ہے۔ بئسما میں ما نکرہ ہے شئی کے معنی میں اور بئس کے فاعل کی تمیز ہے اور ان یکفروا بتاویل مصدر مخصوص بالذم ہے کہ انکار کر رہے ہیں (یعنی ان کا انکار کرنا) اس چیز کا جو اللہ نے نازل کیا ہے (قرآن) اس ضد کی وجہ سے بغیا مفعول لہ ہے یکفروا کا اور بغیا معنی میں ہے حسدا کے، مطلب یہ ہے کہ اس پر حسد کرنے کی وجہ سے کفر کرتے ہیں کہ اللہ نازل کرتا ہے (ینزل میں دو قراءتیں ہیں تخفیف کے ساتھ یعنی بلا تشدید از باب افعال، دوسری قراءت تشدید کے ساتھ از باب تفعیل) اپنے فضل سے (وحی) جس پر چاہے (رسالت کے لئے) اپنے بندوں میں سے، سو وہ لوگ مستحق ہو گئے غضب کے یعنی غضب الٰہی کے بوجہ انکار کرنے ان کے اس وحی کا جو اللہ نے نازل کی (اور غضب میں تنوین تنکیر تعظیم کے لئے ہے) بالائے غضب (یہ لوگ غضب الٰہی کے مستحق ہو چکے تھے اس سے پہلے بسبب ضائع کرنے تورات کے ترک عمل و تحریفات کے ذریعہ اور بسبب انکار کرنے حضرت عیسیٰ کے، مطلب یہ ہے کہ نزول قرآن سے قبل ہی توریت پر عامل نہ ہونے اور انکار عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے غضب کے مستحق تھے پھر پیغمبر آخر الزماں اور قرآن حکیم کا انکار کر کے غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے) اور کافروں کے واسطے توہین آمیز عذاب ہے (یعنی ذلت والا) اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لے آؤ اس پر جو اللہ نے نازل کیا ہے (قرآن وغیرہ یعنی انجیل) تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لائیں گے اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی (یعنی تورات) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: حالانکہ وہ کفر کرتے ہیں (واؤ حالیہ ہے قالوا کی ضمیر مستتر سے حال ہے) اس کے ماسوا کے ساتھ یا اس کے مابعد یعنی قرآن کے ساتھ، مفسر علام نے سواہ او مابعدہ سے یہ بتایا ہے کہ لفظ وراء کے دونوں معنی یہاں درست ہیں حالانکہ وہ قرآن حق ہے (حال ہے ما سے) تصدیق کرنے والا ہے (یہ دوسرا حال مؤکدہ ہے) اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے آپ فرما دیجئے (ان یہودیوں سے) پھر کیوں قتل کر رہے ہو (بمعنی قتلتم ہے) اللہ کے

پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھنے والے تھے (تورات پر، حالانکہ تم تورات میں قتل انبیاء سے روکے گئے تھے۔ اس آیت میں خطاب ان یہودیوں کو ہے جو ہمارے پیغمبر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے تو قتل انبیاء کو ان کی طرف اس لئے منسوب کر دیا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد نے جو یہ بدترین جرم کیا ہے اس جرم سے یہ لوگ بیزار نہیں بلکہ راضی اور متبع ہیں) اور بیشک آ چکے تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام واضح دلائل لے کر (یعنی معجزات تسعہ جیسے عصاء موسوی اور ید بیضاء اور سمندر کا پھٹنا) پھر بنا لیا تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) اس کے بعد (یعنی بعد جانے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر اور تم ظالم ہو) اس گوسالہ پرستی کی وجہ سے اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد و اقرار لیا (عمل پر ان احکام کے جو تورات میں ہیں) اور اٹھایا تمہارے اوپر طور (پہاڑ) کو (جس وقت تم تورات قبول کرنے سے رکے تو ہم نے تمہارے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کر دیا تاکہ تم پر گرا دیں اور ہم نے کہا) پکڑ لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی سے (یعنی محنت اور کوشش کے ساتھ) اور سنو (جن چیزوں کا تم حکم دئے جاؤ قبولیت کے کان سے سنو، اطاعت کرو) کہنے لگے ہم نے سن لیا (آپ کا حکم) اور نہیں مانا (آپ کا حکم) مطلب یہ ہے کہ سروں پر معلق پہاڑ دیکھ کر ڈر کے مارے زبان سے تو کہہ دیا سَمِعْنَا ہم نے سن لیا، اور عَصَيْنَا زبان سے نہیں کہا تھا لیکن بعد میں جب نافرمانیاں کرنے لگے تو معلوم ہوا کہ سَمِعْنَا دل سے نہیں کہا تھا گویا زبان حال سے اس وقت عَصَيْنَا کہا تھا اس لئے یہی قول ان کی طرف منسوب کر دیا گیا انهم لم یقولوا بالسنتهم ولكن لما سمعوه وتلقوه بالعصيان فنسب ذالك اليهم (معالم و خازن وغیرہ) وَ اُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ اور ان کے دلوں میں گوسالہ پیوست ہو گیا تھا (یعنی گوسالے کی محبت ان کے دلوں میں شراب کی طرح سرایت کر گئی تھی) ان کے کفر کی وجہ سے آپ فرما دیجئے: (ان سے) بہت بری شئ ہے (مانکرہ بمعنی شئ ہے) جس کا حکم دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان (یعنی تمہارا ایمان بالتورات جس گوسالہ پرستی کی اجازت دیتا ہے وہ بہت بری شئ ہے) اگر ہو تم ایمان والے (یعنی اگر اس تورات پر تمہارا ایمان ہے جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ایمان والے نہیں ہو کیونکہ ایمان گوسالہ پرستی کا حکم نہیں دیتا ہے اور مراد ان کے آباء و اجداد ہیں یعنی اس طرح تم لوگ بھی مؤمن بالتورات نہیں ہو کہ تم نے محمد ﷺ کی تکذیب کر دی ہے حالانکہ ایمان بالتورات محمد ﷺ کی تکذیب کی اجازت نہیں دیتا) آپ فرما دیجئے (ان سے) اگر تمہارے واسطے آخرت کا گھر (جنت) خدا کے نزدیک خاص ہے دوسرے لوگوں کے علاوہ (جیسا کہ تمہارا گمان ہے) تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيْهِ الشَّرْطَانِ، مفسر علام کی عبارت مذکور میں قلب ہے اصل عبارت اس طرح ہونی چاہیے۔ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيْهِ الشَّرْطَانِ، موت کی تمنا دو شرطوں کے ساتھ اس طرح متعلق ہے کہ اول شرط: اِنْ كَانَتْ الخ قید ہے۔ دوسری شرط اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ کے لیے بلکہ یہ کہا جائے کہ شرط اول اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الخ تکملہ ہے شرط ثانی اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ کے لیے، اس لیے کہ دونوں شرطوں کا جواب تمنائے موت ہے جو دو شرطوں کے ساتھ متعلق ہے یعنی اگر تم سچے ہو اپنے دعویٰ میں کہ دار آخرت صرف تمہارے لیے ہی مخصوص ہے اور جس کے لیے بھی اس طرح مخصوص ہو گی۔ یُؤْثِرُهَا وہ اس کو ترجیح دے گا اور وہ چیز جو پہنچانے والی ہے دار آخرت تک وہ موت ہے پس موت کی آرزو کر کے دکھاؤ۔ وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا الخ اور ہرگز نہیں آرزو کریں گے یہ لوگ موت کی کبھی بھی بسبب ان گناہوں کے کہ ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں (یعنی ان کا کفر کرنا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جو مستلزم ہے ان کے کذب کو) اور اللہ خوب جانتا ہے

غالبوں کو (ان کافروں کو چنانچہ ان کو سزا دے گا) وَ لَتَجِدَنَّهُمْ الخ اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ان کو (لام قسم ہے) سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور (زیادہ حریص) مشرکوں سے بھی (جو منکر ہیں بعث بعد الموت یعنی قیامت کے۔ علیہا ای علی الحیوۃ اس لئے کہ ان کو خوب علم ہے کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے بخلاف مشرکوں کے بوجہ منکر ہونے ان کے اس قیامت کا) ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ زندہ رہے ہزار برس (لو مصدریہ ہے بمعنی ان اور یہ اپنے صلہ کے ساتھ بتاویل مصدر ہو کر یود کا مفعول ہوگا) اور نہیں ہے اس کو نجات دینے والا (دور کرنے والا) عذاب (دوزخ) سے اس قدر جینا (ان یعمر میں ان مصدریہ ہے بمعنی تعمیر اور مزحزحہ کا فاعل ہے) اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں پس وہ ان کو سزا دیں گے۔ يَعْمَلُوْنَ ۞ میں دو قراءتیں ہیں یاء کے ساتھ اور تاء کے ساتھ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلتَّوْرٰةَ: اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ الف لام عہد کا ہے اور مراد اس سے خاص تورات ہے نہ کہ دیگر کتابیں۔

قوله: اَتْبَعْنَاهُمْ: یعنی اصل کلام اس طرح ہے: وقفینا موسیٰ برسول، مفعول کو چھوڑ دیا اور اس کے بعد والے کو اس کا قائم مقام بنا دیا تا کہ اس سے یہ معلوم ہو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد آئے۔ ان کی تعداد چار ہزار سے ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی تذکرہ اس لیے کیا کہ ان کے ذریعہ کئی احکامات تورات منسوخ کر دیئے گئے۔

قوله: فِیْ اَثَرِ رَسُوْلٍ: اس سے اشارہ کیا کہ کے تقفیہ یکے بعد دیگرے تھا اور اَتْبَعْنَاهُمْ میں وضاحت ہے کہ با کا مدخول تابع ہے نہ کہ متبوع۔

قوله: اَلْمُعْجِزَاتِ: اس سے اشارہ کر دیا کہ یہاں انجیل مراد نہیں بلکہ معجزات عیسوی مراد ہیں۔

قوله: مِنْ اِضَافَةِ الْمَوْصُوْفِ: اس کا فائدہ اختصاص میں مبالغہ کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔ ترکیب وصفی تو صرف قدسی روح کی طرف منسوب ہوتی ہے یعنی روح مقدس اور اضافت میں اس کا عکس ہے مثلاً مال زید۔

قوله: اَلرُّوْحِ الْمُقَدَّسَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ روح اصل میں معرفہ تھا، اصل میں اضافت کے لیے الف ہٹایا تھا۔

قوله: یَسِیْرُ مَعَهٗ: تمام انبیاء علیہم السلام میں خصوصاً ان کے ساتھ تخصیص کی وجہ بچپن سے بڑھاپے تک ان کے ساتھ رہیں گے۔

قوله: فَلَمْ تَسْتَقِیْمُوْا: اس سے مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ کا عطف مقدر پر ہے اٰتَیْنَا پر نہیں۔

قوله: تُحِبُّ: سے اشارہ کیا کہ تَهْوٰٓى یہ ھوی ہویا سے نہیں۔

قوله: مِنَ الْحَقِّ: یہ مَا موصولہ کا بیان اور ضمیر عائد کے قائم مقام ہے۔

قوله: وَالْمُرَادُ بِهِ التَّوْبِیْخُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ استفہام توبیخی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر شئ کا علم رکھتا ہے۔

قوله: اَلْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ: اس سے اشارہ کیا کہ مضارع استحضار فی النفوس کے لیے کیونکہ معاملہ بڑا سخت ہے۔

قوله: لِلنَّبِیِّ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ خطاب اسْتَكْبَرْتُمْ کا مغایر ہے۔

قولہ: اسْتِهْزَاءً: یہ اسْتَكْبَرْتُمْ کی تفسیر ہے۔
قولہ: جَمْعُ اَغْلَفَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ غلاف کی جمع نہیں۔ اس کا معنی پردوں سے ڈھانپا ہوا ہے گا جو اس آیت: وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ کے موافق ہے۔
قولہ: بَلْ لِلْاِضْرَابِ: اس سے ان لوگوں کی تردید کی جو ترقی کے لیے مانتے ہیں، اس لیے کہ اس کا قبل یہود کی حالت کو ذکر کیا اور مابعد اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔
قولہ: اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهٖ: لعنت سے مراد مطلق رحمت سے دور کرنا ہے، نہ کہ مقام قرب سے۔
قولہ: وَلَيْسَ عَدَمُ قُبُوْلِهِمْ: اس سے بتلایا کہ کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کیا، اپنے باطل اعتقادات کی وجہ سے حق کی طرف پہنچنے والی فطری استعداد انہوں نے ضائع کر دی۔
قولہ: مَازَائِدَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ نافیہ نہیں جیسا کہ بعض کو وہم گزرا۔
قولہ: لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ: فَقَلِيْلًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے، احیان کی صفت نہیں جیسا آیت: قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ میں کہا گیا ہے۔
قولہ: اِيْمَانُهُمْ قَلِيْلٌ: اس میں ان لوگوں کی تردید فرمائی جو قلیل سے عدم مراد لیتے ہیں کیونکہ اس طرح کہنا: انه يفعل فعلاً معدوما لغو کلام ہے۔
قولہ: قَبْلَ مَجِيْئِهٖ: قبل مبنی بالضم جبکہ مضاف الیہ محذوف منوی ہو۔ فتدبر۔
قولہ: يَسْتَنْصِرُوْنَ: اس میں اشارہ کیا کہ يَسْتَفْتِحُوْنَ فتح سے ماخوذ ہے جو نصرت کے معنی میں آتا ہے۔ فتح بمعنی بیان نہیں۔
قولہ: مِنَ الْحَقِّ: رسول کی تعبیر حق سے کرنے کی وجہ ذکر کی کہ مراد اس سے حق ہے خصوصیت ذات مراد نہیں اور حق کی معرفت معجزات کی دلالت سے حاصل ہوئی جو کہ ان کی کتابوں کی صفات کے عین مطابق تھی۔
قولہ: حَسَدًا: اس سے اشارہ کیا کہ ان کا انکار جہالت کی بناء پر نہ تھا بلکہ حسد وعناد کی بنیاد پر تھا۔
قولہ: عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝: ضمیر کی بجائے ظاہر لائے، اس لیے کہ یہ دلالت موجود ہے کہ وہ اپنے کفر کے سبب ملعون ہوئے۔
قولہ: بَاعُوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ: یہ استعارہ ہے کہ انہوں نے ایمان کے مقابلہ میں کفر کا چناؤ کیا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے اپنے نفوس کو آگ کے لیے خرچ کیا اور دنیا کا سامان لیا۔ نفوس بمنزلہ مثمن اور کفر بمنزلہ ثمن کے ہے۔
قولہ: حَظَّهَا: ذات نفس تو ان کی طرف سے بذل نہیں کیا گیا البتہ ثواب والا نصیب خرچ کر دیا۔
قولہ: وَمَا نَكِرَةٌ بِمَعْنٰى شَيْئًا: اشارہ کیا کہ فعل ذم کی تمیز نکرہ آتی ہے نہ کہ معرفہ۔
قولہ: وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ: اس سے عدم عطف کی وجہ بتا رہے ہیں کہ اَنْ يَّكْفُرُوْا کو اشْتَرَوْا پر عطف مخصوص لازم ہونے کی وجہ سے نہیں کیا اور اَنْ يَّكْفُرُوْا کا اَنْ مصدریہ ہے، تفسیریہ نہیں اور مضارع سے تعبیر کفر پر استمرار کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

قوله: مَفْعُوْلٌ لَهٗ لِيَكْفُرُوْا: یہ اشْتَرَوْا کا مفعول نہیں جیسا کہ صاحب کشاف نے کہا انہوں نے اشْتَرَوْا کی علت بنایا ہے۔ فتدبر۔

قوله: حَسَدًا: بَغْيٌ کالفظ لغت مطلق طلب کے لیے مستعمل ہے پھر خاص طلب میں یہاں استعمال ہوا اور وہ ایسی طلب تھی جس کا ان کو حق نہ تھا۔ مفعول کے قرینہ سے میری مراد اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ ہے، پھر یہ حسد کے معنی کی طرف لوٹی، پس اس التزام کی وجہ سے بَغْيٌ کا معنی حسد کیا گیا اور قرآن کو محسود قرار دیا گیا۔

قوله: عَلٰى اَنْ: عَلٰى کو مصدر کا عمل مضبوط بنانے کے لیے مقدر مانا گیا، اس سے اشارہ کیا کہ یہ بَغْيًا کا مفعول ہے۔ پس یہ محسود علیہ ہوا۔ اَنْ مصدریہ ہے نہ کہ تفسیریہ۔

قوله: اَلْوَحْيَ۔ فَضْلِهٖ: یہ وحی کی تعبیر ہے اور مِنْ یہ ابتداء غایت کے لیے ہے اور اَنْ يُّنَزِّلَ کا مفعول شیٔ عظیم ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قوله: لِلرِّسَالَةِ: یعنی محمد ﷺ کی۔ اس سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یہ موصوف کی صفت سے کنایہ ہے اور تعظیم کے لیے ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ نبوت محض فضل الٰہی ہے۔

قوله: مِنَ اللّٰهِ: اس سے اشارہ کیا کہ غضب کا متعلق مقدر ہے شہرت کی وجہ سے اور تنکیر تعظیم کے لیے ہے۔

قوله: بِكُفْرِهِمْ: اس سے اشارہ کیا کہ فا عاطفہ ماقبل کی وجہ سے ان کے غضب کے مترادف چیز کا حقدار ہونا ثابت کرتی ہے اور وہ کفر ہے۔

قوله: ذُوْاِهَانَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ عَذَابٌ کی طرف مُّهِيْنٌ ⑩ کا اسناد مجاز ہے اور حقیقت میں وہ فاعل کی صفت ہے۔

قوله: اَلتَّوْرٰةِ: اشارہ کیا کہ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد جو ان کے پیغمبر پر اتارا گیا نیز اس سے قرآن سے احتراز مقصود ہے۔

قوله: وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ: واؤ حالیہ ہے عاطفہ نہیں کیونکہ اگر یہ معطوف ہوتا تو یہ معطوف علیہ کی طرح شرط کی جزاء بنتا اور ان کا کفر معلق بنتا حالانکہ وہ محقق ہے، اس جملہ سے اس کی شناعت مقصود ہے کیونکہ ان کے ایمان میں کھلا تناقض تھا۔ تورات پر ایمان کے دعوے کے ساتھ بعد والی کتب و رسول کا انکار ان کے عدم ایمان کو لازم کرنے والا تھا۔

قوله: بِمَا وَرَآءَهٗ سِوَاهُ: اصل میں تو ستر کے معنی میں ہے مگر قرآن میں یہ معنی نہیں تو اسے سواء یا ظرف زمان کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

قوله: مِنَ الْقُرْاٰنِ: یہ مَا موصولہ کا بیان اور ضمیر عائد کا قائم مقام ہے۔

قوله: اَيْ قَتَلْتُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ مضارع ماضی کے معنی میں ہے اور مضارع کی تعبیر سے استمرار کا فائدہ ہے جیسا کہ آیت: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔

قوله: بِمَا فَعَلَ اٰبَاؤُهُمْ: سے اشارہ قتل وغیرہ کا اسناد ان کی طرف مجازی ہے۔ علاقہ مجاز ملابست ہے کیونکہ یہ اس پر راضی تھے۔

قوله: بَعْدَ ذِهَابِهٖ: کلام میں مضاف محذوف ہے اور ظرف کا تعلق محذوف سے ہے نہ کہ اتخاذ سے۔

قوله: بِاتِّخَاذِہٖ: ظلم کا متعلق اتخاذ مقدر ہے نہ کہ اخلال ورنہ ظلم کا معنی حقیقی قائم نہ رہے گا۔

قوله: وَقَدْ رَفَعْنَا: تقدیر قد سے یہ حال ہے اور بِقُوَّةٍ سے مراد محنت و پختہ عزم ہے۔

قوله: سَمَاعُ قُبُوْلٍ: اس سے بتلایا کہ وہ قبول کرنے اور اطاعت کرنے کے لیے سنیں ورنہ مطلق سماع میں کوئی فائدہ نہیں اور ان کے آباء سے قبول کرانے کے لیے پہاڑ کو بلند کرنے کا واقعہ ذکر کر کے اس کی تاکید کر دی۔

قوله: اَمْرُکَ: ان کو حکم دیا کہ وَاسْمَعُوْا۔ انہوں نے کہا ہم اطاعت کی غرض سے نہ سنیں گے۔

قوله: اَیْ خَالَطَ حُبُّهٗ: اس سے اشارہ کر دیا کہ مضاف محذوف ہے اور وہ بچھڑے کی محبت ہے جو بچھڑے کے قائم مقام ذکر کی۔

قوله: الشَّرَابُ: یہ اشراب الماء سے استعارہ تبعیہ ہے یعنی ہر ہر جزء میں رچ جانا۔

قوله: کَمَا زَعَمْتُمْ: یعنی بقول تمہارے صرف جنت تمہاری ہی ہے۔ اس سے اشارہ کیا کہ تورات پر ایمان کے دعویٰ کی تردید کے بعد یہ دوسرے دعویٰ کی تردید ہے۔

قوله: اَلْمُسْتَلْزِمِ: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ موت کی تمنا نہ کرنا ان کے لیے جنت کے خاص نہ ہونے کی دلیل نہیں تو جواب دیا کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی خود ثابت ہو جاتی ہے۔

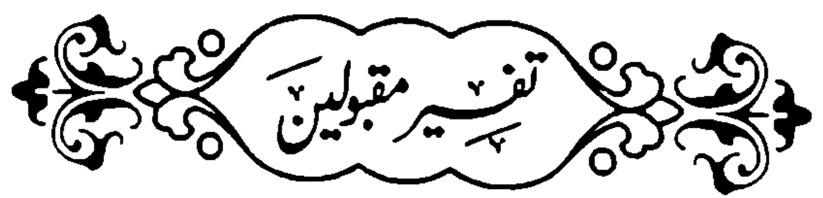
قوله: اَلْکَافِرِیْنَ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ ظلم سے یہاں انتہائی ظلم یعنی کفر مراد ہے۔

قوله: فَیُجَازِیْهِمْ: اس سے اشارہ کیا کہ علم یہ مجازات سے کنایہ ہے۔

قوله: لَوْ مَصْدَرِیَّةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ لو مصدر یہ ہے شرطیہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ جواب کا تقاضا کرتا ہے جو یہاں نہیں ہے۔

قوله: فَاعِلُ مُزَحْزِحِهٖ: اشارہ کیا کہ یہ بِمُزَحْزِحِهٖ کا فاعل ہے، اس کا بدل نہیں جس پر لَوْ یُعَمَّرُ دلالت کرتا ہے۔

فتدبر۔



وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ....

یہودی بعض نبیوں کی صرف تکذیب کرتے تھے اور بعض کو قتل کر دیتے تھے:

اس آیت شریف میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی (یعنی توریت شریف) اور ان کے بعد بھی رسول بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات دیے جو ان کی نبوت اور رسالت پر واضح دلائل تھے۔ مردوں کو زندہ کرنا۔ مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک دینا جس سے پرندہ ہو کر اڑ جانا، مادر زاد اندھے اور برص والے کو اچھا کر دینا اور غیب کی

باتیں بتادینا، اور روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے ان کی تائید کرنا۔ یہ سب امور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے لیے واضح دلائل تھے۔ سورۂ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (یعنی میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کرتا ہوں جو تم پر (توریت شریف میں) حرام کردی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے معجزہ لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) بعض احکام انہوں نے ایسے بتائے جن سے توریت شریف کے بعض احکام منسوخ ہو گئے تو اس پر یہودی ان کے دشمن ہو گئے قتل تو نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اوپر اٹھالیا لیکن ان سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام کو قتل کر چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور تکذیب پر اس لیے آمادہ ہو گئے کہ جو احکام انہوں نے بتائے ان کے نفسوں کی خواہش کے خلاف تھے اور انہوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ بہت سے نبیوں کو انہوں نے جھٹلایا اور بہت سے نبیوں کو قتل بھی کیا۔ خدا جانے انہوں نے کتنے نبیوں کو قتل کیا اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل اور تکذیب کے درپے یہودی اس لیے ہو جاتے تھے کہ جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتاتے تھے وہ ان کے نفسوں کو نہیں بھاتے تھے اور ان کی طبیعت کے خلاف ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ ان کی تکذیب تو کرتے ہی تھے قتل بھی کر دیتے تھے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ....

(اور دعوت اسلام ہمارے اوپر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ ''یہود فخریہ اور علانیہ کہتے تھے کہ یہ ''نئے پیغمبر'' کچھ بھی کر ڈالیں، ہم ان کے کہے میں نہیں آنے کے۔ ''غلف''، ممکن ہے کہ جمع غلاف کی ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے قلوب گنجینہ علوم ہیں۔ معارف موسوی سے لبریز ہیں۔ ہمیں ضرورت کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی نہیں۔ ھی جمع غلاف (راغب)

مولانا شبیر احمد عثمانی رقمطراز ہیں:

یہود اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں، بجز اپنے دین کے کسی کی بات ہم کو اثر نہیں کرتی۔ ہم کسی کی چاپلوسی، سحر بیانی یا کرشمے اور دھوکے کی وجہ سے ہرگز اس کی متابعت نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ بالکل جھوٹے ہیں بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان کو ملعون اور اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لیے کسی طرح دین حق کو نہیں مانتے اور بہت کم دولت ایمان سے مشرف ہوتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ....

یعنی رسول اللہ (ﷺ) کی بعثت سے پہلے اہل کتاب کی یہ حالت تھی کہ مشرکین عرب کے مقابلہ میں حضور کے وسیلے اور برکت سے مدد طلب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اس نبی کی برکت سے جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوگا اور جس کی صفت اور حالات ہم تورات میں دیکھتے ہیں ہماری مدد کر اور حق تعالیٰ کی طرف سے امداد ہوتی تھی اور مشرکین جو ان کے مقابل ہوتے ان سے کہا کرتے کہ اب نبی آخر الزماں کا زمانہ قریب آتا جاتا ہے وہ ہماری تصدیق فرمائیں گے پھر ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں اس طرح قتل اور ہلاک کر ڈالیں گے جیسے عاد اور ثمود اور ارم برباد اور ہلاک کیے گئے۔ یا یہ معنی ہیں کہ یہود مشرکین پر

پاک کرنے کے لیے ہوگا نہ بغرض تذلیل، البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ...

خود پسند یہودی مورد عتاب:

یعنی جب ان سے قرآن پر اور نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں توراۃ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور (ﷺ) کی تصدیق موجود ہے، جیسے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرة:۱۴۶) یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں پس آپ سے انکار کا مطلب توراۃ انجیل سے بھی انکار کے مترادف ہے۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا توراۃ اور انجیل پر اگر تمہارا ایمان ہے پھر اگلے انبیاء جو انہی کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے بغیر کسی نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے تو تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے نہ اس کتاب پر۔ تم محض خواہش کے بندے نفس کے غلام اپنی رائے قیاس کے غلام ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا موسیٰ علیہ السلام سے تو تم نے بڑے بڑے معجزے دیکھے طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ جو ان کی بددعا سے بطور معجزے ظاہر ہوئے لکڑی کا سانپ بن جانا ہاتھ کا روشن چاند بن جانا، دریا کو چیر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا، بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا، پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے ادھر تم نے بچھڑے کو اللہ بنا لیا اب بتاؤ کہ خود توراۃ پر اور خود حضرت موسیٰ پر بھی تمہارا ایمان کہاں گیا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ من بعدہ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد ہے دوسری جگہ ارشاد ہے آیت (واتخذ قوم موسیٰ....) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور اپنی جانوں پر اس گوسالہ پرستی سے واضح ظلم کیا جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا جیسے فرمایا: (ولما سقط فی ایدیھم) یعنی جب انہیں ہوش آیا نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے اس وقت کہا اے اللہ اگر تو ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری خطا نہ بخشے تو ہم زیاں کار ہو جائیں گے۔ (ابن کثیر)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ...

صدائے بازگشت:

اللہ تبارک وتعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں مخالفتیں سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرما رہا ہے کہ طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کر لیا جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے۔ اس کی تفسیر بیان ہو چکی ہے بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا جس پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا گو بچھڑا

نیست ونابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے؟ بار بار کی عہد شکنیاں کئی بار کے کفر بھول گئے؟ حضرت موسیٰ کے سامنے تم نے کفر کیا ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ....

یہودیوں کو دعوت مباہلہ کہ موت کی تمنا کریں:

یہودیوں کے دعوؤں اور آرزوؤں میں یہ بھی تھا کہ عالم آخرت کی خیر اور خوبی اور جنت کا داخلہ اور نعمتوں کا حصول یہ سب کچھ ہمارے لیے ہی خاص ہے دوسرے کسی دین والے اور کسی بھی قوم اور نسل کے لوگ جنت میں نہ جائیں گے ان کے اس خیالی جھوٹے دعوے اور جھوٹی آرزو کے پیش نظر ان کو مباہلہ کی دعوت دی گئی کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آجاؤ ہم اور تم مل کر موت کی دعا کریں کہ دونوں فریق میں سے جو بھی جھوٹا ہو وہ ابھی فوراً مر جائے جب یہ بات سامنے آئی تو اس پر آمادہ نہ ہوئے اور راہ فرار اختیار کر لی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے۔ مفسر ابن جریر نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتے اور مباہلہ کے لیے نکلتے تو واپس ہو کر نہ جاتے اور اور مال کچھ بھی نہ پاتے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انہیں اپنا کفر اور بداعمالیاں معلوم ہیں وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکتے، اور اللہ تعالیٰ سب مجرموں اور ظالموں کو جانتا ہی ہے جو ہر ایک کو اس کا بدلہ دے دے گا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ کیا موت کی آرزو کر سکتے ہیں۔ یہ تو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کی حرص رکھتے ہیں۔ جو لوگ مشرک ہیں اللہ کی کسی کتاب کو نہیں مانتے ان سے بھی زیادہ دنیا میں رہنے اور جینے کے حریص ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ کاش ہزار سال زندہ رہ جاتے اگر ہزار سال بھی زندہ رہ جائیں تو اس کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا کبھی تو موت آ ہی جائیگی اور موت کے بعد وہی عذاب کا سامنا اور دوزخ کا داخلہ ہوگا جو اہل کفر کے لیے طے شدہ ہے، ابلیس کو ہزاروں سال کی زندگی دے دی گئی مگر انجام دوزخ ہی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: اگر یہ کہا جائے کہ یہ سوال تو یہود کی طرف سے مسلمانوں پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ تم بھی یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ سوائے مسلمانوں کے اور کوئی جنت میں نہیں جائیگا لہٰذا تم کو بھی چاہئے کہ موت کی تمنا کرو۔

جواب یہ ہے کہ یہود کا عقیدہ فقط یہی نہیں تھا کہ ہم اہل حق ہیں اور ہمارے سوا کوئی جنت میں نہیں جائیگا بلکہ ساتھ یہ بھی اعتقاد تھا کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں کما قال تعالیٰ: حاکیا عنھم نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ط ہمارے اعمال وافعال اور اقوال واحوال کیسے ہی ناشائستہ ہوں ہم ضرورت جنت میں جائیں گے جنت ہماری جدی اور خاندانی میراث ہے مرتے ہی

ہم بہشت میں داخل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں اور جنت ہمارے لیے مخصوص ہے ہمارے اعمال اچھے ہوں یا برے ہر حال میں ہم جنت میں جائیں گے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے کا دار ومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے اس لیے مسلمان ہمیشہ اپنے نازیبا افعال واقوال سے ڈرتے رہتے ہیں بخلاف یہود کے کہ وہ بیدھڑک گناہ کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے ہیں۔ **سیغفر لنا** یعنی ہم کوئی گناہ کرلیں سب بخشے جائیں گے کسی قسم کی معصیت ہمارے لیے مضر نہیں اور نہ ہم سے کوئی حساب وکتاب ہوگا اس کے برعکس مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا اس لیے ہر وقت وہ اپنی کوتاہیوں سے ڈرتے رہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ زندگی اور بڑھ جائے تا کہ گزشتہ تقصیرات کی توبہ اور استغفار سے کچھ تلافی کرسکیں اور کچھ اعمال صالحہ کر کے سفر آخرت کے لیے زادراہ اور راحلہ تیار کرسکیں۔

موت کی تمنا کا حکم شرعی:

احادیث میں بلا ضرورت موت کی تمنا کرنے کی یا دنیاوی مصائب سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ عمر کا زیادہ ہونا اور توبہ اور اعمال صالحہ کے لیے وقت کا میسر آ جانا ایک نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے البتہ اگر قلب پر لقاء خداوندی کا شوق غالب ہو تو پھر موت کی تمنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ فرط شوق سے اس درجہ مغلوب الحال ہو جائے کہ دنیاوی منافع اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں اور غلبۂ شوق میں اس کو اس کا بھی خیال نہ رہے کہ جس قدر عمر زیادہ ہوگی اسی قدر قرب خداوندی کے اسباب زیادہ حاصل کرسکوں گا اور حضرات صحابہ سے جو اس قسم کی آرزو منقول ہے سو وہ اس وقت میں تھی کہ جب اسباب موت کے سامنے آ گئے اور دنیا کی زندگی سے مایوسی ہوگئی اس وقت موت کی فرحت اور مسرت میں کچھ کلمات زبان سے نکلے اور یہ وقت محل بحث سے خارج ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر عزیزی اور تفسیر مظہری کی مراجعت کی جائے۔

اور یہ لوگ موت کی تمنا اور آرزو ہرگز نہیں کرسکتے اس لیے کہ البتہ تحقیق آپ ان کو سب لوگوں سے زیادہ اس فانی زندگی پر حریص پائیں گے حتی کہ ان لوگوں سے بھی زیادہ حریص پائیں گے جو لوگ مشرک اور بت پرست ہیں اور اخروی حیات کے بالکل قائل نہیں دنیوی حیات کو ہی حیات سمجھتے ہیں اور یہود باوجودیکہ حیات اخروی اور آخرت کے ثواب اور عقاب کے قائل ہیں ان کا سب سے زیادہ زندگی پر حریص ہونا اس امر کی بین دلیل ہے کہ ان کو اپنے مجرم ہونے کا یقین کامل ہے۔ ہر ایک ان میں سے یہ چاہتا ہے کہ اس کو ہزار برس کی عمر دی جائے حالانکہ ہزار برس کی عمر دیا جانا بھی اللہ کے عذاب کو دفع نہیں کرسکتا۔ ہزار برس کے بعد پھر موت ہی ہے اور ان لوگوں کو اگر ہزار برس سے بھی زیادہ عمر مل جائے تب بھی کوئی فائدہ نہیں جس قدر ان کی عمر زیادہ ہوگی اسی قدر ان کا کفر زیادہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے کہ دم بدم کفر اور معصیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے حق میں تخفیف عذاب کی کوئی صورت نہیں۔

وَسَأَلَ ابْنُ صُوْرِيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمَّنْ يَأْتِيْ بِالْوَحْيِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ جِبْرَءِيْلُ فَقَالَ هُوَ عَدُوُّنَا يَأْتِيْ بِالْعَذَابِ وَلَوْ كَانَ مِيْكَائِيْلُ لَاٰمَنَّا لِاَنَّهٗ يَأْتِيْ بِالْخِصْبِ وَالسِّلْمِ فَنَزَلَ

قُلْ لَهُمْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَلْيَمُتْ غَيْظًا فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ اي القُرانَ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ بِأَمْرِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهُ مِنَ الْكُتُبِ وَهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَّبُشْرٰى بِالْجَنَّةِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيلَ بِكَسْرِ الْجِيْمِ وَفَتْحِهَا بِلَا هَمْزَةٍ وَبِهٖ بِيَاءٍ وَدُوْنِهَا وَمِيْكٰلَ عَطْفٌ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ وَفِيْ قِرَاءَةٍ مِيْكَائِيْلَ بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَفِيْ اُخْرٰى بِلَا يَاءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ اَوْقَعَهُ مَوْقِعَ لَهُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ حَالٌ رَدٌّ لِقَوْلِ ابْنِ صُوْرِيَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتَنَا بِشَيْءٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ كَفَرُوْا بِهَا اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا اللّٰهَ عَهْدًا عَلَى الْاِيْمَانِ بِالنَّبِيِّ اِنْ خَرَجَ اَوِ النَّبِيَّ اَنْ لَا يُعَاوِنُوْا عَلَيْهِ الْمُشْرِكِيْنَ نَّبَذَهٗ طَرَحَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِنَقْضِهٖ جَوَابُ كُلَّمَا وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيْ بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ اَيِ التَّوْرٰةَ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ اَيْ لَمْ يَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاِيْمَانِ بِالرَّسُوْلِ وَغَيْرِهٖ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ مَا فِيْهَا مِنْ اَنَّهٗ نَبِيٌّ حَقٌّ اَوْ اَنَّهَا كِتَابُ اللّٰهِ وَاتَّبَعُوْا عَطْفٌ عَلَى نَبَذَ مَا تَتْلُوا اَيْ تَلَتِ الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمٰنَ مِنَ السِّحْرِ وَكَانَ دَفَنَهٗ تَحْتَ كُرْسِيِّهٖ لَمَّا نُزِعَ مُلْكُهٗ اَوْ كَانَتْ تَسْتَرِقُ السَّمْعَ وَتَضُمُّ اِلَيْهِ اَكَاذِيْبَ وَتُلْقِيْهِ اِلَى الْكَهَنَةِ فَيُدَوِّنُوْنَهٗ وَفَشَا ذٰلِكَ وَشَاعَ اَنَّ الْجِنَّ تَعْلَمُ الْغَيْبَ فَجَمَعَ سُلَيْمٰنُ الْكُتُبَ وَدَفَنَهَا فَلَمَّا مَاتَ دَلَّتِ الشَّيَاطِيْنُ عَلَيْهَا النَّاسَ فَاسْتَخْرَجُوْهَا فَوَجَدُوْا فِيْهَا السِّحْرَ فَقَالُوْا اِنَّمَا مَلَكَكُمْ بِهٰذَا فَتَعَلَّمُوْهُ وَرَفَضُوْا كُتُبَ اَنْبِيَائِهِمْ قَالَ تَعَالٰى تَبْرِئَةً لِسُلَيْمٰنَ وَرَدًّا عَلَى الْيَهُوْدِ فِيْ قَوْلِهِمْ اُنْظُرُوْا اِلٰى مُحَمَّدٍ يَذْكُرُ سُلَيْمٰنَ فِي الْاَنْبِيَاءِ وَمَا كَانَ اِلَّا سَاحِرًا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ اَيْ لَمْ يَعْمَلِ السِّحْرَ لِاَنَّهٗ كُفْرٌ وَلٰكِنَّ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ الْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ كَفَرُوْا وَيُعَلِّمُوْنَهُمْ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ اَيْ اُلْهِمَاهُ مِنَ السِّحْرِ وَقُرِئَ بِكَسْرِ اللَّامِ الْكَائِنَيْنِ بِبَابِلَ بَلَدٌ فِيْ

سَوَادِ الْعِرَاقِ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ط بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ لِلْمَلَكَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُمَا سَاحِرَانِ كَانَا يُعَلِّمَانِ السِّحْرَ وَقِيْلَ مَلَكَانِ أُنْزِلَا لِتَعْلِيْمِهٖ اِبْتِلَاءً مِنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ زَائِدَةٌ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ لَهٗ نُصْحًا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ بَلِيَّةٌ مِنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ لِيَمْتَحِنَهُمْ بِتَعْلِيْمِهٖ فَمَنْ تَعَلَّمَهٗ كَفَرَ وَمَنْ تَرَكَهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا تَكْفُرْ ط بِتَعَلُّمِهٖ فَاِنْ اَبٰى اِلَّا التَّعَلُّمَ عَلَّمَاهُ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ط بِاَنْ يُبَغِّضَ كُلًّا مِنْهُمَا اِلَى الْاٰخَرِ وَ مَا هُمْ اَيِ السَّحَرَةُ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ بِالسِّحْرِ مِنْ زَائِدَةٌ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط بِاِرَادَتِهٖ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ ط وَهُوَ السِّحْرُ وَ لَقَدْ لَامُ قَسَمٍ عَلِمُوْا اَيِ الْيَهُوْدُ لَمَنِ لَامُ اِبْتِدَاءٍ مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الْعَمَلِ وَمَنْ مَوْصُوْلَةٌ اشْتَرٰىهُ اِخْتَارَهُ اَوِ اسْتَبْدَلَهٗ بِكِتَابِ اللّٰهِ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ قف نَصِيْبٌ فِي الْجَنَّةِ وَ لَبِئْسَ مَا شَيْئًا شَرَوْا بَاعُوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ط اَيِ الشَّارِيْنَ اَيْ حَظَّهَا مِنَ الْاٰخِرَةِ اَنْ تَعَلَّمُوْهُ حَيْثُ اَوْجَبَ لَهُمُ النَّارَ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ حَقِيْقَةَ مَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ مَا تَعَلَّمُوْهُ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَيِ الْيَهُوْدَ اٰمَنُوْا بِالنَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ وَ اتَّقَوْا عِقَابَ اللّٰهِ بِتَرْكِ مَعَاصِيْهِ كَالسِّحْرِ وَجَوَابُ لَوْ مَحْذُوْفٌ اَيْ لَاُثِيْبُوْا دَلَّ عَلَيْهِ لَمَثُوْبَةٌ ثَوَابٌ وَهُوَ مُبْتَدَاٌ وَاللَّامُ فِيْهِ لِلْقَسَمِ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ط خَبَرُهٗ مِمَّا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع اَنَّهٗ خَيْرٌ لَمَا اٰثَرُوْهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ابن صوریا نے دریافت کیا نبی اکرم ﷺ یا حضرت عمرؓ سے کہ فرشتوں میں سے کون فرشتہ وحی لاتا ہے؟ آپ نے فرمایا جبرائیل، تو ابن صوریا نے کہا وہ فرشتہ تو ہمارا دشمن ہے جو عذاب لے کر آتا ہے اگر میکائیل ہوتے تو البتہ ہم ایمان لے آتے کیوں کہ وہ خوشحالی اور سلامتی لے کر آتا ہے اس پر آیت نازل ہوئی، آپ فرما دیجئے: (ان سے) جو کوئی دشمن ہے جبرائیل کا (اس کو غصہ سے مرجانا چاہئے) اس لئے کہ جبرائیل نے اتارا ہے اس (قرآن) کو آپ کے قلب پر خدا کے حکم سے، درآنحالیکہ قرآن تصدیق کر رہا ہے اس کی جو اس کے سامنے ہے (یعنی اپنے سے پہلی کتابوں کی) اور ہدایت کرنے والا ہے (گمراہی سے) اور خوشخبری سناتا ہے (جنت کی) ایمان والوں کو جو شخص دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل کا (لفظ جِبْرِیْلَ جیم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے جیسے جبریل اور جَبریل یہ دو قراءتیں ہوئیں اور ہمزہ کے ساتھ مع الیاء جیسے جبرئیل اور بغیر یاء جبرئل بروزن جحمرش) اور میکائیل کا (اس کا عطف ملائکہ پر بطریق عطف الخاص علی العام ہے ایک قراءت میں میکائیل ہمزہ اور یاء کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت بغیر یاء کے ہے) تو بلاشبہ اللہ

دشمن ہے ان کافروں کا واقع کر دیا ہے کافرین اسم ظاہر کو موقع میں ضمیر ھم کے یعنی موقع ضمیر کا تھا کہ یوں فرماتے ان اللہ عدوھم یعنی بیشک اللہ ان کا دشمن ہے ان کا حال بیان کرنے کے لئے اور جواب ہے ابن صوریا کے اس قول کا جو اس نے نبی اکرم ﷺ سے کہا ما جئتنا بشیءٍ آپ ہمارے پاس کچھ لے کر نہیں آئے یعنی کوئی دلیل لے کر نہیں آئے کہ جس سے ہم آپ کو نبی جان لیتے، حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں نازل فرمایا کہ یہ دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں ہم نے آپ کے اوپر بہت سے واضح دلائل نازل کئے ہیں۔ وما یکفر بھا الخ اور ان دلائل کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو نافرمان ہیں (کیا ان لوگوں نے ان آیات کے ساتھ کفر نہیں کیا) کیا جب کبھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہے (اللہ سے) نبی ﷺ پر ایمان لانے کا اگر ظاہر ہوں گے یا نبی ﷺ سے وعدہ کہ نہیں اعانت کریں گے آپ کے خلاف مشرکوں کی تو پھینک دیا اس عہد کو انہی میں سے ایک فریق نے (نقض عہد کر کے، یہ کلما کا جواب ہے اور یہی محل استفہام انکاری ہے) بلکہ لفظ بل ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے۔ ان میں سے اکثر یقین نہیں رکھتے ہیں اور جب آیا ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسا رسول (محمد ﷺ) جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک فریق نے اہل کتاب میں سے کتاب اللہ (تورات) کو اپنی پیٹھ کے پیچھے (یعنی عمل نہیں کیا جو کچھ ایمان بالرسول وغیرہ کے احکام اس میں تھے) گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں (جو کچھ اس توریت میں ہے) کہ آپ نبی برحق ہیں یا یہ کہ اللہ کی کتاب ہے اور یہود نے پیروی کی (وَاتَّبَعُوْا کا عطف نَبَذَ پر ہے) اس چیز کی جو شیطان پڑھتے تھے (تَتْلُوْا بمعنی تَلَتِ یعنی مضارع بمعنی ماضی ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں (مِنَ السِّحْرِ سے ما موصولہ کا اور عائد محذوف ہے ای تتلوہ یعنی جس سحر اور جادو کو شیطان پڑھتے تھے یہود اس کے پیچھے پڑ گئے) وکانت دفنتہ تحت کرسیہ الخ شیطان نے جادو کی کتابیں لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تھا جب سلیمان کی سلطنت کا زوال ہوا، یا شیطان آسمانی باتیں یعنی فرشتوں کی باہمی گفتگو چوری چھپے سن لیتے تھے اور بہت سے خودساختہ جھوٹ اس میں ملا لیتے تھے اور کاہنوں کو بتلا دیتے تھے اور کاہن لوگ اس کو مدوّن و مرتب کرتے اور اس کو لوگوں میں پھیلاتے تھے اور یہ بات پھیل گئی کہ جن غیب کی باتیں جانتا ہے، چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے ایسی تمام کتابوں کو جمع کیا اور اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا پھر جب سلیمان علیہ السلام نے وفات پائی تو شیطان نے اس طرف لوگوں کی راہنمائی کی پھر لوگوں نے ان کتابوں کو نکالا تو اس میں جادو پایا چنانچہ وہ لوگ کہنے لگے (چرچا کرنے لگے) کہ سلیمان علیہ السلام کی حکومت تم لوگوں پر اسی جادو کے ذریعہ سے تھی چنانچہ عام لوگوں نے اس جادو کو سیکھا اور انبیاء علیہم السلام کی کتابوں کو چھوڑ بیٹھے، حق تعالیٰ سلیمان علیہ السلام کی براءت ظاہر کرنے کے لئے اور یہود کے اس قول کی تردید کرنے کے لئے کہ محمد ﷺ کو دیکھو کہ سلیمان علیہ السلام کا ذکر انبیاء کے سلسلہ میں کر رہے ہیں حالانکہ سلیمان علیہ السلام صرف ایک جادوگر تھے، ارشاد فرماتے ہیں سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا (جادو کا عمل نہیں کیا اس لئے کہ وہ کفر ہے) لیکن (لکن میں تشدید کے ساتھ اور تخفیف یعنی بلا تشدید دونوں قراءتیں ہیں) شیطانوں نے کفر کیا درانحالیکہ لوگوں کو جادو سکھلاتے تھے (یہ جملہ یُعَلِّمُوْنَ الخ کَفَرُوْا کی ضمیر مستتر ھم سے حال ہے) اور لوگوں کو سکھاتے تھے جو ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا (یعنی جو سحر ان دونوں پر الہام کیا گیا اور ایک قراءت میں لام کے کسرہ کے ساتھ مَلِکین ہے، وہ فرشتے رہنے والے تھے) بابل میں (جو ایک شہر ہے اطراف عراق میں) ہاروت و ماروت نام کے (ھاروت و ماروت بدل ہے یا عطف

بیان ہے ملکین کا حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ دونوں جادوگر تھے اور بعض کا خیال ہے کہ دونوں فرشتے تھے جو بطور امتحان منجانب اللہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دینے کے لئے اتارے گئے تھے) اور وہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو (من احد میں من زائدہ ہے) جب تک یہ نہ کہہ دیتے (بطور نصیحت) کہ ہم تو ذریعہ آزمائش ہیں (اللہ کی طرف سے لوگوں کی آزمائش کے لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی تعلیم کے ذریعہ آزمائے، پس جس نے اس کو سیکھا اس نے کفر کیا اور جو اس کو چھوڑ دے تو وہ ایمان والا ہے) سو تو کافر مت ہو (اس کو سیکھ کر، اس کے بعد بھی اگر کوئی سیکھنے پر اصرار کرتا تو اس کو سکھلا دیتے) پھر سیکھتے تھے ان دونوں سے وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد اور اس کی بیوی کے درمیان (بایں صورت کہ ہر ایک کو دوسرے سے دشمنی ہو جائے) حالانکہ یہ (جادو کرنے والے) نہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اس (جادو) کے ذریعہ کسی کا مگر اللہ کے حکم و مشیت سے اور سیکھتے ہیں وہ چیز جو ان کو نقصان پہنچا دے (آخرت میں) اور نفع نہ دے (اور وہ چیز سحر ہے) اور بلاشبہ (لقد میں لام مؤطہ للقسم ہے) جان چکے ہیں (یہود) کہ جس نے (لمن میں لام ابتدائیہ ہے اس لام نے اپنے ماقبل یعنی علموا کو عمل سے معلق کر دیا یعنی روک دیا ہے اور من موصولہ ہے) اس سحر کو خریدا (یعنی اختیار کیا یا سحر کو عوض میں لیا کتاب اللہ کے) اس کے لئے آخرت میں حصہ نہیں (یعنی جنت میں کوئی حصہ نہیں ہے) اور بلاشبہ بری ہے وہ چیز جس کے عوض فروخت کیا ہے انہوں نے اپنی جانوں کو (یعنی فروخت کر رہے ہیں اپنے آخرت کے حصہ کو کہ ان لوگوں نے اس جادو کو سیکھ کر اپنے لئے جہنم کو واجب کر لیا ہے) کاش جان لیتے (یعنی اس عذاب ابدی کی حقیقت جان لیتے جو ان کی طرف راجع ہے جس کو انہوں نے معلوم کر لیا ہے) تو چونکہ اپنے علم پر عمل نہیں کیا تو گویا کہ جانا ہی نہیں اور اگر وہ لوگ (یعنی یہود) ایمان لاتے (نبی ﷺ اور قرآن پر) اور ڈرتے اللہ کے عذاب سے سحر جیسے گناہوں کو چھوڑ کر، اور لو کا جواب محذوف ہے یعنی لاثیبوا جس پر لَمَثُوْبَةٌ دال ہے جو بمعنی ثواب ہے اور مبتدا ہے اور لَمَثُوْبَةٌ میں لام مؤطہ للقسم ہے تو بدلہ (ثواب) پاتے اللہ کے نزدیک بہتر (اور اس مبتدا کی خبر شروا به انفسهم ہے) اگر وہ جانتے (کہ یہ ثواب ان کے لئے بہتر ہے تو وہ اس کو ترجیح نہ دیتے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَلْيَمُتْ غَيْظًا: اس سے اشارہ کیا کہ جواب شرط محذوف ہے اور فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ اس کے قائم مقام ہے جو سبب عداوت کو بیان کر رہا ہے اور کلام میں سبب پر فا کا داخل ہونا معروف ہے جیسا اس ارشاد: فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ میں ہے۔

قوله: الْقُرْاٰنَ: اشارہ کر دیا کہ دوسری ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔

قوله: بِاَمْرِ اللّٰهِ: کہہ کر اشارہ کیا کہ اذن بالقول مراد ہے محض تیسر مراد نہیں۔

قوله: مِنَ الْكُتُبِ: یہ مَا موصولہ کا بیان ہے۔

قوله: مِنَ الضَّلَالَةِ: هُدًى کے متعلق کا بیان ہے اور بِالْجَنَّةِ یہ بُشْرٰى کا متعلق ہے۔

قوله: عَطْفٌ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ: ان کو ملائکہ سے الگ عطف سے فضیلت کے ظاہر کرنے کے لیے ذکر فرمایا۔

قوله: بیانا لبخالہم: اس سے واضح کیا کہ اللہ تعالی کی دشمنی ان سے کفر کی وجہ سے ہے اور عداوت ملائکہ در اصل کفر ہے۔
قوله: لبخالہم وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ: میں اشارہ کیا کہ واو حالیہ ہے عاطفہ نہیں۔
قوله: نزل لقول: اس سے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا جو معطوف وَمَا يَكْفُرُ اور معطوف علیہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا کے مابین اس حال کو لانے میں ملحوظ ہے۔
قوله: اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ: یہ فاسق سے کفار میں سے متمرد و سرکش مراد ہیں۔
قوله: کفروا بہا: اس سے اشارہ کیا کہ واو کا عطف محذوف اَنْزَلْنَآ پر نہیں، اس کا قرینہ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ ہے۔
قوله: اللہ: اس سے اشارہ کیا کہ عٰهَدُوْا کا مفعول محذوف ہے اور وہ اللہ یا النبی کا لفظ ہے اور اس کے قول فیما بعد والنبی کے بعد اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے نہ کہ ایمان پر اور نہ النبی پر۔
قوله: طرحہ: اس سے اشارہ کیا کہ نَّبَذَهٗ یہاں نسیان کے معنی میں نہیں۔
قوله: بل للانتقال: اس سے اشارہ کیا کہ یہ انتقال کے لیے ہے اور الْكِتٰبَ سے تورات مراد ہے نہ کہ قرآن۔
قوله: لم یعملوا بما فیہا: ترک و اعراض کتاب کو نَّبَذَهٗ سے تشبیہ دی ہے، فافہم۔
قوله: ما فیہا: ان کو کتاب کی صحیح معرفت تو حاصل ہو چکی تھی اسی وجہ سے الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ظاہر کو ضمیر کی جگہ لائے اور کان تشبیہ اس پر داخل کیا۔
قوله: عطف علی نبذ: اس سے اشارہ کیا کہ اتَّبَعُوْا کا فاعل فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ہے نہ کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے والے یہود۔
قوله: ای تلت: سے اشارہ کیا کہ یہ مضارع ماضی کے معنی میں ہے۔
قوله: عَلٰى مُلْكِ: عَلٰى یہاں فِی کے معنی میں ہے جیسا اس آیت: وَ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ میں فِی، عَلٰی کے معنی میں آیا ہے۔
قوله: من السحر: یہ ما موصولہ کا بیان ہے اور ضمیر عائد کے قائم مقام ہے۔
قوله: او کانت: اس سے اشارہ کیا کہ شیاطین جن یہاں مراد ہیں یا جن و انس دونوں۔ دوسری روایت مضطرب ہے۔
قوله: لم یعمل: اس سے اشارہ کر دیا کہ عمل بالسحر کفر ہے نہ تعلیم، فتفکر
قوله: الجملۃ: یعنی کَفَرُوْا کی ضمیر سے حال ہے اتَّبَعُوْا کی ضمیر سے نہیں۔
قوله: یعلمونہم: اس سے اشارہ کیا کہ مَآ اُنْزِلَ کا عطف السِّحْرَ پر ہے مَا تَتْلُوْا پر نہیں۔ اس عطف سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ سحر اور مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کے جامع ہونے کی وجہ سے دوہری مذمت کے لائق ہیں۔
قوله: الہما من السحر: اُنْزِلَ سے یہاں الہام مراد ہے اور السِّحْرَ یہ ما موصولہ کا بیان ہے۔
قوله: الکائنین: اس سے اشارہ کیا کہ جار مجرور متعلق کے لحاظ سے الْمَلَكَيْنِ کی صفت ہے۔
قوله: بدل: یہ کہہ کر بتایا کہ یہ صفت نہیں بدل ہے۔

قوله: اِبْتِلَاءً: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء تھا، پس فرشتوں کا فعل قابل ذم نہیں۔

قوله: مِنْ زَائِدَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ علم متعدی بنفسہٖ ہے اس لیے مِنْ کی حاجت نہیں۔

قوله: لَهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ مقول کی ضمیر قرینہ کی بنیاد پر مقدر ہے اور مقول ہی ضمیر کا مرجع بھی ہے۔

قوله: نُصْحًا: یعنی وہ خیر خواہی کے طور پر کہتے، عذاب میں شرکت کے خوف سے نہیں کیونکہ وہ شیاطین نہ تھے۔

قوله: عَلِمَاهُ: ضمیر مرفوع کا مرجع الْمَلَكَيْنِ ہے اور الیٰ کو اس لیے مقدر مانا گیا کہ الْمَلَكَيْنِ کا عطف مقدر پر ہے مَا يُعَلِّمٰنِ پر نہیں۔

قوله: السَّحَرَةُ: ضمیر جمع کی لانا درست ہے لوگ جادو سیکھ کر جادوگر بن گئے۔

قوله: لَامُ الِابْتِدَاءِ: لقد کی لام کو بعض نے قسمیہ کہا۔ شارح رحمہ اللہ نے اشارہ کیا کہ یہ لام ابتداء ہے۔

قوله: وَمَنْ مَوْصُوْلَةٌ: یہ موصوفہ نہیں من صلہ سمیت مبتداء ہے اور مَا لَهٗ جملہ اس کی خبر ہے۔

قوله: الشَّارِيْنَ: مشتری مراد ہیں ضمیر کا مرجع الشَّارِيْنَ ہے جو کہ اس سے سمجھ آتا ہے۔

قوله: حَظَّهَا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ انفس کی طرف مضاف ہے۔

قوله: مِنَ الْاٰخِرَةِ: اگرچہ مطلق مذکور ہے مگر مراد مقید ہے۔

قوله: اَنْ تَعَلَّمُوْهُ: مخصوص بالزم مقدر ہے اور وہ ان تعلمو ابتقدیر علمکم۔

قوله: حَقِيْقَةَ مَا يَصِيْرُوْنَ: اس میں اس سوال کا جواب دیا کہ ان کی طرف علم اور عدم کی نسبت کی گئی۔ تو فرمایا جس علم کو ثابت کیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عقاب کو جان لیا اور جس کی نفی کی وہ حقیقت عذاب کا علم ہے۔

قوله: الْيَهُوْدِ: ضمیر کا مرجع یہود ہیں نہ کہ مطلق۔

قوله: بِالنَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ: قرآن اور نبی مکرم علیہ السلام کے تذکرہ سے اشارہ کیا کہ اس کا تعلق وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ.... سے ہے اور اس پر اس کا عطف ہے۔

قوله: مَا تَعَلَّمُوْهُ: اشارہ کیا لو کا جواب محذوف ہے اور وہ جملہ فعلیہ ہے۔

قوله: ثَوَابٌ: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہ مصدر میمی ہے، اسم مفعول نہیں۔

قوله: وَاللَّامُ فِيْهِ لِلْقَسَمِ: یہاں لام قسمیہ ہے لو کے جواب کے لیے نہیں۔

قوله: خَيْرٌ خَبَرُهُ: خَيْرٌ یہ خبر ہے صفت نہیں۔

قوله: مِمَّا شَرَوْا: مفضل علیہ کو مفضل کی عظمت کے لیے حذف کر دیا، اسی وجہ سے اس کی طرف نسبت نہیں کی۔

قوله: سابقہ قرینہ کی وجہ سے مفعول کو حذف کر دیا البتہ لو یہ شرط کے لیے ہے اور جزاء محذوف ہے اور وہ لَمَا اٰثَرُوْهُ ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا....

خصومت جبرائیل علیہ السلام موجب کفر وعصیان:

امام جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیل کو اپنا دوست بتایا تھا اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن بعض کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہوئی تھی اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ سے ان کا جو مناظرہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے صحیح جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے آپ نے فرمایا بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا تو تم میری نبوت کا اقرار کر لو گے اور میری فرمانبرداری کے پابند ہو جاؤ گے انہوں نے آپ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یعقوب کی طرح اللہ جل شانہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی، انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتائیے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا جب حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے تو میں اپنی کھانے کے سب سے زیادہ مرغوب چیز اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ کو پسند خاطر تھا چھوڑ دیا، تمہیں اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰ پر تورات اتاری بتاؤ یہ سچ ہے؟ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور سچ ہے۔ بجا ارشاد ہوا اچھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ نے فرمایا سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے جو بھی غالب آ جائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شبیہ بھی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر کہا بیشک آپ نے بجا ارشاد فرمایا آپ نے ان دو باتوں پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔ انہوں نے کہا اچھا یہ فرمائیے کہ تورات میں جس نبی امی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے؟ اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے تمہیں اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو توراۃ دی بتاؤ تو میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہمارے اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے اسی پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپ نے فرمایا میرا ولی جبرائیل

ہے وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام کے پاس پیغام باری تعالیٰ لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے وہ سختی اور خون ریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے نہ آپ کی مانیں گے ہاں اگر آپ کے پاس حضرت میکائیل وحی لے کر آتے جو رحمت، بارش، پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں اور ہمارے دوست ہیں تو ہم آپکی تابعداری اور تصدیق کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اسی فرشتے کی آواز ہے ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب آپ کی آمد کی خبر سنی تو حضور (ﷺ) کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضور (ﷺ) یہ فرمایئے کہ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف، آپ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرائیل نے مجھے بتلائے ہیں سنو، حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی بطور ضیافت ہوگی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے: اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ.... پھر کہنے لگے حضور یہودی بڑے بیوقوف لوگ ہیں۔ اگر انہیں میرا اسلام لانا پہلے معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے کہیں گے آپ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔ اس کے بعد آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے کہا بڑے بزرگ اور دانشور آدمی ہیں بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی تامل تو نہیں ہوگا؟ کہنے لگے اعوذ باللہ اعوذ باللہ وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہ جواب تک چھپے ہوئے تھے باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھا۔ تو تمام کے تمام شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے اس کے باپ دادا بھی برے تھے یہ بڑا نیچے درجہ کا آدمی ہے خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا حضور (ﷺ) اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عکرمہ فرماتے ہیں جبر، میک، اسراف، کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرائیل وغیرہ کے معنی عبداللہ ہوئے بعض لوگوں نے اس کے معنی الٹ بھی کئے ہیں وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور اس سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں، جیسے عربی میں عبداللہ عبدالرحمن عبدالملک عبدالقدوس عبدالسلام عبدالکافی عبدالجلیل وغیرہ لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے اس طرح ایل ہر جگہ باقی ہے اور اللہ کے اسماء حسنہ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں۔ اسی قاعدے کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے جیسے جبرائیل میکائیل اسرافیل

عزرائیل وغیرہ۔ اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو جناب عمر سے ہوئی تھی شعبہ کہتے ہیں حضرت عمر روحاء میں آئے۔ دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر ایک پتھروں کے تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ (ﷺ) نے نماز ادا کی ہے، آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضور (ﷺ) کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پہلے چلے جایا کرتے تھے اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے فرمانے لگے میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراۃ کی اور توراۃ قرآن کی سچائی کی تصدیق کرتا ہے یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا تو راستے سے حضور (ﷺ) نکلے انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی (ﷺ) وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا میں ان کے پاس جاتا ہوں لیکن تم یہ تو بتاؤ تمہیں اللہ وحدہ کی قسم اللہ جل شانہ برحق کو مدنظر رکھو اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تم میں موجود ہے رب کی قسم کھا کر بتاؤ کیا تم حضور کو رسول نہیں مانتے؟ اب سب خاموش ہو گئے ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا اس نے کہا اس شخص نے اتنی سخت قسم دی ہے تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجئے۔ اس بڑے پادری نے کہا سنئے جناب! آپ نے زبردست قسم دی ہے لہٰذا سچ تو یہی ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں میں نے کہا افسوس جب یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمانی وحی لے کر آنے والے جبرائیل ہیں جو نہایت سختی، تنگی، شدت، عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں اگر وحی لے کر حضرت میکائیل آتے جو رحمت ورافت تخفیف وراحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر ومنزلت ہے؟ انہوں نے کہا ایک تو جناب باری کے داہنے بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف میں نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو۔ اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی کیونکہ جبرائیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرائیل کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آ سکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرائیل ومیکائیل کا دشمن ہو تو اس کافر کا اللہ وحدہ لاشریک بھی دشمن ہے اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔ حضور (ﷺ) کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے میں نے کہا حضور سنائیے، آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف وخبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچا دی ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ مگر یہ روایت منقطع ہے سند متصل نہیں شعبی نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں اللہ کے حکم سے آپ کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں۔ وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے

والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہوتا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام نبیوں کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے خود اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کے نہ ماننے والوں کو کافر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (النساء: ۱۵۰) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے دوسری آیت کے آخر تک پس ان آیتوں میں صراحتاً لوگوں کو کافر کہا جو کسی ایک رسول کو بھی نہ مانیں۔

اسی طرح جبرائیل کا دشمن اللہ کا دشمن ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آتے قرآن فرماتا ہے: (وما نتنزل الا بامر ربك) فرماتا ہے: (وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) (الشعراء: ۱۹۲) یعنی ہم اللہ کے حکم کے سوا نہیں اترتے ہیں، یہ تو نازل کیا ہوا رب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ تو لوگوں کو ہوشیار کردے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ.....

یعنی ان کی عادت قدیم ہے کہ جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد مقرر کرتے ہیں تو انہی میں کی ایک جماعت اس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بہت یہودی ایسے ہیں جو تورات پر ایمان ہی نہیں رکھتے ایسوں کو عہد شکنی میں کیا باک ہوسکتا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ......

رسول سے مراد حضرت محمد (ﷺ) اور مامعہم سے تورات اور کتاب اللہ سے بھی تورات مراد ہے۔ یعنی جب رسول اللہ (ﷺ) تشریف لائے حالانکہ وہ تورات وغیرہ کتب کے مصدق تھے تو یہود کی ایک جماعت نے خود تورات کو پس پشت ایسا ڈال دیا کہ گویا جانتے ہی نہیں کہ یہ کیا کتاب ہے اور اس میں کیا کیا حکم ہیں سو ان کو جب اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو ان سے آگے کو کیا امید کی جائے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ....

بابل میں جادوگروں کا زور اور یہود کا جادو کے پیچھے لگنا:

جادوگری کا سلسلہ پرانا ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ ہی سے ہے۔ اسباب جو بھی ہوں، جادو بھی ایک سبب ہے جس سے احوال میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے اور جس پر جادو کیا جائے اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی امت کے لوگوں نے کہا: (اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ) (کہ تم تو انہیں لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو) اور یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ان کی امت کے افراد نے کہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ مشہور ہی ہے اور یہ جادوگری کا سلسلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک تھا اور اس کے بعد بھی رہا ایک یہودی نے حضرت سرور عالم (ﷺ) پر جادو کر دیا تھا جس کا ذکر بخاری شریف میں موجود ہے (ص ۸۵۸ ج ۲) اور اب بھی جادوگر دنیا میں موجود ہیں اور

جادوگری دنیا میں رواج پائے ہوئے ہے۔ اول تو یہود کی شکایت فرمائی کہ اللہ کی کتاب انہوں نے پس پشت ڈال دی پھر فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں جو شیاطین پڑھتے تھے یعنی جادو کرتے تھے اور اس میں مشغول رہتے تھے انہوں نے اس کا اتباع کیا۔ مفسرین نے اس طرح کے واقعات لکھے ہیں کہ عارضی طور پر چند دن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جاتی رہی تھی اس زمانے میں شیاطین نے ان کی کرسی کے نیچے جادو کی چیزیں دفن کر دی تھیں اور جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کو کھود کر نکالا اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے بلکہ جادو کے زور پر حکومت چلاتے تھے علماء بنی اسرائیل نے تو اس بات کو نہیں مانا لیکن ان کے عوام نے اس بات کو مان لیا اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہی سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے میں لگ گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کو چھوڑ بیٹھے، جب حضور سرور عالم (ﷺ) نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ کے پیغمبروں میں سے تھے تو یہودیوں نے کہا کہ محمد (ﷺ) یہ کہتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام نبی تھے حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سحر سے براءت نازل فرمائی اور صاف فرمایا: (وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا) (یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا) شیاطین کا یہ مشغلہ تھا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (من القرطبی وابن کثیر)

ہاروت ماروت کے ذریعہ امتحان:

ارشاد ربانی ہے: (وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ)

"یہود نے اس کا بھی اتباع کیا جو دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر بابل شہر میں اتارا گیا۔"

کسی زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا خاص کر شہر بابل میں جو عراق میں واقع ہے، جادو کے اثرات کو دیکھ کر لوگ اس سے بہت متاثر ہوئے اور جادوگروں کو مقدس سمجھنے لگے۔ اللہ جل شانہ نے جادو کا ضرر اور اس کی مذمت ظاہر فرمانے کے لیے دو فرشتوں کو بھیجا جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا تاکہ وہ سحر کی حقیقت واضح کریں اور معجزہ اور سحر میں فرق ظاہر ہو جائے۔ اس میں لوگوں کا امتحان بھی مقصود تھا کہ دیکھا جائے کہ کون ایمان اور خیر کو اور کون کفر اور شر کو اختیار کرتا ہے۔ جب ان فرشتوں نے اپنا کام شروع کیا تو لوگ ان کے پاس آنے جانے لگے اور کہنے لگے کہ ہم کو بھی جادو کے اصول و فروع بتا دیں۔ وہ دونوں فرشتے جب ان کو جادو کی کوئی چیز بتاتے تو پہلے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے بندوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ ان چیزوں کو جان کر کون شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور شر سے بچتا ہے اور کون شخص اپنے دین کو برباد کرتا ہے اور اپنے لیے شر کو اختیار کرتا ہے۔ وہ فرشتے کہتے تھے کہ ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اچھی نیت سے حاصل کرو کہ شر سے محفوظ رہو گے، پھر اسی نیت پر قائم رہنا، شر کے لیے معلوم نہ کرو اور اس کو شر میں استعمال نہ کرنا ورنہ اس میں لگ کر ایمان برباد کر لو گے جو شخص ان سے اس طرح کا عہد و پیمان کر لیتا تھا وہ اسے جادو کے اصول و فروع بتا دیتے تھے اس کے بعد جو کوئی اپنے عہد پر قائم نہ رہتا اور اس جادو کو مخلوق کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنا لیتا تو وہ اس کا اپنا عمل تھا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

و هذان الملكان أنزلا لتعليم السحر ابتلاء من الله تعالى للناس، فمن تعلم و عمل به كفر، و من تعلم و توقى عمله ثبت على الايمان، و الله تعالى أن يمتحن عباده بما شاء كما امتحن قوم طالوت بالنهر و تمييزا بينه و بين المعجزة حيث أنه كثر في ذلك الزمان، و اظهر السحرة امورًا غريبة وقع الشك بها في النبوة فبعث الله تعالى الملكين لتعليم أبواب السحر حتى يزيلا الشبه و يميطا الأذى عن الطريق قيل كان ذلك في زمن ادريس علیہ السلام (ص ۲۱۰ ج ۱ و مثله في تفسير ابن كثير ص ۱۳۷ ج ۱)

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی عالم عامل کے پاس جائے کہ مجھ کو فلسفہ قدیمہ یا جدیدہ پڑھا دیجئے تا کہ خود بھی شبہات سے محفوظ رہوں اور مخالفین کو جواب دے سکوں اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو مثلاً دھوکہ دے کر پڑھ لے پھر خود بھی تقویت باطل میں اس کا استعمال کرنے لگے اور اس احتمال کی وجہ سے اس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کرے اور اس لیے اس کو پڑھا دیا جائے۔ لیکن پھر وہ شخص درحقیقت قصداً اسی سوء استعمال محتمل میں مبتلا ہو جائے، سو ظاہر ہے کہ اس کے سوء استعمال سے اس معلم پر کوئی ملامت یا قبح عائد نہیں ہو سکتا اسی طرح اس اطلاع سحر سے ان فرشتوں پر کسی شبہ و وسوسہ کی گنجائش نہیں۔ (بیان القرآن)

جادو کے بعض اثرات:

پھر فرمایا: (فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ) (یعنی وہ لوگ ان دونوں فرشتوں سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ میاں بیوی میں جدائی کر دیتے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ جادو کے اثر سے دو محبت والوں میں بغض پیدا ہو سکتا ہے اور میل محبت والوں میں جدائی ہو سکتی ہے جادو کے ذریعہ اس زمانہ کے لوگ کیا کیا حرکتیں کرتے ہوں گے کیا کیا ایذائیں دیتے ہوں گے ان میں سے صرف ایک ایسی چیز کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی مبغوض اور شیطان کو بہت محبوب ہے اور وہ ہے میاں بیوی کے درمیان جدائی کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنی جماعتوں کو بھیجتا ہے اس کی جماعتوں کے افراد لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب ان میں سے وہ ہوتا ہے جو فتنہ ڈالنے میں سب سے بڑا ہو (فتنوں میں مبتلا کر کے اس کے نمائندے اس کے پاس آتے رہتے ہیں اور اپنا اپنا کمال ظاہر کرتے ہیں) ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کیا تو ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ان میں سے ایک آتا ہے وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص کے پیچھے اتنا لگا کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان میں نے جدائی کر دی اس کی یہ بات سن کر ابلیس اسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے کام کیا ہے۔ حضرت اعمش (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ مجھے جہاں تک یاد ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابلیس اس کو چمٹا لیتا ہے، جس نے میاں بیوی میں جدائی کرادی۔ (صحیح مسلم ص ۳۷۶ ج ۲)

جادو کا اثر باذن اللہ ہوتا ہے:

پھر فرمایا: (وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ) (یہ لوگ جادو کے ذریعہ کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر

اللہ کے حکم سے) اس میں یہ بات واضح طور پر بتادی کہ جادو کے زور سے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہی ہوتا ہے جو ظاہری اسباب لوگوں کے سامنے ہیں مثلاً آگ سے جل جانا اور چاقو چھری سے زخمی ہو جانا اور بعض مشہور دواؤں کے کھانے سے اسہال ہو جانا اور روٹی سے پیٹ بھر جانا اور پانی سے سیراب ہو جانا اس طرح کی چیزیں چونکہ روزانہ مشاہدہ میں آتی ہیں اس لیے ان کو کچھ عجیب نہیں سمجھا جاتا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو آگ نہ جلائے (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ نے کچھ اثر نہیں کیا) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو خوب زیادہ کھانے سے بھی پیٹ نہ بھرے (جیسا کہ جوع البقر کا مریض کھاتا ہی رہتا ہے اور اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور جیسا کہ استسقاء کا مریض پیتا ہی رہتا ہے مگر پیاس نہیں بجھتی) جادو کے ذریعہ جو کچھ ہوتا ہے اس کے اسباب ہوتے ہیں لیکن وہ اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں، نظروں کے سامنے نہیں ہوتے اس لیے جادو کے اثر سے ظاہر ہونے والی چیزوں کو لوگ تعجب سے دیکھتے ہیں اور کم علم اور کم فہم لوگ جادوگروں کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں اور بہت سے جاہل پیر تھوڑا بہت جادو یا مسمریزم کا کام سیکھ کر جاہلوں کو معتقد بنانے کا کاروبار بھی کر لیتے ہیں جادو کا اثر بھی جبھی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو پھر جب اللہ چاہتا ہے تو جادو کٹ بھی جاتا ہے۔ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا: (مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهُ) (تم کچھ لائے ہو وہ جادو ہے بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو نیست و نابود کر دے گا) بڑے بڑے جادوگروں کا عمل سورۃ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۃ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے۔

جادو کے اسبابِ خفیہ:

جادو کے پوشیدہ اسباب کئی طرح کے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ شیاطین سے مدد حاصل کرنے کے لیے ان کو خوش کیا جاتا ہے اور اس کے لیے کبھی ایسے الفاظ اور کلمات پڑھے جاتے ہیں جو کفر و شرک کے کلمات ہوں اور جن میں شیاطین کی تعریف کی گئی ہو اور کبھی ستاروں کی عبادت کی جاتی ہے کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت کی حالت میں رہنا اور نجاست میں ملوث رہنا اسی لیے زیادہ کامیاب جادو ان لوگوں کا ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہتے ہیں اور جو طہارت سے اور اللہ تعالیٰ کے نام سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی خبیث کاموں کی عادت ہوتی ہے، جادوگر عورتیں حیض کے زمانہ میں جادو کرتی ہیں جو زیادہ مؤثر ہوتا ہے عموماً خبیث شیاطین جادوگروں کے مدد طلب کرنے سے کام کر دیتے ہیں دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ جادوگر کے کسی کرتب سے ایسا ہو گیا۔ جس طرح فرشتے ان حضرات کی مدد کرتے ہیں جو متقی ہوں اور طہارت اور پاکیزگی کو اختیار کرتے ہوں اور بدبو اور نجاست سے دور رہتے ہوں اللہ کے ذکر اور اعمال خیر میں لگے رہتے ہوں اسی طرح شیاطین ان لوگوں کے مددگار ہوتے ہیں جو قول اور فعل اور اعتقاد کے اعتبار سے خباثت اور نجاست میں شیاطین کی طرح ہوتے ہوں۔ کیونکہ تعاون کے لیے تناسب ضروری ہے۔ (من روح المعانی ص ۳۳۸ ج ۱)

سحرۂ فرعون کا عمل:

مفسر ابن کثیر نے ابو عبداللہ رازی سے سحر کی آٹھ قسمیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے قوت خیالیہ کا اثر اور نظر بندی اور

شعبدہ اور دواؤں کا استعمال کرنا بھی ذکر کیا ہے ان میں جو شعبدہ اور ہاتھ کی صفائی یا قوت خیالیہ یا دواؤں کا استعمال ہے اس کو مجازاً جادو کہہ دیا گیا ہے نظر بندی کو بطور مثال ایسا سمجھ لیا جائے جیسے ریل میں بیٹھے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ زمین بھی ساتھ ساتھ جا رہی ہے جیسے پلیٹ فارم پر وہ گاڑی چل رہی ہو جس میں ہم بیٹھے ہیں تو نظر کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برابر کی گاڑی چل رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جو جادوگر آئے تھے ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ (یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی) (کہ ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں) یہ سورۃ طٰہٰ میں ہے اور سورۂ اعراف میں ارشاد ہے (فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ) (کہ جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے) اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ جادوگروں نے اپنے جادو سے لوگوں کی نظر بندی کر دی تھی جس کے اثر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ سمجھنے لگے اور ان کے دل میں تھوڑا سا خوف بھی آ گیا۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ: (فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی) (موسیٰ نے اپنے جی میں خوف محسوس کیا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ: (لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ وَ لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی)

معجزہ اور سحر میں فرق:

جیسا کہ پہلے ہم نے عرض کیا کہ سحر کا اثر بھی اسباب کے تحت ہوتا ہے وہ اسباب عام لوگوں کے سامنے نہیں ہوتے اور جادوگروں کو ان پوشیدہ اسباب کا پتہ ہوتا ہے۔ اب رہا حضرات انبیاء کرام کا معجزہ تو اس میں کوئی سبب ظاہر یا پوشیدہ نہیں ہوتا اس میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ شانہ کا فعل حقیقۃً مؤثر ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا ٹھنڈا ہو جانا اور موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے سے سمندر کا پھٹ جانا اور پتھر سے چشموں کا بہہ جانا۔ حضور اقدس (ﷺ) کے ایک مٹھی خاک پھینک دینے سے کافروں کی آنکھوں میں پہنچ جانا، مبارک انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا اور تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا، تھوڑے سے آٹے کی روٹیاں کئی سو آدمیوں کے لیے کافی ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کسی سبب کے تحت نہیں تھا ختم نبوت کے بعد ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا کہ اب کوئی نبی نہیں آ سکتا ہر مدعی نبوت ساحر کے کرتبوں کی عقیدت سے اسے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اوپر جو معجزہ اور سحر کا فرق ظاہر ہو گیا اس کے علاوہ دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سحر گندے اور ناپاک لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نبی طاہرین اور صالحین بندے تھے۔ اس لیے بھی دونوں میں اشتباہ نہیں ہو سکتا اور صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی جادوگر کو یہ طاقت نہیں دی کہ دریا کو پھاڑ دے، یا مردوں کو زندہ کر دے یا جمادات سے بات کرا دے اور ان کے علاوہ بھی ان میں سے کسی کو ایسی چیز پر قدرت نہیں دی جو حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے معجزات تھے۔ (ص ۳۳۹ ج ۱) نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض محققین نے سحر اور معجزہ کے درمیان یوں فرق بتایا ہے کہ معجزہ تحدی کے ساتھ ہوتا تھا یعنی صاحب نبوت کے ہاتھ پر جو کوئی معجزہ ظاہر ہوتا اس کی طرف سے نبوت کا دعویٰ ہوتا تھا اور جو معجزہ اس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ اس کے مقابلہ میں اس طرح کی چیز پیش کرنے کا چیلنج بھی کرتا تھا اور یہ صورت کسی جادوگر اور جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اللہ

تعالیٰ کی عادت مستمرہ یوں ہی رہی ہے۔ (ص ۳۲۹ ج ۱) اور اب تو محمد رسول اللہ (ﷺ) کے بعد نبوت ہی ختم ہے۔ بہتیرے جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہوئے اگر کسی نے کوئی کرتب دکھایا بھی تو شعبدہ تھا اور سب جھوٹے اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ جادوگر تحدی یعنی چیلنج نہیں کر سکتے وہ تو مقابلہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور ایک جادوگر دوسرے جادوگر کی کاٹ کر دیتا ہے اور تماشا دکھانے والے جادوگروں کو دیکھا کہ بانسری بجتے بجتے اس کی آواز ختم ہو جاتی ہے اور مجمع میں کھڑا ہوا دوسرا جادوگر اس کی آواز بند کر دیتا ہے۔ کسی نبی کے کسی معجزہ کے موافق کوئی کر کے نہیں دکھا سکا، نہ اس کی کاٹ کر سکا۔ تاریخ اس کی شاہد ہے۔

کرامت اور سحر میں فرق:

بہت سے اولیاء اللہ سے کرامت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ حسب تحقیق صوفیاء کرام اس کرامت سے تقرب الی اللہ میں اور رفع درجات کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب کرامت کو اپنی کرامت کا پتہ بھی نہیں چلتا اس لیے محقق صوفیہ کے نزدیک کرامت کی کوئی اہمیت نہیں۔ شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ معجزہ اور سحر میں فرق ظاہر ہو گیا اب نبوت باقی بھی نہیں رہی تا کہ کسی کو دھوکہ ہو سکے لیکن اولیاء اللہ تو ہوتے ہیں اور ان سے کرامت کا صدور ہونا ممکن ہے۔ پھر کرامت اور جادو میں فرق ظاہر کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ سمجھ لینا چاہئے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں سے ظاہر ہوتی ہے جو عبادت میں اور ذکر اللہ میں اور اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول رہتے ہیں۔ پاک صاف ہوتے ہیں نجاست سے بچتے ہیں۔ جنابت ہو جانے پر جلدی غسل کر لیتے ہیں اور جادو ان لوگوں کا کام ہے جو گندے اور ناپاک ہوتے ہیں جنہیں اللہ کے نام سے بیر ہوتا ہے اور جو اللہ کی عبادت سے دور بھاگتے ہیں۔ نجاست اور خباثت اور جنابت میں ملوث اور متلبس رہنا ان کا مزاج بن چکا ہوتا ہے جو شخص یہ کہے کہ میں ولی صاحب کرامت ہوں اور اس کا حال وہ ہو جو شیاطین اور اس کے دوستوں کا ہوتا ہے یعنی طاعت و عبادت اور ذکر اللہ سے دور اور نجاست و جنابت اور خباثت سے بھر پور ہو اس کے ولی ہونے کا خیال کسی مسلمان کو نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے کرتب کو کرامت کہا جا سکتا ہے۔

سحر فسق بھی ہے اور کفر بھی:

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے کلمات کفریہ ہوں مثل استعانت بہ شیاطین یا کواکب وغیرہ، تب تو کفر ہے۔ خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے۔ یا نفع پہنچایا جائے اور اگر کلمات مباح ہوں تو اگر کسی کو خلاف اذن شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے یا اور کسی غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے تو اس کو عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور وہ مباح ہے۔ البتہ لغت میں لفظ سحر اس کو بھی شامل ہے کہ ہر تصرف عجیب کو کہا جاتا ہے اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو وہ بوجہ احتمال کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے اور یہی تفصیل ہے تمام تعویذ گنڈوں اور نقش وغیرہ میں کہ غیر مفہوم نہ ہوں اور غیر مشروع نہ ہوں اور غرض ناجائز میں استعمال نہ ہوں، اتنی شرطوں سے جائز ہیں۔ ورنہ ناجائز، اور کفر عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے۔

پھر فرمایا: (وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ) (کہ وہ لوگ ایسی چیز سیکھتے تھے جو ان کو ضرر دینے والی تھی نفع

دینے والی نہ تھی) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جادو کی وجہ سے نقصان پہنچے گا۔ اگرچہ دنیا میں ذرا بہت نفع کما لیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ان کے لیے ضرر ہے کیونکہ جادو کا ضرر جادوگر کو پہنچ جاتا ہے۔ حکومت اسلام اس کو سزا دے گی اور جادوگری کی بدبختی اس کو لاحق ہوگی۔ اھ

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ (وَلَا يَنْفَعُهُمْ) ماقبل پر معطوف ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جادو خالص شر ہے اور ضرر محض ہے ایسا نہیں کہ جیسی بعض ضرر والی چیزیں نفع بھی دے جاتی ہیں۔ (جیسے زہر کا کشتہ اور وہ دوا میں مفید ہو جاتا ہے) اس لیے کہ جادوگر جادو سیکھ کر جادوگری کی باتوں سے محفوظ رہنے کا ارادہ نہیں کرتا تا کہ فی الجملہ کوئی نفع متصور ہو سکے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ سیاق آیت سے یہ ظاہر ہے کہ وہ دونوں جہان میں غیر نافع ہے کیونکہ اس کا تعلق نہ امور معاش سے ہے اور نہ معاد سے اور آیت میں جادو سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اھ

اگر کوئی شخص کبھی کوئی نفع جادو کے ذریعہ کسی مسلمان کو اس طرح کا پہنچا دے کہ مسلمانوں سے دفع ضرر کر دے تو گویا ایک نفع ہے لیکن چونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے اور عام طور پر جادوگر بے دین ہی ہوتے ہیں اس لیے عمومی طور پر جادو مطلقاً ضرر دینے والی چیز ہوئی۔ کوئی بھی جادوگر ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے جادو کے زور پر دنیا جمع کر لی ہو، جائیداد حاصل کر لی ہو یا حکومت پر قابض ہو گیا ہو۔ ان لوگوں کو ہمیشہ بدحالی میں دیکھا جاتا ہے دین اور اعمال دین سے اور طہارت اور ذکر و عبادت سے تو دور ہوتے ہی ہیں دنیاوی اعتبار سے بھی میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں رہتے ہیں۔ تماشے دکھا کر یا لوگوں کے کہنے سے دوسروں پر جادو کر کے تھوڑے بہت پیسے وصول کرنے سے زندگی گزارتے ہیں اور چند پیسوں کے لیے دوسروں پر جادو کر دیتے ہیں ان کی دنیا و آخرت کی تباہی نظروں کے سامنے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: (وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ) ''یعنی کتاب اللہ کو چھوڑ کر جو یہودی جادو کے پیچھے لگے انہیں معلوم ہے کہ جس نے جادو حاصل کیا اور کتاب اللہ کو چھوڑا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ سب جاننے کے باوجود انہوں نے جادو اختیار کر کے کفر مول لیا۔''

پھر فرمایا: (وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ) کہ انہوں نے اپنی جانوں کو جو بیچ دیا یعنی جانوں کے بدلے جادو اور کفر خرید لیا اور اپنی جانوں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے محروم کر کے مبتلائے عذاب کر دیا۔ یہ بہت برا سودا کیا۔ اگر وہ اس کو جانتے تو ایسا نہ کرتے۔ فی روح المعانی لو کانو یعلمون ای مذمومیة الشراء المذکور لامتنعوا عنه (ص ۳۴۶ ج ۱) و فی معالم التنزیل باعوا به أنفسهم (ای) حظ انفسهم حیث اختاروا السحر والکفر علی الدین والحق (ص ۱۰۲ ج ۱)۔

مفسرین نے اشکال کیا ہے کہ پہلے تو (وَلَقَدْ عَلِمُوا) فرمایا پھر (لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ) فرمایا اس میں بظاہر تعارض ہے۔ پھر اس کے دو تین جواب دیئے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ ان کا جاننا نہ جاننے کے درجہ میں ہے۔ جب ضرر جانتے ہوئے کسی چیز کو اختیار کیا اور ایمان سے منہ موڑا گویا کہ وہ جاننے کے باوجود نہیں جانتے۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے عتاب اور عذاب کو تو جانا لیکن اس کی حقیقت اور شدت کو نہیں جانا گویا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کا مفعول محذوف ہے۔

پھر فرمایا:(وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا....) یعنی یہ لوگ اگر اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاتے (جس میں خاتم النبیین (ﷺ) پر ایمان لانا بھی شامل ہے) اور کفر ومعاصی سے بچتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اس کی جزا دی جاتی۔ جو اس سے بہتر ہے۔ جس کے بدلہ انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا۔ اگر وہ جانتے ہوتے تو آخرت کے ثواب کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور خیر کی طرف بڑھتے۔ آخرت کا تھوڑا سا ثواب بھی فانی دنیا کے بہت بڑے نفع سے بھی بہتر ہے۔ باقی اور فانی کا فرق خود سمجھ لینا چاہیے۔

جادوگر کی سزا:

جادوگر کی کیا سزا ہے اس کے بارے میں تفصیل ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ومشہور ہے کہ جادوگر علی الاطلاق قتل کیا جائے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ جادوگر ہے اس کو یہ کہنا کہ میں اب سے جادو نہ کروں گا توبہ کرتا ہوں قبول نہیں کیا جائے گا۔ (ص ۳۳۹ ج ۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تکملہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ جو سحر کفر ہے اس کا اختیار کرنے والا مرد مرتد ہو جانے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور جادوگر عورت قتل نہیں کی جائے گی اس لیے کہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا (وہ ہمیشہ قید میں رہے گی الا ان تعوب) اور جو سحر فسق کے درجے میں ہو اس میں سحر کی وجہ سے قتل نہ ہوگا لیکن اگر کوئی ایسا کام ہو جس سے کسی انسان کی ہلاکت ہو گئی یا مریض ہو گیا یا میاں بیوی میں جدائی کرا دی ہو تو زمین میں فساد کرنے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور اس صورت میں ساحر اور ساحرہ دونوں قتل کئے جائیں گے کیونکہ اس کی علت ارتداد نہیں بلکہ فساد فی الارض ہے ا ھ۔ حضرت جندب بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی کھیل کر رہا ہے اس نے ایک شخص کو ذبح کر دیا اور اس کا سر جدا کر دیا پھر اس کا سر واپس جوڑ دیا۔ لوگوں نے دیکھا تو چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ حضرت جندب نے تلوار نکالی اور اس جادوگر کی گردن مار دی اور فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اپنے نفس کو زندہ کرے۔ حضرت جندب کے بارے میں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا تھا کہ: یضرب ضربۃً فیکون امۃ واحدۃ کہ یہ ایک ایسی تلوار مارے گا جس کی وجہ سے یہ تنہا ایک امت کے برابر درجہ پالے گا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۲۵۰)

چونکہ اس جادوگر کے عمل سے لوگ متاثر ہو کر یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص مردوں کو زندہ کرتا ہے اس لیے رفع فساد کی وجہ سے اس کا قتل ضروری ہوا۔

تفسیر قرطبی میں اس قصے کو اس طرح لکھا ہے کہ ولید بن عقبہ (امیر عراق) کے پاس ایک شخص رسی پر چل رہا تھا اور گدھے کے پیچھے سے اس کی دم میں داخل ہوتا تھا اور اس کے منہ سے نکل جاتا تھا۔ حضرت جندب نے اس کو قتل کر دیا۔ آنحضرت سرور عالم (ﷺ) نے فرمایا تھا کہ میری امت میں وہ شخص ہوگا جس کو جندب کہا جائے گا وہ ایک مرتبہ ایسی تلوار مارے گا جس سے حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دے گا۔ (ج ۲ ص ۴۷)

مسئلہ: اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے عمل کیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً

کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لیے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے، اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (معارف القرآن)

مسئلہ: تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں اور حرام ہیں اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا لِلنَّبِيِّ اَمْرٌ مِنَ الْمُرَاعَاةِ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لَهُ ذٰلِكَ وَهِيَ بِلُغَةِ الْيَهُوْدِ سَبٌّ مِنَ الرُّعُوْنَةِ فَسُرُّوْا بِذٰلِكَ وَخَاطَبُوْا بِهَا النَّبِيَّ فَنُهِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ عَنْهَا وَقُوْلُوْا بَدَلَهَا انْظُرْنَا اَيْ اُنْظُرْ اِلَيْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهِ سَمَاعَ قَبُوْلٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مُؤْلِمٌ هُوَ النَّارُ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الْعَرَبِ عَطْفٌ عَلٰى اَهْلِ الْكِتٰبِ وَمِنْ لِلْبَيَانِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ زَائِدَةٌ خَيْرٍ وَحْيٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ حَسَدًا لَكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ نُبُوَّتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَمَّا طَعَنَ الْكُفَّارُ فِي النَّسْخِ وَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا يَأْمُرُ اَصْحَابَهُ الْيَوْمَ بِاَمْرٍ وَيَنْهٰى عَنْهُ غَدًا نَزَلَ مَا شَرْطِيَّةٌ نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَيْ نُزِلْ حُكْمَهَا اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا اَوْ لَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ النُّوْنِ مِنْ اَنْسَخَ اَيْ نَأْمُرُكَ اَوْ جِبْرَئِيْلَ بِنَسْخِهَا اَوْ نُنْسِهَا نُؤَخِّرْهَا فَلَا نُزِلْ حُكْمَهَا وَنَرْفَعْ تِلَاوَتَهَا اَوْ نُؤَخِّرْهَا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَا هَمْزَةٍ مِنَ النِّسْيَانِ اَيْ نُنْسِكَهَا وَنَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَنْفَعَ لِلْعِبَادِ فِي السُّهُوْلَةِ اَوْ كَثْرَةِ الْاَجْرِ اَوْ مِثْلِهَا ۭ فِي التَّكْلِيْفِ وَالثَّوَابِ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمِنْهُ النَّسْخُ وَالتَّبْدِيْلُ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَفْعَلُ فِيْهِمَا مَا يَشَاءُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ مِنْ زَائِدَةٌ وَّلِيٍّ يَحْفَظُكُمْ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ يَمْنَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ اِنْ اَتَاكُمْ وَنَزَلَ لَمَّا سَاَلَهُ اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يُوَسِّعَهَا وَيَجْعَلَ الصَّفَا ذَهَبًا اَمْ بَلْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔــلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى اَيْ سَاَلَهُ قَوْمُهُ مِنْ قَبْلُ ۭ مِنْ قَوْلِهِمْ اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ اَيْ يَاْخُذْهُ بَدَلَهُ بِتَرْكِ النَّظَرِ فِي الْاٰيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَاقْتِرَاحِ غَيْرِهَا فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ اَخْطَاَ طَرِيْقَ الْحَقِّ وَالسَّوَاءُ فِي الْاَصْلِ

مُفْعُولٌ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مَفْعُوْلٌ

لَهٗ كَائِنًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ اَیْ حَمَلَتْهُمْ عَلَيْهِ اَنْفُسُهُمُ الْخَبِيْثَةُ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ فِی التَّوْرٰةِ

الْحَقُّ ۚ فِی شَانِ النَّبِیِّ فَاعْفُوْا عَنْهُمْ اَیْ اُتْرُكُوْهُمْ وَ اصْفَحُوْا اَعْرِضُوْا فَلَا تُجَازُوْهُمْ حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ

بِاَمْرِهٖ ۭ فِيْهِمْ مِنَ الْقِتَالِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَ مَا تُقَدِّمُوْا

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ طَاعَةٍ كَصَلٰوةٍ وَّ صَدَقَةٍ تَجِدُوْهُ اَیْ ثَوَابَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بَصِيْرٌ ۝ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا جَمْعُ هَائِدٍ اَوْ نَصٰرٰى ۭ قَالَ

ذٰلِكَ يَهُوْدُ الْمَدِيْنَةِ وَ نَصٰرٰى نَجْرَانَ لَمَّا تَنَاظَرُوْا بَيْنَ يَدَیِ النَّبِیِّ صلعم اَیْ قَالَ الْيَهُوْدُ لَنْ يَّدْخُلَهَا اِلَّا

الْيَهُوْدُ وَقَالَ النَّصَارٰى لَنْ يَّدْخُلَهَا اِلَّا النَّصٰرٰى تِلْكَ الْمَقُوْلَةُ اَمَانِيُّهُمْ ۭ شَهَوَاتُهُمُ الْبَاطِلَةُ قُلْ لَهُمْ

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ حُجَّتَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فِيْهِ بَلٰى ۚ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ غَيْرُهُمْ مَنْ

اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ اَیْ اِنْقَادَ لِاَمْرِهٖ وَخَصَّ الْوَجْهَ لِاَنَّهٗ اَشْرَفُ الْاَعْضَاءِ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى وَ هُوَ مُحْسِنٌ مُوَحِّدٌ

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ اَیْ ثَوَابُ عَمَلِهِ الْجَنَّةُ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ فِی الْاٰخِرَةِ

ع ۹/۱۳

ترجمہ: اے ایمان والو! تم مت کہو رَاعِنَا (نبی کریم ﷺ سے، لفظ راع امر کا صیغہ ہے مراعاۃ سے مشتق ہے اور وہ راعنا یہود کی زبان میں ایک گالی ہے جو رعونت وسرکشی سے ماخوذ ہے چنانچہ یہ یہود اس لفظ کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ کو مخاطب بناتے اور خوش ہوتے اس لیے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کر دیا گیا) اور کہا کرو (اس رَاعِنَا کے بدلے) اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم فرمایئے) اور سنا کرو (جو تم کو حکم دیا جا رہا ہے قبولیت کے کان سے) اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے (الیم بمعنی مولم دکھ دینے والا مراد جہنم ہے) پسند نہیں کرتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب میں سے اور نہ جو مشرک ہیں، عرب کے (مشرکین کا عطف اہل کتاب پر ہے اور من بیانیہ ہے) اس بات کو کہ اتار دی جائے تم پر (من خیر میں من زائد ہے) کوئی نیک بات (وحی) تمہارے پروردگار کی طرف سے (تم سے حسد کرنے کی وجہ سے) اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت (نبوت) کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ مفسر عالم آیت کی تفسیر سے پہلے شان نزول بیان کر رہے ہیں۔ ونزل لما سالہ اھل مکۃ الخ اور جب اہل مکہ (قریش) نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مکہ کو وسیع کر دیں (مکہ کے دونوں پہاڑوں کو دور کر کے) اور کوہ صفا کو سونا بنا دیجئے اس پر ذیل کی آیت نازل ہوئی۔ کیا (ام بمعنی ہل یعنی ہلکہ ہے) تم یہ چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال کئے جا چکے ہیں موسیٰ سے (یعنی موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے سوال کیا) اس سے پہلے (یعنی قوم موسیٰ بنی اسرائیل کا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً وغیرہ کہنا) اور جو کوئی کفر کو بدل لے ایمان سے (یعنی

کفر اختیار کرلے ایمان کے بدلے آیات بینات میں شک کر چھوڑ کر اور ان آیات کے علاوہ کی تلاش وکھوج میں لگ کر) تو بلاشبہ وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے (راہ حق سے خطا کر گیا، اور لفظ سواء دراصل وسط کے معنی میں آتا ہے) دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ (لو مصدر یہ ہے) تم کو لوٹا کر بنا دیں کافر مؤمن ہونے کے بعد حسد کی وجہ سے (حسدا مفعول لہ ہے) جو خود ان کے نفسوں سے پیدا ہوا ہے (یعنی اس حسد پر ان کا نفس آمادہ کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہاری جانب سے حسد کا کوئی سبب نہیں ہوا بلکہ محض طبعی اور جبلی حسد ہے) بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ان پر (توریت میں) حق (نبی کریم ﷺ کی شان میں) سو معاف کرو (ان کو چھوڑو) اور درگزر کرو (یعنی اعراض کرو، خیال میں نہ لاؤ اور ان سے بدلہ نہ لو) یہاں تک کہ بھیج دے اللہ اپنا حکم (یعنی ان کے بارے میں قتال کا حکم) بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے لیے نیکی (عبادت جیسے نماز ہے، صدقہ ہے) تو پاؤ گے اس کو (یعنی اس کا ثواب اللہ کے نزدیک) بیشک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جو کچھ کرتے ہو (چنانچہ تم کو اس کا بدلہ دے گا) اور کہتے ہیں (اہل کتاب) کہ ہرگز نہیں داخل ہوگا جنت میں کوئی مگر جو ہوں گے یہودی (ہود جمع ہے ہائد کی) یا نصرانی (مدینہ کے یہود اور نجران کے نصاریٰ کے درمیان نبی اکرم ﷺ کے سامنے مناظرہ ہوا تو یہ کہا یعنی یہود نے کہا کہ جنت میں سوائے یہود کے کوئی نہیں جائے گا اور نصرانیوں کے علاوہ جنت میں کوئی نہیں ہو گا) یہ (باتیں) ان کی بے اصل آرزوئیں ہیں (ان کی بے بنیاد خواہشات ہیں) آپ فرما دیجئے (ان سے) پیش کرو اپنی دلیل (یعنی اس دعویٰ پر تم اپنی دلیل لاؤ) اگر تم سچے ہو (اس دعویٰ میں) بلکہ (ان کے علاوہ دوسرے لوگ جنت میں جائیں گے) جس نے جھکا دیا اپنا رخ اللہ کی طرف (یعنی اللہ کے حکم کا تابع ہو گیا اور لفظ جگہ کو ذکر میں اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ تمام اعضاء میں اشرف ہے تو جس نے اس کو اللہ کے سامنے جھکا دیا تو اس کے علاوہ دوسرے اعضاء کو بطریق اولیٰ جھکا دے گا) درانحالیکہ وہ نیکوکار ہو (یعنی موحد ہو) تو اس کے لئے اس کا ثواب ہے اس کے پروردگار کے پاس (یعنی اس کے عمل کا بدلہ جنت ہے) اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (آخرت میں ان کو نہ خوف ہوگا نہ غم)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَمْرٌ مِنَ الْمُرَاعَاةِ: یعنی ہمارا انتظار کرو یہ صفت نہیں جو رعویت سے مشتق ہے۔

قوله: اُنْظُرْ اِلَيْنَا: اس میں حذف وایصال ہے۔

قوله: مَاتُؤْمَرُوْنَ: اُنْظُرْنَا کے قرینہ سے مفعول مقدر ہے۔ یہ بمنزلہ لازم نہیں۔

قوله: سِمَاعَ قُبُوْلٍ: یعنی سماع سے مراد فقط سماع نہ تھا بلکہ قبول وطاعت مراد تھی۔ اس سے یہود کے قول سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا پر تعریض کی گئی ہے۔

قوله: مُؤْلِمٌ: یہ صیغہ مفعول ہے۔ اس کے ساتھ هُوَ النَّارُ کا لفظ لا کر عذاب دنیا سے احتراز مقصود ہے۔

قوله: مِنَ الْعَرَبِ: یہ قید اس لیے بڑھائی تا کہ عطف الشئ علیٰ نفسہ لازم نہ آئے کیونکہ اہل کتاب بھی شرک میں مبتلا تھے۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰى اَهْلِ الْكِتٰبِ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا پر نہیں جیسا کہ ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے۔

قوله: مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ: مِنْ بیان کے لیے ہے، تبعیض کے لیے نہیں جب مِنْ بیانیہ ہو مبین و بیان ایک ہی حکم کے تابع ہوتے ہیں، بین پر حرف نفی بیان کے لیے کافی ہو جائے گا۔

قوله: مِنْ زَائِدَةٌ: اس سے حاصل ہونے والے فائدہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ استغراق تاکید کے لیے آیا ہے۔

قوله: وَحْيٍ: خیر اگر چہ عام ہے مگر یہ اَنْ يُّنَزَّلَ تنزیل سے ہے جو تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً اتارنے کے لیے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خیر سے وحی ہی مراد ہے نہ کہ مطلق خیر۔

قوله: حَسَدًا لَكُمْ: وَدّ یہاں تمنی مع المحبۃ ہے کہ ایک تو قصد مراد لیا جائے اور دوسرا اتباعاً کیونکہ اشتراک تو اصل کے اصل کے خلاف ہے۔ حسد تو تمنائے خیر کے منافی ہے اور محبت تمنائے خیر کو جمع کرنے والی ہے۔

قوله: اَنْ يُّنَزَّلَ: یہ یود کا مفعول ہے اور من زائدہ استغراق کے لیے آیا ہے اور رَحْمَتِهٖ اگر چہ عام ہے مگر اَنْ يُّنَزَّلَ کے قرینہ سے نبوت مراد لی گئی ہے۔

قوله: مَا شَرْطِيَّةٌ: مَا نَنْسَخْ کا مفعول ہے، موصولہ نہیں کہ صلہ میں ضمیر کی احتیاج ہو اور ننسخ و نأت کو جزم بھی اسی مانے دیا ہے، فتدبر

قوله: نُزِلُ حُكْمَهَا: یہ مِنْ اٰيَةٍ کی صفت ہے۔ اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا یہ نَنْسَخْ کے متعلق ہے، نُزِلُ کے متعلق نہیں۔ پس اس طرح نَاْمُرُكَ کے اول محذوف اور وہ ضمیر ك ہے اور جبرئیل، جبرائیل کا عطف کاف پر ہے۔

قوله: نُؤَخِّرْهَا: یہ معنی اس وقت ہوگا جب یہ نساء بمعنی نسیہ و تاخر (مؤخر کیا) نزول کا مؤخر کرنے کا تعلق آیت ناسخہ سے ہے۔ آیت سے حاصل یہ ہوا منسوخہ کو انزال ناسخہ سے اٹھایا جاتا ہے اور ناسخہ کی تاخیر انزال منسوخہ سے ہوئی اور ہر ایک مصلحت الیہ متضمن ہے۔ فتدبر هذا احسن۔

قوله: وَنَرْفَعُ تِلَاوَتَهَا: یعنی نہ وہ تلاوت میں رہتا ہے اور نہ ذہن میں رہتا ہے۔

قوله: نُنْسِهَا: یہ انساء سے دو مفعول کے ساتھ آیا ہے۔ اول ضمیر مخاطب، دوسرا ضمیر آیت یہ معروف متکلم کا صیغہ ہے۔ آگے نَمْحُهَا سے اسی کی تفسیر فرمائی ہے۔

قوله: وَجَوَابُ الشَّرْطِ: سے اشارہ کیا نَاْتِ جواب شرط کی وجہ سے مجزوم ہے اور بمنزلہ عطف بیان ہے۔

قوله: اَنْفَعَ لِلْعِبَادِ: بعض اوقات عدم حکم اور بھاری حکم نفع و ثواب اور سہولت، کثرت اجر میں بندوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو اور اس سے یہ اشارہ بھی کر دیا کہ خیر کا موصوف حکم اور عدم حکم دونوں ہو سکتا ہے۔

قوله: فِي التَّكْلِيْفِ: اس سے صرف جہت مثلیت کو بیان کیا ہے کہ خواہ وہ تکلیف میں مماثل ہو یا ثواب یا دونوں میں۔

قوله: وَمِنْهُ النَّسْخُ وَالتَّبْدِيْلُ: اس کے ذریعہ ماقبل سے ربط کو بیان کیا اور یہ اشارہ بھی کر دیا کہ فاصلہ کمال اتصال کے لیے ہے۔

قوله: بِمَنْزِلَةِ: اس میں اَلَمْ تَعْلَمْ کی طرف اشارہ ہے جو اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ کے بمنزلہ دلیل ہے، اسی وجہ سے عطف چھوڑ دیا۔

قوله: غَیْرِہٖ: اشارہ کیا یہاں دُوْنِ قریب کے معنی میں نہیں بلکہ غیر کے معنی میں ہے۔

قوله: مِنْ زَائِدَةٌ: ہے تبعیض کے لیے نہیں کہ کسی غیر اللہ کو اختیار کا شبہ ہو۔

قوله: یَحْفَظُکُمْ: اس سے وَلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ کے فرق کی طرف اشارہ فرمایا کہ وَلِيٍّ وہ ہے جو عذاب سے حفاظت کرے اور نَصِيْرٍ وہ ہے جو اترنے کے بعد اس کو روک دے۔

قوله: بَلْ تُرِيْدُوْنَ: اَمْ یہ بَلْ کے معنی میں منقطعہ ہے نہ کہ متصلہ۔ تبھی اس کے بعد جملہ آیا ہے۔

قوله: اَیْ یَاْخُذُہٗ بَدَلَہٗ: یعنی با کا مدخول مبدل منہ ہے، بدل نہیں۔

قوله: بِتَرْکِ النَّظَرِ: اس سے اشارہ کیا کہ ایمان سے فطری ایمان مراد ہے جو ہر بچے کو حاصل ہے۔

قوله: اَخْطَاَ: سے اشارہ کیا کہ ضل یہاں اضل متعدی کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے سَوَآءَ سے اس کو متعدی کیا۔

قوله: طَرِیْقَ الْحَقِّ: یعنی حق کے اوسط ترین راستہ سے وہ ہٹ گئے۔ لَوْ یہاں مصدر یہ ہے کیونکہ شرطیہ کا معنی یہاں درست نہیں بیٹھتا۔

قوله: مَفْعُوْلٌ لَهٗ: یعنی حَسَدًا یہ وَدَّ کا مفعول لہ ہے نہ کہ یَرُدُّوْنَكُمْ کیونکہ وہ مطلق ارتداد کو چاہتے ہیں اور یہ كُفَّارًا کی صفت بھی نہیں۔

قوله: کَائِنًا: یہ مقدر نکال کر بتایا کہ جار مجرور کا تعلق حَسَدًا سے ہے وَدَّ سے نہیں اور وہ حسد ان کے نفوس کے اندر سے ابھرنے والا ہے اور اس حسد پر ان کے اپنے نفوس ابھارنے والے تھے۔ حَمَلَتْهُمْ میں اَنْفُسِ کی طرف حسد کی نسبت کا فائدہ بتایا گیا ہے۔

قوله: اَعْرِضُوْا: اس سے عفو و صفح کے فرق کی طرف اشارہ کیا: (۱) عفو: سزا سے درگزر کر لینا۔ (۲) صفح: کسی کی غلطی سے اعراض کر لینا اور تعرض نہ کرنا۔

قوله: فِيْهِمْ مِنَ الْقِتَالِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مراد امر من الامور ہے ورنہ حقیقت و مجاز کا جمع لازم آتا ہے۔

قوله: طَاعَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یہ ایمان والوں کے ساتھ وعدہ ہے کیونکہ یہ وَمَا تُقَدِّمُوْا کا ذیلی مضمون ہے، اسی وجہ سے عطف نہیں کیا گیا۔

قوله: ثَوَابَهٗ: نفس عمل نہیں بلکہ اس کا ثواب پائے گا۔

قوله: فَیُجَازِیْکُمْ: اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا کہ بصیر سے مطلق عالم مراد ہے۔ دوسری بات اللہ تعالیٰ کے لیے وصف بصر کا فائدہ یہ ہوگا کہ سب کو بدلہ عنایت فرمائے گا۔

قوله: هُوْدًا: یہ هَائِدٌ کی جمع ہے اور اسم کا مفرد آنا مَنْ کے لفظ کے لحاظ سے ہے اور خبر کا جمع آنا معنی کے لحاظ سے ہے۔

قوله: قَالَ ذٰلِکَ یَهُوْدُ: دونوں کے قول کو لپیٹ کر سامع کے اعتماد پر بیان کر دیا کیونکہ ہر ایک کا دوسرے کی تردید کرنا اظہر

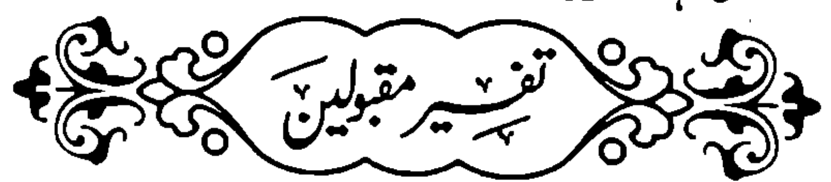
من الشمس ہے۔ جیسا فرمایا: وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۖ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۔۔۔۔

قوله: شهواتهم :اس سے اشارہ کر دیا کہ امانی کا اطلاق ان کے مقولے پر مجازی ہے، ان کے مقولے یہ تھے: وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۔۔۔۔۔ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔۔۔ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۔۔۔۔۔

قوله: يدخل :اس سے اشارہ کیا کہ بَلٰى اس کو ثابت کرتا ہے جس کی وہ نفی کرتے ہیں اسی وجہ سے عطف نہیں کیا گیا اور یہ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۖ يَاهَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ سے بھی متعلق ہے۔

قوله: وَجْهَهٗ لِلّٰهِ :وجہ بول کر ذات مراد ہے اور مراد اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ہے۔ هُوَ مُحْسِنٌ کہہ کر اشارہ کیا کہ اتقیاء اعمال کے ساتھ توحید میں احسان بھی لازم ہے۔

قوله: ثواب عمله: کہہ کر اضافت اجر کا مطلب بیان کر دیا کہ وہ ثواب عمل ہے اور الْجَنَّة کی قید لگا کر بتلا دیا کہ آخرت کا اجر تو فقط مؤمن ہی کے ساتھ خاص ہے جو کہ وہیں ملے گا۔



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ۔۔۔۔

رَاعِنَا کہنے کی ممانعت اور یہود کی شرارت:

یہودیوں کی بہت سی شرارتوں میں سے ایک یہ بات تھی کہ آنحضرت سرور عالم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو لفظ راعنا کہتے تھے۔ یہ عربی زبان کا لفظ بھی ہے اور عبرانی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجیے اور عبرانی زبان میں یہ لفظ بد دعا کے معنی میں ہے۔ یہ لوگ شرارت سے اور بد دعا دینے کی نیت سے اس لفظ کو استعمال کرتے تھے تاکہ حضور اقدس (ﷺ) اور دوسرے سننے والے یہ سمجھیں کہ یہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری رعایت فرمایئے اور ہماری طرف توجہ فرمایئے اور اندر سے دل میں برے معنی کی نیت کرتے تھے۔ سورۃ نساء میں فرمایا: (وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ) مسلمان عربی زبان کے اعتبار سے راعنا یا محمد کہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہودیوں کی زبان جانتے تھے انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہودی راعنا یا محمد کہتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو میں گردن مار دوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو کہتے ہو اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی کہ اے مسلمانو! تم راعنا نہ کہو۔ اس کے بجائے لفظ اُنْظُرْنَا کہو اس کا معنی بھی وہی ہے کہ ہماری طرف دیکھئے اور توجہ فرمایئے۔ لہٰذا وہ لفظ بولنا چاہیے جس کے معنی میں دوسرے معنی کا اشتباہ نہ ہو سکے اور یہودی یہ نہ کہہ سکیں کہ تم بھی لفظ راعنا بولتے ہو تو ہم نے بھی بول دیا۔ مسلمانوں

سے خطاب ہوا کہ تم بات کو سنو اور اطاعت کرو اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کے لیے عذاب الیم ہے وہ آخرت میں اپنی حرکتوں کی دردناک سزا پالیں گے۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۲ ج ۱)

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل خود اس کے حق میں مباح نہیں رہتا جیسے مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلاف شرع کام کرنے لگے تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہوگا تو خود اس عالم کے لیے بھی منع ہو جائے گا۔

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا سے استنباط احکام:

اور ابوبکر جصاص احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ جس لفظ میں احتمال خیر وشر دونوں کا ہو اس کا بولنا جائز نہیں جب تک کوئی ایسی چیز اس کے ساتھ نہ ملالی جائے جس سے وہ خیر ہی کے لیے متعین ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی ہنسی کرنا، مذاق اڑانا ممنوع ہے اور ہر وہ لفظ ممنوع ہے جس میں احتمال مذاق اڑانے کا ہو (چونکہ یہودی لفظ راعنا کہہ کر ہنستے تھے اور مذاق بناتے تھے اس لیے جصاص نے اس آیت کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے)۔

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا قول میں بھی اور فعل میں بھی۔ اس کے بعد مسند احمد اور سنن ابی داؤد سے حدیث نقل کی ہے: ((من تشبه بقوم فهو منهم)) (کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ کافروں کے ساتھ ان کے اقوال اور افعال اور لباس اور تہوار اور عبادات وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا سخت ممنوع ہے، اور مشابہت کرنے والوں کے لیے تہدید اور وعید ہے۔ (ص ۱٤۸ ج ۱)

متعدد احادیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ خطاب اور گفتگو میں اچھے الفاظ استعمال کیے جائیں اور ان الفاظ سے بچیں جو برے اور نامناسب معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کسی کو ملک الاملاک یعنی شہنشاہ کہنے سے منع فرمایا۔ (کیونکہ سب بادشاہوں کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے) ایک لڑکی کا نام عاصیہ (گنہگار) تھا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام اور باندی کو عبدی اور امتی نہ کہے۔ تم سب اللہ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ عَبْدِیْ اور اَمَتِیْ کی بجائے غُلَامِیْ اور جَارِیَتِیْ کہا جائے۔ (یہ سب احادیث مشکوٰۃ المصابیح باب الاسامی میں مذکور ہیں)

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا....

نسخ آیات کی حکمت:

قرآن مجید کے بعض احکام اللہ تعالیٰ منسوخ فرما دیتے تھے۔ کبھی ایک حکم دیا پھر اس سے منع فرما دیا اور اس کے خلاف حکم دے دیا کبھی ایک حکم کے بجائے دوسرا حکم نازل فرما دیا اس کو دیکھ کر مشرکین نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج ایک بات کہتے ہیں اور کل کو اس سے رجوع کر لیتے ہیں، اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہوتا تو اس میں منسوخیت والی بات کیوں ہوتی معلوم ہوا

کہ یہ سب کچھ محمد (ﷺ) اپنے پاس سے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ سورۂ نحل میں ان دشمنوں کی بات کو اس طرح بیان فرمایا:۔

(وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ) ''اور جب ہم کسی آیت کو ایک آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو وہ لوگ کہتے کہ بس تو افتراء ہی کرنے والا ہے۔''

اللہ جل شانہ نے اس آیت شریفہ میں ان کی جہالت والی بات کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ منسوخ کرنے میں حکمت ہوتی ہے اور بندوں کا اس میں فائدہ ہوتا ہے یا تو ان کے لیے دوسرا حکم انفع اور اسہل ہوتا ہے یا اس میں منفعت اور ثواب پہلی جیسی آیت کی طرح ہوتا ہے۔ سخت حکم کو آسان کر دیا گیا تو بندوں کے لیے یہ بھی بہتر ہے کہ اس میں عمل کے لیے آسانی ہوگئی اور اگر آسانی کی بجائے کوئی سخت حکم آ گیا تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ عمل جس قدر مشکل ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔

منسوخ ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ عبارت قرآنیہ باقی رہے اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں۔ جیسے عورت کے لیے شوہر کی وفات پر عدت ایک سال تک رکھی گئی تھی بعد میں چار مہینے دس دن کر دی گئی اور جس آیت میں ایک سال کا ذکر ہے وہ بھی مصحف میں باقی ہے۔ (مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ) اور نسخ کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی رہے۔ اس کو منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں۔ اس کی مثال میں آیت رجم کو پیش کیا جاتا ہے اور منسوخ کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہو جائے اور اس کی جگہ دوسرا حکم آ جائے جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا منسوخ کیا گیا اور اس کی بجائے نماز میں استقبال کعبہ کا حکم ہوا اور جیسے پہلے اقارب کے لیے وصیت کرنا واجب تھا پھر وہ آیت میراث سے منسوخ ہوئی اور بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں امر اول منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرا حکم نافذ نہیں کیا گیا جیسے سورۂ ممتحنہ میں (اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ) منسوخ کر دیا گیا اور اس کے بجائے دوسرا حکم نازل نہیں ہوا۔ نَنْسَخْ کے ساتھ نُنْسِهَا بھی فرمایا جس کا ترجمہ بھلا دینے کا ہے۔ بعض آیات ایسی تھیں جن کو بالکل ہی مصاحف سے اور ذہنوں سے بھلا دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ جتنی تھی۔ اس کا اکثر حصہ اٹھا لیا گیا نہ تلاوت باقی رہی نہ حکم باقی رہا۔ درمنثور ص ۱۰۵ ج ۱ میں ہے کہ حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک رات ایک صحابی تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے انہیں ایک سورت یاد تھی۔ انہوں نے اسے نماز میں پڑھنا چاہا تو (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) کے علاوہ کچھ نہ پڑھ سکے اور اس رات میں چند صحابہ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا صبح کو جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورت گزشتہ رات منسوخ ہوگئی جو لوگوں کے سینوں سے اور ہر اس جگہ سے محو کر دی گئی جہاں جہاں لکھی ہوئی تھی۔

واما علی قراءۃ ننسأها بفتح النون الاول و فتح السین مهموزا فمعناه نؤخرها فلا نبدلها أو نرفع تلاوتها و نؤخر حكمها أو نؤخرها و نتركها في اللوح المحفوظ فلا ننزل (معالم التنزیل ص ۱۰۴ ج ۱)

پھر فرمایا کہ اے مخاطب کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسے حکم باقی رکھنے پر بھی قدرت ہے منسوخ کرنے پر بھی قدرت ہے ذہنوں سے بھلا دینے پر بھی قدرت ہے۔ وہ حکمت کے مطابق جو چاہے کرے جس حکم کو چاہے باقی رکھے جس کو چاہے منسوخ فرمائے۔ کسی کو کیا اعتراض ہے اگر کوئی اللہ پر اعتراض کرے گا تو اس کی سزا بھگت لے گا آسمان و زمین میں اسی کی بادشاہت ہے جب وہ کافروں پر عذاب بھیجے گا تو ان کو کوئی یار اور مددگار اور دوست اور رشتہ دار اور کارساز نہیں ملے گا۔

قال ابن كثير يرشد عباده تعالى بهذا الى أنه المتصرف فى خلقه بما يشاء فله الخلق والأمروهو المتصرف فكما خلقهم كما يشاء يسعد من يشآء و يشقى من يشاء و يصحح من يشاء و يمرض من يشاء و يو فق من يشاء ويخذل من يشاء كذالك يحكم فى عباده بمايشاء فيحل مايشا و يحرم مايشاء ويبيع مايشاء ويحرم مايشاء وهو الذى يحكم مايريد لا معقب لحكمه ولا يسئل عما يفعل وهم يسئلون ويختبر عباده و طاعتهم لرسله بالنسخ فيامر بالشىء لما فيه من المصلحة التى يعلمها تعالى ثم ينهى عنه لما يعلمه تعالى فالطاعة كل الطاعة فى امتثال أمره و اتباع رسله فى تصديق ما أخبروا و امتثال ما أسروا و ترك ماعنه زجروا .(ص ۱۵۰ ج ۱)

نسخ کے مفہوم میں متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحوں میں فرق:

چونکہ نسخ کے اصطلاحی معنی تبدیل حکم کے ہیں اور یہ تبدیلی جس طرح ایک حکم کو بالکلیہ منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم لانے میں ہے جیسے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا دینا اسی طرح کسی مطلق یا عام حکم میں کسی قید وشرط کو بڑھا دینا بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے اسلاف امت نے نسخ کو اسی عام معنی میں استعمال فرمایا ہے جس میں کسی حکم کی پوری تبدیلی بھی داخل ہے اور جزوی تبدیلی قید وشرط یا استثناء وغیرہ کی بھی اس میں شامل ہے اسی لئے متقدمین حضرات کے نزدیک قرآن میں آیات منسوخہ پانسو تک شمار کی گئی ہیں،

حضرات متاخرین نے صرف اس تبدیلی کا نام نسخ رکھا ہے جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہو سکے ظاہر ہے کہ اس اصطلاح کے مطابق آیات منسوخہ کی تعداد بہت گھٹ جائے گی، اسی کا لازمی اثر یہ تھا کہ متقدمین نے تقریباً پانسو آیات قرآنی میں نسخ ثابت کیا تھا جس میں معمولی سی تبدیلی قید وشرط یا استثناء وغیرہ کو بھی شامل کیا تھا اور حضرات متاخرین میں علامہ سیوطی نے صرف بیس آیتوں کو منسوخ قرار دیا ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر کے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ فرمایا ہے جن میں کوئی تطبیق بغیر تاویل بعید کے نہیں ہو سکتی یہ امر اس لحاظ سے مستحسن ہے کہ احکام میں اصل بقاء حکم ہے نسخ خلاف اصل ہے اس لئے جہاں آیت کے معمول بہا ہونے کی کوئی توجیہ ہو سکتی ہے اس میں بلا ضرورت نسخ ماننا درست نہیں۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ....

یعنی ادھر تو اللہ کی قدرت وملکیت سب پر شامل ادھر اس کی اپنے بندوں پر اعلیٰ درجہ کی عنایت، تو اب مصالح اور منافع بندوں کی اطلاع اور ان پر قدرت کس کو ہوسکتی ہے اور اس کے برابر بندوں کی خیر خواہی کون کرسکتا ہے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ....

بعض یہود نے حضور (ﷺ) کی خدمت میں عناداً عرض کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر ایک ہی دفعہ توراۃ نازل ہوئی اسی طرح آپ قرآن مجموعی طور پر لائیے اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ) ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول (وقت) سے (بیجا بیجا) درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل (تمہارے بزرگوں کی طرف سے حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے بھی (ایسی ایسی) درخواستیں کی جا چکی ہیں (مثلاً خدا تعالیٰ کو علانیہ دیکھنے کی درخواست کی تھی اور ایسی درخواستیں جن میں صرف رسول اللہ (ﷺ) پر اعتراض کرنا اور مصالح الٰہیہ میں مزاحمت کرنا ہی مقصود ہو اور ایمان لانے کا پھر بھی ارادہ نہ ہو نری کفر کی باتیں ہیں اور) جو شخص ایمان لانے کی بجائے کفر (کی باتیں) کرے بلا شک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا۔

فائدہ: اس درخواست کو بیجا اس لئے فرمایا کہ ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں جدا جدا ہوتی ہیں بندے کو اس میں تعیین طریق کا کیا حق ہے کہ وہ کہے کہ یہ بات اس طرح ہو یہ اس طرح ہو اس کا کام تو بس یہ ہونا چاہئے کہ جو حکم ملے اس کو بلا چوں وچرا بجالائے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ...

اہل کتاب کی دلی خواہش وتمنا:

اے مسلمانو! یہ یہود قرآن اور دین میں طرح طرح کے شبہات نکالتے ہیں کبھی نسخ احکام پر اعتراض کرتے ہیں اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر اہل کتاب کی دلی خواہش اور تمنا یہ ہے کہ کسی طرح تم کو ایمان سے پھیر کر کافر بنا دیں کہ اہل کتاب کی طرح تم بھی جدید حکم کا انکار کردو اور اپنے نبی پر یہ اعتراض کرو کہ تم نے پہلے تو یہ حکم دیا تھا اور اب یہ دوسرا حکم اس کے خلاف کیسا؟ اور اس غرض فاسد کا کوئی محرک اور باعث تمہاری جانب سے وقوع میں نہیں آیا بلا وجہ محض حسد کی بناء پر کہ جو خود ان کے ناپاک اور گندے نفسوں سے پیدا ہوا ہے اور پھر تعجب یہ ہے کہ ان کی یہ کوشش اور یہ حسد کسی شک اور شبہ کی بناء پر نہیں بلکہ بعد اس کے ہے کہ حق ان کو خوب واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین اور ان کی کتاب اور ان کا رسول سب سچے ہیں۔ نیز ان کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ ہر شریعت میں علیٰ اختلاف المصالح احکام بدلتے رہتے ہیں۔ بقرہ ہی کے قصہ میں دیکھ لو کہ کتنی مرتبہ نسخ ہوا۔ تم ان کی باتوں کا خیال مت کرو۔ یہ حسد میں مبتلا ہیں خدا کا شکر کرو کہ تم حاسد نہیں محسود ہو۔ پس تم ان حاسدوں سے معاف کرو اور درگزر کرو۔ یعنی زبان سے بھی ان کو کچھ برا بھلا نہ کہو اور فی الحال ان سے کوئی جنگ وجدال اور قتل وقتال نہ کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جہاد وقتال اور جزیہ کا حکم نازل فرمائے اور جہاد وقتال کے حکم میں تاخیر عاجز ہونے کی بناء پر نہیں بلکہ فی الحال بھی قادر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے لیکن اس تاخیر میں کچھ حکمتیں ہیں وہ قادر وتوانا جب چاہے گا ضعیف کو قوی پر غالب کردیگا اور اگر تم کو

اپنے ان دشمنان ایمان سے جہاد کا شوق ہے تو جہاد بالسیف کا حکم آنے سے پہلے جہاد نفس میں مشغول رہو۔

اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ کو دیتے رہو۔ یہ عبادت مالی اور بدنی نفس پر بہت شاق اور گراں ہے۔ بس اس جانی و مالی جہاد میں لگے رہو اور نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ جو نیکی اور بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے تمام جمع شدہ ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پاؤ گے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمہارا کوئی عمل ضائع ہو جائے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہے۔ اس عمل کی کمیت اور کیفیت اور تمہارا اخلاص اور شوق اور نیت سب اس کے نظروں کے سامنے ہے۔

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ ....

شیطان صفت مغرور یہودی:

یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا سورۃ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہوگا؟ اسی طرح کے مفہوم کا بیان پہلے بھی گزر رہا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چندون جہنم میں رہیں گے جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا کہ یہ دعویٰ بھی محض بے دلیل ہے اسی طرح یہاں ان کے ایک دعویٰ کی تردید کی اور کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو، انہیں عاجز ثابت کر کے پھر فرمایا کہ ہاں جو کوئی بھی اللہ کا فرمانبردار ہو جائے اور خلوص و توحید کے ساتھ نیک عمل کرے اسے پورا پورا اجر و ثواب ملے گا، جیسے اور جگہ فرمایا کہ یہ اگر جھگڑیں تو ان سے کہ دو کہ میں اور میرے ماننے والوں نے اپنے چہرے اللہ کے سامنے متوجہ کر دیئے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اخلاص اور مطابقت سنت ہر عمل کی قبولیت کے لئے شرط ہے تو اسلم وجھہ سے مراد خلوص اور وھو محسن سے مراد اتباع سنت ہے نرا خلوص بھی عمل کو قبول نہیں کرا سکتا جب تک سنت کی تابعداری نہ ہو حدیث شریف میں ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے (مسلم) پس رہبانیت کا عمل گو خلوص پر مبنی ہو لیکن تاہم اتباع سنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہے ایسے ہی اعمال کی نسبت قرآن کریم کا ارشاد ہے: (وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا) (الفرقان: ۲۳) یعنی انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے سب رد کر دیئے دوسری جگہ فرمایا کافروں کے اعمال ریت کے چمکیلے تودوں کی طرح ہیں جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن بہت سے چہروں پر ذلت برستی ہوگی جو عمل کرنے والے تکلیفیں اٹھانے والے ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور گرم کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا۔ حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب نے اس آیت کی تفسیر میں مراد یہود و نصاریٰ کے علماء اور عابد لئے ہیں یہ بھی یاد رہے کہ کوئی عمل گو بظاہر سنت کے مطابق ہو لیکن عمل میں اخلاص نہ ہو مقصود اللہ کی خوشنودی نہ ہو تو وہ عمل بھی مردود ہے ریاکار اور منافق لوگوں کے اعمال کا بھی یہی حال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ دیتا ہے اور نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں اور فرمایا: (فویل للمصلین) ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریاکاری کرتے

ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی روکتے پھرتے ہیں اور جگہ ارشاد ہے: (فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا) (الکہف:۱۱۰) جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا آرزومند ہوا سے نیک عمل کرنا چاہئے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے پھر فرمایا انہیں ان کا رب اجر دے گا اور ڈر خوف سے بچائے گا آخرت میں انہیں ڈر نہیں اور دنیا کے چھوڑنے کا ملال نہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی آپس کی بغض و عداوت کا ذکر فرمایا، نجران کے نصرانیوں کا وفد جب نبی کریم (ﷺ) کے پاس آیا تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے اس وقت ان لوگوں نے انہیں اور انہوں نے ان کو گمراہ بتایا حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں توراۃ میں انجیل کی تصدیق اور انجیل میں توراۃ کی تصدیق موجود ہے پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے، اگلے یہود و نصاریٰ دین حق پر قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پردازیوں کی وجہ سے دین ان سے چھن گیا اب نہ یہود ہدایت پر تھے نہ نصرانی پھر فرمایا کہ نہ جاننے والوں نے بھی اسی طرح کہا اس میں بھی اشارہ انہی کی طرف ہے اور بعض نے کہا مراد اس سے یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرب لوگ مراد ہیں امام ابن جریر اس سے عام لوگ مراد لیتے ہیں گویا سب شامل ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اختلاف کا فیصلہ قیامت کو خود اللہ تعالیٰ کرے گا جس دن کوئی ظلم و زور نہیں ہوگا اور یہی مضمون دوسری جگہ بھی آیا ہے سورۂ حج میں ارشاد ہے: (اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ) (الحج:۱۷) یعنی مؤمنوں اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرانیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں قیامت کے دن اللہ فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور موجود ہے اور جگہ ارشاد ہے: (قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ) (سبا:۲۶) کہہ دے کر ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا وہ باخبر فیصلے کرنے والا ہے۔ (ابن کثیر)

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ....

یعنی جس نے خدا کے احکام کو مانا اور اس کا اتباع کیا وہ احکام خواہ کسی نبی کے ذریعہ سے معلوم ہوں اور اپنی قومیت اور آئین پر تعصب نہ کیا جیسا کہ یہود کرتے ہیں تو ان کے لئے اجر نیک ہے اور نہ کوئی امر ان میں ایسا ہے جس کی وجہ سے خوف ہو اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ مُعْتَدٍّ بِهٖ وَكَفَرَتْ بِعِيْسٰى وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ مُعْتَدٍّ بِهٖ وَكَفَرَتْ بِمُوْسٰى وَّهُمْ اَيِ الْفَرِيْقَانِ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ الْمُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ وَفِيْ كِتَابِ الْيَهُوْدِ تَصْدِيْقُ عِيْسٰى وَفِيْ كِتَابِ النَّصَارٰى تَصْدِيْقُ مُوْسٰى وَالْجُمْلَةُ حَالٌ كَذٰلِكَ كَمَا قَالَ هٰٓؤُلَاۗءِ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ مِنَ الْعَرَبِ وَغَيْرِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ بَيَانٌ لِمَعْنٰى ذٰلِكَ اَيْ قَالُوْا لِكُلِّ ذِيْ دِيْنٍ لَيْسُوْا عَلٰى شَيْءٍ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ مِنْ اَمْرِ

الذین فیدخل المحق الجنة والمبطل النار وَمَنْ اَظْلَمُ ای لا احد اظلم مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ بالصلوة والتسبیح وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ بالهدم او التعطیل نزلت اخبارا عن الروم الذین خربوا بیت المقدس او فی المشرکین لما صدوا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عام الحدیبیة عن البیت اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ خبر بمعنی الامر ای اخیفوهم بالجهاد فلا یدخلها احد امنا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ هوان بالقتل والسبی والجزیة وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۱۴ هو النار ونزل لما طعن الیهود فی نسخ القبلة او فی صلوة النافلة علی الراحلة فی سفر حیثما توجهت وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ ای الارض کلها لانهما ناحیتاها فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا وجوهکم فی الصلوة بامره فَثَمَّ هناک وَجْهُ اللّٰهِ ؕ قبلته التی رضیها اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ یسع فضله کل شیء عَلِيْمٌ ۝۱۱۵ بتدبیر خلقه وَقَالُوا بواو ودونها ای الیهود والنصری ومن زعم ان الملٰئکة بنات اللّٰه اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ قال تعالی سُبْحٰنَهٗ ؕ تنزیها له عنه بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ملکا وخلقا وعبیدا والملکیة تنافی الولادة وعبر بما تغلیبا لما لا یعقل كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۱۱۶ مطیعون کل بما یراد منه وفیه تغلیب العاقل بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ موجدهما لا علی مثال سبق وَاِذَا قَضٰٓى اراد اَمْرًا ای ایجاده فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۱۱۷ ای فهو یکون وفی قراءة بالنصب جوابا للامر وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ای کفار مکة للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم لَوْلَا هلا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ انک رسوله اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ مما اقترحناه علی صدقک كَذٰلِكَ کما قال هؤلاء قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ من کفار الامم الماضیة لانبیائهم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ من التعنت وطلب الایات تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ فی الکفر والعناد فیه تسلیة للنبی قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۱۱۸ یعلمون انها ایات فیؤمنون بها فاقتراح ایة معها تعنت اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ یا محمد بِالْحَقِّ بالهدی بَشِيْرًا من اجاب الیه بالجنة وَّنَذِيْرًا ۙ من لم یجب الیه بالنار وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝۱۱۹ النار ای الکفار ما لهم لم یؤمنوا انما علیک البلغ وفی قراءة بجزم

تُسْئَلُ نَهْيًا وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ دِيْنَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ الْاِسْلَامَ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَمَا عَدَاهُ ضَلَالٌ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ الَّتِيْ يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهَا فَرْضًا بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ الْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ يَحْفَظُكَ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ يَمْنَعُكَ مِنْهُ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مُبْتَدَأٌ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اَيْ يَقْرَءُوْنَهٗ كَمَا اُنْزِلَ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ وَحَقَّ نُصِبَ عَلَى الْمَصْدَرِ وَالْخَبَرُ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ نَزَلَتْ فِيْ جَمَاعَةٍ قَدِمُوْا مِنَ الْحَبَشَةِ وَاَسْلَمُوْا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ اَيْ بِالْكِتَابِ الْمُؤْتٰى بِاَنْ يُحَرِّفَهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور یہود تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں ہیں کسی راہ پر (جس کا اعتبار کیا جاسکے اور عیسیٰ کا انکار کر دیا) اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نہیں ہیں کسی راہ پر (جس کا اعتبار کیا جاسکے اور موسیٰ کا انکار کر دیا) حالانکہ وہ سب (دونوں فریق) پڑھتے ہیں کتاب جو ان پر نازل ہوئیں، اور یہود کی کتاب میں عیسیٰ کی تصدیق موجود ہے اور اسی طرح نصاریٰ کی کتاب میں موسیٰ کی تصدیق موجود ہے (اور جملہ خبریہ حال ہے) اسی طرح (جیسا کہ ان لوگوں نے کہا) کہنے لگے وہ لوگ بھی جو علم نہیں رکھتے ہیں (مشرکین عرب وغیرہ) انہی جیسا قول (ذلک کے معنی کا بیان ہے) یعنی ہر ایک دوسرے کے مذہب والے سے کہنے لگے کہ یہ قابل اعتبار راستہ پر نہیں ہے یعنی بالکل بے بنیاد ہے سو اللہ فیصلہ کرے گا ان سب کے درمیان قیامت کے روز جس میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں۔ یعنی مذہب و دین کے معاملے میں حقیقی و عملی فیصلہ کرے گا کہ اہل حق کو جنت اور اہل باطل کو جہنم میں داخل کرے گا اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے (یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے) جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں یہ لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام (نماز اور تسبیح کے ذریعہ) اور کوشش کی مسجد کے ویران کرنے میں (توڑ کر یا معطل و بیکار کر کے یہ آیت نازل ہوئی ہے ان رومیوں کے متعلق اطلاع دینے کے لئے جنہوں نے بیت المقدس کو اجاڑا تھا، یا آیت کا نزول مشرکین عرب کے بارے میں جبکہ ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کو روک دیا تھا سال حدیبیہ میں بیت اللہ کی زیارت سے) یہ لوگ اس لائق نہیں کہ مساجد میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے (یہ خبر بمعنی امر ہے، یعنی ان مشرکوں کو جہاد سے ڈراؤ کہ اب ان مشرکوں میں سے کوئی امن و اطمینان کے ساتھ ان مساجد میں داخل نہ ہوگا) ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے (یعنی ذلت ہوگی قتل و قید اور جزیہ کے ذریعہ) اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے (یعنی نار دوزخ)۔ (اور یہ آیت نازل ہوئی ہے جبکہ یہود نے اعتراض کیا تحویل قبلہ کے بارے میں یعنی جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے طعن کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یا سفر میں نفلی نماز سواری پر جدھر سواری متوجہ ہو نماز کی ادائیگی پر یہود نے اعتراض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب (یعنی پوری زمین کیونکہ مشرق و مغرب اسی زمین کے دو جانب ہیں) سو جس

طرف تم منہ کرلو (اپنے چہروں کو پھیرلو نماز میں اس کے حکم سے) وہاں ہی (ثم بمعنی هناك ہے یعنی وہاں ہی، وہیں) اللہ کی توجہ ہے (اس کا قبلہ ہے جس سے وہ راضی ہے) بیشک اللہ وسعت والا ہے (یعنی اس کا فضل ہر چیز کو محیط ہے) علم والا ہے (یعنی اپنی مخلوق کی تدبیر کو خوب جانتا ہے) اور یہ لوگ کہتے ہیں (قالوا میں دو قراءتیں ہے ایک واؤ کے ساتھ دوسرا بغیر واؤ کے، یعنی یہود و نصاریٰ اور وہ مشرکین عرب جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں) کہ اللہ اولاد رکھتا ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) اس کی ذات پاک ہے (اس کی ذات منزہ اور پاک ہے اولاد سے) بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں (باعتبار ملک کے یعنی سب اسی کے مملوک، مخلوق اور غلام ہیں اور ملکیت منافی ہے ولادت کے، اور ما فی السموات..... میں لفظ ما سے تعبیر کرنے میں غیر ذوی العقول کی تغلیب ہے کثرت کی وجہ سے ذوی العقول پر) سب اس کے تابعدار ہیں (یعنی جس سے جو چاہا جاتا ہے سب مطیع و تابعدار ہیں) اور اس قانتون میں ذوی العقول کی تغلیب ہے ایجاد کرنے والا ہے آسمان و زمین کا (یعنی کسی سابقہ نمونہ کے بغیر ان دونوں کا موجد ہے) اور جب فیصلہ کرلیتا ہے (ارادہ کرلیتا ہے) کسی کام کا (یعنی اس کے موجود کرنے کا) تو بس اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے (فیکون مبتدا محذوف کی خبر ہے ای فھو یکون کما اشار المفسر العلام اور ایک قراءت میں یکون منصوب ہے اس صورت میں امر کا جواب ہوگا) اور کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں جانتے (یعنی کفار مکہ نبی اکرم ﷺ سے کہتے ہیں) کیوں نہیں (لولاك بمعنی هلا ہے) اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کرتے ہیں (کیونکہ آپ اللہ کے رسول ہیں) یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی (جس کو ہم آپ کی صداقت پر طلب کرتے ہیں) اسی طرح (جیسا کہ ان لوگوں نے کہا) کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (یعنی پچھلی امتوں کے کفار اپنے نبیوں سے کہہ چکے ہیں) ان ہی کی سی بات (یعنی سرکشی اور معجزات کی طلب) ان سب کے دل مل جلے ہیں (کفر و عناد میں اس میں یعنی کذالك قال الذین..... سے نبی اکرم ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ صرف آپ ہی کے ساتھ ان جاہلوں کا معاملہ نہیں ہے بلکہ سابقہ انبیاء کے ساتھ ہوتا چلا آ رہا ہے) بیشک ہم نے بیان کردیں بہت سی نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں (یعنی ان لوگوں کے لئے جو جان لیتے ہیں کہ یہ نشانیاں و معجزات ہیں تو ایمان لے آتے ہیں، پھر ان آیات و معجزات کے باوجود نشانی طلب کرنا سرکشی ہے) بیشک ہم نے آپ کو بھیجا ہے (اے محمد ﷺ) دین حق (ہدایت) دے کر خوشخبری دینے والا (جنت کی خوشخبری سنائے ان لوگوں کو جو قبول کرے اس حق کو) اور ڈرانے والا (یعنی جہنم سے ڈرائے جو اس کو قبول نہیں کرتے) اور آپ سے باز پرس نہیں ہوگی دوزخ والوں کے متعلق (جحیم کے معنی نار دوزخ کے ہیں، یعنی آپ سے اس بات کی پوچھ نہیں ہوگی کہ کفار کیوں نہیں ایمان لائے، کیونکہ آپ پر صرف تبلیغ لازم ہے اور ایک قراءت میں جزم کے ساتھ لاتسئل ہے بصیغہ نہی معروف اس صورت میں شدت عذاب سے کنایہ ہوگا اور معنی ہوں گے کہ اے محمد ﷺ آپ کچھ نہ پوچھئے ان دوزخیوں کے احوال و کوائف کے متعلق کہ کیا حال ہوگا؟ اس لئے کہ انتہائی برا حال ہوگا۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لاتسئل یعنی اے محمد ﷺ آپ ہم سے سوال یعنی درخواست مت کیجئے شفاعت کے متعلق لان کلمة العذاب حقت علیهم ولن ترضی..... اور ہرگز نہ خوش ہوں گے آپ سے یہودی اور نصاریٰ جب تک کہ آپ اتباع نہ کرلیں ان کے ملت (دین) کی، آپ فرما دیجئے کہ بیشک اللہ کی ہدایت (اسلام) ہی اصل ہدایت ہے (اور اس کے ماسوا سب گمراہی ہے) اور اگر

آپ نے پیروی کرلی ان کی خواہشات کی (جس کی طرف وہ آپ کو بلا رہے ہیں بالفرض آپ نے پیروی کرلی) اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا (یعنی اللہ کی وحی) تو کوئی نہیں ہوگا اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا (جو آپ کی حفاظت کرسکے) اور نہ کوئی مددگار (کہ عذاب کو آپ سے روک دے) وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے (ترکیب میں مبتدا ہے) درانحالیکہ وہ اس کو پڑھتے ہیں جو اس کے پڑھنے کا حق ہے (یعنی اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح نازل ہوئی تھی اور یہ جملہ حال ہے، اور لفظ حق مصدر یعنی مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور خبر اولئك یؤمنون به ہے مطلب یہ ہے کہ مبتدا خبر سے مل کر جملہ ہو کر خبر ہے) وہی لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر۔ (یہ آیت اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جو حبشہ سے آکر مسلمان ہو گئے تھے) اور جو اس کا انکار کرے گا (یعنی اس کتاب کا جو دی گئی ہے بایں طور کہ اس میں تحریف کرے) وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں (کیونکہ ان کا ٹھکانہ ابدی جہنم ہوگا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُعْتَدٍ بِهِ: اس سے اشارہ کیا کہ جس چیز کی طرف یہود و نصاریٰ دعوت دیتے ہیں باطل در باطل ہونے کے باوجود وہ شیٔ ہونے سے نہیں نکلتا۔

قوله: وَكَفَرَتْ بِعِيْسٰى عليه وعلى نبينا عَلَيْهِ السَّلَام: یہود نے عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کا انکار کیا اور ان کے دین کو معتبر قرار دینے سے انکار کیا، اس قول کا فائدہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کا انکار کردیا جس کے سبب وہ دوسروں کی طرف کفر کی نسبت کرنا چاہتے تھے۔ حق کے متعلق کفر کا اعتقاد کرلینے کی وجہ سے۔

قوله: اَيِ الْفَرِيْقَانِ: اس سے اشارہ کردیا کہ هُمْ کا مرجع ہر دو فریق ہیں اور دونوں ہی کی مذمت ہوتی ہے۔

قوله: اَلْمُنَزَّلَ: اس سے اشارہ ہے اَلْكِتٰبَ کا الف لام یہ جنس کا ہے جو تمام کتب سابقہ کو شامل ہے۔

قوله: وَفِيْ كِتَابِ الْيَهُوْدِ: اس سے اشارہ کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب کی اس بات کا انکار کیا جو غلط انکار ہے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ جملہ حالیہ ہے نہ کہ معطوفہ کیونکہ یہ جملہ کلام اللہ سے ابتدائی جملہ ہے۔

قوله: بَيَانٌ لِمَعْنٰى ذٰلِكَ: یہاں كَذٰلِكَ کا معنی مِثْلَ قَوْلِهِمْ ہے تو درحقیقت یہ ذٰلِکَ کے معنی کی وضاحت کے لیے لایا گیا۔

قوله: اَيْ قَالُوْا لِكُلِّ ذِيْ دِيْنٍ: اس سے اشارہ کیا کہ تشبیہ خواہشات کے مطابق ان کی باتیں نکلنے میں ہے۔ خطاء کی نسبت کے خاص کرنے میں نہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے لیے ہے۔

قوله: فَيُدْخِلُ الْمُحِقَّ: اس سے اشارہ کررہے ہیں کہ یہ وعدہ وعید دونوں ہے۔

قوله: لَا اَحَدَ اَظْلَمُ: اس میں استفہام انکاری ہے۔ پس محال والا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

قوله: نَزَلَتْ اِخْبَارًا: اگرچہ یہ سابقہ کی اطلاع کے لیے اتری مگر اس کا حکم ہر مسجد کے خراب کرنے والے کے متعلق عام ہے۔

قوله: خَبَرٌ بِمَعْنَى الْأَمْرِ: اگر چہ خبر ہے مگر امر کے معنی میں ہے۔

قوله: هَوَانٌ: اہل حرب کو قتل سے ذلت اور اہل ذمہ کو جزیہ سے۔

قوله: وُجُوْهَكُمْ: فَاَيْنَمَا ظرف ہے یہ تُوَلُّوْا کا مفعول نہیں بلکہ تُوَلُّوْا کا مفعول محذوف ہے اور وہ وُجُوْهَكُمْ ہے۔ فتدبر

قوله: قِبْلَتُهٗ: یہاں وجہ بمعنی جہت ہے جو کہ قبلہ ہے جیسا وزن وزنہ مصدر ہیں جو اسمیت کی طرف نقل ہو کر استعمال ہوتے ہیں، ذات نہیں۔

قوله: الَّتِيْ رَضِيَهَا: اس میں اس وجہ کی طرف اشارہ کیا جس کی بناء پر جہت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور وہ اس کی رضا ہے۔

قوله: يَسَعُ فَضْلُهٗ: اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کی وسعت سے تعریف کرنا اس کے فضل کے اعتبار سے مجاز ہے۔

قوله: وَ قَالُوا: اس کا عطف وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ پر ہے اور وَ مَنْ اَظْلَمُ جملہ معترضہ ہے جو مشرکین کی حالت کی وضاحت کے لیے آیا ہے۔

قوله: وَمَنْ زَعَمَ: یعنی مشرکین عرب۔ مطلب یہ ہوا کہ قَالُوا کی ضمیر میں وہ تمام ہی آ جاتے ہیں جن کا تذکرہ ہوا، یعنی یہود ونصاریٰ ومشرکین۔

قوله: تَنْزِيْهًا: یعنی سبحان یہاں تنزیہ کے معنی میں ہے۔ قال سبحان اللہ کے معنی میں نہیں اور سبحانہ کا متعلق محذوف ہے وہ اتخاذ ہے۔

قوله: مِلْكًا وَ خَلْقًا: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں بَلْ ان کے قول کی تردید کے لیے ہے، ترقی کے لیے نہیں۔

قوله: وَفِيْهِ تَغْلِيْبٌ: اس غیر عاقل پر عاقل کو تغلیب دے کر صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔

قوله: مُوْجِدُهُمَا: یہ ان کے قول کے باطل ہونے کی دوسری دلیل ہے کہ فعیل افعال سے مفعل کے معنی دے رہا ہے جیسا کہ نبی انباء سے بمعنی منبی ہے۔

قوله: لَا عَلٰى مِثَالٍ: اس میں فرما رہے ہیں کہ ابداع کو صنع اور تکوین کے معنی میں کیوں لیا گیا، وجہ یہ ہے کہ ابداع ایسی ایجاد ہے جس کی مثال پہلے نہ ہو یہ معنی صنع وتکوین کے ساتھ مانوس تر ہے اس لیے کہ یہ کمال قدرت پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔ (فتدبر)

قوله: وَ اِذَا قَضٰۤى اَرَادَ: قضاء کی تفسیر ارادہ سے کر کے اشارہ کیا قضاء تو کسی چیز کو قول وفعل سے مکمل کرنے کو کہتے ہیں اگر یہ معنی کریں تو بعد میں كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ درست نہیں بیٹھتا۔

قوله: هَلَّا: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں لَوْ لَا تحضیص کے لیے ہے، امتناع کے لیے نہیں اس لیے کہ اس کا جواب مذکور یا مقدر ہونا لازم ہے جو یہاں نایاب ہے۔

قوله: بِاَنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ: يُكَلِّمُنَا کا دوسرا مفعول مقدر ہے۔ اس کا قرینہ آیت: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ ہے۔



قوله: مِنَ التَّعَنُّتِ: اس سے اشارہ کیا کہ ان کے سوالات کی بنیاد انکار و تعنت ہے جیسا کہ پہلی امتیں کرتی تھیں اور ایسا شخص جواب کا حقدار نہیں۔

قوله: فِيهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اس سے اشارہ کیا کہ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ اور قَدْ بَيَّنَّا میں عطف کو کمال اتصال کی وجہ سے چھوڑا ہے، ہر دو میں تسلی ہے۔

قوله: تَعَنُّتٌ: اس سے اشارہ کیا کہ آیت: قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ یہ جملہ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے لیے تعلیل بیان کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے عاطف کو چھوڑ گیا۔

قوله: بِالْحَقِّ: میں با ملابست کے لیے ہے اور بِالْهُدٰى میں بھی اور یہ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا سے متعلق نہیں۔

قوله: مَنْ اَجَابَ: بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا کے مابین واؤ توزیع کے لیے ہے، جمع کے لیے نہیں۔

قوله: بِالنَّارِ: یہ الْجَحِيْمِ کی تفسیر ہے مگر خاص بول کر عام مراد لینے کے قبیل سے ہے۔

قوله: دِيْنَهُمْ: مِلَّتَهُمْ کی تفسیر دین سے فرما کر اشارہ کر دیا کہ اس میں خاص بول کر عام مراد لیا گیا ہے۔ مِلَّتَهُمْ: وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہو اور دین ہر اس اعتقاد کو کہتے ہیں جس کی طرف دعوت دی جائے خواہ حق ہو یا باطل۔ چنانچہ ان کے تمام معتقدات خواہشات پر مبنی تھے۔

قوله: لَامُ قَسَمٍ: اس سے اشارہ کر دیا کہ اس کے جواب میں اگرچہ فا نہیں کیونکہ جواب قسم ایک اعتبار سے جواب شرط ہے اور دوسرے لحاظ سے جواب قسم۔ فتدبر

قوله: جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ: علم کی تفسیر معلوم سے کی اور اس سے مراد وحی جَآءَكَ کی رعایت سے لی گئی کیونکہ لایا ہوا علم میں متصور نہیں ہوتا۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ: یعنی يَتْلُوْنَهٗ یہ حال مقدرہ ہے یعنی ہم نے ان کو کتاب دی، ان کے لیے اس کی تلاوت کو مقدر کر دیا کیونکہ کتاب دیئے جانے کے وقت تو وہ تلاوت نہیں کر رہے تھے اور اُولٰٓئِكَ یہ خبر کے بعد خبر ہے۔

قوله: وَحَقَّ نُصِبَ: یہ مصدر کی صفت ہے اس کی اصل اس طرح ہے: تلاوۃً حقًا۔

قوله: اُولٰٓئِكَ: یہ مبتداء يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اس کی خبر اور یہ جملہ الَّذِيْنَ کی خبر ہے۔

قوله: لِمَصِيْرِهِمْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ خسران سے خسارۂ آخرت مراد ہے نہ کہ دنیا کا۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى....

یہود و نصاریٰ کا آپس میں نزاع اور ان کی باتوں کی تردید:

تفسیر در منثور ص ۱۰۸ ج ۱ میں حضرت ابن عباس سے روایت نقل ہے کہ جب نجران کے نصاریٰ رسول اللہ (ﷺ) کی

خدمت میں حاضر ہوئے تو یہودیوں کے علماء بھی وہاں پہنچے دونوں فریقوں نے وہیں خدمت عالی میں حاضر ہوتے ہوئے آپس میں مباحثہ شروع کر دیا۔ یہودیوں میں ایک شخص رافع بن حریملۃ تھا۔ اس نے نصاریٰ سے کہا کہ کسی چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کیا۔ اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کے بھی منکر ہوئے نصاریٰ کو جو مقابلہ میں جواب دینے کا جوش آیا تو ان میں سے ایک شخص نے یہودیوں سے کہا کہ تم کسی چیز پر نہیں ہو یعنی تمہارے دین کی کوئی اصلیت اور بنیاد نہیں۔ اللہ کے کسی نبی یا اللہ کی کسی کتاب سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر بیٹھے اور تورات شریف کے کتاب اللہ ہونے کے منکر ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور دونوں جماعتوں کے دعوے ذکر کر کے فرمایا:

(وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ) ''یعنی ہر فریق اللہ کی کتاب پڑھتا ہے''۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا علم ہوتے ہوئے ان کی رسالت کے منکر ہو رہے ہیں۔ ہر فریق کو دوسرے فریق کے بارے میں معلوم ہے کہ باوجود تحریف کر لینے کے پھر بھی اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول سے ہر ایک کو انتساب ہے۔ گو یہ انتساب ان کے کفر کی وجہ سے ان کو نجات دلانے والا نہیں لیکن فی الجملہ اس کا انکار بھی صحیح نہیں کہ ان کے دین کی ابتداء اللہ کے کسی نبی یا کسی کتاب سے ہے، قال ابن كثير ولهذا قال تعالى وهم يتلون الكتاب اى وهم يعلمون شريعة التوراة والانجيل كل منهما كانت مشروعة في وقت ولكنهم تجاحدوا فيما بينهم عنادا وكفرا ومقابلة للفاسد بالفاسد۔ (۱۵۵ ج۱)

پھر فرمایا: (كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ)
''یعنی ایسی ہی بات ان لوگوں نے کہی جو نہیں جانتے''۔

یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ جو ان سے پہلے امتیں گزری ہیں وہ بھی ایسی ہی جہالت کی باتیں کرتی رہی ہیں کہ عناد اور تعصب کی وجہ سے حق کو جھٹلایا اور حقیقت واضحہ کو نہ مانا اور اب مشرکین عرب کا یہی حال ہے کہ حضرت رسول اکرم (ﷺ) کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے حالانکہ آیات بینات اور دلائل واضح ان کے سامنے ہیں دلوں سے جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن مانتے نہیں۔ واختلف فيمن عنى فى قوله تعالى: الذين لا يعلمون، فقال عطاء امم كانت قبل اليهود والنصارى وقال السدى هم العرب، قالوا ليس محمد شیء واختار ابن جرير أن الحمل الجميع اولى۔ (من ابن کثیر ص ۱۵۵ ج۱)

پھر فرمایا: (فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ) ''کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع فرمائیں گے اور عدل کے ساتھ ان کے درمیان فیصلے فرمائیں گے اور اس فیصلہ سے سب پر حق ظاہر ہو جائے گا اور باطل کا پتہ چل جائے گا''۔

سورۃ سبا میں فرمایا: (قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ) ''کہہ دیجیے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے''۔

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیں گے اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ عملی فیصلہ کی قید اس لیے لگائی کہ قولی اور برھانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی ہو چکا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ....

اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے:

اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کو سب سے بڑا ظالم بتایا ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکیں، ان میں اللہ کا نام لینے اور اللہ کی عبادت کرنے سے منع کریں اور ان کی ویرانی کی کوشش کریں اس کام کے کرنیوالے کون ہیں۔ جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؟ معالم التنزیل ص ۱۰۷ ج ۱ میں حضرت عطا اور عبدالرحمٰن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ (ﷺ) اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ کے لیے مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا، مساجد کی آبادی یہ ہے کہ ان میں وہ کام کرتے رہیں جن کاموں کے لیے وہ بنائی گئی ہیں۔ نماز، تلاوت، ذکر، اعتکاف وغیرہ اور مسجد حرام کے آباد کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس میں طواف کیا جائے، جو شخص ان کاموں سے روکے گا وہ ان کی ویرانی کی کوشش کرنے والا ہے۔ مشرکین مکہ اس وقت مسجد حرام کے متولی تھے لیکن کعبہ شریف میں انہوں نے بت رکھے ہوئے تھے ظاہری تعمیر کی دیکھ بھال ہی کو انہوں نے اس کی آبادی سمجھ لیا اور اس کی حقیقی تعمیر سے غافل تھے۔ توحید کے بجائے شرک کے کام کرتے تھے وہاں نمازیوں کو نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ ان کے ظلم اور زیادتی کی وجہ سے آنحضرت (ﷺ) اور آپ کے صحابہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے پھر جب عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تو عمرہ نہ کرنے دیا۔ مشرکین کو سمجھایا بجھایا گیا کہ عمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے لیکن وہ ایک نہ مانے اور ضد پر اڑے رہے۔ بالآخر آپ صحابہ کے ساتھ واپس تشریف لے آئے اور آئندہ سال عمرہ کی قضا فرمائی یہ جو فرمایا:

اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ: ''اس میں اس بات کی خوشخبری دی کہ مکہ معظمہ فتح ہوگا۔ جب غلبہ اہل اسلام کا ہو جائے گا تو یہ مشرکین اس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کرایا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک ہرگز حج نہ کرے۔'' (من معالم التنزیل ص ۱۰۷ ج ۱)

بعض مفسروں نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے کہ انہوں نے مختلف اوقات میں بیت المقدس کی بے حرمتی کی حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اس سے نصاریٰ مراد ہیں جو بیت المقدس میں تکلیف دینے والی چیزیں پھینک دیتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے رومی لوگ مراد ہیں۔ انہوں نے یہودیوں کے بغض میں بیت المقدس کی بربادی میں بخت نصر مجوسی کی مدد کی اور کعب احبار سے منقول ہے کہ نصاریٰ بیت المقدس پر غالب ہوئے تو انہوں نے اس کو جلا دیا جب حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ لہٰذا جو بھی کوئی نصرانی اب بیت المقدس میں داخل ہوتا ہے تو خوف کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ (درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱)

سبب نزول جو بھی ہو اور نزول آیت کے وقت مساجد اللہ سے روکنے کا مصداق جو بھی کوئی جماعت ہو، قرآن مجید کے عمومی بیان سے واضح ہوا کہ مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکنا ظلم کی چیز ہے اور یہ بڑے ظلم میں شمار ہے۔ فی روح المعانی وظاہر الایۃ العموم فی کل مانع و فی کل مسجد و خصوص السبب لا یمنعہ (ص ۳۶۳ ج ۱) نیز وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا کے عموم میں مسجدوں کو گرا دینا اور معطل کر دینا بھی شامل ہے۔ قال صاحب روح المعانی وسعی فی خرابھا أی ھدمھا و تعطیلھا۔ اگر کوئی ایسی جماعت یا اس کا کوئی فرد مسجد میں آنا چاہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہوں مثلاً کسی نئے مدعی نبوت پر ایمان لانے والے لوگ جس نے ختم نبوت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو ان لوگوں کو اپنی مسجد سے روک سکتے ہیں یہ منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو کفر سے محفوظ رکھنے کے لیے ہوگا۔ اسی طرح کی ایک جماعت کو جب مسلمانوں نے مسجد سے روکا تو انہوں نے مذکورہ بالا آیت پڑھ دی جس پر ایک عالم نے سورۂ انعام کی یہ آیت پڑھ کر سنائی:

(وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ) ''اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے میں عنقریب ایسا نازل کروں گا۔''

بعض مفسرین نے (اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ) کا مطلب یہ لکھا ہے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت اور بے باک ہو کر ان مساجد میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھا بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت و حرمت و ادب سے جاتے جب بے باک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی ہتک حرمت کا کب حق حاصل ہے اسی کو ظلم فرمایا گیا اھ۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اس میں مساجد کا ادب بتایا گیا ہے یہ بات سیاق کلام سے دل کو زیادہ لگتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

پھر فرمایا: (لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ)

کہ دنیا میں ان لوگوں کے لیے رسوائی ہے، اور آخرت میں وہ سب قومیں رسوا ہوں گی جنہوں نے مسجد حرام یا بیت المقدس میں اللہ کے ذکر و عبادت سے روکا اور ان کی ویرانی کی کوشش کی دنیا میں یہ قومیں مغلوب بھی ہوئیں مسلمانوں کی محکوم بھی بنیں اور یہود و نصاریٰ جزیہ دینے پر مجبور ہوئے اور آخرت میں سب کافروں کو جو بڑا عذاب ہوگا۔ بار بار قرآن مجید میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس عذاب کی تفصیلات آیات اور احادیث میں مذکور ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ.....

تحویل قبلہ کی بحث:

دوسری آیت میں رسول اللہ (ﷺ) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین مکہ نے اگرچہ آپ کو مکہ اور بیت اللہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور مدینہ پہنچ کر ابتدائی زمانہ میں سولہ سترہ مہینہ تک آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں نہ آپ کے لئے غمگین ہونے کی کوئی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

کی ذات پاک کسی خاص سمت میں نہیں وہ ہر جگہ ہے اس کے لئے مشرق و مغرب یکساں ہیں کعبہ کو قبلہ نماز بنائیں یا بیت المقدس کو دونوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ امر الٰہی کی تعمیل ہی دونوں جگہ سبب فضیلت ہے۔

دادِ حق را قابلیت شرط نیست ۔ بلکہ شرط قابلیت دادِ ہست

اس لئے جب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا اس میں فضیلت تھی اور جب بیت المقدس کا استقبال کرنے کا حکم ہو گیا تو اس میں فضیلت ہے آپ دل گیر نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے جبکہ بندہ اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔

چند مہینوں کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم دے کر عملاً اور آپ نے قولاً اس بات کو واضح کر دیا کہ کسی خاص مکان یا سمت کو قبلہ قرار دینا اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ اس مکان یا اس سمت میں ہے دوسری جگہ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر سمت میں یکساں توجہ کے ساتھ موجود ہے کسی خاص سمت کو قبلہ عالم قرار دینا دوسری حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی خاص سمت یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب عمل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھے دوسرے یہ کہ سب کے لئے کوئی خاص سمت و جہت معین کر دی جائے ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ایک تشتت وافتراق کا منظر سامنے آئے گا کہ دس آدمی نماز پڑھ رہے ہیں اور ہر ایک کا رخ الگ الگ اور ہر ایک کا قبلہ جدا جدا ہے اور دوسری صورت میں تنظیم واتحاد کا عملی سبق ملتا ہے ان حکمتوں کی بناء پر سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو بنانا زیادہ مناسب ہے اب وہ بیت المقدس ہو یا کعبہ دونوں مقدس اور متبرک مقامات ہیں ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آتے ہیں ایک زمانے تک بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا پھر آنحضرت (ﷺ) اور صحابہ کرام کی دلی خواہش کے مطابق اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ کو قبلہ عالم بنا دیا گیا ارشاد ہوا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ .....

(یعنی کعبہ کو قبلہ بنا دینے کی دلی رغبت کی وجہ سے) بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے ہیں کہ (شاید فرشتہ حکم لے آئے) ہم یہ سب دیکھ رہے ہیں اس لئے اب ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کو آپ چاہتے ہیں اس لئے اب سے آپ اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور (یہ حکم کچھ آپ ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام امت کے لئے یہی حکم دے دیا گیا کہ) تم جہاں کہیں بھی موجود ہو یہاں تک کہ خود بیت المقدس کے اندر بھی ہو تو نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کیا کرو۔

الغرض آیت مذکورہ: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ نے استقبال قبلہ کی پوری حقیقت کو واضح کر دیا کہ اس کا منشاء بیت اللہ یا بیت المقدس کی معاذ اللہ پرستش نہیں اور نہ ان دونوں مکانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک مخصوص ہے بلکہ اس کی ذات سارے عالم پر محیط اور ہر سمت میں اس کی توجہ یکساں ہے پھر کسی خاص مکان یا سمت کو مخصوص کیا جاتا ہے اس میں دوسری حکمتیں ہیں۔

آیت مذکورہ کے اس مضمون کو واضح اور دل نشین کرنے ہی کے لئے شاید آنحضرت (ﷺ) اور صحابہ کرام کو ہجرت کے

اوائل میں سولہ سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دے کر عملی طور پر بتلا دیا گیا کہ ہماری توجہ ہر طرف ہے اور نوافل میں اس حکم کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا کہ سفر میں کوئی شخص کسی سواری مثلاً اونٹ، گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو تو اس کو اجازت ہے کہ سواری پر بیٹھے ہوئے اشارہ سے نفلی نماز پڑھ لے اور اس کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا بھی ضروری نہیں جس طرف اس کی سواری چل رہی ہے اسی طرف رخ کر لینا کافی ہے۔

بعض مفسرین نے آیت: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کو اسی نفلی نماز کا حکم قرار دیا ہے مگر یاد رہے کہ یہ حکم صرف ان سواریوں کا ہے جن پر سوار ہو کر چلتے ہوئے قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار ہے اور جن سواریوں میں سوار کو قبلہ کی طرف رخ کر لینا دشوار نہیں جیسے ریل، پانی کا جہاز، ہوائی جہاز، ان کا وہی حکم ہے جو حالت حضر میں رخ قبلہ کا ہے کہ اگر نفل نماز بھی ان میں پڑھی جائے تو قبلہ رخ ہو کر پڑھی جائے (البتہ نماز کی حالت میں ریل کا یا جہاز کا رخ مڑ جائے اور نمازی کے لئے گنجائش نہ ہو کہ وہ بھی قبلہ رخ پھر جائے تو اسی حالت میں نماز پوری کر لے)۔

اسی طرح جہاں نمازی کو سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور رات کی اندھیری وغیرہ کی وجہ سے سمتیں متعین کرنا بھی دشوار ہو اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو وہاں بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنا اندازہ اور تخمینہ لگا کر جس طرف کو بھی متعین کر لے گا وہی سمت اس کا قبلہ قرار دی جائے گی نماز ادا کرنے کے بعد اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اس نے غلط سمت میں نماز ادا کی ہے تب بھی نماز صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

آیت کے اس بیان اور آنحضرت (ﷺ) کے تعامل اور جزئیات مذکورہ سے استقبال قبلہ کے حکم شرعی کی پوری حقیقت واضح ہو گئی۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا....

اس آیت شریفہ میں مشرکین کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں پھر فوراً ہی سُبْحٰنَهٗ فرما کر ان کی تردید کی اور خالق و مالک جل وعلیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے کا شرکیہ عقیدہ یہود میں بھی رہا ہے کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے اور نصرانیوں کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اور مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

سورۂ مریم میں فرمایا: وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ ''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کی ہے۔ تم بہت زیادہ بری بات لے کر آئے۔ کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو بندے بنے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے

جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے ایسا کرنا درست نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لیے ایسا کرنا درست نہ تھا اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں (موت دے کر) دوبارہ اسے زندہ نہ کروں گا جیسا کہ میں نے اسے شروع میں پیدا کیا اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲)

ان آیات سے اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی زیادہ ناگوار ہے اور یہ بہت بڑا کفر ہے اور بہت بڑا شرک ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حلم نہ ہو اور اس کا مخلوق کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ ہو تو اس شرک کی وجہ سے آسمان وزمین کے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ گر پڑیں۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف دینے والی باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے لوگ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ پھر بھی ان کو عافیت دیتا ہے اور رزق عطا فرماتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۳ از بخاری ومسلم)

تکلیف تو جسم اور جان کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔ لیکن لوگوں کی باتیں ایسی ہیں جو تکلیف دینے والی ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کو سخت ناگواری اور بیزاری ہے۔ پھر بھی وہ زندہ رکھتا ہے رزق اور عافیت دیتا ہے اور عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔ اصحاب دنیا میں کسی ذرا سے صاحب اقتدار کو بھی کوئی ناگواری کی بات کہہ دی جائے تو وہ بہت جلد سزا دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا: (بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ) کہ جو بھی کچھ آسمانوں میں اور زمین میں موجود ہے یہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور مملوک ہے اور سب اس کے بندے ہیں اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ خالق اور مخلوق کے درمیان اور مالک اور مملوک کے درمیان اور عابد ومعبود کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ رشتہ کے لیے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا خالق تعالیٰ شانہٗ کی کوئی اولاد ہونا ہی محال ہے اس کے لیے اولاد تجویز کرنا اس کے لیے عیب تجویز کرنا ہے اور اس کی ذات کو محتاج بتانا ہے اور اس کے لیے برابر کا تجویز کرنا ہے اور وہ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ بلند وبالا ہے اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرنا اس کو گالی دینا ہے یعنی اس کی ذات کو ایسی چیز سے متصف کرنا ہے جو اس کے لیے نقص اور عیب کی چیز ہے۔

(بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمایا اور نظام محکم کا ان کو پابند بنایا سب اس کے حکم تکوینی کے پابند ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ وہ (فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ) ہے۔ وہ صفت انفعال سے متصف نہیں ہے اور جب کسی کے اولاد ہوتی ہے تو اس میں سے اولاد منفصل یعنی جدا ہوتی ہے اور یہ سراپا صفت انفعال ہے جس سے اللہ جل شانہٗ منزہ اور پاک ہے اور برتر ہے۔ (من روح المعانی ص ۲۶۸ ج ۱)

پھر فرمایا: (وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ) (اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرما دیتا ہے کہ ہو

جا، پس اس کا وجود ہو جاتا ہے۔) اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے پیدا فرمانے کے لیے اسباب اور آلات کا محتاج نہیں ہے۔ کسی چیز کے وجود میں آنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی کافی ہے جس طرح اسے اسباب اور آلات کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح معین اور مددگار کی بھی ضرورت نہیں۔ اولاد کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کاموں میں کچھ مدد کرے یا باپ کی موت کے بعد اس کا قائم مقام ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ازلی اور ابدی ہے۔ اسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں۔ جو اس کی جگہ قائم مقام ہو اور اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ محض اس کے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ کسی چیز کے پیدا فرمانے کے لیے اللہ جل شانہٗ کن فرما دیتا ہے۔ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے اور واقعۃً اللہ تعالیٰ کلمہ کن فرماتے ہیں جس سے اس چیز کا وجود ہو جاتا ہے جس کے وجود میں لانے کے لیے یہ کلمہ فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہیں۔ اس کو کیوں کر خطاب کیا جاتا ہے۔ اس اشکال کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ خطاب کرنے کے لیے اس چیز کا علم ہونا کافی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ کن سے لفظ کن مراد نہیں ہے، بلکہ یہ مجاز ہے سرعت تکوین سے اور جلد سے جلد وجود میں آجانے سے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ....

جاہلوں کی باتیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا؟

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ سامنے صریح دلائل اور معجزات کے ہوتے ہوئے اپنے نبیوں کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور اپنے پاس سے تجویز کر کے نبوت کی دلیلیں طلب کرتے تھے۔ انہیں میں سے ایک یہ مطالبہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود بات کرے تو ہم مانیں، اور کہتے تھے کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ہمارے سامنے آنا چاہیے۔ اس آیت میں بقول بعض مفسرین مشرکین عرب کا یہی سوال نقل فرمایا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ اگر مشرکین عرب مراد ہوں تو ان کے بارے میں (اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ) جو فرمایا ہے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ وہ عموماً ان پڑھ تھے اور کسی کتاب کے حامل بھی نہ تھے اور اگر یہود و نصاریٰ مراد ہوں ان کو لَا یَعْلَمُوْنَ (نہیں جانتے) اس لیے فرمایا کہ انہوں نے جانتے ہوئے انجان ہونے کا کام کیا پھر فرمایا: (كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ) (یعنی ان سے پہلے جو لوگ تھے جنہوں نے کفر و عناد اور سرکشی پر کمر باندھی ہوئی تھی انہوں نے بھی اسی طرح کی باتیں کہی تھیں ان کے قلوب اور ان کے قلوب ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔ کفر و عناد اور سرکشی میں، انکار حق میں یہ لوگ اور جو ان سے پہلے تھے، ایک ہی جیسے ہو گئے۔

پھر فرمایا: (قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ) (بے شک ہم نے دلائل بیان کر دیے، ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں)۔ تمام انبیاء سابقین کو معجزات دیے گئے۔ وہ ان کی نبوت اور رسالت ثابت کرنے کے لیے بالکل کافی دوافی تھے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی رسالت پر بھی بڑے بڑے معجزات اور دلائل واضحہ سامنے آچکے ہیں، منکرین اور معاندین کو تو ماننا ہی نہیں ہے۔ جن کے دلوں میں اتباع حق کا جذبہ ہے اور جو حق سامنے آنے کے بعد حق کو تسلیم کر

لیتے ہیں اور حق کو حق جان کر مان لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں۔ یہ دلائل انہیں کے لیے مفید ہوتے ہیں منکرین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جو بھی کوئی معجزہ ان کے سامنے آیا اس کو جادو بتادیا اور حق کو ٹھکرادیا جس کو سورۂ قمر میں یوں بیان فرمایا کہ: (وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ) (اور اگر معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جادو ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا)۔ سورۃ انعام میں فرمایا: وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۞ (یعنی انہوں نے خوب زوردار قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ہمارے پاس (ایسا) معجزہ آجائے (جس کی ہم فرمائش کرتے ہیں) تو ہم ضرور ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجیے کہ سب نشانیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں، پھر مسلمانوں سے خطاب فرمایا تم کو اس کی کیا خبر کہ نشانی فرمائش کے مطابق ظاہر ہو جائے تو یہ لوگ اس وقت بھی ایمان نہ لائیں گے؟)

اپنی طرف سے تجویز کر کے دلائل و معجزات طلب کرنا ایمان لانے کے لیے نہیں ہے بلکہ محض ضد اور عناد مقصود ہے اسی پر تلے ہوئے ہیں ایمان و یقین کا ارادہ ہی نہیں رکھتے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا....

یہاں تک یہود کی چالیں اور قباحتیں جن میں سے بعض میں نصاریٰ بھی شریک ہیں بیان فرمائی گئیں ہیں آگے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں سے امید ایمان نہ رکھنی چاہیے اور اس میں رسول اللہ کا ازالہ غم و فکر ہے کہ آپ ان کے عام طور پر ایمان لانے سے مایوس ہو جائیے اور پریشانی اور کلفت دل سے دور کر دیجیے اور علاوہ ان کے ان کی ایک اور قباحت کا بیان ہے کہ رسول اللہ کا اتباع کرنے کی ان کو کیا توفیق ہوتی وہ یہاں تک بلند پروازی کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو اپنی راہ پر چلانے کی فکر محال میں ہیں۔

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى....

دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے:

تفسیر معالم التنزیل ص ۱۱۰ ج ۱ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ نے رسول اللہ (ﷺ) سے سوال کیا کہ آپس میں کچھ صلح کر لیں (یعنی بعض چیزوں میں آپ نیچے اتر جائیں اور کچھ ڈھیل دے دیں تو ہم آپ کا دین قبول کر لیں گے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ تفسیر قرطبی ص ۹۳ ج ۲ میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اے محمد (ﷺ) ان کا اپنے تجویز کردہ دلائل و معجزات کا مطالبہ اس لیے نہیں ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں تو یہ واقعی ایمان لے آئیں گے حقیقتاً بات یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے وہ معجزات لے آئیں جن کا یہ سوال کرتے ہیں تب بھی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ اپنے دین اسلام کو چھوڑ دیں اور ان کا پورا پورا اتباع کر لیں۔ جب تک آپ ان کے دین کا اتباع نہ کریں گے یہ کبھی آپ سے راضی ہونے والے نہیں۔

پھر فرمایا: (قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى) کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اس کے سوا کوئی ہدایت نہیں۔ اس

کے خلاف جو کچھ ہے وہ غلط ہے۔ گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے لوگوں نے اپنے اپنے طور پر اپنی خواہش سے مذاہب بنا لیے ہیں۔ ان کا دین اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر آپ نے ان کی خواہش کا اتباع کیا جبکہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے تو آپ اللہ کی گرفت میں آ جائیں گے اور اس وقت اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ خطاب یا تو حقیقتاً رسول اللہ (ﷺ) کو ہے اور یا بظاہر آپ کو خطاب کیا ہے اور مراد اس سے آپ کی امت ہے۔ اگر پہلی صورت مراد لی جائے تب بھی اس میں امت کیلئے تادیب ہے۔ کیونکہ امت کا مرتبہ رسول اللہ (ﷺ) کے مرتبہ سے کہیں کم ہے پس جب دوسروں کی خواہشوں کے اتباع سے رسول اللہ (ﷺ) کا مواخذہ ہوسکتا ہے تو اگر امت ایسا کوئی کام کرے گی جس میں دوسروں کا اتباع ہو وہ کیونکر مواخذہ سے بچے گی۔

مؤمن کا کام ہے کہ صرف اپنے خالق اور مالک کو راضی رکھے اور اسے راضی رکھنے کے ذیل میں جو راضی ہوتا ہو وہ راضی رہے جو ناراض ہوتا ہو وہ ناراض رہے کوئی اپنا ہو یا پرایا خدا کو ناراض کر کے کسی دوسرے کو راضی کرنے کی کوشش ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے، آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں۔ وہ اپنے اعمال اور لباس اور وضع قطع اور شکل وصورت میں یہود ونصاریٰ کا اتباع کیے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے اپنے کو حقیر جانتے ہیں اور انہیں راضی رکھنے کے لیے داڑھی بھی مونڈتے ہیں۔ یورپین لباس بھی پہنتے ہیں عورتوں کو بھی بے پردہ پھراتے ہیں اور غیروں سے ان کے مصافحہ کراتے ہیں ٹائی لگانے کو فخر سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ دشمنان اسلام طعنے دیں گے اور ہمیں اچھی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ افسوس ہے کہ ان کو یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اللہ کے رسول (ﷺ) کا اتباع چھوٹ جائے لیکن اہل کفر راضی رہیں اور عزت کی نظر سے دیکھیں چاہے آخرت میں گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب ہی بھگتنا پڑے، حالانکہ وہ لوگ کسی بھی طرح سے راضی نہیں ہو سکتے وہ تو اسی وقت راضی ہوں گے جب العیاذ باللہ دین اسلام کو چھوڑ کر ان کی ملت ومذہب کا اتباع کر لیا جائے۔

مسلمانوں کو تنبیہ:

آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے کوئی صورت نہیں کہ کافروں کے ساتھ اپنے دین میں کوئی مداہنت اور مصالحت کر لیں۔ دین اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ بندوں کا تجویز کیا ہوا نہیں ہے۔ بندوں کو کوئی اختیار نہیں کہ کچھ اونچ نیچ کر کے دینی مسائل اور احکام میں ردوبدل کر کے دشمنوں کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے کوئی راستہ نکالیں۔ دشمنان اسلام یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دین کو بدل دیں کیونکہ ان کا دین ان کا اپنا ہی بنایا ہوا ہے۔ اپنی بنائی ہوئی چیز میں ادل بدل کر سکتے ہیں لیکن مسلمان جو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول (ﷺ) کے طریقے کے پابند ہیں وہ اپنے دین میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے اگر چند جاہلوں نے مل کر کسی حکم کو بدل بھی دیا تو ان کا یہ عمل کافرانہ ہوگا اور اسلام میں کوئی تبدیلی نہ آئے گی۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ .....

تلاوت کا حق کیا ہے؟

اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی کتاب میں جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے ان پر عمل کریں اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو اختیار نہ کریں اور قرآن کو اسی طرح پڑھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس کے کلمات میں تحریف نہ کریں اور اس کے معانی میں کوئی تبدیلی نہ کریں، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے محکمات پر عمل کریں اور متشابہات پر ایمان لائیں اور جو کچھ اشکال پیش آئے اس کو اہل علم کے سپرد کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو تلاوت کرتے وقت کسی رحمت والی آیت پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی عذاب کی آیت پر پہنچتے ہیں تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (ابن کثیر ص ۱۶۳-۱۶۴ ج ۱)

یہ جو فرمایا کہ اس طرح تلاوت کریں جیسا کہ نازل ہوا اس میں تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی داخل ہے سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ عربی ایک مستقل زبان ہے جو ۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔ حروف کے مخارج بھی ہیں اور صفات بھی ہیں۔ مخارج اور صفات کا خیال نہ کرنے سے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ جس سے معانی بھی بدل جاتے ہیں اور بعض مرتبہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ تلاوت کرنے والے قرآن کو صحیح طریقہ پر مخارج وصفات کی رعایت کے ساتھ پڑھیں اور صحیح ادائیگی کے لیے اصحاب تجوید سے رجوع کریں۔ علامہ جزری فرماتے ہیں:

والاخذ بالتجويد حتم لازم

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَ اتَّقُوْا خَافُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ تُغْنِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ فِیْهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ فِدَاءٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ یُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ وَ اذْكُرْ اِذِ ابْتَلٰۤى اِخْتَبَرَ اِبْرٰهٖمَ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ اِبْرَاهَامَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ بِاَوَامِرَ وَنَوَاهٍ كَلَّفَهٗ بِهَا قِیْلَ هِیَ مَنَاسِكُ الْحَجِّ وَ قِیْلَ الْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَالسِّوَاكُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَفَرْقُ الرَّأْسِ وَقَلْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالْخِتَانُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ اَدَّاهُنَّ تَامَّاتٍ قَالَ تَعَالٰى لَهٗ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قُدْوَةً فِی الدِّیْنِ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ اَوْلَادِیْ اِجْعَلْ اَئِمَّةً قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی بِالْاِمَامَةِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ الْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ دَلَّ عَلٰى اَنَّهٗ یَنَالُهٗ غَیْرُ الظَّالِمِ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ الْكَعْبَةَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ مَرْجِعًا یَثُوْبُوْنَ اِلَیْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَ اَمْنًا ؕ مَأْمَنًا لَهُمْ مِنَ الظُّلْمِ

وَالْاِغَارَاتِ الْوَاقِعَةِ فِیْ غَیْرِہٖ کَانَ الرَّجُلُ یَلْقٰی قَاتِلَ اَبِیْہِ فِیْہِ فَلَا یُهَیِّجُهٗ وَ اتَّخِذُوْا اَیُّهَا النَّاسُ مِنْ مَّقَامِ

اِبْرٰھٖمَ هُوَ الْحَجَرُ الَّذِیْ قَامَ عَلَیْهِ عِنْدَ بِنَاءِ الْبَیْتِ مُصَلًّی مَکَانَ صَلٰوةٍ بِاَنْ تُصَلُّوْا خَلْفَهٗ رَکْعَتَیِ الطَّوَافِ

وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْخَاءِ خَبَرٌ وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَمَرْنَاهُمَا اَنْ اَیْ بِاَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ مِنَ

الْاَوْثَانِ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰکِفِیْنَ الْمُقِیْمِیْنَ فِیْهِ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ جَمْعُ رَاکِعٍ وَسَاجِدٍ الْمُصَلِّیْنَ۔ وَ

اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْمَکَانَ بَلَدًا اٰمِنًا ذَا اَمْنٍ وَقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَہٗ فَجَعَلَهٗ حَرَمًا لَا

یُسْفَکُ فِیْهِ دَمُ اِنْسَانٍ وَلَا یُظْلَمُ فِیْهِ اَحَدٌ وَلَا یُصَادُ صَیْدُہٗ وَلَا یُخْتَلٰی خَلَاہُ وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ وَ

قَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّآئِفِ مِنَ الشَّامِ وَکَانَ اَقْفَرَ لَا زَرْعَ بِهٖ وَلَا مَاءَ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ بَدَلٌ

مِنْ اَهْلِهٖ وَخَصَّهُمْ بِالدُّعَاءِ لَهُمْ مُوَافَقَةً لِقَوْلِهٖ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ قَالَ تعالی وَ ارْزُقُ مَنْ کَفَرَ

فَاُمَتِّعُهٗ بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ فِی الدُّنْیَا بِالرِّزْقِ قَلِیْلًا مُدَّةَ حَیَاتِهٖ ثُمَّ اَضْطَرُّہٗٓ اُلْجِئُهٗ فِی الْاٰخِرَةِ اِلٰی

عَذَابِ النَّارِ فَلَا یَجِدُ عَنْهَا مَحِیْصًا وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾ الْمَرْجِعُ هِیَ وَ اذْکُرْ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ

الْقَوَاعِدَ الْاُسُسَ اَوِ الْجُدُرَ مِنَ الْبَیْتِ یَبْنِیْهِ مُتَعَلِّقٌ بِیَرْفَعُ وَ اِسْمٰعِیْلُ عَطْفٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ یَقُوْلَانِ رَبَّنَا

تَقَبَّلْ مِنَّا بِنَاءَنَا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ بِالْفِعْلِ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ مُنْقَادَیْنِ لَکَ وَ

اجْعَلْ مِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اَوْلَادِنَا اُمَّةً جَمَاعَةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَمِنْ لِلتَّبْعِیْضِ وَاَتٰی بِهٖ لِتَقَدُّمِ قَوْلِهٖ لَا یَنَالُ

عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ وَ اَرِنَا عَلِّمْنَا مَنَاسِکَنَا شَرَائِعَ عِبَادَتِنَا اَوْ حَجَّنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ

الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ سَاَلَاہُ التَّوْبَةَ مَعَ عِصْمَتِهِمَا تَوَاضُعًا وَتَعْلِیْمًا لِذُرِّیَّتِهِمَا رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ اَیْ اَهْلِ الْبَیْتِ

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَہٗ بِمُحَمَّدٍ ﷺ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ الْقُرْاٰنَ وَ

یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَ الْحِکْمَةَ مَا فِیْهِ مِنَ الْاَحْکَامِ وَ یُزَکِّیْهِمْ یُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْکِ اِنَّکَ اَنْتَ

الْعَزِیْزُ الْغَالِبُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۲۹﴾ فِیْ صُنْعِهٖ.

ع ۱۵ ۸ ۱۵

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میرا احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ (بھی یاد کرو) کہ میں نے تم کو فضیلت دی (اس زمانہ کے) سارے جہاں والوں پر (اس کا مثل پہلے آچکا ہے یعنی آیت ۴۷ میں ان ہی الفاظ سے یہ آیت گزر چکی ہے) اور اس

دن سے ڈرو (خوف کرو) کہ کوئی شخص کام نہ آوے کسی کی طرف سے کچھ بھی (تجزی بمعنی تغنی ہے) اور نہ قبول کیا جاوے کی طرف سے بدلہ (فدیہ) اور نہ کسی کی سفارش اسے فائدہ دے گی اور نہ وہ لوگ مدد کئے جائیں گے (کہ اللہ کے عذاب سے بچا لیے جائیں) تحقیق وغیرہ کے لئے آیت ۴۷ ملاحظہ فرمائیے اور (یاد کیجئے) جب آزمایا (جانچا) ابراہیم علیہ السلام کو (ایک قراءت میں ابراہام ہے) اس کے پروردگار نے چند باتوں میں (یعنی ان تمام اوامر ونواہی میں جن کا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مکلف بنایا تھا۔ **مفسر علام نے باوامر ونواہ کے ذریعہ یہ اشارہ کیا ہے کہ کلمات سے مراد مدلول یعنی مضمون مراد ہیں خود کلمات و الفاظ مراد نہیں ہیں بلکہ اوامر ونواہی ہیں۔ بعض حضرات قتادہ وربیع سے منقول ہے کہ کلمات سے مراد احکام حج تھے اور بعض نے** کہا کہ کلمات سے مراد کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، موچھیں کتروانا، سر میں مانگ نکالنا، ناخن ترشوانا، بغل کے بال اکھاڑنا یعنی صاف کرنا، زیر ناف کے بال مونڈنا، ختنہ کرنا، استنجا کرنا) سو اس نے پورا کر دکھایا (یعنی ابراہیم علیہ السلام نے انہیں پوری طرح ادا کیا) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے ان سے) میں بنانے والا ہوں تجھ کو لوگوں کا پیشوا (مقتدائے دین) ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی (یعنی میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو امام ومقتدائے دین بنائے) ارشاد فرمایا نہیں پہنچے گا میرا یہ عہد (یعنی عہدۂ امامت) ظالموں کو (جو ان میں سے کافر ہیں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عہدہ غیر ظالم کو حاصل ہو سکتا ہے) اور جب ہم نے مقرر کیا بیت اللہ (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے واسطے اجتماع کی جگہ (یعنی ایسا مرجع کہ ہر طرف سے لوگ اس کے پاس جمع ہوں گے) اور امن کی جگہ (یعنی لوگوں کے واسطے امن کی جگہ ہے اس ظلم اور غارت سے جو دوسری جگہ واقع ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص وہاں اپنے باپ کے قاتل کو پالیتا ہے تو اس کو نہیں پکڑ سکتا ہے) اور بنالو (اے لوگو!) مقام ابراہیم کو (وہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوتے تھے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت) نماز پڑھنے کی جگہ (نماز کی جگہ کہ نماز پڑھو مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں اور ایک قراءت میں واتخذوا کے خاء کو فتحہ کے ساتھ بصورت خبر پڑھا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ پہلی قراءت میں امر کا صیغہ تھا جو انشاء تھا اور بفتح الخاء کی قراءت میں ماضی کا صیغہ ہوگا اور خبر ہوگی) اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے عہد لیا (یعنی ان دونوں کو حکم دیا) کہ میرے گھر کو پاک رکھو (بتوں سے) طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے (جو لوگ وہاں اقامت کریں) اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے (رکع راکع اور سجد ساجد کی جمع ہے مراد نماز پڑھنے والے ہیں) اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار بنا دیجئے اس (جگہ) کو امن والا شہر (اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور اس کو حرم یعنی پناہ کی جگہ قرار دیا کہ نہ اس جگہ کسی انسان کا خون بہایا جا سکتا ہے اور نہ اس میں کسی پر ظلم کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی گھاس کاٹی جا سکتی ہے) اور عنایت فرمائے اس جگہ کے رہنے والوں کو میوے (اور بیشک اللہ نے ایسا کر دیا طائف کو ملک شام سے منتقل کر کے حالانکہ یہ مقام پہلے چٹیل میدان تھا جہاں نہ کھیتی تھی نہ پانی۔ منقول ہے جو طائف جو مکہ معظمہ سے کچھ ہی دور ہے شام کے شہروں میں سے تھا جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی طائف کو شام سے اکھاڑ کر مکہ معظمہ کے قریب لا کر قائم کر دیا، اسی واسطے اس میں پھل بکثرت ہوتے ہیں اور مکہ میں آتے ہیں) (ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لاویں) اللہ پر اور قیامت کے دن پر (من امن بدل بعض ہے اھلہ سے اور دعا میں ایمان والوں کی تخصیص کی تاکہ ارشاد باری تعالیٰ: لاینال

عهدی الظالمین کی موافقت ہو سکے) فرمایا (حق تعالیٰ نے) اور (میں رزق دوں گا) ان لوگوں کو بھی جو کفر کریں سو ان کو نفع پہنچاؤں گا (امتعہ تشدید کے ساتھ یعنی باب تفعیل سے اور تخفیف کے ساتھ یعنی افعال سے دونوں قراءت ہیں مراد دنیاوی رزق ہے) تھوڑے دنوں (اس کی زندگی بھر) پھر میں اس کو کھینچ کر ڈال دوں گا (آخرت میں اسے مجبور کر دوں گا) جہنم کے عذاب کی طرف (پھر اس سے چھٹکارا نہیں پائیں گے) اور برا ٹھکانہ ہے (جو ان کے لوٹنے کی جگہ اور قرارگاہ ہے) اور (یاد کیجئے) جب اٹھا رہے تھے ابراہیم بنیادیں (دیواریں) خانہ کعبہ کی (کہ اس کی تعمیر کریں من البیت متعلق ہے یرفع کا) اور اسماعیل بھی (اسماعیل کا عطف ابراہیم پر ہے دونوں کہتے تھے) اے ہمارے پروردگار قبول فرمالیجئے ہم سے (ہماری تعمیر کو) بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں (بات کو یعنی دعا) اور جاننے والے ہیں (کام کو) اے ہمارے پروردگار بنالے ہم کو فرمانبردار ہو (تابعدار) اپنا اور (پیدا کر) ہماری نسل میں سے (ہماری اولاد میں سے) ایک ایسی امت (جماعت) جو آپ کی فرمانبردار ہو اور من تبعیضیہ ہے، اور من تبعیضیہ لایا گیا یعنی سب کے لئے دعا نہیں کی گئی چونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد گزر چکا ہے: لا ینال عهدی الظالمین) اور ہم کو بتلا دیجئے (سکھلا دیجئے) ہماری عبادت کے طریقے (مناسک سے مراد عبادت کے یا حج کے احکام ہیں) اور ہماری توبہ قبول کیجئے بلاشبہ آپ ہی ہیں توبہ قبول کرنے والے مہربان (دونوں حضرات نے توبہ قبول کرنے کی درخواست کی ہے باوجود معصوم ہونے کے محض تواضعاً اور اپنی اولاد کو تعلیم دینے کے لئے) اے ہمارے پروردگار اور بھیج ان میں (خاندان میں) ایک رسول جو انہی میں سے ہو (ان ہی کے اشخاص خاندان میں سے ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا محمد ﷺ کے ذریعہ) کہ پڑھیں ان پر تیری آیتیں (قرآن شریف) اور سکھاوے ان کو کتاب (قرآن) اور حکمت (جو احکام اس قرآن میں ہیں) اور ان کو پاک کرے (یعنی شرک سے ان کو پاک کر دے) بیشک آپ ہی ہیں زبردست (غالب) حکمت والے ہیں (اپنے کام میں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اُذْكُرُوْا: اس سے ان لوگوں کی تردید کی طرف اشارہ فرمایا جو اذ کو ابتلی کا معمول قرار دیتے ہیں۔

قوله: اِخْتَبَرَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں ابتلاء کا اصل لغوی معنی امر شاق کی تکلیف دینا مراد نہیں بلکہ ان کی نسبت سے جو آزمائش لازم تھی اور اس کے انجام کی اطلاع نہ تھی وہ مراد ہے اور یہ تمام اقوال کو جمع کرنے کے لیے یہ معنی لیے ہیں۔

قوله: اَدَّاهُنَّ تَامَّاتٍ: اشارہ کیا کہ ضمیر فاعلی ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے، معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ سب کچھ دیا جو انہوں نے مانگا۔

قوله: قُدْوَةً فِي الدِّيْنِ: اس سے اشارہ کیا کہ الدِّيْنِ الف لام جنس کا ہے اور ان کی امامت ابدی اور عام تھی کہ ان کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام ان کی نسل سے ہوئے۔

قوله: اَوْلَادِيْ اِجْعَلْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بعض کی تاویل کے ساتھ کاف پر معطوف ہے اور جاعل کی

کاف کی طرف اضافت لفظی ہونے کی وجہ سے انفصال کی طرح ہے۔

قوله: بِالْاِمَامَةِ: اس سے اشارہ فرمایا کہ عہد کی اضافت ضمیر متکلم کی طرف عہد کے لیے ہے جنس کے لیے نہیں، امامت کو عہد سے اس لیے تعبیر کیا کیونکہ وہ بھی امانت الٰہی ہے۔

قوله: اَلْکٰفِرِیْنَ: یہ کہہ کر بتلایا کہ ظالم سے فاسق مراد نہیں بلکہ کافر مراد ہیں۔

قوله: دَلَّ عَلٰی اَنَّهٗ: اس سے ان کی دعا کی اجابت کی طرف اشارہ کر دیا۔

قوله: یَثُوْبُوْنَ اِلَیْهِ - لِلنَّاسِ: کی لام استغراقی عرفی کے لیے ہے یعنی قاصدین کعبہ مراد ہیں اور اگر جنس کے لیے بنائیں تو مدح بیت اللہ میں مبالغہ کا فائدہ بھی حاصل ہوگا۔

قوله: مَاْمَنًا: مصدری معنی مبالغہ کے لیے مانا تا کہ موضع کے معنی میں درست معنی بن سکے۔

قوله: وَاتَّخِذُوْا: اس کا عطف اذ کے مقدر عامل پر ہے جو اِذِ ابْتَلٰٓی میں ہے نہ کہ اِذْ جَعَلْنَا میں، جو مقدر ہے۔

قوله: اَیُّهَا النَّاسُ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد عام لوگ ہیں، خواہ امت محمدیہ سے ہوں یا دیگر اس لیے کہ تخصیص کا قرینہ نہیں۔

قوله: هُوَ الْحَجَرُ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ پتھر مراد ہیں جس پر کھڑے ہو کر آپ نے کعبہ کی تعمیر کی اور اس پر آپ کے قدموں کے نشان موجود ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور مفسرین کا قول ہے۔

قوله: اَمَرْنَاهُمَا: اس سے اشارہ کیا کہ عہد کا صلہ الی ہو تو اس سے مراد امر ہوتا ہے نہ وصیت۔

قوله: اَیْ بِاَنْ: ان مصدریہ ہے اور امر کے ساتھ اس کو ملایا تا کہ مامور بہ کا بیان بن جائے۔ تفسیریہ نہیں۔

قوله: اَلْمُقِیْمِیْنَ: اس سے اشارہ فرما رہے ہیں کہ اس سے مراد فقط اعتکاف کرنے والے ہی نہیں بلکہ مطلق اقامت والے مراد ہیں کیونکہ کوئی مخصص نہیں۔

قوله: اَلْمُصَلِّیْنَ: جزء کا ذکر کر کے کُل کا ارادہ کیا۔ رکوع وسجدہ نماز کے دو اہم رکن ہیں۔

قوله: اَلْمَکَانَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ دعا شہر بننے سے پہلے کی ہے، اس لیے خالی مکان مراد ہے۔

قوله: ذَا اَمْنٍ: امن تو وہاں کے رہنے والوں کی صفت ہے، اسی وجہ سے اس کی تاویل ذا اَمْنٍ کہہ کر کر ڈالی یا اسناد مجازی ہے جیسا: لیل نائم۔

قوله: مُوَافِقَةً: کافروں سے بغض کی وجہ سے رزق نہ روکا جائے گا۔ انہوں نے رزق کو امانت پر قیاس کیا۔

قوله: وَارْزُقْ: اس کا عطف مَنْ اٰمَنَ پر ہے اور یہ عطف تعلیم و تلقین کے لیے ہے گویا اس طرح کہا: قل وارزق من غر فانه حجاب معنا وارزق اور فَاُمَتِّعُهٗ کا عطف محذوف ارْزُقُ پر ہے۔

قوله: فِی الدُّنْیَا: کفر دنیا سے نفع اٹھانے کے لیے مانع نہیں البتہ آخرت کے نفع میں رکاوٹ ہے۔

قوله: مُدَّةَ حَیَاتِهٖ: قَلِیْلًا یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے، مفعولیت کی بناء پر نہیں اور اشارہ کیا کہ یہ زمانے کی صفت ہے، مصدر کی نہیں۔

قوله: اَلْجِئُهٗ :اس میں استعارہ تبعیہ ہے یعنی میں اس کو کشاں کشاں آگ کے عذاب کی طرف لے جاؤں گا کہ وہ مضطر و مجبور کی طرح اس سے اپنے کو بچانے کی طاقت نہ رکھتا ہوگا۔

قوله: اَلْمَرْجِعُ :اس سے اَلْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾ کی تفسیر کردی۔ اس سے ذات کی طرف صیرورت مراد نہیں جیسے: صار الطین خذفا۔ بلکہ لوٹنا مراد ہے۔

قوله: اِذْ یَرْفَعُ :اذکر محذوف نکال کر اشارہ کیا کہ اذ کا عامل اذکر محذوف ہے نہ کہ یَرْفَعُ ۔

قوله: اَلْاَسَس :جمع اجزاء کے اعتبار سے کہا اور اس سے بیت اللہ کی بنیادیں مراد ہیں جن کو اونچا کر کے عمارت کعبہ بنائی گئی۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِیَرْفَعُ : مِنَ الْبَیْتِ یہ یَرْفَعُ کے متعلق ہے۔ اس سے اشارہ کردیا کہ جنہوں نے اسے قواعد سے حال بنایا وہ کمزور قول ہے۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ :اس کو مفعول سے اس لیے مؤخر کیا کیونکہ اسماعیل علیہ السلام تو والد کے معاون تھے، خود بانی نہ تھے البتہ پتھر جمع کرنے اور پکڑنے میں والد کے شریک تھے۔

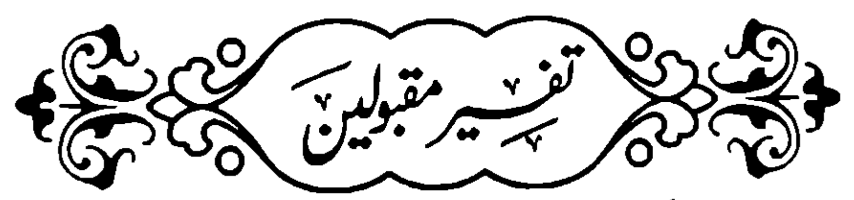
قوله: وَ اَرِنَا : اَیْ بمعنی ابصر یا یا اعرف جو متعدی بیک مفعول ہیں واقع ہے۔ اسی وجہ سے ھمزہ افعال سے متعدی بن جانے کے بعد دو مفعول ہی مکتفی ہوئے۔ عَلِّمْنَا سے اسی تعدیہ کی تصدیق کردی۔

قوله: سَاَلَاهُ : کہہ کر توبہ کے متعلق ابھرنے والے سوال کا جواب دیا کہ وہ تواضع و تعلیم کی غرض سے تھی۔

قوله: اَهْلِ الْبَیْتِ :لفظ امت مفرد ہے اَهْلِ کا لفظ خود ذریت سے بھی سمجھ آرہا ہے۔ پس اضمار قبل الذکر بھی نہ ہوا۔

قوله: یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ : آیات سے الفاظِ قرآن مراد ہیں۔ اس کا قرینہ تلاوت ہے اور یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ میں کتاب سے معانی مراد ہیں جو کہ اصل ہیں، پس شبہ تکرار نہ رہا۔

قوله: یُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْکِ :تعلیم کہہ کر تجلیہ اور تزکیہ بول کر تحلیہ کی طرف اور اول تزکیہ پھر تجلیہ مگر تجلیہ کو عظمت کی وجہ سے مقدم کیا۔



یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ ....

پہلے بھی اس جیسی آیت شروع سورت میں گزر چکی ہے اور اس کی مفصل تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے یہاں صرف تاکید کے طور پر ذکر کیا گیا اور انہیں نبی امی (ﷺ) کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ ان کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کو ذکر کرنے کا کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچا زاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی ان میں جس خاتم الانبیاء کو اللہ نے مبعوث فرمایا ان سے حسد کر کے نبی (ﷺ) کی مخالفت اور

تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ...

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے پہلے ان کا نسب درج ذیل ہے جو اہل کتاب کی کتاب سے ماخوذ ہے:

ابراہیم بن تارخ	عمر ۲۵۰ سال
بن ماحور	عمر ۱۴۸ سال
بن ساروغ	عمر ۲۳۰ سال
بن راعو	عمر ۲۳۹ سال
بن فالغ	عمر ۴۳۹ سال
بن عابر	عمر ۴۶۴ سال
بن شالخ	عمر ۴۳۳ سال
بن ارفخشذ	عمر ۴۳۸ سال
بن سام	عمر ۶۰۰ سال
بن نوح علیہ السلام (طبری ج ۱ ص ۲۲۰)	(عمر کا بیان پہلے گزر چکا ہے)

حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام امیلہ تھا پھر ان کی ولادت کا بھی ذکر کیا ہے کیونکہ وہ واقعہ لمبا ہے کلبی فرماتے ہیں کہ ان کی والدہ کا نام بونا بن کربنا بن کرنی تھا اور یہ قبیلہ بنی ارفخشذ بن سام بن نوح سے تھیں ابن عساکرؒ سے ہی روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابوضفیان تھی۔

علماء نے لکھا ہے کہ جب تارخ کی عمر ۷۵ سال ہوئی تو ان کے ہاں ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی ان کے علاوہ دولڑکے ناحور اور ہاران بھی ان کے ہاں پیدا ہوئے ہاران ہی کے صاحبزادے حضرت لوط علیہ السلام تھے۔ اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام منجھلے بیٹے تھے ہاران اپنے والد کی حیات میں ہی اپنی پیدائش کی سرزمین میں انتقال فرما چکے تھے یہ کلدانیوں کا شہر تھا جس سے مراد بابل شہر ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام غوطہ دمشق میں قلہ سیون کے پہاڑوں کے علاقے برزہ نامی بستی میں پیدا ہوئے ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ بابل شہر میں پیدا ہوئے بابل شہر کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس لئے بھی کی جاتی ہے کہ جب آپ لوط علیہ السلام کی مدد کے لئے تشریف لائے تھے تو یہاں نماز ادا کی تھی۔

علماء فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہؓ سے شادی کی اور ناحور نے ہاران کی بیٹی یعنی اپنے بھائی کی بیٹی ملکا سے شادی کی اہل تاریخ فرماتے ہیں کہ حضرت سارہؓ بانجھ تھیں ان کے اولاد نہ ہوتی تھی۔

کہتے ہیں کہ تارخ اپنے صاحبزادے ابراہیم اور ان کی بیوی سارہؓ اور اپنے پوتے لوط بن ہاران کو لے کر کلدانیوں کی سرزمین بابل سے ہجرت کر کے کنعانیوں کی سرزمین حران تشریف لے گئے جہاں ان کا انتقال ہو گیا اس وقت ان کی عمر ۲۵۰

سال تھی معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام حران میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کی جائے پیدائش کلدانیوں کے شہر بابل اور اس کے آس پاس کی جگہ ہے پھر یہ حضرات کنعانیوں کی سرزمین یعنی بیت المقدس کے ارادے سے چلے اور وہاں پہنچ کر حران نامی بستی جو کہ اس زمانے میں کلدانیوں کی سرزمین تھی آباد ہوگئے یہ علاقہ جزیرہ اور شام کا بھی کہلاتا تھا یہاں کے رہنے والے سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے اور جو لوگ دمشق میں رہتے تھے وہ بھی اسی دین پر تھے قطب شمالی کو قبلہ بنایا تھا اور اقوال وافعال میں کئی طرح سے سات ستاروں کی عبادت کرتے تھے چنانچہ انہوں نے دمشق کے پرانے سات دروازوں میں سے ہر ایک دروازے پر ایک ایک سیارے کی ہیکل نصب کر رکھی تھی یہ لوگ وہیں پر عید اور تہوار کی رسومات منایا کرتے تھے اس طرح سے اہل حران بھی ستاروں کو پوجتے، بتوں کی عبادت کرتے۔ حال یہ تھا کہ روئے زمین پر جو کوئی بھی تھا سوائے ابراہیم علیہ السلام کے، ان کی اہلیہؓ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے کافر تھا ابراہیم علیہ السلام وہ شخص ہیں جن کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان شرور کو دور کیا اور ان کے ذریعے گمراہی کو مٹایا پس بے شک اللہ سبحانہٗ وتقدس نے ان کو بچپن ہی سے رشد وہدایت عطا فرمائی تھی اپنا رسول منتخب کر لیا تھا، اور بڑی عمر میں پہنچنے پر انہیں اپنا خلیل بنالیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ تعریف کے ساتھ فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ پینتیس جگہیں ہیں جن میں سے پندرہ مقامات صرف سورۂ بقرہ میں ہیں، اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام ان پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں جن کے اسم گرامی سورۂ احزاب اور سورۂ شوریٰ میں موجود ہیں اور نبی کریم ﷺ کے بعد آپ تمام پیغمبروں سے افضل واعلیٰ اولو العزم پیغمبر ہیں۔ جب حضور ﷺ شب معراج میں ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے

تو آپ کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے محو استراحت پایا۔ بیت معمور آسمانوں میں فرشتوں کا خانہ کعبہ ہے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے آتے ہیں۔ پھر قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔

حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان میں اور موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے۔ اسی حدیث پر جرح کی گئی ہے اور یہی حدیث صحیح ہے۔

(مسند امام احمد۔ حدیث ۸۳۹۹۔ ج ۳)

اس آیت میں حق تعالیٰ کے خاص پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مختلف امتحانات اور ان میں ان کی کامیابی پھر اس کے انعام وصلہ کا بیان اور پھر جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ازراہ شفقت اپنی اولاد کے لئے بھی اسی انعام کی درخواست کی تو انعام پانے کا ایک ضابطہ ارشاد فرمادیا گیا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست کی منظوری مشروط صورت میں دی گئی کہ یہ انعام آپ کی ذریت کو بھی ملے گا مگر جو لوگ ذریت میں سے نافرمان اور ظالم ہوں گے وہ یہ انعام نہ پاسکیں گے،

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے عظیم امتحانات اور مضامین امتحان:

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:

اول یہ کہ امتحان کسی شخص کی قابلیت معلوم کرنے کے لئے لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہیں کسی بھی شخص کا کوئی حال یا

کمال ان پر مخفی نہیں پھر اس امتحان کا مقصد کیا تھا؟

دوسرے یہ کہ امتحان کس کس عنوان سے لیا گیا،

تیسرے یہ کہ کامیابی کس صورت میں اور کس نوعیت کی رہی،

چوتھے یہ کہ انعام کیا دیا گیا اور اس کی حیثیت کیا ہے،

پانچویں یہ کہ اس انعام کے لئے جو ضابطہ مقرر کیا گیا ہے اس کی کچھ توضیح وتفصیل۔

ان پانچوں سوالات کے جوابات بالتفصیل ملاحظہ فرمائیے،

پہلی بات کہ امتحان کا مقصد کیا تھا؟ قرآن کے ایک لفظ ربُّہ نے اس کو حل کر دیا جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس امتحان کے ممتحن خود اللہ جل شانہ ہیں اور ان کے اسماء حسنی میں سے اس جگہ لفظ ربّ لا کر شان ربوبیت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانا،

مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ابتلاء وامتحان کسی جرم کی پاداش میں یا نامعلوم قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ شان تربیت وربوبیت اس کا منشاء ہے ان آزمائشوں کے ذریعے اپنے خلیل علیہ السلام کی تربیت کر کے ان کے درجات ومقامات تک پہنچانا مقصود ہے پھر اس جملہ میں مفعول کو مقدم اور فاعل کو مؤخر کر کے یوں ارشاد ہوا: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ اس میں ابراہیم علیہ السلام کی جلالت شان کو اور نمایاں فرمایا گیا،

دوسرا سوال کہ امتحان کس عنوان سے لیا گیا؟ اس کے متعلق قرآن شریف میں تو صرف کلمات کا لفظ آیا ہے اور اس لفظ کی تفسیر وتشریح میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین کے مختلف اقوال ہیں کسی نے احکام الٰہیہ میں سے دس چیزیں شمار کیں کسی نے تیس بتلائی ہیں اور کسی نے اور کچھ کم وبیش دوسری چیزیں بتائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کچھ اختلاف نہیں وہ چیزیں سب کی سب ہی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے مضامین امتحان تھے ائمہ تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کی یہی رائے ہے۔

(معارف القرآن)

کلمات کی تشریح اور توضیح جن کے ذریعہ آزمایا گیا:

ان کلمات سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کلمات جمع ہے کلمۃ کی اور کلمہ لفظ مفرد بامعنی کو کہا جاتا ہے اور کلام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں کلمات سے احکام شرعیہ مراد ہیں جن کا ابراہیم علیہ السلام کو مکلف بنایا گیا تھا۔ جو احکام ان کو دیے گئے انہوں نے ان کو پورا کیا اللہ تعالیٰ شانہ نے ان احکام کے انجام دینے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرمائی۔ یہاں فرمایا: (فَاَتَمَّهُنَّ ای قام بهن كلهن) یعنی (جتنے بھی احکام کا حکم دیا گیا ان کو پورا فرمایا) اور سورۃ النجم میں فرمایا: (وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى) (اور وہ ابراہیم جس نے احکام کی پوری بجا آوری کی) یہ کون سے احکام تھے جن کا ان کو حکم دیا گیا اور وہ ان پر پوری طرح قائم رہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال نقل کیے۔ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کے متعدد اقوال ہیں جو تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں ان کا ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو

مناسک حج کا حکم دیا جس کو انہوں نے پورا فرمایا اور ایک قول یہ ہے کہ طہارت اور نظافت سے متعلق ان کو احکام دیے تھے اور یہ دس احکام ہیں جن میں پانچ سر سے متعلق اور پانچ باقی جسم سے متعلق ہیں۔ جو سر سے متعلق تھے وہ یہ ہیں:

۱۔ مونچھیں کاٹنا، ۲۔ کلی کرنا، ۳۔ سانس کے ساتھ ناک میں پانی لے کر ناک صاف کرنا جیسا کہ وضو اور غسل میں کرتے ہیں۔ احادیث میں اس کو استنشاق سے تعبیر فرمایا ہے۔ ۴۔ مسواک کرنا ۵۔ سر کے بالوں میں مانگ نکالنا اور باقی جسم کے احکام یہ ہیں:

۶۔ ناخن کاٹنا، ۷۔ ناف کے نیچے بال صاف کرنا، ۸۔ ختنہ کرنا، ۹۔ بغلوں کے بال اکھاڑنا، ۱۰۔ پیشاب اور پاخانہ کر کے پانی سے استنجا کرنا۔ صحیح بخاری (ص ۴۷۳) میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ نبی ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں مقام قدوم میں اپنی ختنہ کی، حضرت سعید بن المسیب سے منقول ہے۔ کہ ابراہیم خلیل الرحمٰن سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمان کی مہمان نوازی کی اور سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی ختنہ کی اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی مونچھیں تراشیں اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جن کے چہرے پر سفید بال نظر آئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے ربّ یہ کیا ہے؟ ربّ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے (یعنی متانت اور سنجیدگی کی چیز ہے) اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے ربّ میرا وقار اور بڑھا دیجیے۔ (مؤطا مالک) حضرت ابن عباس سے تیسرا قول یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش فرمائی ان میں سے چھ چیزیں انسان کے اندر ہیں اور چار احکام حج کے متعلق ہیں جسم انسانی کے متعلق چھ عدد یہ ہیں۔ ۱۔ ناف کے نیچے بال صاف کرنا اور باقی چار جو احکام حج سے متعلق ہیں، وہ یہ ہیں: ۱۔ طواف کرنا، ۲۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا، ۳۔ جمرات پر کنکریاں مارنا، ۴۔ طواف زیارت کرنا۔ حضرت ابن عباس سے چوتھا قول یہ منقول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جن چیزوں کا حکم دیا اور انہوں نے ان کو پورا کیا وہ تیس چیزیں ہیں ان میں سے دس سورۃ براءت کی آیت (اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ) (الی آخر الآیۃ) میں اور دس سورۃ مؤمنون کے اول میں اور سورۃ معارج (کے پہلے رکوع میں) اور دس سورۃ احزاب کی آیت (اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ) میں مذکور ہیں۔ مکررات کو چھوڑ کر ان سب کا شمار اس طرح سے ہے۔ ۱۔ توبہ کرنا، ۲۔ عبادت کرنا، ۳۔ اللہ کی حمد کرنا، ۴۔ روزہ رکھنا، ۵۔ رکوع کرنا، ۶۔ سجدہ کرنا، ۷۔ امر بالمعروف کرنا، ۸۔ نہی عن المنکر کی انجام دہی کرنا۔ ۹۔ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔ اس آیت میں نو چیزیں مذکور ہیں۔ لیکن مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ سورۃ براءت میں دس ہیں۔ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے وہ آیت بھی ساتھ ملائی ہوگی جو آیت مذکورہ سے پہلے ہے۔ یعنی (اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ)۔

اس آیت میں قتال اور جہاد مذکور ہے اس کو ملا کر دس صفات ہو جاتی ہیں۔ سورۃ مؤمنون میں یہ احکام مذکور ہیں: ۱۔ نماز میں خشوع کرنا، ۲۔ لغو سے اعراض کرنا، ۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا، ۴۔ شرم کی جگہ کو حرام سے محفوظ رکھنا، ۵۔ امانتوں کی نگہداشت رکھنا، ۶۔ عہد کی پابندی کرنا، ۷۔ نمازوں کی پابندی کرنا۔ یہ چیزیں سورۃ مؤمنون کے پہلے رکوع میں مذکور ہیں۔ سورۃ معارج میں بھی ان چیزوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں یہ چیزیں زائد ہیں، ۸۔ اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا حصہ رکھنا، ۹۔ اپنے ربّ کے عذاب

سے ڈرنا، ۱۰۔ گواہیوں کو ٹھیک ادا کرنا۔

سورۂ احزاب میں یہ چیزیں مذکور ہیں۔ ۱۔ اسلام کے کام کرنا، ۲۔ دل سے مؤمن ہونا، ۳۔ فرمانبرداری کرنا ۴۔ قول وعمل میں سچائی اختیار کرنا، ۵۔ طاعات کی ادائیگی میں اور مصائب کے آنے پر صبر اختیار کرنا۔ ۶۔ خشوع اختیار کرنا، ۷۔ مال کی خیرات کرنا، ۸۔ روزہ رکھنا، ۹۔ شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنا، ۱۰۔ بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنا۔ یہ دس چیزیں ہیں لیکن اس میں بعض چیزیں وہ ہیں جو سورۂ مؤمنین کی آیت میں بھی مذکور ہیں اور یہاں اگر خشوع سے مراد مطلق خشوع لیا جائے (نماز میں اور غیر نماز میں) جس کا معنی ہے قلب کا جھکاؤ ہونا تو اس سے خشوع فی الاعمال اور خشوع فی المعاملات بھی مراد ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تکبر اختیار نہ کرے اور قلب وجوارح کو عناد سے اور ہر ایسی چیز سے بچائے جو قلب اور اعضاء وجوارح کے جھکاؤ کے خلاف ہو۔ سورۂ براءت میں جو السَّآئِحُوْنَ ہے اس کا ترجمہ بھی روزہ دار کا کیا گیا ہے۔ سورۃ احزاب میں بھی الصَّآئِمِيْنَ مذکور ہے۔ لیکن حضرت عطاء نے السَّآئِحُوْنَ کا ترجمہ الغزاۃ المجاهدون فی سبیل اللہ بتایا ہے اور حضرت عکرمہ نے فرمایا ہے کہ (اَلسَّآئِحُوْنَ هُمْ طَلَبَةُ الْعِلْمِ) (کمافی معالم التنزیل) اگر ان میں سے کوئی معنی لیا جائے تو مستقل ایک صفت کا ذکر آ جاتا ہے اور تکرار ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچواں قول یہ منقول ہے کہ جن کلمات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبتلا فرمایا اور ان کو آزمایا۔ وہ یہ ہیں:

(۱) اپنی قوم سے جدا ہو جانا اور اللہ کے لیے مفارقت اختیار کرنا۔ (۲) نمرود سے اللہ کی توحید کے بارے میں مباحثہ کرنا اور جان کا خطرہ ہوتے ہوئے ایک جابر کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا۔ (۳) پھر آگ میں ڈالا جانا اور اس کے باوجود حق پر قائم رہنا۔ (۴) اپنا وطن چھوڑ کر اللہ کے لیے ہجرت کرنا اور دوسری جگہ (ملک شام) چلا جانا۔ (۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ضیافت کے لیے مامور ہو جانا اور اپنی جان ومال سے اس پر ثابت قدم رہنا (۶) بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہونا پھر اس کے لیے نہ صرف یہ کہ آمادہ ہو جانا بلکہ اس کے گلے پر چھری پھیر دینا (انہوں نے تو چھری پھیر ہی دی، آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی اور بیٹا ذبح نہ ہوا۔ یہ دوسری بات ہے) جب یہ سب کام کر گزرے اور امتحان میں پورے اتر گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَسْلِمْ (فرمانبردار ہو جاؤ) انہوں نے عرض کیا (اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ) (میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں) مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کے یہ اقوال نقل کیے ہیں ہم نے تشریح میں بعض روایات کا اضافہ کر دیا ہے اور آیات مذکورہ میں جو احکام ہیں ان کی تعداد میں جو کلام ہے وہ بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر نے کلمات کی تفسیر میں حضرت حسن بصری کے اقوال نقل کیے ہیں پھر ابن عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کلمات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیات میں مذکور ہیں۔ حضرت مجاہد سے بھی ایسا ہی منقول ہے اس کے بعد حافظ ابن کثیر مفسر ابن جریر سے نقل فرماتے ہیں کہ کلمات کی تفسیر میں جتنے بھی اقوال ہیں۔ ان میں جو کچھ مذکور ہے کلمات سے یہ سب مراد ہوں یہ بھی جائز ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں مراد ہوں اور کسی بھی چیز کے بارے میں متعین طریقہ پر اسی وقت یقین کیا جا سکتا ہے کہ جب کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث یا اجماع امت ہو لیکن صحیح حدیث یا اجماع سے ان میں سے کوئی چیز کلمات کی

تفسیر میں ثابت نہیں ہے۔اس کے بعد ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت مجاہد نے جو کلمات کی تفسیر کی ہے وہ زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔لیکن ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تمام اقوال میں جو مذکور ہیں ان سب کو مراد لینا زیادہ قوی ہے۔ (انوار البیان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت:

اس کے بعد ارشاد ہے: (قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا) (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا) علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام دے کر آزمایا اور انہوں نے احکام کی پورے طور پر بجا آوری کردی تو بطور صلہ اور انعام اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو لوگوں کا پیشوا بنا دیا اور جن احکام میں ان کو مبتلا فرمایا تھا ان کے پورا کروانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے ان کی پوری طرح تربیت ہو جائے تا کہ وہ امامت کے لائق ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح پیشوا بنایا کہ اول تو ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے اور پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے ہیں وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور سب اس بات کے مامور تھے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔حتیٰ کہ نبی عربی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کی نسل میں سے تھے اور ان کو بھی حکم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ کما قال تعالیٰ (ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا) گو پوری طرح سے ان کی ملت کے احکام ان کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی ملت میں نہ تھے لیکن اکثر یا بعض احکام ان کے بعد کے شرائع میں ان کی ملت کے موافق اور مطابق تھے۔یہ تقریر اس صورت میں ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت دوامی لی جائے اور اگر یہ مطلب ہو کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے پیشوا تھے تو یہ بھی بعید نہیں ہے۔روح المعانی میں دونوں باتیں لکھی ہیں۔لیکن امامت سے نبوت مراد لینے کی صورت میں کلمات کی تفسیر میں جو بعض باتیں بیان کی گئی ہیں وہ نہیں آسکتیں جب کہ پیشوا ہونے کا اظہار تمام کلمات کے بعد مراد ہو کیونکہ لڑکے کا ذبح اور بعض دیگر امور جو کلمات کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں وہ نبوت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔(ذکرہ فی الروح ص ۳۷۵ ج ۱)

لیکن ان میں سے جو کوئی ظالم ہوگا وہ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا، مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں عہد سے مراد امامت ہے اور متعین طور پر اس سے نبوت مراد ہے اور ظالموں سے کافر مراد ہیں۔کما قال تعالیٰ (وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ) آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ظالم بھی ہوں گے اور ظالم کو نبوت نہیں مل سکتی اور نبوت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو نسلی تعلق کی وجہ سے ملتی چلی جائے وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہا اللہ تعالیٰ نے نبی بنا دیا اور جب چاہا سلسلہ نبوت ختم فرما دیا۔قال فی الروح و عبر عنها بالعهد للاشارة الی انها امانة الله تعالی و عهده الذی لا یقوم به الا من شاء الله تعالی من عباده و آثر النیل علی الجعل ایماء الی ان امامة الانبیاء من ذریته علیهم السلام لیست بجعل مستقل بل هی حاصلة فی ضمن امامته تنال کلا منهم فی وقته المقدر له۔(ص ۳۷۷ ج ۱)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ....

یعنی ہر سال بغرض حج وہاں لوگ مجتمع ہوتے ہیں اور جو وہاں جا کر ارکان حج بجالاتے ہیں وہ عذاب دوزخ سے مامون ہو

جاتے ہیں یا وہاں کوئی کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔

اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان ہے اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی دعوت دی تھی اور وہ جنت سے لایا گیا تھا جیسے حجر اسود۔ اب اس پتھر کے پاس نماز پڑھنے کا حکم ہے اور یہ حکم استحبابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ....

حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کا کعبہ شریف تعمیر کرنا:

کعبہ شریف پہلے فرشتوں نے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا پھر عرصہ دراز کے بعد جب طوفان نوح کی وجہ سے اس کی دیواریں مسمار ہو گئیں اور عمارت کا ظاہری پتہ تک نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ شریف کی بنیادیں اٹھائیں اور کعبہ بنایا (کما ذکرہ الازرقی) چونکہ جگہ معلوم نہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو متعین کر کے اس کی جگہ بتا دی گئی جس کا ذکر سورۂ حج کی آیت کریمہ (وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ) میں فرمایا ہے۔ بنائے ابراہیمی میں حطیم کا حصہ کعبہ شریف میں داخل تھا قریش مکہ نے حضور سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے پانچ سال پہلے جب کعبہ شریف بنایا۔ تو ان کے پاس خرچہ پورا نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ شریف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ دیا جسے حطیم کہا جاتا ہے اس حصہ میں میزاب رحمت کا پانی گرتا ہے اور نصف قد کے برابر دیواریں بنی ہوئی ہیں اس پر چھت نہیں ہے صحیح مسلم ص ۴۲۹ ج ۱ میں ہے کہ حضرت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تیری قوم کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں تو میں کعبہ شریف کو توڑ دیتا اور اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنا دیتا اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا اور حجر یعنی حطیم کو اس میں داخل کر دیتا دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس کے لیے دو دروازے بنا دیتا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو کعبہ شریف اسی حال میں رہنے دیا۔ جس طرح قریش مکہ نے بنایا تھا پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قواعد ابراہیمیہ پر بنایا تھا اور حطیم کو کعبہ شریف میں داخل کر دیا تھا اور دروازے بنا دیئے تھے۔ ایک داخل ہونے کا ایک خارج ہونے کا اور بالکل زمین کے برابر کر دیا تھا۔ اندر جانے کے لیے زینہ کی ضرورت نہ تھی پھر حجاج بن یوسف نے اسی طرح بنا دیا جیسا قریش نے بنایا تھا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے حجاج کے بعد ہارون الرشید بادشاہ نے پوچھا کہ ہم پھر سے اسی طرح بنا دیں جیسا حضرت عبداللہ بن زبیر نے بنایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین اس کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنایئے، جو بھی آئے گا اسے توڑا کرے گا، اور بنایا کرے گا۔ اس طرح سے لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت جاتی رہے گی۔ (ذکرہ النووی فی شرح مسلم ص ۴۲۹ ج ۱، صحیح بخاری ۴۷۶ ج ۱) میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میری مدد کرنا، عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کرونگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤں اور ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا اس کے بعد دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانا شروع کیں۔ حضرت

اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دیواریں اونچی ہوگئیں تو یہ پتھر (یعنی مقام ابراہیم) لے آئے جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے۔ یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ان کو پتھر دیتے تھے اور دونوں دعا کرتے جاتے تھے:

اے ہمارے رب! اور بھیج دے ان میں ایک رسول ان میں سے، جو تلاوت کرے ان پر تیری آیات، اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت، اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی عزیز ہے، حکیم ہے۔ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)۔

یہ بات کس قدر ذہن میں بٹھانے کے لائق ہے کہ اللہ کے دو پیارے اللہ کے دونوں پیغمبر خلیل اللہ اور ذبیح اللہ، اللہ کا گھر اللہ کے حکم سے بنا رہے ہیں۔ ان کے اخلاص میں ذرا بھی شبہ نہیں پھر بھی وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہم سے قبول فرمائیے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا ہی مخلص ہو اور کیسا ہی عمل صالح کرے اسے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہنا چاہیے اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں خود پسندی اور عجب نفس میں مبتلا نہ ہو جائے درحقیقت اہل اخلاص کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رضا کے لیے کام کرتے جاتے ہیں اور ڈرتے جاتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل قبول ہوتا ہے۔ یا نہیں؟ کما قال اللہ تبارک و تعالی (وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ)۔

مفسر ابن کثیر ص ۱۷۵ ج ۱ نے بحوالہ ابن ابی حاتم وہیب بن الورد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے: (يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ.....) پڑھی پھر رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے رحمٰن کے دوست آپ بیت الرحمٰن کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں اور اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ قبول نہ ہو، حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دعا بھی کی کہ اے ہمارے ربّ تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک امت بنا دے جو تیری فرمانبردار ہو، اس میں اول تو وہی خوف و خشیت والی بات کا مظاہرہ کیا کہ مسلم اور فرمانبردار ہوتے ہوئے بھی اپنے بارے میں دعا کی اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فرمانبردار ہی رکھے۔ مؤمن کو چاہیے کہ ڈرتا رہے اور ایمان و اسلام کی دولت کے لیے اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر گزار رہے اور اس کو محض اللہ کی توفیق سمجھے اور اس نعمت کے بقا اور دوام کی دعا کرتا رہے۔ (انوار البیان)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ......

شرح الالفاظ: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ مصدر تلاوۃ سے مشتق ہے، تلاوت کے اصلی معنی اتباع اور پیروی کے ہیں اصطلاح قرآن و حدیث میں یہ لفظ قرآن کریم اور دوسری آسمانی کتابوں اور کلام الٰہی کے پڑھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اس کلام کے پڑھنے والے کو اس کا پورا اتباع کرنا لازم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ٹھیک اسی طرح پڑھنا ضروری ہے اپنی طرف سے کسی لفظ یا اس کی حرکات میں کمی بیشی یا تبدیلی کی اجازت نہیں امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا ہے کہ کلام الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو عرفاً تلاوت نہیں کہا جا سکتا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اس میں کتاب سے مراد کتاب اللہ ہے اور الحکمۃ کا لفظ عربی لغت میں کئی معنے کے لئے آتا ہے حق بات پر پہونچنا، عدل وانصاف، علم وحلم وغیرہ (قاموس) امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کے لئے بولا جائے تو موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے لئے جاتے ہیں ترجمہ شیخ الہند میں اس کا ترجمہ تہہ کی باتیں اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے اور لفظ حکمت عربی زبان میں کئی معنی کے لئے بولا جاتا ہے علم صحیح، نیک عمل عدل وانصاف قول صادق وغیرہ۔ (قاموس وراغب)

اس لئے دیکھنا ہے کہ اس آیت میں لفظ حکمت سے کیا مراد ہے مفسرین صحابہ کرامؓ وتابعینؒ جو معانی قرآنی کی تشریح آنحضرت (ﷺ) سے سیکھ کر کرتے ہیں اس جگہ لفظ حکمت کے معنی بیان کرنے میں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے یعنی سنت رسول اللہ (ﷺ)، امام تفسیر ابن کثیر وابن جریر نے حضرت قتادہ سے یہی تفسیر نقل کی ہے کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے اور کسی نے علم احکام شرعیہ کہا اور کسی نے کہا کہ ایسے احکام الٰہیہ کا علم جو رسول اللہ (ﷺ) کے ہی بیان سے معلوم ہوسکتے ہیں ظاہر ہے کہ ان سب کا حاصل وہی حدیث وسنت رسول اللہ (ﷺ) ہے۔

لفظ وَيُزَكِّيْهِمْ زکوٰۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں طہارت اور پاکی اور یہ لفظ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی پاکی کے لئے بولا جاتا ہے

دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ماحصل:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آئندہ نسل کی فلاح دنیا وآخرت کے واسطے حق تعالیٰ سے یہ دعا کی میری اولاد میں ایک رسول بھیج دیجئے جو ان کو آپ کی آیات تلاوت کرکے سنائے اور قرآن وسنت کی تعلیم دے اور ان کو ظاہری وباطنی گندگیوں سے پاک کرے اس میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اس رسول کے لئے اپنی اولاد میں ہونے کی اس لئے دعا فرمائی کہ اول تو یہ اپنی اولاد کے لئے سعادت وشرف ہے دوسرے ان لوگوں کے لئے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ رسول جب انہی کی قوم اور برادری کے اندر ہوگا تو اس کے چال چلن سیرت وحالات سے یہ لوگ بخوبی واقف ہوں گے کسی دھوکہ فریب میں مبتلا نہ ہوں گے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس دعاء کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ملا کہ آپ کی دعا قبول کرلی گئی اور یہ رسول آخری زمانہ میں بھیجے جائیں گے۔ (ابن جریر وابن کثیر)

رسول اللہ (ﷺ) کی بعثت کی خصوصیات:

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین اس وقت تھا جبکہ آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا اور میں آپ لوگوں کو اپنے معاملہ کی ابتداء بتلاتا ہوں کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سے مراد ان کا یہ قول ہے: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ. (۶:۶۱) اور والدہ ماجدہ نے حالت

حمل میں یہ خواب دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے پھر قرآن میں آنحضرت (ﷺ) کی بعثت کا تذکرہ کرتے ہوئے دو جگہ سورۃ آل عمران (آیت نمبر ١٦٤) اور سورۃ جمعہ آیت نمبر ۲ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء میں یہاں مذکور ہیں جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس رسول کے بھیجنے کی دعا فرمائی تھی وہ آنحضرت (ﷺ) ہی ہیں آیت کے الفاظ کی تشریح اور اس کا مفہوم واضح ہوجانے کے بعد اس پر غور کیجئے،

بعثت رسول کے تین مقاصد:

سورہ بقرہ کی اس آیت میں اور سورۃ آل عمران اور سورۃ جمعہ کی آیات میں آنحضرت (ﷺ) کے متعلق ایک ہی مضمون ایک ہی طرح کے الفاظ میں آیا ہے جن میں آنحضرت (ﷺ) کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد یا آپ کے عہدہ نبوت ورسالت کے فرائض منصبی تین بیان کئے گئے ہیں ایک تلاوت آیات دوسرے تعلیم کتاب وحکمت تیسرے لوگوں کا تزکیہ اخلاق وغیرہ۔

تلاوت کتاب:

رسول اللہ (ﷺ) کے مقاصد بعثت میں سورۃ بقرہ میں اول تو یہ فرمایا کہ: (يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ) کہ وہ نبی لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی اس کے الفاظ کا پڑھنا، پڑھانا اور سننا اور سنانا تلاوت کرنا صحیح طریقہ پر ادا کرنا بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ بہت سے جاہل جو تلاوت کا انکار کرتے ہیں اور بچوں کو قرآن مجید حفظ کرانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ کلام الٰہی کا مرتبہ اور مقام نہیں سمجھتے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ قرآن مجید کو لوگوں کے آپس کے خطوط پر اور انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر قیاس کرتے ہیں اور اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ قرآن کے معانی اور مفاہیم کا سمجھنا کافی ہے۔ اس کا پڑھنا اور یاد کرنا ضروری نہیں (العیاذ باللہ) یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید کے الفاظ کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ صحیفوں پر اعتماد کئے بغیر سینوں میں یاد رکھنا لازم ہے تاکہ اگر مطبوعہ مصاحف (العیاذ باللہ) معدوم ہوجائیں تب بھی قرآن شریف اپنی تمام قراءتوں کے ساتھ محفوظ رہ سکے۔

کتاب اور حکمت کی تعلیم:

رسول اللہ (ﷺ) کا دوسرا کام ذکر کرتے ہوئے (وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ) ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کا یہ بھی فریضہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیں۔ کتاب اللہ کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سمجھائیں۔ عربی زبان جاننا قرآن کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے جو رسول اللہ (ﷺ) نے بتائی اور جو حضرات صحابہ کرام نے سیکھی پھر ان سے تابعین اور تبع تابعین اور سلف صالحین سے ہوتے ہوئے امت تک پہنچی۔ سورۃ نحل میں فرمایا: (اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ) (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا

تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ بیان کریں جوان کی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا) آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تھوڑی بہت عربی جان کر قرآن شریف کے معانی اور مفاہیم اپنی طرف سے بتانے لگے ہیں اور رسول اللہ (ﷺ) کی تعلیم و تفسیر سے بے نیاز ہو کر گمراہ ہو رہے ہیں اور گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جہالت اور گمراہی سے کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا خط ہے۔ جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور رسول کی حیثیت محض ایک ڈاکیے کی ہے۔ ڈاکیے کا کام خط پہنچا دینا ہے۔ خط پڑھ کر سنانا، سمجھانا اس کا کام نہیں۔ قرآن مجید نے تو اپنے بارے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کا خط ہے جو مخلوق کی طرف آیا ہے اس کو خود ہی سمجھ لینا اور اس کے لانے والے سے مت سمجھنا، بلکہ قرآن نے تو رسول اللہ (ﷺ) کے فرائض میں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا بتایا ہے اور رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ (ﷺ) کو درمیان سے نکال کر قرآن سمجھنا کفر کی دعوت اور اشاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کو ان لوگوں کے فریب سے محفوظ فرمائے۔

تزکیہ نفوس:

رسول اللہ (ﷺ) کا کام صرف کتاب اللہ کا پڑھا دینا اور سمجھا دینا ہی نہیں دیا تھا بلکہ نفوس کا تزکیہ بھی آپ کے فرض منصبی میں داخل تھا۔ (يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ) میں تحلیة النفوس بالفضائل اور یزکیھم میں تخلیة النفوس عن الرزائل کا ذکر ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے لوگوں کو توحید خداوندی سے آراستہ کیا اور کفر اور شرک کی نجاست سے پاک کیا۔ ایمان اور یقین دیا۔ شک سے بچایا۔ گناہوں کی گندگی سے دور کیا۔ نفوس کے رزائل دور کئے۔ اخلاق عالیہ اور اعمال صالحہ بتائے اور عمل کر کے دکھایا۔ گناہوں کی تفصیل بتائی ان کے اثرات ظاہرہ باطنہ دنیویہ اخرویہ سے باخبر فرمایا۔ نیکیوں کی تفصیلی فہرست بتائی اور ان کے منافع دنیویہ واخرویہ سے مطلع فرمایا۔ حسد، بخل، کینہ، تکبر، حرص، لالچ، حب جاہ کی مذمت فرمائی۔ حب فی اللہ اور تواضع اور فروتنی، صلہ رحمی، سخاوت، ضعیف کی مدد، بڑوں کی خدمت، یتیم کے ساتھ رحم دلی، تقویٰ، اخلاص، اکرام اہل ایمان، نرمی، حسن الجور، غصہ پی جانا وغیرہ وغیرہ کی تعلیم دی۔ انسان کو انسان بنایا حیوانیت اور بہیمیت سے بچایا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ: بعثت لاتمم حسن الاخلاق (کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) رواہ مالک فی المؤطا۔

نفوس کا تزکیہ صرف زبانی طور پر بتا دینے سے نہیں ہو جاتا اس کے لیے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ کے لیے انسانوں ہی میں سے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے تاکہ وہ عملی طور پر ان کا تزکیہ کر سکیں اور تاکہ ان کی صحبت سے انسانوں کے نفوس خیر کی طرف پلٹ سکیں اور اعمال صالحہ کے خوگر ہو جائیں اور نفوس کی شرارتوں کو سمجھ سکیں اور ان سے بچ سکیں۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اس آیت شریفہ میں سچوں کے ساتھ ہونے کی تعلیم فرمائی ہے جو لوگ اپنے اخلاص اور عمل میں سچے ہیں ان کے ساتھ رہنے سے طبیعت اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوتی ہے اور نفس وشیطان کی مکاریوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے پھر ان کا توڑ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے جس کسی کی صحبت اختیار کرے پہلے دیکھ لے کہ وہ متبع

سنت ہے یا نہیں؟ اس میں فکر آخرت کتنی ہے؟ اور حب دنیا اور جلب زر کے لیے تو مرشد بن کر نہیں بیٹھا جس کسی کو متبع سنت اور آخرت کا فکر مند پائے اس کی صحبت اٹھائے، مال وجاہ کا حریص مصلح اور مرشد نہیں ہو سکتا اس کی صحبت میں رہنا زہر قاتل ہے۔

الغرض حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جن مقاصد کے لئے دعا فرمائی اور رسول کریم (ﷺ) کو ان کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا تھا وہ تینوں مقصد آپ کے عہد مبارک ہی میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے پھر آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام نے تو ان کو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک ساری دنیا میں عام کر دیا۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیما کثیرا بعد من صلی وصام وقعد وقام۔

وَمَنْ اَیْ لَا یَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ فَیَتْرُکُهَا اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ جَهِلَ اَنَّهَا مَخْلُوْقَةٌ لِلّٰهِ یَجِبُ عَلَیْهَا عِبَادَتُهٗ اَوِاسْتَخَفَّ بِهَا وَامْتَهَنَهَا وَ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ اخْتَرْنَاهُ فِی الدُّنْیَا ۚ بِالرِّسَالَةِ وَالْخُلَّةِ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰی وَاذْکُرْ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ اِنْقَدْ لِلّٰهِ وَ اَخْلِصْ لَهٗ دِیْنَکَ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ وَصّٰی وَفِیْ قِرَاءَةٍ اَوْصٰی بِهَاۤ بِالْمِلَّةِ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ بَنِیْهِ قَالَ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ دِیْنَ الْاِسْلَامِ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ؕ نَهٰی عَنْ تَرْکِ الْاِسْلَامِ وَاَمَرَ بِالثَّبَاتِ عَلَیْهِ اِلٰی مُصَادَفَةِ الْمَوْتِ وَلَمَّا قَالَ الْیَهُوْدُ لِلنَّبِیِّ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنَّ یَعْقُوْبَ یَوْمَ مَاتَ اَوْصٰی بَنِیْهِ بِالْیَهُوْدِیَّةِ نَزَلَ اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ حُضُوْرًا اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ بَعْدَ مَوْتِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ عَدُّ اِسْمٰعِیْلَ مِنَ الْاٰبَاءِ تَغْلِیْبٌ وَلِاَنَّ الْعَمَّ بِمَنْزِلَةِ الْاَبِ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ بَدَلٌ مِنْ اِلٰهَکَ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَاَمْ بِمَعْنٰی هَمْزَةِ الْاِنْکَارِ اَیْ لَمْ تَحْضُرُوْهُ وَقْتَ مَوْتِهٖ فَکَیْفَ تَنْسِبُوْنَ اِلَیْهِ مَا لَا یَلِیْقُ بِهٖ تِلْکَ مُبْتَدَاٌ وَالْاِشَارَةُ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَیَعْقُوْبَ وَ بَنِیْهِمَا وَاُنِّثَ لِتَانِیْثِ خَبَرِهٖ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ سَلَفَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ مِنَ الْعَمَلِ اَیْ جَزَاؤُهٗ اِسْتِیْنَافٌ وَ لَکُمْ الْخِطَابُ لِلْیَهُوْدِ مَّا کَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ کَمَا لَا یُسْئَلُوْنَ عَنْ عَمَلِکُمْ وَالْجُمْلَةُ تَاکِیْدٌ لِمَا قَبْلَهَا وَ قَالُوْا کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا ؕ اَوْ لِلتَّفْصِیْلِ وَ قَائِلُ الْاَوَّلِ یَهُوْدُ الْمَدِیْنَةِ وَالثَّانِیْ نَصٰرٰی نَجْرَانَ

قُلْ لَهُمْ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ حَالٌ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٣٥﴾ قُوْلُوْٓا خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ مِنَ الصُّحُفِ الْعَشْرِ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اَوْلَادِهٖ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنَ التَّوْرٰةِ وَعِيْسٰى مِنَ الْاِنْجِيْلِ وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ مِنَ الْكُتُبِ وَالْاٰيَاتِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ فَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى بِمِثْلِ مِثْلُ زَائِدَةٌ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ خِلَافٍ مَعَكُمْ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ يَامُحَمَّدُ شِقَاقَهُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِاَقْوَالِهِمْ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ بِاَحْوَالِهِمْ قَدْ كَفَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُمْ بِقَتْلِ قُرَيْظَةَ وَنَفْيِ النَّضِيْرِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِاٰمَنَّا وَنَصَبُهٗ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اَيْ صَبَغَنَا اللّٰهُ وَالْمُرَادُ بِهَا دِيْنُهُ الَّذِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهِ لِظُهُوْرِ اَثَرِهٖ عَلٰى صَاحِبِهٖ كَالصَّبْغِ فِي الثَّوْبِ وَمَنْ اَيْ لَا اَحَدَ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ تَمْيِيْزٌ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ قَالَ الْيَهُوْدُ لِلْمُسْلِمِيْنَ نَحْنُ اَهْلُ الْكِتَابِ الْاَوَّلِ وَقِبْلَتُنَا اَقْدَمُ وَلَمْ يَكُنِ الْاَنْبِيَاءُ مِنَ الْعَرَبِ وَلَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَكَانَ مِنَّا فَنَزَلَ قُلْ لَهُمْ اَتُحَآجُّوْنَنَا تُخَاصِمُوْنَنَا فِي اللّٰهِ اَنِ اصْطَفٰى نَبِيًّا مِنَ الْعَرَبِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ فَلَهٗ اَنْ يَّصْطَفِيَ مِنْ عِبَادِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا نُجَازٰى بِهَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ تُجَازَوْنَ بِهَا فَلَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ اَعْمَالِنَا مَا نَسْتَحِقُّ بِهِ الْاِكْرَامَ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ الدِّيْنَ وَالْعَمَلَ دُوْنَكُمْ فَنَحْنُ اَوْلٰى بِالْاِصْطِفَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ وَالْجُمَلُ الثَّلٰثُ اَحْوَالٌ اَمْ بَلْ تَقُوْلُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ لَهُمْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ اَيِ اللّٰهُ اَعْلَمُ وَقَدْ بَرَّاَ مِنْهُمَا اِبْرٰهِيْمَ بِقَوْلِهٖ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَالْمَذْكُوْرُوْنَ مَعَهٗ تَبَعٌ لَهٗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ اَخْفٰى مِنَ النَّاسِ شَهَادَةً عِنْدَهٗ كَائِنَةً مِنَ اللّٰهِ ۭ اَيْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِنْهُ هُمُ الْيَهُوْدُ كَتَمُوْا شَهَادَةَ اللّٰهِ فِي التَّوْرٰةِ لِاِبْرٰهِيْمَ بِالْحَنِيْفِيَّةِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

تَعْمَلُوْنَ ۞ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ تَقَدَّمَ مِثْلُهُ

ترجمہ: اور کون ہے؟ (یعنی کوئی نہیں ہے) جو ابراہیم علیہ السلام کے دین سے روگردانی کرے (کہ اس کو چھوڑ دے) مگر وہی جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو (یعنی جاہل رہا اس بات سے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور اس پر اللہ کی عبادت فرض ہے یا یہ معنی ہے کہ اس نے اپنے نفس کی تحقیر کی ہے اس کو ذلیل کر رکھا ہے) اور بیشک ہم نے ان کو منتخب کر لیا ہے (چھانٹ لیا ہے) دنیا میں (عہدۂ رسالت اور خلت یعنی دوستی کے لئے) اور بلاشبہ وہ آخرت میں نیک لوگوں یعنی انبیاء میں سے ہوں گے (جن کے بلند درجات ہوں گے) اور (یاد کیجئے) جب ان سے کہا ان کے پروردگار نے کہ حکم برداری کر تو (اللہ کی فرمانبرداری کرو، اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر لو ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں حکم بردار ہوں پروردگار عالم کا، اور وصیت کر گئے ابراہیم علیہ السلام (ایک قراءت میں اوصی ہے) اسی ملت (یعنی مذہب) کی بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے کہا اپنے بیٹوں سے: اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے چن کر دیا تم کو دین (دین اسلام) سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہی ہو کر اس میں ترک اسلام سے منع کیا گیا اور مرتے دم تک اسلام پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا مفسر علام نے نہی عن ترك الاسلام الخ سے ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے شبہ یہ ہے کہ موت غیر اختیاری چیز ہے اور انہی امر اختیاری سے ہوا کرتی ہے ورنہ تکلیف مالا یطاق لازم آئے گا مفسر نے اس کا جواب دیا ہے کہ فلا تموتن الخ میں نہی دراصل ترک اسلام سے ہے مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر لحہ ہوشیار رہو اسلام اور اسلامی احکام کو کسی وقت ہاتھ سے نہ جانے دینا مبادا کسی وقت اسلام چھوڑ بیٹھو اور اسی وقت تم کو موت آ جائے تو ایسی موت انتہائی خسارے کی ہوگی اس لئے اسلام پر ثابت قدم رہو اور جب یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ام کنتم شهداء الخ کیا تم لوگ موجود (حاضر) تھے جب یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا جب (یہ از ماقبل کے اذ یعنی اذ حضر سے بدل ہے) انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: تم لوگ کس کی عبادت کرو گے میرے بعد؟ (یعنی میرے مرنے کے بعد) انہوں نے جواب دیا ہم عبادت (بندگی) کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادے ابراہیم واسمٰعیل اور اسحاق کے معبود کی (حضرت اسماعیل کو یعقوب کے آبا میں سے شمار کرنا تغلیباً ہے اور اس لئے کہ چچا بمنزلہ باپ ہوتا ہے) کہ وہی معبود وحده لاشريك له ہے (یہ الهك سے بدل ہے) ہم سب اسی کے فرمانبردار رہیں گے (ام کنتم میں ام بمعنی ہمزہ انکار ہے یعنی تم ان کے انتقال کے وقت موجود نہیں تھے پھر کس طرح ان کی طرف منسوب کرتے ہو جو ان کی شان کے خلاف ہے) وہ تلك مبتدا ہے اور اشارہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان دونوں کی اولاد کی طرف، اور مبتدا یعنی تلک کو مؤنث لانا اس کی خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہے ایک جماعت تھی جو گزر چکی (جا چکی) ہے ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا (یعنی جو عمل انہوں نے کیا ہے اس کی جزا ان کے لئے (یہ جملہ مستانفہ ہے) اور تمہارے واسطے ہے (یہود کو خطاب ہے) جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ گچھ نہیں ہوگی ان کے عمل کی جیسا کہ ان سے باز پرس نہیں ہوگی تمہارے عمل کی، یہ جملہ ماقبل کی تاکید

ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں (مسلمانوں سے) کہ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تو ہدایت پا لو گے (او تفصیل کے لیے ہے یعنی جمع کے لئے نہیں ہے اول جملہ کونوا ھودا تھتدوا کے قائل یہود مدینہ ہیں اور ثانی یعنی کونوا نصری تھتدوا کے قائل نصاریٰ نجران ہیں) آپ کہہ دیجئے (ان سے) بلکہ ہم تو اتباع کرتے ہیں ملت ابراہیم کا جس میں کجی کا نام نہیں ہے (حنیفا حال ہے ابراہیم سے یعنی تمام دُنیاوی سے مڑکر حق کی طرف مائل ہوئے ہیں) اور ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے تم کہہ دو (مؤمنوں کو خطاب ہے) کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا (یعنی قرآن) اور ان (دس صحیفوں) پر بھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل و اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف بھیجا گیا (یہ دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے ان ہی صحیفوں پر ان کی اولاد کا عمل درآمد رہا اسی واسطے ان کے نزول کو اولاد کی طرف بھی منسوب فرمایا) اور اس پر بھی جو ملا موسیٰ کو (یعنی توریت) اور اس پر بھی جو دی گئی عیسیٰ کو (یعنی انجیل) اور اس پر بھی جو کچھ (کتابیں اور آیات) انبیاء علیہم السلام کو ان کے پروردگار کی طرف سے دی گئی ہیں، ہم ان سب میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے ہیں (کہ بعض پر ایمان لاویں اور بعض کا انکار کر دیں یہود و نصاریٰ کی طرح) اور ہم تو اسی اللہ کے فرمانبردار ہیں، پس اگر وہ لوگ بھی ایمان لاویں (یعنی یہود و نصاریٰ) اسی طرح (لفظ مثل زائد ہے) جس طرح تم ایمان لائے ہو تو بیشک ہدایت پائیں گے اور اگر روگردانی کریں (ایمان سے) تو بلاشبہ وہی ہیں ضد پر (آپ کے ساتھ مخالفت کرنے میں) سو کافی ہے آپ کی طرف سے ان کو اللہ (یعنی اے محمد ﷺ ان کی مخالفت کو اللہ تعالیٰ نمٹ لے گا اور اللہ سننے والا ہے ان کے اقوال کو اور جاننے والا ہے ان کے احوال کو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے نمٹ لیا بنو قریظہ کو قتل کر کے اور بنو نظیر کو جلا وطن کر کے اور ان یہود و نصاریٰ پر جزیہ یعنی سالانہ ٹیکس مقرر کر کے) ہم ایمان لائے ہیں اللہ کے رنگ یعنی دین پر (صبغۃ مصدر ہے امنا کی تاکید کے لیے اور اس کا نصب ہے فعل مقدر کے ذریعہ ای صبغنا اللہ صبغۃ یعنی اللہ نے ہم کو رنگ دیا ہے پختہ رنگ اور مراد اس صبغۃ سے وہ فطری دین ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے کیوں کہ اس کا اثر صاحب دین پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے جیسے کپڑے میں رنگ) اور کون ہے (کوئی نہیں ہے) جس کا رنگ بہتر ہو اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔ یہود نے مسلمانوں سے کہا: ہم اول اہل کتاب ہیں اور ہمارا قبلہ بھی قدیم ہے اور نبیوں میں سے کوئی نبی عرب کا نہیں ہوا اگر محمد (ﷺ) نبی ہوتے تو یقیناً ہم میں سے (یعنی بنی اسرائیل میں سے) ہوتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی قل اتحاجوننا الخ آپ کہہ دیجئے (ان یہودیوں سے) کیا تم ہم سے حجت کرتے ہو (ہم سے جھگڑا کرتے ہو) اللہ کے بارے میں (کہ اس نے انتخاب کر لیا ہے پیغمبر کا عرب میں سے) حالانکہ وہی ہے ہمارا رب اور تمہارا رب (اس لئے اس کو حق ہے کہ انتخاب کر لے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے مطلب یہ ہے کہ وہ مالک و مختار ہے اس میں ہماری یا تمہاری کوئی خصوصیت یا اجارہ داری نہیں ہے بس اس کی مرضی پر ہے) ہمارے لئے ہیں اعمال ہمارے (کہ ہم ان اعمال کا بدلہ پائیں گے) اور تمہارے لئے ہیں تمہارے اعمال (کہ تم اس کا بدلہ پاؤ گے) پس کوئی بعید نہیں ہے یعنی ممکن ہے کہ ہمارے اعمال میں کچھ ایسے اعمال ہوں کہ جس کی وجہ سے ہم اکرام و اعزاز کے مستحق ہوں) اور ہم تو خالص اسی کے ہیں (یعنی ہمارا دین اور ہمارا عمل خالص اسی کے لئے ہے نہ کہ تمہارا یعنی ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ہیں بخلاف تمہارے کہ تم حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہو پس ہم ہی اس انتخاب کے زیادہ مستحق ہیں۔ اتحاجوننا کا ہمزہ استفہام

انکاری ہے اور تینوں جملے: (۱) وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ (۲) وَلَنَآ اَعْمَالُنَا (۳) وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ حال ہیں اتحاجو ننا کے نا سے) ام بمعنی بل ہے کیا تم کہتے ہو (تَقُوْلُوْنَ تا کے ساتھ بصیغہ خطاب اور یا کے ساتھ بصیغہ غائب دونوں قراءتیں ہیں) کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی تھے، آپ فرما دیجئے (ان سے) کہ تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (یہودیت و نصرانیت) سے ابراہیم کی براءت کر دی اپنے قول: مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا سے (یعنی ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی) اور ابراہیم کے ساتھ مذکورہ انبیاء علیہم السلام ابراہیم کے تابع ہوں گے یعنی ابراہیم کی براءت سے اسماعیل و اسحاق سب کی براءت ہو جائے گی) اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے چھپائی (لوگوں سے پوشیدہ رکھا) وہ گواہی جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے تھی (یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے اور وہ یہود ہیں جنہوں نے چھپایا تورات میں اللہ کی شہادت کو ابراہیم علیہ السلام کی حنیفیت کے متعلق یعنی تورات میں موجود تھا کہ ابراہیم کا دین دین حنیف تھا وہ مشرک نہ تھے) اور اللہ بے خبر نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو (ان کے لئے دھمکی ہے) یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ گچھ نہ ہوگی (اس جیسی آیت پہلے آچکی ہے مکرر ارشاد ہوا تاکہ اپنے آباؤ اجداد کے بھروسے پر نہ رہیں ((پدرم سلطان بود تراچہ))۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَمَنْ يَّرْغَبُ: یہ استفہام انکاری ہے جو ملت حقہ واضحہ سے اعراض کرنے والے پر اظہار و استبعاد کے لیے لایا گیا۔

قوله: جَهِلَ: اس سے اشارہ کیا کہ نَفْسَهٗ یہاں جَهِلَ کی جگہ آیا ہے اس لیے ایک مفعول سے متعدی آ رہا ہے اور تاویل جملہ میں ہے۔

قوله: وَفِيْ قِرَاءَةٍ اَوْصٰى: وَصّٰى والی قراءت تکثیر پر دلالت کی وجہ سے زیادہ بلیغ ہے۔

قوله: بِالْمِلَّةِ: اس سے اشارہ کیا کہ ھَا کا مرجع مِلَّةِ ہے اَسْلَمْتُ نہیں۔

قوله: بَنِيْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف ابراہیم پر ہے یعنی اس نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ ابتداء کی وجہ سے مرفوع نہیں۔

قوله: قَالَ يٰبَنِيَّ: قَالَ کو یہاں مقدر اس لیے مانا گیا کہ وہ افعال جو قول کے معنی کو متضمن ہوتے ہیں جیسے وصیت، وعد، اذن، ود، ان کے بعد اَنْ کو ثابت کرنا جائز ہے اور مثلاً: فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ اور قال مقدر ہو تو اس کو حذف کریں گے مثلاً: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ اور جہاں قول کا معنی متضمن نہ ہو وہاں حذف جائز نہیں جہاں قال صراحت یا مضمر ہو وہاں اس کا ظاہر کرنا جائز نہیں۔ یہاں اگر قول کو مقدر نہ مانو تو ان کو مقدر ماننا پڑے گا۔

قوله: نَهِيَ عَنْ تَرْكِ الْإِسْلَامِ: نہی کا مقصود یہاں اسلام کی حالت کے خلاف موت کے وقت متصف ہونے کی ممانعت ہے اور اس کے خلاف امر کو مستلزم ہے۔ یعنی ثابت قدمی کو۔

قوله: بَدَلٌ: یہ اِلٰهَكَ سے بدل ہے، اسی وجہ سے عطف نہیں کیا۔

قوله: اَیْ لَمْ تَحْضُرُوْهُ: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کی موت کے وقت موجود نہ تھے اور نہ تمہیں ان کی وصیت کا علم ہے اس لیے کہ انہوں نے تو اس کے خلاف وصیت کی جس کا تم ان کے متعلق دعویٰ کرتے ہو پھر تم ان کے متعلق بغیر علم کے ایسا دعویٰ کیوں کرتے ہو جو ظاہر کے خلاف ہے۔

قوله: خَلَتْ اى سَلَفَتْ: یہاں خَلَتْ گزرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت: فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۞ یہ خلو عن الشی کے معنی میں نہیں۔

قوله: جَزَاؤُهُ: مضاف محذوف ہے اور دلیل قرینہ مقام ہے اور مسند الیہ یہاں مسند سے مقدم ہے۔

قوله: لَهَا مَا كَسَبَتْ: یہ جملہ مستانفہ عدم عطف کی وجہ سے بیان کی گئی ہے اور لَكُمْ میں یہود سے خطاب کر کے یہ بتلایا کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے تم کو کوئی فائدہ نہیں اور آیت کا ماقبل سے ربط بھی ظاہر کر دیا۔

قوله: اَوْ لِلتَّفْصِيْلِ: اس سے اشارہ کیا کہ او کی تنویع کے لیے ہے تخییر کے لیے نہیں۔

قوله: خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ: اس ترک عطف کی وجہ کی طرف سے اشارہ کیا کہ یہ بیان و تاکید ہے۔ ارشاد: بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِمَ کے لیے یا پھر بدل البعض ہے کیونکہ اتباع میں اعتقاد و عمل دونوں چیزیں ہوتی ہیں اور اس میں اعتقاد ہے۔

قوله: مِنَ الْكُتُبِ وَالْاٰيَاتِ: اس سے اشارہ کیا موصول کو یہاں لوٹایا گیا پہلے آیات کو شامل تھیں اور مَآ اُنْزِلَ کو لا کر کتب کو خاص کر دیا اگر موصول دوبارہ نہ لاتے تو پھر عام کتب مراد ہوتیں، آیات شامل نہ ہوتیں۔ فتدبر

قوله: دِيْنُهُ الَّذِيْ: یہاں مضاف الی الفاعل کو مقدر مانا گیا تاکہ حذف عامل کے واجب ہونے کی شرط ثابت ہو جائے اور یہ مضمون جملہ کا بھی مؤکد ہے اگر یہ نکرہ لاتے تو مضمون کے ایک جزء کی تاکید ہوتی یعنی فعل کی فقط۔

قوله: تُجَازَوْنَ بِهَا: (۱) نبوت کے سلسلہ میں اہلسنت کا مذہب ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ (۲) فلاسفہ کہتے ہیں طاقت وتطہیر سے ملتی ہے۔ اس آیت سے ان کا استدلال ہے۔

قوله: وَالْجُمَلُ الثَّلٰثُ اَحْوَالٌ: یہ واؤ عاطفہ نہیں حالیہ ہے۔ فتدبر

قوله: اَمْ بَلْ: اَمْ یہاں منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار کے لیے ہے۔ مطلب ہے کہ مناسب یہ ہے کہ یہ بات ان سے صادر نہ ہو۔

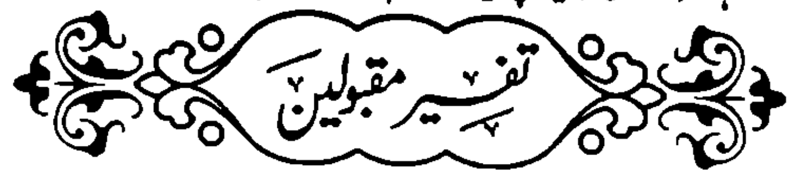
قوله: اللّٰهُ اَعْلَمُ: اس سے مقدر سوال کا جواب دیا کہ: ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ..... میں استفہام تقریر مخاطب کے لیے ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اَعْلَمُ ہونے کا اقرار کر چکے ہو اور اس نے تو ابراہیم علیہ السلام سے یہودیت و نصرانیت کی نفی کی ہے، پس تمہارا قول ان کے متعلق جہل سے ہو یا عناد سے باطل ہے۔

قوله: اَخْفٰى مِنَ النَّاسِ: اس سے اشارہ کیا کہ کتمان اخفاء کو کہتے ہیں، ڈھانپنے کو نہیں کہتے۔

قوله: كَائِنَةً: اس میں اشارہ ہے کہ مِنْ ابتدائیہ ہے۔ یہ كَتَمَ کا صلہ نہیں ہے۔

قولہ: لَا اَحَدَ اَظْلَمُ: لَا استفہام انکاری ہے۔ تِلْكَ اُمَّةٌ تکریر مبالغہ برائے تحذیر ہے۔

ربط: جب گزشتہ آیات میں حضرت خلیل علیہ السلام کے مآثر بیان کیے اور ان کی بیت اللہ الحرام کی تعمیر کا ذکر کیا تو اب ان کے مخالفین کو سخت توبیخ فرمائی کہ یہود، نصرانی ومشرکین ہیں اور اعلان کر دیا کہ ملت ابراہیم سے اعراض کرنے والا بدبخت ہے اور کم عقل اور شیطان کا پیروکار ہے۔ یہ یہود ونصاریٰ کا دعویٰ محض باطل کی بنیاد پر ہے ان کے یہ دعاوی کہ وہ حق پر ہیں یہ کسی دلیل وشبہہ کی بنیاد پر نہیں، ضد وعناد کی وجہ سے ہے پھر آخر میں فرمایا: سچا دین تو اسلام کو تھامنا ہی ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے۔ (ص)



وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ۔۔۔

گزشتہ آیات میں اجمالاً حضرت ابراہیم کی ملت کی طرف اشارہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم کی اس دعا واجعلنا مسلمین لك اور ومن ذریتنا امة مسلمة لك سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طریقہ کو حضرت ابراہیم نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے پسند کیا اور اس کی دعا کی وہ طریقہ طریقۂ اسلام ہے۔ اب آئندہ آیات میں اس کی تفصیل فرماتے ہیں کہ وہ ملت ابراہیم عین توحید اور عین اسلام ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احکام خداوندی کی دل وجان سے بے چون وچرا اطاعت کرنا اپنے آپ کو خدا کے حوالے اور سپرد کر دینا اخیر پارہ تک اسی ملت اسلام کے فضائل اور اسی کے اتباع کی ترغیب میں کلام چلا گیا ہے جس سے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب کا رد کرنا مقصود ہے کہ یہ سب حضرات ابراہیم کو اپنا امام اور پیشوا مانتے ہیں اور پھر ان کے خلاف طریقہ پر چل رہے ہیں حالانکہ اسی ملت اسلام پر قائم رہنے کی حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے اپنے لیے دعا مانگی اور اسی کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ کون شخص ہے کہ جو ابراہیم کی ملت سے عدول اور انحراف کرے۔ حالانکہ وہ ملت تمام ملتوں سے افضل اور بہتر ہے اور صاحب ملت لوگوں کا امام اور پیشوا ہے اور سب سے پہلے اسی نے نہایت تضرع اور زاری سے امت مسلمہ کے وجود اور نبی آخر الزمان کے ظہور کی دعا مانگی کہ جو امت مسلمہ کو اسلام کا طریقہ بتلائے تو ایسی بہتر ملت کے اتباع سے کون اعراض اور انحراف کر سکتا ہے مگر وہی شخص کہ جو اپنے ہی نفس سے جاہل اور نادان ہو کہ یہ نہ سمجھتا ہو کہ کون سی ملت فطرت سلیمہ کے مناسب ہے اور کون سی غیر مناسب اور کون سی ملت روح اور قلب کے لیے نافع ہے اور کون سی مضر اور کس ملت کے قبول کرنے سے نفس کے لیے کمالات کا دروازہ کھلتا ہے اور کس ملت سے کمالات کا دروازہ بند ہوتا ہے اگر یہ سفیہ اپنے نفس سے بے خبر نہ ہوتا تو ملت ابراہیمی سے اعراض نہ کرتا اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو دنیا میں برگزیدہ بنایا اور اپنے مقبول بندوں میں سے اس کو منتخب کیا اور تمام کمالات روحانیہ سے اس کو مکمل کیا یعنی نبوت رسالت اور ولایت وامامت ان کو عطاء کی اور خلت کا خلعت ان کو پہنایا اور جو معبد انہوں نے تعمیر کیا اس کو قبلۂ عالم بنایا اور تحقیق آخرت میں وہ صالحین اور نیکوکاروں سے ہیں۔

جبکہ ان کے پروردگار نے کہا کہ اے ابراہیم اسلام اختیار کر اور مسلم بن جا یعنی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے اور سپرد کر دے اور اپنی خواہش اور ارادہ کو اس کی رضا اور خوشنودی میں فنا کر دے ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا کہ میں نے

اسلام اختیار کیا اور میں نے اپنے تمام کام رب العالمین کے سپرد کر دیئے اور اپنے نفس کو درمیان سے بالکل نکال لیا۔

اور جب تک ابراہیم علیہ السلام زندہ رہے اسی ملت پر قائم رہے اور جب وصال کا وقت آیا تو ابراہیم علیہ السلام نے سب بیٹوں کو جمع کر کے اسی ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی جن میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق بھی تھے اور پھر اسی طرح اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا اے میرے بیٹو! تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ دین اسلام پسند کیا ہے اس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں پس تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اسلام پر پختہ اور قائم ہو۔ یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت یہودیت اور نصرانیت کی وصیت نہیں کی بلکہ ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی۔ پس اے اہل کتاب تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت یہودیت کی وصیت کی تھی اس کی نہ کوئی سند ہے اور نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی مشاہدہ۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ.....

آباء واجداد کے اعمال کی جزا سزا اولاد پر نہیں ہوگی:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ باپ دادا کے نیک اعمال اولاد کے لئے کافی نہ ہوں گے جب تک وہ خود اپنے اعمال کو درست نہ کریں اسی طرح باپ دادا کے برے اعمال کا عذاب بھی اولاد پر نہ بڑے گا جب کہ یہ اعمال صالحہ کے پابند ہوں اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مشرکین کی اولاد جو بلوغ سے پہلے مرجائے ان کو اپنے ماں باپ کے کفر وشرک کی وجہ سے عذاب نہیں ہوگا اور اس سے یہود کے اس عقیدے کی بھی تردید ہوگئی کہ ہم جو چاہیں عمل کرتے رہیں ہماری مغفرت تو ہمارے آباء واجداد کے اعمال سے ہوجائے گی اسی طرح آجکل کے بعض سید خاندان کے لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ہم اولاد رسول ہیں ہم جو چاہیں گناہ کرتے رہیں ہماری مغفرت ہی ہوگی۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى

وَ قالوا میں ضمیر هم سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں هودًا اَوْ نَصَارٰى میں کلمہ او تنویع کے لیے ہے یعنی یہودیوں نے یہودیت کی طرف بلایا اور نصرانیوں نے نصرانیت کی ترغیب دی۔

تَهْتَدُوْا (تو راہ راست پر آجاؤ گے) یہ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ (آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم پر رہیں گے) یعنی ہم نہ یہودی ہیں نہ نصرانی ہم تو ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کا اتباع کرنے والے ہیں یا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ہیں یا یہ معنی کہ ملت ابراہیمی کا اتباع کرتے ہیں یا یہ مطلب کہ اے یہود ونصاریٰ تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو۔

حَنِيْفًا (کہ اس میں کجی کا نام نہیں) اصل میں حنف کسی طریقے سے مڑنے اور علیحدہ ہونے کو کہتے ہیں اور حنیف کے معنی ہیں تمام دینوں سے مڑ کر اسلام کی طرف جھکنے والا' حنیفا یا تو مضاف یعنی ملت سے حال ہے اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ ہم ایسی ملت پر ہیں کہ جو باطل سے علیحدہ ہونے والی ہے اور یا مضاف الیہ یعنی ابراہیم سے حال ہے اور کوفہ کے نحویوں کے نزدیک مِلَّةَ ابراهِیْمَ منصوب علی القطع ہے یعنی اصل میں ملة ابراہیم الحنیف تھا الحنیف سے الف ولام کو دور کردیا اب نکرہ معرف

کی صفت نہیں بن سکتا اس لیے اس سے منقطع ہو کر منصوب ہو گیا۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (اور نہ تھے ابراہیم مشرکین میں سے) یہ اہل کتاب پر تعریض ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور شرک میں بھی مبتلا ہیں۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا ....

اللہ کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم:

قُوْلُوْٓا (کہہ دو) یہ مؤمنین کو خطاب ہے۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا (ہم ایمان رکھتے ہیں خدا پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا) اس سے مراد قرآن مجید ہے اسے اس لیے مقدم فرمایا کہ قرآن ہی اور کتابوں پر ایمان لانے کا سبب ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ (اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور حضرت یعقوب اور اولاد یعقوب علیہم السلام کی طرف بھیجا گیا) اس سے دس صحیفے مراد ہیں جو ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے ان ہی دس پر ان کی اولاد کا عمل درآمد رہا۔ اسی واسطے ان کے نزول کو اولاد کی طرف بھی منسوب فرمایا جیسا کہ قرآن پاک کا نزول جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت سے ہماری طرف بھی منسوب ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ قرآن ہم پر نازل ہوا ہے اسباط بنی اسرائیل کی جماعتوں کو کہتے ہیں جیسے قبائل عرب کے گروہوں اور شعوب عجم کے فرقوں کو بولا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کی بارہ جماعتیں تھیں کیونکہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ہر بیٹے کی اولاد ایک ایک مستقل جماعت علیحدہ گنی جاتی تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اَسباط سے مراد خود یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اور اَسباط انہیں یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی اولاد ایک سبط اور جماعت تھی اور یا اس لیے کہ سبط اولاد کی اولاد کو کہتے ہیں اسی واسطے حسنین کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سبطین فرماتے تھے اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ابراہیم کے پوتے تھے اس لیے انہیں اَسباط فرمایا۔

وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى (اور اس پر بھی جو ملا موسیٰ کو) اس سے مراد تورات ہے۔

وَعِيْسٰى (اور اس پر بھی جو دیئے گئے حضرت عیسیٰ) اس سے انجیل مراد ہے۔

وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (اور اس پر بھی جو اور انبیاء علیہم السلام کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا اس کیفیت سے کہ ہم ان میں سے ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے) یعنی ہم یہود اور نصاریٰ کی طرح کسی نبی میں فرق نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان لاویں اور کسی پر نہ لاویں بلکہ سب ہمارے مقتدا اور دین وایمان ہیں۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں) اور یہ ہمارا دین اسلام ملت ابراہیمی اور ہر نبی اور جناب خاتم الانبیاء محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین ہے اور یہود اور نصاریٰ جس طریقہ پر ہیں وہ کھلا شرک ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا دنیا وآخرت میں عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے زیادہ تعلق اور قرب ہے انبیاء سب بھائی بھائی ہیں مائیں ان کی مختلف ہیں اور سب کا ایک دین ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں۔ (بخاری ومسلم)

انبیاء کے آپس میں بھائی ہونے اور ماؤں کے مختلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء کی اصل ایک ہے اور وہ وحی الٰہی

ہے کہ اسی کے سبب سے نبی نبی ہوتا ہے اور استعدادیں کہ جو بمنزلہ ماؤں کے ہیں مختلف ہیں اور اس اختلاف کی ہی وجہ سے شرائع کے فروع میں اختلاف ہوا ہے اور دین کے ایک ہونے سے مراد یہ ہے کہ سب انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالاؤ اور منہیات سے بچو اور خواہش نفسانی کو چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی ذات (صفت اور احکام اور مبداء و معاد کے احوال) پر ایمان لاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات عبرانی زبان کی پڑھا کرتے اور عربی میں اہل اسلام کے سامنے اس کی تفسیر کرتے جناب رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ یہ کہو: امنا باللہ وما انزل الینا .... (بخاری)

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ....

شرط نجات:

اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور حضور اقدس (ﷺ) کو تسلی بھی ہے، ارشاد ہے کہ اپنے اپنے دین کو ہدایت پر بتانے والے اگر اسی طرح کے مؤمن ہو جائیں جس طرح کے تم مؤمن ہو اور ان سب چیزوں پر ایمان لائیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر وہ اعراض کریں اور اس ایمان سے روگردانی کریں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے اور جسے تم پیش کرتے ہو تو سمجھ لو کہ ان کو خواہ مخواہ ضد ہے حق قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں اور انہوں نے حق کی مخالفت پر کمر باندھی ہوئی ہے تھوڑا سا موقع ان کو مل رہا ہے۔ اے نبی (ﷺ) اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری طرف سے کفایت فرمائے گا اور ان کے شر اور مکر و کید سے مستقل طریقہ پر تمہیں چھٹکارہ اور خلاصی دے گا۔ وہ ذلیل ہوں گے خوار ہوں گے دنیا و آخرت کی سزا میں مبتلا ہوں گے اللہ تعالیٰ سمیع ہے وہ ان کی سب باتیں سنتا ہے اور علیم بھی ہے جو ان کی سب باتوں کو جانتا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ (لے لیا ہم نے رنگ اللہ کا) اس سے اللہ کا دین مراد ہے کلبی قتادہ اور حسن نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح اس کی تفسیر نقل کی ہے دین کو رنگ سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جیسے رنگ کپڑے پر چڑھ جاتا ہے اسی طرح دین دار پر دین کا اثر ہو جاتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ نصاریٰ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا اور اس پر سات روز گزر جاتے تو وہ اسے ایک پانی میں جسے معمودیہ کے نام سے موسوم کرتے غوطہ دیتے اور خیال کرتے کہ اس سے یہ پاک ہو گیا اور سب آلائشیں دور ہو گئیں اور یہ فعل بجائے ختنہ کے کرتے تو جب اسے غوطہ دے دیتے تو کہتے کہ اب یہ سچا نصرانی ہو گیا اس پر حق تعالیٰ نے آیت کریمہ: صبغة اللہ...... نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کا دین اسلام اور احکام ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور کس کا رنگ بہتر ہے خدا کے رنگ سے یعنی تمام رذائل سے پاک کرنے میں اللہ کے دین سے کوئی طریقہ اچھا نہیں۔

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں) یہ اہل کتاب پر تعریض ہے یعنی ہم تمہاری طرح شرک میں مبتلا نہیں ایں ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اگر صبغة اللہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہو تو نحن لہ عابدون کا اٰمَنَّا پر عطف ہے

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ....

یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت تمہارا نزاع کرنا اور تمہارا یہ سمجھنا کہ اس کی عنایت ورحمت کا ہمارے سوا کوئی مستحق نہیں لغویات ہے وہ جیسا تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے اور ہم جو کچھ اعمال کرتے ہیں خالص اسی کے لئے کرتے ہیں۔ تمہاری طرح زعم آباؤ اجداد اور تعصب ونفسانیت سے نہیں کرتے پھر کیا وجہ کہ ہمارے اعمال وہ مقبول نہ فرمائے اور تمہارے اعمال مقبول ہوں۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ....

یہود ونصاریٰ کے ایک دعویٰ کی تردید:

یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم واسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد جن کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ یہ حضرات نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ یہ حضرات ملت ابراہیمی پر تھے یہودیت اور نصرانیت اور توریت اور انجیل ان کے بعد نازل ہوئی ہیں جن سے تم اپنا جوڑ لگاتے ہو پھر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اور پوتے یہودیت اور نصرانیت اور توریت پر کیسے ہو سکتے ہیں تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا عالم ہے اسی کو صحیح علم ہے تم جہاں حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب اور ان کے اسباط کے بارے میں غلط بات کہتے ہو اور ان کو یہودیت اور نصرانیت پر بتلاتے ہو وہاں اس شہادت اور گواہی کو بھی چھپاتے ہو جو اللہ کی طرف سے تمہارے پاس پہنچی اور وہ شہادت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے موحد تھے مشرک نہیں تھے یہودی اور نصرانی نہیں تھے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ....

نسب پر غرور کرنے والوں کو تنبیہ:

یہ آیت مکرر ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہود کو دوبارہ متنبہ فرمایا ان کی طبیعتوں میں جو باپ دادوں پر فخر کرنا اور نسب پر بھروسہ کرنا مستحکم تھا اس کے نافع نہ ہونے پر دوبارہ بطور تاکید کے تنبیہ فرمائی اور بتا دیا کہ اللہ تمہیں تمہارے اعمال پر جزا دے گا اور تمہارا باپ دادوں کا عمل تمہیں کچھ نفع نہ دے گا اور قیامت کے دن تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادے کیا عمل کرتے تھے (یعنی ان کے اعمال کا بالکل ذکر نہ ہوگا) بلکہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال ہوگا اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہ آیت پہلے جو گزری ہے وہاں اہل کتاب کو خطاب تھا اور یہاں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو تنبیہ ہے کہ تم لوگ یہود کی اقتدا نہ کرنا اور ان کی طرح سے آباؤ اجداد پر فخر نہ کرنا اور اپنے ذاتی اعمال کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔

اختتام پارہ اوّل

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الجُهَّالُ مِنَ النَّاسِ اَيِ الْيَهُوْدِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مَا وَلّٰهُمْ اَيُّ شَيْءٍ صَرَفَ النَّبِيَّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ عَلٰى اسْتِقْبَالِهَا فِي الصَّلٰوةِ وَهِيَ بَيْتُ الْمَقْدِسِ وَالْاِتْيَانُ بِالسِّيْنِ الدَّالَّةِ عَلَى الْاِسْتِقْبَالِ مِنَ الْاِخْبَارِ بِالْغَيْبِ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ اَيِ الْجِهَاتُ كُلُّهَا فَيَأْمُرُ بِالتَّوَجُّهِ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ شَاءَ لَااعْتِرَاضَ عَلَيْهِ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ هِدَايَتَهُ اِلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ دِيْنِ الْاِسْلَامِ اَيْ وَمِنْهُمْ اَنْتُمْ دَلَّ عَلٰى هٰذَا وَ كَذٰلِكَ كَمَا هَدَيْنَاكُمْ اِلَيْهِ جَعَلْنٰكُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اُمَّةً وَّسَطًا خِيَارًا عُدُوْلًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَّ رُسُلَهُمْ بَلَّغَتْهُمْ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ اَنَّهُ بَلَّغَكُمْ وَ مَا جَعَلْنَا صَيَّرْنَا الْقِبْلَةَ لَكَ الْاٰنَ الْجِهَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اَوَّلًا وَهِيَ الْكَعْبَةُ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلَيْهَا فَلَمَّا هَاجَرَ اُمِرَ بِاسْتِقْبَالِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ تَاَلُّفًا لِلْيَهُوْدِ فَصَلّٰى اِلَيْهِ سِتَّةَ اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ حُوِّلَ اِلَّا لِنَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُوْرٍ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ فَيُصَدِّقُهُ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ اَيْ يَرْجِعُ اِلَى الْكُفْرِ شَكًّا فِي الدِّيْنِ وَظَنًّا اَنَّ النَّبِيَّ فِيْ حَيْرَةٍ مِنْ اَمْرِهِ وَقَدِ ارْتَدَّ لِذٰلِكَ جَمَاعَةٌ وَ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ وَاِنَّهَا كَانَتْ اَيِ التَّوْلِيَةُ اِلَيْهَا لَكَبِيْرَةً شَاقَّةً عَلَى النَّاسِ اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ مِنْهُمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اَيْ صَلَاتَكُمْ اِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ بَلْ يُثِيْبُكُمْ عَلَيْهِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا السُّؤَالُ عَمَّنْ مَاتَ قَبْلَ التَّحْوِيْلِ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ فِيْ عَدَمِ اِضَاعَةِ اَعْمَالِهِمْ وَالرَّاْفَةُ شِدَّةُ الرَّحْمَةِ وَقُدِّمَ الْاَبْلَغُ لِلْفَاصِلَةِ قَدْ لِلتَّحْقِيْقِ نَرٰى تَقَلُّبَ تَصَرُّفَ وَجْهِكَ فِي جِهَةِ السَّمَآءِ ۚ مُتَطَلِّعًا اِلَى الْوَحْيِ وَمُتَشَوِّقًا لِلْاَمْرِ بِاسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ وَكَانَ يَوَدُّ ذٰلِكَ لِاَنَّهَا قِبْلَةُ اِبْرٰهِيْمَ وَلِاَنَّهُ اَدْعٰى اِلٰى اِسْلَامِ الْعَرَبِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ نُحَوِّلَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ تُحِبُّهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ اسْتَقْبِلْ فِي الصَّلٰوةِ شَطْرَ نَحْوَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ اَيِ الْكَعْبَةِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ خِطَابٌ لِلْاُمَّةِ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ شَطْرَهٗ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ اَيِ التَّوَلِّيَ اِلَى الْكَعْبَةِ الْحَقُّ الثَّابِتُ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ لِمَا فِيْ كُتُبِهِمْ مِنْ نَعْتِ النَّبِيِّ صَلّٰى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَنَّهُ يَتَحَوَّلُ اِلَيْهَا وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۞ بِالتَّاءِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ اِمْتِثَالِ اَمْرِهٖ وَ بِالْيَاءِ اَيِ الْيَهُوْدُ مِنْ اِنْكَارِ اَمْرِ الْقِبْلَةِ وَ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ عَلٰى صِدْقِكَ فِيْ اَمْرِ الْقِبْلَةِ مَّا تَبِعُوْا اَيْ لَا يَتَّبِعُوْنَ قِبْلَتَكَ ۚ عِنَادًا وَ مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ قَطْعٌ لِطَمْعِهٖ فِيْ اِسْلَامِهِمْ وَطَمْعِهِمْ فِيْ عَوْدِهٖ اِلَيْهَا وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ اَيِ الْيَهُوْدُ قِبْلَةَ النَّصَارٰى وَبِالْعَكْسِ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ الَّتِيْ يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهَا مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اَلْوَحْيِ اِنَّكَ اِذًا اِنِ اتَّبَعْتَهُمْ فَرْضًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ اَيْ مُحَمَّدًا كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ بِنَعْتِهٖ فِيْ كِتَابِهِمْ قَالَ ابْنُ سَلَامٍ لَقَدْ عَرَفْتُهٗ حِيْنَ رَاَيْتُهٗ كَمَا اَعْرِفُ ابْنِيْ وَمَعْرِفَتِيْ لِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ نَعْتَهٗ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ هٰذَا الَّذِيْ اَنْتَ عَلَيْهِ اَلْحَقُّ كَائِنًا مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۞ع الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ اَيْ مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فَهُوَ اَبْلَغُ مِنْ لَا تَمْتَرِ.

ترجمہ: اب کہیں گے بیوقوف (جاہل) لوگ (یہود اور مشرکین) کہ کس چیز نے ان کو پھیر دیا (یعنی کس چیز نے پھیر دیا نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو) ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے (یعنی نماز میں جس قبلہ کے استقبال پر تھے اور وہ قبلہ بیت المقدس ہے اور سین استقبالیہ کالانا اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے (جمہور مفسرین کا یہی قول ہے کہ سین استقبال ہی کے لئے ہے اور یہ آیت تلاوت کی طرح نزول میں بھی آیات تحویل سے مقدم ہے، رہا یہ اشکال کہ وقوع اعتراض سے قبل اعتراض کی اطلاع سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب: (۱) یہ ہے کہ ذہن کی آمادگی اور تیاری، قاعدہ ہے کہ تکلیف دہ اعتراض اگر اچانک کان میں پڑے تو انتہائی کوفت ہوتی ہے لیکن اگر پہلے ہی سے ذہن تیار ہو کہ یہ کہا جائے گا تو انسان زیادہ متاثر نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اخبار بالغیب ہے یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی سچی پیشگوئی ہے جو صریح معجزہ ہے **قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ** آپ فرما دیجئے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں (یعنی ساری سمتیں اللہ کی ملک ہیں سو حکم دے سکتا ہے توجہ کرنے کا جس طرف چاہے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے) اللہ جس کی ہدایت چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھلا دیتا ہے (وہ سیدھا راستہ دین اسلام ہے یعنی انہی سیدھی راہ پانے والوں میں سے اے مسلمانو! تم لوگ ہو، جس پر اگلا جملہ وَ كَذٰلِكَ دلالت کر رہا ہے) اور اسی طرح (جس طرح ہم نے تم کو ہدایت دی ہے) ہم نے تم کو بنا دیا ہے اے امت محمد ﷺ ایک امت وسط (معتدل جماعت بنا دیا ہے جو بہترین نہایت اعتدال پر ہے) تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو (قیامت کے دن کہ رسولوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ فرما دی) اور رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے گواہ ہو (کہ تم کو آنحضرت ﷺ نے تبلیغ کی ہے) اور نہیں مقرر کیا

(نہیں بنایا) قبلہ (آپ کے لئے اب اسی جانب کو) جس پر آپ پہلے تھے (یعنی کعبہ کہ آنحضور ﷺ اس کی سمت نماز پڑھا کرتے تھے پھر جب آپ نے ہجرت فرمائی تو یہود کے تالیف قلب کے لئے آپ ﷺ کو بیت المقدس کے استقبال کا حکم دیا گیا چنانچہ آپ ﷺ سولہ سترہ مہینہ اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر کعبہ کی طرف پھیر دیئے گئے یعنی تحویل قبلہ کا حکم آ گیا) مگر اس مصلحت سے کہ ہم معلوم کرلیں (ظاہری طور پر بھی) کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے (تصدیق پر برقرار رہتا ہے) اور کون پھر جاتا ہے اُلٹے پاؤں (یعنی دین میں شک کرتے ہوئے اور یہ گمان کر کے کہ آنحضرت ﷺ اپنے قبلہ کے معاملہ میں حیرت کے اندر ہیں دین سے پھر جاتا ہے چنانچہ ایک جماعت اس بنیاد پر مرتد ہو بھی گئی) اور بیشک (ان مخففہ من المثقلہ ہے اور انَّ کا اسم محذوف ہے دراصل انہا ہے) تحویل قبلہ (یعنی خانہ کعبہ کی طرف پھرنا) تھا بڑا دشوار (یعنی لوگوں پر سخت تھا) مگر ان لوگوں پر کچھ بھی سخت نہیں ہوا جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ ضائع کر دیں تمہارے ایمان (یعنی تمہاری ان نمازوں کو جو بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں ضائع نہیں کرے گا بلکہ تم کو ان پر ثواب عنایت فرمائے گا، مفسر علام سیوطیؒ نے بتایا کہ آیت میں ایمان سے مراد وہ نمازیں ہیں جو بیت المقدس کی طرف ادا کی گئیں۔ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا السُّوَالُ عَمَّنْ مَاتَ قَبْلَ التَّحْوِيْلِ۔ اس لئے کہ آیت کا سبب نزول ان لوگوں کے متعلق سوال کرنا تھا جو لوگ تحویل قبلہ سے قبل (بیت اللہ کے حکم سے پہلے استقبال بیت المقدس کے زمانہ میں) وفات پا گئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دیتے ہیں۔ اور آیت میں رافۃ کے معنی شدت رحمت کے ہیں۔ اَلْاَبْلَغُ لِلْفَاصِلَةِ اور رعایت فاصلہ کی وجہ سے ابلغ کو مقدم کر دیا مطلب یہ ہے کہ رؤف میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے تو قیاس کا تقاضہ تھا کہ ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہو اور رحیم کو مقدم ہونا چاہئے لیکن اس سے قبل کی آیت صراط مستقیم میں میم پر آیت ختم ہے اس لحاظ سے رؤف رحیم میں بھی میم پر ختم کیا گیا۔ بیشک (قد تحقیق کے لئے ہے) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار اٹھنا (پھرنا) آپ کے منہ کا آسمان کی طرف (وحی کی امید اور اقبال کعبہ کے حکم کے شوق میں، اور آپ کو یہ کعبہ اس لئے محبوب تھا کہ کعبہ ہی حضرت ابراہیم کا قبلہ تھا اور اس لیے کہ کعبہ کو قبلہ بنانا عربوں کو اسلام کی طرف زیادہ دعوت دینے والا، مائل کرنے والا تھا) سو البتہ ہم پھیر دیں گے آپ کو (نحولین بمعنی نعولن ہے جس کے معنی ہیں کہ ہم ضرور پھیر دیں گے) اس قبلہ کی طرف جس کو آپ چاہتے ہیں (آپ پسند کرتے ہیں) سو پھیر لیجئے اپنا منہ (نماز میں استقبال کیجئے) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف اور جہاں کہیں تم ہوا کرو (خطاب امت کو ہے) پھیر لو اپنے چہروں کو (نماز میں) اس (مسجد حرام) کی طرف اور بیشک وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ (کعبہ کی طرف تحویل) برحق (ثابت) ہے ان کے پروردگار کی طرف سے (اس لیے کہ ان کی کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کا حال موجود ہے کہ وہ پیغمبر آخر الزماں کعبہ کی طرف پھیرائیں گے، پھر اعتراض کرنا صرف عناد و حسد کی وجہ سے ہے) اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان کاموں سے جو وہ یہود کرتے ہیں (یعملون میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءت تاء کے ساتھ ہے اور اس وقت معنی ہوں گے اے مسلمانو! جو کچھ تم اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہو اللہ بے خبر نہیں ہے یعنی تم کو اجر دے گا دوسری قراءت یاء کے ساتھ ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہود کے انکار قبلہ سے اللہ بے خبر نہیں ہے سزا دے گا و لئن اتیت الذین اور اگر لئن میں لام قسمیہ

ہے) آپ اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں (تمام دلائل) لے آئیں (قبلہ کے معاملہ میں اپنی صداقت پر) تو بھی پیروی نہیں کریں گے آپ کے قبلہ کی (عناد کی وجہ سے) اور نہ آپ ہی پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلہ کی (اس میں آنحضرت ﷺ کی طمع یعنی امید کو ختم کرنا ہے ان کے اسلام سے اور ان کی امید کو ختم کرنا ہے آنحضرت ﷺ کے رجوع کے سلسلہ میں ان کے قبلہ کی طرف) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو دھوکہ دینے کے لئے آنحضور ﷺ کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے تھے کہ اے محمد ﷺ پھر سے اگر آپ بیت المقدس کو قبلہ بنالیجئے تو ہم آپ کو نبی مان لیں گے اور آپ کی پیروی کریں گے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی اس آرزو کو ختم کر دیا کہ یہ ناممکن ہے وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ اور نہ ان میں سے ایک پیروی کرتا ہے دوسرے کے قبلہ کی (یعنی یہود قبلہ نصاریٰ کو نہیں مانتے اور نہ نصاریٰ قبلہ یہود کو) اور اگر آپ نے اتباع کرلیا ان کے خواہشوں کا (جس کی طرف آپ کو یہ لوگ بلا رہے ہیں) بعد اس علم کے جو آپ کے پاس آچکا (یعنی وحی الٰہی پہنچنے کے بعد جو قطعی ہے) تو بیشک اس وقت آپ (اگر بالفرض آپ نے اتباع کرلی) تو ظالموں میں سے ہوں گے (نعوذ باللہ) وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے محمد ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (آپ کی صفت کے ذریعہ جو ان کی کتابوں میں ہے) عبداللہ بن سلامؓ کا بیان ہے کہ میں نے جس وقت آپ کو دیکھا میں نے آپ کو ایسا پہچانا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں بلکہ محمد ﷺ کی شناخت بیٹے کی شناخت سے بہت زیادہ ہے، یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ اور بیشک بعض لوگ ان میں سے ایسے ہیں کہ چھپاتے ہیں حق بات کو (آپ ﷺ کی صفت کو) حالانکہ وہ جانتے ہیں (کہ یہی وہ حق ہے جس پر آپ ﷺ ہیں، مطلب یہ ہے کہ توریت کے ذریعہ سے آپ ﷺ کا وصف دوبارہ تحویل قبلہ ان کو معلوم ہے پھر بھی جان کر چھپاتے ہیں) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ حق تو وہی ہے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں (آپ شک کرنے والوں کی قسم میں سے نہ ہوجائیں یعنی استقبال قبلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) مفسر علام کہتے ہیں یہ طرز بیان ۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ شک کرنے والوں کی قسم میں سے نہ ہوجائیں، زیادہ بلیغ ہے لاتمتر سے جس کے معنی ہیں آپ شک مت کیجئے کیونکہ کبھی آدمی شکی ہوتا ہے مگر شک نہیں کرتا ہے اس لئے یہ ابلغ ہے کہ شکیوں کی قسم سے نہ ہوجائیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْجُهَّالُ: سفہاء یہ سفہ سے ہے جس کا معنی جہالت ہے اور وہ متعدی فعل ہے۔

قوله: اَیُّ شَیْءٍ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مَا استفہامیہ ہے نہ نافیہ اور نہ موصولہ ہے۔

قوله: وَالْاِتْیَانُ بِالسِّیْنِ: اس سے اشارہ کر دیا کہ ہونے والے واقعہ کی پہلے خبر دی، یہ معجزے کا اظہار ہے۔

قوله: هِدَایَتُهٗ: وَمِنْهُمْ۔ اَنْتُمْ سے تو ماسبق سے ربط ظاہر کیا اور یَهْدِیْ سے اشارہ کیا کہ منہ پھیرنے کو مرجح اور مصحح قرار دینے والی چیز تو دراصل ہدایت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں خاص کرتے اور چنتے ہیں۔

قوله : كَمَا هَدَيْنَاكُمْ : اس سے اشارہ کیا کہ كَذٰلِكَ - يَهْدِيْ کا مفعول مطلق تشبیہ کے لیے ہے۔ ای مثل الهداية المذكورة هديناكم اور پہلی آیت کے مفہوم کی طرف بھی اشارہ کیا اور دو متصل کلاموں کے مابین جملہ معترضہ ایمان والوں کو مدح کے لیے لائے۔

قوله :اَنَّهٗ بَلَّغَكُمْ :اس سے اشارہ کیا کہ شہادت رسول کی یہ کیفیت ہوگی کہ انہوں نے پیغام خداوندی پہنچادیا۔

قوله :لَكَ :اشارہ کیا کہ لَكَ کو مقدر مانا تاکہ كُنْتَ عَلَيْهَآ کے ساتھ ربط ہوجائے۔

قوله :الْاٰنَ :اس سے اشارہ کیا کہ مفسر ﷫ نے جس چیز کو اختیار کیا ہے وہ مخبر بہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ہے نہ کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا۔

قوله :عِلْمَ ظُهُوْرٍ :عِلْمَ ظُهُوْرٍ سے علم یہاں وجود کے بعد علم کا تعلق مراد ہے۔

قوله :يَرْجِعُ اِلَى الْكُفْرِ :انقلاب عقبین یہ اسلام سے ارتداد اختیار کرنے کے لیے استعارہ تمثیلیہ ہے۔

قوله :اِنْ مُخَفَّفَةٌ :نافیہ اور شرطیہ نہیں۔

قوله :اَيْ صَلَاتَكُمْ :ایمان کا اطلاق نماز پر کیا کیونکہ وہ عظیم ترین رکن اسلام ہے قبلہ کے ساتھ اس کی مناسبت ہے۔

قوله :لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا :اس میں اس قرینے کی طرف اشارہ کیا کہ جس کی وجہ سے ایمان کا حقیقی معنی چھوڑا۔

قوله :قَدْ لِلتَّحْقِيْقِ :قد یہاں تقلیل کے لیے نہیں بلکہ تحقیق کے لیے ہے۔

قوله :فِيْ جِهَةِ السَّمَاءِ :اس سے اشارہ کردیا کہ مضاف کو مقدر ماننا پڑے گا تاکہ ظرفیت کا معنی درست ثابت ہوجائے۔

قوله :لِاَنَّهَا قِبْلَةُ : آپ الہام الٰہی سے انتظار وحی میں آسمان کی طرف نظر فرماتے نہ کہ نفسانی غرض سے۔

قوله :تُحِبُّهَا : تَرْضٰهَا کا یہ معنی نہیں کہ پہلے قبلہ پر تم ناراض تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ مقاصد دینیہ اور مشیت الٰہی کے مطابق اس کو پسند کرتے تھے۔

قوله : عِنَادًا : کہہ کر اشارہ کیا کہ یہاں عدم اتباع کی خبر دینا مقصود نہیں بلکہ دلیل کے ان پر عدم تاثر کی خبر دینا مقصود ہے اور اس کا سبب عناد ہے۔

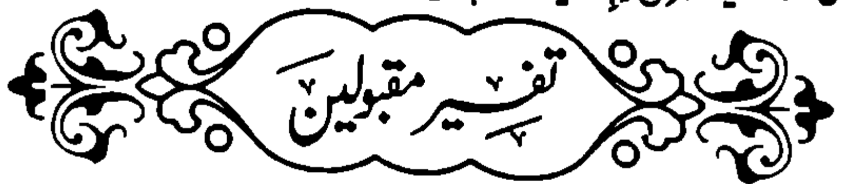
قوله :الَّتِيْ يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهَا :اس سے اشارہ کیا کہ الهواء یہ المهوٰی مفعول کے معنی میں ہے اور الْعِلْمِ[1] بمعنی معلوم ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

قوله :اَيْ مُحَمَّدًا :ضمیر کا مرجع بتلایا کہ وہ محمد ﷺ ہیں نہ کہ کچھ اور۔

قوله :بِنَعْتِهٖ :اشارہ کیا کہ معرفت سے ان کی مراد ان کی کتب میں مذکور صفات سے معرفت مراد ہے جو خارج میں ایک معین شخص میں پائی جائیں۔

قوله :نَعْتَهٗ :اس سے اشارہ کیا کہ حق سے مراد وہی ہے جس کو وہ پہچانتے ہیں۔ یہ عطف الخاص علی العام کی قسم سے ہے اور هٰذَا الَّذِيْ سے اشارہ کیا کہ اَلْحَقُّ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور وہ یہی ہے۔

قولہ: کَائِنًا: اس میں اشارہ کیا کہ مِنْ رَّبِّكَ یہ حال ہے، یہ نہیں کہ اَلْحَقُّ مبتداء اور مِنْ رَّبِّكَ اس کی خبر ہے۔



سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ....

تحویل قبلہ پر بیوقوفوں کا اعتراض اور ان کا جواب:

تفسیر درمنثور ص ١٤١ ج ١ میں بحوالہ ترمذی ونسائی وغیرہم حضرت براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور آپ کا دل چاہتا تھا کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھیں۔ آپ آسمان کی طرف منہ اٹھاتے تھے (اور وحی کا انتظار کرتے تھے کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہو جائے)۔ اللہ جل شانہ نے (قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ....) نازل فرمائی اور کعبہ شریف کی طرف نماز میں رخ کرنے کا حکم فرما دیا اس پر بیوقوفوں نے یعنی یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کس چیز نے اس قبلہ سے ان کا رخ پھیر دیا، جس پر یہ تھے (یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کرنا چھوڑ کر کعبہ شریف کی طرف رخ کرنا کیوں شروع کیا) اللہ تعالیٰ نے (ایک کے جواب میں) (قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ) نازل فرمائی۔ تفسیر درمنثور ص ١٤٢ ج ١ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جو حکم قرآنی منسوخ ہوا وہ قبلہ کی منسوخیت تھی۔ رسول اللہ (ﷺ) (مدینہ منورہ تشریف لائے) تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے جو یہود کا قبلہ تھا۔ سترہ مہینے تک آپ نے اس طرف نماز پڑھی تاکہ یہود ایمان لے آئیں اور آپ کا اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اور قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ) نازل فرمائی۔

جب کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا تو یہودیوں نے باتیں بنانا اور اعتراض کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ (حضرت) محمد (رسول اللہ (ﷺ)) اور ان کے اصحاب کو کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس کی طرف اب تک نماز پڑھتے رہے۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اے نبی آپ فرما دیں اللہ ہی کے لیے مشرق و مغرب ہے اسے اختیار ہے اپنے عبادت کرنے والوں کو جس طرف چاہے نماز پڑھنے کا حکم دیدے۔ کسی کو خداوند قدوس پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ مؤمن بندے اللہ کے قانون پر چلتے ہیں وہ اسی کے پابند ہیں۔ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو ادھر نماز پڑھنے لگے۔ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اسے قبلہ بنا لیا۔ قبلہ بدلنے پر اعتراض کرنا مسلمانوں پر اعتراض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ مقصد اللہ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ کسی جہت یا کسی جانب کا رخ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور اسی لیے اعتراض کرنے والوں کو بے وقوف بتایا وہ یہ نہیں سمجھ رہے کہ ہمارا اعتراض کس پر ہو رہا ہے۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے اسے یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی اور میرا اعتراض کہاں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلنا ہی صراط مستقیم کو اختیار کرنا ہے۔ اللہ کا

ہر فرمان حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔اس نے اپنی حکمت کے موافق بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔پھر حکمت ہی کے مطابق اپنے بندوں کا رخ کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا۔اس نے اپنے بندوں کو ہدایت دی اور ہدایت کے لیے چن لیا۔ہدایت یافتہ بندے حکم کے پابند ہیں بے چون و چرا حکم پر عمل کرتے ہیں دشمنان اسلام صراط مستقیم سے دور ہیں اور اللہ کے حکم اور اس کی حکمت پر معترض ہیں ایسے معترضین کا بے وقوف ہونا ظاہر ہے۔ قال صاحب الروح ص ۳ ج ۲ کانه قليل ان التولية المذكورة هداية يخص الله تعالى بها من يشاء ويختار من عباده۔ وقد خصنا بها فله الحمد۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا....

امت محمدیہ کا خاص اعتدال:

لفظ وَسَط بفتح السین بمعنی اوسط ہے اور خیر الامور اور افضل اشیاء کو وسط کہا جاتا ہے،

ترمذی میں بروایت ابو سعید خدری آنحضرت (ﷺ) سے لفظ وسط کی تفسیر عدل سے کی گئی ہے جو بہترین کے معنی میں آیا ہے۔(قرطبی) اس آیت میں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک امتیازی فضیلت وخصوصیت کا ذکر ہے کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح ہم نے مسلمانوں کو وہ قبلہ عطا کیا جو سب سے اشرف وافضل ہے اسی طرح ہم نے امت اسلامیہ کو ایک خاص امتیازی فضیلت یہ عطا کی ہے کہ اس کو ایک معتدل امت بنایا ہے جس کے نتیجہ میں ان کو میدان حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی امتیں جب اپنے انبیاء کی ہدایت وتبلیغ سے مکر جائیں گی اور ان کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی نہ کسی نبی نے ہمیں کوئی ہدایت کی اس وقت امت محمدیہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائیں اور ان کو صحیح راستہ پر لانے کی مقدور بھر پوری کوشش کی مدعیٰ علیہم امتیں امت محمدیہ کی گواہی پر یہ جرح کریں گی کہ اس امت محمدیہ کا تو ہمارے زمانے میں وجود بھی نہ تھا اس کو ہمارے معاملات کی کیا خبر اس کی گواہی ہمارے مقابلہ میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے،

امت محمدیہ اس جرح کا یہ جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت موجود نہ تھے مگر ان کے واقعات وحالات کی خبر ہمیں ایک صادق مصدوق رسول نے اور اللہ کی کتاب نے دی ہے جس پر ہم ایمان لائے اور ان کی خبر کو اپنے معائنہ سے زیادہ وقیع اور سچا جانتے ہیں اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں اس وقت رسول اللہ (ﷺ) پیش ہوں گے اور ان گواہوں کا تزکیہ وتوثیق کریں گے کہ بیشک انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کو یہ صحیح حالات معلوم ہوئے۔(معارف القرآن مفتی شفیع)

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ....

کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم (ﷺ) جس زمانہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ سلام پھیر کر آسمان کی طرف (اس انتظار میں) منہ اٹھاتے کہ کعبہ شریف قبلہ مقرر کیا جائے۔ لہٰذا: (قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ) نازل ہوئی۔ علامہ واحدی اسباب نزول ص ۳۹ میں لکھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم (ﷺ) نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کے قبلہ سے ہٹا کر میرے لیے کوئی دوسرا قبلہ مقرر فرمادے اور مقصد یہ تھا کہ کعبہ شریف قبلہ مقرر ہو جائے کیونکہ وہ قبلہ ابراہیمی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں بھی تو آپ کی طرح ایک بندہ ہوں۔ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ آپ کو قبلہ ابراہیمی کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمادے۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام اوپر چڑھ گئے اور رسول اللہ (ﷺ) برابر اس امید میں آسمان کی طرف نظر فرماتے رہے کہ جبرائیل آپ کی خواہش کے مطابق حکم خداوندی لے کر نازل ہوں۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ ہجرت کے بعد آنحضرت (ﷺ) اور آپ کے صحابہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اور یہ سولہ سترہ مہینے تک رہا۔ پھر آنحضرت (ﷺ) کی خواہش پر کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا۔ اور کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور عمومی طور پر سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو (مکہ یا مدینہ میں یا بیت المقدس میں یا دنیا کے کسی گوشہ میں) مسجد حرام ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

جہت قبلہ سے تھوڑا سا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے:

مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے۔ اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ کعبہ شریف ہی قبلہ ہے چونکہ کعبہ شریف مسجد حرام کے اندر ہے اس لیے مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خاص کعبہ ہی کی طرف دور اور قریب کے نمازی کو رخ کرنا لازم نہیں بلکہ مسجد حرام کی طرف منہ کرنے سے نماز ہو جائے گی۔ جو لوگ مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں چونکہ عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے اس لیے آسانی اور رفع حرج کے لیے مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ لیکن جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے اس کے لیے لازم ہے کہ عین کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ تفسیر قرطبی ص ۱۵۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ کعبہ شریف مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد حرام اہل حرم کا قبلہ ہے اور حرم شرقاً وغرباً میری تمام امت کے لیے قبلہ ہے زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں، فقہا نے لکھا ہے کہ جس جہت پر کعبہ شریف ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ تھوڑا سا انحراف مفسد صلاۃ نہیں۔ جب کوئی شخص جہت کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو اور کعبہ شریف سے دائیں یا بائیں جانب ۴۵ درجے کے اندر انحراف ہو گیا تو نماز ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں جو (شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ) فرمایا ہے اس سے حضرات فقہا نے یہ استنباط کیا کہ کعبہ شریف کے رخ پر نماز پڑھنا کافی ہے۔ اگرچہ تھوڑا سا انحراف ہو جائے۔

آنحضرت (ﷺ) نے بھی ما بین المشرق والمغرب قبلة (رواہ الترمذی) فرما کر یہ بتادیا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان جو جہت ہے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ یہ آپ نے اہل مدینہ کے لیے فرمایا کیونکہ کعبہ شریف مدینہ منورہ سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور وہاں سے جہت جنوب مشرق اور مغرب کے درمیان پڑتی ہے۔ پورے عالم میں بسنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے استقبال کے بارے میں یہ بہت آسانی دی گئی ہے۔ کہ وہ جہت قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں۔ تھوڑا سا انحراف ہو جائے تب بھی نماز ہو جائے گی۔ احکام شرعیہ کو اللہ جل شانہ نے اس قدر آسان رکھا ہے کہ ہر گاؤں جنگل اور پہاڑ اور جزیرہ میں بسنے والے مسلمان احکام شریعت پر عمل کر سکتے ہیں۔ اوقات نماز طلوع وغروب کے مشاہدہ سے سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح حسابات اور ریاضی اور ہیئت اور آلات رصدیہ کی احتیاج کے بغیر کسی تکلف کے اپنا قبلہ مقرر کر سکتے ہیں یعنی جہت کعبہ کی طرف نماز پڑھ سکتے ہیں جس میں کافی وسعت ہے۔ ہاں مسجدیں بناتے وقت خوب محقق کر کے قبلہ مقرر کرنا افضل ہے۔

کعبہ شریف کو قبلہ بنانے میں حکمت:

اللہ جل شانہ، کی ذات پاک سمت اور جہت سے بالا اور برتر ہے۔ مشارق اور مغارب سب اسکی ملکیت ہیں۔ اسی لیے (قُل لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ) فرمایا۔ تاہم نماز میں اجتماع اور وحدت کیلئے تمام دنیا کے تمام انسانوں کا رخ کسی ایک جہت کی طرف ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا کعبہ شریف کو آخر میں قبلہ نماز مقرر فرمادیا گیا اور کعبہ شریف چونکہ اول آدم علیہ السلام نے بنایا اور وہ سب سے پہلے پیغمبر تھے اور تمام انسانوں کے باپ تھے اور پھر ابراہیم (علیہ السلام) نے بنایا جن کو ان کے بعد آنے والی تمام قومیں مانتی ہیں۔ اسلئے کعبہ شریف کو ہمیشہ کیلئے قبلہ قرار دیا گیا۔ اس سے تمام مسلمانوں کو وحدت اجتماعیہ فی الصلوٰۃ حاصل ہوگئی۔ اگر انسانوں پر اسکا فیصلہ چھوڑا جاتا تو بہت سے اختلافات رونما ہوتے اور اس طرح سے وحدت حاصل نہ ہوسکتی تھی۔ کعبہ شریف کو قبلہ صلوٰۃ مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ چاروں جہات میں ہر جہت نماز کیلئے مقرر ہوگئی۔ ہر جہت والے اس رخ پر نماز پڑھتے ہیں جس رخ پر ان کے علاقہ کے اعتبار سے کعبہ شریف واقع ہے۔ اب نمازیں مشرق کو بھی ہو رہی ہیں اور مغرب کو بھی اور جنوب وشمال کو بھی...... اس میں (لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ) کا پورا پورا مظاہرہ ہے۔

پھر آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا: (وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ) ''جن لوگوں کو کتاب دی گئی یعنی یہود ونصاریٰ ان کو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قبلہ کا بدلنا اور کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینا بالکل صحیح ہے اور حق ہے اور ان کے رب کی طرف سے ہے۔''

لیکن وہ ضد اور عناد کی وجہ سے معترض ہو رہے ہیں اور حق کی تکذیب کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) وہی نبی ہیں جن کی بشارت ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور وہ باطل کا حکم نہیں دیتے۔ (روح المعانی) آخر میں ارشاد فرمایا: (وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ) کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اعمال سے اور ان کی حرکتوں سے غافل نہیں ہے۔ اسے سب کچھ معلوم ہے یہ لوگ اپنے کفر اور اعمال بد کی سزا پائیں گے۔ (انوار البیان)

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ....

یعنی جب یہ بات ہے کہ اہل کتاب استقبال کعبہ کو حق جان کر بوجہ حسد وعناد حق پوشی کرتے ہیں تو ان سے اپنے قبلہ کی موافقت کی ہرگز توقع مت رکھو وہ تو ایسے متعصب ہیں کہ اگر ان کو تمام نشانیاں جو ممکن الوقوع ہیں دکھلا دو گے جب بھی تمہارے قبلہ کو نہ مانیں گے وہ تو اس ہوس میں ہیں کہ کسی طرح تم کو اپنا تابع بنالیویں اسی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم سمجھتے کہ تم نبی موعود ہو کہ شاید پھر ہمارے قبلہ کی طرف رجوع کرلیں سو یہ ان کا خیال باطل اور طمع خام ہے تم کسی وقت میں بھی ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کرسکتے اب استقبال کعبہ کا حکم قیامت تک منسوخ نہیں ہوسکتا اور دوسروں کے تابع بنانے کا ارادہ تو بعد میں کریں پہلے اہل کتاب تو آپس میں دربارہ امر قبلہ موافق ہوجائیں یہود کا قبلہ صخرہ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس کی شرقی جانب ہے جہاں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا نفخ روح ہوا تھا جب وہ ہی باہم موافق نہیں ہوسکتے تو پھر مسلمانوں سے اس متابعت نقیضین کی توقع کرنی محض حماقت ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ....

یعنی ان دلائل سے قطع نظر کرکے تھوڑی دیر کے لئے اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ نعوذ باللہ اہل کتاب کے قبلہ کی متابعت نزول وحی اور علم یقینی کے خلاف کر بھی لیویں تو اس تقدیر محال پر بیشک آپ بھی بے انصافوں میں شمار ہوں اور نبی سے یہ امر شنیع کسی طرح ممکن نہیں تو معلوم ہوگیا کہ قبلہ اہل کتاب کی متابعت آپ سے ہرگز ممکن نہیں کہ سراسر علم کے خلاف یعنی جہل اور گمراہی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ....

صفات نبوی اور علماء یہود کا اغماض:

اے نبی اگر تم کو یہ خیال ہو کہ کاش کعبہ کا مسلمانوں کے لئے قبلہ ہونا اہل کتاب بھی کسی طرح تسلیم کرلیں اور دوسرے لوگوں کو شبہ میں ڈالتے نہ پھریں تو میرے نبی موعود ہونے میں خلجان باقی نہ رہے تو جان لو کہ اہل کتاب کو تمہارا بہت پورا علم ہے آپ کے نسب وقبیلہ ومولد ومسکن وصورت وشکل واوصاف واحوال سب کو جانتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو آپ کا علم اور آپ کے نبی موعود ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا بہت سے لڑکوں میں اپنے بیٹوں کو بلا تامل وتردد پہچانتے ہیں مگر اس امر کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں اور بعض دیدہ ودانستہ امر حق کو چھپاتے ہیں لیکن ان کے چھپانے سے کیا ہوتا ہے حق بات تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہو اہل کتاب مانیں یا نہ مانیں ان کی مخالفت سے کسی قسم کا تردد مت کرو۔

قرطبی کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا کیا تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتادی یعنی حضرت جبرائیل حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی

نبوت میں کچھ شک نہیں، غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور (ﷺ) کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں وہ تمام صفات آپ (ﷺ) میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے۔

وَلِكُلٍّ مِنَ الْاُمَمِ وِّجْهَةٌ قِبْلَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا وَجْهَهُ فِيْ صَلَاتِهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ مُوَلَّاهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ بَادِرُوْا اِلَى الطَّاعَاتِ وَقُبُوْلِهَا اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا يَجْمَعُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ لِسَفَرٍ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَكَرَّرَهٗ لِبَيَانِ تَسَاوِيْ حُكْمِ السَّفَرِ وَغَيْرِهِ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ كَرَّرَهٗ لِلتَّاكِيْدِ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ الْيَهُوْدِ اَوِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اَيْ مُجَادَلَةٌ فِي التَّوَلِّيْ اِلٰى غَيْرِهَا اَيْ لِيَنْتَفِيَ مُجَادَلَتُهُمْ لَكُمْ مِنْ قَوْلِ الْيَهُوْدِ يَجْحَدُ دِيْنَنَا وَيَتَّبِعُ قِبْلَتَنَا وَقَوْلِ الْمُشْرِكِيْنَ يَدَّعِيْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ وَيُخَالِفُ قِبْلَتَهٗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ بِالْعِنَادِ فَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا تَحَوَّلَ اِلَيْهَا اِلَّا مَيْلًا اِلٰى دِيْنِ اٰبَائِهٖ وَالْاِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَالْمَعْنٰى لَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ عَلَيْكُمْ كَلَامٌ اِلَّا كَلَامُ هٰؤُلَاءِ فَلَا تَخْشَوْهُمْ تَخَافُوْا جِدَالَهُمْ فِي التَّوَلِّيْ اِلَيْهَا وَاخْشَوْنِيْ بِامْتِثَالِ اَمْرِيْ وَلِاُتِمَّ عَطْفٌ عَلٰى لِئَلَّا يَكُوْنَ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ بِالْهِدَايَةِ اِلٰى مَعَالِمِ دِيْنِكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اِلَى الْحَقِّ كَمَآ اَرْسَلْنَا مُتَعَلِّقٌ بِاُتِمَّ اَيْ اِتْمَامًا كَاِتْمَامِهَا بِاِرْسَالِنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنَ وَيُزَكِّيْكُمْ يُطَهِّرُكُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْبِيْحِ وَنَحْوِهٖ اَذْكُرْكُمْ قِيْلَ مَعْنَاهُ اُجَازِيْكُمْ وَفِي الْحَدِيْثِ عَنِ اللّٰهِ مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَمَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْ مَلَئِهٖ وَاشْكُرُوْا لِيْ نِعْمَتِيْ بِالطَّاعَةِ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ بِالْمَعْصِيَةِ

انعام | منزل ۱ | ع ۵ ۱۸ ۲

ترجمہ: اور ہر ایک کے لیے (امتوں میں سے) ایک سمت (قبلہ ہے) جس طرف وہ پھیرتا ہے (اپنے چہرہ کو نماز میں، ایک

قراءت میں مُوَلاّھَا ہے اس صورت میں معنی ہوں گے وہ پھیرا گیا ہے) سوتم نیکیوں میں سبقت کرو (خیر) وطاعات اور اس کے قبول کرنے میں جلدی کرو، مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! دیکھو ہر ہر قوم اپنے اپنے قبلہ کا اتباع کرتی ہے تم اللہ کے حکم کے مطابق حکم کی بجا آوری میں جلدی کرو اور جس طرف اللہ حکم دیتا ہے اسی طرف منہ کرو۔ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا ؕ تم جہاں کہیں ہو گے اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کرلے گا (قیامت کے روز تم سب کو جمع کرے گا اور تمہیں جزا دے گا یعنی اعمال کے مطابق) بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جس جگہ سے آپ (سفر میں) نکلیں تو بھی اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے اور بیشک یہی استقبال کعبہ کا حکم حق ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو (تاء فوقانیہ اور یاء تحتانیہ کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں اور اس کی مثال پہلے بھی گذر چکی ہے، مفسر علام ((کَرَّرَہٗ لِبَیَانِ تَسَاوِیْ حُکْمِ السَّفَرِ وَغَیْرِہٖ)) سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ استقبال کعبہ کا حکم یعنی: فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ، کا تکرار یہ بتانے کے لئے ہے کہ سفر و حضر میں حکم یکساں ہے کچھ فرق نہیں: وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ الخ۔ اور جہاں کہیں سے آپ نکلیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے اور تم لوگ بھی (اے مسلمانو!) جہاں کہیں ہو اپنے چہرہ کو اس مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو (مفسر علام فرماتے ہیں کہ حکم کا تکرار تاکید کے لئے ہے، مطلب یہ ہے چونکہ اسلام میں تحویل قبلہ سب سے پہلے منسوخ تھا اس لئے فتنوں سے بچانے اور ذہنوں میں جمانے کے لیے مکرر لائے ہے: لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ الخ۔ تاکہ نہ رہے لوگوں (یہودی یا مشرکین) کے واسطے تمہارے مقابلہ میں حجت و اعتراض کا موقع (مفسر علام نے ای مجادلۃ فی التولی الخ تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع غیر کی طرف منہ پھیرنے میں مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تحویل کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان مخالفوں سے تمہارا جھگڑا ختم ہو جائے اور تم پر ان کا کوئی اعتراض و الزام نہ رہے یعنی یہود کا یہ کہنا ختم ہو جائے کہ آپ ہمارے دین کا انکار کرتے ہیں اور ہمارے قبلہ کا اتباع اور مشرکوں کا یہ قول ختم ہو جائے کہ آپ ملت ابراہیمی کے مدعی ہیں اور ابراہیم کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں، استقبال کعبہ کے بعد ان سارے مخالفوں کی حجت نہ رہی اور سارا اعتراض ختم ہو جاتا ہے بشرطیکہ ذرا بھی انصاف پسندی ہو اور ضد معاندانہ ہو۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ ٭ ۔ مگر وہ لوگ جو ان میں سے ظالم ہیں (عناد و مقابلہ کی وجہ سے، سو یہ لوگ کہیں گے کہ اپنے آبائی دین کی طرف رغبت و محبت کی وجہ سے خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے ہیں، الا الناس سے استثناء متصل ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اب کسی کو تم پر اعتراض کا موقع نہیں رہے گا مگر ان میں سے ظالم معاند کا کلام یعنی بکو اس) فَلَا تَخۡشَوۡہُمۡ ۔ سو تم ان میں سے مت ڈرو (یعنی خانہ کعبہ کی طرف تحویل میں ان کی کٹ حجتی و طعن کا خوف مت کرو) اور مجھ سے ڈرتے رہو (میرے حکم کی اطاعت کرکے) تاکہ میں پورا کرو (اس کا عطف لِئَلَّا یَکُوۡنَ پر ہے) اپنا فضل تم پر (احکام دین کی طرف ہدایت کے ذریعہ) اور تاکہ تم ہدایت پاؤ (حق کی طرف) بخاری شریف کی حدیث ہے کہ نعمت کا پورا ہونا جنت میں داخل ہونا اور جہنم سے نجات پانا ہے: کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ الخ۔ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں (یہ اتم کے متعلق ہے: اَیْ اِتْمَامًا کَاِتْمَامِھَا بِاِرْسَالِنَا۔ معنی یہ ہے کہ تاکہ میں اپنی نعمت پر پوری کروں جیسے ہم نے رسول بھیج کر نعمت پوری کی ہے) ایک رسول تم ہی میں سے (محمد ﷺ) جو تلاوت کرتے ہیں تم پر ہماری آیتیں (یعنی قرآن سناتے ہیں) اور تم کو پاک کرتے

ہیں(یعنی شرک سے تم کو پاک صاف کرتے ہیں) اور تم کو تعلیم دیتے ہیں کتاب (قرآن) اور حکمت کی (جو احکام و اسرار اس میں ہیں) اور تعلیم دیتے ہیں تم کو ایسی باتوں کی جو تم نہیں جانتے تھے پس تم یاد رکھو مجھ کو (نماز سے اور تسبیح سے اور اس کے مانند یعنی تحمید سے) میں یاد رکھوں گا تم کو (بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ میں تم کو ذکر وغیرہ کا بدلہ یعنی ثواب دوں گا، اور حدیث میں اللہ تعالیٰ سے مروی ہے یعنی حدیث قدسی میں ارشاد باری ہے کہ جس شخص نے مجھ کو اپنے جی میں یاد کیا میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جس نے مجھ کو مجلس میں یاد کیا تو میں اس کو اس کی مجلس سے بہتر مجلس میں یاد کرتا ہوں) اور میرا شکر ادا کرو (یعنی میری اطاعت کر کے میری نعمت کا شکر ادا کرو) اور ناشکری مت کرو (یعنی میری اطاعت کر کے میری نعمت کا شکر ادا کرو) اور ناشکری مت کرو (نافرمانی کر کے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مِنَ الْاُمَمِ: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے صرف مسلمان ہی مراد نہیں بلکہ گروہ یہود و نصاریٰ بھی شامل ہو جائیں۔

قوله: قِبْلَةً: وِجْهَةٌ کا معنی یہاں قبلہ اس طرح لیا گیا کہ اگرچہ یہ مصدر ہے مگر اس سے مراد اسم مفعول ہے۔ جب اس میں اسمیت آ گئی تو یہ جس کی طرف متوجہ ہوا جاتا ہے اس مکان پر بولا جانے لگا۔

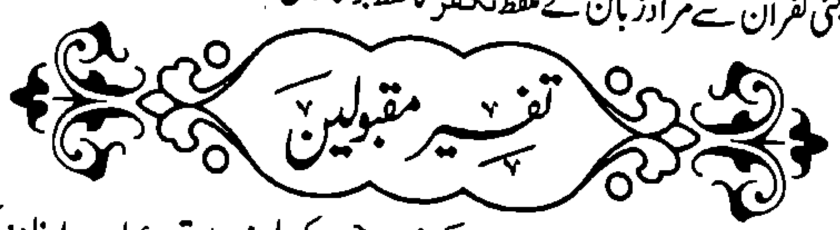
قوله: بَادِرُوْا اِلَى الطَّاعَاتِ: یعنی خیرات یہاں اپنے عمومی معنی پر ہے اور اس سے ثواب طاعت مراد نہیں کیونکہ وہ انسانی اختیار سے باہر ہے۔

قوله: قُبُوْلِهَا: اس سے اشارہ کیا کہ طاعت میں اخلاص کا ایمان کے بعد اعتبار ہے کیونکہ قبولیت طاعت کا مقدار ایمان ہے۔

قوله: بِالْهِدَايَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ نعمت سے مراد نعمت دنیا نہیں بلکہ نعمت دین ہے۔

قوله: كَاِتْمَامِهَا بِاِرْسَالِنَا: اس سے اشارہ کیا کہ كَمَآ اَرْسَلْنَا یہ اس قسم سے ہے جس میں سبب کو مسبب کے قائم مقام ٹھہرایا جاتا ہے۔

قوله: بِالْمَعْصِيَةِ: یعنی کفران سے مراد زبان کے تلفظ نکفر کا لفظ بولنا نہیں۔



یعنی اللہ نے ہر ایک امت کے لئے ایک ایک قبلہ کا حکم فرمایا جس کی طرف بوقت عبادت اپنا منہ کیا کریں یا ہر ایک قوم مسلمان کعبہ سے جدا جدا سمت میں واقع ہے کوئی مشرق میں کوئی مغرب میں سو اس میں جھگڑنا فضول اور اپنے قبلہ یا اپنی سمت پر ضد کرنا عبث ہے جو نیکیاں مقصود و مطلوب ہیں ان کی طرف البتہ پیش قدمی کرو اور اس بحث کو چھوڑو جس جگہ اور جس قبلہ اور جس سمت کعبہ کی طرف تم ہو گے لائے گا تم سب کو اللہ میدان حشر میں اور تمہاری نمازیں ایسی سمجھی جائیں گی گویا ایک ہی جہت کی

طرف ہوئی ہیں پھر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ....

یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لیے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لیے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں۔ تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں۔ قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ....

قبلہ بدلنے پر یہودیوں کی حجت ختم ہوگئی:

آخر میں یہ جو فرمایا: (لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ) اس کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ (فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ) کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ شریف کی طرف رخ پھیر دینے میں یہودیوں کی حجت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کا یہ اعتراض تھا کہ توریت شریف میں تو یہ مذکور ہے کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ کعبہ شریف ہوگا لیکن یہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور دوسری بات وہ یہ کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) ہمارے دین کا انکار کرتے ہیں لیکن ہمارے قبلہ کا اتباع کرتے ہیں یہودیوں کے یہ دونوں اعتراض کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ملنے سے ختم ہو گئے۔ اور مشرکین جو یہ کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے قبلہ کے علاوہ دوسرا قبلہ اختیار کیے ہوئے ہیں تحویل قبلہ سے ان کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ الناس کا عموم یہود اور مشرکین دونوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: (إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ) یعنی کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دینے سے لوگوں کی حجت ختم ہوگئی اور اب کسی کا اعتراض باقی نہیں رہا سوائے ان لوگوں کے جو ظالم ہیں جنہوں نے عناد پر ہی کمر باندھ رکھی ہے اور جنہیں حق قبول کرنا ہی نہیں۔ مثلاً یہودی معاندیوں کہیں گے کہ انہوں نے کعبہ کو قبلہ اس لیے اختیار کر لیا کہ اپنی قوم کے دین کی طرف مائل ہو گئے اور وطن کی محبت نے ان کو کعبہ کو قبلہ بنانے پر آمادہ کر لیا۔ یا یوں کہیں گے کہ ان کو اس وقت یہ خیال آ گیا کہ اپنے باپ دادوں کا قبلہ اختیار کر لیں ممکن ہے کہ پھر ہمارے قبلہ کی طرف واپس آ جائیں۔ معترض اور معاند کا منہ تو کبھی بند نہیں ہو سکتا وہ تو کٹ حجتی کرتا ہی رہتا ہے۔

پھر فرمایا: (فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي) (کہ تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو) جو حکم کعبہ شریف کو رخ کرنے کا ہوا ہے اس کی تعمیل کرو اور معترضین اور معاندین کی کسی بات کا کوئی خیال نہ کرو ان سے نہ ڈرو کیونکہ ان کے طعنے اور اعتراضات تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے مجھ سے ڈرو میرے امر کی مخالفت نہ کرو۔

آخر میں فرمایا: (وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ) یہ محذوف کی علت ہے یعنی (و امرتکم لاتمامی

انعمة علیکم وارادتی اھتدائکم) یعنی میں نے تم کوتحویل قبلہ کا حکم دیا ہے جو اس لیے ہے کہ تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہو۔ (کله من البیضاوی)

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ.....

یعنی یہ اتمام نعمت اور تکمیل ہدایت تم پر ایسی ہوئی جیسی ابتداء میں تم پر یہ اتمام نعمت وہدایت ہو چکی ہے کہ تم میں ہی سے ایک رسول ایسا بھیجا جو تم کو احکام خداوندی سمجھا دے اور تم کو بری باتوں سے پاک کرے یعنی علما اور عملا تم کو کامل بنادے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

جب ہماری طرف سے تم پر اتمام نعمت مکرر ہو چکا تو اب تم کو لازمی ہے کہ ہم کو زبان سے دل سے فکر سے ہر طرح سے یاد کرو اور اطاعت کرو ہم تم کو یاد کریں گے یعنی نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہوتی رہیں گی اور ہماری نعمتوں کا شکر خوب ادا کرتے رہو اور ہماری ناشکری اور معصیت سے بچتے رہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا عَلَى الْاٰخِرَةِ بِالصَّبْرِ عَلَى الطَّاعَةِ وَالْبَلَاءِ وَ الصَّلٰوةِ ۭ خَصَّهَا بِالذِّكْرِ لِتَكَرُّرِهَا وَعِظَمِهَا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ بِالْعَوْنِ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ هُمْ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ هُمْ اَحْيَاۗءٌ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ حَوَاصِلِ طُيُوْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ تَعْلَمُوْنَ مَا هُمْ فِيْهِ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ لِلْعَدُوِّ وَ الْجُوْعِ الْقَحْطِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ بِالْهَلَاكِ وَ الْاَنْفُسِ بِالْقَتْلِ وَالْاَمْرَاضِ وَالْمَوْتِ وَ الثَّمَرٰتِ ۭ بِالْجَوَائِحِ اَيْ لَنَخْتَبِرَنَّكُمْ فَنَنْظُرَ اَتَصْبِرُوْنَ اَمْ لَا وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ عَلَى الْبَلَاءِ بِالْجَنَّةِ هُمُ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ بَلَاءٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ مِلْكًا وَعَبِيْدًا يَفْعَلُ بِنَا مَا يَشَاءُ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْنَا فِي الْحَدِيْثِ مَنِ اسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ اَجَرَهُ اللّٰهُ فِيْهَا وَاَخْلَفَ عَلَيْهِ خَيْرًا وَ فِيْهِ اَنَّ مِصْبَاحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِئَ فَاسْتَرْجَعَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اِنَّمَا هٰذَا مِصْبَاحٌ فَقَالَ كُلُّ مَا سَاءَ الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِيْبَةٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ فِيْ مَرَاسِيْلِهِ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۣ نِعْمَةٌ وَ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِلَى الصَّوَابِ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ جَبَلَانِ بِمَكَّةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ اَعْلَامِ دِيْنِهِ جَمْعُ شَعِيْرَةٍ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ اَيْ تَلَبَّسَ بِالْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ وَاَصْلُهُمَا الْقَصْدُ وَالزِّيَارَةُ فَلَا جُنَاحَ اِثْمَ

عَلَيْهِ اَنْ يَطَّوَّفَ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الطَّاءِ بِهِمَا ؕ بِاَنْ يَسْعٰى بَيْنَهُمَا سَبْعًا نَزَلَتْ لَمَّا كَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ ذٰلِكَ لِاَنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَطُوْفُوْنَ بِهِمَا وَ عَلَيْهِمَا صَنَمَانِ يَمْسَحُوْنَهُمَا وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ السَّعْيَ غَيْرُ فَرْضٍ لِمَا اَفَادَهُ رَفْعُ الْاِثْمِ مِنَ التَّخْيِيْرِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُ رُكْنٌ وَبَيَّنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُجُوْبَهُ بِقَوْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَ غَيْرُهُ وَقَالَ اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ يَعْنِي الصَّفَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ مَنْ تَطَوَّعَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَتَشْدِيْدِ الطَّاءِ مَجْزُوْمًا وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِيْهَا خَيْرًا ۙ اَيْ بِخَيْرٍ اَيْ فَعَلَ مَالَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ مِنْ طَوَافٍ وَغَيْرِهِ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ لِعَمَلِهِ بِالْاِثَابَةِ عَلَيْهِ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ بِهِ وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ النَّاسَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى كَاٰيَةِ الرَّجْمِ وَنَعْتِ مُحَمَّدٍ مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ التَّوْرَاةِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ يُبْعِدُهُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ الْمَلَائِكَةُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَوْ كُلُّ شَيْءٍ بِالدُّعَاءِ عَلَيْهِمْ بِاللَّعْنَةِ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا رَجَعُوْا عَنْ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا عَمَلَهُمْ وَ بَيَّنُوْا مَا كَتَمُوْهُ فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ اَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ بِالْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ حَالٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَيْ هُمْ مُسْتَحِقُّوْا ذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَالنَّاسُ قِيْلَ عَامٌّ وَقِيْلَ الْمُؤْمِنُوْنَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ اَيِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْمَعْذِرَةٍ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا صِفْ لَنَا رَبَّكَ وَ اِلٰهُكُمْ اَيِ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَا نَظِيْرَ لَهُ فِيْ ذَاتِهِ وَلَا فِيْ صِفَاتِهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع ۱۹

ترجمہ: اے ایمان والو مدد حاصل کرو (آخرت کے لیے) صبر سے (یعنی طاقت اور مصیبت پر صبر کر کے) اور نماز سے (نماز کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے اس کے بار بار ہونے اور عظیم الشان ہونے کی وجہ سے) بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (مدد کے لحاظ سے) اور مت کہو ان کو جو لوگ مارے جائیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں (ان کی روحیں سبز پرندوں کی پوٹوں میں ہوتی ہیں جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پھرتی ہیں، اس سلسلے میں حدیث ہے مسلم شریف) لیکن تم سمجھ میں نہیں سکتے ہو (یعنی تم جانتے نہیں ہو کہ وہ کس حال میں ہیں) اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو کچھ خوف سے (دشمن کے) اور بھوک (قحط) سے اور کچھ مالی نقصان (ہلاکت کے ذریعہ) اور جانی نقصان (بذریعہ قتل و امراض اور موت) اور پھلوں کی

کی (بذریعہ آفات) یعنی ضروری تمہاری آزمائش کریں گے پھر دیکھیں گے کہ تم صبر کرتے ہو یا نہیں) اور خوشخبری سنا دیجئے آپ (جنت کی) ان لوگوں کو جو صبر کرنے والے ہیں (مصیبت پر) کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہہ دیتے ہیں ہم تو اللہ ہی کے ہیں (یعنی مملوک اور بندہ ہیں کر سکتا ہے ہمارے ساتھ جو چاہے) اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں (آخرت میں، چنانچہ وہ ہم کو بدلہ دے گا، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت میں اجر عنایت کرتا ہے اور اس پر اس کو اچھا بدلہ عطا کرتے ہے اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا چراغ ایک گل ہو گیا تو آپ ﷺ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ صرف چراغ ہی تو ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ چیز جس سے مؤمن کو تکلیف پہنچے وہ مصیبت ہے اس کو ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں روایت کیا ہے) یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے عنایتیں ہیں (یعنی مغفرت) اور رحمت ہے (یعنی نعمت) اور یہی لوگ ہیں ہدایت یاب (صواب کی طرف)۔ بلاشبہ صفا اور مروہ (جو مکہ میں دو پہاڑ ہیں) اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں (دین الٰہی کی علامات میں سے ہیں: شَعَآئِرِ شَعِيْرَةٍ کی جمع ہے بمعنی علامت ونشانی) سو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے (یعنی لگ گیا حج یا عمرہ میں، اور ان دونوں کی اصل قصد اور زیارت ہے۔ یعنی حج کے لغوی معنی قصد کے اور عمرہ کے لغوی معنی زیارت کے ہیں) تو اس پر کچھ گناہ نہیں (جناح بمعنی اثم یعنی گناہ) طواف کرنے میں (لفظ یطوف اصل میں یتطوف تھا تا کو طا سے بدل کر ادغام کر دیا ہے) ان دونوں پہاڑوں کا (بایں طور کہ ان دونوں کے درمیان سات مرتبہ سعی کرے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ مسلمانوں نے اس سعی کو مکروہ سمجھا اس لئے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ ان دونوں (صفا اور مروہ) کا طواف کرتے تھے درانحالیکہ ان دونوں پر دو بت تھے مشرکین دوران طواف میں ان بتوں کو چھوتے تھے، اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعی بین الصفا والمروہ فرض نہیں ہے اس وجہ سے کہ رفع گناہ تخییر کا فائدہ دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ طواف کرنے میں گناہ نہیں اس سے اختیار معلوم ہوا کہ چھوڑنے میں بھی گناہ نہیں اور امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ سعی بین الصفا والمروہ رکن ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس کے جواب کو بیان فرمایا ہے اپنے قول: اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ سے یعنی اللہ نے تم پر سعی کو فرض کیا ہے (بیہقی وغیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے) اور فرمایا کہ سعی کی ابتداء اسی سے کرو جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے (مسلم کی روایت ہے) ومن تطوع اور جو شخص خوشی سے کرے (ایک قراءت میں یاء تحتانیہ اور طا کی تشدید کے ساتھ مجزوم پڑھا گیا ہے اور اس میں تا کا طا میں ادغام ہوا ہے) خیراً کچھ نیکی (خیراً معنی میں بخیر کے ہے یعنی خیراً منصوب بنزع الخافض ہے مراد غیر واجب طواف وغیرہ کرنا ہے: فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ تو بیشک اللہ قدرداں ہے (اس کے عمل کا اس پر ثواب دے کر) خوب جاننے والا ہے (اس کو)۔ علماء یہود کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں (لوگوں سے) ان دلائل واضحہ اور ہدایت کی باتوں کو جو ہم نے نازل کیا جیسے رجم کی آیت اور محمد ﷺ کی نعمت بعد اس کے کہ ہم اس کو بیان کر چکے لوگوں کے واسطے کتاب (توراۃ) میں یہی لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے (یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے) اور لعنت کرتے ہیں سب لعنت کرنے والے (یعنی فرشتے اور ہر صاحب ایمان جن وانسان یا یہ مراد ہے کہ ہر چیز ان پر لعنت کی بد دعا کرتی ہے) مگر

جن لوگوں نے توبہ کرلی (اپنے عمل کو درست کرلیا) اور بیان کردیا (جس حق بات کو چھپاتے رہے اس کو صاف بیان کردیا) تو یہ لوگ ہیں جن پر میں متوجہ ہوجاؤں گا (ان کی توبہ قبول کروں گا) اور میں توبہ کا بڑا قبول کرنے والا مہربان ہوں (ایمان والوں پر) بیشک جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر کی حالت میں (کفار احال ہے) یہی لوگ ہیں جن پر لعنت پھٹکار ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب آدمیوں کی (یعنی یہ لعنت کے مستحق ہیں دنیا اور آخرت میں) اور الناس سے مراد ایک قول میں عام ہے اور ایک قول میں خاص مؤمن۔ مؤمن کی لعنت کو ظاہر ہے کافر بھی کافر پر لعنت کریں گے اگر یہ شعبہ کیا جائے کہ جس پر لعنت کی گئی وہ بھی آدمی ہیں تو اپنے اوپر کیسے لعنت کرے گا؟ جواب یہ ہے کہ ارشاد باری ہے: وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ یعنی بعض تم میں سے بعض پر لعنت کرے گا اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ظالموں پر لعنت ہے اور چونکہ خود بھی ظالم ہیں اس طرح سے وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت کرتا ہے۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ہمیشہ رہیں گے اس میں (یعنی اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے اگر فِيْهَا ۚ کی ھا ضمیر لعنت کی طرف راجع ہوگی یا نار جہنم کی طرف جو لعنت کا مدلول ہے) یہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب (ایک پل بھر بھی) اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی (توبہ یا معذرت کی) اور جب جب لوگوں نے کہا اے محمد ﷺ ہم سے اپنے پروردگار کا وصف فرمائیے (تعریف کیجئے) تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ۔ اور تم سب کا معبود (یعنی تمہاری طرف سے جو عبادت کئے جانے کا مستحق ہے) معبود والا ہے (اس کا کوئی نظیر نہیں نہ ذات میں اور نہ اس کے صفات میں یعنی وہ بے نظیر ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هُمْ اَمْوَاتٌ ۭ: هُمْ کو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَمْوَاتٌ ۭ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ قول کا مقولہ نہیں۔

قوله: بَلْ هُمْ اَحْيَاۗءٌ: هُمْ کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کے لیے لائے کہ اَحْيَاۗءٌ کا عطف اموات پر نہیں۔ نہ یہ مفرد کے مفرد پر اور نہ عطف جملہ کی قسم سے ہے بلکہ یہ جملہ معطوفہ تَقُوْلُوْا کے بعد لایا گیا تا کہ ان کی نہی سے اعراض کر کے اس جملہ کی اخبار کی طرف لایا گیا ہے کیونکہ مقصد تو ان کے لیے اثبات حیات ہے یہ امر مقصود نہیں کہ ان کی شان میں یہ کلمہ کہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ اگر چہ یہ بھی درست ہے۔

قوله: اَزْوَاحُهُمْ: اس سے اشارہ کا کی کہ ان کی حیات جسد سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حیات کو ایسے زمانے میں ثابت کیا جو جسد و بنیان کی بگاڑ کا زمانہ ہے۔ پس اس سے دلالت مل گئی کہ ان کی حیات حیوانی حیات کی جنس سے نہیں کیونکہ اس کا تعلق صحت جسد اور اعتدال مزاج سے ہے۔ (ر)

قوله: هُمُ الَّذِيْنَ: اس سے اشارہ کردیا کہ الَّذِيْنَ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ الصّٰبِرِيْنَ ۝ کی صفت ہیں۔

قوله: فَيُجَازِيْنَا: اس سے اشارہ کیا کہ اِلَيْهِ کی ضمیر مجرور حذوف مضاف سے ہے اصل اس طرح ہے: الی جزائه۔

قوله: فِي الْحَدِيْثِ: اس سے اشارہ کیا کہ مصیبت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے مؤمن کو ایذاء پہنچے اس میں موت اولاد و

از ہا بھی شامل ہیں۔

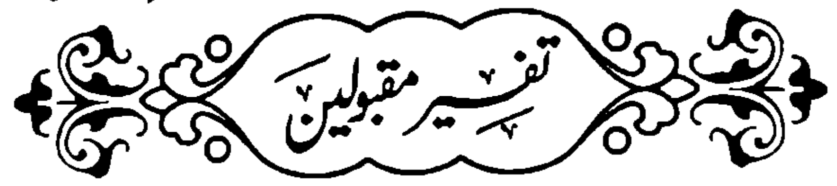
قوله: تَلَبَّسَ بِالْحَجِّ: اس سے مراد حج وعمرہ شرعی معنی کے اعتبار سے ہے تا کہ لغوی معنی جو کہ مطلق قصد ہے۔

قوله: اَیْ فَعَلَ مَالَمْ یَجِبْ: تطوع کی تعریف کا اشارہ کیا جس چیز کو دل کے میلان کی وجہ سے کیا جائے اور وہ اس پر واجب نہ ہو۔ (کبیر)

قوله: النَّاسَ: یہ یَکْتُمُوْنَ کا مفعول ہے اس کو مقدر ماننے کی وجہ یہ ہے کہ کتمان دو مفعولوں کا مقتضی ہے اور اس میں ان کی بدحالی کی انتہاء کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسی چیز کو چھپاتے ہیں جس کا فائدہ عام ہے۔

قوله: نَعْتِ مُحَمَّدٍ ﷺ: یہ ہدایت کی مثال ہے اور اس سے اشارہ کیا کہ اَلْهُدٰى دراصل مصدر ہے جس کا معنی راہ دکھانا ہے اور مبالغہ کے طور پر اس چیز پر بولا جاتا ہے جس کے کرنے سے کسی نفس کی راہ مل جائے یا مصدر بمعنی ھادی ہے۔

قوله: بِالدُّعَاءِ عَلَيْهِمْ: اس سے اشارہ کیا اول یلعن کا معنی رحمت سے دور کرنا اور دوسرے کا معنی دوری کی بددعا کرنا ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے مدد مانگنے کا حکم:

اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا حکم فرمایا اور اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ صبر اور صلاۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ لفظ صبر کا لغوی معنی رکنے اور ٹھہر جانے کا ہے۔ شریعت میں یہ لفظ تین معنی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اول اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت وفرمانبرداری پر لگائے رہنا دوم اپنے نفس کو گناہوں سے روک کر رکھنا۔ سوم آفات اور مصائب پر جو تکلیف ہو اسے سہ جانا اور اس طرح سے گزر جانا کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ کرے اور دکھ تکلیف اور مصیبت پر ثواب کا امیدوار رہے عام لوگ صبر سرف تیسرے معنی ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں پہلے دو معنی کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا حالانکہ یہ تینوں صورتیں صبر کا جزو ہیں اور صبر کے مفہوم میں شامل ہیں اور تینوں میں مشترک امر وہی ایک بات ہے یعنی نفس کو دبانا اور ہر اس بات سے روکنا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔ جو شخص بھی صبر کے ان تینوں طریقوں کو اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نصرتیں اس پر نازل ہوں گی۔ سورۃ زمر میں ارشاد فرمایا: (اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ) کہ صابروں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

صبر کی فضیلت اور اہمیت:

درحقیقت صبر اور شکر مؤمن کی زندگی کے لیے (جو ایک رواں دواں سیارہ کے مشابہ ہے) پہیے ہیں اور مؤمن کی کوئی چیز ضائع نہیں ہے۔ آرام وراحت ہو نعمتیں ہوں یا دکھ تکلیف ہو اور کلفتیں ہوں ہر حال میں اس کے لیے نفع ہے۔ حضرت

صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا معاملہ عجب ہے۔ اس کی ہر حالت خیر ہے۔ اور یہ مؤمن کے سوا کسی کو حاصل نہیں اگر مؤمن کو خوشی کرنے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے شکر کیا جو اس کے لیے بہتر ہوا اور اگر اس کو تکلیف دینے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے صبر کیا یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوا۔ (رواہ مسلم ص ۴۱۲ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۹۵۸ ج ۲ میں ہے کہ: ولن تعطوا عطاء خير او اوسع من الصبر (یعنی تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر سے بہتر اور وسیع کوئی چیز نہیں دی گئی۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں عطا کر دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔ ۱۔ شکر گزار دل، ۲۔ ذکر کرنے والی زبان۔ ۳۔ مصیبت پر صبر کرنے والا بدن، ۴۔ ایسی بیوی جو اپنی جان کے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں شوہر کی خیانت نہ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ ص ۲۸۳)

صبر میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے مگر اس کے بعد نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ کچھ ملتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ تکلیفیں تو سبھی کو پہنچتی ہیں۔ مؤمن ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ فرق اتنا ہے کہ جو لوگ صبر کر لیتے ہیں وہ ثواب بھی لیتے ہیں اور آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد رحمت اور نصرت کے دروازے بھی ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔ جو لوگ صبر نہیں کرتے واویلا کرتے ہیں چیختے چلاتے ہیں۔ اللہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کی قضا اور قدر پر راضی نہیں ہوتے تکلیف بھی اٹھاتے ہیں اور ثواب سے بھی محروم ہوتے ہیں اور اللہ پر اعتراض کر کے کافر ہو جاتے ہیں۔ اور در حقیقت اصل مصیبت زدہ وہی لوگ ہیں جو ثواب سے بھی محروم رہتے ہیں۔ وانما المصاب من حرم الثواب۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

جس نے اپنی تکلیف پر صبر کر کے ثواب لے لیا آخرت میں درجات بلند کروا لیے اس کی تکلیف کوئی تکلیف نہیں ہے کیونکہ اسے اس تکلیف کی قیمت مل گئی۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ مہینہ بھر ملازمت کی ڈیوٹی انجام دینے کے لیے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ مزدور دن بھر دھوپ میں کام کرتے ہیں لیکن چونکہ ان سب کا معاوضہ مل جاتا ہے اس لیے یہ تکلیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور اس کو تکلیف سمجھا ہی نہیں جاتا۔

دفع مصائب کے لیے نماز:

صبر کے ساتھ نماز کا تذکرہ بھی فرمایا اور نماز کے ذریعہ بھی مدد حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ نماز بھی اللہ کی مدد اور نصرت لانے کے لیے بہت بڑی چیز ہے۔ اور ہر طرح کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے اکسیر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب کوئی مشکل پیش آ جاتی تھی تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۷)

نماز فرض کا تو بہر حال اہتمام ہوتا ہی تھا۔ مشکلات سے نکلنے کے لیے اور حاجات پوری کرانے کے لیے آنحضرت سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) خصوصیت کے ساتھ نفل نماز میں مشغول ہو جاتے تھے صلوٰۃ الحاجت، صلوٰۃ الاستخارہ، صلوٰۃ التوبہ، صلوٰۃ الاستسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز) یہ سب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مروی ہیں۔ جو اللہ کی رحمت اور نصرت کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ کی بعض روایات آیت کریمہ (وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ) کے ذیل میں گزر چکی ہے لوگوں کا:

طریقہ ہے کہ کوئی مصیبت آ جائے دنیا بھر کی تدبیریں کرتے ہیں اور مخلوق سے مدد چاہتے ہیں لیکن صبر اور صلوٰۃ کو مدد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ اس کے برعکس بے صبری کرتے ہیں اور تھوڑے بہت چند افراد جو نمازیں پڑھتے ہیں وہ فرض نمازیں بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ نفل نمازوں میں لگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور جن گناہوں میں مبتلا تھے ان سب گناہوں میں بھی لگے رہتے ہیں۔ پھر رحمت اور نصرت کیسے ملے؟ آخر میں فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ) کہ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ صابروں کے لیے یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ اگر حکومت کا کوئی معمولی درجہ کا آدمی بھی یقین دلادے کہ فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس سے بڑی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ طبیعت میں بڑا اطمینان ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ نے جو وعدہ فرمایا کہ میں صبر والوں کے ساتھ ہوں اس وعدہ پر عموماً لوگ یقین نہیں رکھتے اور صبر کے موقع میں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ درحقیقت مؤمن کو کسی بھی جگہ ناکام ہونے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر میں اور صبر وصلاۃ میں لگا رہے پھر اس کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ (انوار البیان)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...

ربط: اوپر ایک خاص ناگوار واقعہ میں صبر کی تعلیم اور صابرین کی فضیلت بیان فرمائی تھی آیات آئندہ میں اور بھی بعض واقعات خلاف طبع کی تفصیل اور اس میں صبر کی ترغیب اور فضیلت بیان فرماتے ہیں جن میں قتل وقتال مع الکفار کا مضمون مقدم فرماتے ہیں دو وجہ سے اول بوجہ اعظم ہونے کے کہ اعظم پر صبر کرنے والا اصغر پر بدرجہ اولی صبر کرے گا دوسرے خاص طور پر مناسب مقام ہونے کی وجہ سے کیونکہ معترضین مذکورین کے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تھا۔

شہدا اور انبیاء کی حیات برزخی اور اس کے درجات میں تفاضل:

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلامی روایات کی رو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے اس میں مؤمن وکافر یا صالح وفاسق میں کوئی تفریق نہیں لیکن اس حیات برزخی کے مختلف درجات ہیں ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے کچھ مخصوص درجے انبیاء وصالحین کے لئے مخصوص ہیں اور ان میں بھی باہمی تفاضل ہے اس مسئلہ کی تحقیق پر علماء کے مقالات وتحقیقات بے شمار ہیں لیکن ان میں سے جو بات اقرب الی الکتاب والسنت ہے اور شبہات سے پاک ہے اس کو سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی نے بیان القرآن میں واضح فرمایا ہے کہ ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے جیسے انگلیوں کے اگلے پوروے اور ایڑی اگرچہ دونوں میں حیات ہے اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں لیکن انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار احساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں اسی طرح شہداء میں آثار حیات عام مردوں سے بہت زیادہ ہیں حتیٰ کے شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسم باوجود مجموعہ گوشت وپوست ہونے کے خاک

سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آ سکتیں۔

پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء وصالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معنی شہادت میں داخل سمجھیں گے اس طور پر وہ بھی شہداء ہو گئے یا یوں کہا جاوے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص عام قرون کے اعتبار سے ہے شہداء کے ہم مرتبہ دوسرے لوگ صالحین وصدیقین کے اعتبار سے نہیں۔

اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لے کہ ممکن ہے اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے قتل کے شہادت ہونے کا اور صرف قتل شہادت نہیں ہے اور اگر فرضاً ایسا شہید خاک خوردہ پایا جاوے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل قطعی تواتر وغیرہ سے ثابت ہو تو اس کی وجہ میں کہا جاوے گا کہ حدیث میں جس چیز کی تصریح ہے وہ یہ انبیاء علیہم السلام وشہدا کے جسم کو زمین نہیں کھاتی یعنی مٹی ان کے جسم کو خراب نہیں کر سکتی اجزاء ارضیہ مٹی وغیرہ کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ان کے جسم کا متاثر ہو کر فنا ہو جانا پھر بھی ممکن ہے کیونکہ زمین میں اور بھی بہت سی اقسام وانواع کی دھاتیں اور ان کے اجزاء اللہ تعالیٰ نے رکھ دیئے ہیں اگر ان کی وجہ سے کسی شہید کا جسم متاثر ہو جائے تو اس آیت کے منافی نہیں۔

چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ وادویہ واغذیہ واخلاط واجسام بسیطہ مثل آب وآتش وباد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کے اجساد میں بھی ثابت ہے اور شہداء کی حیات بعد الممات انبیاء علیہم السلام کی حیات قبل الممات سے اقوی نہیں اور بعض حصہ ارض میں بعض اجزاء غیر ارضیہ بھی شامل ہو جاتے ہیں جس طرح دوسرے عناصر میں بھی مختلف عناصر شامل ہو جاتے ہیں سو اگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے اجساد متاثر ہو جاویں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جن میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے۔

اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجساد شہداء کے لئے یہ کافی ہے کہ دوسری اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متاثر نہ ہوں گو کسی وقت میں ہو جاویں اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جاوے کہ ان کی محفوظیت اجساد کی خارق عادت ہے اور خرق عادت کی دونوں صورتیں ہیں حفظ مؤبد اور حفظ طویل اور چونکہ عالم برزخ حواس یعنی آنکھ کان، ناک، ہاتھ وغیرہ سے مدرک نہیں ہوتا اس لئے لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ فرمایا گیا کہ تم ان کی حیات کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ....

وفائے عہد کے آزمائش لازم ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کرلیا کرتا ہے کبھی ترقی اور بھلائی کے ذریعہ اور کبھی تنزل اور برائی سے، جیسے فرماتا ہے: (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ) (محمد:31) یعنی ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کرلیں گے اور جگہ ہے: (فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ) (النحل:112) مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف، کچھ بھوک، کچھ مال کی کمی، کچھ جانوں کی کمی یعنی اپنوں اور غیر خویش و اقارب، دوست واحباب کی موت، کبھی پھلوں اور پیداوار کی نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمالیتا ہے، صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبر جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔

حج وعمرہ میں صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کی مشروعیت اور اس کی ابتداء:

شعائر شعیرۃ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں صفا اور مروہ مکہ معظمہ میں دو پہاڑیاں ہیں جو کعبہ شریف سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہیں ان میں صفا بہ نسبت مروہ کے کعبہ شریف سے زیادہ قریب ہے۔ حج اور عمرہ میں سات مرتبہ ان دونوں پر آنا جانا ہوتا ہے۔ اس کو سعی کہا جاتا ہے۔ یہ حج اور عمرہ دونوں میں واجب ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے صفا اور مروہ کو شعائر اللہ میں سے فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ان کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ جو مناسک حج میں سے ہے اور حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ہے اس اعتبار سے دین اسلام میں ان دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان آنے جانے کی ابتداء کس طرح ہوئی اس کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری ص ۴۷۴ ج ۱ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ بحکم خداوندی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو مکہ معظمہ میں چھوڑ کر تشریف لے گئے (جو اس وقت چٹیل میدان تھا) ان کے پاس ایک تھیلہ میں کچھ کھجوریں اور مشکیزہ میں پانی رکھ دیا، جب واپس ہونے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے ہولیں اور کہنے لگیں کہ اے ابراہیم ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں نہ کوئی انسان ہے نہ اور کوئی چیز ہے۔ کئی بار انہوں نے یہی سوال کیا وہ سوال کر رہی تھیں اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ان کی طرف توجہ نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے سوال کیا کہ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں، وہ کہنے لگیں بس تو اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اپنے بچہ اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں اور جو پانی موجود تھا اس میں سے پیتی رہیں، مشکیزہ میں جو پانی تھا جب وہ ختم ہوگیا تو خود بھی پیاسی ہوگئیں اور بچہ بھی پیاسا ہوگیا، وہ بچہ کو تڑپتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ جب اس کی حالت نہ دیکھی جاسکی تو صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں تاکہ بچہ پر نظر نہ پڑے۔ صفا پر کھڑے ہوکر نظر ڈالی کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں، وہاں کوئی نظر نہ آیا تو

صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلیں، درمیان میں نشیب تھا وہاں پہنچیں تو تیزی کے ساتھ دوڑ کر گزر گئیں۔ مروہ پر پہنچ کر پھر نظریں ڈالیں کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں، وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ سات مرتبہ ایسا ہی کیا (کبھی صفا پر جاتیں کبھی مروہ پر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں تک پہنچ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد نقل کیا کہ اسی وجہ سے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ (یعنی یہ سعی کی ابتداء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے عمل کو حج و عمرہ کی عبادت کا جزو بنا دیا) جب آخری مرتبہ مروہ پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی، آواز سن کر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہنے لگیں کہ مطمئن ہو جا۔ اس کے بعد انہوں نے کان لگایا تو پھر آواز سنی، آواز سن کر کہنے لگیں (کہ اے بولنے والے) تو نے آواز تو سنا دی اگر تیرے پاس کوئی مدد کی صورت ہے تو ہماری مدد کر دے، اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ جس جگہ زمزم ہے وہاں فرشتہ نے اپنی ایڑی سے تھوڑی سی زمین کریدی۔ یہاں تک کہ زمین پر پانی ظاہر ہو گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے وہاں حوض کی صورت بنانی شروع کر دی اور اس میں سے اپنے مشکیزہ میں پانی بھر لیا، مشکیزہ میں بھرنے کے بعد بھی پانی جوش مار رہا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحم فرمائے اسماعیل کی والدہ پر اگر وہ زمزم کو (اپنے حال پر) چھوڑ دیتیں تو زمزم (زمین پر) جاری ہونے والا چشمہ ہوتا، اب انہوں نے اس میں سے پانی پیا اور بچہ کو دودھ پلایا اور فرشتے نے ان سے کہا کہ تم ضائع ہونے سے نہیں ڈرنا کیونکہ یہاں بیت اللہ ہے جسے یہ لڑکا اور اس کا والد دونوں مل کر تعمیر کریں گے، فرشتہ نے یہ بھی کہا بلاشبہ اللہ اپنوں کو ضائع نہیں فرماتا، (اس کے بعد بخاری شریف میں وہاں بنی جرہم کے آباد ہونے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اسی قبیلہ میں شادی ہونے کا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے تشریف لانے کا اور کعبہ شریف تعمیر کرنے کا ذکر ہے) اللہ تعالیٰ کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ کا صفا مروہ کے درمیان آنا جانا ایسا پسند آیا کہ حج عمرہ کرنے والوں کے لیے اس کو احکام حج و عمرہ میں داخل فرما دیا۔ سعی کا طریقہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے اور یہ سعی امام احمد کے نزدیک سنت مستحب ہے اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے کہ ترک سے ایک بکری ذبح کرنا پڑتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ کی سعی:

صحیح بخاری ص ٦٤٦ ج ٢ میں حضرت عاصم بن سلیمان سے نقل کیا ہے کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفا مروہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ ان پر آنے جانے کو جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان پر جانے سے رک گئے۔ اللہ تعالیٰ نے: (اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ....) نازل فرمائی۔ صحیح مسلم ص ٤١٤ ج ١ میں اس بارے میں متعدد روایات درج ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں انصار منات کے لیے احرام باندھتے تھے (جو ایک مشہور و معروف بت تھا) جب اس کے لیے احرام باندھتے تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کو حلال نہیں سمجھتے تھے جب حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ حج کے لیے آئے تو انہوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ بیان فرما کر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اللہ اس کا حج پورا نہیں کرے گا جس نے صفا مروہ کے درمیان سعی نہ کی،

حضرت شعبی سے منقول ہے کہ ایک بت صفا پر تھا جس کا نام اساف تھا اور ایک بت مروہ پر تھا جس کو نائلہ کہا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان دونوں کو پھینک دیا گیا اب مسلمان کہنے لگے کہ صفا مروہ پر آنا جانا جاہلیت والوں کا کام ہے جو اپنے بتوں کی وجہ سے ان پر آتے جاتے تھے۔ لہٰذا ان دونوں کے درمیان سعی کرنے سے رک گئے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی جواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: (فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا) اس میں لفظ لَا جُنَاحَ سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص صفا مروہ کی سعی نہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے اگر بات اس طرح ہوتی جیسے تم کہہ رہے ہو تو آیت کے الفاظ یوں ہوتے (لَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ لَّا یَطَّوَّفَ بِهِمَا) (یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفا مروہ پر آنا جانا نہ کرے)۔ آیت میں تو یوں ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفا مروہ پر آنا جانا کرے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو صفا مروہ پر جانے سے رک گئے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ اب صفا مروہ پر جائیں یا نہ جائیں تو اس پر یہ آیت (اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ صفا مروہ پر جانے میں کچھ حرج نہیں ہے) پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صفا مروہ کی سعی کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مشروع فرمایا ہے۔ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان دونوں کے درمیان سعی چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری ص ۲۲۲ ج ۱)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا۔۔۔۔

حق بات کا چھپانا جرم عظیم ہے:

اس میں زبردست دھمکی ہے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی شرعی مسائل چھپا لیا کرتے ہیں، اہل کتاب نے نعت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھپا لیا تھا جس پر ارشاد ہوتا ہے کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں۔ جس طرح اس عالم کے لیے جو لوگوں میں اللہ کی باتیں پھیلائے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی اسی طرح ان لوگوں پر جو حق کی بات کو جانتے ہوئے گونگے بہرے بن جاتے ہیں ہر چیز لعنت بھیجتی ہے، صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص نے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک جنازے میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ جاندار اس کا دھماکہ سنتے ہیں سوائے جن وانس کے۔ پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ....

توحید کے دلائل کا بیان:

مطلب یہ ہے کہ اس اللہ کی فرمانروائی اور اس کی توحید کی دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی لطافت کشادگی جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلتے پھرتے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو، پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے، جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر بہ فلک پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں جس میں انواع واقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس میں تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات بنا کر بستے ہو اور جس سے سینکڑوں طرح کا نفع اٹھاتے ہو، پھر رات دن کا آنا جانا رات گئی دن گیا رات آ گئی۔ نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر۔ ہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں، کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جائے، پھر کشتیوں کو دیکھوں جو خود تمہیں اور تمہارے مال واسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں، جن کے ذریعہ اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہیں، یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا، اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا، چاروں طرف ریل پیل کر دینا، زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کار آمد جانوروں کو پیدا کرنا ان سب کی حفاظت کرنا، انہیں روزیاں پہنچانا ان کے لئے سونے بیٹھنے چرنے چگنے کی جگہ تیار کرنا، ہواؤں کو پورب پچھم چلانا، کبھی ٹھنڈی کبھی گرم کبھی کم کبھی زیادہ، بادلوں کو آسمان وزمین کے درمیان مسخر کرنا، انہیں ایک طرف سے دوسری کی طرف لے جانا، ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے عقل منداپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پا لیتے ہیں، جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان وزمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین وآسمان کی پیدائش میں غور وفکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ (ابن کثیر)

وَطَلَبُوْا اٰیَةً علی ذٰلک فنزل إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وما فیهما من العجائب وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ بالذهاب والمجیء والزیادة والنقصان وَالْفُلْكِ السفن الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ ولا ترسب موقرة بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ من التجارات والحمل وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ مطر فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بالنبات بَعْدَ مَوْتِهَا یبسها وَبَثَّ فرق ونشر به فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ لانهم ینمون بالخصب الكائن عنه وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ تقلیبها جنوبا وشمالا حارة وباردة وَالسَّحَابِ الغیم

المُسَخَّرِ المُذَلَّلِ بِاَمْرِ اللّٰهِ يَسِيْرُ اِلٰى حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ بِلَا عِلَاقَةٍ لَاٰيٰتٍ دَالَّاتٍ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ اَنْدَادًا اَصْنَامًا يُّحِبُّوْنَهُمْ بِالتَّعْظِيْمِ وَالْخُضُوْعِ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ اَيْ كَحُبِّهِمْ لَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ مِنْ حُبِّهِمْ لِلْاَنْدَادِ لِاَنَّهُمْ لَا يَعْدِلُوْنَ عَنْهُ بِحَالٍ مَّا وَالْكُفَّارُ يَعْدِلُوْنَ فِى الشِّدَّةِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْ يَرَى تُبْصِرُ يَا مُحَمَّدُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا بِاتِّخَاذِ الْاَنْدَادِ اِذْ يَرَوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ يُبْصِرُوْنَ الْعَذَابَ ۙ لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا وَاِذْ بِمَعْنٰى اِذَا اَنَّ اَيْ لِاَنَّ الْقُوَّةَ الْقُدْرَةَ وَالْغَلَبَةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ حَالٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يَرٰى بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَاعِلُ فِيْهِ قِيْلَ ضَمِيْرُ السَّامِعِ وَقِيْلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَهِيَ بِمَعْنٰى يَعْلَمُ وَاَنَّ وَمَا بَعْدَهَا سَدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ وَجَوَابُ لَوْ مَحْذُوْفٌ وَالْمَعْنٰى لَوْ عَلِمُوْا فِى الدُّنْيَا شِدَّةَ عَذَابِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْقُدْرَةَ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَقْتَ مُعَايَنَتِهِمْ لَهٗ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَمَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَنْدَادًا اِذْ بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا اَيِ الرُّؤَسَاءُ مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا اَيْ اَنْكَرُوْا اِضْلَالَهُمْ وَقَدْ رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ عَطْفٌ عَلٰى تَبَرَّاَ بِهِمُ عَنْهُمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ الْوُصَلُ الَّتِيْ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِى الدُّنْيَا مِنَ الْاَرْحَامِ وَالْمَوَدَّةِ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً رَجْعَةً اِلَى الدُّنْيَا فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ اَيِ الْمَتْبُوْعِيْنَ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ الْيَوْمَ وَلَوْ لِلتَّمَنِّيْ وَفَنَتَبَرَّاَ جَوَابُهٗ كَذٰلِكَ كَمَا اَرَاهُمْ شِدَّةَ عَذَابِهٖ وَتَبَرِّيْ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمُ السَّيِّئَةَ حَسَرٰتٍ حَالٌ نَدَامَاتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ بَعْدَ دُخُوْلِهَا.

ع ۲۰

ترجمہ: (اس دعویٰ توحید پر مشرکوں نے دلیل طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی)۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے (اور جو عجائبات ان دونوں میں ہیں جیسے چاند، سورج، دریا اور پہاڑ وغیرہ) اور رات و دن کے بدلتے رہنے میں (یعنی آمد و رفت اور بڑھنے و گھٹنے میں) اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں (اور غرق نہیں ہوتے ہیں باوجود بوجھ سے لدے ہوئے ہونے کے) ان چیزوں کو لے کر جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں (یعنی اسباب تجارت اور بار برداری) اور اس پانی میں جو اللہ نے اتارا آسمان سے (یعنی بارش) پھر اس پانی سے زمین کو حیات بخشی (یعنی گھاس و پودا اگایا) اس زمین کے مرنے (خشک ہو جانے) کے بعد اور منتشر کر دیا اس پانی کے ذریعہ) اس زمین میں ہر قسم کے جانور (متفرق اور منتشر کر دیا اس پانی کے ذریعہ) ...

(اس لیے کہ جانور نشوونما پاتے ہیں اسی سبزی سے جس کی پیداوار اس پانی سے ہے) اور ہواؤں کے پھیرنے میں (یعنی ہواؤں کا کبھی دکھن پھرنا اور کبھی اتر، کبھی گرم اور کبھی سرد) اور بادل میں جو مسخر ہے (اللہ کے حکم کا تابعدار ہے چلا دیتا ہے اللہ جہاں چاہتا ہے) آسمان وزمین کے درمیان (بغیر علاقہ کے یعنی معلق ہے) بیشک نشانیاں ہیں (جو اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے ہیں) ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں (تدبر کرتے ہیں سوچتے ہیں) بعض لوگ جو بنا رکھے ہیں اللہ کے سوا (غیر اللہ کو شریک (یعنی بتوں کو) ان بتوں سے محبت رکھتے ہیں (تعظیم اور عاجزی کے لحاظ سے) اللہ کی محبت کی طرح (یعنی جیسی محبت اللہ سے ہے) اور جو لوگ ایمان والے ہیں اللہ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے (بمقابلہ ان کی محبت بتوں سے، اس لئے کہ ایمان والے کسی حال میں اللہ سے نہیں پھرتے ہیں اور کفار سختی اور مصیبت میں اللہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں) اور اگر دیکھ لیں آپ (اے محمد ﷺ) ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا (شریک ٹھہرا کر) وہ وقت جبکہ وہ دیکھیں گے عذاب (یرون میں معروف اور مجہول دونوں قراءت ہے یعنی یبصرون یعنی رویت بصری مراد ہے) تو آپ دیکھیں گے ایک ہولناک معاملہ، اور از بمعنی ازا ہے اس لئے کہ (انَّ بمعنی لان ہے) قوت (قدرت اور غلبہ) ہر طرح کی اللہ ہی کے لئے ہے (جمیعا حال ہے) اور بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے (اور ایک قراءت میں لفظ یری یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے اور فاعل عند البعض ضمیر ہوگی جو سامع کی طرف راجع ہے اور بعض نے اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْآ کو فاعل کہا ہے اور یَرَی بمعنی یعلم ہے اور ان اور اس کا مابعد یعنی اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا یَرَی ۔ کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہو جائے گا اور لو کا جواب محذوف ہوگا اور معنی آیت کے اس طرح ہوں گے کہ اگر یہ ظالم لوگ دنیا میں جان لیتے اللہ کے عذاب کی شدت اور خدائے واحد کی قدرت کو جو قیامت کے روز اللہ کے عذاب کا معائنہ کرتے وقت ہوگا تو اس کے ماسوا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے از ماقبل کے اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ کے از سے بدل ہے) جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی (یعنی سردار لوگ) ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی (یعنی یہ رؤساء ان ماتحتوں کے گمراہ کرنے کا انکار کر دیں گے) درانحالیکہ دیکھ لیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان سے سب تعلقات (تقطعت کا عطف تبرأ پر ہے اور بہم بمعنی عنہم با، حرف جر بمعنی عن ہے مطلب یہ ہے کہ وہ تعلق جو ان کے مابین قرابت اور دوستی کا تھا سب ٹوٹ جائے گا) اور کہیں گے پیروی کرنے والے ای کاش ہم کو یاک مرتبہ لوٹ جانا ملے (دنیا کی طرف واپس) تو ہم بھی بیزار ہو جائیں ان سے (متبوعین سے) جیسا کہ ہم سے یہ بیزار ہوئے (آج، اور لو یہاں تمنی کے لیے یعنی بمعنی لیت ہے اور اس کا جواب فَنَتَبَرَّاَ ہے اسی طرح (جس طرح ان کو شدت عذاب اور ایک دوسرے کی بیزاری دکھلا دی ہے) سے دکھلائے گا اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال (بد) کو حسرت دلانے کو (یہ حال ہے بمعنی ندامات) اور وہ کبھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے (جہنم میں داخل ہونے کے بعد، کیونکہ شرک کی سزا خلود فی النار ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِالذِّهَابِ وَالْمَجِیْءِ: یہ اختلاف بمعنی خلیفہ بنایا یا پیچھے آنا کے ہے یہ اتفق کی ضد اختلاف سے نہیں، اس معنی کو اس

آیت کے مناسب ہونے کی وجہ سے اختیار کیا۔ و جعل اللیل و النهار خلفة۔

قوله: مِنَ التِجَارَاتِ: اشارہ کیا کہ یہ مَا موصولہ ہے۔ یہ بیان ضمیر عائد کے قائم مقام ہے۔

قوله: بِالنَبَاتِ: یہ احیاء الارض کی تفسیر ہے بڑھنے والی قوتوں کا بیدار ہو کر اس میں ودیعت کی گئی بنات کا اظہار۔

قوله: وَنَشَرَ بِهٖ: اشارہ کیا کہ اس کا عطف احیخا پر ہے ہے اَنْزَلَ پر نہیں۔

قوله: يَتَدَبَّرُوْنَ: عقل تدبر سے مجاز ہے کیونکہ وہ اس کا ثمرہ ہے تو گویا تدبر نہ کرنے والا عقل سے خالی ہے۔

قوله: بِالتَّعْظِيْمِ: دونوں محبتوں میں تعظیم و طاعت کے لحاظ سے تسویہ ہے نہ کہ ہر اعتبار سے۔

قوله: كَحُبِّهِمْ لَهٗ: اس میں اشارہ کیا کہ یہ اضافت المصدر کی المفعول کی قسم سے ہے نہ کہ فاعل کی۔

قوله: لِاَنَّهُمْ لَا يَعْدِلُوْنَ: مؤمنو کی محبت کی شدت سے نفس میں اس کی قوت مراد نہیں بلکہ دلوں میں محبت کا جماؤ اور عدم زوال مراد ہے۔

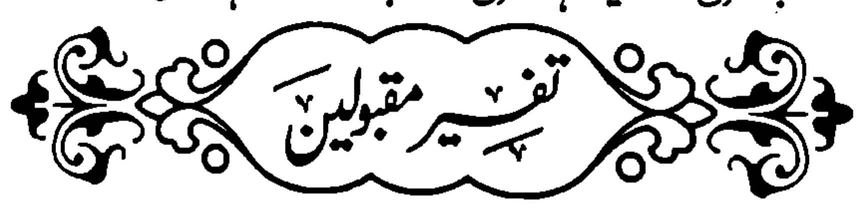
قوله: تَبْصُرُ يَا مُحَمَّدُ: اس سے رؤیت بصر مراد ہے نہ قلب کیونکہ دو مفعول نہیں اور اس لیے بھی رؤیت بصری معروف ہے۔

قوله: لَرَأَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا: یہ لَوْ کا جواب ہے جو تحویل، تعیم پر دلالت کی وجہ سے محذوف ہے۔

قوله: اَیْ لِاَنَّ: کہ اَنَّ اپنے مابعد کے ساتھ مل کر جواب مقدر کی تعلیل ہے اور لام تعلیل کو حذف کیا اسی وجہ سے عطف نہیں کیا گیا۔

قوله: وَقَدْ رَاَوُا الْعَذَابَ: قَدْ کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ واؤ حالیہ اور یہ اتباع اور متبوعین سے حال ہے۔ اسی لیے عطف کو ترجیح دی جائے گی۔

قوله: وَلَوْ لِلتَّمَنِّيْ: لَوْ جب تَمَنِّيْ کے لیے ہے تو تَمَنِّيْ کا جواب فَا سے ہوتا ہے اور ان مقدرہ سے منصوب ہوتا ہے۔ فتدبر



وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ....

ربط: اوپر کی آیات میں توحید کا اثبات تھا آگے مشرکین کی غلطی اور وعید کا بیان فرماتے ہیں۔

مشرکین کی باطل معبودوں سے محبت اور اس پر سخت عذاب:

توحید کا ذکر کرنے اور توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد اب ان لوگوں کی حالت بیان فرمائی جنہوں نے توحید سے منہ موڑا اور شرک کو اختیار کیا۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود تجویز کر لیے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں۔ ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے لیے نذریں مانتے ہیں، اور ان کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں ان کا حال بتانے کے بعد فرمایا:

(یُحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰهِ) کہ یہ لوگ ان باطل معبودوں سے ایسی محبت کرتے ہیں۔ جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی چاہیے۔
صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۴۳ ج ۲) کہ یہاں محبت سے تعظیم اور فرمانبرداری مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور معبودان باطلہ کے درمیان برابری کرتے ہیں اور باطل معبودوں کی تعظیم اور اطاعت میں اسی طرح لگتے ہیں جیسا کہ معبود حقیقی کی عبادت اور اطاعت کرنا لازم ہے چونکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر سمجھتے ہیں اس لیے وہ ضمیر جمع لائی گئی جو عقلاء کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ یعنی یُحِبُّوْنَهُمْ فرمایا یُحِبُّوْنَهَا نہیں فرمایا۔ بعض مفسرین نے اَنْدَادًا سے قوم و قبیلے اور علاقہ کے بڑے لوگ مراد لیے ہیں یعنی بہت سے لوگ اپنے رؤساء کو ایسا مطاع مانتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔

اہل ایمان کو اللہ سے سب سے زیادہ محبت ہے:

پھر فرمایا:

(وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) ”یعنی جو لوگ ایمان لائے ان کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے“ کیونکہ اہل ایمان کی جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ کامل ہے اور راسخ ہے اور مضبوط ہے۔ ان کی محبت میں کبھی کمی نہیں آتی۔ وہ کبھی بھی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے مدد نہیں مانگتے اور غیر اللہ کی کبھی بھی عبادت نہیں کرتے۔ برخلاف بت پرستوں کے کہ جب وہ مصیبتوں میں گرفتار ہوتے ہیں تو بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، مثلاً جب کشتی میں سوار ہوں اور وہ ڈوبنے اور ڈگمگانے لگے تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی سے نجات کا سوال کرتے ہیں اور دوسرے احوال میں بھی جب بھی کوئی پریشانی ہو اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ تک کسی بت کی پوجا پاٹ کرتے رہتے ہیں۔ پھر اسے چھوڑ کر دوسرا بت تراش کر اس کے سامنے جبین نیاز رگڑنے لگتے ہیں اور بعض مرتبہ حلوے وغیرہ کا بت بنا لیتے ہیں۔ پھر عند الضرورت اسے کھا جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مشرکوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دیوالی کے موقع پر (جو اُن کا ایک تہوار ہے) کھانڈ کی مورتیاں بناتے ہیں پھر ان کو بیچتے ہیں اور چھوٹے بڑے مل کر ان کو کھا جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: (وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ)
”کہ جن لوگوں نے خدا کے ہمسر تجویز کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا قیامت کے دن جب عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت جان لیں گے کہ ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اس موقع پر ان کو بہت زیادہ ندامت، پشیمانی اور شرمندگی ہوگی جس سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ یہ آیت کی ایک تفسیر ہے۔ اور اس تفسیر کی بناء پر جواب تو محذوف ہے۔

قال البیضاوی لو یعلمون أن القدرة للّٰه جمیعا اذا عاینوا العذاب لندموا اشد الندم، اور مفسر ابن کثیر ص ۲۰۲ ج ۱ نے اس کی تفسیر اس طرح سے کی ہے کہ:

اگر وہ جان لیں اس عذاب کو جسے وہاں یوم قیامت میں دیکھیں گے (جو سخت عذاب ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ان کو دیا جائے گا) تو آج ہی اس دنیا میں اپنے کفر سے باز آجائیں

مفسر بیضاوی نے بعض مفسرین سے آیت کی تفسیر اس طرح بھی نقل کی: (وَلَوْیَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْدَادَھُمْ لَا تَنْفَعُ لَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ کُلَّھَا لَا یَنْفَعُ وَلَا یَضُرُّ غَیْرُہٗ)۔

(یعنی جنہوں نے ظلم کیا اگر وہ جان لیں کہ ان کے بنائے ہوئے خدا نفع دینے والے نہیں ہیں تو یہ بات ضرور جان لیں کہ ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ اس صورت میں یری کا مفعول یعنی اندادھم لاینفع محذوف ہوگا۔ (وذکرہ فی الروح ایضاص ۳۰ ج ۲)

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا....

یعنی اس شدید عذاب کے وقت وہ وقت ہوگا کہ جب پیشوا اپنے پیروں سے الگ اور بےزار ہو جائیں گے اور تابع اور متبوع، گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے دونوں فریق عذاب خداوندی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے اور دنیا میں جو باہمی تعلقات تھے وہ اس روز سب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی تابع رہے گا اور نہ کوئی متبوع ہر ایک جرم میں شریک ہوگا سب پر فرد جرم لگ چکی ہوگی ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی لیکن اس وقت یہ تبری اور بےزاری ذرہ برابر مفید نہ ہوگی سب کف افسوس ملیں گے اور جن لوگوں نے دوسروں کی پیروی کی تھی اور دوسروں کے بہکانے سے کفر اور شرک کیا تھا وہ اس وقت جھنجلا کر کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک دفعہ دنیا میں لوٹنے کا موقع ملے تو ہم بھی ان سے اپنا بدلہ لیں اور ہم بھی ان سے اسی طرح بےزار ہو جائیں جس طرح یہ لوگ ہم سے بےزار ہوئے مگر اس بےزاری سے ان کو سوائے حسرت کے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور قیامت کے دن فقط یہی ایک حسرت نہ ہوگی بلکہ اسی طرح اللہ ان کے تمام اعمال کو ان پر حسرتیں بنا کر دکھلائے گا قیامت کے دن ان کے تمام صدقات اور قربات ایک ایک کر کے ضائع اور رائیگاں ہوں گے اور حسرتوں کی کوئی انتہاء نہ ہوگی اور یہ لوگ کبھی دوزخ سے نہ نکلیں گے ہی نہیں کیونکہ شرک کی سزا دائمی عذاب ہے البتہ گنہگار مسلمان انبیاء اور صلحاء کی شفاعت سے بعد چندے جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔

وَنَزَلَ فِیْمَنْ حَرَّمَ السَّوَائِبَ وَ نَحْوَھَا یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا حَالٌ طَیِّبًا صِفَۃٌ مُؤَکِّدَۃٌ اَوْ مُسْتَلَذًّا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طُرُقَ الشَّیْطٰنِ اَیْ تَزْیِیْنَہٗ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ بَیِّنُ الْعَدَاوَۃِ اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ الْاِثْمِ وَالْفَحْشَآءِ الْقَبِیْحِ شَرْعًا وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ مِنْ تَحْرِیْمِ مَالَمْ یُحَرَّمْ وَغَیْرِہٖ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اَیِ الْکُفَّارِ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ التَّوْحِیْدِ وَتَحْلِیْلِ الطَّیِّبَاتِ قَالُوْا لَا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا مِنْ عِبَادَۃِ الْاَصْنَامِ وَتَحْرِیْمِ السَّوَائِبِ وَالْبَحَائِرِ قَالَ تَعَالٰی اَیَتَّبِعُوْنَھُمْ اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ وَّلَا یَھْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَی الْحَقِّ وَالْھَمْزَۃُ لِلْاِنْکَارِ وَمَثَلُ صِفَۃُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَنْ یَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ یُصَوِّتُ

بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ اَیْ صَوْتًا لَا یَفْهَمُ مَعْنَاهُ اَیْ هُمْ فِیْ سِمَاعِ الْمَوْعِظَةِ وَعَدَمِ تَدَبُّرِهَا كَالْبَهَائِمِ تَسْمَعُ صَوْتَ رَاعِیْهَا وَلَا تَفْهَمُهُ هُمْ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ الْمَوْعِظَةَ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ حَلَالَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ عَلٰى مَا اُحِلَّ لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ اَیْ اَكْلَهَا اِذِ الْكَلَامُ فِیْهِ وَكَذَا مَا بَعْدَهَا وَهِیَ مَا لَمْ تُزَكَّ شَرْعًا وَالْحِقَ بِهَا بِالسُّنَّةِ مَا اُبِیْنَ مِنْ حَیٍّ وَ خُصَّ مِنْهَا السَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَ الدَّمَ اَیِ الْمَسْفُوْحَ كَمَا فِی الْاَنْعَامِ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ خُصَّ اللَّحْمُ لِاَنَّهُ مُعْظَمُ الْمَقْصُوْدِ وَغَیْرُهُ تَبَعٌ لَهٗ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ اَیْ ذُبِحَ عَلٰى اسْمِ غَیْرِهٖ تَعَالٰى وَالْاِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكَانُوْا یَرْفَعُوْنَهُ عِنْدَ الذَّبْحِ لِاٰلِهَتِهِمْ فَمَنِ اضْطُرَّ اَیْ اَلْجَأَتْهُ الضَّرُوْرَةُ اِلٰى اَكْلِ شَیْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَاَكَلَهٗ غَیْرَ بَاغٍ خَارِجٍ عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ وَّ لَا عَادٍ مُتَعَدٍّ عَلَیْهِمْ بِقَطْعِ الطَّرِیْقِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ فِیْ اَكْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِاَوْلِیَائِهٖ رَّحِیْمٌ ۝ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ حَیْثُ وَسَّعَ لَهُمْ فِیْ ذٰلِكَ وَ خَرَجَ الْبَاغِیُّ وَالْعَادِیُّ وَیَلْحَقُ بِهِمَا كُلُّ عَاصٍ بِسَفَرِهٖ كَالْاٰبِقِ وَالْمَكَّاسِ فَلَا یَحِلُّ لَهُمْ اَكْلُ شَیْءٍ مِنْ ذٰلِكَ مَا لَمْ یَتُوْبُوْا وَ عَلَیْهِ الشَّافِعِیُّ رحمه الله اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُمُ الْیَهُوْدُ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ مِنَ الدُّنْیَا یَاْخُذُوْنَهُ بَدَلَهٗ مِنْ سِفْلَتِهِمْ فَلَا یُظْهِرُوْنَهُ خَوْفَ فَوْتِهٖ عَلَیْهِمْ اُولٰٓىِٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ لِاَنَّهَا مَآلُهُمْ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غَضَبًا عَلَیْهِمْ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ ۚ یُطَهِّرُهُمْ مِنْ دَنَسِ الذُّنُوْبِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ مُؤْلِمٌ هُوَ النَّارُ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى اَخَذُوْهَا بَدَلَهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ لَوْ لَمْ یَكْتُمُوْا فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ اَیْ مَا اَشَدَّ صَبْرَهُمْ وَهُوَ تَعْجِیْبٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ مِنِ ارْتِكَابِهِمْ مُوْجِبَاتِهَا مِنْ غَیْرِ مُبَالَاةٍ وَاِلَّا فَاَیُّ صَبْرٍ لَهُمْ ذٰلِكَ الَّذِیْ ذُكِرَ مِنْ اَكْلِهِمُ النَّارَ وَمَا بَعْدَهٗ بِاَنَّ بِسَبَبِ اَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ مُتَعَلِّقٌ بِنَزَّلَ فَاخْتَلَفُوْا فِیْهِ حَیْثُ اٰمَنُوْا بِبَعْضِهٖ وَكَفَرُوْا بِبَعْضِهٖ بِكَتْمِهٖ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ بِذٰلِكَ وَهُمُ الْیَهُوْدُ وَقِیْلَ

الْمُشْرِكُوْنَ فِي الْقُرْاٰنِ حَيْثُ قَالَ بَعْضُهُمْ شِعْرٌ وَ بَعْضُهُمْ سِحْرٌ وَ بَعْضُهُمْ كَهَانَةٌ لَفِيْ شِقَاقٍ خِلَافٍ بَعِيْدٍ عَنِ الْحَقِّ

ع ۲۱ و ۵

ترجمہ: یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے از خود سوائب اور ان کے مانند بحائر وغیرہ کو حرام کر لیا تھا) اے لوگو کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں ہیں حلال پاکیزہ (طَيِّبًا صفت موکدہ ہے یعنی اگر طَيِّبًا جس کے معنی ہیں پاکیزہ، ستھری چیز، سے مراد شرعی پاکیزگی ہو تو طَيِّبًا کے معنی حلال کے ہوں گے اور یہ صفت موکدہ ہوگی حَلٰلًا کی اور اگر طَيِّبًا سے مراد طبعی طیب ہو یعنی لذیذ و مرغوب ہونا مراد لی جائے تو اس صورت میں طیبا صفت مخصصہ ہوگی اسی کی طرف مفسر علامؒ نے اَوْ مُسْتَلَذًّا سے اشارہ کیا ہے) وَّلَا تَتَّبِعُوْا الخ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو خُطُوٰتِ بمعنی طریق ہے اور شیطان کے طریقے سے مراد اس کی تزئین ہے مطلب یہ ہے کہ شیطان کے مزین و جاری کردہ طریقے۔ بحائر و سوائب وغیرہ کی تحریم سے پرہیز کرو بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح (ظاہر العداوت) وہ تم کو حکم کرتا ہے برائی (گناہ) کا اور بے حیائی کا (جو شرعاً قبیح اور بری ہے) اور اس بات کا کہ تم کو اللہ پر وہ باتیں لگاؤ جس کا تم علم نہیں رکھتے ہو (یعنی حرام کرنا ان چیزوں کو جو اللہ نے حرام نہیں کیا وغیرہ) اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس حکم کی جو اللہ نے نازل فرمایا (یعنی توحید اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا) تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جو پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے (الفینا بمعنی وجدنا ہے یعنی بتوں کی عبادت اور بحائر و سوائب کو حرام کرنا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا (یہ لوگ اپنے باپ دادا ہی کی طیروی کریں گے) اگر چہ ان کے باپ دادا نہ سمجھ رکھتے ہوں کچھ بھی (دین کی) اور نہ ہدایت یاب ہوں (حق کی طرف، اور ہمزہ اَوَ لَوْ كَانَ پر استفہام انکاری توبیخ کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ ہرگز یہ مناسب نہیں) اور مثال (نا فہمی کی حالت) کافروں کی (اور ان لوگوں کی جو انہیں ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں) اس شخص کی طرح ہے جو پکار رہا ہے (آواز دے رہا ہے) ایسی چیز کو جو کچھ نہیں سنتا ہے بجز ہلائے اور پکارنے کے (ایسی آواز جس کا مفہوم سمجھا نہ جائے، یعنی یہ مشرکین وعظ سننے اور نہ سمجھنے میں چوپائے کی طرح ہیں کہ چرواہے کی صرف آواز سنتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں) یہ مشرکین بہرے، گونگے، اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے (نصیحت کو)۔ اے ایمان والو کھاؤ حلال چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے طیبات بمعنی حلالات) اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف (ان چیزوں کو) حرام کیا ہے مردار کو (یعنی مردار کا کھانا حرام کیا ہے، کیونکہ گفتگو کھانے ہی میں ہو رہی ہے، وعلی ھذا اس کے بعد والے الفاظ اور میتۃ وہ جانور ہے جو شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو خواہ بغیر ذبح خود مر گیا ہو یا ذبح تو کیا جائے مگر وہ ذبح شرعی طریقہ کے مطابق نہ ہو وھی التی ماتت من غیر ذکوة شرعیة (روح المعانی) اور جو گوشت زندہ جانور سے علیحدہ کر لیا جائے وہ بھی بحکم حدیث مردار کے حکم میں ہے اور میتہ کے حکم سے مچھلی اور ٹڈی کو خاص کر لیا گیا ہے) اور خون (یعنی جو بہتا ہو جیسا کہ سورہ انعام میں ہے) اور سور کا گوشت (گوشت کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ گوشت ہی بڑا مقصد ہوتا ہے دوسری چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں) اور جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو (یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اہلال کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں اور مشرکوں کی یہ

عادت تھی کہ ذبح کے وقت اپنے معبودوں کا نام باآواز بلند ذکر کرتے تھے) پھر جو کوئی مضطر (لاچار) ہو جائے (یعنی ضرورت مجبور کردے مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کے کھانے کی طرف اور وہ کھالے) درانحالیکہ باغی نہ ہو (مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلانے والا نہ ہو) اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو (رہزنی کے ذریعہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والا نہ ہو) تو اس پر کچھ گناہ نہیں (اس کے کھانے میں) بیشک اللہ بخشنے والا ہے (اپنے دوستوں کو) مہربان ہے (اہل طاعت پر کہ ان کو ایسے وقت وسعت دے دی ہے کہ گناہ کی چیز میں بھی گناہ اٹھادیا اور باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہو گئے، اور ہر وہ شخص جس کا مقصد سفر معصیت اور نافرمانی ہو جیسے بھاگا ہوا غلام اور ظلمانہ مال وصول کرنے والا بھی حکم میں ان دونوں (باغی وظالم) کے ساتھ شریک ہیں چنانچہ ان کے لیے مذکورہ چیزوں کا کھانا حلال نہیں جب تک کہ توبہ کرلیں، یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے۔ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں وہ کتاب جو اللہ نے نازل کی ہے (یعنی کتاب کی وہ آیت ومضامین جو محمد ﷺ کے اوصاف وحالات پر مشتمل تھے اور یہ لوگ یہود ہیں) اور لیتے ہیں اس کے معاوضہ میں کچھ مال (یعنی کتمان کے بدلے دنیاوی مال حاصل کرتے ہیں اپنے عوام سے اور اس ثمن قلیل کے فوت ہونے کے اندیشہ سے آنحضور ﷺ کے صحیح وصف کو ظاہر نہیں کرتے) یہی لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اس لئے کہ اس کا انجام جہنم کی آگ ہے اور نہ ان سے اللہ قیامت کے دن لطف ورحمت کے ساتھ کلام کرے گا، (ان پر غضبناک ہونے کی وجہ سے) اور نہ ان کو پاک کرے گا اللہ تعالیٰ ان کو گناہوں کی میل سے پاک صاف نہیں کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (الیم بمعنی مولم دردناک ہے اور مراد اس سے جہنم ہے) یہی لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی خریدی ہے ہدایت کے بدلے میں (یعنی دنیا میں تو ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرلی) اور مغفرت کے بدلے میں عذاب (یعنی وہ مغفرت جو آخرت میں ان کو حاصل ہوتی بشرطیکہ کتمان حق نہیں کرتے) سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں نار دوزخ پر (یعنی کس قدر سخت ہے ان کا صبر مسلمانوں کو تعجب دلانا ہے کہ اے مسلمانوں مقام تعجب ہے ان کا حال جو لاپرواہی سے موجبات نار کا ارتکاب کر رہے ہیں ورنہ ان کو صبر کہاں؟ یہ (آگ کا کھانا اور اللہ کا کلام رحمت نہ کرنا اور دردناک عذاب وغیرہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے) اس وجہ سے ہے (بِاَنَّ میں باء سببیہ ہے اے بسبب ان) کہ اللہ نے اتاری کتاب (توریت) برحق (بالحق کا تعلق نزل کے ساتھ ہے، چنانچہ اس حق میں ان لوگوں نے اختلاف کیا کہ کتاب کے بعض حصے پر ایمان لایا جو ان کے اغراض وخواہش کے مطابق تھا اور بعض کتاب کے ساتھ کفر کیا اس کو چھپا کر) اور جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا اس بارے میں کہ بعض پر ایمان لایا اور بعض کے ساتھ کفر کیا اور مراد یہود ہیں اس وقت کتاب سے مراد توریت ہوگی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَنَزَلَ فِيْمَنْ حَرَّمَ: یہ آیات تحریم سوائب والوں سے متعلق ہیں جیسا پہلی آیات میں بھی مشرکین کا تذکرہ ہے۔ (کشاف البن حبان)

قوله: طَيِّبًا صِفَةٌ مُؤَكِّدَةٌ: اس سے اشارہ ہے کہ قید سے مراد جس کو شرع طیب قرار دے گویا حلال کی تاکید ہوئی۔

قولہ: طُرُقَ الشَّيْطٰنِ :اس سے اشارہ کیا کہ طُرُقَ کو یہاں خُطُوٰتِ کے معنی میں بطورِ استعارہ لیا گیا کیونکہ وہ محل خطوہ ہے۔

قولہ: اَلْقَبِيْحِ شَرْعًا : اختلاف وصفین کے لیے ہے اور عقلمند کو اس سے دکھ ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ بری ہے اور اَلْفَحْشَآءِ اس لیے کہ وہ بذات خود بری ہے۔

قولہ: مِنْ تَحْرِيْمِ مَالَمْ : اس سے مَا کے موصولہ ہونے کا اشارہ دیا اور وہ ضمیر عائد کا قائم مقام ہے۔ لَا بَلْ میں بَلْ اضطراب کے لیے ہے نہ کہ ترقی کے لیے۔

قولہ: اَلْكُفَّارِ :اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع کفار ہیں مطلق الناس نہیں باقی النَّاسُ میں بھی شامل ہیں۔

قولہ: قَالَ تَعَالٰى :اس سے اشارہ کیا کہ یہ ادخال الٰہی ہے، کلام ناس کی حکایت نہیں۔

قولہ: اَيَتَّبِعُوْنَهُمْ :اس سے اشارہ کیا کہ لَوْ پر داخل ہونے والا واؤ حالیہ ہے جو کہ اس فعل کے فاعل پر داخل ہے جو ہمزہ انکار اور واؤ حالیہ کے حائل ہے۔ شرط کے حال بن جانے کی وجہ سے لَوْ کو جواب کی ضرورت نہ رہی، اس لیے کہ لَوْ سے شرطیت کا معنی ہی چھن گیا۔ فتامل

قولہ: مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ : سے اشارہ کیا کہ دین کے معاملہ میں بے عقل ہونا مراد ہے نہ کہ دنیا کے معاملہ میں۔

قولہ: وَمَنْ يَدْعُوْهُمْ: معطوف مقدر ہے اور مجموع کفار اور ان کے داعی کو مجموعہ ناعق اور بہائم سے تشبیہ دی۔ گویا دونوں کا حال مقصود بن گیا اور يَنْعِقُ مطلق آواز کے معنی میں ہے۔

قولہ: اَلْمَوْعِظَةَ :اس سے اشارہ کر دیا کہ عقل بمعنی ادراک ہے جو ایسی نگاہ سے خالی ہو جس میں نصیحت قبول کی جاتی ہے۔ عقل غریزی کی نفی مراد نہیں۔

قولہ: عَلٰى مَا اُحِلَّ لَكُمْ : سے اشارہ کیا کہ مطالبہ شکر دراصل رزق حلال ہی پر ہے کیونکہ حرام تو خود قابل استغفار ہے۔

قولہ: وَالْحِقْ بِهَا :اس سے اشارہ کیا کہ یہاں قصر حقیقی مراد نہیں بلکہ اضافی مراد ہے۔

قولہ: عِنْدَ الذَّبْحِ : یہ حاصل معنی کا بیان ہے کہ جو آواز اس وقت بلند کی جائے جو اس کے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کے ساتھ ملی ہو۔

قولہ: لِاَنَّهَا مَاٰلُهُمْ :اس سے فی الحال آگ کا کھانا مراد نہیں بلکہ انہو[ں نے ایسی چیز کھائی ہے جو آگ سے ملی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ آگ اسی کا انجام ہوگی تو گویا اس نے آگ ہی کھائی ہے۔

قولہ: غَضَبًا :اس سے اشارہ کیا کہ کلام نہ کرنا یہ ناراضگی سے کنایہ ہے۔

قولہ: فِي الدُّنْيَا : دونوں کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ کتمان اس قدر بدترین حرکت ہے کہ اس کا وبال دونوں جہاں میں اس پر پڑے گا۔

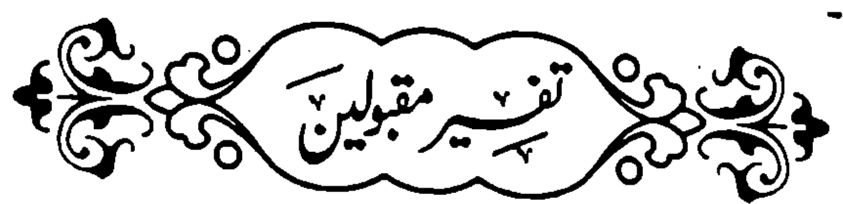
قولہ: مِنْ اِرْتِكَابِهِمْ :اس سے اشارہ کیا کہ اشدیت صبر والے کلام میں مضاف محذوف ہے۔ ای ما اشد صبرهم علی ارتکاب موجبات النار۔ آگ کو لازم کرنے والی اشیاء کے مرتکب ہوئے۔

قوله: بِسَبَبِ: یہاں بتلایا کہ باسببیہ ہے الصاق کی نہیں اور مراد اس سے عذاب کا سبب بیان کرنا ہے جو کتمان حق پر مرتب ہونے والا ہے۔

قوله: فَاخْتَلَفُوْا فِیْهِ: اس میں اشارہ ہے کہ اس جملہ معطوہ، اس کے قول نزل محذوفہ پر سابقہ دلالت کی وجہ سے مترتب ہونے والا ہے۔

قوله: وَهُمُ الْیَهُوْدُ: یعنی آئندہ جملہ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا معطوفہ ہے اور علماء یہود کی شناعت کی وضاحت کے ذیل میں لایا گیا ہے اور یہ نہایت ظاہر ہے۔

قوله: خِلَافٍ: شقاق اصل میں شقیق سے نکلا جو کہ کسی چیز کی دونوں جانبوں میں سے جو برابر ہو ایک کو کہا جاتا ہے، اس سے مجازاً مخالفت مراد ہے۔



وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ....

حلال کھانے اور شیطان کے اتباع سے پرہیز کرنے کا حکم:

ان آیات میں اول تو ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دی جو زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں موجود ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ شیطان کے قدموں کا تباع نہ کریں۔ شیطان کا اتباع کرنے اور اس کی بات ماننے میں سراسر نقصان اور خسران اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ اس کا کوئی مشورہ اور کسی بھی عمل کی ترغیب انسانوں کے لیے خیر نہیں ہو سکتی وہ تمہارا دشمن ہے اس نے دشمنی پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ اسے دوزخ میں جانا ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ سب بنی آدم بھی میرے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔ وہ ہمیشہ برائی ہی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بدکاری ہی کا راستہ بتاتا ہے۔ اس کا یہ بھی کام ہے کہ تم سے شرک کرائے اور تمہیں غلط عقیدوں پر ڈالے۔ اور پھر تم سے یہ کہلوائے کہ یہ جو کچھ ہم نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے اور اس کی رضا کے لیے ہے۔

سورۃ اعراف میں فرمایا: (وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ) ''اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کا حکم نہیں دیتا، کیا خدا کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کو تم نہیں جانتے۔''

اسباب النزول للواحدی ص ۴۳ میں ہے کہ: (یٰاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ....) بنی ثقیف اور بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں نے کچھ کھیتیاں، کچھ جانور اپنے اوپر حرام کر لیے تھے اور جن جانوروں کو حرام کیا تھا (ان کی حرمت کے لیے کچھ شرطیں اور قیدیں لگا دی تھیں اور) ان کے نام بحیرہ سائبہ اور وصیلہ اور حام تجویز کر لیے تھے۔ سورۃ مائدہ اور

سورۃ انعام کی تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کی تفصیلات مذکور ہوں گی۔ یہ باتیں ان کو شیطان نے بتائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے کا یا حرام کو حلال کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ یہ جو تحریم و تحلیل کا سلسلہ مشرکین نے نکالا تھا اس میں شیاطین کو اور بتوں کو راضی رکھنے کے جذبات تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں جو چیزیں حلال ہیں ان کو حرام کر لینا حلال نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی شریعت کو بدلنا ہے اور تحریف کرنا ہے۔

تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ ہی کو ہے:

سورۃ مائدہ میں فرمایا: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ) (اے ایمان والو! اللہ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو۔ بلاشبہ اللہ حد سے نکلنے والوں سے محبت نہیں فرماتے)۔

حضور اقدس (ﷺ) نے ایک مرتبہ شہد پینے کے متعلق فرمادیا تھا کہ اب ہرگز نہ پیوں گا، اللہ جل شانہ نے آیت نازل فرمائی: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ)

''اے نبی تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔'' ایسی بہت سی رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً بھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے۔ مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ میں (جسے عورتیں خالی مہینہ کہتی ہیں) اور محرم و صفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان میں شادی کرنے سے بچتے ہیں۔ ماہ محرم میں میاں بیوی والے تعلق سے بچتے ہیں۔ اور بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور عملاً اس کو حرام بنا رکھا ہے۔ بہت سی قوموں میں ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کرنے کو عملاً بلکہ اعتقاداً حرام قرار دے رکھا ہے۔ یہ سب حدود سے آگے بڑھ جانا ہے۔ جس طرح حلال کو حرام کرنا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے۔ حرام و حلال مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ خواہ اس نے قرآن میں نازل فرمایا ہو یا اپنے نبی (ﷺ) کی زبانی بتایا ہو۔ سورۃ نحل میں ارشاد ہے: (وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ) ''اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا زبانی جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ گے)۔

(انوار البیان)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ....

اس آیت سے جس طرح باپ دادوں کی اندھی تقلید و اتباع کی مذمت ثابت ہوئی اسی طرح جائز تقلید و اتباع کے شرائط اور ایک ضابطہ بھی معلوم ہو گیا جس کی طرف دو لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے لَا يَعْقِلُونَ اور لَا يَهْتَدُونَ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان آباء و اجداد کی تقلید و اتباع کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ انھیں نہ عقل تھی نہ ہدایت، ہدایت سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح طور پر نازل کئے گئے اور عقل سے مراد وہ جو بذریعہ اجتہاد نصوص شرعیہ سے استنباط کئے گئے،

تو وجہ ان کے اتباع وتقلید کے عدم جواز کی یہ ہے کہ نہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے ہوئے احکام ہیں اور نہ اس کی صلاحیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے احکام نکال سکیں اس میں اشارہ پایا گیا کہ جس عالم کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ ان کے پاس قرآن وسنت کا علم ہے اور اس کو درجہ اجتہاد بھی حاصل ہے کہ جو احکام صراحۃ قرآن وسنت میں نہ ہوں ان کو نصوص قرآن وسنت سے بذریعہ قیاس نکال سکتا ہے تو ایسے عالم مجتہد کی تقلید واتباع جائز ہے نہ اس لئے کہ اس کا حکم ماننا اور اس کا اتباع کرنا ہے بلکہ اس لئے کہ حکم اللہ کا ماننا اور اسی کا اتباع کرنا ہے مگر چونکہ ہم براہ راست اللہ کے حکم سے واقف نہیں ہو سکتے اس لئے کسی عالم مجتہد کا اتباع کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ہو سکے،

جاہلانہ تقلید اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں فرق:

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مطلق تقلید ائمہ مجتہدین کے خلاف اس طرح کی آیات پڑھ دیتے ہیں وہ خود ان آیات کے صحیح مدلول سے واقف نہیں۔

امام قرطبی نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں تقلید آبائی کے ممنوع ہونے کا جو ذکر ہے اس سے مراد باطل عقائد واعمال میں آباء واجداد کی تقلید کرنا ہے عقائد صحیحہ واعمال صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں ان دونوں چیزوں کی وضاحت سورۃ یوسف میں اس طرح آئی ہے،

اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ (۱۲:۳۷:۳۸) میں نے ان لوگوں کی ملت ومذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں، اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیم اسحاق اور یعقوب کا۔

اس میں پوری وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ آباء کی تقلید باطل میں حرام ہے حق میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔

امام قرطبی نے اسی آیت کے ذیل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کے متعلق بھی مسائل واحکام بیان کئے ہیں اور فرمایا ہے:

تعلق قوم بهذه الاية فی ذم التقليد (الى) وهذا فی الباطل صحيح اما التقليد فی الحق فاصل من اصول الدين وعصمة من عصم المسلمين يلجاء اليها الجاهل المقصر عن درك النظر۔ (قرطبی ص۱۹۴: ج۲)

کچھ لوگوں نے اس آیت کو تقلید کی مذمت میں پیش کیا ہے اور یہ باطل کے معاملہ میں تو صحیح ہے لیکن حق کے معاملہ میں تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک مستقل بنیاد ہے اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ سے تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ....

اکل طیبات کا حکم اوپر گزر چکا تھا لیکن مشرکین چونکہ شیطان کی پیروی سے باز نہیں آتے اور احکام اپنی طرف سے بنا کر اللہ کے اوپر لگاتے ہیں اور اپنے رسوم باطلہ آبائی کو نہیں چھوڑتے اور حق بات سمجھنے کی ان میں گنجائش ہی نہیں تو اب ان سے اعراض فرما کر خاص مسلمانوں کو اکل طیبات کا حکم فرمایا گیا اور اپنا انعام ظاہر کر کے ادائے شکر کا امر کیا گیا اس میں اہل ایمان کے

مقبول اور مطیع ہونے کی جانب اور مشرکین کے مردود معتوب و نافرمان ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ.....

محرمات کا بیان اور اضطرار کا حکم:

اِنَّمَا حَرَّمَ کلمہ انما حصر کے لئے آتا ہے اس لئے آیت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف وہ چیزیں حرام کی ہیں جن کا آگے ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا کچھ حرام نہیں اس آیت میں تو لفظ انما سے اس کی طرف اشارہ ہوا اور دوسری آیت میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ یہ بھی آیا ہے: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ..... (۶:۱۴۵) اس میں آنحضرت (ﷺ) کو خطاب کر کے یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ اعلان کر دیں کہ میری وحی میں بجز ان چند چیزوں کے جن کا ذکر آگے کیا گیا ہے اور کوئی چیز حرام نہیں۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ دوسری آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ان چند چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزوں کی حرمت ثابت ہے تو یہ حصر اور حرمت ماسوٰی کی نفی کیسے درست ہوگی؟

جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق حلال و حرام کا بیان نہیں بلکہ ان مخصوص جانوروں کی حلت و حرمت کا بیان ہے جن کے بارے میں مشرکین مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کی غلطیاں کیا کرتے تھے پچھلی آیت میں اس کی وضاحت آ چکی ہے کہ بہت سے حلال جانوروں کو مشرکین حرام سمجھ لیتے تھے یا اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے اس کی مخالفت کی گئی تھی اس کے بالمقابل یہاں یہ بتلایا گیا کہ اللہ کے نزدیک فلاں فلاں جانور حرام ہیں جن سے تم اجتناب نہیں کرتے اور جو اللہ کے نزدیک حلال ہیں ان سے پرہیز کرتے ہو اس لئے اس جگہ حصر مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے مشرکانہ عقائد کے بالمقابل۔

آگے اس آیت میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(۱) میتہ (مردار)، (۲) خون۔ (۳) لحم خنزیر، (۴) وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، پھر چاروں چیزوں کی مزید تشریحات خود قرآن کریم کی دوسری آیات اور احادیث صحیحہ میں آئی ہیں جن کو ملانے کے بعد ان چاروں چیزوں کے احکام حسب ذیل ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے،

میتہ: جس کو اردو میں مردار کہتے ہیں اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کے لئے ازروئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مر جائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ مار کر مار دیا جائے جو وہ مردار اور حرام ہے لیکن خود قرآن کریم کی دوسری آیت: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ (۵:۹۶) سے معلوم ہوا کہ دریائی جانور کے لئے ذبح کرنا شرط نہیں وہ بلا ذبح بھی جائز ہے اس بناء پر احادیث صحیحہ میں مچھلی اور ٹڈی کو میتہ سے مستثنیٰ قرار دے کر حلال کیا گیا ہے رسول (ﷺ) نے فرمایا ہمارے لئے دو مردار حلال کر دیئے گئے ایک مچھلی دوسرے ٹڈی اور دو خون حلال کر دیئے گئے جگر اور طحال۔ (ابن کثیر از احمد، ابن ماجہ، دار قطنی)

معلوم ہوا کہ جانوروں میں سے مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح کے حلال ہیں، خواہ وہ خود مر جائیں یا کسی کے مارنے سے مر جائیں

البتہ جو مچھلی سڑ جانے کی وجہ سے خود پانی کے اوپر آجائے وہ حرام ہے۔(جصاص)

اسی طرح وہ شکاری جانور جو قابو میں نہیں کہ ذبح کرلیا جائے اور اس کو بھی بسم اللہ پڑھ کر تیر وغیرہ دھاردار چیز سے زخمی کر دیں تو بغیر ذبح کے حلال ہو جاتا ہے مطلقاً زخمی ہو جانا کافی نہیں کسی آلہ جارحہ تیز دھار سے زخمی ہونا شرط ہے۔

بندوق کی گولی سے شکار:

مسئلہ: بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہو کر قبل ذبح مرجائے تو وہ ایسا ہے جیسے پتھر یا لاٹھی مارنے سے مرجائے جس کو قرآن کریم کی دوسری آیت میں موقوذۃ کہا گیا ہے اور حرام قرار دیا ہے ہاں مرنے سے پہلے اس کو ذبح کرلیا جائے تو حلال ہو جائے گا۔

مسئلہ: آج کل بندوق کی ایک گولی نوکدار بنائی گئی ہے اس کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ تیر کے حکم میں ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی تیر کی طرح آلہ جارحہ نہیں بلکہ خارقہ ہے جس سے بارود کی طاقت کے ذریعہ گوشت پھٹ جاتا ہے ورنہ خود اس میں کوئی دھار نہیں جس سے جانور زخمی ہو جائے اس لئے ایسی گولی کا شکار بھی بغیر ذبح کے جائز نہیں۔

مسئلہ: آیت مذکورہ میں مطلقاً میتہ کو حرام قرار دیا ہے اس لئے جس طرح اس کا گوشت کھانا حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے یہی حکم تمام نجاسات کا ہے کہ جیسے ان کا استعمال حرام ہے ان کی خرید وفروخت اور ان سے نفع اٹھانا بھی حرام ہے یہاں تک کہ مردار جانور یا ناپاک کوئی چیز باختیار خود جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں ہاں ایسی جگہ رکھ دے کہ جہاں سے کوئی کتا بلی خود کھالے یہ جائز ہے مگر خود اٹھا کر ان کو کھلانا جائز نہیں۔(جصاص، قرطبی وغیرہ)

مسئلہ: اس آیت میں میتہ کے حرام ہونے کا حکم عام معلوم ہوتا ہے جس میں میتہ کے تمام اجزاء شامل ہیں لیکن دوسری آیت میں اس کی تشریح طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ کے الفاظ سے کردی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کے وہ اجزاء حرام ہیں جو کھانے کے قابل ہیں، اس لئے مردار جانور کی ہڈی، بال جو کھانے کی چیز نہیں وہ پاک ہیں اور ان کا استعمال جائز ہے آیت قرآن کریم: وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (۱۶:۸۰) میں ان جانوروں کے بالوں کو مطلقاً جائز الانتفاع قرار دیا ہے ذبیحہ کی شرط نہیں۔(جصاص)

کھال پر چونکہ خون وغیرہ کی نجاست لگی ہوتی ہے اس لئے وہ دباغت سے پہلے حرام ہے مگر دباغت دینے کے بعد حلال اور جائز ہے احادیث صحیحہ میں اس کی مزید تصریح موجود ہے۔(جصاص)

مسئلہ: مردار جانور کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں ان کا استعمال کسی طرح سے جائز نہیں اور خرید وفروخت بھی حرام ہے،

مسئلہ: یورپ وغیرہ سے آئی ہوئی چیزیں صابون وغیرہ جن میں چربی استعمال ہوتی ہے ان سے پرہیز کرنا احتیاط ہے مگر مردار کی چربی ہونے کا علم یقینی نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرام ابن عمر، ابوسعید خدری، ابو موسیٰ اشعری نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے خارجی استعمال کی اجازت دی ہے اس لئے اس کی

خرید وفروخت کو بھی جائز رکھا ہے۔ (جصاص)

مسئلہ: دودھ کا پنیر بنانے میں ایک چیز استعمال کی جاتی ہے جس کو عربی زبان میں انفحہ کہا جاتا ہے یہ جانور کے پیٹ سے نکالی جاتی ہے اس کو دودھ میں شامل کرنے سے دودھ جم جاتا ہے اب اگر یہ جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں مذبوح جانور کا گوشت چربی وغیرہ سب حلال ہیں لیکن غیر مذبوح جانور کے پیٹ سے لیا جائے تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ اس کو پاک قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین امام ابو یوسف ومحمد اور ثوری وغیرہ رحمہم اللہ اس کو ناپاک کہتے ہیں۔ (جصاص، قرطبی)

یورپ اور دوسرے غیر اسلامی ملکوں سے جو پنیر بنا ہوا آتا ہے اس میں غیر مذبوح جانوروں کا انفحہ استعمال ہونے کا احتمال غالب ہے اس لئے جمہور فقہاء کے قول پر اس سے پرہیز کرنا چاہئے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے قول پر گنجائش ہے ہاں یورپ سے آئے ہوئے بعض پنیر ایسے بھی جن میں خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے اور ڈبہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے وہ قطعاً حرام اور نجس ہیں۔

خون کے مسائل:

دوسری چیز جو آیت مذکورہ میں حرام قرار دی گئی ہے وہ خون ہے لفظ دم بمعنی خون اس آیت میں اگرچہ مطلق ہے مگر سورۂ انعام کی آیت میں اس کے ساتھ مسفوح یعنی بہنے والا ہونے کی شرط ہے، (آیت) او دما مسفوحا (۶:۱۴۵) اس لئے باتفاق فقہاء خون منجمد جیسے گردہ تلی وغیرہ وہ حلال اور پاک ہیں،

مسئلہ: جب کہ حرام صرف بہنے والا خون ہے تو جو خون ذبح کے بعد گوشت میں لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے فقہاء وصحابہ وتابعین اور امت کا اس پر اتفاق ہے اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹمل وغیرہ کا خون بھی ناپاک نہیں لیکن زیادہ ہو جائے تو اس کو بھی دھونا چاہیں۔

(جصاص)

مسئلہ: جس طرح خون کا کھانا پینا حرام ہے اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے اور جس طرح تمام نجاسات کی خرید وفروخت بھی اور اس سے نفع اٹھانا حرام ہے اسی طرح خون کی خرید وفروخت بھی حرام ہے اس سے حاصل کی ہوئی آمدنی بھی حرام ہے کیونکہ الفاظ قرآنی میں مطلقاً دم کو حرام فرمایا ہے جس میں اس کے استعمال کی تمام صورتیں شامل ہیں،

مریض کو دوسرے کا خون دینے کا مسئلہ:

تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ انسانی خون انسان کا جزء ہے اور جب بدن سے نکال لیا جائے تو وہ نجس بھی ہے اس کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا دو وجہ سے حرام ہو، اول اس لئے کہ اعضاء انسانی کا احترام واجب ہے اور یہ اس احترام کے منافی ہے دوسرے اس لئے کہ خون نجاست غلیظہ ہے اور نجس چیزوں کا استعمال ناجائز ہے، لیکن اضطراری حالات اور عام معالجات میں شریعت اسلام کی دی ہوئی سہولتوں میں غور کرنے سے امور ذیل ثابت ہوئے:

اول یہ کہ خون اگرچہ جزء انسانی ہے مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضاء انسانی میں

کانٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت پیش نہیں آتی، انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور دوسرے کے بدن میں ڈالا جاتا ہے اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدن انسانی سے بغیر کسی کاٹ چھانٹ کے نکلتا اور دوسرے انسان کا جزء بنتا ہے اور شریعت اسلام نے بچہ کی ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ ہی کو اس کی غذا قرار دیا ہے اور ماں پر اپنے بچوں کو دودھ پلانا واجب کیا، جب تک وہ بچوں کے باپ کے نکاح میں رہے طلاق کے بعد ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا بچوں کا رزق مہیا کرنا باپ کی ذمہ داری ہے وہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے یا ان کی ماں ہی کو معاوضہ دے کر اس سے دودھ پلوائے قرآن کریم میں اس کی واضح تصریح موجود ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ (٦٥:٦) اگر تمہاری مطلقہ بیوی تمہارے بچوں کو دودھ پلائے تو اس کو اجرت ومعاوضہ دیدو۔

خلاصہ یہ ہے کہ دودھ جزء انسانی ہونے کے باوجود بوجہ ضرورت اس کے استعمال کی اجازت بچوں کے لئے دی گئی ہے اور علاج کے طور پر بڑوں کے لئے بھی جیسا کہ عالمگیری میں ہے: و لا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء (عالمگیری ص ۱) اس میں مضائقہ نہیں کہ دوا کے لئے کسی شخص کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے یا پینے میں استعمال کیا جائے۔

اور مغنی ابن قدامہ میں اس مسئلہ کی مزید تفصیل مذکور ہے۔ (مغنی کتاب الصید ص ٦٠٢ ج ٨)

اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید از قیاس نہیں کیونکہ دودھ بھی خون کی بدلی ہوئی صورت ہے اور جزء انسان ہونے میں مشترک ہے فرق صرف یہ ہے کہ دودھ پاک ہے اور خون ناپاک، تو حرمت کی پہلی وجہ یعنی جزء انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت نہ رہی صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا علاج ودواء کے معاملہ میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے،

اس لئے انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں مگر علاج ودواء کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلا شبہ جائز ہے اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لئے مؤثر یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو، ان شرطوں کے ساتھ خون دینا تو اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لئے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحتاً مذکور ہے اور اگر اضطراری حالت نہ ہو یا دوسری دوائیں بھی کام کرسکتی ہوں تو ایسی حالت میں مسئلہ مختلف فیہا ہے بعض فقہا کے نزدیک جائز ہے بعض ناجائز کہتے ہیں جس کی تفصیل کتب فقہ بحث تداوی بالمحرم میں مذکور ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم احقر کا ایک مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر شائع ہوگیا ہے جس کا نام ہے اعضائے انسانی کی پیوند کاری اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

تحریم خنزیر: تیسری چیز جو اس آیت میں حرام کی گئی ہے وہ لحم خنزیر ہے آیت میں حرمت خنزیر کے ساتھ لحم کی قید مذکور ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے مقصود لحم یعنی گوشت کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی باجماع امت حرام ہیں لیکن لفظ لحم بڑھا کر اشارہ اس طرف ہے کہ خنزیر دوسرے حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح کرنے سے

پاک ہو سکتے ہیں اگرچہ کھانا حرام ہی رہے کیونکہ خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس العین بھی ہے حرام بھی صرف چمڑا سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے۔ (جصاص قرطبی)

مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تین صورتیں:

چوتھی چیز جس کو آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو جس کی تین صورتیں متعارف ہیں اول یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے یہ صورت باتفاق وباجماع امت حرام ہے اور یہ جانور میتہ ہے اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں کیونکہ یہ صورت آیت مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مدلول صریح ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو لیکن بوقت ذبح اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں پیروں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بکرے، مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں لیکن ذبح کے وقت اس پر نام اللہ ہی کا پکارتے ہیں یہ صورت بھی باتفاق فقہا حرام اور مذبوحہ مردار ہے،

مگر تخریج دلیل میں کچھ اختلاف ہے بعض حضرات مفسرین وفقہاء نے اس کو بھی مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مدلول صریح قرار دیا ہے جیسا کہ حواشی بیضاوی میں ہے۔

فكل ما نودى عليه بغير اسم الله فهو حرام وان ذبح باسم الله تعالى حيث اجمع العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبيحة وقصد بذبحه التقرب الى غير الله صار مرتدا وذبيحته ذبيحة مرتد۔ ہر وہ جانور جس کو غیر اللہ کے نام کر دیا گیا وہ حرام ہے اگرچہ بوقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا ہو اس لئے کہ علماء فقہاء کا اتفاق ہے کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے اگر کوئی مسلمان ذبح کرے تو وہ مرتد ہو جاوے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ کہلائے گا۔

نیز درمختار کتاب الذبائح میں ہے:

ذبح لقدوم الامير ونحوه كو احد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله واقره الشامي۔ (ص ۲۱۴ ج ۵)

کسی امیر یا بڑے کے آنے پر جانور ذبح کیا تو وہ حرام ہوگا کیونکہ وہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے اگرچہ بوقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا ہو اور شامی نے اس کی تائید کی۔

اور بعض حضرات نے اس صورت کو مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مدلول صریح تو نہیں بنایا کیونکہ وہ بحیثیت عربیت تکلف سے خالی نہیں مگر بوجہ اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی نیت کے اس کو بھی مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے ساتھ ملحق کر کے حرام قرار دیا ہے احقر کے نزدیک یہی وجہ احوط اور اسلم ہے۔

نیز اس صورت کی حرمت کے لئے ایک مستقل آیت بھی دلیل ہے یعنی وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ نصب ان تمام چیزوں کو

کہا جاتا ہے جن کی باطل طور پر پرستش کی جاتی ہے معنی یہ ہیں کہ وہ جانور جس کو معبودات باطلہ کے لئے ذبح کیا گیا ہے اس سے پہلے وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مَآ اُهِلَّ کا مدلول صریح تو وہی جانور ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا اور ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (۳:۵) اس کے بالمقابل آیا ہے جس میں غیر اللہ کے نام لینے کا ذکر نہیں صرف بتوں و غیر اللہ کی خوشنودی کی نیت سے ذبح کرنا مراد ہے اس میں وہ جانور بھی داخل ہیں جن کو ذبح تو کیا گیا ہے غیر اللہ کے تقرب کے لئے مگر بوقت ذبح اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ (افادہ شیخ حکیم الامت)

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے ان کی عبارت یہ ہے:

وجرت عادة العرب بالصياح باسم المقصود بالذبيحة وغلب ذلك فى استعمالهم حتى عبر به عن النية اللتى هى علة التحريم (تفسیر قرطبی ص ۲۰۷ ج ۲)

عرب کی عادت تھی کہ جس کے لئے ذبح کرنا مقصود ہوتا ذبح کرنے کے وقت اس کا نام بلند آواز سے پکارتے اور یہ رواج ان میں عام تھا یہاں تک کہ اس آیت میں تقرب الی غیر اللہ کو جو کہ اصل علت تحریم ہی اہلال کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔

امام قرطبی نے اپنی اس تحقیق کی بنیاد صحابہ کرام میں سے دو حضرات حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ پر رکھی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں فرزدق شاعر کے باپ غالب نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا جس پر کسی غیر اللہ کا نام لینے کا کوئی ذکر نہیں مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو بھی مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل قرار دے کر حرام فرمایا اور سب صحابہ کرام نے اس کو قبول کیا اسی طرح امام مسلم کے شیخ یحیٰی بن یحیٰی کی سند سے حضرت صدیقہ عائشہ کی ایک طویل حدیث نقل کر جس کے آخر میں ہے کہ ایک عورت نے حضرت صدیقہ سے سوال کیا کہ ام المؤمنین ہمارے کچھ رضاعی رشتہ دار عجمی لوگوں میں سے ہیں اور ان کے یہاں تو روز روز کوئی نہ کوئی تہوار ہوتا رہتا ہے یہ اپنے تہواروں کے دن کچھ ہدیہ تحفہ ہمارے پاس بھی بھیج دیتے ہیں ہم اس کو کھائیں یا نہیں؟ اس پر صدیقہ عائشہ نے فرمایا:

اما ماذبح لذلک الیوم فلا تاکلوا ولکن کلوا من اشجارھم (تفسیر قرطبی ص ۲۰۷ ج ۲) جو جانور اس عید کے دن کے لئے ذبح کیا گیا ہو وہ نہ کھاؤ لیکن ان کے درختوں کے پھل وغیرہ کھا سکتے ہو۔

الغرض یہ صورت ثانیہ جس میں نیت تو تقرب الی غیر اللہ کی ہو مگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے اول تو اشتراک علت یعنی نیت تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے حکم میں ہے دوسرے: وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا بھی مدلول ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے لئے چھوڑ دیا جائے نہ اس سے کام لیں اور نہ اس کے ذبح کرنے کا قصد ہو بلکہ اس کے ذبح کرنے کو حرام جانیں یہ جانور مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ دونوں میں داخل نہیں بلکہ اس قسم کے جانور کو بحیرہ یا سائبہ وغیرہ کہا جاتا ہے اور حکم ان کا یہ ہے کہ

یہ فعل تو بنص قرآن حرام ہے جیسا کہ: مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ (۱۰۳:۵) میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

مگر ان کے اس حرام عمل سے اور اس جانور کو حرام سمجھنے کے عقیدہ سے یہ جانور حرام نہیں ہو جاتے بلکہ اس کو حرام سمجھنے میں تو ان کے عقیدہ باطلہ کی تائید وتقویت ہوتی ہے اس لئے یہ جانور عام جانوروں کی طرح حلال ہے۔

مگر شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوا اسی کا مملوک ہے اگر چہ وہ اپنے غلط عقیدہ سے یہ سمجھتا ہے کہ میری ملک سے نکل کر غیر اللہ کے لئے وقف ہو گیا مگر شرعاً اس کا یہ عقیدہ باطل ہے وہ جانور بدستور اس کی ملک میں ہے۔

اب اگر وہ شخص خود اس جانور کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا ہبہ کر دے تو اس کے لئے یہ جانور حلال ہے جیسا بکثرت ہندو اپنے دیوتاؤں کے نام بکری یا گائے وغیرہ کو اپنے نزدیک وقف کر کے چھوڑ دیتے ہیں اور مندروں کے پجاریوں جوگیوں کو اختیار دیتے ہیں وہ جو چاہیں کریں یہ مندروں کے پجاری ان کو مسلمانوں کے ہاتھ بھی فروخت کر دیتے ہیں۔

یا اسی طرح بعض جاہل مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا ہی عمل کرتے ہیں کہ بکرا یا مرغا چھوڑ دیتے ہیں اور مزارات کے مجاورین کو اختیار دیتے ہیں وہ ان کو فروخت کر دیتے ہیں تو جو لوگ ان جانوروں کو ان لوگوں سے خرید لیں جن کو اصل مالک نے اختیار دیا ہے ان کے لئے خریدنا اور ذبح کر کے کھانا اور فروخت کرنا سب حلال ہے۔

نذر غیر اللہ کا مسئلہ:

یہاں ایک چوتھی صورت اور ہے جس کا تعلق حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں سے ہے مثلاً مٹھائی کھانا وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر (منت) کے طور سے ہندو لوگ بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الیٰ غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ کے حکم میں قرار دے کر حرام کہا ہے اور اس کے کھانے پینے دوسروں کو کھلانے اور بیچنے خریدنے سب کو حرام کہا ہے کتب فقہ بحر الرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں یہ مسئلہ قیاسی ہے جس کو نص قرآنی متعلقہ حیوانات پر قیاس کیا گیا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اضطرار ومجبوری کے احکام:

آیت مذکورہ میں چار چیزیں حرام قرار دینے کے بعد ایک حکم استثنائی مذکور ہے: فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ. اس حکم میں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ جو شخص بھوک سے بہت ہی بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ قدر ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس حالت میں ان حرام چیزوں کو کھا لینے سے بھی اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوتا بے شک اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور ورحیم۔

اس میں مضطر کے لئے جان بچانے کے واسطے دو شرطوں کے ساتھ ان حرام چیزوں کے کھا لینے سے بھی گناہ اٹھا دیا گیا ہے۔

مضطر: شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا تو جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی اس کے لئے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھا لینے کی گنجائش دی گئی ہے ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو کھانے کی لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ

صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو پیٹ بھر کر کھانا یا قدر ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے،

اہم فائدہ: یہاں قرآن عزیز نے اضطرار کی حالت میں بھی حرام چیزوں کے کھانے کو حلال نہیں فرمایا بلکہ لَآ اِثْمَ عَلَيْهِ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں تو اب بھی اپنی جگہ حرام ہی ہیں مگر اس کھانے والے سے بوجہ اضطرار کے استعمال حرام کا گناہ معاف کر دیا گیا حلال ہو جانے اور گناہ معاف کر دینے میں بڑا فرق ہے اگر اضطراری حالت میں ان چیزوں کو حلال کر دینا مقصود ہوتا تو حرمت سے صرف استثناء کر دینا کافی ہوتا مگر یہاں صرف استثناء پر اکتفاء کر دینے کے بجائے لَآ اِثْمَ عَلَيْهِ کا اضافہ فرما کر اس نکتہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ حرام تو اپنی جگہ حرام ہی ہے اور اس کا استعمال گناہ ہی ہے مگر مضطر سے یہ گناہ معاف کر دیا گیا۔

حالت اضطرار میں دواء کے طور پر حرام چیزوں کا استعمال:

آیت مذکورہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس شخص کی جان خطرہ میں ہو وہ جان بچانے کے لئے بطور دواء کے حرام چیز کو استعمال کر سکتا ہے مگر آیت مذکورہ ہی کے اشارہ سے اس میں چند شرطیں معلوم ہوتی ہیں:

اول یہ کہ حالت اضطرار کی ہو خطرہ جان جانے کا ہو، معمولی تکلیف و بیماری کا یہ حکم نہیں ہے دوسرے یہ کہ بجز حرام چیز کے اور کوئی چیز علاج و دواء کے لئے مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو جیسے شدید بھوک کی حالت میں استثناء اسی وقت ہے جب کہ کوئی دوسری حلال غذا موجود و مقدور نہ ہو تیسرے یہ کہ اس حرام کے استعمال کرنے سے جان بچ جانا یقینی ہو جیسے بھوک سے مضطر کے لئے ایک دو لقمہ حرام گوشت کا کھا لینا عادۃً اس کی جان بچانے کا یقینی سامان ہے اگر کوئی دواء ایسی ہے کہ اس کا استعمال مفید تو معلوم ہوتا ہے مگر اس سے شفاء یقینی نہیں تو اس دواء کا استعمال آیت مذکورہ کے استثنائی حکم میں داخل ہو کر جائز نہیں ہوگا اس کے ساتھ مزید دو شرطیں آیت قرآنی میں منصوص ہیں کہ اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو اور قدر ضرورت سے زائد استعمال نہ کرے۔

آیت مذکورہ کی تصریح اور اشارات سے جو قیود و شرائط حاصل ہوئے ان شرائط کے ساتھ ہر حرام و ناپاک دواء کا استعمال خواہ کھانے پینے میں ہو یا خارجی استعمال میں باتفاق فقہاء امت جائز ہے ان شرائط کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں:

(۱) حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو (۲) دوسری کوئی حلال دواء کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو (۳) اس دواء سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو (۴) اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو (۵) قدر ضرورت سے زائد اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

غیر اضطراری حالت میں عام علاج و دواء کیلئے حرام چیز کا استعمال:

اضطراری حالت کا مسئلہ تو شرائط مذکورہ کے ساتھ نص قرآن سے ثابت اور اجماعی حکم ہے لیکن عام بیماریوں میں بھی کسی ناپاک یا حرام دواء کا استعمال جائز ہے یا نہیں اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اکثر فقہاء نے فرمایا کہ بغیر اضطرار اور ان تمام شرائط کے جو اوپر مذکور ہوئیں حرام دواء کا استعمال جائز نہیں کیونکہ حدیث میں رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے حرام میں شفاء نہیں رکھی۔ (بخاری شریف)

بعض دوسرے فقہاء نے ایک خاص واقعہ حدیث سے استدلال کر کے جائز قرار دیا وہ واقعہ عرنیین کا ہے جو تمام کتب حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ گاؤں والے لوگ آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ مختلف بیماریوں میں مبتلا تھے آنحضرت (ﷺ) نے ان کو اونٹ کا دودھ اور پیشاب استعمال کرنے کی اجازت دی جس سے ان کو شفاء ہوگئی۔

مگر اس واقعہ میں متعدد احتمالات ہیں جن سے حرام چیز کا استعمال مشکوک ہو جاتا ہے اس لئے اصل حکم تو یہی ہے کہ عام بیماریوں میں جب تک شرائط اضطرار مذکورہ موجود نہ ہوں حرام دواء کا استعمال جائز نہیں۔

لیکن فقہاء متاخرین نے موجودہ زمانے میں حرام و ناپاک دواؤں کی کثرت اور ابتلاء عام اور عوام کے ضعف پر نظر کر کے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ کوئی دوسری حلال اور پاک دواء اس مرض کے لئے کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو،

كما فى الدر المختار قبيل فصل البير اختلف فى التداوى بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما فى رضاع البحر ولكن نقل المصنف ثم وههنا عن الحاوى قيل يرخص اذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء اخر كما رخص فى الخمر للعطشان وعليه الفتوى ومثله فى العالمگيرية۔ (ص ۳۵۵ ج ۵)

درمختار میں فصل بیر سے پہلے مذکور ہے حرام چیزوں کو بطور دواء استعمال کرنے میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں اس کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ بحر الرائق کتاب الرضاع میں مذکور ہے لیکن مصنف تنویر نے اس جگہ رضاع میں بھی اور یہاں بھی حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے فرمایا دواء وعلاج کے لئے حرام چیزوں کا استعمال اس شرط سے جائز ہے کہ اس دواء کے استعمال سے شفاء ہو جانا عادۃ یقینی ہو اور کوئی حلال دواء اس کا بدل نہ ہو سکے جیسا کہ پیاسے کے لئے شراب کا گھونٹ پینے کی اجازت دی گئی ہے،

مسئلہ: تفصیل مذکور سے ان تمام انگریزی دواؤں کا حکم معلوم ہو گیا جو یورپ وغیرہ سے آتی ہیں جن میں شراب وغیرہ نجس اشیاء کا ہونا معلوم و یقینی ہو اور جن دواؤں میں حرام و نجس اجزاء کا وجود مشکوک ہے ان کے استعمال میں اور زیادہ گنجائش ہے اور احتیاط بہر حال احتیاط ہے خصوصاً جبکہ کوئی شدید ضرورت بھی نہ ہو، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف القرآن)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ....

یعنی اللہ نے جو کتاب آسمانی میں حلال و حرام کا حکم بھیجا یہود نے اس کو چھپایا اور اپنی طرف سے بڑھایا گھٹایا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا ایسے ہی حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی صفات جو اس میں لکھی تھیں ان کو بھی چھپاتے اور بدلتے تھے اور یہ دونوں سخت گناہ ہیں کیونکہ ان کا مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت اور طریقہ حق کسی کو نصیب نہ ہو، سب گمراہ رہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے تو کتاب اور رسول کو ہدایت خلق کے لئے بھیجا تھا سو انہوں نے خدا کے بھی خلاف کیا اور خلق اللہ کو بھی جاہل اور گمراہ بنانا چاہا۔

یعنی اللہ کی نافرمانی اور خلق اللہ کی گمراہی پر بس نہیں کی بلکہ اس حق پوشی کے عوض میں جن کو گمراہ کرتے تھے ان سے الٹا رشوت میں مال بھی لیتے تھے جس کا نام ہدیہ اور نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا حالانکہ یہ حرام خوری مردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی حرکات شنیعہ کی سزا بھی سخت ہوگی جس کو آگے بتلایا جاتا ہے۔

یعنی گو ظاہر نظر میں ان کو وہ مال لذیذ اور نفیس معلوم ہو رہا ہے مگر حقیقت میں وہ آگ ہے جس کو خوش ہو کر اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں جیسا طعام لذیذ میں زہر قاتل ملا ہوا ہو کہ کھاتے وقت لذت معلوم ہوتی ہے اور پیٹ میں جا کر آگ لگا دے۔

اس میں یہ شبہہ کسی کو ہوسکتا ہے کہ دیگر آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب باری تعالیٰ قیامت کو ان سے خطاب فرمائے گا سو کلام نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ لطف و رحمت کے ساتھ ان سے کلام نہ کیا جائے اور بطور تخویف و تذلیل و تہدید و وعید جناب باری تعالیٰ ان سے کلام کریگا جس سے ان کو سخت صدمہ اور غم ہوگا یا یوں کہیے کہ بلا واسطہ ان سے کلام نہ کیا جائیگا اور کلام کرنے کا جو ذکر ہے وہ ملائکہ عذاب کی وساطت سے ہوگا۔

یعنی اہل ایمان گو کتنے ہی گنہگار ہوں مگر دوزخ میں زمانہ معین تک رہ کر اور گناہوں سے پاک ہو کر جنت میں داخل کر دیے جائینگے بخلاف کفار کے کہ وہ ہمیشہ نار میں رہیں گے اور کبھی پاک ہو کر جنت میں جانے کے قابل نہ ہونگے امور شرکیہ نے ان کو بمنزلہ نجس العین کے بنا دیا ہے کہ نجاست ان کی کسی طرح دور نہیں ہوسکتی اور مسلمان عاصی کا حال ایسا سمجھیے کہ پاک چیز پر نجاست واقع ہوگئی نجاست زائل ہو کر پھر پاک ہوگیا۔

واقعی اس سے زیادہ اور کیا عذاب الیم ہوگا کہ ظاہر بدن سے بڑھ کر ان کے باطن میں بھی آگ ہوگی اور محبوب حقیقی ان سے ناخوش ہوگا پھر اس مصیبت جانکاہ سے کبھی نجات نہ ملے گی نعوذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى حَيْثُ زَعَمُوْا ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ اَيْ ذَا الْبِرِّ وَقُرِئَ الْبَارُّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ اَيِ الْكُتُبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى مَعَ حُبِّهٖ لَهٗ ذَوِي الْقُرْبٰى الْقَرَابَةِ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ الْمُسَافِرَ وَ السَّآئِلِيْنَ الطَّالِبِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ فَكِّ الرِّقَابِ الْمُكَاتَبِيْنَ وَالْاَسْرٰى وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ الْمَفْرُوْضَةَ وَمَا قَبْلَهٗ فِي التَّطَوُّعِ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ اللّٰهَ اَوِالنَّاسَ وَ الصّٰبِرِيْنَ نَصْبٌ عَلَى الْمَدْحِ فِي الْبَاْسَآءِ شِدَّةِ الْفَقْرِ وَ الضَّرَّآءِ الْمَرَضِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ۭ وَقْتَ شِدَّةِ الْقِتَالِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ فِيْ اِيْمَانِهِمْ اَوِ ادِّعَاءِ الْبِرِّ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ اللّٰهَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الْقَتْلٰى ۭ وَصْفًا وَفِعْلًا اَلْحُرُّ يُقْتَلُ بِالْحُرِّ وَلَا يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الذَّكَرَ يُقْتَلُ بِهَا وَاَنَّهٗ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الدِّيْنِ فَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ وَلَوْ عَبْدًا بِكَافِرٍ وَلَوْ حُرًّا فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنَ الْقَاتِلِيْنَ

مِنْ دَمِ اَخِيْهِ الْمَقْتُوْلِ شَيْءٌ بِاَنْ تُرِكَ الْقِصَاصُ مِنْهُ وَتَنْكِيْرُ شَيْءٍ يُفِيْدُ سُقُوْطَ الْقِصَاصِ بِالْعَفْوِ عَنْ بَعْضِهٖ وَمِنْ بَعْضِ الْوَرَثَةِ وَفِيْ ذِكْرِ اَخِيْهِ تَعَطُّفٌ دَاعٍ اِلَى الْعَفْوِ وَاِيْذَانٌ بِاَنَّ الْقَتْلَ لَا يَقْطَعُ اُخُوَّةَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ مُبْتَدَأٌ شَرْطِيَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ وَالْخَبَرُ فَاتِّبَاعٌ اَيْ فَعَلَى الْعَافِيْ اِتِّبَاعُ الْقَاتِلِ بِالْمَعْرُوْفِ بِاَنْ يُطَالِبَهٗ بِالدِّيَةِ بِلَا عُنْفٍ وَتَرْتِيْبُ الْاِتِّبَاعِ عَلَى الْعَفْوِ يُفِيْدُ اَنَّ الْوَاجِبَ اَحَدُهُمَا وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رحمه الله وَالثَّانِي الْوَاجِبُ الْقِصَاصُ وَالدِّيَةُ بَدَلٌ عَنْهُ فَلَوْ عَفَا وَلَمْ يُسَمِّهَا فَلَا شَيْءَ وَرَجَحَ وَعَلَى الْقَاتِلِ اَدَاءٌ لِلدِّيَةِ اِلَيْهِ اِلَى الْعَافِيْ وَهُوَ الْوَارِثُ بِاِحْسَانٍ ؕ بِلَا مَطْلٍ وَلَا بَخْسٍ ذٰلِكَ الْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ جَوَازِ الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ عَلَى الدِّيَةِ تَخْفِيْفٌ تَسْهِيْلٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ بِكُمْ حَيْثُ وَسَّعَ فِيْ ذٰلِكَ وَلَمْ يُحَتِّمْ وَاحِدًا مِنْهُمَا كَمَا حَتَّمَ عَلَى الْيَهُوْدِ الْقِصَاصَ وَعَلَى النَّصَارٰى الدِّيَةَ فَمَنِ اعْتَدٰى ظَلَمَ الْقَاتِلَ بِاَنْ قَتَلَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ اَيِ الْعَفْوِ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ مُؤْلِمٌ فِي الْاٰخِرَةِ بِالنَّارِ اَوِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ اَيْ بَقَاءٌ عَظِيْمٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ ذَوِي الْعُقُوْلِ لِاَنَّ الْقَاتِلَ اِذَا عَلِمَ اَنَّهٗ يُقْتَلُ ارْتَدَعَ فَاَحْيٰى نَفْسَهٗ وَمَنْ اَرَادَ قَتْلَهٗ فَشُرِعَ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ الْقَتْلَ مَخَافَةَ الْقَوَدِ كُتِبَ فُرِضَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اَيْ اَسْبَابُهٗ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ مَالًا اِلْوَصِيَّةُ مَرْفُوْعٌ بِكُتِبَ وَمُتَعَلِّقٌ بِاِذَا اِنْ كَانَتْ ظَرْفِيَّةً وَدَالٌّ عَلٰى جَوَابِهَا اِنْ كَانَتْ شَرْطِيَّةً وَجَوَابُ اِنْ مَحْذُوْفٌ اَيْ فَلْيُوْصِ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ بِالْعَدْلِ بِاَنْ لَا يَزِيْدَ عَلَى الثُّلُثِ وَلَا يُفَضِّلَ الْغَنِيَّ حَقًّا مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهٗ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اللّٰهَ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ الْمِيْرَاثِ وَبِحَدِيْثِ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فَمَنْ بَدَّلَهٗ اَيِ الْاِيْصَاءَ مِنْ شَاهِدٍ وَوَصِيٍّ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ عَلِمَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ اَيِ الْاِيْصَاءِ الْمُبَدَّلِ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ فِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِقَوْلِ الْمُوْصِيْ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ بِفِعْلِ الْوَصِيِّ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلًا جَنَفًا مَيْلًا عَنِ الْحَقِّ خَطَاً اَوْ اِثْمًا بِاَنْ تَعَمَّدَ ذٰلِكَ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ اَوْ تَخْصِيْصِ غَنِيٍّ مَثَلًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ بَيْنَ الْمُوْصِيْ وَالْمُوْصٰى لَهٗ بِالْاَمْرِ بِالْعَدْلِ

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ فِىْ ذٰلِكَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ پھیر لو (نماز میں) مشرق یا مغرب کی طرف (یہ آیت یہود ونصاریٰ کے رد میں نازل ہوئی کہ ان لوگوں نے یہی خیال کرلیا تھا، مطلب یہ ہے کہ چونکہ اہل کتاب پر یہی سختی تھی کہ ہر جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے بلکہ صرف اپنے عبادت خانہ یعنی گرجاہی میں نماز پڑھ سکتے تھے جس میں قبلہ متعین تھا کہ یہود بجانب مغرب بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ بجانب مشرق بیت اللحم کو قبلہ بنائے ہوئے تھے اور یہ اعتقاد تھا کہ قبلہ ہی اصل اور مدار نیکی ہے حق تعالیٰ نے ان کی تردید فرمادی وَلٰكِنَّ الْبِرَّ الخ ولیکن نیکی (یعنی نیکی والا، ایک قراءت میں بر کے باء کو فتحہ کے ساتھ بارّ بمعنی نیکی والا ہے) وہ ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور تمام کتابوں پر (کتاب بمعنی کتب ہے) اور پیغمبروں پر اور مال دے مال سے محبت کے باوجود (علی بمعنی مع ہے) رشتہ داروں کو (قربیٰ بمعنی قرابت ہے) اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں (مانگنے والوں) کو اور گردنیں چھڑانے میں (خواہ مکاتب ہوں یا کافروں کے پنجہ میں قید ہو گئے ہوں) اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو (یعنی مفروضہ زکوٰۃ مراد ہے اس سے پہلے اتی المال علی حبہ میں نفلی صدقات کا بیان تھا) اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب کوئی عہد کرلیں (خواہ اللہ تعالیٰ سے جیسے عہد ایمانی اور نذر یا لوگوں سے وعدہ وغیرہ) اور جو صبر کرنے والے ہیں (الصابرین منصوب علی المدح ہے اے امدح الصابرین) تنگدستی میں (محتاجی کی سختی میں) اور تکلیف (یعنی بیماری) میں اور لڑائی کے وقت (یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی شدت کے وقت)۔ یہی لوگ (جو مذکورہ اوصاف والے) سچے ہیں اپنے ایمان یا دعویٰ بر میں) اور یہی لوگ متقی ہیں (اللہ سے ڈرنے والے)۔ اے ایمان والو تم پر لازم کردیا گیا (فرض کیا گیا قصاص (برابری کرنا) مقتولین کے بارے میں (یہ برابری ومساوات باعتبار وصف کے یعنی حر یہ آزاد ہونا اور مسلمان ہونا، اور باعتبار فعل کے یعنی اگر مقتول کو تلوار سے قتل کیا گیا ہے تو قاتل بھی تلوار سے قتل کیا جائے گا اور اگر مقتول لاٹھی اور پتھر سے قتل کیا گیا ہے تو قاتل بھی اسی طرح قتل کیا جائے گا) مگر عندالاحناف قصاص صرف تلوار سے ہوگا والتفصیل فی التشریح ان شاء اللہ۔ آزاد آدمی (قتل کیا جائے) آزاد کے بدلے (غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کو بدلے عورت (اور حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مساوات و برابری دین کے اندر اعتبار کیا جائے چنانچہ مسلمان اگرچہ غلام ہی کیوں نہ ہو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے خواہ کافر آزاد ہی کیوں نہ ہو) پھر جس کو قاتلین میں سے معاف کردیا جائے اس کے بھائی (مقتول کے خون) سے کچھ (اس طرح پر کہ مقتول کی طرف سے قصاص چھوڑ دیا جائے، لفظ شئی کی تنوین تنکیر کے لئے ہے، شئی کا نکرہ لانا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ بعض کی معافی سے اور بعض ورثہ کی معافی سے قصاص بالکلیہ ساقط ہوجائے گا یعنی مفسر نے دو صورت پیش کی (۱) بعض قصاص کی معافی یعنی دیت پر راضی ہوکر قصاص معاف کردیا۔ (۲) بعض ورثہ کی معافی یعنی مقتول کے دو بیٹے میں سے ایک نے معاف کردیا، ان دونوں صورتوں میں قصاص ساقط ہوجائے گا۔ وَفِىْ ذِكْرِ اَخِيْهِ تَعَطُّفٌ الخ اور لفظ اَخِيْهِ کے ذکر کرنے میں شفقت اور رحم دلی ہے اور معافی کی دعوت دینے والا ہے مطلب یہ ہے کہ بھائی کہہ کر ولی مقتول کو مائل کرنا ہے تاکہ

نرمی کہا کہ اس احمق کو معاف کردے آخر تو دینی بھائی ہے اِیْذَان بِاَنَّ الْقَتْلَ الخ اور لفظ اَخِیْہِ کے ذکر کرنے میں اس بات کا اعلان کیا ہے کہ قتل کا ارتکاب ایمانی اخوت کو منقطع نہیں کرتا ہے اس لیے اگر قاتل کافر ہوجاتا تو لفظ اخ نہیں استعمال کیا جاتا نیز شروع آیت میں ایمان والوں سے خطاب فرمانا بھی اس پر صاف دال ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں بلکہ قطعاً مؤمن ہے فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ میں من مبتدا ہے خواہ شرطیہ ہو یا موصولہ مراد قاتل ہے اور فاتباع اس کی خبر ہے) تو مطالبہ کرنا ہے (یعنی معاف کرنے والے کو قاتل سے مطالبہ کرنے کا حق ہے) دستور کے موافق اس طرح پر کہ بغیر سختی کے دیت کا مطالبہ کرے اور نہ حق سے زیادہ طلب کرے اور معافی ہر اتباع کو مرتب کرنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ واجب ان دونوں میں سے ایک ہوگا (یعنی قصاص یا دیت) اور یہ امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک قول ہے اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ واجب صرف قصاص ہے اور دیت اس کا بدل ہے چنانچہ مقتول کے ولی نے قصاص معاف کردیا اور دیت کا ذکر نہیں کیا تو قاتل پر کچھ نہیں آئے گا اور یہی قول راجح ہے) اور (قاتل پر) پہنچا دینا ہے (دیت کا) ولی کے پاس (یعنی جو معاف کرنے والا وارث) خوبی کے ساتھ (بغیر ٹال مٹول کے اور بغیر کمی کے) یہ حکم مذکور یعنی جواز قصاص اور دیت پر اس کی معافی تخفیف (آسانی) ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے (تم پر) اور مہربانی ہے (تمہارے ساتھ کہ اس سلسلے میں کشادہ کردیا اور قصاص و دیت میں سے کسی ایک کو لازم نہیں کیا جیسا کہ یہود پر قصاص اور نصاریٰ پر دیت لازم کردی تھی) پھر جو شخص زیادتی کرے (قاتل پہ ظلم کرے کہ اس کو قتل کردے بعد میں (معافی) کے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے (آخرت میں جہنم کا یا دنیا میں قتل کے ذریعہ) اور تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے (بقاء عظیم ہے) اے عقلمندو (عقل والو) کیونکہ قاتل جب جان لے گا کہ وہ قصاص میں قتل کردیا جائے گا تو قتل سے باز رہے گا پس اس نے اپنے آپ کو زندگی بخشی اور اس کو بھی جس کے قتل کا ارادہ کیا تھا اس کو بھی زندہ رہنے دیا اس لئے تمہارے فائدہ کے لیے مشروع کردیا گیا، قانون بنادیا گیا تاکہ تم بچتے رہو (قتل سے قصاص کے ڈر سے)۔ تم پر فرض کیا جاتا ہے (کتب بمعنی فرض) جب تم میں سے کسی کو موت (موت کے اسباب) حاضر ہوجائیں اگر چھوڑے کچھ مال (خیر بمعنی مال ہے) وصیت کرنا (وَصِیَّةً مرفوع ہے کتب کا نائب فاعل کی وجہ اور متعلق ہے اِذَا کا اگر اِذَا ظرفیہ ہو تو وَصِیَّةً اِذَا اعامل ہے اور اگر اِذَا شرطیہ ہو تو یہ دال پر جواب ہے اور ان شرطیہ کا جواب محذوف ہے یعنی فَلْیُوْصِ) ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ (معروف بمعنی عدل ہے اس طرح پر کہ نہ زیادہ ہو تہائی سے اور نہ ترجیح دے مالدار کو) یہ لازم ہے (حَقًّا مصدر ہے ماقبل کے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے یعنی مفعول مطلق ہے اے حق ذلک حقا) ان لوگوں پر جن کو خدا کا خوف ہے (اور یہ آیت منسوخ ہے آیت میراث یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ، سے اور حدیث لا وصیة لوارث سے جس کو ترمذی نے روایت کی ہے) فَمَنْۢ بَدَّلَہٗ پھر جو کوئی تبدیل کرے گا اس (وصیت) کو (گواہ اور وصی میں سے یعنی وہ وارث جس کو موصی نے وصیت کی ہے وہ وصی کہلاتا ہے اور بَدَّلَہٗ کی ضمیرہ کا مرجع یہی وصیت بمعنی الایصاء ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص میت کا وصی ہے یا وصیت کا شاہد ہے اگر بعد میں باہمی تقسیم کے وقت ردوبدل کردیں یا سرے سے وصیت ہی کا انکار کردیں تو اس تبدیلی کا گناہ تبدیل کرنے والوں پر ہے) بَعْدَ مَا سَمِعَہٗ اس (وصیت) کے سن لینے (معلوم

کر لینے) کے بعد فَإِنَّمَآ إِثْمُهُ تو اس (تبدیل شدہ وصیت کا گناہ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ انہی لوگوں پر ہے جو اس کو تبدیل کریں گے (اس کلام میں اسم ظاہر کو بجائے ضمیر لایا گیا ہے تا کہ گناہ کی علت تبدیلی کی طرف اشارہ ہو یعنی علیہم کے بجائے عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ لایا) بیشک اللہ سننے والا ہے (وصیت کرنے والے کا قول) جاننے والا ہے وصی کے فعل کو چنانچہ اس فعل کے مطابق بدلہ پائے گا فَمَنْ خَافَ ہاں جس شخص کو اندیشہ ہو وصیت کرنے والے کی طرف سے (لفظ موص میں تشدید صاد کے ساتھ از باب تفعیل اور بلا تشدید یعنی بسکون الواؤ از باب افعال موص دونوں قراءتیں ہیں) طرف داری کا (حنف سے مراد حق سے روگردانی جو خطأً یعنی بلا قصد ہو چونکہ اس کے مقابل اثما ہے جس سے مراد وہ جرم ہے جو قصداً یعنی جان کر کیا ہو جیسا کہ مفسر خود بیان کر رہے ہیں أَوْ إِثْمًا گناہ کا، اس طرح پر کہ قصداً تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی ہو یا مالدار کی تخصیص کر دی ہو مثلاً) یعنی صلح کرادی ان کے درمیان (یعنی وصیت کنندہ اور جس کے لیے وصیت کی گئی دونوں کو انصاف کا مشورہ دے فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ تو اس پر کچھ گناہ نہیں (اس تبدیلی میں) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: ذَا الْبِرِّ: یہ یہود و نصاریٰ کی تردید میں نازل ہوئی، جب انہوں نے قبلہ کے معاملہ میں زیادہ گہرائی اختیار کی، مضاف کو محذوف مانا تا کہ مَنْ آمَنَ کا اس پر حمل درست ہو جائے۔

قوله: الْكِتٰبِ: الف لام جنس کا ہے نہ کہ استغراق کا کیونکہ کامل نیکی تمام کتب کے مطابق ایمان ہے۔ تمام انبیاءؑ کے معتقدات ایک ہیں۔

قوله: مَعَ حُبِّهٖ: سے اشارہ کیا کہ عَلٰی یہاں مع کے معنی میں ہے اور یہ اضافۃ المصدر الی الفاعل کی جنس سے ہے اور مال کی ضمیر محذوف ہے۔

قوله: الْقَرَابَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ الْقُرْبٰی یہاں مصدر ہے، قریب کی جمع نہیں اس کا قرینہ اس پر ذَوِی کا داخلہ ہے۔

قوله: فِي فَكِّ: اس میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ کیا کہ فِي ظاہر کر رہا ہے کہ یہ مصرف ایسا ہے جس کو دیا جانے والا تو اس کی ملک میں نہیں، وہ آزادی گردن میں لگ جاتا ہے، بخلاف دیگر مصارف کے۔

قوله: وَالْمُوفُونَ: اس کا عطف مَنْ آمَنَ پر ہے اور انسانوں کے حقوق شروع فرمائے تو اسلوب کلام بدل دیا۔

قوله: وَالصّٰبِرِيْنَ: یہ طویل انداز اختیار کیا تا کہ صفات میں سے ہر صفت الگ نوع معلوم ہو۔

قوله: الْمُمَاثَلَةُ: اس سے اشارہ کیا کہ قصاص فِي سے متعدی ہوتا ہے کیونکہ اس میں ضمنی طور پر مماثلت کا معنی پایا جاتا ہے۔

قوله: يُقْتَلُ: اس سے معلوم ہوا کہ متعلق کے اعتبار سے خبر ہے بذات خود نہیں۔ اس سے یہ اشارہ کر دیا کہ جملہ کی بنیاد كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ پر ہے۔

قوله: مِنَ الْقَاتِلِيْنَ: یہ مِنْ کا بیان ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ مِنْ سے قاتل مراد ہے نہ کہ ولی مقتول۔ (فتدبر)

قوله: مِنْ دَمِ اَخِيْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مضاف محذوف دَم ہے نہ کہ مال۔

قوله: تَنْكِيْرُ شَيْءٍ: شَیْءٌ کو نکرہ لانا اس بات کا پتہ بتاتا ہے کہ بعض کو معاف کرتے سے قصاص معاف ہو جائے گا۔

قوله: اَيْ فَعَلَى الْعَافِيْ: اس میں اشارہ کر دیا کہ شارح کا قول فَاتِّبَاعٌ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے۔

قوله: ذٰلِكَ الْحُكْمُ: اس سے قصاص، عفو اور دیت میں مذکور حکم کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: بَقَاءٌ عَظِيْمٌ: کہ حَيٰوةٌ میں تنکیر تعظیم کے لیے ہے کیونکہ وہ دونوں نفوس کی زندگی پر مشتمل ہے کیونکہ جس کو قصاص کی خبر ہے وہ قتل سے باز رہے گا۔

قوله: اَيْ اَسْبَابُهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مراد حضرت موت اسباب الموت ہے۔ مضاف محذوف ہے۔

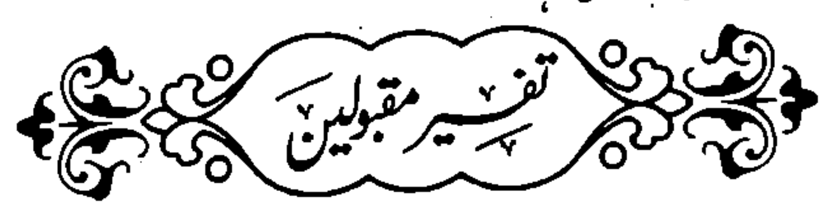
قوله: وَمُتَعَلِّقُ بِاِذَا: اس میں اِلْوَصِيَّةُ عامل ہے جو اگرچہ مقدم ہے مصدر قوت والا عامل ہے۔

قوله: اَيْ فَلْيُوْصِ: یہ جواب اِذَا کا بیان ہے جبکہ وہ شرطیہ ہو اور اِنْ محذوف کا جواب بھی ہے اس صورت میں دونوں شرطوں کا جواب محذوف ہوگا اور وہ فَلْيُوْصِ ہوگا۔

قوله: اَلْاِيْصَاءُ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع ایصاء ہے نہ کہ وصیت اور ایصاء جس کا وہم وصیت سے پیدا ہوتا ہے۔

قوله: فَمَنْ خَافَ: یہاں خوف مجازاً علم کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ وصیت کر دینے کے بعد میلان و گناہ کا سوال نہ رہا۔

قوله: مَيْلًا: مطلب یہ ہے کہ جَنَفًا کا لفظ لغت میں مطلق طور پر میلان و ظلم کے لیے آتا ہے مگر یہاں بلا قصد میلان مراد ہے جس کا قرینہ اِثْمًا کے تقابل میں اس کا استعمال ہے۔



لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ....

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں (ص ۲۰۷ ج ۱) کہ جب پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا پھر کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو اہل کتاب اور بعض مسلمانوں کو شاق گزرا اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کی حکمت نازل فرمائی کہ کوئی جہت مقصود بالذات نہیں ہے۔ بندوں کا مقصود یہ کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں اس کے حکموں کو مانیں جدھر رخ کرنے کا حکم ہو ادھر رخ کرلیں۔ بس یہ نیکی اور تقویٰ ہے اور ایمان کامل کا تقاضا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل ہو جائے، مشرق یا مغرب کو رخ ہو عنداللہ یہ کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا یہ نیکی نہیں ہے کہ نماز پڑھا کرو اور دوسرے احکام پر عمل نہ کرو، اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ولکن البر والتقوی أن تودوا الفرائض علی وجهها یعنی نیکی اور تقویٰ یہ ہے کہ تمام فرائض کو حکم کے مطابق صحیح طریقے پر پورا پورا ادا کرو۔

اس آیت میں بہت سے نیک کام مذکور ہیں۔ سب سے پہلے تو ایمان کا ذکر فرمایا اور اصول وعقائد بتا دیئے۔ ایمان وہ چیز ہے جس کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ ایمان تو لاتے نہیں تھے اور اپنے اپنے قبلہ کی طرف رخ کرنے ہی کو سب

کچھ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصلی نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں پر اور اس کے سب نبیوں پر۔ جو شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا اللہ کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کی تکذیب نہ کرے گا اور رسولوں کے درمیان تفریق نہ کرے گا وہ مؤمن ہوگا پھر ایمان کے تقاضوں کے مطابق جو اعمال کرے گا اور جو اموال خرچ کرے گا اور جو اقوال اس سے صادر ہوں گے وہ سب نیکی اور تقویٰ میں شمار ہوں گے۔

اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا:

اصول وعقائد بتانے کے بعد مال خرچ کرنے کی عمومی مدیں ذکر فرمائیں۔ اور مال کی محبت ہوتے ہوئے رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دینا نیکی میں شمار فرمایا۔ اور جو ایسے غلام ہیں جن سے ان کے آقاؤں نے کتابت کا معاملہ کرلیا۔ (یعنی ان سے کہہ دیا کہ اتنا مال لاکر دے دو تو آزاد ہو) ان کی گردنوں کے آزاد کرانے میں مال خرچ کرنے کو نیک کاموں میں ذکر فرمایا۔ لفظ (عَلٰی حُبِّهٖ) میں جو ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مفسرین نے مال کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی احتمال نکالا ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اپنے مال کو وجوہ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔ لیکن پہلا معنی دوسرے معنی کو شامل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص مال کی محبت ہوتے ہوئے مذکورہ وجوہ میں خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں خرچ کرے گا۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت:

مال خرچ کرنے کے مصارف خیر بتاتے ہوئے پہلے (ذَوِی الْقُرْبٰی) کا ذکر فرمایا، عربی زبان میں ذوی القربیٰ رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور جس سے رحم کا رشتہ ہو اس کو صدقہ دینے میں (دوہرا) ثواب ہے۔ (کیونکہ وہ) صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ رشتہ داروں میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا رشتہ ماں باپ کا اور اپنی اولاد کا ہے، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا جگہ جگہ حکم دیا گیا ہے اور بیوی پر اور اولاد پر خرچ کرنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ان رشتوں کے تعلق سے طبعی تقاضے کے باعث سب ہی خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے نہ صرف والدین اور اولاد بلکہ دور اور نزدیک کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں بھی ثواب رکھا ہے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو، ریاکاری نہ ہو، جن پر خرچ کرے ان پر احسان نہ جتائے۔ طعن وتشنیع نہ کرے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل خرچ کرنا اس دینار کا ہے جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے تو اپنے ساتھیوں پر جہاد میں خرچ کرے (یعنی سب سے زیادہ افضل صدقہ ہے)۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۲ ج ۱)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی کا اپنے گھر والوں پر ثواب سمجھتے ہوئے خرچ کرنا صدقہ ہے۔ (یعنی اس میں بھی ثواب ہے) (صحیح بخاری ص ۲۴، ج ۱) بلکہ خرچ کرنے میں ان لوگوں کا سب سے پہلے دھیان رکھنے کا حکم فرمایا جو اپنے عیال میں ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۰)

یتیموں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت:

ذوی القربیٰ کے بعد یتامیٰ پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ان نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے جن کا باپ زندہ نہ ہو۔ عموماً ایسے بچے حاجت مند ہوتے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ اخراجات کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی ان کی دلداری کی جائے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ایسا کیا تو ہر بال جس پر اس کا ہاتھ گزرے گا اس کے عوض نیکیاں ملیں گی اور صحیح بخاری ص ۸۸۸ ج ۲ میں ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنیوالا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔ اس موقع پر آپ نے اپنی انگلیاں (انگوٹھے کے پاس والی اور بیچ والی) ساتھ ملا کر دکھائیں۔ آج کل لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ وہ یتیموں پر اپنا مال تو کیا خرچ کرتے انہیں کا مال کھا جاتے ہیں۔ باپ کی میراث میں سے جو حصہ ان کو ملتا ہے اس کو دبا لیتے ہیں۔ اپنے نام یا اپنی اولاد کے نام کروا لیتے ہیں۔ یتیم کے مال پر قبضہ کرنے سے ذرا نہیں جھجکتے۔

مساکین پر مال خرچ کرنا:

پھر مساکین پر مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا، جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ ہو ان کو مسکین کہا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی حاجت کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے، دکھ، تکلیف میں بھوکے پیاسے وقت گزار لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ جن کو سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ تو سوال کر کے اپنی حاجت پوری کر لیتے ہیں۔ لیکن آبرومند آدمی سوال نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی تلاش رکھنی چاہیے۔ صحیح بخاری ص ۲۰۰ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو (سوال کرنے کے لیے) لوگوں کے پاس چکر لگاتا ہے۔ جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ یا ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس کر دیتی ہیں۔ یعنی کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا۔ (لیکن واقعی مسکین وہ ہے، جو ایسی چیزیں نہیں پاتا جو اسے بے نیاز کرے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور وہ سوال کرنے کے لیے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔

سورۂ بلد میں فرمایا: (فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ) ''سو کیوں وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور اے مخاطب تجھے معلوم ہے گھاٹی کیا ہے؟ گردن کا چھڑانا یا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین کو کھانا کھلانا، اس میں غلاموں کی آزادی میں مدد دینے اور یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانے کو گھاٹی کے پار کرنے سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ یہ چیزیں نفس پر شاق ہیں۔

مسافر پر مال خرچ کرنا:

پھر ابن سبیل پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ عربی زبان میں ابن سبیل مسافر کو کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کے پاس سفر میں خرچہ ختم ہو جاتا ہے یا مال چوری ہو جاتا ہے۔ یا جیب تراش کر رقم نکال لی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا حال معلوم ہو جائے تو ان پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ یہ لوگ حاجت کا اظہار کریں تب ہی دیا جائے۔ کسی طرح بھی

ان کی حاجت معلوم ہوجائے تو ان کی مدد کردی جائے۔ مسافر کے گھر پر جس قدر بھی مال ہو اور اپنے اموال واملاک وجائداد کی وجہ سے غنی ہو لیکن سفر میں حاجتمند ہوگیا تو اس پر خرچ کر کے ثواب لیا جائے۔

سوال کرنے والوں کو دینے کا حکم:

پھر سوال کرنے والوں کو دینے کا ذکر فرمایا۔ ان لوگوں میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ان میں واقعی ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ان کو تو دینا ہی چاہیے اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں یقین تو نہیں کہ وہ حاجت مند ہوگا لیکن اس کے ظاہر حال اور غالب گمان سے ضرورت مند ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کو بھی دینا درست ہے۔

بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت:

مجبوری میں بھوک دفع کرنے یا اور کسی حاجت کے پورا کرنے کے لیے کوئی مانگ لے تو گنجائش ہے۔ لیکن اس کو پیشہ بنا لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جن کو سوال کی عادت ہوتی ہے وہ مانگتے رہتے ہیں۔ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ دیا جائے۔ دنیا میں تو سوال کرنے والے بن کر بے آبرو ہوتے ہی ہیں۔ قیامت کے دن بھی بے آبرو ہوں گے۔ فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ جس نے لوگوں سے ان کے مالوں کا سوال اس لیے کیا کہ مال زیادہ جمع ہوجائے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے (جو دوزخ میں اسے ملیں گے) اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے۔ (رواہ مسلم ص ۳۳۳ ج ۱) اور رسول اللہ (ﷺ) نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان دنیا میں برابر سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۹ ج ۱)

اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ دنیا میں سائل تھا وہاں اپنے چہرے کی آبرو کھوئی تو یہاں بھی اسی کا ظہور ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ غنی کو اور ٹھیک ٹھاک بدن والے قوی آدمی کو سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ ایسا مجبور ہو کہ تنگدستی نے اسے مٹی میں ملا رکھا ہو (یعنی زمین کی مٹی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ ہو) یا قرضے میں مبتلا ہوگیا ہو جو ذلیل کرنے والا ہو، اور جس شخص نے مال زیادہ کرنے کے لیے لوگوں سے سوال کیا تو قیامت کے دن اس کا چہرہ چھلا ہوا ہوگا اور یہ مال گرم پتھر بنا ہوگا۔ جس کو جہنم سے لیکر کھاتا ہوگا۔ اب جی چاہے تو کمی کرے اور چاہے تو زیادتی کرلے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۳)

ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری بتادی گئی۔ مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس سے مانگا جائے وہ موقع دیکھ کر خرچ کرے۔ سائل کو جھڑکے بھی نہیں۔ کیا معلوم مستحق ہی ہو اور غور و فکر بھی کرے حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ....

قصاص اور دیت کے بعض احکام:

جب کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو اس کی جان کا بدلہ جو جان سے دیا جاتا ہے قرآن و حدیث میں اس کو قصاص کے لفظ

تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ قصاص قتل عمد (یعنی قصداً جان کو قتل کرنے) میں ہوتا ہے۔ جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مرقوم ہیں۔ لفظ قصاص مماثلت یعنی برابری پر دلالت کرتا ہے چونکہ جان کا بدلہ جان سے رکھا گیا ہے اس لیے اس میں حاکم محکوم صغیر کبیر اور امیر غریب میں کوئی فرق نہیں اور قبیلوں اور قوموں کے اعتبار سے جو دنیا میں امتیاز سمجھا جاتا ہے قصاص کے قانون میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر مقتول کے اولیاء سب یا کوئی ایک وارث جان کے بدلہ مال لینے پر راضی ہوجائے تو اس مال کو دیت (خون بہا) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خطأ قتل کردے (جس کی کئی صورتیں ہیں اور جس کے احکام سورۂ نساء میں مذکور ہیں) تو اس کے عوض مال واجب ہوتا ہے اس مال کو بھی دیت کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹ دے تو اس میں بھی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے۔ اعضاء کی دیت کو ارش بھی کہا جاتا ہے۔ اعضاء کے قصاص کا ذکر سورۃ مائدہ میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں قصاص نفس کے بعض احکام ذکر فرمائے ہیں۔ لباب النقول میں حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عرب کے دو قبیلے آپس میں برسرِ پیکار رہتے تھے اور ان میں کشت و خون کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ غلام اور عورتوں تک کو قتل کر بیٹھتے تھے۔ ابھی تک ان کے آپس کے قصاص یا دیت کے فیصلے نہ ہونے پائے تھے کہ دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کرلیا ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ صاحب عزت اور رفعت سمجھتا تھا اس لیے انہوں نے قسم کھائی کہ ہم راضی نہ ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلہ آزاد کو قتل نہ کیا جائے اور ہماری عورت کے بدلہ دوسرے قبیلہ کا مرد قتل نہ کیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ارشاد فرمایا کہ آزاد، آزاد کے بدلہ اور غلام، غلام کے بدلہ اور عورت، عورت کے بدلہ قتل کی جائے۔ اس شان نزول سے معلوم ہو گیا کہ: (اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ) اور (اَلْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى) کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ غلام کے بدلہ آزاد قتل نہ ہو اور عورت کے بدلہ مرد قتل نہ ہو۔ سورۂ مائدہ میں جو (اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ) فرمایا ہے۔ اس میں ہر جان کو دوسری جان کے برابر قرار دیا ہے۔ مفسر ابن کثیر ص ۲۰۹ ج ۱ نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب مرد کو عورت کے بدلہ قتل نہیں کرتے تھے بلکہ مرد کو مرد کے بدلہ اور عورت کو عورت کے بدلہ قتل کرتے تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے (اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ) کا حکم نازل فرمایا۔

قصاص وارثوں کا حق ہے:

قتل عمد (جس میں قصاص ہے) اس میں قصاص لینا مقتول کے وارثوں کا حق ہے۔ مقتول کے جتنے بھی شرعی وارث ہوں وہ سب قصاص کے مستحق ہیں لیکن چونکہ قصاص قابل تقسیم نہیں ہے اس لیے اگر کوئی بھی ایک وارث اپنا حق قصاص معاف کر دے تو اب دوسرے وارث بھی قصاص نہیں لے سکتے اور اب وہ دیت ہی لے سکتے ہیں۔ اور جس نے قصاص معاف کر دیا اب وہ بھی دیت لے گا۔ ہاں اگر اس نے اپنے حصہ کی دیت بھی معاف کردی تو وہ بھی معاف ہوجائے گی۔ ایک جان کی دیت سو اونٹ ہیں۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ سورۃ نساء کی آیت: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَئًا) کی تفسیر میں بیان ہوگی۔ اگر قاتل اور مقتول کے ورثاء آپس میں مال کی کسی مقدار معلوم پر صلح کرلیں تب بھی قصاص ساقط ہوجاتا ہے۔ اور جو مال مصالحت یا دیت کے طور پر وصول ہو مقتول کے وارث شرعی میراث کے حصوں کے مطابق اس کے مالک اور وارث ہوں

گے۔ یہ دیت کے طور پر مصالحت کے ذریعہ مال لینا فریقین کی رضامندی سے ہوسکتا ہے۔

قصاص کے عوض مال لینے کی مشروعیت امت محمدیہ کے لیے تخفیف اور رحمت ہے۔

قتل عمد کی صورت میں باہمی رضامندی سے قصاص کے عوض مال دے کر قاتل کی جان بچا دینا اور دیت کا حلال ہونا یا بطور مصالحت کے کچھ مال لے لینا یہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف ہے اور خاص رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل پر قصاص ہی فرض تھا۔ دیت ان کے لیے مشروع نہ کی۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرمایا کہ ان کو دیت لینے کا حق دیا اور اس امت سے پہلے دیت حلال نہیں تھی۔ اہل توریت پر صرف قصاص فرض تھا اور دیت مشروع نہ تھی اور اہل انجیل کو معاف کر دینے ہی کا حکم تھا۔ اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قصاص اور معافی اور دیت تینوں چیزیں مشروع فرما دیں۔ (ابن کثیر ص ۲۱۰ ج ۱)

جب کوئی ایک وارث یا سب وارث خون معاف کر دیں یا دیت پر راضی ہو جائیں اور دیت کا دینا واجب ہو جائے یا مصالحت کے ذریعہ آپس میں کچھ مال دینا طے ہو جائے تو اب مقتول کے ورثاء کو چاہیے کہ حسن مطالبہ کریں اور سختی اور تشدد سے کام نہ لیں۔ (فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ) میں اسی کا حکم فرمایا ہے اور قاتل پر لازم ہے کہ بغیر ٹال مٹول کے اور بغیر تقاضوں کے وارثوں کو طے شدہ مال ادا کر دے۔ (وَاَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ) میں اسی کا حکم دیا ہے۔ جب آپس میں معاملات طے ہو گئے تو دونوں فریقوں میں سے جو شخص بھی زیادتی کرے گا وہ آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہوگا۔ اسے سخت عذاب دیا جائے گا۔ مثلاً قاتل اگر دیت پر معاملہ کر کے دیت دینے سے انکاری ہو جائے کہیں چھپ جائے، فرار ہو جائے تو یہ اس کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہے اور مثلاً مقتول کے اولیاء دیت لیکر بھی قتل کر دیں تو یہ ان کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہوگی۔ ہر فریق کے لیے عذاب دوزخ ہے۔ حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میں نے سنا ہے کہ جس شخص کا کوئی خونی نقصان ہو جائے (یعنی اس کا کوئی عزیز عمداً قتل کر دیا جائے یا زخم پہنچ جائے تو اسے تین چیزوں کا اختیار ہے۔ قصاص لے لے یا معاف کر دے یا دیت لے لے اس کے سوا اگر کوئی چوتھا کام کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو، ان میں سے کسی چیز کو اختیار کرنے کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دوزخ ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۱)

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ....

یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگرچہ بھاری معلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رکے گا تو دونوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہتی عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اس کو قتل کر ڈالتے تھے اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قصاص قاتل کے حق میں باعث حیات اخروی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ....

وصیت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا بعد الموت لیکن عرف میں اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم بعد الموت ہو۔

اس آیت میں جو وصیت کرنا اس مرنے والے پر فرض کیا ہے جو کچھ مال چھوڑ کر مر رہا ہو اس حکم کے تین جزء ہیں ایک یہ کہ مرنے والے کے ترکہ میں اولاد کے سوا کسی دوسرے وارث کے حصے مقرر نہیں ہیں ان کے حصوں کا تعین مرنے والے کی وصیت کی بنیاد پر ہوگا،

دوسرے یہ کہ ایسے اقارب کے لئے وصیت کرنا مرنے والے پر فرض ہے۔

تیسرے یہ کہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

ان تین احکام میں سے پہلا حکم تو اکثر صحابہ کرام وتابعین کے نزدیک آیت میراث سے منسوخ ہو گیا ابن کثیر نے بتصحیح حاکم وغیرہ حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس حکم کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا یعنی لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (۴:۷)

اور حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک دوسری روایت میں اس کی یہ تفصیل ہے کہ آیت میراث نے ان لوگوں کی وصیت کو منسوخ کر دیا جن کا میراث میں حصہ مقرر ہے دوسرے رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ نہیں ان کے لئے حکم وصیت اب بھی باقی ہے۔ (جصاص، قرطبی)

لیکن باجماع امت یہ ظاہر ہے کہ جن رشتہ داروں کا میراث میں کوئی حصہ مقرر نہیں ان کے لئے میت پر وصیت کرنا کوئی فرض ولازم نہیں اس لئے فرضیت وصیت ان کے حق میں بھی منسوخ ہی ہوگی (جصاص، قرطبی) یعنی بشرط ضرورت صرف مستحب رہ جائے گی۔

دوسرا حکم وصیت کا فرض ہونا:

یہ بھی باجماع امت منسوخ ہے اور ناسخ اس کا وہ حدیث متواتر ہے جس کا اعلان رسول اللہ (ﷺ) نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کے سامنے فرمایا۔

ان اللہ اعطی لکل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث اخرجه الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اس کا حق خود دے دیا ہے اس لئے اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

اسی حدیث میں بروایت ابن عباس یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

لا وصیة لوارث الا ان تجیزہ الورثه۔ (جصاص)

کسی وارث کے لئے وصیت اس وقت تک جائز نہیں جب تک باقی سب وارث اجازت نہ دیدیں۔

اس لئے حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے حصے خود مقرر فرما دیئے ہیں اس لئے اسے وصیت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وارث کے حق میں وصیت کرنے کی اجازت بھی نہیں ہاں اگر دوسرے ورثہ اس کی اجازت دیدیں تو جائز ہے، امام جصاص نے فرمایا کہ یہ حدیث ایک جماعت صحابہ سے منقول ہے اور فقہاء امت نے باتفاق اس کو قبول کیا ہے اس لئے بحکم متواتر ہے جس سے آیت قرآن کا نسخ جائز ہے۔

اور امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ بات علماء امت میں متفق علیہ ہے کہ جب کوئی حکم رسول اللہ (ﷺ) کی زبانی یقینی طور پر معلوم ہو جائے جیسے خبر متواتر، مشہور وغیرہ میں ہوتا ہے تو وہ بالکل بحکم قرآن ہے اور وہ بھی در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے اس لئے ایسی حدیث سے کسی آیت قرآن کا منسوخ ہو جانا کوئی محل شبہ نہیں پھر فرمایا کہ اگرچہ یہ حدیث ہم تک خبر واحد ہی کے طریق پر پہنچی ہو مگر اس کے ساتھ حجۃ الوداع کے سب سے بڑے اجتماع میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام کے سامنے اس کا اعلان فرمانا اور اس پر اجماع صحابہ اور اجماع امت نے یہ واضح کر دیا کہ یہ حدیث ان حضرات کے نزدیک قطعی الثبوت ہے ورنہ شک وشبہ کی گنجائش ہوتے ہوئے اس کی وجہ سے آیت قرآن کے حکم کو چھوڑ کر اس پر اجماع نہ کرتے۔

تیسرا حکم وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں:

یہ باتفاق امت اب بھی باقی ہے ہاں وارثوں کی اجازت سے ایک تہائی سے زائد کی بلکہ پورے مال کی بھی وصیت جائز اور قابل قبول ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْاُمَمِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ الْمَعَاصِيَ فَاِنَّهُ يَكْسِرُ الشَّهْوَةَ الَّتِيْ هِيَ مَبْدَؤُهَا اَيَّامًا نُصِبَ بِالصِّيَامِ اَوْ بِصُوْمُوْا مُقَدَّرًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ اَيْ قَلَائِلَ اَيْ مُوَقَّتَاتٍ بِعَدَدٍ مَعْلُوْمٍ وَ هِيَ رَمَضَانُ كَمَا سَيَاْتِيْ وَ قَلَّلَهُ تَسْهِيْلًا عَلَى الْمُكَلَّفِيْنَ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ حِيْنَ شُهُوْدِهِ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَيْ مُسَافِرًا سَفَرَ الْقَصْرِ وَاَجْهَدَهُ الصَّوْمُ فِي الْحَالَيْنِ فَاَفْطَرَ فَعِدَّةٌ فَعَلَيْهِ عَدَدُ مَا اَفْطَرَ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يَصُوْمُهَا بَدَلَهُ وَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُطِيْقُوْنَهُ لِكِبَرٍ اَوْ مَرَضٍ لَا يُرْجٰى بُرْؤُهُ فِدْيَةٌ هِيَ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ اَيْ قَدْرَ مَا يَاْكُلُهُ فِيْ يَوْمٍ وَهُوَ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ لِكُلِّ يَوْمٍ وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ فِدْيَةٌ وَ هِيَ لِلْبَيَانِ وَ قِيْلَ لَا غَيْرُ مُقَدَّرَةٍ وَ كَانُوْا مُخَيَّرِيْنَ فِيْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ بَيْنَ الصَّوْمِ وَالْفِدْيَةِ ثُمَّ نُسِخَ بِتَعْيِيْنِ الصَّوْمِ بِقَوْلِهِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِلَّا الْحَامِلَ وَالْمُرْضِعَ اِذَا اَفْطَرَتَا خَوْفًا عَلَى الْوَلَدِ فَاِنَّهَا بَاقِيَةٌ بِلَا نَسْخٍ فِيْ

حقهما فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا بالزيادة على القدر المذكور في الفدية فَهُوَ اي التطوع خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا مبتدأ خبره خَيْرٌ لَّكُمْ من الافطار والفدية اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ انه خير لكم فافعلوه تلك الايام شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ من اللوح المحفوظ الى السماء الدنيا في ليلة القدر هُدًى حال هاديا من الضلالة لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ ايات واضحات مِّنَ الْهُدٰى مما يهدي الى الحق من الاحكام وَ مِنَ الْفُرْقَانِ ۚ مما يفرق بين الحق والباطل فَمَنْ شَهِدَ حضر مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ تقدم مثله و كرره لئلا يتوهم نسخه بتعميم من شهد يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ ولذا اباح لكم الفطر في المرض والسفر ولكون ذلك في معنى العلة ايضا للامر بالصوم عطف عليه وَ لِتُكْمِلُوا بالتخفيف والتشديد الْعِدَّةَ اي عدة صوم رمضان وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عند اكمالها عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ارشدكم لمعالم دينه وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ الله على ذلك وسال جماعة النبي صلى الله عليه وسلم اقريب ربنا فنناجيه ام بعيد فنناديه فنزل وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ منهم بعلمي فاخبرهم بذلك اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ بانالته ما سأل فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ دعائي بالطاعة وَلْيُؤْمِنُوْا يديموا على الايمان بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ يهتدون اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ بمعنى الافضاء اِلٰى نِسَاۗىِٕكُمْ ۭ بالجماع نزل نسخا لما كان في صدر الاسلام من تحريمه وتحريم الاكل والشرب بعد العشاء هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ كناية عن تعانقهما او احتياج كل منهما الى صاحبه عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ تخونون اَنْفُسَكُمْ بالجماع ليلة الصيام وقع ذلك لعمر رضي الله عنه وغيره واعتذروا الى النبي صلى الله عليه وسلم فَتَابَ عَلَيْكُمْ قبل توبتكم وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ اذا احل لكم بَاشِرُوْهُنَّ جامعوهن وَ ابْتَغُوْا اطلبوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ اي اباحه من الجماع او قدره من الولد وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا الليل كله حَتّٰى يَتَبَيَّنَ يظهر لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

الْفَجْرِ ۖ اى الصَّادِقِ بَيَانٌ لِلْخَيْطِ الْاَبْيَضِ وَ بَيَانُ الْاَسْوَدِ مَحْذُوْفٌ اَىْ مِنَ اللَّيْلِ شَبَّهَ مَا يَبْدُوْ مِنَ الْبَيَاضِ وَمَا يَمْتَدُّ مَعَهُ مِنَ الْغَبَشِ بِخَيْطَيْنِ اَبْيَضَ وَاَسْوَدَ فِى الْاِمْتِدَادِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ مِنَ الْفَجْرِ اِلَى الَّيْلِ ۚ اَىْ اِلٰى دُخُوْلِهٖ بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ اَىْ نِسَائَكُمْ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ مُقِيْمُوْنَ بِنِيَّةِ الْاِعْتِكَافِ فِى الْمَسٰجِدِ ۗ مُتَعَلِّقٌ بِعٰكِفُوْنَ نَهْىٌ لِمَنْ كَانَ يَخْرُجُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيُجَامِعُ اِمْرَأَتَهٗ وَيَعُوْدُ تِلْكَ الْاَحْكَامُ الْمَذْكُوْرَةُ حُدُوْدُ اللّٰهِ حَدَّهَا لِعِبَادِهٖ لِيَقِفُوْا عِنْدَهَا فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۗ اَبْلَغُ مِنْ لَا تَعْتَدُوْهَا الْمُعَبَّرِ بِهٖ فِىْ اٰيَةٍ اُخْرٰى كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ مَحَارِمَهٗ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ اَىْ لَا يَاْكُلْ بَعْضُكُمْ مَالَ بَعْضٍ بِالْبَاطِلِ الْحَرَامِ شَرْعًا كَالسَّرِقَةِ وَالْغَصَبِ وَلَا تُدْلُوْا تُلْقُوْا بِهَآ اَىْ بِحُكُوْمَتِهَا اَوْ بِالْاَمْوَالِ رِشْوَةً اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا بِالتَّحَاكُمِ فَرِيْقًا طَائِفَةً مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ مُتَلَبِّسِيْنَ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ اَنَّكُمْ مُبْطِلُوْنَ

ع ۲۳ ۷

ترجمہ: اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ جس طرح فرض کیا گیا تھا تم سے پہلی (امتوں کے) لوگوں پر تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ (گناہوں سے بچ جاؤ، کیونکہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو گناہوں کا سرچشمہ ہے) چند روز ہیں گنتی کے (ایام منصوب ہے صیام کی وجہ سے یعنی صیام مصدر کا ظرف ہے اى الصيام فى ايام، یا ایام منصوب ہے صوموا فعل محذوف کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے معدودات یعنی تھوڑے دن چونکہ اہل عرب کی عادت واصطلاح تھی کہ چالیس روز سے کم ایام کے لیے عدت کا لفظ استعمال کرتے تو اب معدودات کے معنی ہوئے چالیس دن سے کم ایام اَىْ مُوَقَّتَاتٍ بِعَدَدٍ مَعْلُوْمٍ یعنی معلوم عدت کے ذریعہ مقررہ ایام اور وہ ایک مہینہ رمضان ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا یعنی آیت: ۱۸۳ میں وَقَلَّلَهُ الخ اور اس روزہ کو قلیل شمار کیا تا کہ مکلف بندے آسان سمجھیں اور عمل کریں کما فى التنزيل العظيم يريد الله بكم اليسر الاية پس مفسر سیوطیؒ نے صاف کر دیا کہ ایاماً معدودات سے مراد رمضان کا مہینہ ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ ۔ پھر جو شخص تم میں سے (بوقت آنے اس رمضان کے) بیمار ہو یا مسافر (ایسا مسافر جو سفر قصر کر رہا ہو، اور اس کو تکلیف دو ہو روزہ دونوں حال میں یعنی مرض ہو یا سفر تو افطار کر سکتا ہے) تو گنتی ہے (یعنی ضروری ہے اس پر شمار کرنا ان ایام کا جو افطار کیا ہے) دوسرے دنوں سے (اس کے بدلے روزہ رکھے) اور ان لوگوں پر کو روزہ کی طاقت (نہیں) رکھتے ہیں (بڑھاپے کی وجہ سے یا ایسی بیماری کی وجہ سے کہ جس سے افاقہ کی امید نہ ہو) ان کے ذمہ فدیہ ہے (وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے (یعنی جس قدر ایک آدمی ایک دن میں کھاتا ہے اور وہ شہر کے غالب خوراک میں سے ایک مدغلہ ہے ہر روز کے لیے، اور ایک قراءت میں لفظ فدیہ اضافت کے ساتھ ہے یعنی بلا تنوین اور وہ اضافت بیان کے لیے ہے اور بعض مفسرین (بلکہ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ يُطِيْقُوْنَ سے پہلے لا مقدر نہیں ہے اور

ابتداء اسلام میں لوگوں کو اختیار تھا روزہ اور فدیہ کے درمیان یعنی اگر ہمت ہو تو روزہ رکھیں ورنہ افطار کر لیں اور فدیہ دیں پھر یہ اختیار منسوخ ہو گیا اور ارشاد باری تعالیٰ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سے روزہ کی تعیین ہو گئی، حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مگر حاملہ عورت اور مرضعہ دودھ پلانے والی اگر بچہ کے ڈر سے افطار کر لیں تو فدیہ کا حکم باقی ہے ان دونوں کے حق میں منسوخ نہیں ہے) فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا پھر جو شخص شوق سے نیکی کرنے (کہ فدیہ میں مقدار مذکور سے زیادتی کر دے یا ہر روزہ بجائے ایک مسکین دو مسکین کو کھلا دے) تو یہ تطوع بہتر ہے اس کے لئے اور تمہارا روزہ رکھنا اَنْ تَصُوْمُوْا بتاویل مصدر ای صیامکم مبتدا ہے اور اس کی خبر خَيْرٌ لَّكُمْ ہے) بہتر ہے تمہارے لئے افطار اور فدیہ سے اگر تم علم رکھتے ہو (کہ باوجود اختیار کے روزہ تمہارے لئے بہتر ہے تو تم اس کو کرو یعنی ان ایام میں روزہ رکھو۔ یہ زمانہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا (لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک رمضان کے شب قدر میں) جو رہنما ہے (لفظ هدی حال ہے قرآن سے، گمراہی سے ہدایت کرنے والا ہے) لوگوں کے لئے اور روشن دلائل ہیں (واضح آیتیں ہیں) ہدایت کی (یعنی ایسے احکام ہیں جو حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور فیصلہ کن ہیں، جن سے حق و باطل کے درمیان امتیاز ہو جاتا ہے) سو جو شخص پائے (موجود ہو) تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو لازم ہے گنتی دوسرے دنوں سے (یہ حکم پہلے گزر چکا ہے دوبارہ اس لیے بیان فرمایا تا کہ مَنْ شَهِدَ کی تعمیم سے اس کے منسوخ ہونے کا شبہ نہ ہو یعنی یہ معلوم ہو کہ فدیہ منسوخ ہے سخت مریض اور مسافر کے لیے افطار و قضا کرنا منسوخ نہیں۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ ..... اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور نہیں چاہتا تم پر سختی (اس لیے تمہارے واسطے افطار جائز کر دیا ہے بیماری اور سفر میں اور چونکہ یہ مضمون حکم (افطار کی رخصت اور قضا کی سہولت حکم بالصوم کے لیے بھی علت کے مفہوم میں ہے اس لیے اس پر عطف کر دیا ہے وَلِتُكْمِلُوا کو) ولتکملوا تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراءت ہے) تا کہ تم پوری کر لو گنتی (یعنی رمضان کے روزوں کی تعداد) تا کہ اللہ کی بڑائی کرو (اس تعداد کے پورا کرنے پر) اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی (تم کو اپنے معالم دین سکھائے) اور تا کہ تم شکریہ ادا کرو اللہ کا اس (نعمت سہولت) پر۔ اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (آپ کہئے) میں قریب ہی ہوں (اپنے علم کے ساتھ سو آپ ان کو اس قریب متعلق اطلاق فرما دیجئے) میں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب مجھ سے دعا کرتا ہے (اس کو دینے کے ذریعہ جو اس نے مانگا) پس لوگوں کو چاہئے کہ میرا حکم مانیں (یعنی میری دعوت میرا حکم اطاعت و بجا آوری کے ساتھ مانیں) اور مجھ پر ایمان لائیں (میرے ساتھ ایمان پر ہمیشہ قائم اور جمے رہیں) تا کہ ہدایت یاب ہو جائیں (ہدایت پالیں) فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ حق تعالیٰ کے قرب اپنے بندوں سے قرب جسمانی نہیں کیونکہ وہ ذات جسم اور جسمانیت سے منزہ اور پاک ہے، حق تعالیٰ کے قرب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے علم و معلومات کے اعتبار سے بندوں سے بہت زیادہ قریب ہے جس طرح کوئی شخص بالکل قریب میں رہ کر ساتھی کے حالات سے خوب واقف ہوتا ہے حق تعالیٰ اس سے بھی قریب تر ہیں کما قال اللہ عز وجل: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ایک دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے وھو معکم اینما کنتم، اسی طرح حق تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے اعمال و حالات سے خوب درخوب واقف ہیں بلکہ یہ محض تمثیل ہے ورنہ

حق تعالیٰ کا علم محیط اس سے بھی زیادہ ہے کما فی التزیل العظیم اللہ علیھم بذات الصدور۔ حلال کر دیا گیا تم لوگوں کے واسطے روزے کی رات میں مشغول ہونا (رفث بمعنی افضاء یعنی پہنچنا ہے) اپنی عورتوں سے (جماع کے ساتھ) اس آیت کا نزول اس حکم کو منسوخ کرنے کے لئے ہوا ہے جو ابتدائے اسلام میں تھا یعنی جماع کا اور کھانے پینے کا حرام ہونا عشاء کے بعد جس کی تفصیل شان نزول سے معلوم ہو جائے گی انشاء اللہ هُنَّ لِبَاسٌ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس (یہ کنایہ ہے دونوں کے باہمی معانقہ سے یا ہر ایک کا دوسرے کی طرف ضرورت مند ہونے سے) اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے (تَخْتَانُوْنَ بمعنی تَخُوْنُوْنَ ہے) اپنی جانوں سے (روزے کی رات میں جماع کے ذریعہ، یہ حادثہ پیش آیا حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ کو اور ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عذر پیش کیا) تو اللہ نے تم پر مہربانی کی (یعنی تمہاری توبہ قبول فرمائی) اور درگذر کی تم سے سو اب (جب کہ تمہارے لئے حلال کر دیا ہے) ان بیویوں سے مباشرت کرو (مجامعت کرو) اور چاہو (طلب کرو) اللہ نے تمہارے لکھ دیا ہے (جماع کے ذریعہ جس کو جائز کر دیا ہے یا اولاد میں سے جو تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے اس کو طلب کرو) اور کھاؤ اور پیو (پوری رات) یہاں تک صاف نظر آنے لگے (ظاہر ہو جائے) تم کو صبح کا سفید خط سیاہ خط سے (یعنی صبح صادق، اور مِنَ الْفَجْرِ بیان ہے خَيْطِ الْاَبْيَضِ کا اور الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ کا بیان محذوف ہے یعنی مِنَ اللَّيْلِ تشبیہ دی گئی ہے اس سپیدۂ صبح کو جو ظاہر ہوتی ہے اور رات کی تاریکی کو جو اس کے ساتھ ممتد متصل ہوتی ہے دودھاگے سفید و سیاہ خط کے ساتھ درازی میں، مطلب یہ ہے کہ آخر رات کی تاریکی (صبح کاذب) کو سیاہ دھاگہ اور بیاض فجر (صبح صادق) کو سفید دھاگہ سے تشبیہ دی گئی ہے پھر پورا کرو روزہ کو (صبح سے) رات تک (یعنی غروب آفتاب کے ذریعہ رات کے آنے یعنی ابتدا تک) اور مباشرت نہ کرو ان سے (اپنی بیویوں سے) جب تک کہ تم اعتکاف کر رہے ہو (اعتکاف کی نیت سے بیٹھے ہو) مسجدوں میں (فی المساجد متعلق ہے عاکفون کے اس شخص کے لئے ممانعت کر دی گئی جو اعتکاف کی حالت میں مجامعت کے لئے نکلے اور پھر مسجد واپس آ جائے) یہ (مذکورہ احکام) خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں (جن کو اپنے بندوں کے لئے مقرر کیا ہے، تا کہ ان حدوں کے لئے پاس رک جائیں) سو ان کے قریب بھی نہ جاؤ (لفظ لَا تَقْرَبُوْا میں زیادہ مبالغہ ہے بہ نسبت لَا تَعْتَدُوْا کے جو دوسری آیت میں آیا ہے) اسی طرح (جیسا کہ تمہارے لئے حکم مذکور بیان کیا گیا ہے) بیان کر دیتا ہے اللہ اپنے احکام لوگوں کے لئے تا کہ وہ بچتے رہیں (اللہ کے محارم سے) اور آپس میں ایک دوسرے کے کا مال ناحق کھاؤ تم میں سے بعض آدمی بعض کا مال نہ کھائے نہ حق (جو شرعاً حرام ہو جیسے چوری اور غصب) اور پہنچاؤ (نہ ڈالو) ان مالوں کو (یعنی ان مالوں کے محاکمہ اور فیصلہ کو یا مالوں کو بطور رشوت کے) حاکموں تک تا کہ کھا جاؤ (محاکمہ کرا کر) کوئی حصہ (فریق بمعنی طَائِفَةً مِّنْ اَمْوَالِ ہے یعنی مال کا اکحصہ) لوگوں کے مال میں سے (متعلق و آلودہ ہو) گناہ کے ساتھ، درانحالیکہ تم جانتے ہو کہ تم باطل پر ناحق پر ہو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِنَ الْاُمَمِ: اس سے اشارہ کیا کہ موصول اپنے عموم پر قائم ہے اور تشبیہ عددی کا کوئی قرینہ نہیں بلکہ فقط فرضیت میں تشبیہ دی گئی ہے۔

قوله: اَلْمَعَاصِیَ: اس سے اشارہ کیا کہ تقویٰ سے یہاں گناہوں سے بچنا مراد ہے اسی لیے یہ مفعول محذوف مانا۔

قوله: فَاِنَّهٗ یَکْسِرُ الشَّهْوَةَ: اس سے اشارہ ہے کہ تشبیہ پر نظر ڈالے بغیر لعل یہ کتب علیکم کی غایت ہے۔

قوله: سَفَرَ الْقَصْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ سفر سے مراد سفر شرعی ہے لغوی نہیں ہے جو کہ ظہور وخروج کو کہتے ہیں۔

قوله: وَاَجْهَدَهُ الصَّوْمُ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا مخصص آیت: یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ ... ہے اس لیے کہ رخصت افطار کی علت زیادہ مشکل کے ازالہ والی چیز کو قرار دیا۔

قوله: یَصُوْمُهَا بَدَلَهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ اَیَّامٍ اُخَرَ میں مضاف کو تذکرہ صوم معلوم ہونے کی بناء پر حذف کیا گیا ہے۔

قوله: مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ: اس سے اشارہ کا کہ واؤ وَاَنْ تَصُوْمُوْا مستانفہ، عاطفہ نہیں کیونکہ یہاں صلاحیت عطف موجود نہیں۔

قوله: تِلْکَ الْاَیَّامُ: اس سے اشارہ کیا کہ شَهْرُ رَمَضَانَ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور تِلْکَ الْاَیَّامُ سے اس وقت کی طرف اشارہ کیا جو کُتِبَ عَلَیْکُمْ سے سمجھ آرہا ہے۔

قوله: هَادِیًا: اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ مجاز ہے اور مبتداء کا تذکرہ کر کے مراد مشتق (اسم فاعل) لیا ہے۔ هُدًی مصدر ہونے کی وجہ سے اس کا معنی قران لینا درست نہیں۔

قوله: وَمِنَ الْفُرْقَانِ وَمِنَ الْفُرْقَانِ: مِنَ کے اضافہ سے اشارہ کیا کہ قرب کی وجہ سے اس کا عطف هُدًی پر آ گیا ہے اور قرآن سے حال ہے۔

قوله: وَلِذَا اَبَاحَ لَکُمُ الْفِطْرَ: اس سے اشارہ کیا کہ ارادہ سے یہاں اباحت واشراع مراد ہے۔

قوله: وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ: اس سے اشارہ کیا کہ عطف درست ہے اور یہ فعل محذوف کی علت نہیں۔

قوله: فَاَخْبِرْهُمْ: یہ وہ جزاء ہے جو حقیقت میں مقدر ہے اور اس کا صراحتاً ذکر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے سوال وجواب کا کفیل ہے۔

قوله: بِاِنَالَتِهٖ مَا سَأَلَ: اس سے اشارہ کیا کہ اس اجابت سے مراد قضاء حاجت ہے جیسا کہ ان کا مطالبہ ہے اور اس پر اِذَا دلالت کرتا ہے۔

قوله: کِنَایَةٌ عَنْ تَعَانُقِهِمَا: اس سے اشارہ کیا کہ ہر ایک پر لباس کا اطلاق تشبیہ کی وجہ سے ہے اور وجہ شبہ یہی معانقہ ہے۔

قوله: تَخْتَانُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں افتعال مجرد کے معنی میں ہے اور افتعال کو مبالغہ فی الخیانۃ کے ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا۔

قوله: بِاِذَا اُحِلَّ لَکُمْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ اَلْئٰنَ سے تعبیر کی وجہ کیا ہے اور وہ اس کا فعل احلال کی طرف نظر کر کے حاضر ہونا ہے۔

قوله: شُبْهَةَ مَا يَبْدُوْ: اس سے وہم کا ازالہ کیا کہ اس سے صبح مراد ہیں اس کی ابتداء مراد ہے۔

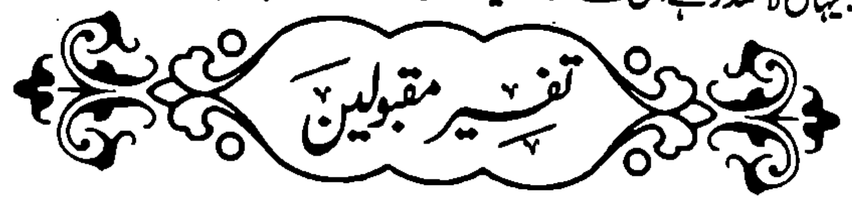
قوله: مُقِيْمُوْنَ: عکوف کے کئی معانی ہونے کی بناء پر بالاِعْتِكَافِ کی قید اسی معنی کی تعیین کے لیے ذکر کی۔

قوله: حُدُوْدُ اللهِ: حد اس نہایت کو کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے مابین بطور نہایت رکاوٹ ہو، اس لیے اس کی تقدیر پر ذات حدود اللہ بنے گی۔

قوله: وَهُوَ اَبْلَغُ: یہ باطل کے قریب جانے کی ممانعت بطور کنایہ کی گئی ہے جو کہ صریح سے بلیغ تر ہے۔

قوله: يَاْكُلُ بَعْضُكُمْ: یہ اشارہ کیا کہ یہ جمع کی تقسیم جمع کی قسم سے نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم میں سے بعض دوسروں کا مال نہ کھائیں۔

قوله: وَلَا تُدْلُوْا: یہاں لا مقدر ہے اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف منہی پر ہے یہ مجزوم ہے منصوب نہیں۔



يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ .....

صوم کے لفظی معنی امساک یعنی رکنے اور بچنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں کھانے پینے اور عورت سے مباشرت کرنے سے رکنے اور باز رہنے کا نام صوم ہے بشرطیہ وہ طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک مسلسل رکا رہے اور نیت روزہ کی بھی ہو اس لئے اگر غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی کچھ کھا پی لیا تو روزہ نہیں ہوا اسی طرح اگر ان تمام چیزوں سے پرہیز تو پورے دن پوری احتیاط سے کیا مگر نیت روزہ کی نہیں کی تو بھی روزہ نہیں ہوا،

رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے ضروری احکام:

ان آیات میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا اعلان اور اظہار فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ) (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

(۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (٤) حج کرنا۔ (٥) رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح بخاری ص ٦ ج ١)

نماز اور روزہ دونوں بدنی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے۔ بدنی محنت بھی ہوتی ہے اس لیے وہ بدنی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی ہے۔ نماز تو نبوت کے پانچویں ہی سال مکہ معظمہ میں فرض ہو گئی تھی جو شب

معراج میں عطا کی گئی۔ اور رمضان شریف کے روزے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲ھ میں فرض ہوئے۔ جس طرح نماز اور زکوٰۃ پہلی امتوں پر فرض تھی اسی طرح سے روزے بھی ان پر فرض تھے۔ (کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ) میں یہ بتایا ہے کہ روزے کوئی نئی چیز نہیں ہیں یہ پہلی امتوں پر بھی فرض ہوئے تھے انہوں نے بھی روزے رکھے تم بھی رکھو۔

روزہ سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے:

پھر روزہ کی حکومت اور فائدہ بتاتے ہوئے فرمایا (لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ) روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زد پڑتی ہے اور قوی شہوانیہ میں ضعف آتا ہے اور تقویٰ صغیرہ وکبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ آیت کریمہ میں بتایا کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لیے ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات ہیں۔ نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں اور نفس کا ابھار معاصی کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا ابھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات وازات کی امنگ گھٹ جاتی ہے۔ پورے رمضان کے روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سدھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص روزے ان احکام وآداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعۃً نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ جو گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں۔ ایک منہ، دوسری شرمگاہ، حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ آپ نے جواب دیا: الفمّ والفرج یعنی منہ اور شرمگاہ۔ (ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے)۔ روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لیے تو ایک حدیث میں فرمایا کہ (اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ) یعنی روزہ ڈھال ہے۔ (گناہ سے اور آتش دوزخ سے بچاتا ہے۔ (بخاری ص ۲۵۴ ج ۱) اگر روزہ کو پورے اہتمام اور احکام وآداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ خاص روزہ کے وقت بھی اور اس کے بعد بھی اگر کسی نے روزہ کے آداب کا خیال نہ کیا روزہ کی نیت کر لی کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے باز رہا مگر حرام کمانے اور غیبت کرنے میں لگا رہا تو اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا مگر روزہ کی برکات و ثمرات سے محرومی رہے گی۔ جیسا کہ سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: (اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ مَا لَمْ یَخْرِقْھَا) (یعنی روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃٌ فی ان یدعہ طعامہ وشرابہ۔
جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ (گناہوں کو چھوڑے بغیر) محض کھانا پینے چھوڑ دے۔ (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کو فواحش ومنکرات اور ہر طرح کے

گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے روزہ منہ میں ہو اور آدمی بدکلامی کرے یہ اس کے لیے زیب نہیں دیتا۔ اسی لیے سرور عالم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: (وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ) (یعنی جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو گندی باتیں نہ کرے۔ شور نہ مچائے، اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں۔ (گالی گلوچ کرنا یا لڑائی کرنا میرا کام نہیں)۔ (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا فخر بنی آدم (ﷺ) نے بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لیے (حرام کھانے یا حرام کرنے یا غیبت کرنے کی وجہ سے) پیاس کے علاوہ کچھ نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں جن کے لیے (ریاکاری کی وجہ سے) جاگنے کے سوا کچھ نہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۷۷)

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ....

مریض کا روزہ:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا: مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کو روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچے یا مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو بعد کی آیت وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ میں اس طرف اشارہ موجود ہے جمہور فقہاء امت کا یہی مسلک ہے۔

مسافر کا روزہ:

أَوْ عَلَى سَفَرٍ یہاں لفظ مسافر کے بجائے علیٰ سفر کا لفظ اختیار فرما کر کئی مسائل کی طرف اشارہ فرمادیا۔

اول یہ کہ مطلقاً لغوی سفر یعنی اپنے گھر اور وطن سے باہر نکل جانا روزہ میں رخصت سفر کے لئے کافی نہیں بلکہ سفر کچھ طویل ہونا چاہئے کیونکہ لفظ علیٰ سَفَرٍ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سفر پر سوار ہو جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گھر سے دس پانچ میل چلے جانا مراد نہیں مگر یہ تحدید کہ سفر کتنا طویل ہو قرآن کے الفاظ میں مذکور نہیں رسول اللہ (ﷺ) کے بیان اور صحابہ کے تعامل سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بہت سے فقہاء نے اس کی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جس کو پیادہ سفر کرنے والا بآسانی تین روز میں طے کر سکے قرار دی ہے اور بعد کے فقہاء نے میلوں کے حساب سے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔

دوسرا مسئلہ اسی لفظ عَلَى سَفَرٍ سے یہ نکلا کہ وطن سے نکل جانے والا مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری رہے اور یہ ظاہر ہے کہ آرام کرنے یا کچھ کام کرنے کے لئے کسی جگہ ٹھہر جانا مطلقاً اس کے سلسلہ سفر کو ختم نہیں کر دیتا جب تک کوئی معتدبہ مقدار قیام نہ ہو اور اسی معتدبہ قیام کی مدت نبی کریم (ﷺ) کے بیان سے ثابت ہوئی کہ پندرہ دن ہیں جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ علیٰ سَفَرٍ نہیں کہلاتا اس لئے وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں،

مسئلہ: اسی سے یہ بھی نکل آیا کہ کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات شہروں اور بستیوں میں

کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصت سفر کا مستحق رہے گا، کیونکہ وہ عَلٰی سَفَرٍ کی حالت میں ہے۔

روزہ کی قضا:

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ: یعنی مریض ومسافر کو اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے اس میں بتلانا تو یہ منظور تھا کہ مرض یا سفر کی مجبوری سے جو روزے چھوڑے گئے ہیں ان کی قضا ان لوگوں پر واجب ہے جس کے لئے فعلیہ القَضَاءُ کا مختصر جملہ بھی کافی تھا مگر اس کے بجائے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ مریض ومسافر پر فوت شدہ روزوں کی قضاء صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے جنھیں قضاء کر سکے تو اگر کوئی شخص اتنے دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر قضاء یا وصیت فدیہ لازم نہیں ہوگی۔

مسئلہ: عِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ میں چونکہ اس کی کوئی قید نہیں کہ ترتیب وار رکھے یا غیر مسلسل رکھے بلکہ عام اختیار ہے اس لئے اگر کوئی شخص جس کے رمضان کے ابتدائی دس روزے قضا ہو گئے ہوں وہ دسویں یا نویں روزے کی قضا پہلے کرے اور ابتدائی روزوں کی قضا بعد میں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں اسی طرح متفرق کر کے قضا روزے رکھے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ عِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ میں اس کی گنجائش ہے۔

روزہ کا فدیہ:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ: اس آیت کے بے تکلف معنی وہی ہیں جو خلاصہ تفسیر میں بتلائے گئے ہیں کہ جو لوگ مریض یا مسافر کی طرح روزہ رکھنے سے مجبور نہیں بلکہ روزے کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے بھی یہ گنجائش ہے کہ وہ روزے کے بجائے روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کر دیں اس کے ساتھ اتنا فرما دیا: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ روزہ ہی رکھو۔

یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب لوگوں کو روزے کا خوگر کرنا مقصود تھا اس کے بعد جو آیت آنے والی ہے یعنی مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اس سے یہ حکم عام لوگوں کے حق میں منسوخ کر دیا گیا صرف ایسے لوگوں کے حق میں اب بھی باجماع امت باقی رہ گیا جو بہت بوڑھے ہوں (جصاص) یا ایسے بیمار ہوں کہ اب صحت کی امید ہی نہیں رہی جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے۔ (جصاص، مظہری)

صحیح بخاری ومسلم وابوداؤد، نسائی، ترمذی، طبرانی وغیرہ تمام ائمہ حدیث نے حضرت سلمہ بن اکوع سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دے دیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے رکھے جس کا جی چاہے ہر روزے کا فدیہ دیدے پھر جب دوسری آیت: مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت والوں پر صرف روزہ ہی رکھنا لازم ہو گیا۔

مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبل کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نماز کے معاملات میں بھی ابتدائے اسلام میں تین

تغیرات ہوئے اور روزے کے معاملے میں بھی تین تبدیلیاں ہوئیں روزے کی تین تبدیلیاں یہ ہیں کہ: رسول اللہ (ﷺ) جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو ہر مہینہ میں تین روزے اور ایک روزہ یوم عاشورا (یعنی دسویں محرم) کا رکھتے تھے پھر رمضان کی فرضیت نازل ہوئی کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ تو حکم یہ تھا کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ روزہ رکھ لے یا فدیہ دیدے اور روزہ رکھنا بہتر اور افضل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت: مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ نازل فرمادی اس آیت نے تندرست قوی کے لئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم کر دیا، مگر بہت بوڑھے آدمی کے لئے یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو فدیہ ادا کر دے۔

یہ تو دو تبدیلیاں ہوئیں تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے بعد کھانے پینے اور اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے آیت: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ نازل فرما کر یہ آسانی عطا فرمادی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہیں سو کر اٹھنے کے بعد سحری کھانے کو سنت قرار دے دیا گیا صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، میں بھی اس مضمون کی احادیث آئی ہیں۔ (ابن کثیر و معارف)

فدیہ کی مقدار اور متعلقہ مسائل:

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے، نصف صاع ہمارے مروّجہ اسی (80) تولہ کے حساب سے تقریباً پونے دو سیر ہوتے ہیں اس کی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی غریب مسکین کو مالکانہ طور پر دیدینا ایک روزہ کا فدیہ ہے، بشرطیکہ کسی مسجد مدرسہ کی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ: ایک روزہ کے فدیہ کو دو آدمیوں میں تقسیم کرنا یا چند روزوں کے فدیہ کو ایک ہی شخص کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں. جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحرالرائق نقل کیا ہے اور بیان القرآن میں اسی کو نقل کیا گیا ہے مگر حضرت نے امداد الفتاویٰ میں فتویٰ اس پر نقل کیا ہے کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، شامی نے بھی فتویٰ اس پر نقل کیا ہے البتہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ کئی روزوں کا فدیہ ایک تاریخ میں ایک کو نہ دے لیکن دے دینے میں گنجائش بھی ہے یہ فتویٰ مورخہ ۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ امداد الفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۱۵ میں منقول ہے،

مسئلہ: اگر کسی کو فدیہ ادا کرنے کی بھی وسعت نہ ہو تو وہ فقط استغفار کرے اور دل میں نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کروں گا۔ (بیان القرآن)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ.....

نزول قرآن اور ماہ رمضان:

حدیث میں آیا ہے کہ صحف ابراہیمی اور تورات اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا ہے اور قرآن شریف کا

رمضان کی چوبیسویں رات میں لوح محفوظ سے اول آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسب احوال آپ (ﷺ) پر نازل ہوتا رہا اور ہر رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن نازل شدہ آپ کو مکرر سنا جاتے تھے ان سب حالات سے مہینے رمضان کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت اور خصوصیت خوب ظاہر ہوگئی اس لئے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئی پس قرآن کی خدمت اسی مہینے میں خوب اہتمام سے کرنی چاہیے کہ اسی واسطے مقرر اور معین ہوا ہے۔ (عثمانی)

مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور بعد میں قضاء رکھنے کا حکم:

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا.......

یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ "جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو اس کے روزے رکھے" مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جتنے دنوں کے روزے رمضان المبارک میں مسافر اور مریض نے نہیں رکھے وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کر کے جتنے روزے چھوٹے ان کی قضاء رکھ لے۔ علامہ جصاص فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً اتنے دنوں کی گنتی کر کے قضا کرنے کا حکم فرمایا ہے جتنے دن کے روزے رہ گئے ہیں اور لگا تار قضاء رکھنے کی کوئی قید اور شرط نہیں لگائی اس لیے روزوں کی قضا کرنے والا متفرق طور پر رکھ لے یا لگا تار رکھ لے دونوں طرح درست ہے۔ اور (يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ) سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۰۸)

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دوسرا رمضان آنے تک پہلے رمضان کے قضا روزے نہ رکھے تو اب اس موجود رمضان کے روزے رکھ لے اور گزشتہ رمضان کے روزوں کی قضا بعد میں کر لے البتہ جلد سے جلد قضا رکھ لینا بہتر ہے اس میں مسارعت الی الخیر ہے اور چونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں اس لیے ادائیگی فرض کا اہتمام بھی ہے۔

مسئلہ: ہر مریض کو اجازت نہیں ہے کہ بعد میں قضا رکھنے کے لیے رمضان کے روزے چھوڑے بلکہ یہ رخصت و اجازت ایسے مریض کو دی ہے جس کو روزہ رکھنے سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو، یا ایسے مرض میں مبتلا ہو جس میں روزے رکھنے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو جو تجربہ سے یا ماہر مسلم معالج کے قول کی بنیاد پر ہو اور یہ ماہر مسلم معالج ایسا ہو جس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو۔ قال فی الدر المختار او مریض خاف الزیادۃ لمرضہ و صحیح خاف المرض بغلبۃ الظن بأمارۃ أو بتجربۃ أو باخبار طبیب حاذق مسلم مستور اھ وفی الشامی أما الکافر فلا یعتمد علی قولہ لاحتمال أن غرضہ افساد العبادۃ۔ (فصل فی العوارض)

اس بارے میں لوگ غلطی کرتے ہیں کہ معمولی سے مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں گو اس کے لیے روزہ مضر بھی نہ ہو۔ بلکہ بعض امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے پھر بھی مرض کا بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے اور بہت سے لوگ ڈاکٹروں کے کہہ دینے سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہر ڈاکٹر کا قول معتبر نہیں ڈاکٹر بے دین فاسق بلکہ کافر بھی ہوتے ہیں۔ انہیں نہ مسئلہ کا علم ہوتا ہے نہ روزہ کی قیمت جانتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو تو خواہ مخواہ روزہ چھڑوانے میں مزہ آتا ہے اور کافر ڈاکٹر کا قول تو اس بارے میں بالکل ہی معتبر نہیں۔

مریض کو اپنے تجربہ اور اپنی ایمانی صوابدید سے اور کسی ایسے معالج سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرنا چاہئے جو مسلمان ہو روزے کی اہمیت سمجھتا ہو اور خوف خدا رکھتا ہے اور مسئلہ شرعیہ سے واقف ہو۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سے لوگ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بہت بڑی گنہگاری کا بوجھ لے کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی محبت اور آخرت کی بے فکری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ یہ ان مریضوں کا بیان ہوا جو عموماً تندرست رہتے ہیں اور عارضی طور پر مریض ہو گئے۔ یہ لوگ صحت یاب ہو کر بعد میں قضاء رکھ لیں۔ لیکن ایسا مرد یا عورت جو مستقل مریض ہو جسے روزہ رکھ سکنے کی زندگی بھر امید نہ ہو۔ اور ایسے مرد یا عورت جو بہت بوڑھے ہوں، نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ پھر کبھی روزہ رکھ سکنے کی امید ہے تو یہ لوگ روزوں کے بجائے فدیہ دیں۔ لیکن اگر کبھی بعد میں روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو روزہ رکھنا فرض ہوگا اور فدیہ جو دیا ہے نفلی صدقہ ہو جائے گا۔

جس طرح کہ ہر مریض کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر مسافر کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ رمضان المبارک کا روزہ بعد میں قضا رکھنے کی نیت سے اس مسافر کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے جو مسافت قصر کے ارادہ سے اپنے شہر یا بستی سے نکلا ہو۔ جب تک سفر میں رہے گا مرد ہو یا عورت اسے رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جب گھر آ جائے تو روزوں کی قضا کر لے۔ ہاں اگر سفر میں کسی جگہ پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب شرعاً مسافت کے حکم میں نہیں رہا۔ ان دنوں میں رمضان المبارک ہو تو روزہ رکھنا فرض ہوگا اور نماز میں قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ مسافر قصر ۴۸ میل ہے (کلو میٹر کا حساب کر لیا جائے) اتنی مسافت کے لیے خواہ پیدل سفر کرے یا بس سے یا ہوائی جہاز سے شرعی مسافر مانا جائے گا۔ وہ نمازوں میں قصر بھی کرے اور اسے یہ بھی جائز ہے کہ رمضان شریف کے روزے نہ رکھے اور بعد میں گھر آ جائے تو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا رکھ لے۔

جو شخص مسافت قصر سے کم سفر کے لیے گیا ہو اسے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ شرعی مسافر کو (جس کی مسافت سفر اوپر بتا دی گئی ہے) سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت تو ہے لیکن رمضان میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو رمضان کی برکت اور نورانیت سے محرومی نہ ہوگی۔ دوسرے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے میں آسانی ہوگی اور بعد میں تنہا روزہ رکھنا مشکل ہے۔ (انوار البیان)

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ....

رمضان کی راتوں میں جماع:

رمضان المبارک کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے میاں بیوی کے تعلق کو ایک لطیف انداز میں بیان فرمایا۔ اور وہ یہ کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں یعنی وہ تمہارے لیے سکون اور دلجمعی کا باعث ہیں اور تم ان کے لیے سکون اور دل جمعی کا باعث ہو۔

کمافی سورۃ الاعراف (لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا) و فی سورۃ الروم (لِتَسْكُنُوٓا إِلَيْهَا)

عورت اور مرد چونکہ معانقہ کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے سے لپٹ جاتا ہے۔ اس لیے ہر ایک کو ایک دوسرے کے لیے لباس سے تعبیر فرمایا اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے پردہ بن جاتے ہیں اور فسق و فجور سے روکتے ہیں۔ اس لیے بھی ہر ایک کو دوسرے کا لباس بتایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی بندہ نے نکاح کرلیا تو اس نے آدھا دین کامل کرلیا۔ لہٰذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوٰۃ، البیہقی فی شعب الایمان)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں پہلے جملہ یعنی (هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ) سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ تم عورتوں سے صبر نہیں کر سکتے اور دوسرا جملہ (وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ) یہ بتا رہا ہے کہ تمہارے لیے ان سے پرہیز کرنا مشکل ہے اور چونکہ مرد کا احتیاج خوب واضح ہے اس لیے پہلے جملے کو مقدم کیا گیا۔ (من روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۱)

ابتغائے اولاد کا حکم:

یہ جو فرمایا (وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ) (یعنی طلب کرو تم جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے اولاد طلب کرنا مقصود ہے یعنی جماع کرنے میں نیت رکھو کہ اللہ تعالیٰ اولاد نصیب فرمائے گا۔ صاحب روح المعانی ص ۶۵ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نکاح کرنے میں نسل بڑھنے کی نیت رکھنی چاہئے صرف قضائے شہوت مقصود نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہوت جماع کو بنی نوع انسان کی بقا کے لیے انسانوں میں رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ کھانے کی خواہش انسانوں کے زندہ رہنے کے لیے پیدا فرما دی ہے صرف قضائے شہوت جانوروں کا مقصود ہے بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ جب جماع کو اولاد طلب کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا تو اس سے عورتوں سے غیر فطری طریقے سے قضاء شہوت کرنے کی ممانعت ثابت ہوگئی کیونکہ وہ جگہ طلب ولد کی نہیں ہے۔

صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت:

پھر فرمایا: (وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ) اور کھاؤ اور پیئو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے (فجر کا تاگہ) اس میں اجازت دی گئی ہے کہ روزوں کی راتوں میں صبح صادق ہونے تک کھا پی سکتے ہو۔ سفید تاگے سے بیاض النہار (یعنی دن کی سفیدی جو صبح صادق سے شروع ہوتی ہے) مراد ہے۔ اور سیاہ تاگے سے سواد اللیل (یعنی رات کی تاریکی) مراد ہے۔ یہ تفسیر خود آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مروی ہے۔ (کما فی صحیح البخاری ص ۲۰۷ ج ۱)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت: (وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ) نازل ہوئی اور ابھی لفظ من الفجر نازل نہ ہوا تھا تو بعض لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور کالا تاگہ باندھ لیا اور برابر کھاتے رہے یہاں تک کہ ان دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے (وہ زمانہ بتی اور بجلی کا تو تھا نہیں چھوٹے چھوٹے گھروں میں اندر بیٹھ کر کھاتے رہے صبح صادق ہو جانے اور باہر روشنی پھیل جانے پر بھی دونوں تاگوں میں امتیاز نہ ہوا۔ (ان حضرات نے خَيْطِ اَبْيَض اور خَيْطِ اَسْوَد کا معروف معنی سمجھا) پھر اللہ تعالیٰ نے لفظ من الفجر نازل فرمایا

جس سے معلوم ہوا کہ خَيْطِ اَبْيَضُ اور خَيْطِ اَسْوَدْ سے دن اور رات مراد ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۸۷ ج ۱)
معلوم ہوا کہ سحری کھانے کا آخری وقت صبح صادق تک ہے اور چونکہ پوری رات میں جماع کرنے کی بھی اجازت دے
دی گئی اس لیے جماع بھی صبح صادق ہونے تک جائز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ
جب رات کے آخر حصے تک جماع کرنے کی اجازت ہے تو جماع کرنے والا لامحالہ فجر طلوع ہونے کے بعد ہی غسل کرے گا اور
غسل کرنے میں جو وقت خرچ ہو گا اس وقت میں روزہ بھی ہو گا جو صبح صادق سے شروع ہو چکا ہو گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
بیان فرمایا کہ رسول اللہ (ﷺ) کو حالت جنابت میں فجر ہو جاتی تھی۔ پھر آپ روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احتلام کی نہیں
بلکہ جماع کی وجہ سے ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۸ ج ۱) چونکہ جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے اس لیے اگر روزہ میں احتلام ہو
جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اعتکاف کے فضائل اور مسائل:

پھر فرمایا: (وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ) (اور بیویوں سے میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم
اعتکاف کیے ہوئے ہو

اعتکاف کے لغوی معنی کس جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور اصطلاح قرآن وسنت میں خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے اور
قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے، لفظ فِي الْمَسٰجِدِ کے عموم سے ثابت ہوا کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا جس میں جماعت ہوتی
ہو غیر آباد مسجد جہاں جماعت نہ ہوتی ہو اس میں اعتکاف درست نہیں یہ شرط درحقیقت مسجد کے مفہوم ہی سے مستفاد ہے کیونکہ
مساجد کے بنانے کا اصل مقصد جماعت کی نماز ہے ورنہ تنہا نماز تو ہر جگہ دوکان مکان وغیرہ میں ہو سکتی ہے۔

مسجدوں میں) اعتکاف مسنون ہے جو صرف مسجدوں ہی میں ہوتا ہے اور اس کے لیے نیت کرنا بھی ضروری ہے۔
اعتکاف کی نیت کے بغیر مسجد میں جتنا بھی وقت گزارے اعتکاف میں شمار نہ ہو گا۔ اعتکاف کے دنوں میں ایک تو شب قدر میں
بیدار رہنے اور نمازوں میں قیام کرنے کی آسانی ہو جاتی ہے۔ دوسرے مخلوق سے تعلق کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اور خالق تعالیٰ شانہ
ہی کی طرف پوری توجہ رہتی ہے۔ دل وجان سے جسم اور زبان سے عبادت اور تلاوت میں مشغولیت رہتی ہے۔ یہ در پر جا پڑنے
والی بات ہے۔

مسئلہ: روزے کی رات میں کھانا پینا، بی بی سے مباشرت سب کا حلال ہونا اوپر بیان ہوا ہے حالت اعتکاف میں کھانے
پینے کا تو وہی حکم ہے جو سب کے لئے ہے مگر مباشرت نساء کے معاملہ میں الگ ہے کہ وہ رات میں بھی جائز نہیں اس لئے اس
آیت میں اسی کا حکم بتایا گیا ہے۔

مسئلہ: اعتکاف کے دوسرے مسائل کہ اس کے ساتھ روزہ شرط ہے اور یہ کہ اعتکاف میں مسجد سے نکلنا بغیر حاجت طبعی یا
شرعی کے جائز نہیں کچھ اسی لفظ اعتکاف سے مستفاد ہیں کچھ رسول اللہ (ﷺ) کے قول وفعل سے،

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ ......

باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہئے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اُس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں کر رہا ہے، حضرت مجاہد سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ، سدی مقاتل بن حیان، عبدالرحمن بن زید اسلم بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر، بخاری ومسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میں انسان ہوں میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو اور میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے خواہ نہ اٹھائے، میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک بدلتا نہیں، فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا لیکن اس فیصلہ کی بنا پر ناحق کو حق کر لینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا، جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے، کہ تم اپنے دعوے کو باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لئے جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہ گزار کر نا جائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے، قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کے فیصلہ سے جائز مال نہ سمجھ لو یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں اسے بدلہ دلوائے۔ (ابن کثیر)

يَسْئَلُوْنَكَ يا محمدُ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ جَمْعُ هِلَالٍ لِمَ تَبْدُو دَقِيْقَةً ثُمَّ تَزِيْدُ حَتّٰى تَمْتَلِئَ نُوْرًا ثُمَّ تَعُوْدُ كَمَا بَدَتْ وَلَا تَكُوْنُ عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ كَالشَّمْسِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ جَمْعُ مِيْقَاتٍ لِلنَّاسِ يَعْلَمُوْنَ بِهَا اَوْقَاتَ زَرْعِهِمْ وَمَتَاجِرِهِمْ وَعِدَّةِ نِسَائِهِمْ وَصِيَامِهِمْ وَاِفْطَارِهِمْ وَالْحَجِّ ۭ عَطْفٌ عَلَى النَّاسِ اَىْ يُعْلَمُ بِهَا وَقْتُهُ فَلَوِ اسْتَمَرَّتْ عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ لَمْ يُعْرَفْ ذٰلِكَ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا

فِی الْاِحْرَامِ بِاَنْ تَنْقُبُوْا فِیْهَا نَقْبًا تَدْخُلُوْنَ مِنْهُ وَ تَخْرُجُوْنَ وَ تَتْرُکُوا الْبَابَ وَ کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ذٰلِکَ

وَیَزْعَمُوْنَهٗ بِرًّا وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ ای ذَاالْبِرِّ مَنِ اتَّقٰیۚ اللّٰهَ بِتَرْکِ مُخَالَفَتِهٖ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۪ فِی

الْاِحْرَامِ کَغَیْرِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ تَفُوْزُوْنَ وَلَمَّا صُدَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَنِ الْبَیْتِ عَامَ

الْحُدَیْبِیَةِ وَ صَالَحَ الْکُفَّارَ عَلٰی اَنْ یَعُوْدَ الْعَامَ الْقَابِلَ وَ یَخْلُوْا لَهٗ مَکَّةَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَ تَجَهَّزَ لِعُمْرَةِ الْقَضَاءِ

وَخَافُوْا اَنْ لَا تَفِیَ قُرَیْشٌ وَیُقَاتِلُوْهُمْ وَکَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ قِتَالَهُمْ فِی الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ نَزَلَ

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَیْ لِاِعْلَاءِ دِیْنِهٖ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ وَ لَا تَعْتَدُوْاؕ عَلَیْهِمْ بِالْاِبْتِدَاءِ

بِالْقِتَالِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ الْمُتَجَاوِزِیْنَ مَاحُدَّ لَهُمْ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰیَةِ بَرَاءَةٍ اَوْبِقَوْلِهٖ وَ

اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَجَدْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ اَیْ مِنْ مَکَّةَ وَقَدْ فُعِلَ بِهِمْ

ذٰلِکَ عَامَ الْفَتْحِ وَ الْفِتْنَةُ الشِّرْکُ مِنْهُمْ اَشَدُّ اَعْظَمُ مِنَ الْقَتْلِۚ لَهُمْ فِی الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ الَّذِیْ

اِسْتَعْظَمْتُمُوْهُ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَیْ فِی الْحَرَمِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْهِۚ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فِیْهِ

فَاقْتُلُوْهُمْؕ فِیْهِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِلَا اَلِفٍ فِی الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ کَذٰلِکَ الْقَتْلُ وَالْاِخْرَاجُ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ

انْتَهَوْا عَنِ الْکُفْرِ وَاَسْلَمُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾ بِهِمْ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ تُوْجَدَ فِتْنَةٌ

شِرْکٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ الْعِبَادَةُ لِلّٰهِؕ وَحْدَهٗ لَا یُعْبَدُ سِوَاهُ فَاِنِ انْتَهَوْا عَنِ الشِّرْکِ فَلَا تَعْتَدُوْا عَلَیْهِمْ

دَلَّ عَلٰی هٰذَا فَلَا عُدْوَانَ اِعْتِدَاءَ بِقَتْلٍ اَوْ غَیْرِهٖ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾ وَمَنِ انْتَهٰی فَلَیْسَ بِظَالِمٍ فَلَا عُدْوَانَ

عَلَیْهِ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ الْمُحَرَّمُ مُقَابَلٌ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ فَکَمَا قَاتَلُوْکُمْ فِیْهِ فَاقْتُلُوْهُمْ فِیْ مِثْلِهٖ رَدٌّ لِاِسْتِعْظَامِ

الْمُسْلِمِیْنَ ذٰلِکَ وَ الْحُرُمٰتُ جَمْعُ حُرْمَةٍ مَایَجِبُ اِحْتِرَامُهٗ قِصَاصٌؕ اَیْ یُقْتَصُّ بِمِثْلِهَا اِذَا انْتُهِکَتْ

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ بِالْقِتَالِ فِی الْحَرَمِ اَوِالْاِحْرَامِ اَوِالشَّهْرِ الْحَرَامِ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی

عَلَیْکُمْ۪ سَمّٰی مُقَابَلَتَهٗ اِعْتِدَاءً لِشِبْهِهَا بِالْمُقَابَلِ بِهٖ فِی الصُّوْرَةِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِی الْاِنْتِصَارِ وَ تَرْکِ

الْاِعْتِدَاءِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ طَاعَتِهٖ الْجِهَادَ

وَغَيْرِهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ أَيْ أَنْفُسَكُمْ وَالْبَاءُ زَائِدَةٌ إِلَى التَّهْلُكَةِ الْهَلَاكِ بِالْإِمْسَاكِ عَنِ النَّفَقَةِ فِي مَعَ الْجِهَادِ أَوْ تَرْكِهِ لِأَنَّهُ يُقَوِّي الْعَدُوَّ عَلَيْكُمْ وَأَحْسِنُوا بِالنَّفَقَةِ وَغَيْرِهَا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾ أَيْ يُثِيبُهُمْ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ أَدُّوهُمَا بِحُقُوقِهِمَا فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ مُنِعْتُمْ عَنْ إِتْمَامِهِمَا بِعَدُوٍّ أَوْ نَحْوِهِ فَمَا اسْتَيْسَرَ تَيَسَّرَ مِنَ الْهَدْيِ عَلَيْكُمْ وَهُوَ شَاةٌ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ أَيْ لَا تَتَحَلَّلُوا حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ الْمَذْكُورُ مَحِلَّهُ حَيْثُ يَحِلُّ ذَبْحُهُ وَهُوَ مَكَانُ الْإِحْصَارِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رحمه الله فَيَذْبَحُ فِيهِ بِنِيَّةِ التَّحَلُّلِ وَيُفَرِّقُ عَلَى مَسَاكِينِهِ وَيَحْلِقُ وَبِهِ يَحْصُلُ التَّحَلُّلُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ كَقَمْلٍ وَصُدَاعٍ فَحَلَقَ فِي الْإِحْرَامِ فَفِدْيَةٌ عَلَيْهِ مِنْ صِيَامٍ لِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ صَدَقَةٍ لِثَلَاثَةِ آصُعٍ مِنْ غَالِبِ قُوتِ الْبَلَدِ عَلَى سِتَّةِ مَسَاكِينَ أَوْ نُسُكٍ أَيْ ذَبْحِ شَاةٍ وَأَوْ لِلتَّخْيِيرِ وَأُلْحِقَ بِهِ مَنْ حَلَقَ بِغَيْرِ عُذْرٍ لِأَنَّهُ أَوْلَى بِالْكَفَّارَةِ وَكَذَا مَنِ اسْتَمْتَعَ بِغَيْرِ الْحَلْقِ كَالطِّيبِ وَاللُّبْسِ وَالدُّهْنِ لِعُذْرٍ أَوْ غَيْرِهِ فَإِذَا أَمِنْتُمْ الْعَدُوَّ بِأَنْ ذَهَبَ أَوْ لَمْ يَكُنْ فَمَنْ تَمَتَّعَ اسْتَمْتَعَ بِالْعُمْرَةِ أَيْ بِسَبَبِ فَرَاغِهِ مِنْهَا وَالتَّحَلُّلِ عَنْهَا بِمَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ إِلَى الْحَجِّ أَيِ الْإِحْرَامِ بِهِ أَنْ يَكُونَ أَحْرَمَ بِهَا فِي أَشْهُرِهِ فَمَا اسْتَيْسَرَ تَيَسَّرَ مِنَ الْهَدْيِ عَلَيْهِ وَهُوَ شَاةٌ يَذْبَحُهَا بَعْدَ الْإِحْرَامِ بِهِ وَالْأَفْضَلُ يَوْمَ النَّحْرِ فَمَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْيَ لِفَقْدِهِ أَوْ فَقْدِ ثَمَنِهِ فَصِيَامُ أَيْ فَعَلَيْهِ صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ أَيْ فِي حَالِ إِحْرَامِهِ بِهِ فَيَجِبُ حِينَئِذٍ أَنْ يُحْرِمَ قَبْلَ السَّابِعِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ وَالْأَفْضَلُ قَبْلَ السَّادِسِ لِكَرَاهَةِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ لِلْحَاجِّ وَلَا يَجُوزُ صَوْمُهَا أَيَّامَ التَّشْرِيقِ عَلَى أَصَحِّ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رحمه الله وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَى وَطَنِكُمْ مَكَّةَ أَوْ غَيْرِهَا وَقِيلَ إِذَا فَرَغْتُمْ مِنْ أَعْمَالِ الْحَجِّ وَفِيهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ جُمْلَةٌ تَاكِيدٌ لِمَا قَبْلَهَا ذٰلِكَ الْحُكْمُ الْمَذْكُورُ مِنْ وُجُوبِ الْهَدْيِ أَوِ الصِّيَامِ عَلَى مَنْ تَمَتَّعَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِأَنْ لَمْ يَكُونُوا عَلَى مَرْحَلَتَيْنِ مِنَ الْحَرَمِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رحمه الله فَإِنْ كَانَ فَلَا دَمَ عَلَيْهِ وَلَا صِيَامَ وَإِنْ تَمَتَّعَ وَفِي ذِكْرِ الْأَهْلِ إِشْعَارٌ بِاشْتِرَاطِ الْاِسْتِيطَانِ فَلَوْ أَقَامَ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ وَلَمْ يَسْتَوْطِنْ وَتَمَتَّعَ

فَعَلَيْهِ ذٰلِكَ وَهُوَ اَحَدُ الْوَجْهَيْنِ عِنْدَنَا وَالثَّانِيْ لَا وَالْاَهْلُ كِنَايَةٌ عَنِ النَّفْسِ وَالْحِقَ بِالْمُتَمَتِّعِ فِيْمَا ذُكِرَ بِالسُّنَّةِ الْقَارِنُ وَهُوَ مَنْ يُّحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا اَوْ يُدْخِلُ الْحَجَّ عَلَيْهَا قَبْلَ الطَّوَافِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖ وَيَنْهٰكُمْ عَنْهُ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ لِمَنْ خَالَفَهٗ

ع ٨

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) آپ سے لوگ چاندوں کا حال پوچھتے ہیں (اھلۃ جمع ہے ہلال کولوگ پوچھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیاوجہ ہے کہ چاند پہلے تو باریک سا ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ بھر جاتا ہے نور سے یعنی چودھویں رات کا چاند ہو جاتا ہے پھر عود کرتا ہے یعنی باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ شروع ہوا تھا اور سورج کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا ہے) آپ فرما دیجئے (ان لوگوں سے) کہ یہ چاند شناخت اوقات کا آلہ (ذریعہ) ہے (مَوَاقِيْتُ جمع ہے میقات کی) لوگوں کے لئے (اس کے ذریعہ لوگ اپنی کھیتی کے اوقات اور تجارت کے اوقات اور اپنی عورتوں کی عدت اور اپنے روزہ و افطار کے اوقات یعنی رمضان وشوال معلوم کرتے ہیں) اور حج کے لئے (اس کا عطف الناس پر ہے یعنی اس کے ذریعہ حج کا وقت (شوال، ذیقعدہ اور عشرہ ذی الحجہ) جانا جاتا ہے۔ پس اگر ایک حالت پر رہتا تو یہ مذکورہ چیزیں نہیں معلوم ہوسکتیں) اور یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں سے آ ؤان کی پشت کی طرف سے (احرام کی حالت میں بایں طور کہ گھر میں ایک نقب لگا کر اس سے اندر جاتے اور باہر نکلتے اور دروازہ کو چھوڑ دیتے، اور یہ لوگ اس طرح کی حرکت کرتے تھے اور اس کو نیکی سمجھتے تھے) ولیکن نیکی (نیکی والا یعنی نیک) وہ ہے جو اللہ سے ڈرے (مخالفت یعنی نافرمانی سے بچ کر) اور مکانوں میں داخل ہوا کرو ان کے دروازوں سے (بحالت احرام بھی غیر احرام کی طرح) اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو (تُفْلِحُوْنَ بمعنی تَفُوْزُوْنَ ہے)۔ اور جب نبی اکرم ﷺ حدیبیہ کے سال یعنی ٦ ہجری میں بیت اللہ کی حاضری سے روک دیئے گئے چونکہ اس وقت مکہ معظمہ کافروں کے قبضہ میں تھا چنانچہ آنحضور ﷺ مع صحابہ کرام ؓ کئی روز ٹھہرے اور رکے رہے) اور کافروں نے اس امر پر آپ سے صلح کی کہ آئندہ سال آپ واپس تشریف لائیں آپ کے لئے مکہ کو خالی کر دیں گے آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے لئے حسب مصالحت ٧ ہجری میں تیاری کی تو صحابہ کرام کو خوف ہوا کہ کہیں مشرکین مکہ معاہدہ پورا نہ کریں اور ان سے جنگ کرنے لگیں اور مسلمان مکروہ یعنی ممنوع جانتے تھے ان سے جنگ کرنے کو مقام حرم میں اور احرام کی حالت میں اور ماہ حرام کے اندر (کیونکہ اس وقت اشہر حرم میں قتل وقتال حرام وممنوع تھے اس لیے مسلمان اسی تردد میں پریشان تھے کہ اگر کفار قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے قتل وقتال شروع کر دیا تو ہم کیا کریں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اور لڑو اللہ کی راہ میں (اللہ کے دین کو بلند کرنے کی خاطر) ان لوگوں سے جو تم سے لڑائی کریں (یعنی کافروں سے جو عہد شکنی کر کے تم سے لڑیں) وَلَا تَعْتَدُوْا اور حد سے تجاوز نہ کرو (ان پر ابتداء قتال کے ذریعہ) بیشک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے کو پسند نہیں کرتے ہیں (یعنی جو حد ان کے لئے مقرر کر دی گئی اس سے جو لوگ تجاوز کرنے والے ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ارادہ خیر نہیں رکھتے ہیں) اور یہ آیت منسوخ ہے سورہ براءۃ (توبہ) کی آیت ٣٦: وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ

تعالیٰ ہے (پ ۱۰) مطلب یہ ہے کہ بقرہ کی مذکورہ آیت: ۱۹۰ میں جو ابتدائے قتال کی ممانعت تھی وہ سورۂ توبہ کی اس آیت سے منسوخ ہے جس کے معنی ہیں ان مشرکوں سے لڑو سب سے جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں سورۂ براءۃ کی اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے تنگی دور کر کے وسعت عنایت فرمادی کہ مشرکوں پر جارحانہ حملہ بھی کر سکتے ہو جب تک کہ فتنہ کفر سے باز نہ آئیں۔ اَوْ بِقَوْلِهٖ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ الخ۔ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا (یعنی مکہ سے، اور بیشک دو برس کے بعد فتح مکہ کے سال ان کو نکال باہر کیا گیا) اور فتنہ یعنی ان لوگوں کو شرک کرنا زیادہ سخت (عظیم تر) ہے قتل سے (یعنی مقام حرم یا احرام کی حالت میں ان کے قتل کئے جانے سے جس کو تم عظیم سمجھ رہے ہو کہیں زیادہ سخت اور عظیم تر فتنہ ان کا شرک کرنا ہے اس لئے کہ شرک خلود فی النار کا سبب ہے بخلاف قتل کے) وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: اور ان سے نہ لڑو مسجد حرام کے پاس (حرم میں) جب تک کہ وہ لڑیں تم سے اس جگہ پس اگر وہ لڑیں تم سے تو ان کو قتل کرو (حرم میں اور ایک قراءت میں بغیر الف کے ہے ہر سہ افعال میں یعنی وَلَا تُقْتُلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقْتُلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قَتَلُوْكُمْ) یہی (قتل و اخراج) سزا ہے کافروں کی مطلب یہ ہے کہ جیسا انہوں نے کیا ہے ایسا ہی ان کے ساتھ کیا جائے) فَاِنِ انْتَهَوْا الخ پھر اگر وہ باز آ جائیں (کفر سے اور اسلام قبول کر لیں) تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے (نہ پایا جائے) فساد (شرک) اور رہ جائے دین (عبادت) اللہ ہی کا (صرف کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے) پھر اگر وہ لوگ باز آ جائیں (شرک سے تو ان پر زیادتی مت کرو، اسی پر اگلا جملہ فَلَا عُدْوَانَ دلالت کر رہا ہے) فَلَا عُدْوَانَ الخ تو زیادتی کسی پر نہیں (قتل یا اس کے علاوہ اور زیادتی نہیں کرنی چاہئے) مگر ظالموں پر (اور جو باز آ جائے وہ ظالم نہیں رہا پس اس پر زیادتی بھی نہیں ہوگی) اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ الخ حرمت والا مہینہ (حرام بمعنی محرم یعنی جس میں قتال حرام ہے، مقابل یعنی بدلہ ہے حرمت والے مہینہ کا (پس جیسے ان لوگوں نے تم سے قتال کیا ماہ حرام میں تو تم بھی ان لوگوں کو قتل کرو اسی کی مثل میں یعنی اگر مشرکین ماہ حرام کی پرواہ نہ کریں اور تم سے قتال کریں تو تم بھی قتال کرو۔ اِسْتِعْظَامِ الْمُسْلِمِيْنَ ذٰلِكَ۔ یہ جواب ہے مسلمان کے اس جوابی جنگ کو ناگوار سمجھنے کا (اور حرمتیں (حرمات حرمۃ کی جمع ہے وہ چیز جس کا احترام واجب ہو) معاوضہ کی چیزیں ہیں (یعنی جب کسی حرمت کی پردہ دری ہوگی تو اس کے مثل بدلہ لیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے ساتھ اس حرمت کی رعایت کرے تو تم بھی رعایت کرو) پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے (قتال کے ذریعہ یا حالت احرام یا ماہ احرام میں) تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے (اعتداء یعنی زیادتی کی جزا اور بدلہ کو بھی اعتداء سے تعبیر کیا گیا ہے صرف صوری مشابہت کی وجہ سے) اور اللہ سے ڈرتے ہو (بدلہ لینے میں اور زیادتی کے ترک کرنے میں اور خوب جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے (مدد اور نصرت کے لحاظ سے) اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں (یعنی اس کی طاعت میں جیسے جہاد وغیرہ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو (یعنی اپنے آپ کو، با یدیکم باء زائدہ ہے) ہلاکت میں (تہلکۃ مصدر بمعنی ہلاکت ہے یعنی جہاد میں اخراجات کو روک کر یا ترک جہاد کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو کیونکہ اس سے دشمن تم پر قوی ہو جائے گا) اور نیکی کرو (جہاد میں خرچ کرنے وغیرہ سے) بیشک اللہ پسند کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (یعنی ان کو ثواب عنایت فرمائیں گے)۔ اور پورا کرو حج اور

عمرہ اللہ کے واسطے (ادا کرو دونوں کو دونوں کے حقوق کے ساتھ) یعنی جملہ شرائط وارکان کے ساتھ خالص ثواب ہی کی نیت ہے) پھر اگر تم روک دیئے جاؤ (کسی دشمن یا اس کے مانند مرض کی وجہ سے حج وعمرہ پورا کرنے سے) تو جو کچھ میسر ہو (آسان ہو) قربانی کے جانور سے (تم پر، اور وہ بکری ہے) اور اپنے سروں کو مت منڈاؤ (یعنی حلال نہ ہو) تاوقتیکہ قربانی (مذکور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے (یعنی جہاں اس قربانی کا ذبح کرنا حلال ہوگا اور وہ مقام ذبح مکان احصار یعنی رکنے کی جگہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک خواہ احصار حل ہو یا حرم چنانچہ حلال ہونے کی نیت سے وہیں ذبح کرے اور مسکینوں پر تقسیم کردے اور حلق کرالے یعنی سر منڈوالے اور اسی سے تحلیل یعنی حلال ہونا حاصل ہو جائے گا (بِهٖ يَحْصُلُ التَّحَلُّلُ) مفسرؒ کا قول به ای المذکور من الامرین یحصل التحلل۔ مطلب یہ ہے کہ قربانی کے ذبح ہونے اور سر منڈانے پر حلال ہو جائے گا۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو سر کی تکلیف ہو (جیسے جوئیں پڑ جائیں یا دردسر ہو جائے پھر اس بیماری یا تکلیف کی وجہ سے احرام کی حالت میں سر منڈالے) تو فدیہ ہے (یعنی اس پر فدیہ واجب ہے) روزے کا (تین دن کے) یا صدقے دے (تین صاع غلہ جو وہاں بکثرت رائج ہو چھ مسکینوں پر، ایک صاع ہمارے اسی تولہ کے سیر کے حساب سے تقریباً ساڑھے تین سیر گندم ہوتے ہیں تو گندم دے یا اس کی قیمت صدقہ کر دینا بھی کافی ہے) اَوْ نُسُكٍ ۚ یا قربانی کرے (یعنی بکری ذبح کرے حدود حرم میں، اور لفظ او تخییر کے لیے ہے یعنی فدیہ ان تین چیزوں کا اختیار ہے کہ خواہ تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو فی مسکین صدقہ فطر کے برابر نصف صاع گیہوں دے یا ایک جانور کی قربانی کرے خواہ بکری ہو یا اونٹ کا ساتواں حصہ وغیرہ اور اسی حکم میں لاحق ہوگا وہ شخص جس نے بلا عذر سر منڈا لیا تو بطریق اولیٰ اس کو کفارہ ادا کرنا ہوگا اور اسی طرح جس نے حلق (سر منڈانے) کے علاوہ فائدہ حاصل کرلیا جیسے خوشبو یا سلا ہوا لباس یا تیل استعمال کرلیا عذر سے یا بلا عذر سے کہ وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو (یعنی بے خوف ہو گئے دشمن سے بایں طور کہ دشمن چلا گیا یا یہ کہ نہیں تھا مطلب یہ ہے کہ خواہ پہلے ہی سے کوئی خوف پیش نہیں آیا شروع ہی سے امن میں تھا یا ہو کر جاتا رہا) فَمَنْ تَمَتَّعَ تو جس نے فائدہ اٹھایا (نفع حاصل کیا) عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر (یعنی بسبب فارغ ہونے اس کے عمرہ سے ممنوعات احرام میں ممنوع تھیں۔ اِلَى الْحَجِّ ۔ حج کے ساتھ ملا کر (یعنی احرام حج کے ساتھ ملا کر اس طرح پر کہ عمرہ کا احرام ایام حج میں باندھ لے۔ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ ۔ تو جو کچھ میسر (آسان) ہو قربانی سے (اس پر لازم یعنی واجب ہے، وہ قربانی ایک بکری ہے جس کو احرام کے بعد ذبح کرے گا اور اس کے لئے افضل قربانی کا دن ہے) پھر جو شخص ہدی نہ پائے (یعنی قربانی کا جانور میسر نہ ہو خواہ جانور نہ ملنے کی وجہ سے یا دام نہ ہونے کی وجہ سے) تو روزے ہیں (اس پر واجب) تین دن ایام حج میں (یعنی حج کے احرام کی حالت میں، پس اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ساتویں ذی الحجہ سے پہلے احرام باندھے اور افضل یہ ہے کہ چھ ذی الحجہ سے پہلے احرام باندھے کیونکہ یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ مکروہ ہے اور امام شافعیؒ کے اصح القولین پر ایام تشریق کے روزے جائز نہیں ہیں) اور سات روزے جب کہ تم لوٹو (اپنے وطن کی طرف خواہ مکہ ہو یا اس کے علاوہ اور بعض نے یعنی احناف نے رَجَعْتُمْ ۭ کے معنی اِذَا فَرَغْتُمْ لیے ہیں یعنی جب تم افعال حج سے فارغ ہو جاؤ خواہ لوٹنا ہو یا وہیں رہنا ہو، اور اس رَجَعْتُمْ ۭ

میں التفات ہے غیب سے خطاب کی طرف) یہ پورے دس روزے ہوئے (یہ جملہ یعنی تِلْكَ مبتدا اور عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ خبر
یہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ ماقبل میں تین روزے اور سات روزے مذکور ہوئے اس کی تاکید ہے) یہ (حکم
مذکور یعنی حج تمتع کرنے والوں پر ھدی یا روزے کا واجب ہونا) اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام یعنی کعبہ کے
پاس نہ رہتے ہوں مطلب یہ ہے کہ غیر ملکی آفاقی ہو اس طرح پر کہ حرم سے ان کا فاصلہ دو مرحلوں سے کم نہ ہو مطلب یہ ہے کہ جن
کا وطن مکہ سے شرعی سفر کی مسافت پر ہو امام شافعیؒ کے نزدیک، پس اگر ہے یعنی دو مرحلہ سے متمتع کے گھر کا فاصلہ کم ہے تو اس پر
نہ دم واجب ہے نہ روزہ اور اھل کے ذکر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وطن بنانا شرط ہے پس اگر کسی نے حج سے چند مہینہ
پہلے قیام کر لیا مگر وطن نہیں بنایا اور تمتع کی نیت کی تو اس پر یہ حکم آئے گا یعنی قربانی واجب ہوگی اور یہ امام شافعیؒ کے دو قول میں
سے ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب نہیں ہوگا، اور اھل کنایہ نفس یعنی اپنی ذات سے ہے اور متمتع کے ساتھ حکم مذکور
(وجوب دم) میں بحکم حدیث قارن بھی شامل ہے۔ اور قارن وہ شخص ہے جس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا
طواف عمرہ سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا ہو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (جس کا تم کو حکم دیتے ہیں اور جس سے تم کو منع کرتے ہیں
(مطلب یہ ہے کہ اوامر ونواہی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ کسی امر میں خلاف نہ ہو جائے) اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت
سزا دینے والے ہیں (مخالفت کرنے والوں کو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هِلَالٍ: اس سے اشارہ کیا کہ الْاَهِلَّةِ کی طرف اضافت ونسبت وہ قدرت کی حکمت ہے غایت نہیں۔

قوله: فِي الْإِحْرَام: اس کو مقدر مان کر اشارہ لَيْسَ الْبِرُّ کے ساتھ اتصال کی وجہ بیان کر دیا۔

قوله: مَنِ اتَّقٰى: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں تقویٰ اپنے شرعی معنی میں ہے نہ کہ لغوی معنی صیانت میں۔

قوله: لِاعْلَاءِ دِيْنِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ سَبِيْلِ کا لفظ جس کا معنی راستہ ہے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے کلمہ کے لیے
استعمال کیا گیا، اس لیے کہ یہی مؤمن کو رضائے الٰہی تک پہنچانے والا ہے۔

قوله: اَعْظَمُ: اس سے اشارہ کیا کہ شدة کا لفظ برائی میں بڑائی کے لیے استعمال ہے، قوت کے معنی میں نہیں آتا۔

قوله: فِي الْحَرَمِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ خاص کو ذکر کر کے عام اور جزء کو ذکر کر کے کل مراد لینے کی قسم سے ہے۔

قوله: اَلْقَتْلُ وَالْاِخْرَاجُ: اس سے اشارہ کیا کہ کاف یہ مثل کے معنی میں ہے۔

قوله: عَنِ الْكُفْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ جس سے ان کو باز آنے کا کہا گیا وہ کفر ہے نہ کہ قتال، ورنہ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس
پر مرتب نہیں ہوتا۔

قوله: شِرْكٌ: اس سے اشارہ کیا کہ قٰتِلُوْهُمْ کی ضمیر الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ کی طرف راجع ہے اور وہی قَاتِلُوا الَّذِيْنَ کا
معطوف ہے۔

قوله: اَلْعِبَادَةُ: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے مراد احکام شرعیہ نہیں کیونکہ وہ تو بندوں کے لیے مشروع ہیں۔

قوله: عَنِ الشِّرْكِ: اس کے ساتھ قتال کو یہاں نہیں ملایا کیونکہ یہ غایت کے مفہوم کی تصریح ہے، غایت سے مراد حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ہے۔

قوله: اِعْتِدَاءٌ: کہہ کر ظاہر کیا کہ عُدْوَانَ یہاں مصدر ہے، صفت مشبہ نہیں ہے۔

قوله: مُقَابَلٌ: اس سے اشارہ کیا کہ با مقابلہ کا معنی دے رہی ہے جیسے بعت ھذا بذالک میں ہے۔ یہ سببیہ نہیں ہے۔

قوله: فَكَمَا قَاتَلُوْكُمْ: اس میں اشارہ کر دیا کہ الشھر بن دونوں میں مضاف مقدر ہے۔ ای قتل الشھر الحرام بقتل الشھر الحرام۔

قوله: اِذَا انْتُهِكَتْ: مجہول کے صیغہ سے لانا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ یہ بے حرمتی ایسے آدمی کی طرف سے پائی جارہی ہے جو صاحب قصاص نہیں، یعنی کافر۔

قوله: اَنْفُسَكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ بِاَيْدِيْكُمْ یہاں اعضاء کے معنی میں نہیں بلکہ ذات کے معنی میں ہے۔

قوله: اَلْهَلَاكِ: اس سے اشارہ کیا کہ التَّهْلُكَةِ مصدر نادر الوجود ہے وہ یہاں هَلَاكِ ہی کے معنی میں ہے۔

قوله: بِالنَّفَقَةِ: کہ یہاں احسان تفضل کے معنی میں ہے کیونکہ یہ بااور لام سے متعدی ہوتا ہے۔

قوله: يُثِيْبُهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے مراد ثواب دینا ہے کیونکہ وہ نتیجہ محبت ہے۔

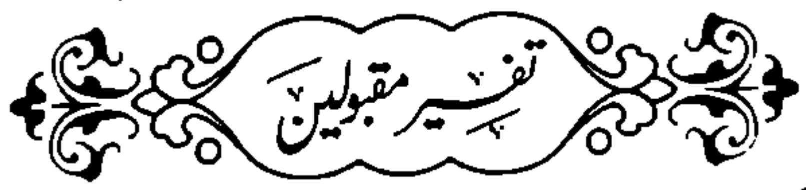
قوله: تَيَسَّرَ: اس سے اشارہ کیا کہ سین یہاں طلب کے معنی کے لیے نہیں بلکہ تاکید کے لیے ہے۔

قوله: لَا تَحْلِقُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ حلق سر منڈوانا یہ حلال سے کنایہ ہے کیونکہ حل میں جو شخص روک لیا جائے جب اس کا جانور حرم میں ذبح کر دیا جائے تو وہ اپنے احرام سے حلال ہو گیا۔

قوله: حَيْثُ يَحِلُّ ذَبْحُهُ: اس سے ہدی کے حلال ہونے کے مقام تک پہنچنا ہے، یہ ذبح سے کنایہ ہے کیونکہ بلوغ محل کا معنی حصول مقصود معروف ہے۔

قوله: عَلَيْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ فَفِدْيَةٌ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ خبر کو مقدر ماننا پڑا کیونکہ جزاء شرط جملہ ہوتی ہے۔

قوله: اِسْتَمْتَعَ: اس سے اشارہ کیا کہ تمتع یہاں لغوی معنی نفع اٹھانا، میں ہے نہ کہ شرعی معنی میں۔



يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ....

آیت مذکورہ میں ذکر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ (ﷺ) سے اَہِلَّۃِ یعنی شروع مہینے کے چاند کے متعلق سوال کیا کہ اس کی صورت آفتاب سے مختلف ہے کہ وہ کبھی باریک ہلالی شکل میں ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ بڑھتا ہے پھر

پورا دائرہ ہو جاتا ہے پھر اس میں تدریجی کمی اسی طرح آتی ہے اس کی حقیقت دریافت کی یا حکمت ومصلحت کا سوال کیا دونوں احتمال ہیں مگر جو جواب دیا گیا اس میں حکمت ومصلحت کا بیان ہے اگر سوال ہی یہ تھا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں حکمت ومصلحت کیا ہے تب تو جواب اس کے مطابق ہو ہی گیا اور اگر سوال سے اس گھٹنے بڑھنے کی حقیقت دریافت کرنا مقصود تھا جو صحابہ کرام کی شان سے بعید ہے تو پھر جواب بجائے حقیقت کے حکمت ومصلحت بیان کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اجرام سماویہ کے حقائق دریافت کرنا انسان کے بس میں بھی نہیں اور ان کا کوئی دینی یا دنیوی کام اس حقیقت کے علم پر موقوف بھی نہیں اس لئے حقیقت کا سوال فضول ہے پوچھنے اور بتلانے کی بات یہ ہے کہ چاند کے اس طرح گھٹنے بڑھنے چھپنے اور طلوع ہونے سے ہمارے کون سے مصالح وابستہ ہیں اس لئے جواب میں رسول اللہ (ﷺ) کو یہ ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری مصالح جو چاند سے وابستہ ہیں یہ ہیں کہ اس کے ذریعہ تمہیں اپنے معاملات اور معاہدوں کی میعاد مقرر کرنا اور حج کے ایام معلوم کرنا آسان ہو جائے گا۔

قمری اور شمسی حساب کی شرعی حیثیت:

اس آیت سے تو اتنا معلوم ہوا کہ چاند کے ذریعہ تمہیں تاریخوں اور مہینوں کا حساب معلوم ہو جائے گا جس پر تمہارے معاملات اور عبادات حج وغیرہ کی بنیاد ہے اسی مضمون کو سورۂ یونس کی آیت نمبر ۵ میں اس عنوان سے بیان فرمایا ہے: وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (یونس) جس سے معلوم ہوا کہ چاند کو مختلف منزلوں اور مختلف حالات سے گزارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سال اور مہینوں اور تاریخوں کا حساب معلوم ہو سکے مگر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۲ میں اس حساب کا تعلق آفتاب سے بھی بتلایا گیا ہے وہ یہ ہے: فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (۱۷:۱۲) پھر مٹا دیا رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب۔

اس تیسری آیت سے اگرچہ یہ ثابت ہوا کہ سال اور مہینوں وغیرہ کا حساب آفتاب سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

(کما ذکرہ فی روح المعانی)

لیکن چاند کے معاملہ میں جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ان سے واضح اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ شریعت اسلام میں حساب چاند ہی کا متعین ہے خصوصاً ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینے اور اس کی تاریخوں سے ہے جیسے روزہ رمضان، حج کے مہینے، حج کے ایام، محرم، شب براءت وغیرہ سے جو احکام متعلق ہیں وہ سب رؤیت ہلال سے متعلق کئے گئے ہیں کیونکہ اس آیت میں: هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ فرما کر بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حساب چاند ہی کا معتبر ہے اگرچہ یہ حساب آفتاب سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

شریعت اسلام نے چاند کے حساب کو اس لئے اختیار فرمایا کہ اس کو ہر آنکھوں والا افق پر دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے عالم، جاہل، دیہاتی، جزیروں، پہاڑوں کے رہنے والے جنگلی سب کو اس کا علم آسان ہے بخلاف شمسی حساب کے کہ وہ آلات

رصد یہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا پھر عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا جو عبادت اسلامی کا ذریعہ ہے اور ایک طرح کا اسلامی شعار ہے اگرچہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا شرط یہ ہے کہ اس کا رواج اتنا عام نہ ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات روزہ و حج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے جیسا اس زمانے میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی اور شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پورے یاد نہیں رہے یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرت قومی و ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے ان میں صرف شمسی حساب رکھیں باقی نجی خط و کتابت اور روزمرہ کی ضروریات میں قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔ (معارف القرآن)

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ.....

بعض لوگ قبل اسلام کے حالت احرام میں حج میں اگر کسی ضرورت سے گھر جانا چاہتے تو دروازے سے جانا ممنوع سمجھتے اس لیے پشت کی دیوار میں نقب دے کر اس میں سے اندر جاتے تھے اور اس عمل کو فضیلت سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو اس سے ایک بڑے کام کی بات معلوم ہوئی کہ جو شے شرعاً مباح ہو اس کو طاعت و عبادت اعتقاد کر لینا اور اسی طرح اس کو معصیت اور محل ملامت اعتقاد کر لینا شرعاً مذموم ہے اور بدعت میں داخل ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ....

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے وقت سے مکہ دارالامن تھا، کوئی اپنے دشمن کو بھی مکہ میں پاتا تو کچھ نہ کہتا اور اشہر حرام یعنی ذی القعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب یہ چاروں مہینے بھی امن کے تھے ان میں تمام ملک عرب میں لڑائی موقوف ہو جاتی اور کوئی کسی کو کچھ نہ کہتا۔ ذی القعدہ ٦ ہجری میں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جماعت صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے قصد سے مکہ کی زیارت کو تشریف لائے جب آپ مکہ کے نزدیک پہنچے تو مشرکین جمع ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے اور مسلمانوں کو روک دیا آخر کو اس پر صلح ہوئی کہ اب تو بدون زیارت واپس ہو جائیں اور اگلے برس آ کر عمرہ کریں اور تین روز اطمینان سے مکہ میں رہیں۔ جب دوسرے برس ذی القعدہ ٧ ہجری میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ کا قصد فرمایا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب کو یہ اندیشہ تھا کہ اہل مکہ اگر اب بھی وعدہ خلافی کر کے لڑنے بھڑنے کو تیار ہو گئے تو پھر ہم کیا کریں گے لڑیں تو شہر حرام اور حرم مکہ میں کیونکر لڑیں اور نہ لڑیں تو عمرہ کیسے کریں اس پر حکم الٰہی آیا کہ اگر وہ اس مہینہ حرام میں خلاف عہد تم سے لڑیں تو تم بھی بے تامل ان سے لڑو ہاں تمہاری طرف سے ابتداء اور زیادتی نہ ہونی چاہیے حج کے ذیل میں عمرہ حدیبیہ کی مناسبت سے قتال کفار کا ذکر آیا اس لئے جہاد کے بعض احکام و آداب مناسب مقام مذکور فرمائے جاتے ہیں اسکے بعد پھر حج کے احکام بیان ہوں گے۔ (عثمانی)

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ......

جب صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق رسول اللہ (ﷺ) نے صحابہ کرام کے ساتھ اس عمرہ کی قضاء کے لئے سفر کا ارادہ کیا جس سے اس سے پہلے سال میں کفار مکہ نے روک دیا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس سفر کے وقت یہ خیال ہو رہا تھا کہ کفار کی صلح اور معاہدہ کا کچھ بھروسہ نہیں اگر وہ لوگ اس سال بھی آمادہ پیکار ہو گئے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے اس پر آیت مذکورہ کے الفاظ نے ان کو اجازت دے دی کہ اگر وہ قتال کرنے لگیں تو تمہیں بھی اجازت ہے کہ جہاں پاؤ ان کو قتل کرو اور اگر قدرت میں ہو تو جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا تم بھی ان کو مکہ سے نکال دو۔

اور پوری مکی زندگی میں جو مسلمانوں کو کفار کے ساتھ مقابلہ سے روکا ہوا تھا اور ہمیشہ عفو و درگزر کی تلقین ہوتی رہی تھی اس لئے صحابہ کرام کو اس آیت کے نازل ہونے سے یہی خیال تھا کہ کسی کافر کو قتل کرنا برا اور ممنوع ہے اس خیال کے ازالہ کے لئے فرمایا: وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ یعنی یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ کسی کو قتل کرنا سخت برا کام ہے مگر کفار مکہ کا اپنے کفر و شرک پر جمار ہنا اور مسلمانوں کو ادائے عبادت حج و عمرہ سے روکنا اس سے زیادہ سخت و شدید ہے اس سے بچنے کے لئے ان کو قتل کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے آیت میں لفظ فتنہ سے کفر و شرک اور مسلمانوں کو ادائے عبادت سے روکنا ہی مراد ہے۔

(جصاص، قرطبی وغیرہ)

البتہ اس آیت کے عموم سے جو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ کفار جہاں کہیں ہوں ان کا قتل کرنا جائز ہے اس عموم کی ایک تخصیص آیت کے اگلے جملے میں اس طرح کر دی گئی: وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ. یعنی مسجد حرام کے آس پاس جس سے مراد پورا حرم مکہ ہے اس میں تم ان لوگوں سے اس وقت تک قتال نہ کرو جب تک وہ خود قتال کی ابتداء نہ کریں۔

مسئلہ: حرم مکہ میں انسان کیا کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں لیکن اسی آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حرم محترم میں کوئی آدمی دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتال کرنا جائز ہے اس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتداء جہاد و قتال کی ممانعت صرف مسجد حرام کے آس پاس حرم مکہ کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے مقامات میں جیسے دفاعی جہاد ضروری ہے اسی طرح ابتدائی جہاد و قتال بھی درست ہے۔

اس کے بعد فرمایا: (فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) یعنی اگر مشرکین کفر اور شرک سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو (اھل اسلام سے قتال بھی نہ کریں گے) اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (وہ سب کی توبہ قبول فرماتا ہے)۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ ....

حرمت کا مہینہ یعنی ذیقعدہ کہ جس میں عمرہ کی قضا کرنے جا رہے ہو بدلہ ہے اس حرمت کے مہینہ یعنی ذیقعدہ کا کہ سال گزشتہ میں اسی مہینہ کے اندر کفار مکہ نے تم کو عمرہ سے روک دیا تھا اور مکہ میں جانے نہ دیا تھا یعنی اب تم شوق سے ان سے بدلہ لو کیونکہ ادب اور حرمت رکھنے میں تو برابری ہے یعنی اگر کوئی کافر ماہ حرام کی حرمت کرے اور اس مہینہ میں تم سے نہ لڑے تو تم بھی

ایسا ہی کرو مکہ والے جو سال گزشتہ میں تم پر ظلم کر چکے اور نہ ماہ حرام کی حرمت کی نہ حرم مکہ کی نہ تمہارے احرام کا لحاظ کیا اور تم نے اس پر بھی صبر کیا اگر اس دفعہ بھی سب حرمتوں سے قطع نظر کر کے آمادہ جنگ ہوں تو تم بھی کسی حرمت کا خیال مت کرو بلکہ اگلی پچھلی سب کسر مٹالو مگر جو کرو خدا سے ڈر کر کرو اس کے خلاف اجازت ہرگز نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا بیشک ناصر و مددگار ہے۔

وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ....

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے، حضرت ابوعمران فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم جانتے ہیں سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام غالب ہوا اور مسلمان غالب آگئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے اب بحمد اللہ اسلام پھیل گیا مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا لڑائی ختم ہو گئی ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبرگیری کی نہ مال کی دیکھ بھال کی نہ کھیتیوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور بیوپار تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ)

قرطبی وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے اب یا تو وہ بھوکوں مریں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تا کہ اللہ تمہیں دوست رکھے نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکو یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے، پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی یہ بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَۃَ.....

حج اور عمرہ کے احکام:

جہاد کا حکم بیان فرمانے کے بعد اب حج اور عمرہ کے احکام بیان کیے جاتے ہیں۔ جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آ جا سکتا ہو اور سفر کے اخراجات اس کے پاس ہوں اور بال بچوں کے لیے ضروری اخراجات بھی موجود ہوں اس پر حج کرنا فرض ہے اور حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے اس سے زیادہ جو کوئی شخص حج کرے گا تو وہ نفل ہوگا۔ حج کے کام آٹھ ذوالحجہ سے شروع ہوتے

ہیں اور بارہ تیرہ ذوالحجہ تک ختم ہو جاتے ہیں۔ البتہ طواف وداع اس وقت ہوگا جب مکہ معظمہ سے واپس آنے لگیں گے اگر چہ اس سے پہلے بھی جائز ہے (بشرطیکہ اس سے پہلے طواف زیارت کر چکا ہو) چونکہ افعال حج کے لیے ایام مقرر ہیں اس لیے حج میں یہ بات نہیں ہے کہ جب چاہے کر لیں۔ اور عمرہ پورے سال میں جس وقت چاہے کر سکتا ہے اس کی کوئی تاریخ مقرر نہیں البتہ ایام حج میں یعنی ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳ ذوالحجہ کو عمرہ کرنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ (کیونکہ یہ ایام حج کی مشغولیت کے ہیں) عمرہ زندگی میں ایک مرتبہ کر لینا سنت ہے اگر کسی کو مقدور ہو تو عمرہ کی فضیلت سے محروم نہ ہو۔ عمرہ میں احرام اور طواف دو چیزیں فرض ہیں اور صفا مروہ کی سعی اور حلق یا قصر (سر منڈانا یا کاٹنا) جس سے احرام سے نکل جائے یہ دونوں چیزیں واجب ہیں، حج اور عمرہ دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور (جس میں گناہ نہ کیے ہوں) اس کی جزا جنت ہی ہے (صحیح بخاری ص ۲۳۸ ج ۱) اور فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور ایسی باتیں نہ کیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتی ہیں اور گناہ نہ کیے وہ (حج کر کے) ایسا واپس ہوگا جیسا کہ اس دن (بے گناہ) تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۶ ج ۱) اور رمضان المبارک میں عمرہ (ثواب میں) حج کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۳۹ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ حج و عمرہ کے درمیان متابعت کرو (کہ ایک کے بعد دوسرے کو ادا کرو) کیونکہ وہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی سونے چاندی اور لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مشکوۃ)

جو لوگ حج کے لیے جاتے ہیں وہ حج سے پہلے یا حج کے بعد عمرہ کر ہی لیتے ہیں لیکن جو لوگ غیر ایام حج میں مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کر کے چلے آتے ہیں اور پھر زندگی بھر حج فرض کے لیے نہیں جاتے وہ لوگ ترک حج کر کے گنہگار ہوتے ہیں جس کی وعید بہت شدید ہے۔

حج نہ کرنے پر وعید:

مکہ معظمہ پہنچنے کی قدرت ہوتے ہوئے حج کیے بغیر مرجانا سخت گناہ ہے حدیث شریف میں ہے کہ جسے مجبوری نے ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مر گیا اور حج نہ کیا تو چاہے یہودی ہونے کی حالت میں مر جائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مر جائے۔ (مشکوۃ ص ۲۲۲ عن الدارمی)

حج اور عمرہ احرام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ (یعنی لبیک اللھم لبیک اخیر تک) پڑھنے سے احرام میں داخل ہو جاتا ہے۔ ممنوعات اور محظورات دونوں احراموں کے ایک ہی ہیں۔ ان کی خلاف ورزی پر بعض صورتوں میں دم (یعنی حرم مکہ میں ایک سال کی بکری یا بکرا ذبح کرنا) اور بعض صورتوں میں صدقہ بقدر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔

احرام کے ممنوعات:

احرام کے ممنوعات یہ ہیں: (۱) خوشبو استعمال کرنا۔ (۲) جسم سے بال دور کرنا۔ (۳) ناخن کاٹنا۔ (۴) خشکی کا شکار کرنا۔

(۵) میاں بیوی والے خاص تعلق کو کام میں لانا اور شہوت کے کام کرنا۔ (۶) مرد کو ایسا کپڑا پہننا جو پورے بدن یا کسی ایک عضو کی ہیئت اور ساخت پر سی کر یا بن کر یا چپکا کر تیار کیا گیا ہو۔ (۷) مرد کو سر یا چہرہ کو کپڑا لگانا اور عورت کو چہرہ پر کپڑا لگانا (اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے لیے چہرہ سے ہٹا کر چادر وغیرہ لٹکا لے، پردہ احرام میں بھی لازم ہے)۔

ان چیزوں کی خلاف ورزی کرنے پر جرم یا صدقہ واجب ہوتا ہے اس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اور حج کی معتبر کتابوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مرض کی مجبوری سے اگر بال دور کرے یا ناخن کاٹے یا مرد سلا ہوا کپڑا پہنے یا سر ڈھانکے یا چہرہ ڈھانکے یا عورت چہرہ ڈھانکے تو اس کے لیے رعایت ہے جو ابھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوں گی۔ جب حج یا عمرہ کے احرام سے نکلنے کا شرعاً موقع آ جائے اس وقت بال مونڈ کر یا بال کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اس وقت سے پہلے بالوں کے مونڈنے یا تراشنے سے جزا لازم ہوگی۔ عورتوں کو احرام سے نکلنے کے لیے سر مونڈنا حرام ہے۔ وہ پورے سر کے بال بقدر ایک پورے کے کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اگر کسی مرد نے بقدر ایک پورے کے چوتھائی سر کے بال کاٹ دیئے یا عورت نے چوتھائی سر کے بال اپنی چوٹی سے بقدر ایک پورے کے کاٹ دیئے تو احرام سے نکل جائیں گے بشرطیکہ احرام سے نکلنے کا وقت ہو چکا ہو۔

احصار کے احکام:

اگر کسی مرد یا عورت نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا اور کسی مرض یا دشمن یا درندہ کی وجہ سے آگے بڑھنے سے روک دیا گیا کہ حج کے احرام والا نہ عرفات جاسکتا ہے نہ طواف کرسکتا ہے۔ اور عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طواف سے روک دیا گیا تو اس کو احصار کہتے ہیں اور جس محرم کو روک دیا گیا ہو اسے محصر کہتے ہیں۔ محصر اگر انتظار نہیں کرسکتا اور احرام سے نکلنا چاہتا ہے تو وہ حدود حرم میں ایک سال کی بکری ذبح کردے ایسا کرنے سے احرام سے نکل جائے گا۔ اور اس کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی اگر حدود حرم میں خود موجود نہیں ہے تو جس جگہ بھی ہے وہاں سے کم از کم ایک سال کی بکری یا بکرا یا اس کی قیمت بھیج دے اور جس کے ذریعے بھیجے اس سے وقت مقرر کرلے کہ فلاں دن فلاں وقت ذبح کردے۔ جب وہ وقت آ جائے اور غالب گمان ہو جائے کہ اب جانور ذبح ہو چکا ہوگا تو احرام سے نکل جائے اب اگر ان کاموں میں سے کوئی کام کرے گا جو احرام کی وجہ سے ممنوع تھے تو جزا لازم نہ ہوگی اور صرف جانور ذبح ہو جانے سے احرام سے نکل جائیگا مگر بہتر یہ ہے کہ مرد محصر ہو تو سر بھی منڈا دے۔ اگر کوئی شخص قارن تھا یعنی اس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا تو وہ حدود حرم میں دو جانور ذبح کرائے جب یہ دونوں جانور ذبح ہو جائیں گے تو وہ دونوں احراموں سے نکل جائے گا۔

حج وعمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پورا کرنا لازم ہے:

اس ساری تفصیل کو سامنے رکھ کر اب آیت کی تفسیر غور سے پڑھیے۔ اول تو یہ فرمایا: (وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ) (کہ حج وعمرہ کو پورا کرو اللہ کے لیے) اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی مرد یا عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اب احرام کے کپڑے اتار دینے سے یا نیت بدل دینے سے احرام سے نہ نکلے گا اور حج یا عمرہ پورا کرنا ہی ہوگا۔ حج فرض ہو یا نفل، عمرہ سنت ہو

بالفل، اپنا حج ہو یا حج بدل۔ بہر حال پورا کرنا ہی لازم ہے۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام تو باندھ لیا لیکن احصار ہو گیا کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور احرام میں رہنے میں دقت ہے اور جلد حلال ہونا چاہتا ہے تو حرم میں قربانی کا جانور ذبح کرادے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ حرم میں جانور ذبح کرائے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتا۔ اسی کو فرمایا: (فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ) کہ اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو جانور میسر ہو ذبح کر دو۔ یا دوسرے سے ذبح کرا دو۔ آنحضرت سرور عالم (ﷺ) جب ۷ ھ میں عمرہ کرنے کے لیے اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے اور دشمنوں نے مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اور آنحضرت (ﷺ) اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے تھے۔ یہ مقام حدیبیہ کا قصہ ہے جو مکہ معظمہ سے دس میل ہے اور جدہ کے پرانے راستہ پر ہے۔ آج کل اس کو شمیسیہ کہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا: (وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ) (اور اپنے سروں کو مت مونڈو، یہاں تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پہنچ جائے) جگہ سے مراد حرم ہے۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ احصار کا جانور حرم میں ذبح کیا جائے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ احرام میں سر مونڈ نا ممنوع ہے۔

سنن ترمذی (باب ما جاء فی الذی یھل بالحج فیکسر او یعرج) میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو اس کو حلال ہونے کی اجازت ہے اور اس پر آئندہ ایک حج کرنا لازم ہے۔ (وقال الترمذی ھذا حدیث حسن واخرجه الحاکم فی المستدرک ج۱ ص۴۷۰ وقال صحیح علی شرط الشیخین واقره الذهبی)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب محصر قربانی کا جانور ذبح کرا کر حلال ہو جائے تو اس کے ذمہ قضاء بھی لازم ہوتی ہے۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ....

تمتع اور قران کا بیان:

جو شخص صرف حج کا احرام باندھے اور حج سے پہلے کوئی عمرہ نہ کرے اس کا حج، حج افراد ہوگا۔ اور جو شخص حج سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج بھی کرے اس کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر جائے پھر عمرہ کرنے کے بعد سر مونڈ کر یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے اور ایام حج کا انتظار کرتا رہے پھر ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے حج کا احرام باندھ لے اور حج کے سب کام پورے کرلے جیسا کہ حج افراد والا کرتا ہے۔ اس کو فقہاء کی اصطلاح میں حج تمتع کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھے اس کے بعد مکہ معظمہ آ کر عمرہ کرلے پھر حلق یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے۔ اس کو فقہاء کی اصطلاح میں قران کہا جاتا ہے۔ جو صرف حج کرے وہ مفرد ہے اور جو شخص حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنے کی پہلی صورت اختیار کرے وہ متمتع ہے اور جو شخص دوسری صورت اختیار کرے، وہ قارن ہے۔

متمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے:

متمتع اور قارن پر جمرہ کبریٰ کی رمی کرنے کے بعد حلق یا قصر سے پہلے قربانی کرنا بھی واجب ہے اس کو دم شکر کہا جاتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ دونوں عبادتیں جمع کرنے کی سعادت نصیب فرمائی ہے، اسی کو فرمایا: (فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ) (جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو جو قربانی کا جانور میسر ہو ذبح کردے)۔

قربانی حرم ہی میں ہونا ضروری ہے اور منیٰ میں ہونا افضل ہے اور بارھویں تاریخ کا سورج چھپنے سے پہلے پہلے قربانی کر دینا واجب ہے۔ متمتع اور قارن جب تک قربانی نہیں کرے گا اس وقت تک حلق یا قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جو لفظ تمتع فرمایا ہے یہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اصطلاحی تمتع اور قران دونوں کو شامل ہے۔ تمتع اور قران کی قربانی میں ایک سال کا بکرا یا بکری یا پانچ سالہ اونٹ یا دو سالہ گائے کا ساتواں حصہ بھی کافی ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت ثواب کی ہو۔

تمتع اور قران کی قربانی کا بدل:

اگر کسی متمتع یا قارن کے پاس قربانی کا جانور نہیں اور پیسے بھی نہیں ہیں تاکہ جانور خرید کر قربانی کرے تو اس کے لیے یہ آسانی ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے چاہے متفرق طور پر رکھے چاہے متواتر (لگاتار) رکھے۔ مگر لگاتار رکھنا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ ذوالحجہ کی ساتویں، آٹھویں اور نویں کو رکھ لے اور اگر اندیشہ ہو کہ نویں کا روزہ رکھنے سے وقوف عرفات کے موقع پر ضعف ہوجائے گا تو اس سے پہلے ہی تینوں روزے رکھ کر فارغ ہوجائے۔ تین روزے تو یہ ہوئے جو حج سے پہلے رکھ لیے اور سات روزے تیرہویں تاریخ کے بعد رکھ لے۔ خواہ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو خواہ اپنے گھر یا اور کسی جگہ چلا گیا ہو۔ ان روزوں کو بھی متفرق طور پر رکھ سکتا ہے اور لگاتار رکھنا افضل ہے۔ یہ کل دس روزے ہوگئے جو قربانی کا بدل ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: (فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)۔

مسئلہ: اگر کسی نے دس ذوالحجہ سے پہلے تین روزے نہ رکھے اور نویں تاریخ گزر گئی تو اب روزے رکھنے سے تمتع اور قران کی قربانی کا بدل نہیں ہوسکتا بلکہ اب قربانی ہی کرنا متعین ہوگیا۔ اگر قربانی کرنے پر قدرت نہیں ہے تو حلق یا قصر کرا کر حلال ہو جائے پھر اگر بارہ تاریخ کے اندر قربانی کرنے پر قادر ہوگیا تو قربانی کردے اور ایک دم ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا دے اور اگر بارہ تاریخ کے بعد قربانی پر قادر ہوا تو تین دم دینے ہوں گے۔ ایک دم شکر (یعنی تمتع یا قران کی قربانی) اور ایک ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا، اور ایک ایام نحر سے ذبح مؤخر کرنے کا۔

اَلْحَجُّ وَقْتُهُ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ شَوَّالٌ وَّذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرُ لَيَالٍ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ وَقِيْلَ كُلُّهُ فَمَنْ فَرَضَ عَلٰى نَفْسِهٖ فِيْهِنَّ الْحَجَّ بِالْاِحْرَامِ بِهٖ فَلَا رَفَثَ جِمَاعَ فِيْهِ وَلَا فُسُوْقَ ۙ مَعَاصِيَ وَلَا جِدَالَ خِصَامَ فِي الْحَجِّ ؕ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْاَوَّلَيْنِ وَالْمُرَادُ فِي الثَّلٰثَةِ النَّهْيُ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ كَصَدَقَةٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَنَزَلَ فِيْ اَهْلِ الْيَمَنِ وَكَانُوْا يَحُجُّوْنَ بِلَا زَادٍ فَيَكُوْنُوْنَ كَلًّا عَلَى النَّاسِ وَتَزَوَّدُوْا

مَا يُبَلِّغُكُمْ بِسَفَرِكُمْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى مَا يَتَّقِي بِهِ سُؤَالَ النَّاسِ وَغَيْرَهُ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ ذَوِي الْعُقُوْلِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي اَنْ تَبْتَغُوْا تَطْلُبُوْا فَضْلًا رِزْقًا مِّنْ رَّبِّكُمْ بِالتِّجَارَةِ فِي الْحَجِّ نَزَلَ رَدًّا لِكَرَاهَتِهِمْ ذٰلِكَ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ دَفَعْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِهَا فَاذْكُرُوا اللّٰهَ بَعْدَ الْمَبِيْتِ بِمُزْدَلِفَةَ بِالتَّلْبِيَةِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالدُّعَاءِ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ هُوَ جَبَلٌ فِي اٰخِرِ الْمُزْدَلِفَةِ يُقَالُ لَهُ قُزَحُ وَفِي الْحَدِيْثِ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ بِهِ يَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَدْعُوْهُ حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِهِ وَمَنَاسِكِ حَجِّهِ وَالْكَافُ لِلتَّعْلِيْلِ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ قَبْلَ هُدَاهُ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا يَا قُرَيْشُ مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ اَيْ مِنْ عَرَفَةَ بِاَنْ تَقِفُوْا بِهَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ تَرَفُّعًا عَنِ الْوُقُوْفِ مَعَهُمْ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ فِي الذِّكْرِ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ بِهِمْ فَاِذَا قَضَيْتُمْ اَدَّيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ عِبَادَاتِ حَجِّكُمْ بِاَنْ رَمَيْتُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَحَلَقْتُمْ وَطُفْتُمْ وَاسْتَقْرَرْتُمْ بِمِنًى فَاذْكُرُوا اللّٰهَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالثَّنَاءِ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَذْكُرُوْنَهُمْ عِنْدَ فَرَاغِ حَجِّكُمْ بِالْمَفَاخِرِ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُمْ وَنَصْبُ اَشَدَّ عَلَى الْحَالِ مِنْ ذِكْرِ الْمَنْصُوْبِ بِاذْكُرُوْا اِذْ لَوْ تَاَخَّرَ عَنْهُ لَكَانَ صِفَةً لَهُ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا نَصِيْبَنَا فِي الدُّنْيَا فَيُؤْتَاهُ فِيْهَا وَمَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ نَصِيْبٍ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً نِعْمَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً هِيَ الْجَنَّةُ وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ بِعَدَمِ دُخُوْلِهَا وَهٰذَا بَيَانٌ لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْمُشْرِكُوْنَ وَلِحَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْقَصْدُ بِهِ الْحَثُّ عَلٰى طَلَبِ خَيْرِ الدَّارَيْنِ كَمَا وَعَدَ بِالثَّوَابِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ ثَوَابٌ مِّمَّا كَسَبُوْا اَجْلِ عَمِلُوْا مِنَ الْحَجِّ وَالدُّعَاءِ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِي قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ بِالتَّكْبِيْرِ عِنْدَ رَمْيِ الْجَمَرَاتِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ اَيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ الثَّلَاثَةِ فَمَنْ تَعَجَّلَ اَيِ اسْتَعْجَلَ بِالنَّفْرِ مِنْ مِنًى فِيْ يَوْمَيْنِ اَيْ فِيْ ثَانِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ بَعْدَ رَمْيِ جِمَارِهِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ

بِالتَّعْجِيْلِ وَمَنْ تَأَخَّرَ بِهَا حَتّٰى بَاتَ لَيْلَةَ الثَّالِثِ وَرَمٰى جِمَارَهٗ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ بِذٰلِكَ اَيْ هُمْ مُخَيَّرُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ وَنَفْيُ الْاِثْمِ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ اللّٰهَ فِيْ حَجِّهٖ لِاَنَّهُ الْحَاجُّ عَلَى الْحَقِيْقَةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا يُعْجِبُكَ فِي الْاٰخِرَةِ لِمُخَالَفَتِهٖ لِاعْتِقَادِهٖ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ اَنَّهٗ مُوَافِقٌ لِقَوْلِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ لَكَ وَلِاَتْبَاعِكَ لِعَدَاوَتِهٖ لَكَ وَهُوَ الْاَخْنَسُ بْنُ شَرِيْقٍ كَانَ مُنَافِقًا حُلْوَ الْكَلَامِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ بِهٖ وَمُحِبٌّ لَهٗ فَيُدْنِيْ مَجْلِسَهٗ فَاَكْذَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ ذٰلِكَ وَمَرَّ بِزَرْعٍ وَحُمُرٍ لِبَعْضِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاَحْرَقَهٗ وَعَقَرَهَا لَيْلًا كَمَا قَالَ تَعَالٰى وَاِذَا تَوَلّٰى انْصَرَفَ عَنْكَ سَعٰى مَشٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ مِنْ جُمْلَةِ الْفَسَادِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ اَيْ لَا يَرْضٰى بِهٖ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ فِيْ فِعْلِكَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ حَمَلَتْهُ الْاَنَفَةُ وَالْحَمِيَّةُ عَلَى الْعَمَلِ بِالْاِثْمِ الَّذِيْ اُمِرَ بِاتِّقَائِهٖ فَحَسْبُهٗ كَافِيْهِ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ اَلْفِرَاشُ هِيَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ يَبِيْعُ نَفْسَهُ اَيْ يَبْذُلُهَا فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ابْتِغَاۗءَ طَلَبَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ رِضَاهُ وَهُوَ صُهَيْبٌ لَمَّا اٰذَاهُ الْمُشْرِكُوْنَ هَاجَرَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَتَرَكَ لَهُمْ مَالَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ حَيْثُ اَرْشَدَهُمْ لِمَا فِيْهِ رِضَاهُ وَنَزَلَ فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا عَظَّمُوا السَّبْتَ وَكَرِهُوا الْاِبِلَ وَاَلْبَانَهَا بَعْدَ الْاِسْلَامِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ بِفَتْحِ السِّيْنِ وَكَسْرِهَا الْاِسْلَامِ كَاۗفَّةً ۠ حَالٌ مِنَ السِّلْمِ اَيْ فِيْ جَمِيْعِ شَرَائِعِهٖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طُرُقَ الشَّيْطٰنِ ۭ اَيْ تَزْيِيْنِهٖ بِالتَّفْرِيْقِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِلْتُمْ عَنِ الدُّخُوْلِ فِيْ جَمِيْعِهٖ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ الْحُجَجُ الظَّاهِرَةُ عَلٰى اَنَّهٗ حَقٌّ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ عَنِ انْتِقَامِهٖ مِنْكُمْ حَكِيْمٌ ۝ فِيْ صُنْعِهٖ هَلْ مَا يَنْظُرُوْنَ يَنْتَظِرُوْنَ التَّارِكُوْنَ الدُّخُوْلَ فِيْهِ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ اَيْ اَمْرُهٗ كَقَوْلِهٖ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ اَيْ عَذَابُهٗ فِيْ ظُلَلٍ جَمْعُ ظُلَّةٍ مِّنَ الْغَمَامِ السَّحَابِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

يَعْنِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ أَمْرُ اهْلَاكِهِمْ وَ إِلَى اللهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ۝ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ فِي الْآخِرَةِ فَيُجَازِي۔ ع ۲۵ ۹

ترجمہ: حج (یعنی اس کا وقت چند مہینے معلوم ہیں یعنی شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کی دس راتیں یعنی دس تاریخ اور بعض کے نزدیک پورا ذی الحجہ) پس جس نے لازم کرلیا (اپنے اوپر) ان ایام میں حج (حج کا احرام باندھ کر) تو نہ اختلاط ہے عورتوں سے (جماع جائز نہیں) اور نہ کوئی گناہ کا کام کرنا اور نہ لڑائی (جھگڑا کرنا) درست ہے۔ حج میں (وفی قراءة بفتح الاولین) مطلب یہ ہے کہ اول دونوں یعنی رفثَ اور فسوقَ فتحہ کے ساتھ مبنی برفتحہ ہے، مفسر کا مقصد یہ ہے کہ ایک قراءت اول دونوں مرفوع لا رفث ولافسوق اور تیسرا الاجدال مفتوح ہے اور دوسری قراءت تینوں فتحہ کے ساتھ ہے۔ (والمراد فی الثلاثة النهی) اور ان تینوں میں نفی سے مراد نہی ہے (یعنی ایسامت کرو) اور جو کچھ تم کرو گے نیکی (جیسے صدقہ) اللہ اس کو جانتا ہے سو تم کو اس کا بدلہ دے گا یعنی ثواب عطا کرے گا) قول المفسر و نزل فی اهل الیمن الخ یہاں سے مفسر علام آیت آئندہ کے شان نزول کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ آیت کریمہ اہل یمن کے بارے میں نازل ہوئی کہ یمن کے لوگ بلا زادراہ (سفر خرچ) کے حج کا سفر کرتے تھے، سو لوگوں پر بوجھ بن جاتے تھے، ان لوگوں کو حکم ہوا۔ وَ تَزَوَّدُوْا..... اور زادراہ لے لیا کرو (یعنی اپنے سفر کے لیے جو تم کو منزل مقصود تک پہنچادے) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سفر خرچ کے بغیر بالکل بے سروسامان حج کے لیے نکل پڑتے اور اپنے آپ کو متوکل کہتے لیکن راستہ میں گداگری کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خود بھی تکلیف اٹھاتے اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے، ایسے لوگوں کی اصلاح کے لیے آیت نازل ہوئی کہ ضروری سفر خرچ لے لیا کرو۔ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى بے شک بہتر زادراہ پرہیزگاری ہے (جس کے ذریعہ لوگوں سے سوال وغیرہ سے پرہیز کرسکیں) اور مجھ ہی سے ڈرو اے عقلمندو (عقل والو) تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تلاش (طلب) کرو فضل (رزق) اپنے پروردگار کا (سفر حج میں تجارت کے ذریعہ، جو لوگ اس کو مکروہ سمجھتے تھے ان کے رد میں یہ حکم نازل ہوا) فَإِذَا أَفَضْتُمْ پھر جب تم لوٹو (روانہ ہو) عرفات سے عرفات میں وقوف کرنے کے بعد) تو یاد کرو اللہ کو تلبیہ (لبیک) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) اور دعا کے ساتھ مزدلفہ میں رات گزارنے کے بعد) مشعر حرام کے پاس (یہ مزدلفہ کے اخیر میں یعنی انتہا پر ایک پہاڑ ہے جس کو جبل قزح بھی کہتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ مشعر حرام کے پاس اللہ کے ذکر میں ٹھہرے رہے اور دعا کرتے رہے یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا۔ (رواہ مسلم) اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح تم کو ہدایت کی (اپنے دین کے احکام اور حج کے مسائل کی اور کما میں کاف تعلیلیہ ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی اذکروہ لاجل هدایته ایاکم۔ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ اور بے شک (ان مخففہ من المثقلہ ہے دراصل وَإِنَّكُمْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ ہے) تم تھے اس سے پہلے (یعنی اس کی ہدایت سے پہلے) ناواقف، پھر تم بھی واپس لوٹو (اے قریش!) جہاں سے سب لوگ واپس آتے ہیں (یعنی عرفہ سے اس طرح کہ تم بھی وقوف عرفہ کرو اور لوگوں کے ساتھ، قریش عرب دوسروں کے ساتھ وقوف کرنے سے خود کو بالا سمجھ کر مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ قریش حضرات جو بیت اللہ کے مجاور تھے اور پورے عرب میں ان کا اقتدار تھا یہ لوگ اپنے آپ کو حمس یعنی شدت والے دین

میں مضبوط سمجھتے تھے دوسرے عربوں کے ساتھ وقوف کرنے کو عار سمجھتے تے اور کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو حدود حرم سے باہر جانا مناسب نہیں اور چونکہ مزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے اس لیے مزدلفہ ہی میں وقوف کرلیا کرتے تھے۔ وثُمَّ لِلتَّرتِيبِ فِى الذِّكرِ اور لفظ ثُمَّ ذکر میں ترتیب کے لیے ہے یعنی تراخی کے لیے نہیں ہے۔ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ .... اور مغفرت طلب کرو اللہ کے پاس (اپنے گناہوں سے بے شک اللہ بخشنے والا ہے (مؤمنوں کو) رحم کرنے والا ہے (ایمان والوں کے ساتھ) پھر جب تم پورے کر چکو اپنے حج کے ارکان (یعنی جب تم اپنے حج کے اعمال وعبادات کو ادا کر چکو بایں طور کہ دسویں ذی الحجہ کو علی الصبح طلوع سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ جا کر جمرۂ عقبہ کی رمی کر لی اور ذبح میں حلق کے بعد دسویں ذی الحجہ ہی کو طواف زیارت کر کے منیٰ میں قیام پذیر ہو گئے ہو) تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو) (یعنی تکبیر وثنا کے ذریعہ) مانند اپنے باپ دادوں کے ذکر کرنے کے (یعنی جس طرح تم ان آباؤاجداد کے مفاخر بیان کرتے تھے حج سے فراغت کے بعد) بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ذکر ہو (یعنی تمہارے اپنے آباؤاجداد کے ذکر سے اور لفظ اشد منصوب ہے ذکر سے حال ہونے کی وجہ سے جواذکروا کا مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اگر لفظ اشد مؤخر ہوتا تو ذکر کی صفت بن جاتا) پھر بعض لوگ تو ایسے ہیں جو (کافر ہیں، قیامت کے منکر ہیں) کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو دیجیے (ہمارا حصہ) دنیا میں (چنانچہ ان کو دنیا میں دے دیا جاتا ہے جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ کافروں کو خیرات وغیرہ کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے اور ان کے لیے آخرت سے کوئی حصہ نہیں) اور بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری (نعمت) عنایت کیجیے اور آخرت میں بھی بہتری (جنت) دیجیے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچائیے (یعنی دوزخ میں داخل نہ کیجیے اور یہ بیان ہے اس حال کا جس پر مشرکین تھے اور اس حال کا جس پر مؤمنین تھے یعنی دونوں کے حال کا بیان علی سبیل اللف والنشر المرتب اور مقصد اس سے ترغیب ہے دارین کی بھلائی کی طلب پر جیسا کہ اس پر ثواب کا وعدہ کیا جارہا ہے اس ارشاد کے ذریعہ) یہی لوگ ہیں جن کے لیے حصہ (ثواب) ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے کمایا (یعنی حج کر کے اور دعا مانگ کر عمل خیر کیا) اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں (تمام مخلوق کا حساب دنیاوی دن کے نصف مقدار میں پورا فرما دے گا جیسا کہ اس سلسلے میں حدیث وارد ہے) اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو (رمی جمرات یعنی کنکریاں مارتے وقت تکبیر پڑھو) گنتی کے چند دنوں میں (ایام تشریق کے تین دن) یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ عند الاحناف اور عند الشوافع ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ (جمل) فَمَنْ تَعَجَّلَ پھر جو شخص جلدی کرے (یعنی منیٰ سے کوچ کرنے میں جلدی کی) اور دن میں (یعنی ایام تشریق کے دوسرے دن میں رمی جمار کر کے منیٰ سے رخصت ہو گیا) فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ تو اس پر کچھ گناہ نہیں (جلدی کرنے کا کیونکہ بارہویں ذی الحجہ کو منیٰ سے رخصت ہونا جائز ہے) وَمَنْ تَاَخَّرَ اور جس نے تاخیر کی (اس منیٰ میں یہاں تک کہ تیسری رات بھی گزار دے اور رمی جمار کرے یعنی تیرہویں کو آئے) تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں (اس تاخیر کی وجہ سے یعنی وہ لوگ اس سلسلے میں اختیار دیئے گئے ہیں بلکہ اس تاخیر کی صورت یعنی بارہویں کی رات منیٰ میں گزار کر تیرہویں کو مکہ کی طرف جانے میں مزید ایک روز کی رمی جمار کا ثواب ہوگا، پس اختیار اور جواز دونوں صورتوں میں ہے مگر افضل دوسری صورت یعنی بجائے بارہویں کے تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ سے کوچ کرنا ہے اور گناہ نہ ہونا اس شخص کے واسطے ہے جو ڈرتا ہے اللہ سے اپنے

...مالی حقیقت میں وہی ہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے (آخرت
...تمہارے اعمال کی جزا دے گا)۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ آپ کو اس کی گفتگو پسند آتی ہے دنیاوی زندگی میں (اور
...میں نہیں پسند آئے گی خلاف عقیدہ ہونے کی وجہ سے اور گواہ بناتا ہے اللہ کو اس بات پر جو اس کے دل میں ہے (یعنی وہ
...قسمیں کھاتا ہے کہ دلی اعتقاد موافق ہے اس کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ زبان سے ظاہ کرتا ہوں وہی دل میں بھی
...) حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے (آپ ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ کے اتباع یعنی آپ ﷺ کی پیروی کرنے والوں
کے ساتھ سخت عداوت و خصومت رکھتا ہے، کیونکہ وہ آپ ﷺ کا دشمن ہے اور یہ شخص اخنس ابن شریق ہے جو منافق تھا نبی اکرم
ﷺ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا، قسم کھاتا تھا کہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والا ہوں اور آپ ﷺ سے محبت کرنے والا
ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنی مجلس میں قریب کر لیتے۔ پس اللہ نے اس کی تکذیب کر دی اس بات میں ایک مرتبہ یہ منافق
بعض مسلمانوں کے کھیت اور جانوروں کی طرف گزرا تو رات کے وقت کھیتی کو جلا دیا اور گدھوں کی کونچیں کاٹ ڈالیں جیسا کہ
ارشاد ہے) اور جب پیٹھ پھیرتا ہے (یعنی آپ ﷺ کی مجلس سے پھرتا ہے) تو دوڑ دھوپ کرتا ہے (چلتا پھرتا ہے) زمین پر
تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیت اور جانوروں کو ہلاک کر دے (یہ بھی منجملہ اس کے فساد کے ہے) اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں
فرماتے ہیں (یعنی اس سے خوش نہیں ہوتے ہیں) اور جب اس منافق سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر (اپنی حرکت میں) تو اس
کو غرور ابھارتا ہے گناہ پر (یعنی اس کو تکبر اور حمیت جاہلیت گناہ کے عمل پر ابھارتی ہے جس سے بچنے کا اس کو حکم دیا گیا تھا) سو اس
کو کافی ہے جہنم اور وہ یقیناً برا ٹھکانا ہے (بستر ہے وہ) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ ۔۔۔ اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو بیچ ڈالتے
ہیں (یشری بمعنی یبیع ہے) اپنی جان کو (یعنی اپنی جان اللہ کی اطاعت میں خرچ کر دیتے ہیں) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے
(طلب کرنے) کے لیے (مرضات مصدر میمی بمعنی رضاء اور خوشنودی ہے اور وہ شخص حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہیں، مشرکوں
نے جب ان کو ستانا شروع کیا تو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے اور اپنا مال ان مشرکوں کے لیے چھوڑ دیا) اور اللہ نہایت
مہربان ہے اپنے بندوں پر (اس طرح کہ ان کو اپنی خوشنودی کی توفیق بخشی)۔ اور آیت کریمہ (۲۰۸) کا نزول حضرت عبداللہ
بن سلام اور ان کے اصحاب کے بارے میں ہوا جبکہ ان حضرات نے اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ہفتہ کے روز کی تعظیم کا ارادہ
کیا اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو مکروہ جانا یعنی عملاً پسند نہیں کیا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔۔ اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام
میں (لفظ اسلام سے حال ہے، یعنی اسلام کے تمام احکام میں داخل ہو یہ نہیں کہ یہودیت کی بھی رعایت کرو) اور شیطان کے
طریقوں کی پیروی کرو (خُطُوٰتِ بمعنی طرق ہے یعنی طریقے اور راستے کے معنی میں ہے یعنی تفریق کے ساتھ شیطان کا مزین
کردہ طریقہ کہ شیطان نے خیالات وساوس ڈال دیے کہ کچھ محمد ﷺ کے دین کی بات اور کچھ دین موسوی کی رعایت، یہ
شیطان کے مزین کردہ وساوس ہیں ان طریقوں کی پیروی مت کرو۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن
(ظاہر العداوت) ہے پھر اگر تم لغزش کرنے لگو، پورے اسلام میں داخل ہونے کے بعد پھسل جاؤ بعد اس کے کہ آ چکیں
تمہارے پاس واضح دلیلیں روشن (دلائل اس کے حق ہونے پر) تو جان رکھو کہ بے شک اللہ زبردست ہے (کوئی چیز اس کو عاجز

نہیں کرسکتی ہے تم سے انتقام لینے سے) حکمت والا ہے (اپنی کارگزاری میں) هَلْ يَنْظُرُوْنَ، هَلْ استفہام انکاری ہے کیا وہ انتظار کرتے ہیں اسی طرف مفسر رحمہ اللہ نے ما نافیہ ظاہر کر کے اشارہ کیا ہے یعنی نہیں انتظار کرتے ہیں وہ لوگ (جنہوں نے اسلام میں داخل ہونے ترک کیا ہے) مگر اس بات کا کہ آ جائے اللہ ان کے پاس (یعنی اللہ کا حکم آ جائے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: او یاتی امر ربک، تیرے رب کا حکم یعنی اس کا عذاب آ جائے، ظُلَلٍ. ظلة کی جمع ہے اور غمام بمعنی سحاب یعنی بادل ہے) اور فرشتے اور معاملہ طے ہو جائے (یعنی ان کی ہلاکت وتباہی کا قصہ طے ہو جائے) اور اللہ ہی ہے سارے امور کا مرجع (ترجع مبنی للمفعول، یعنی مجہول اور مبنی للفاعل یعنی معروف دونوں قراءتیں ہیں، یعنی آخرت میں سارے امور کا مرجع اللہ ہی ہے، بس جزا دے گا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَقْتُهٗ : مضاف کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ حج نفس اشہر کا نام نہیں اور یہاں مقصود حج کی وضاحت ہے۔

قوله: جِمَاعَ فِيْهِ :فِيْهِ کو مقدر ماننے سے اشارہ کیا۔ لَا کی خبر مقدر ہے تا کہ وہ جملہ بن سکے کیونکہ جزاء جملہ ہوتی ہے۔

قوله: وَالْمُرَادُ فِي الثَّلٰثَةِ : مقصد یہ ہے کہ نہ جماع کرو، نہ فسق کا ارتکاب اور نہ جدال اختیار کرو، نفی سے تعبیر مبالغہ کی خاطر کی گئی۔

قوله: وَمَا تَفْعَلُوْا :یہ تاویل امر میں فَلَا رفث پر معطوف ہے۔ ای فلا ترفثوا وافعلوا الخیر وتزودوا۔

قوله: فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ :اس میں خیر پر ابھارا گیا اور مجازات اعمال بھی علم الٰہی کا ایک فرد ہے۔

قوله: بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِهَا :اس سے اشارہ کیا کہ اس میں وقوف واجب ہے۔ اس لیے کہ افاضہ تو وقوف کے بعد ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔

قوله: فِي الْحَدِيْثِ :یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ذکر سے یہاں تلبیہ مراد ہے اور فضل وشرف کے لیے مشعر حرام کا نام لیا گیا ہے۔

قوله: لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ :اس سے اشارہ کیا کہ ہدایت سے یہاں مراد مناسک حج کی طرف راہنمائی ہے۔

قوله: وَالْكَافُ لِلتَّعْلِيْلِ :اس سے اشارہ کیا کہ جو لوگ یہاں کاف کو تشبیہ کے لیے مانتے ہیں ان کا قول ضعیف ہے۔

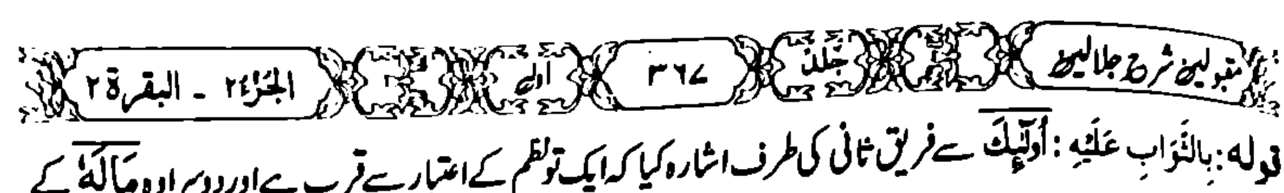
قوله: اِنْ مُخَفَّفَةٌ :اس سے ان لوگوں کی تردید کی جو اِنْ کو نافیہ قرار دیتے ہیں۔

قوله: كَمَا كُنْتُمْ تَذْكُرُوْنَهُمْ :اس سے اشارہ کیا کہ یہ اضافۃ المصدر الی الفاعل کی قسم سے ہے نہ کہ مفعول کی طرف۔

قوله: عَلَى الْحَالِ :اس سے اشارہ کیا کہ نصب کی وجہ نہ تو عطف ہے اور نہ مضمر فعل۔

قوله: فَيُؤْتَاهُ فِيْهَا :اس مقدر سے اشارہ کیا کہ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ اس کا مقدر پر عطف ہے، مذکور پر نہیں جو کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا ہے۔

قوله: بِعَدَمِ دُخُوْلِهَا :اس سے اشارہ کیا کہ عذاب سے مراد اس میں داخلہ ہے، یہ مطلب نہیں کہ داخل تو ہوں گے مگر ان کو عذاب نہ ہوگا۔

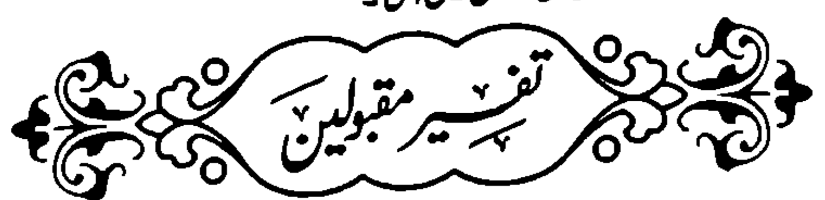


قوله: بِالثَّوَابِ عَلَيْهِ: اُولٰٓئِكَ سے فریق ثانی کی طرف اشارہ کیا کہ ایک تو لفظ کے اعتبار سے قرب ہے اور دوسرا وہ مَالَهٗ کے مقابلہ میں آیا ہے۔

قوله: اِنْصَرَفَ: اس میں اشارہ ہے کہ تَوَلّٰی یہاں انصراف کے معنی میں ہے ولایۃ کے معنی میں نہیں۔

قوله: هَلْ مَا يَنْظُرُوْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ استفہام بمعنی نفی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

قوله: جَمْعُ ظُلَّةٍ: اس سے ظاہر کیا کہ اس کی جمع ظلال نہیں آتی۔



اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ....

احرام کے مسائل:

اس میں حج کا احرام باندھنے والے کے لئے کچھ منفی آداب واحکام کا بیان ہے جن سے حالت احرام میں پرہیز کرنا لازم و واجب ہے وہ تین چیزیں ہیں رفث، فسوق، جدال۔

رفث ایک لفظ جامع ہے جس میں عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات یہاں تک کہ زبان سے عورت کے ساتھ اس کی کھلی گفتگو بھی داخل ہے محرم کو حالت احرام میں یہ سب چیزیں حرام ہیں تعریض و کنایہ کا مضائقہ نہیں۔

فسوق کے لفظی معنی خروج کے ہیں اصطلاح قرآن میں عدول حکمی اور نافرمانی کو فسوق کہا جاتا ہے جو اپنے عام معنی کے اعتبار سے سب گناہوں کو شامل ہے اسی لئے بعض حضرات نے اس جگہ عام معنی ہی مراد لئے ہیں مگر حضرت عبداللہ بن عمر نے اس جگہ فسوق کی تفسیر محظورات احرام سے فرمائی ہے یعنی وہ کام جو حالت احرام میں ممنوع و ناجائز ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس مقام کے مناسب یہی تفسیر ہے کیونکہ عام گناہوں کی ممانعت احرام کے ساتھ خاص نہیں ہر حال میں حرام ہیں۔

وہ چیزیں جو اصل سے گناہ نہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں چھ چیزیں ہیں اول عورت کے ساتھ مباشرت اور اس کے تمام متعلقات یہاں تک کہ کھلی گفتگو بھی، دوسرے بری جانوروں کا شکار، خود کرنا یا شکاری کو بتلانا، تیسرے بال یا ناخن کٹوانا، چوتھے خوشبو کا استعمال یہ چار چیزیں تو مرد و عورت دونوں کے لئے حالت احرام میں ناجائز ہیں باقی دو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں یعنی سلے ہوئے کپڑے پہننا، اور سر اور چہرے کو ڈھانپنا، امام اعظم ابوحنیفہ و مالک کے نزدیک چہرہ کو ڈھانپنا حالت احرام میں عورت کے لئے بھی ناجائز ہے اس لئے یہ بھی مشترک محظورات احرام میں شامل ہے۔

ان چھ چیزوں میں پہلی یعنی عورت سے مباشرت وغیرہ اگرچہ فسوق میں داخل ہے لیکن اس کو فسوق سے پہلے الگ کر کے لفظ رفث سے اس لئے بتلا دیا کہ احرام میں اس سے اجتناب سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ دوسرے محظورات احرام کا تو کوئی بدل اور کفارہ بھی ہو جاتا ہے اور مباشرت کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ اگر ان میں کوئی مبتلا ہو جائے تو حج ہی فاسد ہو جاتا ہے

اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہوسکتا مثلاً وقوف عرفات سے پہلے بیوی سے صحبت کرلی تو حج فاسد ہوگیا اور اس کا جرمانہ بھی گائے یا اونٹ کی قربانی سے دینا پڑے گا اور اگلے سال پھر حج کرنا پڑے گا اس مزید اہمیت کی بنا پر اس کو فَلَا رَفَثَ کے لفظ سے مستقلا بیان فرمادیا۔

جدال کے معنی ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کے ہیں اس لئے سخت قسم کے جھگڑے کو جدال کہا جاتا ہے یہ لفظ بھی بہت عام ہے اور بعض حضرات مفسرین نے عام ہی معنی مراد لئے ہیں اور بعض حضرات نے مقام حج واحرام کی مناسبت سے اس جگہ جدال کے معنی یہ لئے ہیں کہ جاہلیت عرب کے لوگ مقام وقوف میں اختلاف رکھتے تھے کچھ لوگ عرفات میں وقوف کرنا ضروری سمجھتے تھے جیسا کہ حقیقت ہے اور کچھ مزدلفہ میں وقوف ضروری کہتے تھے، عرفات میں جانے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے اور اسی کو موقف ابراہیم (علیہ السلام) قرار دیتے تھے اسی طرح اوقات حج کے معاملہ میں بھی اختلاف تھا کچھ لوگ ذی الحجہ میں حج کرتے تھے اور کچھ ذی قعدہ ہی میں کرلیتے تھے اور پھر ان معاملات میں باہمی نزاعات اور جھگڑے ہوتے تھے ایک دوسرے کو گمراہ کہتا تھا۔

قرآن کریم نے وَلَا جِدَالَ فرما کر ان جھگڑوں کا خاتمہ فرمایا اور جو بات حق تھی کہ وقوف فرض عرفات میں اور پھر وقوف واجب مزدلفہ میں کیا جائے اور حج صرف ذی الحجہ کے ایام میں کیا جائے اس کا اعلان کرکے اس کے خلاف جھگڑا کرنے کو ممنوع کردیا۔

اس تفسیر وتقریر کے لحاظ سے اس آیت میں صرف محظورات احرام کا بیان ہوا جو اگرچہ فی نفسہ جائز ہیں مگر احرام کی وجہ سے ممنوع کردی گئی ہیں جیسے نماز، روزہ کی حالت میں کھانا پینا، کلام کرنا وغیرہ جائز چیزوں کو منع کردیا گیا ہے۔

اور بعض حضرات نے اس جگہ فسوق وجدال کو عام معنی میں لے کر مقصد یہ قرار دیا کہ اگرچہ فسق وگناہ اسی طرح باہم جدال وخلاف ہر جگہ ہر حال میں مذموم وگناہ ہے لیکن حالت احرام میں اس کا گناہ اور زیادہ شدید ہوجاتا ہے مبارک ایام اور مقدس سرزمین میں جہاں صرف اللہ کے لئے عبادت کے واسطے آتے ہیں اور لبیک لبیک پکار رہے ہیں احرام کا لباس ان کو ہر وقت اس کی یاددہانی کرارہا ہے کہ تم اس وقت عبادت میں ہو ایسی حالت میں فسق وفجور اور نزاع وجدال انتہائی بیبا کی اور اشد ترین گناہ ہوجاتا ہے۔

اس عام معنی کے اعتبار سے اس جگہ رفث، فسوق، جدال سے روکنے اور ان کی حرمت کو بیان کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مقام حج اور زمانہ حج کے حالات ایسے ہیں کہ ان میں انسان کو ان تینوں چیزوں مین ابتلاء کے مواقع بہت پیش آتے ہیں حالت احرام میں اکثر اپنے اہل وعیال سے ایک طویل مدت تک علیحدہ رہنا پڑتا ہے اور پھر مطاف ومسعیٰ، عرفات، مزدلفہ منیٰ کے اجتماعات میں کتنی بھی احتیاط برتی جائے عورتوں مردوں کا اختلاط ہو ہی جاتا ہے ایسی حالت میں نفس پر قابو پانا آسان نہیں اس لئے سب سے پہلے رفث کی حرمت کا بیان فرمایا اسی طرح اس عظیم الشان اجتماع میں چوری وغیرہ دوسرے گناہوں کے مواقع بھی بے شمار پیش آتے ہیں اس لئے لَا فُسُوْقَ کی ہدایت فرمادی اسی طرح سفر حج میں اول سے آخر تک بے شمار مواقع

اس کے بھی پیش آتے ہیں کہ رفقاء سفر اور دوسرے لوگوں سے جگہ کی تنگی اور دوسرے اسباب کی بناء پر جھگڑا لڑائی ہوجائے اس لئے لَا جِدَالَ کا حکم دیا گیا۔

وَتَزَوَّدُوْا (اور زادراہ لے جایا کرو) اس کے متعلق ایک قصہ ہے۔ بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اہل یمن کی عادت تھی کہ جب وہ حج کو آتے تو زادراہ ساتھ نہ لاتے اور یہ کہتے تھے کہ ہم لوگ متوکل ہیں اور جب مکہ آتے تو لوگوں سے بھیک مانگتے تھے اور علامہ بغوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لوٹ اور غضب تک ان کی نوبت پہنچتی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وتزودوا یعنی زادراہ اس قدر لے جایا کرو کہ جس سے وہاں تک پہنچ جاؤ اور آبرو کو بچاؤ۔

فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (بے شک بہتر زادراہ پرہیزگاری ہے) التقوٰی سے مراد وہ شے ہے جو سوال کرنے اور لوٹ مار کرنے سے محفوظ رکھے۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ.....

سفر حج میں تجارت یا مزدوری کرنا کیسا ہے:

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سفر حج میں تجارت یا مزدوری کے ذریعے کچھ روزی کمالو اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق حاصل کرو، واقعہ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے جس طرح تمام عبادات ومعاملات کو مسخ کر کے طرح طرح کی بیہودہ رسمیں ان میں شامل کردی تھیں اور عبادات کو بھی کھیل تماشہ بنادیا تھا اسی طرح افعال حج میں بھی طرح طرح کی بیہودگیاں کرتے تھے منٰی کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے نمائش ہوتی تھی تجارتوں کے فروغ کے ذرائع لگائے جاتے تھے اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا تو ان تمام بے ہودہ رسموں کا قلع قمع کیا گیا صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ (ﷺ) کی تعلیمات پر مٹ جانے والے تھے اب ان کو یہ خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت کرنا یا مزدوری کر کے کچھ کمالینا یہ بھی جاہلیت کی پیداوار ہے شاید اسلام میں اس کی مطلقاً حرمت وممانعت ہوجائے یہاں تک کہ ایک صاحب حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے اور یہ سوال کیا کہ ہمارا پیشہ پہلے سے یہ ہے کہ ہم اونٹ کرایہ پر چلاتے ہیں کچھ لوگ ہمارے اونٹ حج کے لئے کرایہ پر لیجاتے ہیں ہم ان کے ساتھ جاتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا ہمارا حج نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ سے وہی سوال کیا تھا جو تم مجھ سے کررہے ہو آنحضرت (ﷺ) نے اس کو اس وقت کوئی جواب نہ دیا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ. اس وقت آپ نے اس شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ ہاں تمہارا حج صحیح ہے۔

الغرض اس آیت نے یہ واضح کردیا کہ اگر کوئی شخص دوران حج میں کوئی بیع وشراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہوجائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہاں کفار عرب نے جو حج کو تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنالیا تھا اس کی اصلاح قرآن کے دو لفظوں سے کردی گئی ایک تو یہ کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطا سمجھ کر حاصل کریں شکرگزار رہوں۔

محض سرمایہ سمیٹنا مقصد نہ ہو فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ میں اسی کی طرف اشارہ ہے، دوسرے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ کے لفظ نے یہ بتلادیا کہ اس میں کمائی میں تم پر کوئی گناہ نہیں جس میں ایک اشارہ اس طرف ہے کہ اگر اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اخلاص کامل میں فرق آتا ہے اور حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اس کا مدار اصل نیت پر ہے اگر کسی شخص کی نیت اصل میں دنیوی نفع تجارت یا مزدوری ہے اور ضمنی طور پر حج کا بھی قصد کرلیا یا نفع تجارت اور قصد حج دونوں مساوی صورت میں ہیں تب تو یہ اخلاص کے خلاف ہے حج کا ثواب اس سے کم ہوجائیگا اور برکات حج جیسی حاصل ہونی چاہئے وہ حاصل نہ ہوں گی اور اگر اصل میں نیت حج کی ہے اسی کے شوق میں نکلا ہے لیکن مصارف حج میں یا گھر کی ضرورت میں تنگی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی معمولی تجارت یا مزدوری کرلی یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں ہاں اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص ان پانچ ایام میں جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں ان میں کوئی مشغلہ تجارت ومزدوری کا نہ رکھے بلکہ ان ایام کو خالص عبادت وذکر میں گزارے اسی وجہ سے بعض علماء نے خاص ان ایام میں تجارت ومزدوری کو ممنوع بھی فرمایا ہے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ....

انسانی مساوات کا زرّیں سبق اور اس کی بہترین عملی صورت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ قریش اور وہ لوگ جو ان کے دین پر تھے (بنو عامر، بنو ثقیف، بنو خزاعہ) یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں حج کرتے تھے تو عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ یہ لوگ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور وہیں سے واپس ہو جاتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم فرمایا کہ عرفات میں پہنچیں، اور وہاں وقوف کریں پھر وہاں سے واپس آئیں۔ (ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ) میں یہی حکم مذکور ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۴۸ ج ۱)

تفسیر معالم التنزیل ص ۱۷۰ ج ۱ میں ہے کہ قریش اور ان کے حلفاء اور جو ان کے دین پر تھے مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ہم اللہ والے اور اس حرم کے رہنے والے ہیں۔ لہٰذا ہم حرم کو پیچھے نہ چھوڑیں گے اور حرم سے نہ نکلیں گے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھتے تھے کہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہریں۔ جب دوسرے قبائل عرفات میں وقوف کرکے واپس آتے تھے تو قریش اور ان کے حلفاء مزدلفہ سے ان سب لوگوں کے ساتھ واپس آجاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عرفات میں وقوف کریں پھر وہاں سے سب لوگوں کے ساتھ مزدلفہ میں آئیں۔

حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی قریشی تھے اس لیے حجۃ الوداع کے موقع پر قریش کو اس میں شک نہ تھا کہ آپ ہماری طرح مزدلفہ ہی میں ٹھہر جائیں گے لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مزدلفہ کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات پہنچ گئے۔

(کما فی صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۱)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کیا اور سب صحابہ بھی آپ کے ساتھ عرفات پہنچے اور پھر وہاں سے آفتاب غروب ہونے پر واپس ہوئے۔

کے ایام میں جہاں لباس احرام اور پھر قیام و مقام کی یکسانیت کے ذریعہ اسی کا سبق دینا ہے کہ انسان سب برابر ہیں امیر و غریب یا عالم و جاہل یا بڑے چھوٹے کا یہاں کوئی امتیاز نہیں حالت احرام میں یہ امتیازی شان بنانا اور بھی زیادہ جرم ہے۔

بہر کیف اس سے قریش کے جھوٹے زعم اور گھمنڈ پر ایک کاری ضرب لگائی گئی ہے، اور یہ امر صاف کر دیا گیا ہے کہ دین حنیف میں ایسے کسی اونچ نیچ اور فرق و تفاوت کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تعلیمات مقدسہ سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہیں اور یہ دین حق اور دین فطرت ہے، جو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت اور اس کی بہتری و بھلائی کے لئے آیا ہے۔ اور یہ اس کے لیے سعادت دارین کا ضامن و کفیل ہے اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ....

ایام تشریق میں ذکر اللہ اور رمی جمار کی مشغولیت

ایام معدودات سے مراد ذی الحجہ کی گیارھویں، بارھویں، تیرھویں، تاریخیں ہیں جن میں حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام کا حکم ہے ان دنوں میں رمی جمار یعنی کنکریوں کے مارنے کے وقت اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم ہے اور دیگر اوقات میں بھی ان دنوں میں چاہیے کہ تکبیر اور ذکر الٰہی کثرت سے کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جمرات کو کنکریاں مارنا اور صفا مروہ کی سعی کرنا اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لیے شروع کیا گیا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ مؤمن بندوں کو ہر وقت اس میں لگا رہنا چاہئے، بعض خاص ایام اور خاص اوقات میں ذکر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: (اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ) (نماز میرے ذکر کے لیے قائم کرو) جیسا کہ سب جانتے ہیں نماز اول سے آخر تک ذکر ہی ہے، نماز سے پہلے اذان و اقامت ہے وہ بھی ذکر ہے، نماز کے بعد تسبیحات اور دعائیں ہیں یہ بھی ذکر ہے۔ حج سراپا ذکر ہے تلبیہ ذکر ہے، طواف میں ذکر ہے، سعی میں ذکر ہے، عرفات میں ذکر ہے، مزدلفہ میں ذکر ہے، ایام منیٰ میں ذکر ہے۔ رمی کرتے وقت ذکر ہے۔ قربانی کرتے وقت ذکر ہے۔

۱۲ ذی الحجہ کی رمی چھوڑ دینا جائز ہے:

ان دو دنوں (گیارہ بارہ تاریخ) کی رمی کرنے کے بعد اگر کوئی شخص چاہے کہ منیٰ سے چلا جائے اور تیرہویں تاریخ کی رمی نہ کرے تو اس کی اجازت ہے۔ اسی کو فرمایا (فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ) لیکن افضل یہ ہے کہ منیٰ میں ٹھہرا رہے اور تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے منیٰ سے روانہ ہو۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حجۃ الوداع کے موقع پر تیرھویں تاریخ کی رمی بھی کی تھی جیسا کہ گیارہ بارہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی کی، تیرھویں تاریخ کی رمی کا وقت صرف غروب آفتاب تک ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بارہویں تاریخ کو اگر منیٰ میں ہوتے ہوئے سورج غروب ہو جائے تو تیرہویں کی رمی چھوڑ کر جانا مکروہ ہے۔ اور

اگر منیٰ میں ہوتے ہوئے تیرھویں کی صبح ہو جائے تو تیرھویں کی رمی کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گیارہ بارہ کی رمی کر کے چلے جانے کی اجازت ہوتے ہوئے منیٰ میں ٹھہرا رہے اور تیرہویں کی رمی کر کے جائے۔ اس کے بارے میں فرمایا: (وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى) (اور جو شخص تاخیر کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ۔۔۔

ربط آیات:

اوپر کی آیتوں میں دعا مانگنے والے آدمیوں کی دو قسمیں ٹھہرائی تھیں ایک کافر کہ منکر آخرت ہے اس لئے صرف دنیا مانگتا ہے دوسرا مؤمن کہ معتقد آخرت ہے دنیا کی بھلائی کے ساتھ آخرت کی بھلائی بھی مانگتا ہے اب اگلی آیت میں اسی طرح کی تقسیم نفاق واخلاص کے اعتبار سے فرماتے ہیں کہ بعض منافق ہوتے ہیں اور بعض مخلصین۔

شانِ نزول:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے۔

سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی وہ بنوزھرہ کا حلیف تھا یہ مدینہ میں نبی کریم کے پاس آیا اور آپ کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کیا آپ اس سے بہت خوش ہوئے اس نے کہا میں اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آیا تھا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں یقینا سچا ہوں اور یہ اس کا وہی قول ہے جو قرآن میں اس طرح آیا ہے:

(وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ) اور وہ اپنے مافی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے۔

پھر یہ رسول اللہ کے پاس سے نکلا تو جب مسلمانوں کی کھیتی اور گدھوں کے پاس سے نکلا تو کھیتی کو جلا دیا اور گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ)

(سورۃ بقرہ آیت 205)

اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں) کی نسل کو نابود کرے۔ (تفسیر الطبری، 2۔81، زاد المسیر 1۔219)

بہر حال آیت کا سبب نزول جو بھی ہو الفاظ کا عموم ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو دنیاوی زندگی میں میٹھی میٹھی اور چکنی چپڑی باتیں کر کے مسلمانوں کے عوام اور خواص میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں اندر سے منافق ہوتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کے جھوٹے دعوے ثابت کرنے کے لیے بار بار قسم کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے ہم سچے مسلمان ہیں، ان لوگوں کا مقصد چونکہ اول سے آخر تک دنیا اور دنیا کا جاہ و مال ہی ہوتا ہے اور اندر سے مسلمان نہیں ہوتے اس لیے جب بھی کوئی موقعہ دیکھتے ہیں مسلمانوں کو زک دینے اور نقصان پہنچانے اور ان کی حکومتوں کے خلاف منصوبے بنانے میں اور ان کی حکومتوں کو

برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھتے۔ جو کام اخنس بن شریق نے کیا کہ خدمت عالی میں حاضر ہو کر مسلمان ہونے کا دعوی کیا اور اللہ کو اپنے دعوے کی سچائی پر گواہ بنایا اور پھر وہاں سے نکل کر مسلمانوں کی کھیتوں کو آگ لگا دی اور مویشیوں کو کاٹ کر پھینک دیا وہی کام ہمیشہ سے منافقین کرتے آئے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ قتادہ اور مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر چھپائے ہوئے ہو، نفاق اور جھوٹ کو اپنائے ہوئے اپنی زبان سے اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتا ہو۔ نیز علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ دینی اور دنیاوی امور میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ص۱۰ ج۳)

لفظ (فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا) کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ امور دنیا اور اسباب معاش میں آپ کو اس کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ ایسی باتیں کرتا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیاوی باتوں میں اس کی حلاوت اور فصاحت آپ کو پسند آتی ہے لیکن آخرت میں اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں ہوگی۔ وہاں جو اس کو وحشت سوار ہوئی اس کی وجہ سے وہ بولنے بھی نہ پائے گا۔ (ص۱۰۹ ج۱)

جھگڑالو اور چرب زبان کی مذمت:

(اَلَدُّ الْخِصَامِ) یہ دونوں کلمے آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں۔ پہلا لفظ لدد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ جھگڑالو اور خصام بھی جھگڑے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ جھگڑالو ہے۔ مفسر بیضاوی نے اس کا ترجمہ شدید العداوہ (سخت دشمنی والا) کیا ہے جو اس کا لازمی معنی ہے۔ منافقوں کی یہ صفت بیان فرمانے سے ہر جھگڑالو کی مذمت معلوم ہوئی جو باطل کے لیے جھگڑتا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو زیادہ جھگڑالو ہو۔ (صحیح بخاری ص۶۴۹ ج۲، ص۱۰۶۶ ج۲)

میٹھی میٹھی باتیں کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دل میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا آج کی دنیا میں اس کو بڑی ہوشیاری سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ چیز سیاست حاضرہ کا جزو بن چکی ہے، سنن ترمذی ابواب الزہد میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کریں گے اور تواضع ظاہر کرنے کے لیے بھیڑوں کی کھالوں کے کپڑے پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی۔ اور ان کے دل بھیڑیوں کی طرح ہوں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ میرے حلم سے دھوکہ کھاتے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا کہ جو ان میں ہوشمند عقل والا ہوگا اسے (بھی) حیران کر دے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ....

اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔

شانِ نزول:

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صہیب رضی اللہ عنہ رسول اللہ کی طرف ہجرت کر کے آرہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا شروع کردیا یہ اپنی سواری سے نیچے اتر آئے اور ترکش میں جو تیر تھے انہیں بکھیر لیا اور اپنی کمان پکڑلی اور کہا کہ اے قریش کی جماعت تم جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے زیادہ تیرانداز ہوں اللہ کی قسم تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ میں اپنے ترکش کے تیرتم پر ختم نہ کرلوں پھر اس کے بعد تلوار سے تمہارے ساتھ لڑوں گا جب تک کہ اس کا کچھ حصہ بھی میرے ہاتھ میں باقی رہے پھر تم جو چاہو کرو انہوں نے کہا کہ تم ہمیں اپنے گھر اور مال کی جو مکہ میں ہے خبردو ہم تمہارا راستہ چھوڑ دیں گے انہوں نے حضرت صہیب سے وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے مال دے دیا تو وہ انہیں چھوڑ دیں گے آپ نے ایسا ہی کیا جب آپ نبی کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا اے ابویحیی سودا بہت سودمند رہا سودا بہت سودمند رہا اور اللہ نے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ)

اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔

(المطالب العالیہ ابن حجر رقم الحدیث 3552)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مشرکین نے حضرت صہیب کو پکڑ لیا اور انہیں سخت تکلیف پہنچائی آپ نے ان سے کہا کہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں تم میں سے رہوں یا غیر میں سے ہوجاؤں تمہیں کچھ نقصان نہیں کیا تم چاہتے ہو کہ میرا مال لے لو اور مجھے میرے دین پر چھوڑ دو انہوں نے قبول کرلیا حضرت صہیب نے سواری نفقہ (راستے کا خرچ) کی شرط لگائی تھی آپ مدینہ کی طرف نکلے تو آپ کو حضرت ابوبکر، عمر اور چند افراد ملے حضرت ابوبکر نے آپ کو مبارک باد دی کہ تمہاری بیع فائدہ مند رہی حضرت صہیب نے کہا کہ تمہاری بیع بھی تو گھاٹے میں نہیں یہ کیا معاملہ ہے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے۔ (تفسیر قرطبی 3۔20) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ آیت کریمہ کس کے بارے میں نازل ہوئی جب مسلمان (میدان جنگ میں) کافر کے سامنے آتا تو اس سے کہتا کہ لا الٰہ اللہ پڑھ لے اگر تو نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو تیرا مال و جان محفوظ ہوجائیں گے اگر وہ انکار کردیتا تو مسلمان کہتا کہ اللہ کی قسم میں نے اپنی جان اللہ کو بیچ دی ہے پھر آگے بڑھتا اور یہاں تک لڑتا رہتا کہ قتل کردیا جاتا۔ (تفسیر الطبری 2۔187)

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت کریمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابوخلیل کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ ایک شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے کھڑا ہوا اور شہید کردیا گیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ....

مکمل اطاعت ہی مقصود ہے:

پہلی آیت میں مؤمن مخلص کی مدح فرمائی تھی جس سے نفاق کا ابطال منظور تھا، اب فرماتے ہیں کہ اسلام کو پورا پورا قبول کرو یعنی ظاہر اور باطن اور عقیدہ اور عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو یہ نہ ہو کہ اپنی عقل یا کسی دوسرے کے کہنے سے کوئی حکم تسلیم کرلو یا کوئی عمل کرنے لگو سواس سے بدعت کا قلع قمع مقصود ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کو کسی وجہ سے مستحسن سمجھ کر اپنی طرف سے دین میں شمار کرلیا جائے مثلاً نماز اور روزہ جو کہ افضل عبادات ہیں اگر بدون حکم شریعت کوئی اپنی طرف سے مقرر کرنے لگے جیسے عید کے دن عیدگاہ میں نوافل کا پڑھنا یا ہزارہ روزہ رکھنا یہ بدعت ہوگا، خلاصہ ان آیات کا یہ ہوا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور بدعات سے بچتے رہو۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ نبی پر ایمان لائے اور آپ کی شریعت اور حضرت موسیٰ کی شریعت پر بھی ایمان لے آئے اور اسلام لانے کے بعد بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو ناپسند کرتے یہ بات مسلمانوں پر ناگوار گزری یہ کہتے کہ ہم اس شریعت اور شریعت موسویہ دونوں پر عمل کی طاقت رکھتے ہیں اور نبی سے انہوں نے یہ کہا کہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے آپ ہمیں اس پر عمل کرنے کی اجازت دیں اس پر اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (النیسابوری 53، السیوطی 33، تفسیر طبری 2۔198)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ یوں کہ جب وہ نبی پر ایمان لائے تو وہ نبی کریم کی شریعت اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے پابند ہوگئے۔ انہوں نے السبت یعنی ہفتے کے دن تعظیم کی اور اسلام لانے کے بعد بھی انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ مکروہ جانا مسلمانوں کو ان کی یہ بات ناگوار ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم ان ان باتوں کی پابندی کریں گے انہوں نے نبی کریم سے کہا تورات اللہ کی کتاب ہے لہٰذا ہم اس پر بھی عمل کریں گے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ....

حق قبول نہ کرنے پر وعید

جو لوگ واضح دلائل کے بعد بھی دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے انہیں کیا انتظار ہے ان کے طور طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں آجائیں اور ان کو ان کے کفر کی سزا مل جائے، اور سارا فیصلہ ہوجائے، پھر آگے اسلام قبول کرنے کا موقعہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ عذاب سامنے آنے کے بعد اسلام قبول نہیں ہوتا، پھر فرمایا کہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ قاضی روز جزا ہے۔ اس دن مجازی صاحب اختیار

بھی کوئی نہ ہوگا۔ وہ حق کے ساتھ فیصلے فرمائے گا، اھل کفر کے بارے میں دائمی عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ لہٰذا اپنا انجام سوچ لیں۔

قال القرطبی ص ٢٥ ج ٣ و قیل لیس الکلام علی ظاہرہ فی حقه سبحانه و انما المعنی بأنیهم امر الله و حکمه، و قیل ای بما وعدهم من الحساب والعذاب۔

مطلب یہ ہے کہ (یَأْتِیَهُمُ اللّٰهُ) سے اللہ کا امر اور اس کا حکم اور عذاب آنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سَلْ یَامُحَمَّدُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ تَبْکِیْتًا كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كَمْ اِسْتِفْهَامِیَّةٌ مُعَلِّقَةٌ لِسَلْ مِنَ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِیْ وَهِیَ ثَانِیْ مَفْعُوْلَیْ اٰتَیْنَا وَ مُمَیِّزُهَا مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ ظَاهِرَةٍ كَفَلْقِ الْبَحْرِ وَاِنْزَالِ الْمَنِّ وَالسَّلْوٰی فَبَدَّلُوْهَا كُفْرًا وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ اَیْ مَا اَنْعَمَ بِهٖ عَلَیْهِ مِنَ الْاٰیَاتِ لِاَنَّهَا سَبَبُ الْهِدَایَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ كُفْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ لَهٗ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا بِالتَّمْوِیْهِ فَاَحَبُّوْهَا وَ هُمْ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ لِفَقْرِهِمْ كَعَمَّارٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَبِلَالٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَصُهَیْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَیْ یَسْتَهْزِءُوْنَ بِهِمْ وَیَتَعَالَوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْمَالِ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ وَهُمْ هٰؤُلَاءِ فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ اَیْ رِزْقًا وَاسِعًا فِی الْاٰخِرَةِ اَوِ الدُّنْیَا بِاَنْ یَمْلِكَ الْمَسْخُوْرُ مِنْهُمْ اَمْوَالَ السَّاخِرِیْنَ وَرِقَابَهُمْ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ عَلَی الْاِیْمَانِ فَاخْتَلَفُوْا بِاَنْ اٰمَنَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ اِلَیْهِمْ مُبَشِّرِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّةِ وَ مُنْذِرِیْنَ ۠ مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِمَعْنَی الْكُتُبِ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ لِیَحْكُمَ بِهٖ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ مِنَ الدِّیْنِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اَیِ الدِّیْنِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ اَیِ الْكِتَابَ فَاٰمَنَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ الْحُجَجُ الظَّاهِرَةُ عَلَی التَّوْحِیْدِ وَمِنْ مُتَعَلِّقَةٌ بِاخْتَلَفَ وَهِیَ وَمَا بَعْدَهَا مُقَدَّمٌ عَلَی الْاِسْتِثْنَاءِ فِی الْمَعْنٰی بَغْیًۢا من الكفرين بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ للبیان الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ مِنَ الْكُفْرِیْنَ لِلْبَیَانِ بِاِرَادَتِهٖ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ هِدَایَتَهٗ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٢١٣﴾ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَ نَزَلَ فِیْ جُهْدٍ اَصَابَ الْمُسْلِمِیْنَ اَمْ بَلْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا لَمْ یَاْتِكُمْ مَّثَلُ شِبْهُ مَا اَتَی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْمِحَنِ فَتَصْبِرُوْا كَمَا صَبَرُوْا مَسَّتْهُمْ جُمْلَةٌ

مُسْتَانِفَةٌ مُبَيِّنَةٌ لِمَا قَبْلَهَا الْبَأْسَآءُ شِدَّةُ الْفَقْرِ وَ الضَّرَّآءُ الْمَرَضُ وَ زُلْزِلُوْا اُزْعِجُوْا بِاَنْوَاعِ الْبَلَاءِ حَتّٰى يَقُوْلَ بِالنَّصَبِ وَالرَّفْعِ اَیْ قَالَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اِسْتِبْطَاءً لِلنَّصْرِ لِتَنَاهِی الشِّدَّةِ عَلَيْهِمْ مَتٰى يَاْتِیْ نَصْرُ اللّٰهِ ؕ الَّذِیْ وُعِدْنَاهُ فَاُجِيْبُوْا مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ اِتْيَانُهٗ يَسْـَٔلُوْنَكَ يَا مُحَمَّدُ مَاذَا اَیِ الَّذِیْ يُنْفِقُوْنَ ؕ وَالسَّائِلُ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوْحِ رضی اللہ عنہ وَكَانَ شَيْخًا ذَا مَالٍ فَسَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُنْفِقُ وَ عَلٰى مَنْ يُنْفِقُ قُلْ لَهُمْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ بَيَانٌ لِمَا شَامِلٌ لِلْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ وَ فِيْهِ بَيَانُ الْمُنْفَقِ الَّذِیْ هُوَ اَحَدُ شِقَّيِ السُّوَالِ وَاَجَابَ عَنِ الْمَصْرَفِ الَّذِیْ هُوَ الشِّقُّ الْاٰخَرُ بِقَوْلِهٖ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ اَیْ هُمْ اَوْلٰی بِهٖ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ اِنْفَاقٍ وَغَيْرِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ كُتِبَ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ لِلْكُفَّارِ وَ هُوَ كُرْهٌ مَكْرُوْهٌ لَّكُمْ ۚ طَبْعًا لِمَشَقَّتِهٖ وَ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ لِمَيْلِ النَّفْسِ اِلَى الشَّهَوَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِهَلَاكِهَا وَنُفُوْرِهَا عَنِ التَّكْلِيْفَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِسَعَادَتِهَا فَلَعَلَّ لَكُمْ فِی الْقِتَالِ وَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُ خَيْرًا لِاَنَّ فِيْهِ اِمَّا الظَّفْرُ وَالْغَنِيْمَةُ اَوِ الشَّهَادَةُ وَالْاَجْرُ وَفِیْ تَرْكِهٖ وَاِنْ اَحْبَبْتُمُوْهُ شَرًّا لِاَنَّ فِيْهِ الذُّلَّ وَالْفَقْرَ وَحِرْمَانَ الْاَجْرِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ذٰلِكَ فَبَادِرُوْا اِلٰى مَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ

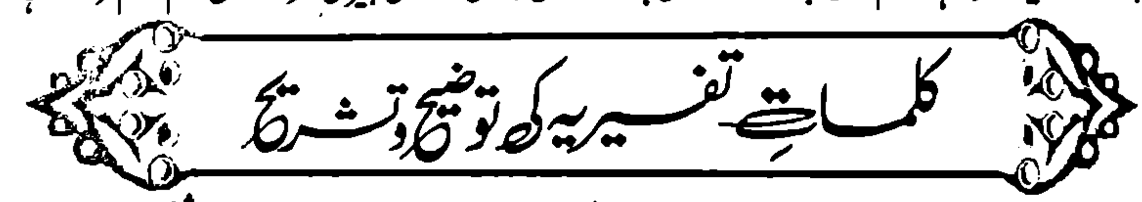
ع ۲۶ / ۱۰

ترجمہ: آپ پوچھئے (اے محمد ﷺ!) بنی اسرائیل سے (بطور زجر و توبیخ کے یعنی سوال سے مقصود استفہام و دریافت کرنا نہیں ہے بلکہ صرف یہود مدینہ کو اس سوال سے شرمندہ کرنا اور توبیخ کرنا ہے کہ ہم نے ان پر کس قدر عنایات کی ہیں (کم استفہامیہ ہے، تقریر کے واسطے اور یہی کم اٰتَيْنٰهُمْ کے دو مفعولوں میں سے دوسرا مفعول ہے اور ممیز ہے اس کی تمیز مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ) واضح نشانیاں (بَيِّنَةٍ ؕ بمعنی ظاہر کے ہیں یعنی کھلی نشانیاں جیسے سمندر کا پھٹنا اور من و سلویٰ کا نازل ہونا پھر بنی اسرائیل نے ان نعمتوں کو کفر سے بدل دیا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے (یعنی وہ آیات و واضح نشانیاں جو ان پر انعام کیا ہے اس لیے کہ وہ نعمتیں ہدایت کا سبب ہیں، مطلب یہ ہے کہ نعمت سے مراد وہ واضح نشانیاں ہیں جو رشد و ہدایت کا سبب تھیں اور ظاہر ہے کہ ہدایت حق تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے) اس نعمت کے آجانے کے بعد (یعنی بجائے اس کے کہ اس سے ہدایت حاصل کریں الٹا گمراہ بنتے ہیں) تو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں (ایسے شخص کو) زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا خوشنما کر دی گئی دنیاوی زندگی کفار (اہل مکہ) کے لیے طمع سازی کے ذریعہ چنانچہ اس پر فریفتہ ہوگئے) اور یہ کفار تمسخر کرتے ہیں مسلمانوں

سے (ان مسلمانوں کی غربت کی وجہ سے جیسے حضرت بلال، عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم اجمعین ان غریب مسلمانوں پر ہنستے ہیں اور مال کی وجہ سے ان پر رعب جماتے ہیں) حالانکہ جو لوگ بچتے ہیں (شرک سے اور وہ لوگ یعنی فقراء مؤمنین ہیں) ان کافروں سے بلند و بالا ہوں گے قیامت کے روز اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب دیتے ہیں (یعنی آخرت میں وسیع اور بے شمار رزق دیں گے، یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں مالک ہو جائیں۔ مسخور حضرات یعنی غریب مسلمان مذاق اڑانے والوں کے مالوں اور جانوروں کا، جیسا کہ جنگ بدر کے بعد سے ہوا) شروع میں سب لوگ ایک دین پر تھے (یعنی ایمان پر تھے پھر انہوں نے باہم اختلاف کیا کہ بعض تو ایمان پر قائم رہے اور بعض کافر ہو گئے) پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو (ان کے پاس) بھیجا جو خوشخبری سناتے تھے (ایمان والوں کو جنت کی) اور ڈراتے تھے (کافروں کو جہنم سے) اور ان پیغمبروں کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں (کتاب بمعنی کتب کہہ کر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ الف لام جنسی ہے) بِالْحَقِّ برحق (انزال کے متعلق ہے) تاکہ فیصلہ کرے (اس کتاب کے ذریعہ) لوگوں کے درمیان ان امور میں جن میں یہ اختلاف کریں (دین کے متعلق) اور نہیں اختلاف کیا ہے اس میں (یعنی دین میں) مگر ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی (چنانچہ بعض نے ایمان لایا اور بعض نے کفر کیا) اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے (توحید پر روشن دلائل اور مِنْ متعلق ہے اِخْتَلَفَ سے اور یہ مِنْ اور اس کا مابعد یعنی بَغْیًا، بینھم معنی کے اندر استثنا پر مقدم ہے پس معناً عبارت اس طرح ہوگی (وما اختلف فی الدین احد من بعد ظهور الحجج الواضحة حال کون الاختلاف بغیا الا الذین اوتوه) محض آپس کی ضد کی وجہ سے (کافروں کی) پھر ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس امر حق میں، جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے اپنے حکم یعنی اپنے ارادہ و مشیت سے (من الحق میں من بیانیہ ہے) اور اللہ تعالیٰ ہدایت کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں (ہدایت دینا) صراطِ مستقیم کی طرف (یعنی راہِ حق کی طرف)۔

اس آیت کا نزول اس مشقت و سختی کے سلسلے میں ہوا جو مسلمانوں کو پہنچی، اَمْ حَسِبْتُمْ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے (مفسر رحمہ اللہ نے بل اور ہمزۂ استفہام ظاہر کر کے اشارہ کیا ہے کہ اَمْ بمعنی بَلْ اور ہمزۂ استفہام ہے بَلْ سے بتایا کہ اَمْ منقطعہ ہے بَلْ کے معنی میں جو کلام سابق سے اعراض کے لیے آتا ہے، یہاں مشرکوں کے اختلاف سے اعراض کرنے کے لیے ہے اور ہمزۂ استفہام انکاری زجر و توبیخ کے لیے ہے کہ مسلمانوں کو یہ خیال ہرگز نہیں کرنا چاہیے کہ شدائد و تکالیف میں پڑے بغیر ہی جنت کے مستحق ہو جائیں گے) اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تمہیں پیش نہیں آئی ان لوگوں جیسی حالت جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں (لَمَّا بمعنی لَمْ ہے، یعنی گزشتہ مؤمنوں کو جو محنت اور تکلیف پہنچی، سو تم بھی صبر کرو جیسا کہ انہوں نے صبر کیا) یہ جملہ مستانفہ ہے: ای کان قیل ما مثل الذین خلوا وما حالهم فقیل مستهم.... اور ماقبل یعنی مَثَلُ الَّذِیْنَ کا بیان ہے سختی (انتہائی غربت و محتاجی اور تکلیف (بیماری) اور ہلا ڈالے گئے (طرح طرح کی بلاؤں سے جھڑجھڑائے گئے) یہاں تک کہ بول اٹھے (نصب اور رفع کے ساتھ یعنی دونوں اعراب جائز ہیں اور بمعنی قال ہے یعنی مضارع بمعنی ماضی ہے) رسول اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے (امدادِ الٰہی میں تاخیر اور تکلیف کی انتہائی شدت کی وجہ سے) کب (آئے گی) اللہ کی مدد (جس کا ہم سے وعدہ کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو جواب دیا گیا) سن رکھو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے (یعنی مدد کا آنا

قریب ہے) یَسْئَلُوْنَكَ اے محمد! لوگ آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں (ذَا بمعنی الذی ہے یعنی وہ چیز جس کو ثواب کے واسطے خرچ کریں وہ کیا ہے؟ اور سائل عمرو بن الجموح ایک بوڑھے مالدار شخص تھے، سو اس نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا چیز خرچ کروں؟ اور کن لوگوں پر خرچ کروں؟) آپ ﷺ فرما دیجیے (ان سے) جو کچھ تم خرچ کرو مال سے (مِنْ خَیْرٍ بیان ہے ما کا جو شامل ہے قلیل اور کثیر مال کو اور اس میں بیان ہے منفق کا یعنی جو مال خرچ کیا جائے اور یہ سوال کے دو حصوں میں سے ایک حصہ کا جواب ہے اور مصرف (یعنی کن لوگوں پر خرچ کریں) جو سوال کا دوسرا حصہ تھا، اس کا جواب ارشاد باری تعالیٰ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ .... سے ہے) سو ماں باپ کا حق ہے اور رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا (یعنی یہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں، ان لوگوں کو دینا افضل ہے کوئی وجوبی مصرف نہیں) اور تم جو کچھ نیکی کرو گے (یعنی جو نیک کام کرو گے خواہ مال خرچ کرنا ہو یا اس کے علاوہ) سو بے شک اللہ اس کو خوب جانتا ہے (اس پر ثواب دیا جائے گا) کُتِبَ بمعنی فرض ہے تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے (کافروں سے) اور وہ ناگوار (گراں) ہے تم کو (طبعاً اس کی مشقت کی وجہ سے) اور ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور (واقع میں) وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو (اس لیے کہ نفس ایسے شہوات کی طرف مائل ہوتا ہے جو اس کی ہلاکت کا موجب ہے اور نفس کو ان تکلیفات شرعیہ سے نفرت ہوتی ہے جو اس کے لیے موجب سعادت ہیں، اس لیے ہوسکتا ہے کہ جہاد میں تمہارے لیے بھلائی ہو اگرچہ تم اس کو گراں جانو کیونکہ جہاد کرنے میں یا فتح اور غنیمت ملتی ہے یا شہادت اور ثواب ملتا ہے اور اس جہاد کو چھوڑنے میں برائی ہے اگرچہ طبعاً بھلا معلوم ہو اس لیے کہ اس میں ذلت و محتاجی اور ثواب سے محرومی ہے) اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں (جو تمہارے لیے بہتر ہے اور تم نہیں جانتے ہو) اس بات کو، پس جلدی کرو اس چیز کی طرف جس کا تم کو حکم فرماتا ہے۔



قوله: یَا مُحَمَّدُ ﷺ: اس سے اشارہ کیا کہ خطاب صرف معین رسول (ﷺ) کو ہے ہر وہ شخص مراد نہیں کہ جس سے سوال ہوسکتا ہو۔

قوله: اِسْتِفْهَامِيَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ خبریہ نہیں بلکہ استفہامیہ ہے۔

قوله: مَا اَنْعَمَ بِهٖ عَلَيْهِ: یہاں مصدر کا ذکر کیا اور مفعول مراد لیا ہے۔

قوله: الشِّرْكَ وَهُمْ هٰؤُلَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہے۔ پس اس کا مفہوم وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی طرح بن گیا۔

قوله: اَلْكِتٰبَ: اس سے اشارہ کیا کہ الف لام جنس کا ہے اور تمام کتب مراد ہیں۔

قوله: بِهٖ بَيْنَ النَّاسِ: اس سے اشارہ کیا کہ لِيَحْكُمَ کی ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والی ہے یا جناب نبی مکرم ﷺ کی طرف۔ نہ ان کے علاوہ کسی اور کی طرف۔

قوله: وَهِيَ وَمَا بَعْدَهَا: مِنْ بَعْدِ اپنے مابعد سمیت یہ استثناء میں داخل ہی نہیں۔

قوله: يَأْتِيَ نَصْرُ اللهِ: یعنی اس کو مقدر مانا۔ اس سے اشارہ کیا کہ نَصْرُ اللهِ مرفوع اس طور پر ہے کہ وہ فعل محذوف کا فاعل ہے۔

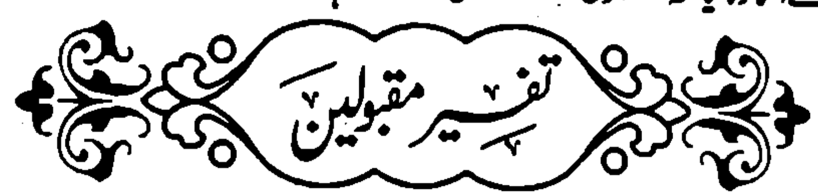
قوله: عَلٰى مَنْ يُنْفِقُ: شانِ نزول کو بیان کر کے بتلایا کہ ان کا سوال اس چیز سے متعلق تھا جو خرچ کی جائے اور جہاں خرچ کی جائے۔ پس بطور ایجاز کلام ایک کے جواب پر اکتفاء کیا۔

قوله: وَفِيهِ بَيَانُ الْمُنْفَقِ: اس سے اشارہ کیا کہ مصرف کا بیان تو اہم ترین چیز ہے، اسی کو بیان کر دیا۔

قوله: لِلْكُفَّارِ: اس سے اشارہ کیا کہ الف لام عہد کا ہے۔ ہر ایک سے قتال مراد نہیں ہے۔

قوله: طَبْعًا: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے کراہت طبعی مراد ہے، شرعی نہیں جو کہ ایمان کے خلاف ہے۔

قوله: ذٰلِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ کا مفعول محذوف ہے۔



سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ....

ربط آیات: اوپر فرمایا تھا کہ بعد دلائل واضحہ آ جانے کے حق کی مخالفت کرنا موجب سزا ہے پہلی آیت میں اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ جیسے بنی اسرائیل کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی:

بنی اسرائیل کی ناشکری اور اس پر عذاب:

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اے محمد (ﷺ)) آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے) یہاں بنی اسرائیل سے مراد خاص مدینہ منورہ کے یہودی ہیں اور اس سوال سے مقصود ان کو زجر و توبیخ کرنی ہے۔

كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ (انکو ہم نے کتنی کچھ دی ہیں) ھم ضمیر سے موجودہ یہود کے باپ دادا مراد ہیں اور کم یا تو استفہامیہ ہے اس صورت میں یہ سل کو مفعول ثانی سے مانع ہے (یعنی سل جو پہلے سے دو مفعولوں کو چاہتا تھا اب کم کے آنے سے مفعول ثانی کی اسے ضرورت نہ رہی) اور یا کم خبریہ ہے اس صورت میں کم مع اپنی ممیز کے سل کا مفعول ثانی ہے اور آیہ الخ کا ممیز۔

مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ (کھلی نشانیاں) احتمال ہے کہ کم مبتدا اور ضمیر جو مبتدا کی طرف پھرتی ہے خبر میں سے محذوف ہو مطلب یہ ہے کہ بہت سی کھلی نشانیاں ہیں جو ہم نے ان کو دی تھیں اور انہوں نے انہیں پہچان لینے کے بعد بدل ڈالا اور جملہ کم اتیناھم کم کے استفہامیہ ہونے کی تقدیر پر سل بنی اسرائیل سے حال ہے مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ کم اتیناھم --- اور کم کے خبریہ ہونے کی تقدیر پر (جملہ کم اتیناھم) جواب سوال کا ہے یعنی بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ان کے پس بہت سی نشانیاں تھیں یا نہیں اور ان نشانیوں سے مراد وہ کھلے کھلے معجزے ہیں جو موسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت پر

دال تھے یا توریت کی وہ محکم آیتیں مراد ہیں جو محمد (ﷺ) کی نبوت پر دال ہیں اور یہ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ (اور جس نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا) نعمت سے مراد وہ معجزے ہیں جو اللہ نے اس پر انعام کے نعت ان کو اس لیے کہا کہ وہ ہدایت کا سبب ہیں یا اس سے اللہ کی کتاب مراد ہے (اور تبدیل سے مقصود یہ ہے) کہ اس پر عمل نہ کیا۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ (اس (نعمت) کے آجانے کے بعد) یعنی وہ نعمت اس کے پاس پہنچ گئی اور اس کو تحقیق کرنے کا بھی موقع مل گیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان لوگوں نے ان کو تحقیق کرنے کے بعد بدلا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (بے شک اللہ تعالیٰ اس کو سب سے سخت عذاب دینے والا ہے) یعنی چونکہ وہ سب سے سخت جرم کا مرتکب ہوا ہے لہٰذا اس کو عذاب بھی اللہ سب سے سخت دے گا۔ (مظہری)

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا....

یعنی کافر جو اللہ کے صاف احکام اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہو چکا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نظروں میں دنیا کی خوبی اور اس کی محبت ایسی سما گئی ہے کہ اس کے مقابلہ میں آخرت کے رنج اور راحت کو خیال ہی میں نہیں لاتے بلکہ مسلمان جو فکر آخرت میں مصروف اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں مشغول ہیں الٹا ان کو ہنستے ہیں اور ذلیل سمجھتے ہیں سو ایسے احمق نفس کے بندوں سے تعمیل احکام الٰہی ہو تو کیونکر ہو۔ رؤسائے مشرکین حضرت بلال اور عمار اور صہیب اور فقرائے مہاجرین کو دیکھ کر تمسخر کرتے کہ ان نادانوں نے آخرت کے خیال پر دنیا کی تکالیف اور مصائب کو اپنے سر لیا اور محمد (ﷺ) کو تو دیکھو کہ ان فقیروں محتاجوں کی امداد سے عرب کے سرداروں پر غالب آنا اور دنیا بھر کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ ان کی جہالت اور خام خیالی ہے کہ دنیا پر ایسے غش ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہی غرباء اور فقراء قیامت کو ان سے اعلیٰ اور برتر ہوں گے اور اللہ دنیا و آخرت میں جس کو چاہے بیشمار روزی عطا فرمائے چنانچہ انہی غریبوں کو جن پر کافر ہنستے تھے اموال بنی قریظہ اور نضیر اور سلطنت فارس اور روم وغیرہ پر اللہ نے مسلط کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً....

حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا ایک مدت تک اس کے بعد دین میں لوگوں نے اختلاف ڈالا تو خدا تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب کی بشارت دیتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی بھیجی تاکہ لوگوں کا اختلاف اور نزاع دور ہو اور دین حق ان کے اختلافات سے محفوظ اور قائم رہے اور احکام الٰہی میں انہی لوگوں نے اختلاف ڈالا جن کو وہ کتاب ملی تھی جیسے یہود و نصاریٰ تورات و انجیل میں اختلاف و تحریف کرتے تھے اور یہ نزاع بے سمجھی سے نہیں کرتے تھے بلکہ خوب سمجھ کر محض حب دنیا اور ضد اور حسد سے ایسا کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو طریقہ حق کی ہدایت فرمائی اور گمراہوں کے اختلافات سے بچا لیا جیسے آپ کی امت کو ہر عقیدہ اور ہر عمل میں امر حق کی تعلیم فرمائی اور یہود و نصاریٰ کے اختلاف اور افراط و تفریط سے ان کو محفوظ رکھا۔

فائدہ: اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ اللہ نے جو کتابیں اور نبی متعدد بھیجے تو اس واسطے نہیں کہ ہر فرقہ کو جدا طریقہ بتلایا ہو بلکہ سب کے لیے اللہ نے اصل میں ایک ہی راستہ مقرر کیا جس وقت اس راہ سے بہکے تو اللہ نے نبی کو بھیجا اور کتاب اتاری کہ اس کے موافق چلیں اس کے بعد پھر بہکے تو دوسرا نبی اور کتاب اللہ پاک نے اسی ایک راہ کے قائم کرنے کو بھیجا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بیشمار جب ایک مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز فرمایا جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا اب آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ فرمادیا جو سب بیماریوں سے بچنے اور سب کے بدلے کفایت کرے اور وہ طریقہ اسلام ہے جس کے لیے پیغمبر آخر الزمان (ﷺ) اور قرآن شریف بھیجے گئے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ سنت اللہ یہی جاری ہے کہ برے لوگ ہر نبی مبعوث کے خلاف ہر کتاب الٰہی میں اختلاف کو پسند کرتے رہے اور اس میں ساعی رہے تو اب اہل ایمان کو کفار کی بدسلوکی اور فساد سے تنگدل ہونا نہ چاہیے۔ (عثمانی)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ....

پہلے مذکور ہوا کہ دشمنوں کے ہاتھ سے انبیاء اور ان کی امتوں کو ہمیشہ ایذائیں ہوئیں تو اب اہل اسلام کو ارشاد ہے کہ کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگلی امتوں کو جو ایذائیں پیش آئیں وہ تم کو پیش نہیں آئیں کہ ان کو فقر و فاقہ اور مرض اور خوف کفار اس درجہ کو پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہو کر نبی اور ان کی امت بول اٹھی کہ دیکھئے اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آئے گی یعنی بتقاضائے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے۔ انبیاء اور مؤمنین کا یہ کہنا کچھ شک کی وجہ سے نہ تھا حضرت مولانا اسی کی بابت مثنوی میں فرماتے ہیں درگماں افتاد جان انبیاء زاتفاق منکری اشقیاء بلکہ بحالت اضطرار بمقتضائے بشریت اس کی نوبت آئی جس میں ان پر کوئی الزام نہیں جب نوبت یہاں تک پہنچی تو رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ اللہ کی مدد آگئی گھبراؤ نہیں سوائے مسلمانو تکالیف دنیاوی سے اور دشمنوں کے غلبہ سے گھبراؤ نہیں تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ.....

صدقہ کے مصارف:

متذکرہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا استفتاء یعنی سوال ان الفاظ سے نقل فرمایا گیا ہے: يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ یعنی لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یہی سوال اس رکوع میں تین آیتوں کے بعد پھر انہی الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ لیکن اس ایک ہی سوال کا جواب آیت متذکرہ میں کچھ اور دیا گیا ہے اور تین آیتوں کے بعد آنے والے سوال کا جواب اور ہے۔

اس لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک ہی سوال کے دو مختلف جواب کس حکمت پر مبنی ہیں یہ حکمت ان حالات و واقعات میں غور کرنے سے واضح ہو جاتی ہے جن میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں مثلاً آیت متذکرہ کا شان نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح نے رسول اللہ (ﷺ) سے یہ سوال کیا تھا کہ: ما ننفق من اموالنا واین نضعها۔ (اخرجہ ابن المنذر، مظہری) یعنی

ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں اور ابن جریر کی روایت کے موافق یہ سوال تنہا عمرو ابن جموح کا نہیں تھا بلکہ عام مسلمانوں کا سوال تھا اس سوال کے دو جزو ہیں ایک یہ کہ مال میں سے کیا اور کتنا خرچ کریں دوسرے یہ کہ اس کا مصرف کیا ہو کن لوگوں کو دیں۔

اور دوسری آیت جو دو آیتوں کے بعد اسی سوال پر مشتمل ہے اس کا شان نزول بروایت ابن ابی حاتم یہ ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں تو چند صحابہ کرام آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جو حکم ہمیں ملا ہے ہم اس کی وضاحت چاہتے ہیں کہ کیا مال اور کونسی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں اس سوال میں صرف ایک ہی جزء ہے یعنی کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں کا سوال تھا اور دوسرے میں صرف کیا خرچ کریں کا سوال ہے اور پہلے سوال کے جواب میں جو کچھ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے دوسرے جزء کو یعنی کہاں خرچ کریں زیادہ اہمیت دے کر اس کا جواب تو صریح طور پر دیا گیا اور پہلے جزء یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر دے دینا کافی سمجھا گیا اب الفاظ قرآنی میں دونوں اجزاء پر نظر فرمائیں، پہلے جز یعنی کہاں خرچ کریں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، یعنی جو کچھ بھی تم کو اللہ کے لئے خرچ کرنا ہو اس کے مستحق ماں باپ اور رشتہ دار اور بے باپ کے بچے اور مساکین اور مسافر ہیں۔

اور دوسرے جزء یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر ان الفاظ سے دیا گیا: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ، یعنی تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر کوئی تحدید اور پابندی نہیں کہ مال کی اتنی ہی مقدار صرف کرو بلکہ جو کچھ بھی اپنی استطاعت کے موافق خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر و ثواب پاؤ گے۔

الغرض پہلی آیت میں شاید سوال کرنے والوں کے پیش نظر زیادہ اہمیت اسی سوال کی ہو کہ ہم جو مال خرچ کریں اس کا مصرف کیا ہو کہاں خرچ کریں، اسی لئے اس کے جواب میں اہمیت کے ساتھ مصارف بیان فرمائے گئے، اور کیا خرچ کریں اس سوال کا جواب ضمنی طور پر دے دینا کافی سمجھا گیا، اور بعد والی آیت میں سوال صرف اتنا ہی تھا کہ ہم کیا چیز اور کیا مال خرچ کریں اس لئے اس کا جواب ارشاد ہوا قُلِ الْعَفْوَ یعنی آپ فرما دیں کہ جو کچھ بچے اپنی ضرورت سے وہ خرچ کیا کریں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ...

جب تک آپ (ﷺ) مکہ میں رہے آپ (ﷺ) کو مقاتلہ کی اجازت نہ ہوئی جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تو مقابلہ کی اجازت ہوئی مگر صرف ان کفار سے کہ جو خود اہل اسلام سے مقاتلہ کریں اس کے بعد علی العموم کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہوگئی اور جہاد فرض ہوا اگر دشمنان دین مسلمانوں پر چڑھائی کریں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ بشرطیکہ جملہ شرائط جہاد جو کتب فقہ میں مذکور ہیں پائی جائیں البتہ جن لوگوں سے مسلمان مصالحت اور معاہدہ کرلیں یا ان کی امن اور حفاظت میں آجائیں تو ان سے لڑائی کرنا یا ان کے مقابلہ میں ان کے کسی مخالف کو مدد دینا ہرگز مسلمانوں کو جائز نہیں۔

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ...

برے لگنے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو دشوار اور گراں معلوم ہوتا ہے یہ نہیں کہ قابل رد وانکار نظر آئے اور مخالف حکمت و مصلحت سمجھا جائے اور موجب ناخوشی اور تنفر ہو سواتنی بات میں کوئی الزام نہیں جب انسان کو بالطبع زندگی سے زیادہ کوئی چیز مرغوب نہیں تو ضرور مقاتلہ سے زیادہ دشوار کوئی شے نہ ہونی چاہیے۔

وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ....

یعنی یہ بات ضروری نہیں کہ جس چیز کو تم اپنے حق میں نافع یا مضر سمجھو وہ واقعہ میں بھی تمہارے حق میں ویسی ہی ہوا کرے بلکہ ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لیے مضر سمجھو اور وہ مفید ہو اور کسی چیز کو مفید خیال کرلو اور وہ مضر ہو تم نے تو سمجھ لیا کہ جہاد میں جان ومال سب کا نقصان ہے اور ترک جہاد میں دونوں کی حفاظت اور یہ نہ جانا کہ جہاد میں دنیا اور آخرت کے کیا کیا منافع ہیں اور اس کے ترک میں کیا کیا نقصان ہیں تمہارے نفع نقصان کو خدا ہی خوب جانتا ہے تم اسے نہیں جانتے اس لیے وہ جو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اپنے اس خیال کو چھوڑو۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ سَرَايَاهُ وَأَمَّرَ عَلَيْهَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَحْشٍ رضی اللہ عنہ فَقَاتَلُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتَلُوا ابْنَ الْحَضْرَمِيِّ فِي اٰخِرِ يَوْمٍ مِنْ جُمَادَى الْاٰخِرَةِ وَالْتَبَسَ عَلَيْهِمْ بِرَجَبٍ فَعَيَّرَهُمُ الْكُفَّارُ بِاسْتِحْلَالِهِ فَنَزَلَ **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ** الْمُحَرَّمِ **قِتَالٍ فِيْهِ** ۭ بَدَلُ اشْتِمَالٍ **قُلْ** لَهُمْ **قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ** ۭ عَظِيْمٌ وِزْرًا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ **وَصَدٌّ** مُبْتَدَأٌ مَنْعٌ لِلنَّاسِ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِهِ **وَكُفْرٌۢ بِهٖ** بِاللّٰهِ **وَصَدٌّ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ۤ اَيْ مَكَّةَ **وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ** وَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ **اَكْبَرُ** اَعْظَمُ وِزْرًا **عِنْدَ اللّٰهِ** ۚ مِنَ الْقِتَالِ فِيْهِ **وَالْفِتْنَةُ** الشِّرْكُ مِنْكُمْ **اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ** ۭ لَكُمْ فِيْهِ **وَلَا يَزَالُوْنَ** اَيِ الْكُفَّارُ **يُقَاتِلُوْنَكُمْ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **حَتّٰى** كَيْ **يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ** اِلَى الْكُفْرِ **اِنِ اسْتَطَاعُوْا** ۭ **وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ** بَطَلَتْ الصَّالِحَةُ **اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** ۚ فَلَا اعْتِدَادَ بِهَا وَلَا ثَوَابَ عَلَيْهَا وَالتَّقْيِيْدُ بِالْمَوْتِ عَلَيْهِ يُفِيْدُ اَنَّهُ لَوْ رَجَعَ اِلَى الْاِسْلَامِ لَمْ يَبْطُلْ عَمَلُهُ فَيُثَابُ عَلَيْهِ وَلَا يُعِيْدُهُ كَالْحَجِّ مَثَلًا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ **وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ** ۚ **هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۲۱۷﴾ وَلَمَّا ظَنَّ السَّرِيَّةُ اَنَّهُمْ اِنْ سَلِمُوْا مِنَ الْاِثْمِ فَلَا يَحْصُلُ لَهُمْ اَجْرٌ نَزَلَ **اِنَّ**

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فَارَقُوْا اَوْطَانَهُمْ وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ
رَحْمَتَ اللّٰهِ ثَوَابَهٗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ بِهِمْ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ الْقِمَارِ مَا
حُكْمُهُمَا قُلْ لَهُمْ فِيْهِمَآ اَيْ فِيْ تَعَاطِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ عَظِيْمٌ وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ لِمَا يَحْصُلُ
بِسَبَبِهِمَا مِنَ الْمُخَاصَمَةِ وَالْمُشَاتَمَةِ وَ قَوْلِ الْفُحْشِ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ بِاللَّذَّةِ وَالْفَرَحِ فِي الْخَمْرِ
وَاِصَابَةِ الْمَالِ بِلَا كَدٍّ فِي الْمَيْسِرِ وَ اِثْمُهُمَآ اَيْ مَا يَنْشَأُ عَنْهُمَا مِنَ الْمَفَاسِدِ اَكْبَرُ اَعْظَمُ مِنْ نَّفْعِهِمَا
وَلَمَّا نَزَلَتْ شَرِبَهَا قَوْمٌ وَامْتَنَعَ اٰخَرُوْنَ اِلٰى اَنْ حَرَّمَتْهُمَا اٰيَةُ الْمَائِدَةِ وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ اَيْ مَا
قَدْرُهٗ قُلِ اَنْفِقُوا الْعَفْوَ اَيِ الْفَاضِلَ عَنِ الْحَاجَةِ وَلَا تُنْفِقُوْا مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ وَ تُضِيْعُوْا اَنْفُسَكُمْ وَفِيْ
قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيْرِ هُوَ كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِيْ
اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَتَاْخُذُوْنَ بِالْاَصْلَحِ لَكُمْ فِيْهِمَا وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى وَمَا يَلْقَوْنَهٗ مِنَ الْحَرَجِ
فِيْ شَاْنِهِمْ فَاِنْ وَاكَلُوْهُمْ يَاْثَمُوْا وَاِنْ عَزَلُوْا مَا لَهُمْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَصَنَعُوْا لَهُمْ طَعَامًا وَحْدَهُمْ فَحَرَجٌ قُلْ
اِصْلَاحٌ لَّهُمْ فِيْ اَمْوَالِهِمْ بِتَنْمِيَتِهَا وَمُدَاخَلَتِكُمْ خَيْرٌ مِنْ تَرْكِ ذٰلِكَ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ اَيْ تَخْلِطُوْا
نَفَقَتَهُمْ بِنَفَقَتِكُمْ فَاِخْوَانُكُمْ اَيْ فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمِنْ شَاْنِ الْاَخِ اَنْ يُخَالِطَ اَخَاهُ اَيْ فَلَكُمْ
ذٰلِكَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ لِاَمْوَالِهِمْ بِمُخَالَطَتِهٖ مِنَ الْمُصْلِحِ لَهَا فَيُجَازِيْ كُلًّا مِنْهُمَا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَاَعْنَتَكُمْ لَضَيَّقَ عَلَيْكُمْ بِتَحْرِيْمِ الْمُخَالَطَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ فِيْ صُنْعِهٖ وَلَا
تَنْكِحُوا تَتَزَوَّجُوْا اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ الْمُشْرِكٰتِ اَيِ الْكَافِرَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ حُرَّةٍ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا الْعَيْبُ عَلٰى مَنْ تَزَوَّجَ اَمَةً مُؤْمِنَةً وَالتَّرْغِيْبُ فِيْ نِكَاحِ حُرَّةٍ مُشْرِكَةٍ وَّ
لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ لِجَمَالِهَا وَمَالِهَا وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِغَيْرِ الْكِتَابِيَاتِ بِاٰيَةِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ وَلَا تُنْكِحُوا تُزَوِّجُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَيِ الْكُفَّارَ الْمُؤْمِنَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ لِمَالِهٖ وَجَمَالِهٖ اُولٰٓئِكَ اَيْ اَهْلُ الشِّرْكِ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ بِدُعَائِهِمْ اِلَى

الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَهَا فَلَا تَلِيْقُ مُنَاكَحَتُهُمْ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا عَلٰى لِسَانِ رُسُلِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ اَيِ الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَهُمَا بِاِذْنِهٖ بِاِرَادَتِهٖ فَتَجِبُ اِجَابَتُهٗ بِتَزْوِيْجِ اَوْلِيَائِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ يَتَّعِظُوْنَ

ع ۲۷ ۱۱

ترجمہ: اور نبی اکرم ﷺ نے اپنے سرایا میں سے اول سریہ بھیجا اور اس سریہ پر حضرت عبد اللہ بن جحش کو امیر مقرر کیا، سو ان حضرات نے مشرکوں سے قتال کیا اور ابن الحضرمی کو قتل کر دیا اور یہ جمادی الثانیہ کا آخری دن یعنی ۳۰/ جمادی الثانیہ تھا لیکن ان پر رجب کی پہلی تاریخ سے التباس ہو گیا (اصل میں ۲۹/ جمادی الثانیہ کو چاند نکل چکا تھا اور اور اصحاب سریہ اس کو جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ یعنی ۳۰ سمجھتے تھے حالانکہ رجب کی پہلی تاریخ تھی جو اشہر حرم میں سے ہے) اس لیے کفار نے ان کو عار دلایا یعنی طعنہ کیا کہ تم نے رجب کو بھی حلال کر لیا ہے اس پر آیت نازل ہوئی: (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ....) لوگ آپ سے شہر حرام (محترم مہینہ) میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں (قِتَالٍ فِيْهِ، شہر حرام سے بدل اشتمال واقع ہے) آپ فرما دیجیے (ان سے) اس میں خاص طور پر یعنی عمداً قتال کرنا بڑا گناہ ہے (عظیم جرم ہے، قِتَالٌ فِيْهِ مبتدا اور كَبِيْرٌ خبر ہے) اور اللہ کی راہ سے روکنا (صَدٌّ مبتدا ہے مع اپنے معطوفات کے اور سبیل اللہ سے مراد اللہ کا دین یعنی اسلام ہے) اور اس (اللہ) کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (مکہ معظمہ) سے روکنا اور اہل مکہ کو وہاں سے نکالنا (مراد اہل مکہ سے نبی اکرم ﷺ اور حضرات مؤمنین ہیں، مبتداء کی خبر اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ہے) بہت بڑا گناہ ہے اللہ کے نزدیک (بہ نسبت شہر حرام میں قتال کے) اور فتنہ (تمہارا شرک کرنا) اس قتل سے بہت بڑھ کر ہے (جو تم کو پیش آیا ہے، ماہ حرام میں) اور ہمیشہ جاری رکھیں گے (یہ کفار) تم سے قتل و قتال (اے مسلمانو!) یہاں تک کہ (حَتّٰى بمعنی کی ہے) تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے (یعنی کفر کی طرف) اگر قابو پائیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے ضائع (غارت) ہو جاتے ہیں سارے اعمال (صالحہ) دنیا اور آخرت میں (چنانچہ ان اعمال کا نہ کچھ شمار ہوگا اور نہ ہی اس پر کچھ ثواب ملے گا اور موت علی الکفر کی قید لگانے سے یہ فائدہ ہے کہ اگر وہ مرتد اسلام کی طرف واپس لوٹ آئے تو اس کا عمل باطل نہیں ہوگا چنانچہ اس پر ثواب دیا جائے گا اور نہ اس عمل کا اعادہ کرنا پڑے گا جیسے حج ہے مثلاً کہ ایک شخص حج کرنے کے بعد نعوذ باللہ مرتد ہو گیا اور پھر مسلمان ہو جائے تو اس پر دوبارہ حج واجب نہیں ہوگا یہی مذہب امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، یہ لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے (اور جب اصحاب سریہ یعنی عبد اللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں نے جواب مذکور سن کر یہ سمجھ لیا یعنی مطمئن ہو گئے کہ شہر حرام میں قتل کے گناہ سے اگرچہ وہ محفوظ رہ گئے لیکن جہاد کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، اس پر آیت نازل ہوئی) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی (اپنا وطن چھوڑا) اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا (دین خداوندی کے بلند کرنے کے لیے) ایسے لوگ تو اللہ کی رحمت (ثواب) کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ بخشنے والے ہیں (مؤمنوں کو) اور مہربان ہیں (ان پر)۔ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں (الْمَيْسِرِ بمعنی قمار یعنی اے پیغمبر! آپ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں

کہ ان دونوں کا حکم کیا ہے؟) آپ فرما دیجیے (ان سے) کہ ان دونوں میں (یعنی ان دونوں کے استعمال میں) گناہ کبیر ہے (کبیر بمعنی عظیم یعنی بڑا گناہ ہے اور ایک قراءت میں، بجائے کبیر کے مثلثہ یعنی تین نقطے والی ثاء کے ساتھ کثیر ہے چونکہ ان دونوں شراب اور جوئے کی وجہ سے باہمی لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ اور بکواس کی نوبت آتی ہے) اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں (شراب میں لذت وفرحت ہوتی ہے اور جوئے میں بغیر مشقت کے مال کا حصول ہے) اور ان دونوں کا گناہ (یعنی وہ مفاسد وخرابیاں جو ان دونوں سے پیدا ہوتی ہیں) عظیم تر ہے ان کے فائدوں سے (جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک جماعت اس کو پیتی رہی (چونکہ آیت میں صاف طور پر شراب کو حرام نہیں کیا گیا اس لیے کچھ حضرات نے منافع للناس پر نظر کر کے شراب پیتے رہے اور دوسری جماعت اس سے رک گئی یعنی پینا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ سورۂ مائدہ کی آیت: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ نے صاف طور پر حرام قرار دیا۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کریں (یعنی خرچ کی مقدار کیا ہونی چاہیے) آپ فرما دیجیے کہ (خرچ کرو) جو بڑھتی ہو (یعنی جو حاجت سے زائد ہو اور جس کی ضرورت ہو اس کو خرچ کر کے اپنے آپ کو ضائع مت کرو، مطلب یہ ہے کہ خیر خیرات میں اتنا مت خرچ کرو کہ تم کو اور تمہارے اہل وعیال کو تکلیف اٹھانی پڑے، ہاتھ پھیلانا پڑے یا کسی کا حق ضائع کر کے اُخروی تکلیف اٹھانی پڑے۔ ایک قراءت میں العفو رفع کے ساتھ ہے، ھُوَ کی تقدیر کے ساتھ، یعنی الْعَفْوَ ؕ خبر ہے ھُوَ، مبتداء محذوف کی) اسی طرح (یعنی جس طرح مذکورہ احکام خرچ وغیرہ کا تمہارے لیے بیان کر دیا ہے) اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کر دیتے ہیں تاکہ تم غور کرو دنیا اور آخرت کی باتوں میں، پس اسی کو اختیار کرو جو تمہارے لیے دونوں جہاں میں زیادہ بہتر ہو۔) اور لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق دریافت کرتے ہیں (یتیموں کے بارے میں جو تنگی پاتے ہیں اگر ان کو شریک کر کے کھلائیں تو گنہگار ہوتے ہیں کیونکہ یتیموں کا مال کھانا ایسا ہے جیسے دوزخ کے انگارے پیٹ میں بھرنا اور اگر ان کے مال کو اپنے اموال سے علیحدہ کرتے ہیں اور ان کے لیے الگ کھانا پکاتے ہیں تو حرج ہے کیونکہ اگر کھانا بچ گیا تو دو حال سے خالی نہیں، ہم کھالیں تو آگ سے انگارے کھائیں گے یا پھینک دیں تو بربادی ہے، اسی حرج کی وجہ سے صحابہؓ نے آپ سے دریافت فرمایا: قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ، آپ فرما دیجیے کہ ان کی اصلاح (بایں طور کہ ان کے مالوں کو بڑھانے کی کوشش تجارت وغیرہ میں لگا کر اور تمہاری مداخلت) بہتر ہے (اس اصلاح کے ترک سے) اور اگر تم ان کو شریک کرلو (یعنی ان کا خرچ اپنے خرچ میں ملالو) تو وہ تمہارے بھائی ہیں (یعنی وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور بھائی کی شان سے ہے کہ اپنے بھائی کو ملالے یعنی تم کو اس کا اختیار ہے) اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں مفسد کو (جو ضائع کرنے والا ہے ان مالوں کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر) اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (چنانچہ ہر ایک کو بدلہ دیں گے) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مشقت میں ڈال دیتے (یعنی تم پر تنگی ڈال دیتے شرکت کو حرام کر کے) بے شک اللہ (زبردست ہے (غالب ہے) اپنے حکم پر اور حکمت والے ہیں (اپنے کام میں، پس اصلاح اور خیر خواہی کے پیش نظر شریک رکھنے کو مباح کر دیا، قال تعالیٰ: وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ اور نکاح مت کرو (شادی نہ کرو اے مسلمانو!) مشرکات (یعنی کافر عورتوں

سے) جب تک ایمان نہ لائیں اور بلاشبہ مسلمان لونڈی بہتر ہے کافرہ عورت سے (مشرکہ سے مراد حرہ یعنی آزاد کافر عورت ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمان باندی بھی آزاد کافر عورت سے بہتر ہے اس لیے کہ اس آیت کا سبب نزول عیب لگانا، اس شخص پر جو باندی سے نکاح کرے اور رغبت دلانا کافر آزاد عورت سے نکاح میں ہے) اگر چہ وہ (کافر عورت) تم کو اچھی معلوم ہو (اپنے جمال اور مال کی وجہ سے اور یہ حکم مخصوص ہے غیر کتابی کافر عورتوں کے ساتھ آیت کریمہ: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ کی وجہ سے) اور نکاح میں مت دو مشرکوں کے (کافر مردوں کے) مؤمن عورتوں کو جب تک کہ وہ مرد ایمان نہ لے آئیں اور بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے اگر چہ وہ کافر تم کو اچھا معلوم ہو (اپنے مال و جمال کی وجہ سے) یہ لوگ (مشرکین) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں (بسبب بلانے ان لوگوں کے ایسے عمل کی طرف جو دوزخ کا موجب وسبب ہے، مطلب یہ ہے کہ کفر و معاصی کی طرف بلاتے ہیں چونکہ مشرکوں کی صحبت و اختلاط سے قلبی محبت ہوگی جو باعث دوزخ ہے، اس لیے ان کافروں سے نکاح مناسب نہیں) اور اللہ بلاتا ہے (اپنے رسولوں کی زبانی) جنت اور مغفرت کی طرف (یعنی اللہ اپنے حکم کے ذریعہ ایسے عمل کی طرف بلاتے ہیں جو جنت و مغفرت کے موجب ہیں (پس لازم ہے اس کے حکم (ارادہ) کا قبول کرنا اس کے اولیاء یعنی مسلمانوں سے شادی کر کے) اور اللہ تعالیٰ بیان کر دیتے ہیں اپنے احکام لوگوں کے سامنے تا کہ نصیحت قبول کریں۔ (يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ بمعنی يَتَّعِظُوْنَ ہے، یعنی نصیحت حاصل کریں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بَدَلُ اشْتِمَالٍ: اس سے اشارہ کیا کہ عطف کو کیوں ترک کیا گیا۔

قوله: لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ کیا تم میں سے ایک آدمی سے قتال یا اس کا قتل یہ بڑا گناہ ہے۔

قوله: مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ: قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ یہ موصوف صفت نہیں بلکہ مبتداء خبر ہیں۔ قتال موصوف کی صفت فیہ ظرف ہے۔

قوله: وَصَدٌّ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ عبارت حذف مضاف کی قسم سے ہے اور مضاف الیہ کو اعراب میں اس کی جگہ لائے اور یہ معروف ہے تقدیر عبارت یہ ہے: صَدٌّ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

قوله: يَرُدُّوْكُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ حتی تعلیل کے لیے ہے، غایت کے لیے نہیں۔

قوله: التَّقْيِيْدُ بِالْمَوْتِ: اس سے اشارہ کیا کہ احباط اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جو ارتداد سے پہلے ہیں، ان اعمال کے حبط کا کوئی معنی نہیں جن کو اس نے کیا بھی نہیں۔

قوله: لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے مجازاً اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کی رضا مراد ہے۔ حقیقی راستہ مراد نہیں۔

قوله: لِلْمُؤْمِنِيْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ قرینہ سیاق کے ساتھ متعلق معین کا حذف جائز ہے۔

قوله: مَا حُكْمُهُمَا: ضمیر مجرور سے پہلے مضاف کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اصل مقصود ان کے حکم کا بیان ہے نہ کہ ذات کا۔

قوله: مَا قَدْرُهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں انفاق کا سوال اس کی مقدار سے متعلق ہے۔

قوله: كَمَا يُبَيِّنُ لَكُمْ: اس میں اشارہ ہے کاف یہاں محل نصب میں ہے۔ مصدر محذوف کی صفت ہے تاکہ وہ متاخر کی خوب وضاحت کرے۔

قوله: مَاذُكِرَ: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے مراد مَاذَا يُنْفِقُوْنَ میں جو مذکور ہے وہ تمام مراد ہے نہ کہ فقط قُلِ الْعَفْوَ۔

قوله: فَتَأْخُذُوْنَ: ان تفکر مذکور کا غایت ہونا یہ مجاز ہے، اس سبب سے کہ وہ عمل صالح کا سبب ہے جو کہ حقیقی غایت ہے۔

قوله: فِيْ اَمْوَالِهِمْ: یہاں اصلاح سے ان کے احوال کی اصلاح مراد ہے نہ کہ ذوات کی۔

قوله: مُدَاخَلَتِكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ اصلاح سے مراد مداخلت ہے نہ کہ سبب نزول کے موافق ہو جائے۔

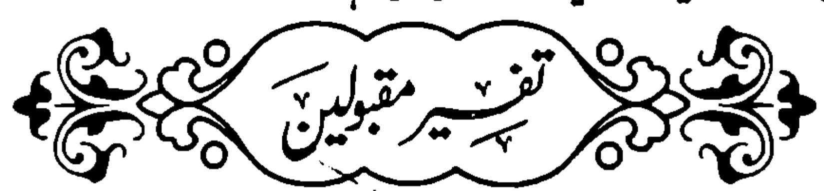
قوله: فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ: مبتداء کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ جملہ جزاء شرط بھی بن سکے گا۔

قوله: حُرَّةٍ لِاَنَّ: اس سے اشارہ کیا کہ اس میں مشرکہ حرہ شامل نہیں اور شانِ نزول کی دلالت کافی ہے اس لیے کہ مؤمنہ لونڈی کو مشرکہ حرہ سے بہتر کہنا یہ حرہ مؤمنہ کی حرہ مشرکہ پر برتری کو خود ثابت کر رہا ہے۔

قوله: اُولٰٓئِكَ: يَدْعُوْنَ کی ضمیر غلبہ مذکر علی المؤنث کے اعتبار سے ہے۔

قوله: عَلٰى لِسَانِ رُسُلِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔ شان وعظمت بڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فعل کو اپنا فعل فرمایا ہے۔

قوله: يَتَّعِظُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ تذکر یہ اتعاظ کے معنی میں ہے۔



يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ۔۔۔

اشہر حرم میں قتال کا حکم:

رسول اللہ (ﷺ) نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی امارت میں چند مہاجرین سے فرمایا کہ مقام بطن نخلہ میں پہنچ کر قریش کے قافلہ کا انتظار کرنا، ممکن ہے کہ کوئی خیر کی خبر لے آؤ، بطن نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے، یہ حضرات وہاں پہنچے تو قریش کا قافلہ گزرتا ہوا نظر آیا جو طائف سے سامان تجارت کشمش وغیرہ لے کر آ رہا تھا، یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور نوفل بن عبداللہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے حضرات صحابہ کرام کو دیکھا تو ڈر گئے، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو گئے لہٰذا ان پر حملہ کر دینا چاہئے جب مشورہ سے یہ بات طے ہو گئی تو واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن الحضرمی کو تیر مار کر قتل کر دیا، یہ پہلا مشرک تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا نیز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا۔ یہ دونوں سب سے پہلے قیدی تھے جنہیں مسلمانوں نے قید کیا۔ قافلہ کا ایک فرد نوفل بن عبداللہ قابو میں نہ آیا اور فرار ہو گیا۔ حضرات صحابہؓ اس قافلہ کے سامان کو اور دونوں قیدیوں کو لے کر رسول اللہ

(ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ کی انتیس تاریخ گزرنے کے بعد آنے والے دن میں پیش آیا۔ اس کے بارے میں یہ طے نہ کر سکے کہ یہ جمادی الاخری کی تیس تاریخ ہے یا رجب کی پہلی ہے۔

رجب کا مہینہ ان چاروں مہینوں میں شمار ہوتا تھا جن میں جنگ کرنا ممنوع تھا (زمانہ جاہلیت میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں قتل نہیں کرتے تھے اور ابتدائے اسلام میں بھی ان میں قتل کرنے کی ممانعت تھی۔)۔ حضرات صحابہؓ نے جو یہ حملہ کر دیا تھا اس میں رجب کا شروع ہونا محقق نہیں تھا لیکن قریش مکہ نے اس کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنالیا، اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے اس میں قتال حلال کر لیا جو اشہر حرام میں سے ہے۔ اس مہینہ میں لوگ امن کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اور اپنی روزیوں کے لیے منتشر ہو جاتے ہیں اور انہوں نے اس ماہ کی بے حرمتی کی ہے۔ اس اعتراض کو انہوں نے بہت اہمیت دی۔ مسلمانوں کی جس جماعت نے حملہ کیا تھا ان کو قریش مکہ نے عار دلائی۔ رسول اللہ (ﷺ) کو بھی ان کا حملہ آور ہونا پسند نہ آیا اور آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ میں نے تو تمہیں اشہر حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپ نے یہ سامان اور دونوں قیدیوں کا معاملہ موقوف رکھا اور اس مال میں سے کچھ بھی نہیں لیا، جس جماعت نے یہ کارروائی کی تھی انہیں بڑی ندامت ہوئی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جس دن ہم نے عمرو بن حضرمی کو قتل کیا ہے اس دن شام کو جو چاند نظر آیا تو اس کے اعتبار سے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ قتل ہم سے جمادی الاخری میں ہوا یا رجب میں، اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ نزول آیت کے بعد رسول اللہ (ﷺ) نے قافلہ کا سامان لے لیا اور اس میں سے خمس علیحدہ کر لیا جو مال غنیمت کا اصول ہے۔ اور باقی مال اسی جماعت پر تقسیم کر دیا جنہوں نے قافلہ سے مال چھین لیا تھا، جو دو قیدی مسلمانوں نے پکڑ لیے تھے مال دے کر ان کو مکہ والوں نے چھڑا لیا، پھر ان دونوں میں سے حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں رہے اور بیر معونہ کے غزوہ میں شہید ہوئے اور دوسرا قیدی عثمان بن عبداللہ نامی مکہ معظمہ واپس جا کر حالت کفر میں مر گیا۔

(اسباب النزول ص ٦٢ تا ٦٤، روح المعانی ص ١٠٧ ج ٢)

مشرکین نے جو اعتراض کیا تھا اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپ فرما دیجیے اشہر حرام میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن مشرکین کو اپنے کرتوت نظر نہیں آتے۔ اللہ کی راہ سے روکنا دین حق قبول کرنے والوں کو منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا (جیسا کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ (ﷺ) کو اور آپ کے اصحاب کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا حالانکہ مسجد حرام کے تقدس کو باقی رکھنے والے اور نمازوں سے اسے معمور کرنے والے یہی حضرات تھے) یہ سب چیزیں اللہ کے نزدیک اشہر حرام میں قتل کرنے سے گناہ گاری میں بڑھ کر ہیں جن کا ارتکاب کیا ہے۔ (قال القرطبی ص ٤٢ ج ٣: وما تفعلون انتم من الصد عن سبیل اللہ لمن اراد الاسلام ومن کفر کم باللہ واخراجکم اهل المسجد منه کما فعلتم برسول اللہ (ﷺ) واصحابه اکبر جرما عند اللہ۔

پھر فرمایا: (وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ) (فتنہ پردازی جرم میں قتل سے بڑھ کر ہے) مشرکین مکہ شرک وکفر میں مبتلا

تھے اور جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو مارتے پیٹتے تھے اور کفر میں واپس لے جانے کی کوشش کرتے تھے، یہ سب سے بڑا فتنہ ہے جو ایک شخص کے قتل سے بہت بڑھ کر ہے جسے بعض صحابہؓ نے چاند کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا پھر مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ: (وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ) وہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اس میں مشرکین کے عزائم بتائے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان سے کبھی بھی راضی نہ ہوں گے اور اپنے دین میں واپس کرنے کی کوششیں کرتے رہیں گے (وہ اپنے دین میں پختہ ہیں تو تم اپنے دین میں پختہ رہو، وہ تمہیں اپنے دین میں کھینچنا چاہتے ہیں تم انہیں اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے رہو)۔

(وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ....

مرتد کے احکام:

اس میں مرتد کے بعض احکام بتائے ہیں، دین اسلام قبول کرنے کے بعد جو شخص اس کو چھوڑ کر کوئی سا بھی دین اختیار کرے۔ (اور اسلام کے علاوہ ہر دین کفر ہی ہے) تو اس نے زمانہ اسلام میں جو اعمال کیے تھے وہ سب ضائع ہو گئے۔ کفر کی وجہ سے ان سب کا اجر و ثواب ختم ہو گیا دنیا میں بھی ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جو زمانہ اسلام میں کیے تھے اور آخرت میں بھی ان کا کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا۔ اور دوسرے کافروں کی طرح وہ بھی ہمیشہ دوزخ میں جائے گا۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا: (وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ)

(اور جو شخص ایمان کا منکر ہو جائے تو اس کے اعمال حبط ہو گئے اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) جو شخص مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اس سے بات کی جائے۔ اس کا جو کوئی شبہ ہو دور کیا جائے۔ اور تین دن اسے بند رکھا جائے۔ اگر تین دن گزر جانے پر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر عورت مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اور باوجود سمجھانے کے دوبارہ اسلام نہ لائے تو اسے بند کر دیا جائے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائے اگر اسلام قبول نہ کرے تو موت آنے تک جیل ہی میں رکھی جائے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے بھی تین دن کی مہلت دینے کے بعد قتل کر دیا جائے، جب کسی نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کے تمام اموال اس کی ملک سے نکل گئے، پھر اگر مسلمان ہو گیا تو واپس اس کی ملک میں آ جائیں گے، اگر حالت کفر میں مر گیا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو اس کے وہ اموال جو اس نے زمانہ اسلام میں کسب کیے تھے اس کے مسلمان وارثوں کو مل جائیں گے اور جو مال اس نے مرتد ہونے کی حالت میں کمایا اس پر مال فئی کے احکام جاری ہوں گے۔ (یعنی اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا اور وہ حسب قواعد مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کر دیا جائے گا۔ - یہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دونوں قسم کے اموال پر فئی کے احکام جاری ہوں گے۔

اور جیسے ہی کوئی شخص مرتد ہو جائے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جس کی اسے میراث پہنچتی تھی تو اس کی میراث سے یہ شخص محروم ہوگا۔ مرتد کی نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا

جائے گا اور اس کا ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔ ارتداد سے پہلے جو بھی نیک کام نماز، روزہ، حج، عمرہ وغیرہ کیا تھا یہ سب ضائع ہوگیا۔ آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرتد دوبارہ اسلام قبول نہ کرنے سے جو قتل کیا جائے گا یہ تو ایک قسم کا جبر ہے حالانکہ سورۂ بقرہ ہی میں دوسری جگہ (ع ۳۴) (لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ) فرمایا ہے جس سے معلوم ہورہا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ سوال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ (لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ) ان کافروں سے متعلق ہے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، جب کسی نے ایک مرتبہ اسلام قبول کرلیا اور اس کو حق مان لیا دلائل سے سمجھ لیا اس کی برکات دیکھ لیں تو اب اس کے لیے صرف یہی ہے کہ یا اسلام قبول کرے یا قتل کردیا جائے۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے: مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ۔

(رواہ البخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲)

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ....

حرمت شراب اور اس کے متعلقہ احکام:

ابتداء اسلام میں عام رسوم جاہلیت کی طرح شراب خوری بھی عام تھی جب رسول اللہ (ﷺ) ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ میں بھی شراب اور قمار یعنی جوا کھیلنے کا رواج تھا عام لوگ تو ان دونوں چیزوں کے صرف ظاہری فوائد کو دیکھ کر ان پر فریفتہ تھے ان کے اندر جو بہت سے مفاسد اور خرابیاں ہیں ان کی طرف نظر نہیں تھی لیکن عادۃ اللہ یہ بھی ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ میں کچھ عقل والے بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر عقل کو غالب رکھتے ہیں کوئی طبعی خواہش اگر عقل کے خلاف ہو تو وہ اس خواہش کے پاس نہیں جاتے اس معاملہ میں نبی کریم (ﷺ) کا مقام تو بہت ہی بلند تھا کہ جو چیز کسی وقت حرام ہونے والی تھی آپ کی طبیعت اس سے پہلے ہی نفرت کرتی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بھی کچھ ایسے حضرات تھے جنہوں نے حلال ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد چند حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ان کے مفاسد کا زیادہ احساس ہوا۔ حضرت فاروق اعظم اور معاذ بن جبل اور چند انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اسی احساس کی بناء پر آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے اس سوال کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ لوگوں کے کچھ ظاہری فوائد ضرور ہیں لیکن ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہوجاتی ہیں جو ان کے منافع اور فوائد سے بڑھی ہوئی ہیں اور گناہ کی باتوں سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کسی گناہ کا سبب بن جائیں مثلاً شراب میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عقل و ہوش زائل ہوجاتا ہے جو تمام کمالات اور شرف انسانی کا اصل اصول ہے کیونکہ عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانوں کو برے کاموں سے روکتی ہے جب وہ نہ رہی تو ہر برے کام کے لئے راستہ ہموار ہوگیا۔

اس آیت میں صاف طور پر شراب کو حرام تو نہیں کہا گیا مگر اس کی خرابیاں اور مفاسد بیان کردیئے گئے کہ شراب کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہوسکتا ہے گویا اس کے ترک کرنے کے لئے ایک قسم کا مشورہ دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو اس مشورہ ہی کو قبول کر کے اسی وقت شراب کو چھوڑ بیٹھے اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس آیت نے شراب کو حرام تو کیا نہیں بلکہ مفاسد دینی کا سبب بننے کی وجہ سے اس کو سبب گناہ قرار دیا ہے ہم اس کا اہتمام کریں گے کہ وہ مفاسد واقع نہ ہوں تو پھر شراب میں کوئی حرج نہیں اس لئے پیتے رہے یہاں تک کہ ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے صحابہ کرام میں سے چند اپنے دوستوں کی دعوت کی، کھانے کے بعد حسب دستور شراب پی گئی اسی حال میں نماز مغرب کا وقت آ گیا سب نماز کے لئے کھڑے ہوگئے تو ایک صاحب کو امامت کے لئے آگے بڑھایا انہوں نے نشہ کی حالت میں جو تلاوت شروع کی تو سورۃ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کو غلط پڑھا اس پر شراب سے روکنے کے لئے دوسرا قدم اٹھایا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (۴:۴۳) یعنی اے ایمان والو تم نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔

اس میں خاص اوقات نماز کے اندر شراب کو قطعی طور پر حرام کردیا گیا باقی اوقات میں اجازت رہی جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پہلی آیت نازل ہونے کے وقت شراب کو نہ چھوڑا تھا اس آیت کے نازل ہونے کے وقت شراب کو مطلقاً ترک کردیا کہ جو چیز انسان کو نماز سے روکے اس میں کوئی خیر نہیں ہوسکتی جب نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوگئی تو ایسی چیز کے پاس نہ جانا چاہئے جو انسان کو نماز سے محروم کردے مگر چونکہ علاوہ اوقات نماز کے شراب کی حرمت صاف طور پر اب بھی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے کچھ حضرات اب بھی اوقات نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے یہاں تک کہ ایک اور واقعہ پیش آیا۔ عتبان بن مالک نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی دعوت کی جن میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے کھانے کے بعد حسب دستور شراب کا دور چلا نشہ کی حالت میں عرب کی عام عادت کے مطابق شعر و شاعری اور اپنے اپنے مفاخر کا بیان شروع ہوا سعد بن ابی وقاص نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح و ثناء تھی اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آ گیا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سعد کے سر پر دے ماری جس سے ان کو شدید زخم آ گیا حضرت سعد رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس انصاری جوان کی شکایت کی اس وقت آنحضرت (ﷺ) نے دعاء فرمائی۔ ((اللّٰهم بين لنا فى الخمر بيانًا شافيًا)) یعنی یا اللہ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح بیان اور قانون عطاء فرمادے اس پر شراب کے متعلق تیسری آیت سورۃ مائدہ کی مفصل نازل ہوگئی جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا آیت یہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدۃ) یعنی اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے

تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو اس سے بالکل الگ الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں بغض اور عداوت پیدا کر دے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو کیا اب بھی باز آؤ گے۔

حرمت شراب کے تدریجی احکام:

احکام الٰہیہ کی اصلی اور حقیقی حکمتوں کو تو احکم الحاکمین ہی جانتا ہے مگر احکام شرعیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام نے احکام میں انسانی جذبات کی بڑی رعایت فرمائی ہے تا کہ انسان کو ان کے اتباع میں زیادہ تکلیف نہ ہو خود قرآن کریم میں فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۲:۲۸۶) یعنی اللہ تعالیٰ کسی انسان کو ایسا حکم نہیں دیتا جو اس کی قدرت اور وسعت میں نہ ہو، اسی رحمت و حکمت کا تقاضا تھا کہ اسلام نے شراب کے حرام کرنے میں بڑی تدریج سے کام لیا۔

شراب کی تدریجی ممانعت اور حرمت کی قرآنی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں شراب کے متعلق چار آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ان میں سے ایک آیت سورۂ بقرہ کی ہے جس کی تفسیر آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں اس میں شراب سے پیدا ہو جانے والے گناہوں اور مفاسد کا ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا ہے حرام نہیں کیا گویا ایک مشورہ دیا کہ یہ چھوڑنے کی چیز ہے مگر چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

دوسری آیت سورۂ نساء کی: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى میں خاص اوقات نماز کے اندر شراب کو حرام کر دیا گیا باقی اوقات میں اجازت رہی۔

تیسری اور چوتھی دو آیتیں سورۂ مائدہ کی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں ان میں صاف اور قطعی طور پر شراب کو حرام قرار دیدیا۔

شریعت اسلام نے شراب کے حرام کرنے میں اس تدریج سے اس لئے کام لیا کہ عمر بھر کی عادت خصوصاً نشہ کی عادت کو چھوڑ دینا انسانی طبیعت پر انتہائی شاق اور گراں ہوتا، علماء نے فرمایا، فطام العادم اشد من فطام الرضاعة یعنی جیسے بچے کو ماں کا دودھ پینے کی عادت چھوڑ دینا بھاری معلوم ہوتا ہے انسان کو اپنی کسی عادت مستمرہ کو بدلنا اس سے زیادہ شدید اور سخت ہے اس لئے اسلام نے حکیمانہ اصول کے مطابق اول اس کی برائی ذہن نشین کرائی پھر نمازوں کے اوقات میں ممنوع کیا پھر ایک خاص مدت کے بعد قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔

ہاں جس طرح ابتداً تحریم شراب میں آہستگی اور تدریج سے کام لینا حکمت کا تقاضا تھا اسی طرح حرام کر دینے کے بعد اس کی ممانعت کے قانون کو پوری شدت کے ساتھ نافذ کرنا بھی حکمت ہی کا تقاضا تھا اسی لئے رسول اللہ (ﷺ) نے شراب کے بارے میں اول سخت وعیدیں عذاب کی بتلائیں ارشاد فرمایا کہ یہ ام الخبائث اور ام الفواحش ہے اس کو پی کر آدمی برے سے برے گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے یہ روایتیں نسائی میں ہیں اور جامع ترمذی میں حضرت انس کی روایت ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی، نچوڑنے والا، بنانے والا، پینے والا، پلانے والا، اس کو لاد کر لانے والا، اور جس کے لئے لائی جائے، اور اس کا بیچنے والا، خریدنے والا، اس کو ہبہ کرنے

والا، اس کی آمدنی کھانے والا، اور پھر صرف زبانی تعلیم وتبلیغ پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ عملی اور قانونی طور پر اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب موجود ہو اس کو فلاں جگہ جمع کردے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں تعمیل حکم کا بے مثال جذبہ:

فرمانبردار صحابہ کرام نے پہلا حکم پاتے ہی اپنے اپنے گھروں میں جو شراب استعمال کیلئے رکھی تھی اس کو تو اسی وقت بہادیا، حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ جب آنحضرت (ﷺ) کے منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز دی کہ شراب حرام کردی گئی ہے تو جس کے ہاتھ میں جو برتن شراب کا تھا اس کو وہیں پھینک دیا، جس کے پاس کوئی سبو یا خم شراب کا تھا اس کو گھر سے باہر لاکر توڑ دیا، حضرت انس اس وقت ایک مجلس میں دور جام کے ساقی بنے ہوئے تھے۔

ابوطلحہ، ابوعبیدہ بن جراح، ابی بن کعب، سہیل، رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ موجود تھے منادی کی آواز کان میں پڑتے ہی سب نے کہا کہ اب یہ شراب سب گرادو اس کے جام وسبو توڑ دو، بعض روایات میں ہے کہ اعلان حرمت کے وقت جس کے ہاتھ میں جام شراب لبوں تک پہنچا ہوا تھا اس نے وہیں سے اس کو پھینک دیا مدینہ میں اس روز شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کی رَو کا پانی اور مدینہ کی گلیوں میں عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش ہوتی تو شراب کی بو اور رنگ مٹی میں نکھر آتا تھا۔

جس وقت ان کو یہ حکم ملا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب ہے وہ فلاں جگہ جمع کردے اس وقت صرف وہ ذخیرے کچھ رہ گئے تھے جو مال تجارت کی حیثیت سے بازار میں تھے ان کو فرمانبردار صحابہ کرام نے بلا تامل مقررہ جگہ پر جمع فرمادیا، آنحضرت (ﷺ) بنفس نفیس تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے شراب کے بہت سے مشکیزوں کو چاک کردیا اور باقی دوسرے صحابہ کرام کے حوالہ کرکے چاک کرادیا، ایک صحابی جو شراب کی تجارت کرتے تھے اور ملک شام سے شراب درآمد کیا کرتے تھے اتفاقاً اس زمانے میں ابھی ساری رقم جمع کرکے ملک شام سے شراب لینے کے لئے گئے ہوئے تھے اور جب یہ تجارتی مال لے کر واپس ہوئے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو اعلان حرمت کی خبر مل گئی، جاں نثار صحابی نے اپنے پورے سرمائے اور محنت کی حاصلات کو جس سے بڑے نفع کی امیدیں لئے ہوئے آرہے تھے اعلان حرمت سن کر اسی جگہ ایک پہاڑی پر ڈال دیا اور خود رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ اب میرے اس مال کے متعلق کیا حکم ہے اور مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ آنحضرت (ﷺ) نے فرمان خداوندی کے مطابق حکم دے دیا کہ سب مشکیزوں کو چاک کرکے شراب بہادو، فرمانبردار محب خدا اور رسول نے بلا کسی جھجک کے اپنے ہاتھ سے اپنا پورا سرمایہ زمین پر بہادیا، یہ بھی اسلام کا ایک معجزہ اور صحابہ کرام کی حیرت انگیز و بے مثال اطاعت ہے جو اس واقعہ میں ظاہر ہوئی کہ جس چیز کی عادت ہوجائے سب جانتے ہیں کہ چھوڑنا سخت دشوار ہے اور یہ حضرات بھی اس کے ایسے عادی تھے کہ تھوڑی دیر اس سے صبر کرنا دشوار تھا ایک حکم الٰہی اور فرمان نبوی نے ان کی عادات میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کردیا کہ اب یہ شراب اور جوئے سے ایسے ہی متنفر ہیں جیسے اس سے پہلے ان کے عادی تھے۔

اسلامی سیاست اور عام ملکی سیاستوں کا فرق عظیم:

مذکورہ آیات پھر واقعات میں حرمت شراب کے حکم پر مسلمانوں کے عمل کا ایک نمونہ سامنے آ گیا ہے جس کو اسلام کا معجزہ کہو یا پیغمبرانہ تربیت کا بے مثال اثر یا اسلامی سیاست کا لازمی نتیجہ کہ نشہ کی عادت جس کے چھوڑنے کا انتہائی دشوار ہونا ہر شخص کو معلوم ہے اور عرب میں اس کا رواج اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ چند گھنٹے اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے وہ کیا چیز تھی جس نے ایک ہی اعلان کی آواز کان میں پڑتے ہی ان سب کے مزاجوں کو بدل ڈالا ان کی عادتوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا کہ اب سے چند منٹ پہلے جو چیز انتہائی مرغوب بلکہ زندگی کا سرمایہ تھی وہ چند منٹ کے بعد انتہائی مبغوض اور نجس و ناپاک ہوگئی۔

اس کے بالمقابل آج کی ترقی یافتہ سیاست کی ایک مثال کو سامنے رکھ لیجئے کہ اب سے چند سال پہلے امریکہ کے ماہرین صحت اور سماجی مصلحین نے جب شراب نوشی کی بے شمار اور انتہائی مہلک خرابیوں کو محسوس کر کے ملک میں شراب نوشی کو قانونا ممنوع کرنا چاہا تو اس کے لئے اپنے نشر و اشاعت کے وہ نئے سے نئے ذرائع جو اس ترقی یافتہ سیاست کا بڑا کمال سمجھے جاتے ہیں سب ہی شراب نوشی کے خلاف ذہن ہموار کرنے پر لگا دیئے سینکڑوں اخبارات اور رسائل اس کی خرابیوں پر مشتمل ملک میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کئے گئے پھر امریکی دستور میں ترمیم کر کے امتناع شراب کا قانون نافذ کیا گیا مگر ان سب کا اثر جو کچھ امریکہ میں آنکھوں نے دیکھا اور وہاں کے ارباب سیاست کی رپورٹوں سے دنیا کے سامنے آیا وہ یہ تھا کہ اس ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ قوم نے اس ممانعت قانونی کے زمانے میں عام زمانوں کی نسبت بہت زیادہ شراب استعمال کی یہاں تک کہ مجبور ہو کر حکومت کو اپنا قانون منسوخ کرنا پڑا۔

عرب مسلمانوں اور موجودہ ترقی یافتہ امریکیوں کے حالات و معاملات کا یہ عظیم فرق تو ایک حقیقت اور واقعہ ہے جس کا کسی کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس عظیم الشان فرق کا اصلی سبب اور راز کیا ہے۔

ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ شریعت اسلام نے صرف قانون کو قوم کی اصلاح کے لئے کبھی کافی نہیں سمجھا بلکہ قانون سے پہلے ان کی ذہنی تربیت کی اور عبادت و زہادت اور فکر آخرت کے کیمیاوی نسخے سے ان کے مزاجوں میں ایک بڑا انقلاب لا کر ایسے افراد پیدا کر دیتے جو رسول کی آواز پر اپنی جان و مال آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، مکی زندگی کے پورے دور میں یہی افراد سازی کا کام ریاضتوں کے ذریعے ہوتا رہا جب جاں نثاروں کی جماعت تیار ہوگئی اس وقت قانون جاری کیا گیا ذہنوں کو ہموار کرنے کے لئے تو امریکہ نے بھی اپنے بے مثال ذرائع استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ان کے سامنے سب کچھ تھا مگر فکر آخرت نہیں تھی اور مسلمانوں کے رگ و پے میں فکر آخرت سمائی ہوئی تھی کاش! آج بھی ہمارے عقلاء اس نسخہ کیمیا کو استعمال کر کے دیکھیں تو دنیا کو امن و سکون نصیب ہو جائے۔

شراب کے مفاسد اور فوائد میں موازنہ:

اس آیت میں شراب اور قمار دونوں کے متعلق قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ان دونوں میں کچھ مفاسد بھی ہیں اور کچھ فوائد بھی مگر اس کے مفاسد فوائد سے بڑھے ہوئے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ اس پر نظر ڈالی جائے کہ ان کے فوائد کیا ہیں اور

مفاسد کیا اور پھر یہ کہ فوائد سے زیادہ مفاسد ہونے کے کیا وجوہ ہیں آخر میں چند فقہی ضابطے بیان کئے جائیں گے، جو اس آیت سے مستفاد ہوتے ہیں۔

پہلے شراب کو لے لیجئے اس کے فوائد تو عام لوگوں میں مشہور و معروف ہیں کہ اس سے لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے اور وقتی طور پر قوت میں اضافہ ہوجاتا ہے رنگ صاف ہوجاتا ہے مگر ان حقیر وقتی فوائد کے مقابلے میں اس کے مفاسد اتنے کثیر و وسیع اور گہرے ہیں کہ شاید کسی دوسری چیز میں اتنے مفاسد اور مضرات نہ ہوں گے بدن انسانی پر شراب کے مضرات یہ ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ معدے کے فعل کو فاسد کردیتی ہے، کھانے کی خواہش کم کردیتی ہے، چہرے کی ہیئت بگاڑ دیتی ہے، پیٹ بڑھ جاتا ہے مجموعی حیثیت سے تمام قویٰ پر یہ اثر ہوتا ہے جو ایک جرمن ڈاکٹر نے بیان کیا ہے کہ جو شخص شراب کا عادی ہو چالیس سال کی عمر میں اس کے بدن کی ساخت ایسی ہوجاتی ہے جیسے ساٹھ سالہ بوڑھے کی، وہ جسمانی اور قوت کے اعتبار سے سٹھیائے ہوئے بوڑھوں کی طرح ہوجاتا ہے اس کے علاوہ شراب جگر اور گردوں کو خراب کردیتی ہے سل کی بیماری شراب کا خاص اثر ہے یورپ کے شہروں میں سل کی کثرت کا بڑا سبب شراب ہی کو بتلایا جاتا ہے وہاں کے بعض ڈاکٹروں کا قول ہے کہ یورپ میں آدھی اموات مرض سل میں ہوتی ہیں اور آدھی دوسرے امراض میں اور اس بیماری کی کثرت یورپ میں اسی وقت سے ہوئی جب سے وہاں شراب کی کثرت ہوئی۔

یہ تو شراب کی جسمانی اور بدنی مضرتیں ہیں اب عقل پر اس کی مضرت کو تو ہر شخص جانتا ہے مگر صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ شراب پی کر جب تک نشہ رہتا ہے اس وقت تک عقل کام نہیں کرتی لیکن اہل تجربہ اور ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ نشہ کی عادت خود قوت عاقلہ کو بھی ضعیف کردیتی ہے جس کا اثر ہوش میں آنے کے بعد بھی رہتا ہے بعض اوقات جنون تک اس کی نوبت پہنچ جاتی ہے اطباء اور ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ شراب نہ جزو بدن بنتی ہے اور نہ اس سے خون بنتا ہے جس کی وجہ سے بدن میں طاقت آئے، بلکہ اس کا فعل صرف یہ ہوتا ہے کہ خون میں ہیجان پیدا کردیتی ہے جس سے وقتی طور پر قوت کی زیادتی محسوس ہونے لگتی ہے اور یہی خون کا دفعۃً ہیجان بعض اوقات اچانک موت کا سبب بھی بن جاتا ہے جس کو ڈاکٹر ہارٹ فیل ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

شراب سے شرائین یعنی وہ رگیں جن کے ذریعے سارے بدن میں روح پہنچتی ہے سخت ہوجاتی ہیں جس سے بڑھاپا جلدی آجاتا ہے شراب کا اثر انسان کے حلقوم اور تنفس پر بھی خراب ہوتا ہے جس کی وجہ سے آواز بھاری ہوجاتی ہے اور کھانسی دائمی ہوجاتی ہے اور وہی آخر کار سل تک نوبت پہنچادیتی ہے، شراب کا اثر نسل پر بھی برا پڑتا ہے شرابی کی اولاد کمزور رہتی ہے اور بعض اوقات اس کا نتیجہ قطع نسل تک پہنچتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شراب پینے کی ابتدائی حالت میں بظاہر انسان اپنے جسم میں چستی و چالاکی اور قوت محسوس کرتا ہے اسی لئے بعض لوگ جو اس میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ان طبعی حقائق کا انکار کرتے ہیں لیکن انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ شراب کا یہ زہر ایسا زہر ہے جس کا اثر تدریجی طور پر ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد یہ سب مضرتیں مشاہدہ میں آجاتی ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

شراب کا ایک بڑا مفسدہ تمدنی یہ ہے کہ وہ اکثر لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہے اور پھر یہ بغض وعداوت دور تک انسان کو نقصان پہنچاتی ہیں شریعت اسلام کی نظر میں یہ مفسدہ سب سے بڑا ہے اس لئے قرآن نے سورۃ مائدہ میں خصوصیت کے ساتھ اس مفسدہ کا ذکر فرمایا ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (۵:۹۱) یعنی شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں بغض وعداوت پیدا کردے۔

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ مدہوشی کے عالم میں بعض اوقات آدمی اپنا پوشیدہ راز بیان کر ڈالتا ہے جس کی مضرت اکثر بڑی تباہ کن ہوتی ہے خصوصاً وہ اگر کسی حکومت کا ذمہ دار آدمی ہے اور بھی حکومت کا راز ہے جس کے اظہار سے پورے ملک میں انقلاب آسکتا ہے اور ملکی سیاست اور جنگی مصالح سب برباد ہوجاتے ہیں ہوشیار جاسوس ایسے مواقع کے منتظر رہتے ہیں۔

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو ایک کھلونا بنادیتی ہے جس کو دیکھ کر بچے بھی ہنستے ہیں کیونکہ اس کا کلام اور اس کی حرکات سب غیر متوازن ہوجاتی ہیں شراب کا ایک عظیم تر مفسدہ یہ ہے کہ وہ اُمّ الخبائث ہے انسان کو تمام برے سے بُرے جرائم پر آمادہ کردیتی ہے زنا اور قتل اکثر اس کے نتائج ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عام شراب خانے زنا اور قتل کے اڈے ہوتے ہیں یہ شراب کی جسمانی مضرتیں ہیں اور اس کی روحانی مضرت تو ظاہر ہی ہے کہ نشہ کی حالت میں نہ نماز ہوسکتی ہے نہ اللہ کا ذکر نہ اور کوئی عبادت اسی لئے قرآن کریم میں شراب کی مضرت کے بیان میں فرمایا: وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ (۵:۹۱) یعنی شراب تم کو ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے۔

اب مالی مضرت اور نقصان کا حال سنئے جس کو ہر شخص جانتا ہے کسی بستی میں اگر ایک شراب خانہ کھل جاتا ہے تو وہ پوری بستی کی دولت کو سمیٹ لیتا ہے اس کی قسمیں بے شمار ہیں اور بعض اقسام تو بے حد گراں ہیں بعض اعداد وشمار لکھنے والوں نے صرف ایک شہر میں شراب کا مجموعی خرچہ پوری مملکت فرانس کے مجموعی خرچ کے برابر بتلایا ہے۔

یہ شراب کے دینی دنیوی جسمانی اور روحانی مفاسد کی مختصر فہرست ہے جس کو رسول اللہ (ﷺ) نے ایک کلمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ام الخبائث یا ام الفواحش ہے۔ جرمنی کے ایک ڈاکٹر کا یہ مقولہ ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ اگر آدھے شراب خانے بند کردیئے جائیں تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفاخانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہو کر بند ہوجائیں گے۔ (تفسیر المنار لمفتی عبدہ ص ۲۲۶ ج ۲)

علامہ طنطاوی نے اپنی کتاب الجواہر میں اس سلسلے کی چند اہم معلومات لکھی ہیں، ان میں سے بعض یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

ایک فرانسیسی محقق ہنری اپنی کتاب خواطر وسوانح فی الاسلام میں لکھتے ہیں بہت زیادہ مہلک ہتھیار جس سے اہل مشرق کی بیخ کنی کی گئی اور وہ دودھاری تلوار جس سے مسلمانوں کو قتل کیا گیا یہ شراب تھی ہم نے الجزائر کے لوگوں کے خلاف یہ ہتھیار آزمایا لیکن ان کی اسلامی شریعت ہمارے راستہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی اور وہ ہمارے اس ہتھیار سے متاثر نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نسل بڑھتی ہی چلی گئی یہ لوگ اگر ہمارے اس تحفہ کو قبول کرلیتے جس طرح کہ ان کے ایک منافق قبیلے نے اس کو قبول کرلیا ہے تو یہ بھی ہمارے سامنے ذلیل وخوار ہوجاتے آج جن لوگوں کے گھروں میں ہماری شراب کے دور چل رہے ہیں وہ

ہمارے سامنے اتنے حقیر و ذلیل ہو گئے ہیں کہ سر نہیں اٹھا سکتے۔
ایک انگریز قانون داں بنتام لکھتے ہیں کہ:

اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے اس میں شراب حرام ہے ہم نے دیکھا کہ جب افریقہ کے لوگوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو ان کی نسلوں میں پاگل پن سرایت کرنے لگا اور یورپ کے جن لوگوں کو اس کا چسکہ لگ گیا ان کی بھی عقلوں میں تغیر آنے لگا لہٰذا افریقہ کے لوگوں کے لئے بھی اس کی ممانعت ہونی چاہئے اور یورپین لوگوں کو بھی اس پر شدید سزائیں دینی چاہئیں۔

غرض جس بھلے مانس نے بھی ٹھنڈے دل سے غور کیا وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ یہ رجس ہے شیطانی عمل ہے زہر ہے تباہی و بربادی کا ذریعہ ہے اس اُم الخبائث سے باز آ جاؤ۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (۹۱:۵)

شراب کی حرمت و ممانعت کے متعلق قرآن کریم کی چار آیتوں کا بیان اوپر آ چکا ہے سورۂ نحل میں ایک جگہ اور بھی نشہ کی چیزوں کا ذکر ایک دوسرے انداز سے آیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی یہاں ذکر کر دیا جائے تاکہ شراب و نشہ کے متعلق تمام قرآنی ارشادات مجموعی طور پر سامنے آ جائیں وہ آیت یہ ہے:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ .... اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو عقل رکھتے ہیں۔

تشریح و تفسیر:

پچھلی آیتوں میں حق تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر تھا جو انسانی غذائیں پیدا کرنے میں عجیب و غریب صنعت و قدرت کا مظہر ہیں اس میں پہلے دودھ کا ذکر کیا جس کو قدرت نے حیوان کے پیٹ میں خون اور فضلہ کی آلائشوں سے الگ کر کے صاف ستھری غذا انسان کے لئے عطا کر دی جس میں انسان کو کسی مزید صنعت کی ضرورت نہیں اسی لئے یہاں لفظ نسقیکم استعمال فرمایا کہ ہم نے دودھ پلایا اس کے بعد فرمایا کہ کھجور اور انگور کے کچھ پھلوں میں سے بھی انسان اپنی غذا اور نفع کی چیزیں بناتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے اپنی غذا اور منفعت کی چیزیں بنانے میں انسانی صنعت کا کچھ دخل ہے اور اسی دخل کے نتیجہ میں دو طرح کی چیزیں بنائی گئیں ایک نشہ آور چیز جس کو خمر یا شراب کہا جاتا ہے دوسری رزق حسن یعنی عمدہ رزق کہ کھجور اور انگور کو تر و تازہ کھانے میں استعمال کریں یا خشک کر کے ذخیرہ کر لیں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کھجور اور انگور کے پھل انسان کو دیدیئے اور ان سے اپنی غذا وغیرہ بنانے کا اختیار بھی دے دیا اب یہ اس کا انتخاب ہے کہ اس سے کیا بنائے، نشہ آور چیز بنا کر عقل کو خراب کرے یا غذا بنا کر قوت حاصل کرے۔

اس تفسیر کے مطابق اس آیت سے نشہ آور شراب کے حلال ہونے پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں مقصود قدرت کے عطیات اور ان کے استعمال کی مختلف صورتوں کا بیان ہے جو ہر حال میں نعمت خداوندی ہے جیسے تمام غذائیں اور انسانی

منفعت کی چیزیں کہ ان کو بہت سے لوگ ناجائز طریقوں پر بھی استعمال کرتے ہیں مگر کسی کے غلط استعمال سے اصل نعمت نعمت ہونے سے نہیں نکل جاتی اس لئے یہاں یہ تفصیل بتلانے کی ضرورت نہیں کہ ان میں کونسا استعمال حلال ہے کونسا حرام ہے تاہم ایک لطیف اشارہ اس میں بھی اس طرف کر دیا کہ سکر کے مقابل رزق حسن رکھا جس سے معلوم ہوا کہ سکر اچھا رزق نہیں سکر کے معنی جمہور مفسرین کے نزدیک نشہ آور چیز کے ہیں۔ (روح المعانی، قرطبی، جصاص)

یہ آیات باتفاق امت مکی ہیں اور شراب کی حرمت اس کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی نزول آیات کے وقت اگرچہ شراب حلال تھی اور مسلمان عام طور پر پیتے تھے مگر اس وقت بھی اس آیت میں اشارہ اس طرف کر دیا گیا کہ اس کا پینا اچھا نہیں، بعد میں صراحتاً شراب کو شدت کے ساتھ حرام کرنے کے لئے قرآنی احکام نازل ہو گئے۔ (ہذا ملخص مافی الجصاص والقرطبی)

حرمت قمار (جوا):

میسر مصدر ہے اور اصل لغت میں اس کے معنی تقسیم کرنے کے ہیں یاسر تقسیم کرنیوالے کو کہا جاتا ہے جاہلیت عرب میں مختلف قسم کے جوئے رائج تھے جن میں ایک قسم یہ بھی تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا بعض کو ایک یا زیادہ حصے ملتے بعض محروم رہتے تھے محروم رہنے والے کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنا پڑتی تھی گوشت سب فقراء میں تقسیم کیا جاتا خود استعمال نہ کرتے تھے۔

اس خاص جوئے میں چونکہ فقراء کا فائدہ اور جوا کھیلنے والوں کی سخاوت بھی تھی اسی لئے اس کھیل کو باعث فخر سمجھتے تھے جو اس میں شریک نہ ہوتا اس کو کنجوس اور منحوس کہتے تھے۔

تقسیم کی مناسبت سے قمار کو میسر کہا جاتا ہے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین اس پر متفق ہیں کہ میسر میں قمار یعنی جوئے کی تمام صورتیں داخل اور سب حرام ہیں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور جصاص نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن عمر اور قتادہ اور معاویہ بن صالح اور عطاء اور طاؤس نے فرمایا:

المیسر القمار حتی لعب الصبیان بالکعاب والجوز۔ یعنی ہر قسم کا قمار میسر ہے یہاں تک کہ بچوں کا کھیل لکڑی کے گٹکوں اور اخروٹ وغیرہ کے ساتھ۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: المخاطرة من القمار یعنی مخاطرہ قمار میں سے ہے (جصاص) ابن سیرین نے فرمایا جس کام میں مخاطرہ ہو وہ میسر میں داخل ہے۔ (روح البیان)

مخاطرہ کے معنی ہیں کہ ایسا معاملہ کیا جائے جو نفع و ضرر کے درمیان دائر ہو یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سا مال مل جائے اور یہ بھی کہ کچھ نہ ملے جیسے آجکل کی لاٹری کے مختلف طریقوں میں پایا جاتا ہے یہ سب قسمیں قمار اور میسر میں داخل اور حرام ہیں اس لئے میسر یا قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس معاملہ میں کسی مال کا مالک بنانے کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جائے جس کے وجود و عدم کی دونوں جانبیں مساوی ہوں اور اسی بناء پر نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبیں بھی برابر ہوں (شامی ص ۳۵۵ جلد ۵ کتاب الخطر والاباحة) مثلاً یہ بھی احتمال ہے کہ زید پر تاوان پڑ جائے اور یہ بھی ہے کہ عمر پر پڑ جائے اس کی جتنی قسمیں

اور صورتیں پہلے زمانے میں رائج تھیں یا آج رائج ہیں یا آئندہ پیدا ہوں وہ سب میسر اور قمار اور جوا کہلائے گا معمے حل کرنے کا چلتا ہوا کاروبار اور تجارتی لاٹری کی عام صورتیں سب اس میں داخل ہیں ہاں اگر صرف ایک جانب سے انعام مقرر کیا جائے کہ جو شخص فلاں کام کرے گا اس کو یہ انعام ملے گا اس میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس شخص سے کوئی فیس وصول نہ کی جائے کیونکہ اس میں معاملہ نفع وضرر کے درمیان دائر نہیں بلکہ نفع اور عدم نفع کے درمیان دائر ہے۔

اسی لئے احادیث صحیحہ میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے جن میں سال کی ہار جیت پائی جاتی ہے تاش پر اگر روپیہ کی ہار جیت ہو تو وہ بھی میسر میں داخل ہے۔

صحیح مسلم میں بروایت بریدہ مذکور ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ جو شخص نردشیر (چوسر) کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنے ہاتھ رنگتا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ شطرنج میسر یعنی جوئے میں داخل ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا شطرنج تو نردشیر سے بھی زیادہ بری ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابتداء اسلام میں شراب کی طرح قمار بھی حلال تھا مکہ میں جب سورۂ روم کی آیات غُلِبَتِ الرُّوْمُ نازل ہوئی اور قرآن نے خبر دی کہ اس وقت روم اگرچہ اپنے حریف کسریٰ سے مغلوب ہو گئے لیکن چند سال بعد پھر رومی غالب آجائیں گے اور مشرکین مکہ نے اس کا انکار کیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے ان سے اسی طرح قمار کی شرط ٹھہرائی کہ اگر اتنے سال میں رومی غالب آگئے تو اتنا مال تمہیں دینا پڑے گا یہ شرط مان لی گئی اور واقعہ قرآن کی خبر کے مطابق پیش آیا تو ابوبکر نے یہ مال وصول کیا آنحضرت (ﷺ) کے پاس لائے آپ نے اس واقعہ پر اظہار مسرت فرمایا مگر مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیدیا۔

کیونکہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی تھی اللہ نے اپنے رسول اللہ (ﷺ) کو حلال ہونے کے زمانے میں بھی محفوظ فرما دیا تھا اسی لئے شراب اور قمار سے ہمیشہ آپ نے اجتناب کیا اور خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ان چیزوں سے ہمیشہ محفوظ رہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل امین نے رسول اللہ (ﷺ) کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جعفر طیار کی چار خصلتیں زیادہ محبوب ہیں آنحضرت (ﷺ) نے حضرت جعفر سے پوچھا کہ آپ میں وہ چار خصلتیں کیا ہیں عرض کیا کہ میں نے اس کا اظہار اب تک کسی سے نہیں کیا تھا مگر جب کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تو عرض کرتا ہوں کہ وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ میں نے دیکھا کہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے اس لئے میں کبھی اس کے پاس نہیں گیا اور میں نے بتوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں کسی کا نفع وضرر نہیں اس لئے جاہلیت میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی اور مجھے چونکہ اپنی بیوی اور لڑکیوں کے معاملہ میں سخت غیرت ہے اس لئے میں نے کبھی زنا نہیں کیا اور میں نے دیکھا کہ جھوٹ بولنا دنائت اور رذالت کی بات ہے اس لئے کبھی جہالت میں بھی جھوٹ نہیں بولا۔ (روح البیان)

قمار کے سماجی اور اجتماعی نقصانات:

قمار یعنی جوئے کے متعلق بھی قرآن کریم نے وہی ارشاد فرمایا جو شراب کے متعلق آیا ہے کہ اس میں کچھ منافع بھی نہیں مگر

نفع سے اس کا نقصان وضرر بڑھا ہوا ہے اس کے منافع کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ جیت جائے تو بیٹھے بیٹھے ایک فقیر بدحال آدمی ایک ہی دن میں مالدار اور سرمایہ دار بن سکتا ہے مگر اس کی معاشی، اجتماعی، سماجی اور روحانی خرابیاں اور مفاسد بہت کم لوگ جانتے ہیں اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جوئے کا کھیل سارا اس پر دائر ہے کہ ایک شخص کا نفع دوسرے کے ضرر پر موقوف ہے جیتنے والے کا نفع ہی نفع ہارنے والے کا نقصان ہی نقصان کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ اس کاروبار سے کوئی دولت بڑھتی نہیں وہ اسی طرح منجمد حالت میں رہتی ہے اس کھیل کے ذریعے ایک کی دولت سلب ہو کر دوسرے کے پاس پہنچ جاتی ہے اس لئے قمار مجموعی حیثیت سے قوم کی تباہی اور انسانی اخلاق کی موت ہے کہ جس انسان کو نفع رسانی خلق اور ایثار و ہمدردی کا پیکر ہونا چاہئے وہ ایک خونخوار درندہ کی خاصیت اختیار کرلے کہ دوسرے بھائی کی موت میں اپنی زندگی اس کی مصیبت میں اپنی راحت اس کے نقصان میں اپنا نفع سمجھنے لگے اور اپنی پوری قابلیت اس خود غرضی پر صرف کرے بخلاف تجارت اور بیع وشراء کی جائز صورتوں کے ان میں طرفین کا فائدہ ہوتا ہے اور بذریعہ تجارت اموال کے تبادلہ سے دولت بڑھتی ہے اور خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں اس کا فائدہ محسوس کرتے ہیں۔

ایک بھاری نقصان جوئے میں یہ ہے کہ اس کا عادی اصل کمائی اور کسب سے عادۃً محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی خواہش یہی رہتی ہے کہ بیٹھے بٹھائے ایک شرط لگا کر دوسرے کا مال چند منٹ میں حاصل کرے جس میں نہ کوئی محنت ہے نہ مشقت بعض حضرات نے جوئے کا نام میسر رکھنے کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ اس کے ذریعہ آسانی سے دوسرے کا مال اپنا بن جاتا ہے جوئے کا معاملہ اگر دو چار آدمیوں کے درمیان دائر ہو تو اس میں بھی مذکورہ مضرتیں بالکل نمایاں نظر آتی ہیں لیکن اس نئے دور میں جس کو بعض سطحی نظر والے انسان عاقبت نااندیشی سے ترقی کا دور کہتے ہیں جیسے شراب کی نئی نئی قسمیں اور نئے نئے نام رکھ لئے گئے سود کی نئی نئی قسمیں اور نئے نئے اجتماعی طریقے بنکنگ کے نام سے ایجاد کر لئے گئے ہیں اسی طرح قمار اور جوئے کی بھی ہزاروں قسمیں چل گئیں جن میں بہت سی قسمیں ایسی اجتماعی ہیں کہ قوم کا تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع ہوتا ہے اور جو نقصان ہوتا ہے وہ ان سب پر تقسیم ہو کر نمایاں نہیں رہتا اور جس کو یہ رقم ملتی ہے اس کا فائدہ نمایاں ہوتا ہے اس لئے بہت سے لوگ اس کے شخصی نفع کو دیکھتے ہیں لیکن قوم کے اجتماعی نقصان پر دھیان نہیں دیتے اس لئے ان کا خیال ان نئی قسموں کے جواز کی طرف چلا جاتا ہے حالانکہ اس میں وہ سب مضرتیں موجود ہیں جو دو چار آدمیوں کے جوئے میں پائی جاتی ہیں اور ایک حیثیت سے اس کا ضرر اس قدیم قسم کے قمار سے بہت زیادہ اور اس کے خراب اثرات دوررس اور پوری قوم کی بربادی کا سامان ہیں کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پوری قوم کی دولت سمٹ کر محدود افراد اور محدود خاندانوں میں مرتکز ہو جائے گی جس کا مشاہدہ سٹہ بازار اور قمار کی دوسری قسموں میں روزمرہ ہوتا رہتا ہے اور اسلامی معاشیات کا اہم اصول یہ ہے کہ ہر ایسے معاملے کو حرام قرار دیا جس کے ذریعے دولت پوری ملت سے سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے حوالے ہو سکے، قرآن کریم نے اس کا اعلان خود تقسیم دولت کا اصول بیان کرتے ہوئے اس طرح فرمادیا ہے: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنكُمْ (۵۹:۷) یعنی مال فئے کی تقسیم مختلف طبقوں میں کرنے کا جو اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ دولت سمٹ کر صرف سرمایہ داروں میں جمع نہ ہو جائے۔

قمار یعنی جوئے کی خرابی یہ بھی ہے کہ شراب کی طرح قمار بھی آپس میں لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد کا سبب ہوتا ہے ہارنے والے کو طبعی طور پر جیت جانے والے سے نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور یہ تمدن ومعاشرت کے لئے سخت مہلک چیز ہے اسی لئے قرآن حکیم نے خاص طور پر اس مفسدہ کو ذکر فرمایا ہے۔ (معارف القرآن)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ ....

شانِ نزول:

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مقصود اصلی اصلاح ہے۔ یتیم بچوں کا مال اس طریقہ پر ان پر خرچ کرو کہ ان کا نقصان بھی نہ ہو اور کوئی خراب نیت بھی نہ ہو کہ اس کا مال ساتھ ملا کر پکانے میں اس کے حصہ میں سے اپنے اوپر یا اپنے بچوں پر خرچ ہوجانے کی نیت ہو ان کا مال اپنے مال میں ملا کر پکانے میں چونکہ مصلحت پیش نظر ہے کہ ان کا مال زیادہ خرچ نہ ہو اور ضائع نہ ہو تو اس میں کوئی مؤاخذہ اور محاسبہ کی بات نہیں ہے وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بھائیوں کی طرح مل جل کر اصلاح وخیر خواہی مد نظر رکھتے ہوئے کھاؤ اور پیو، اللہ تعالیٰ شانہ مصلح کو بھی جانتا ہے۔ (جس کی نیت اصلاح کی ہو) اور مفسد کو بھی جانتا ہے جس کی نیت خراب ہو اور فساد اور بگاڑ کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر فرمایا کہ: (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا اور تم کو حکم دیتا کہ یتیموں کا ہر حال میں الگ پکاؤ اور ایسے انداز سے پکاؤ کہ ذرا بھی خراب نہ ہو اور یہ تمہارے لیے مشکل اور دشواری کا باعث ہوجاتا، اللہ تعالیٰ نے آسانی عطا فرمادی، آسانی پر عمل کرو، اور نیت اچھی رکھو، آخر میں فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ) (بلاشبہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے یعنی غلبہ والا ہے) وہ مؤاخذہ فرمائے تو کوئی اس سے بچ نہیں سکتا اور وہ حکیم بھی ہے اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ....

مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت:

اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مشرک عورتوں سے نکاح کریں، ہاں اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے نکاح کرنا جائز ہوگا مشرک عورتیں بعض مرتبہ حسن وجمال یا اموال کے اعتبار سے اچھی معلوم ہوتی ہیں اور ان سے نکاح کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تم مشرکہ سے نکاح نہ کرو، اگر کوئی باایمان لونڈی مل جائے تو اس سے نکاح کرلو۔ وہ تمہارے لیے مشرک عورت سے بہتر ہے۔ پھر دوسرا حکم ارشاد فرمایا کہ مشرکوں سے اپنی عورتوں کا نکاح نہ کرو، مشرک کی نسبت مؤمن غلام بہتر ہے (تم اس سے اپنی عورتوں کا نکاح کرو) ہاں اگر کوئی مشرک مسلمان ہوجائے تو وہ تمہارا دینی بھائی ہوگیا اس سے اپنی عورتوں کا نکاح کرسکتے ہو۔

آخر میں مشرکوں سے بچنے اور ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کرنے کی علت بتادی کہ مشرکین دوزخ کی طرف بلاتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، مشرکین سے مرد ہوں یا عورت ازدواجی میل جول رکھنے میں خطرہ ہے کہ مسلمان مرد ہو یا عورت خدانخواستہ ان کے عقائد سے متاثر ہو جائے اور کسی دن ایمان کھو بیٹھے اور مستحق دوزخ ہو جائے، پھر مسئلہ اولاد کا بھی پیدا ہوگا مرد مشرک ہو یا عورت وہ اولاد کو ضرور اپنے دین پر لگائیں گے۔ اگر اولاد مشرک ہوگئی تو دوزخی ہوگی۔ لامحالہ مؤمن مرد وعورت مشرک مرد وعورت سے بہتر ہے چاہے وہ مؤمن غلام یا باندی ہی ہو، چونکہ نہ تو وہ اپنے جوڑے کو دوزخ کی دعوت دیتا ہے اور نہ اولاد کو دوزخ کے راستہ پر ڈالتا ہے۔

فائدہ: آیت کے عموم الفاظ سے ظاہر ہے کہ کسی مؤمن عورت کا کسی مشرک مرد سے اور کسی مؤمن مرد کا کسی مشرک عورت سے نکاح درست نہیں ہے اور اس عموم میں ہر طرح کے کافر داخل ہیں۔ ملحد زندیق دہریئے بھی اسی حکم میں آجاتے ہیں۔ ایسے مردوں اور عورتوں سے کسی مرد مؤمن اور عورت مؤمنہ کا نکاح درست نہیں اگر نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعی نکاح نہ ہوگا اور اس کی بنیاد پر ازدواجی تعلقات حرام ہوں گے، البتہ کتابی عورت (یہودیہ ہو یا نصرانیہ) سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے اور اس کا جواز سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع میں بیان فرما دیا ہے، اس کے بعض احکام ہم وہیں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ، یہاں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اگرچہ یہودیہ ونصرانیہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست ہے لیکن ان سے بچنا افضل ہے خاص کر اس زمانہ میں جبکہ یہ عورتیں مسلمانوں سے نکاح کرتی ہی اس لیے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے دین پر لے آئیں اور اولاد کو بھی اپنے دین پر ڈال دیں، اور مسلمانوں کی اندرونی خبریں دشمنان اسلام کو پہنچایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اس نزاکت کو بھانپ لیا تھا اور اپنے عہد خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے روکتے تھے۔ (کمافی کتاب الآثار للامام محمد بن الحسن الشیبانی ص ۸۹)

بہت سے ممالک میں جہاں مسلمان مل جل کر رہتے ہیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہر مذہب اور مسلک کے لڑکے لڑکیاں یکجا جمع ہو کر کلاسوں میں بیٹھتے ہیں وہاں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ مسلمان لڑکے اور لڑکیاں مقامی حکومت کے قانون کے مطابق کورٹ میں جا کر نکاح کر لیتے ہیں، اگر لڑکا مسلمان ہو اور لڑکی کتابی ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ ایجاب وقبول گواہوں کے سامنے ہوا ہو اور اگر لڑکی کتابی نہیں، ہندو، سکھ، بدھسٹ، آتش پرست ہو تو یہ نکاح ہونے ہی کا نہیں، اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر سے نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ کافر یہودی ونصرانی ہو۔ بہت سے فرقے ایسے بھی ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن وہ اپنے عقائد کی وجہ سے کافر ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جو ختم نبوت کے منکر ہیں اور وہ لوگ جو تحریف قرآن کے قائل ہیں اور وہ لوگ جو اپنے امام کے اندر خدائے پاک کا حلول مانتے ہیں یہ سب لوگ بھی کافر ہیں ان سے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسلمان مرد کا اس طرح کی کسی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے۔ (انوار البیان)

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ أَيِ الْحَيْضِ أَوْ مَكَانِهِ مَاذَا يُفْعَلُ بِالنِّسَاءِ فِيهِ **قُلْ هُوَ أَذًى** قَذَرٌ أَوْ مَحَلُّهُ **فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ** اُتْرُكُوا وَطْيَهُنَّ **فِي الْمَحِيضِ** أَيْ وَقْتِهِ أَوْ مَكَانِهِ **وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ** بِالْجِمَاعِ **حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ** بِسُكُونِ الطَّاءِ وَتَشْدِيدِهَا وَالْهَاءِ وَفِيهِ إِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الطَّاءِ أَيْ يَغْتَسِلْنَ بَعْدَ

انقطاعه **فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ** لِلجماعِ **مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ** بتجنبه في الحيض وهو القبل ولا تعدوه الى غيره **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ** يثيب ويكرم **التَّوَّابِينَ** من الذنوب **وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ** ﴿۲۲۲﴾ من الاقذار **نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ** اي محل زرعكم للولد **فَأْتُوا حَرْثَكُمْ** اي محله وهو القبل **أَنَّى** كيف **شِئْتُمْ** من قيام وقعود واضطجاع واقبال وادبار نزل ردا لقول اليهود من اتى امراته في قبلها من جهة دبرها جاء الولد احول **وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ** العمل الصالح كالتسمية عند الجماع **وَاتَّقُوا اللَّهَ** في امره ونهيه **وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ** بالبعث فيجازيكم باعمالكم **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ** ﴿۲۲۳﴾ الذين اتقوه بالجنة **وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ** اي الحلف به **عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ** اي نصبا لها بان تكثروا الحلف به **أَنْ لَا تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ** فتكره اليمين على ذلك ويسن فيه الحنث ويكفر بخلافها على فعل البر ونحوه فهي طاعة المعنى لا تمتنعوا من فعل ما ذكر من البر ونحوه اذا حلفتم عليه بل ائتوه وكفروا لان سبب نزولها الامتناع من ذلك **وَاللَّهُ سَمِيعٌ** لاقوالكم **عَلِيمٌ** ﴿۲۲۴﴾ باحوالكم **لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ** الكائن **فِي أَيْمَانِكُمْ** وهو ما يسبق اليه اللسان من غير قصد الحلف نحو لا والله وبلى والله فلا اثم فيه ولا كفارة **وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ** اي قصدته من الايمان اذا حنثتم **وَاللَّهُ غَفُورٌ** لما كان من اللغو **حَلِيمٌ** ﴿۲۲۵﴾ بتاخير العقوبة عن مستحقها **لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ** اي يحلفون ان لا يجامعوهن **تَرَبُّصُ** انتظار **أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا** رجعوا فيها او بعدها عن اليمين الى الوطي **فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ** لهم ما اتوه من ضرر المراة بالحلف **رَحِيمٌ** ﴿۲۲۶﴾ بهم **وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ** اي عليه بان لم يفيئوا فليوقعوه **فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ** لقولهم **عَلِيمٌ** ﴿۲۲۷﴾ بعزمهم المعنى ليس لهم بعد تربص ما ذكر الا الفيئة او الطلاق **وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ** اي لينتظرن **بِأَنْفُسِهِنَّ** عن النكاح **ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ** تمضي من حين الطلاق جمع قرء بفتح القاف وهو الطهر او الحيض قولان وهذا في المدخول بهن اما غيرهن فلا عدة لهن لقوله تعالى فما

لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا وَفِيْ غَيْرِ الْاٰيِسَةِ وَالصَّغِيْرَةِ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَالْحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ
يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ كَمَا فِيْ سُوْرَةِ الطَّلَاقِ وَالْاِمَاءُ فَعِدَّتُهُنَّ قُرْاٰنِ بِالسُّنَّةِ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا
خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ مِنَ الْوَلَدِ اَوِ الْحَيْضِ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ
اَزْوَاجُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ اَيْ بِمُرَاجَعَتِهِنَّ وَلَوْ اَبَيْنَ فِيْ ذٰلِكَ اَيْ فِيْ زَمَنِ التَّرَبُّصِ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ
بَيْنَهُمَا لَا اِضْرَارَ الْمَرْاَةِ وَهُوَ تَحْرِيْضٌ عَلٰى قَصْدِهٖ لَا شَرْطٌ لِجَوَازِ الرَّجْعَةِ وَهٰذَا فِي الطَّلَاقِ الرَّجْعِيِّ وَ
اَحَقُّ لَا تَفْضِيْلَ فِيْهِ اِذْ لَا حَقَّ لِغَيْرِهِمْ فِيْ نِكَاحِهِنَّ فِي الْعِدَّةِ وَلَهُنَّ عَلَى الْاَزْوَاجِ مِثْلُ الَّذِيْ لَهُمْ
عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحُقُوْقِ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ شَرْعًا مِنْ حُسْنِ الْعِشْرَةِ وَتَرْكِ الضِّرَارِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ وَلِلرِّجَالِ
عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ فَضِيْلَةٌ فِي الْحَقِّ مِنْ وُجُوْبِ طَاعَتِهِنَّ لَهُمْ لِمَا سَاقُوْهُ مِنَ الْمَهْرِ وَالْاِنْفَاقِ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ فِيْ مُلْكِهٖ حَكِيْمٌ ۝۲۲۸ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لِخَلْقِهٖ

ع ٢٨ / ١٢

ترجمہ: اور لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں (محیض مصدر میمی بمعنی حیض ہے، مطلب یہ ہوگا کہ لوگ آپ سے حیض کی حالت میں صحبت وغیرہ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں یا محیض صیغہ ظرف ہو جس کی طرف مفسر رحمہ اللہ نے اَوْ مَکَانِہٖ سے اشارہ کیا ہے یعنی جائے حیض۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ حیض کے مکان ومحل کا حکم دریافت کرتے ہیں کہ اس حالت میں عورتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟) آپ فرما دیجیے کہ وہ حیض گندگی ہے (گندی چیز ہے یا گندگی کی جگہ ہے، یعنی مفسر نے محیض کے دو معنی بیان کیے تھے تو لف ونشر مرتب کے طریق پر دونوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے) سو تم عورتوں سے الگ رہا کرو (ان سے وطی کرنا چھوڑ دو، باقی گھر میں اٹھنا، بیٹھنا، ساتھ میں کھانا پینا منع نہیں) حالت حیض میں (یعنی حیض کے وقت یا حیض کے محل میں صحبت کرنا چھوڑ دو) اور ان سے قربت مت کرو (جماع کے ساتھ) جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں (مفسر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اختلاف قراءت بیان کیا ہے کہ یہاں دو قراءت میں سے پہلی قراءت جمہور کی ہے، بسکون الطاء یطہرن، دوسری قراءت بتشدید الطاء والہاء یطّہّرن ہے، اس صورت میں دراصل یتطہرن تھا، تاء کو طاء سے بدل کر طاء میں ادغام کر دیا ہے یعنی حیض بند ہونے کے بعد غسل کر لیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے مسلک کے مطابق دونوں قراءتوں کا معنی ایک بیان کیا ہے کہ حیض بند ہونے کے بعد جب تک غسل نہ کر لیں اس وقت تک وطی جائز نہیں، فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ پہلی قراءت یعنی بلا تشدید جو جمہور کی قراءت ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حیض سے پاک ہو جائیں اور خون بند ہو جائے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ حیض کی اکثر مدت دس دن گزر جائے تو بلا غسل بھی وطی جائز ہے یا خون بند ہونے پر ایک وقت نماز گزر جائے تو وطی جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ احناف نے جمہور کی قراءت کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ اکثر مدت دس روز کے بعد خون حیض بند ہو اور دوسری قراءت

بصورت تشدید کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ دس روز سے کم پر خون بند ہو جائے تو بلا غسل وطی جائز نہیں) فَإِذَا تَطَهَّرْنَ... پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ (جماع کے لیے) جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے (حیض کی حالت میں دور رہنے کا اور وہ قبل یعنی آگے کی شرمگاہ فرج ہے اور آگے کی شرمگاہ کے علاوہ یعنی دُبر کی طرف تجاوز نہ کریں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں (ثواب دیں گے اور باعزت کریں گے) ان لوگوں کو جو توبہ کرنے والے ہیں (گناہوں سے، مثلاً حالت حیض میں صحبت کر بیٹھا پھر متنبہ ہو کر توبہ کر لی) اور دوست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو پاکیزگی حاصل کرنے والے ہیں (گندگیوں سے جیسے حیض کی حالت میں وطی کرنا یا لواطت کرنا خواہ مرد سے ہو یا عورت سے قطعی گندی حرکت اور حرام ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ... تمہاری عورتیں (یعنی بیویاں) تمہاری کھیتی ہیں (تمہاری کھیتی یعنی بیج کا محل ہیں جو فرزند ہے مطلب یہ ہے کہ نطفہ جو رحموں میں ڈالے جاتے ہیں وہ بمنزلہ تخم و بیج کے اور بچہ بجائے پیداوار کے ہے) سو تم اپنے کھیت میں جاؤ) (یعنی کھیتی کے محل میں اور وہ قبل آگے کی شرمگاہ فرج ہے) أَنَّى شِئْتُمْ (انی بمعنی کیف ہے) جس طرح تم چاہو (کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور کروٹ اور سامنے سے یا پیچھے سے ہو مگر ہو محل حرث یعنی فرج میں، اس آیت کا نزول یہود کے قول کی تردید میں ہوا، یہود کا قول تھا کہ جو شخص اپنی بیوی کے قبل میں اس کی پشت کی جانب سے وطی کرے گا اس کا بچہ بھینگا ہوگا) اور آگے کی تدبیر کرو اپنے لیے (یعنی عمل صالح کرتے رہو مثلاً جماع کے وقت بسم اللہ پڑھنا) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (اس کے امر اور نہی کے معاملہ میں) اور جان لو کہ بلاشبہ تم اس سے ملنے والے ہو (یعنی بعث بعد الموت کے ذریعہ تم اللہ کے سامنے پیش ہونے والے ہو، پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا) اور آپ (اے پیغمبر!) ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے (جنت کی خوشخبری ان لوگوں کو جو اللہ سے ڈریں)۔ اور مت بناؤ اللہ کو (یعنی اللہ کے ساتھ قسم کھانے کو) عرضہ کے معنی روکنے والی چیز) اپنی قسموں کے لیے (یعنی اس علت مانعہ و رکاوٹ کو قائم کر کے بایں طور کہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاؤ) نیکی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح نہ کر سکو (پس ان باتوں پر قسمیں کھانا مکروہ ہے اور ایسی قسم میں اس کا توڑ دینا اور کفارہ دینا مسنون ہے، بخلاف اس کے کسی نیک کام کرنے پر اور اس کے مانند پر قسم کھائی تو یہ طاعت ہے، مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں کے کرنے سے باز مت رہو جبکہ تم نے اس کے نہ کرنے پر قسم کھالی ہے بلکہ ان کاموں کو بجالاؤ اور اس کا کفارہ ادا کرو، اس لیے کہ اس آیت کا سبب نزول اس سے باز رہنا تھا) اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں (تمہاری سب باتوں کو) اور جانتے ہیں (تمہارے احوال، سو زبان سنبھال کر قسم کھاؤ اور دل میں برے خیالات مت لاؤ) لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ... اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں کریں گے لغو پر (جو واقع ہو) تمہاری قسموں میں، وَهُوَ مَا يَسْبِقُ إِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الْحَلْفِ، لغو قسم وہ ہے کہ بغیر ارادہ قسم کے زبان اس کی طرف سبقت کر جائے یعنی بلا قصد و ارادہ زبان سے لفظ قسم نکل جائے جیسے لا واللہ نہیں واللہ، بلی واللہ، ہاں واللہ اس میں نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ) وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ... لیکن تم سے مواخذہ کریں گے اس پر جس کا تمہارے دلوں نے قصد کیا ہے (یعنی ارادہ سے قسم کھا کر توڑ دیا) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (اس چیز کو جو یمین لغو سے ہوا) بردبار ہیں (مستحق سزا سے سزا کو مؤخر کر دیتے ہیں یعنی یمین غموس جو قصد و ارادہ سے قسم کھا کر توڑ ڈالے لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ

نِسَآئِهِمْ... جولوگ ایلاء کرتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس جانے سے (یعنی قسم کھا بیٹھتے ہیں کہ ان سے مجامعت نہیں کریں گے) ان کے لیے چار مہینے کی علت (انتظار) ہے، سواگر یہ رجوع کرلیں (یعنی ان چار مہینے کے اندر یا چار مہینے گزرنے کے بعد اپنی قسم سے وطی کی طرف رجوع کرلیں) تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (جو کچھ قسم کھا کر بیوی کو ضرر پہنچایا ہے) رحم کرنے والے ہیں (ان پر)۔ اور مطلقہ عورتیں روکے رکھیں (انتظار میں رکھیں) اپنے آپ کو (نکاح سے) تین حیض (ختم ہونے تک طلاق کے وقت سے) قروء جمع ہے قرء بفتح القاف کی اور قرء سے مراد حیض ہے یا طہر دونوں اقوال ہیں، یعنی بالاتفاق اہل لغت قرء کے معنی حیض اور طہر دونوں ہیں اور یہ حکم یعنی تین حیض تک انتظار کرنا جس کا نام عدت ہے ان عورتوں کے بارے میں ہے جو مدخولہ ہوں اور غیر مدخولہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کی وجہ سے فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۔۔۔ (اور ان عورتوں کے لیے حلال نہیں ہے کہ چھپائیں اس چیز کو جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے (یعنی بچہ یا حیض) اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر (خاوند) ان کو پھر لوٹا لینے کے حقدار ہیں (یعنی زوجیت میں واپس لے سکتے ہیں) اگرچہ عورتیں انکار کریں۔ اس عدت میں (یعنی اس انتظار عدت میں) بشرطیکہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں (آپس میں نہ کہ عورت کو ستانے کی نیت سے، یہ کلام رجوع کے قصد پر ترغیب کے لیے ہے نہ کہ جواز رجعت کے لیے شرط ہے اور یہ رجوع کا حکم طلاقِ رجعی میں ہے، احق میں تفصیل مقصود نہیں ہے کیونکہ عدت کے اندر شوہر کے علاوہ غیر کو ان عورتوں سے نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں ہے) اور ان عورتوں کے لیے حقوق ہیں (شوہروں پر) جیسا کہ (ان شوہروں کے) ان عورتوں پر حقوق ہیں دستور کے مطابق (شرعی دستور کے مطابق یعنی نیک سلوک ہو اور نقصان پہنچانے کا ارادہ کسی کا نہ ہو) اور مردوں کا عورتوں پر درجہ بلند ہے (یعنی فضیلت ہے چونکہ مردوں نے مہر اور نان نفقہ خرچ کیا ہے اس وجہ سے عورتوں پر مردوں کی اطاعت واجب ہے) اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے (اپنے ملک میں) اور حکیم ہے اپنی مخلوق کی تدبیر میں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْحَيْضِ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ مجیٔ کی طرح مصدر ہے۔

قوله: مَاذَا يُفْعَلُ: اس سے اشارہ کیا کہ سوال ایام حیض میں عورتوں کے ساتھ معاشرت سے متعلق تھا۔ اس لیے کہ اہل جاہلیت کی عادت ترک رہائش اور ترک اکل وشرب تھا۔

قوله: اُتْرُكُوْا وَطْيَهُنَّ: اس سے اشارہ کیا کہ دونوں جملے مستقل ذیل ہیں جیسا کہ اس آیت میں: إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ دونوں افعال کا مقدر ماننا یہ زیادہ بلیغ ہوا۔

قوله: مَحَلُّ زَرْعِكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ عبارت حذف مضاف کی وجہ سے ظاہر سے پھیری جائے گی یا پھر اسے تشبیہ بلیغ قرار دینا ہوگا۔

قوله: مَحَلَّهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تمثیل ہے عورتوں کے قبل میں آنے کی حالت کو حرث کے مقامات میں آنے سے تشبیہ

دی جو کہ کسی جہت سے مخصوص نہیں۔

قولہ: اَلْعَمَلَ الصَّالِحَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ کسی ایک شئے سے خاص نہیں۔

قولہ: فِیْ اَمْرِہٖ وَنَھْیِہٖ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاتَّقُوا اللّٰہَ کا ارشاد عام ہے جو ارشاد خاص کے بعد لایا گیا اور اس کا عطف فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ پر ہے۔

قولہ: اَتَقَوْہُ: اس سے مقید کر کے اشارہ کیا کہ اگرچہ سابق خطاب کا تقاضا عام مؤمن تھے مگر یہاں ضمیر کی بجائے ظاہر لا کر اس کی مراد مقید لوگوں کو قرار دیا۔

قولہ: اَلْمَعْنٰی لَا: یہ حاصل معنی کا بیان ہے۔ اس سے عربی عبارت کے لحاظ سے تعبیر تھی۔

قولہ: اِذَا حَنِثْتُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ قسم مواخذہ کو واجب نہیں کرتی، قسم کا توڑنا اس کو واجب کرتا ہے۔

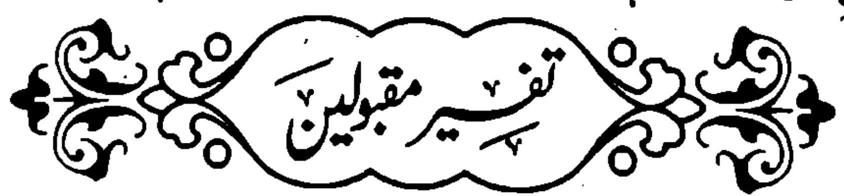
قولہ: مَا اَتَوْہُ مِنْ ضَرَرٍ: یہ اشارہ کیا کہ جملہ جزاء شرط ہے اس کی علت نہیں جو اس کے قائم مقام ہو کیونکہ تقدیر ماننے کی حاجت نہیں۔

قولہ: لِیَنْتَظِرْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ یتربصن یہ خبر ہے جو امر کے معنی میں ہے اور عبارت کی تبدیلی تحقیق و تاکید کے لیے ہے۔

قولہ: وَھٰذَا فِی الطَّلَاقِ الرَّجْعِیِّ: اس میں بُعُوْلَتُھُنَّ کی ضمیر مرجوع الیہ کی بنسبت خاص ہے اور وہ مطلقات ہیں۔

قولہ: وَاَحَقُّ لَا تَفْضِیْلَ فِیْہِ: اَحَقُّ یہاں اثر تفضیل سے خالی ہے جو حقیقی کے معنی میں ہے۔ تفضیل مبالغہ کے لیے لائی گئی ہے۔

قولہ: مِنَ الْحُقُوْقِ: اس میں اشارہ ہے کہ مماثلث اصفت وجوب اور جنس حق میں ہے جنس فعل میں نہیں۔



وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ....

حیض والی عورت سے متعلقہ احکام:

اللہ جل شانہٗ نے نوع انسان کو بڑھانے اور باقی رکھنے کے لیے مرد عورت کے درمیان خاص تعلق رکھا ہے اور شرعی قانون کے مطابق نکاح ہو جانے سے قواعد اور اصول کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے میل ملاپ رکھنے اور قریب تر ہونے کی اجازت دی ہے اور طبعی طور پر مرد عورت میں شہوت رکھی ہے وہ اس شہوت کے تقاضے پر عمل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور یہی شہوت اولاد پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اولاد پیدا ہونے کے لیے شہوت رکھ دی اور پھر اس کی پرورش کروانے کے لیے محبت رکھ دی، جسے ماماتا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور تکوینی طور پر عورتوں کے لیے یہ تجویز فرما دیا کہ ان کے رحم سے خون جاری ہوا کرے یہ خون عموماً بالغ عورتوں کو ہر مہینہ جاری ہوتا ہے۔ اسے حیض اور محیض کہا جاتا ہے، شریعت مطہرہ میں اس کے بھی احکام ہیں ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ وہ ان

ایام میں نہ روزہ رکھیں نہ نماز پڑھیں (اور ایام حیض گزر جانے کے بعد نمازوں کی قضاء بھی واجب نہیں، البتہ رمضان میں حیض آیا تو پاک ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا رکھنا واجب ہے) زمانہ حیض میں مسجد میں داخل ہونا کعبہ شریف کا طواف کرنا، قرآن شریف پڑھنا اور قرآن شریف چھونا بھی ممنوع ہے۔ (ہاں اگر اس غلاف کے ساتھ چھوئے جو قرآن شریف سے الگ ہوتا رہتا ہے تو چھو سکتی ہے)۔

جو احکام حیض سے متعلق ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ ان ایام میں عورت کا شوہر اس سے جماع نہ کرے، حیض کے زمانہ میں جماع کرنا حرام ہے۔ جس کو (فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ) میں بیان فرمایا ہے، حیض والی عورت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سب جائز ہے، اور ناف سے لے کر گھٹنہ تک کے حصہ کو چھوڑ کر شوہر اس سے بوس و کنار کے ذریعہ استمتاع بھی کر سکتا ہے، بہت سی قوموں میں یہ رواج ہے کہ حیض کے زمانہ میں عورت اچھوت بنا کر ڈال دی جاتی ہے، شریعت اسلامیہ میں ایسا نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ وہ حیض کے زمانہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبارک سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھیں اور انہوں نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری گود میں تکیہ لگا کر قرآن شریف کی تلاوت فرمالیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حکم فرماتے تھے کہ تہبند باندھ لو پھر میرے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔

(صحیح بخاری ص ۴۳، ۴۴ ج۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب عورت کو حیض آ جاتا تھا تو اس کے ساتھ نہ تو کھاتے پیتے تھے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ رہتے سہتے تھے حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا کہ ہم کیا کریں تو اس پر اللہ جل شانہ، نے آیت کریمہ: (وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ) (آخر تک) نازل فرمائی، آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جماع کرنے کے سوا سب کچھ کرو (اس میں ساتھ کھانے پینے، رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے لیٹنے کی اجازت ہوگئی) یہودیوں کو جو اس بات کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص ہر چیز میں ہماری مخالفت کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے، ان کی یہ بات سن کر (دو صحابی) اسید بن حضیر اور اور عباد بن بشر حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہودی ایسا ایسا کہتے ہیں تو کیا ہم ایسا نہ کریں کہ حیض والی عورتوں کے ساتھ رہنا چھوڑ دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ انور متغیر ہوگیا۔ (۱۴۳ ج۱)

ان روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ (فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ) میں جماع کرنے کی ممانعت ہے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت نہیں ہے یہ جو فرمایا: (فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ) پس جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے حکم دیا ہے)۔

یعنی عورتوں سے جماع کرنے کے لیے سامنے کے راستہ سے آؤ جو رحم کا راستہ ہے۔ اس میں اس بات کی ممانعت فرمائی کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے پیچھے کے راستے سے شہوت پوری کرے، اس بارے میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ ابھی

بیان ہوں گی۔

نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ ......

وطی فی الدبر کی حرمت اور یہود کی ایک بات کی تردید:

صحیح بخاری ص۶۴۹ ج۲ میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہودی یوں کہتے تھے کہ جو کوئی مرد عورت کی سامنے کی شرم گاہ میں پیچھے کی جانب سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔ ان کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں لہٰذا تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جیسے چاہو۔ اس میں اول تو عورتوں کو کھیتی فرمایا اور مرد عورت کے میل ملاپ کی ضرورت اور فائدہ کو واضح طور پر بیان فرمایا کہ اس کی ضرورت اور مشروعیت اولاد طلب کرنے کے لیے ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ (کے رکوع ۲۲) میں (وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ) فرمایا ہے، نکاح کرنے میں جہاں نفس ونظر کی حفاظت ہے، وہاں طلب ولد بھی مطلوب ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت رکھنے والی ہو اور اس سے اولاد زیادہ پیدا ہونے والی ہو (جس کا اندازہ خاندانی عورتوں کے احوال سے ہو جاتا ہے) کیونکہ میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (سنن ابوداؤد ص۲۸۰ ج۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اولاد کی پیدائش پر کوئی پابندی لگانا یا اولاد کی کثرت کے خلاف منصوبے بنانا شریعت اسلامیہ کے مقصد اور مزاج کے خلاف ہے۔

پھر یہ فرمایا کہ تم اپنی کھیتیوں میں آ جاؤ جس طرح ہو کر چاہو آ جاؤ اس میں یہ بتا دیا کہ عورت کے پاس مرد کے آنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے، یعنی وہ راستہ جسے اختیار کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اس بات کی بھی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرے۔ کیونکہ وہ راستہ کھیتی کا نہیں ہے بلکہ اس کی گندگی حیض والی گندگی سے زیادہ ہے۔

پھر فرمایا: (فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ) اس میں ایک ہی سیاق میں تین اسلوب اختیار فرما کر عورت کے پیچھے والے راستہ سے شہوت پوری کرنے کی ممانعت فرما دی بعض اکابر نے فرمایا کہ غالباً صریح الفاظ میں اس کا ذکر نہ فرمانا اس لیے ہے کہ صراحۃً ایسے خبیث وبدترین فعل کا تذکرہ بصورت نفی یا بصورت نہی بھی گوارا نہیں فرمایا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ جس شخص نے کسی حیض والی عورت سے شہوت پوری کی یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت والا کام کیا، یا کسی ایسے شخص کے پاس آیا جو غیب کی خبریں بتاتا ہو تو وہ اس دین کا منکر ہو گیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔ (مشکوۃ المصابیح ص۵۶)

تفسیر درمنثور ص۲۶۴ ج۱ میں بحوالہ ابوداؤد والنسائی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کسی مرد یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا وہ ملعون ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی

بیوی کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا ایسا کام کافر ہی کرسکتا ہے (درمنثور) معلوم ہوا اغلام کرنا بیوی کے ساتھ بھی حرام ہے اور اہل کفر کا طریقہ ہے۔ أعاذ الله منه كل مؤمن۔

یہ جو فرمایا: (فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ) (کہ تم اپنی کھیتی میں آؤ جیسا چاہو) اس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے، سامنے سے پیچھے سے اپنی بیویوں سے لذت حاصل کرو، بشرطیکہ کھیتی کی جگہ پر آؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آیت جو (نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ) (آخر تک) نازل ہوئی ہے۔ اس میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ عورتوں سے جو خاص تعلق ہے اس کے لیے آگے سے آؤ یا پیچھے سے آؤ (دونوں طرح اختیار ہے) اور دبر میں (یعنی پیچھے کے راستے میں) اور حیض کے زمانہ میں جماع کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا جس نے کسی مرد یا عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا۔ (رواہ الترمذی)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً ۔۔۔

عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ تھا کہ خدا کی قسم کھا کر یہ کہہ بیٹھتے تھے کہ ہم فلاں اور فلاں کام نیکی کا، تقویٰ کا، اصلاح خلق کا نہ کریں گے۔ اور جب کوئی کہتا تو یہی عذر پیش کردیتے کہ ہم تو اس کی قسم کھا چکے ہیں! ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی ہر صورت میں مذموم تھا، چہ جائیکہ حضرت حق کے اسم بزرگ اور اس کی قسم کی بجائے قرب حق کے اس سے دوری کا ذریعہ بنالیا جائے۔۔ آیت اسی شعار جاہلی کی تردید میں ہے۔ (آیت) "عرضة" کے عام ومتداول معنی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہاں بھی یہی معنی رکھے ہیں، عرضة لایمانکم اے نصبالها (جوہری) جعلته عرضته لكذا نصبته له (قاموس) لیکن ایک دوسرے معنی حجاب یا مانع کے بھی ہیں۔ اور یہاں یہی زیادہ چسپاں ہیں۔ اے حاجزا لما حلفتم عليه (کشاف) قالوا العرضة عبارة عن المانع (کبیر) فقہاء نے بلاضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے کہ اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے۔ چہ جائیکہ قصداً جھوٹی قسمیں کھانا!

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۔۔۔۔

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کا بیان:

جو کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا۔ اس کے لیے شریعت میں کچھ احکام ہیں۔ اگر قسم کھا کر یوں کہا کہ اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لیکن کوئی مدت مقرر نہیں کی، یا یوں کہا کہ چار ماہ تک اس سے جماع نہیں کروں گا یا چار ماہ سے زیادہ کا ذکر کردیا (جس میں ہمیشہ کے لیے قسم کھانا بھی شامل ہے) یا چار مہینہ سے کم مدت مقرر کردی۔ تو ان سب صورتوں میں پہلی تین صورتوں کو ایلاء کہا جاتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اگر چار مہینے گزر گئے اور اس نے قسم نہیں توڑی یعنی اس میں بیوی سے جماع نہیں کیا تو اس سے ایک بائن طلاق واقع ہوجائے گی۔ جس کا حکم یہ ہے کہ اب بلا نکاح ثانی کے رجوع

نہیں ہوسکتا۔ آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ اور مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں اگر چار ماہ کے اندر اس نے بیوی سے جماع کرلیا جس سے ایلاء کیا تھا تو قسم ٹوٹ گئی۔ اور اس صورت میں بیوی تو نکاح سے نہیں نکلی لیکن قسم ٹوٹ جانے کی وجہ سے قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہے۔ اب رہ گئی چوتھی صورت جس میں چار مہینہ سے کم کی مدت مقرر کر کے بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اس میں اگر مدت مقررہ کے اندر جماع کرلیا تو قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا اور بیوی نکاح سے نہیں نکلے گی، اور اگر مدت مقررہ پوری کرلی تو قسم پوری ہوگئی جس کا کوئی کفارہ نہیں اور نکاح بھی اپنی حالت پر باقی رہا۔ قسم کھانے کے بعد رجوع کرنے کو فیئ کہتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ بھی رجوع کے معنی میں آتا ہے۔

فائدہ اولیٰ: ایلاء کی صورت میں حکم ایلاء اسی وقت ختم ہوگا جبکہ چار مہینہ کے اندر جماع کرلے، یہ رجوع بالعمل ہے لیکن اگر کوئی ایسی مجبوری ہو کہ جماع نہیں کرسکتا مثلاً یہ کہ عورت مریض ہے جماع کے قابل نہیں یا کم عمر ہے تو اس صورت میں رجوع بالقول بھی ہوسکتا ہے۔ وہ یہ کہ مدت ایلاء میں زبان سے کہہ دے: فِئْتُ اِلَیْهَا (یعنی میں نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لیا) لیکن اگر ایلاء کے اندر پھر جماع پر قادر ہوگیا تو یہ رجوع باللسان باطل ہوجائے گا اور اب لازم ہوگا کہ رجوع بالعمل کرے، یعنی جماع کرلے، اگر جماع نہ کیا اور چار مہینے گزر گئے۔ تو حسب قانون طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

فائدہ ثانیہ: اگر یوں قسم کھائی تھی کہ کبھی بھی اس سے جماع نہیں کروں گا اور چار مہینہ تک جماع نہیں کیا تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر پھر اس سے نکاح کرلیا تو قسم باقی رہنے کی وجہ سے ایلاء کا حکم نافذ ہوگا۔ اگر اس دوسرے نکاح کے بعد چار مہینے کے اندر قسم ٹوٹ گئی، جس کا کفارہ واجب ہوگا اور بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن اگر نکاح ثانی کی ابتداء سے لے کر چار ماہ پورے ہوجانے تک جماع نہ کیا تو پھر طلاق بائن واقع ہوجائے گی پھر اگر تیسرے نکاح کے بعد سے لے کر چار ماہ گزر جانے تک جماع نہیں کیا تو تیسری طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر اس مدت کے اندر جماع کرلیا تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن قسم ٹوٹ جائے گی اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ (من الہدایہ)

فائدہ ثالثہ: یہ چار ماہ جن کا بار بار ذکر ہوا چاند کے حساب سے معتبر ہوں گے۔ اس میں شمسی مہینوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اَلطَّلَاقُ اَیِ التَّطْلِیْقُ الَّذِیْ یُرَاجِعُ بَعْدَهٗ مَرَّتٰنِ اَیِ اثْنَتَانِ فَاِمْسَاكٌ اَیْ فَعَلَیْكُمْ اِمْسَاكُهُنَّ بَعْدَهٗ بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ مِنْ غَیْرِ ضِرَارٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ اِرْسَالٌ لَهُنَّ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَیُّهَا الْاَزْوَاجُ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ مِنَ الْمُهُوْرِ شَیْئًا اِذَا طَلَّقْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَیِ الزَّوْجَانِ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ اَیْ لَا یَاْتِیَا بِمَا حَدَّهٗ لَهُمَا مِنَ الْحُقُوْقِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ یُخَافَا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ فَاَنْ لَا یُقِیْمَا بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الضَّمِیْرِ فِیْهِ وَقُرِئَ بِالْفَوْقَانِیَّةِ فِی الْفِعْلَیْنِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ نَفْسَهَا مِنَ الْمَالِ لِیُطَلِّقَهَا اَیْ لَا حَرَجَ عَلَى الزَّوْجِ فِیْ اَخْذِهٖ وَلَا الزَّوْجَةِ

فِیْ بَذْلِهٖ تِلْكَ الْاَحْكَامُ الْمَذْكُوْرَةُ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ بَعْدَ الثِّنْتَيْنِ فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ بَعْدَ الطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ حَتّٰى تَنْكِحَ

تَتَزَوَّجَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ وَيَطَأُهَا كَمَا فِی الْحَدِيْثِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ فَاِنْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ الثَّانِیْ فَلَا جُنَاحَ

عَلَيْهِمَآ اَیِ الزَّوْجَةِ وَالزَّوْجِ الْاَوَّلِ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِلَى النِّكَاحِ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا

حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْمَذْكُوْرَاتُ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ

النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ قَارَبْنَ انْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ اُتْرُكُوْهُنَّ حَتّٰى تَنْقَضِیَ عِدَّتُهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ بِالرَّجْعَةِ ضِرَارًا مَفْعُوْلٌ لَهٗ

لِّتَعْتَدُوْا ۚ عَلَيْهِنَّ بِالْاِلْجَاءِ اِلَى الْاِفْتِدَاءِ اَوِ التَّطْلِيْقِ وَتَطْوِيْلِ الْحَبْسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

نَفْسَهٗ ؕ بِتَعْرِيْضِهَا اِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ مَهْزُوًّا بِهَا بِمُخَالَفَتِهَا وَاذْكُرُوْا

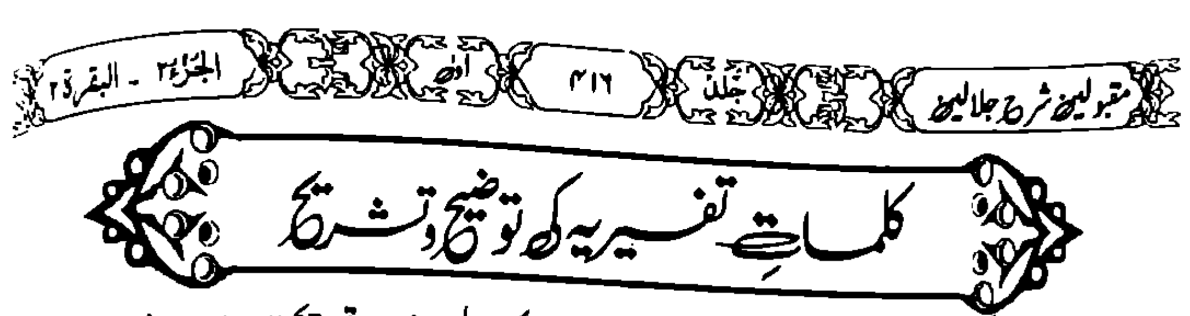
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ بِالْاِسْلَامِ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ وَالْحِكْمَةِ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ

يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ بِاَنْ تَشْكُرُوْهَا بِالْعَمَلِ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ ع ۲۹ ۱۳

شَیْءٌ.

ترجمہ: طلاق (یعنی وہ طلاق جس کے بعد رجوع کرنا درست ہے) دو مرتبہ ہے (یعنی دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد دو اختیار ہیں فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ پھر روک لینا ہے قاعدہ کے موافق (یعنی اس دو طلاق کے بعد تم پر لازم ہے کہ ان سے رجعت کر کے رکھ لینا، قاعدہ کے موافق کہ حقوق زوجیت ادا کرنے کا ارادہ ہو مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ یعنی ستانے اور تنگ کرنے کا خیال نہ ہو اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ یا چھوڑ دینا حسن سلوک کے ساتھ (یعنی خوش عنوانی سے ان کو رخصت وروانہ کر دینا) اس تسریح باحسان کی بھی دو صورتیں ہیں: (۱) کہ عدت کے اندر رجوع نہ کرے کہ عورت عدت گزار کر علیحدہ ہو جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ تیسری طلاق دے کر علیحدہ کر دے) وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ ۔۔۔ اور تمہارے لیے یہ بات جائز نہیں (اے شوہرو!) کہ تم لے لو ان مہروں میں سے کچھ بھی جو تم نے ان کو دیا ہے جبکہ تم نے ان کو طلاق دے دی ہے (یعنی جب تم نے ان کو طلاق دے دی ہے تو دیئے ہوئے مہر کو واپس لینا جائز نہیں) مگر یہ کہ دونوں (میاں بیوی) خوف کریں کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے (یعنی ان حقوق کو قائم نہیں کر سکیں گے جو ان دونوں کے لیے مقرر ہوئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کو خوف ہو کہ ہم سے حقوقِ زوجیت ادا نہ ہو سکیں گے اس صورت میں لینا اور دینا یعنی خلع کرنا جائز ہے، جیسا کہ آ رہا ہے۔ ایک

قراءت میں یخافا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ یعنی بصیغہ مجہول ہے اس صورت میں اَلَّا یُقِیْمَا، یَخَافَا کی ضمیر تثنیہ الف سے بدل الاشتمال ہوگا اور ایک قراءت یعنی شاذہ میں قرئ بصیغہ مجہول سے اشارہ ہے دونوں فعل فوقانیہ یعنی تاء کے ساتھ تخافا اور تقیما پڑھے گئے ہیں، فعل اول مفتوح اور فعل ثانی مضموم ہے) فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا۔۔۔ سو اگر تم لوگوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی پر قائم نہ رہ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، اس مال کے بارے میں جس کو عورت فدیہ دے دے (اپنی جان کا) یعنی عورت کچھ مال بدل خلع شوہر کو دے تاکہ شوہر اس کو طلاق دے دے یعنی شوہر پر اس مال بدل طلاق کو لینے میں اور بیوی پر اس کے خرچ کرنے یعنی مال دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) یہ (احکام مذکورہ) خدائی ضابطے ہیں، سو تم ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ خدائی ضابطوں سے تجاوز کرتے ہیں وہی لوگ ظالم ہیں پھر اگر طلاق دے دے (یعنی شوہر نے دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دے دی) تو پھر وہ عورت حلال نہ ہوگی اس شوہر کے لیے بعد (تیسری طلاق کے) یہاں تک کہ نکاح (شادی) کرلے اس شوہر کے علاوہ دوسرے سے (اور وہ دوسرا شوہر اس سے وطی بھی کرے جیسا کہ حدیث میں ہے جس کو شیخین یعنی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے) پھر اگر طلاق دے دے اس کو (دوسرا شوہر بھی) تو اب کوئی حرج نہیں ان دونوں پر (شوہر اول اور عورت پر) کہ باہم رجوع کرلیں (یعنی دوبارہ آپس میں نکاح کرکے باہم مل جائیں، عدت پوری کرنے کے بعد) بشرطیکہ دونوں کو غالب گمان ہو کہ آئندہ خدائی ضوابط کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ مذکورہ ضوابط اللہ کی حدود ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں (یعنی غور و فکر کرتے ہیں)۔ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور عورتیں اپنی عدت پوری کرچکیں یعنی ان کی عدت پوری ہوگئی تو تم ان کو مت روکو یہ خطاب عورتوں کے اولیاء سے ہے یعنی ان عورتوں کو اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں، جنہوں نے ان کو طلاق دے دی تھی مطلقہ رجعیہ اپنی عدت پورا کرنے کے قریب پہنچ جائیں ابھی عدت ختم نہ ہوئی ہو تو تم پر دو باتوں میں سے ایک لازم ہے کہ) تم ان کو روک لو (بایں طور کہ رجعت کرلو) دستور کے مطابق (بدون قصد ضرر کے) یا ان کو چھوڑ دو دستور کے مطابق (یعنی ان مطلقہ کو چھوڑ دو کہ ان کی عدت گزر جائے) اور مت روکے رکھو (رجعت کرکے) ستانے کے لیے (ضرار مفعول لہ ہے) کہ ظلم کرو (ان عورتوں پر فدیہ دینے یعنی خلع پر مجبور کرکے یا طلاق اور زیادہ دنوں تک روک کر مجبور کرکے) اور جو شخص ایسا کرے گا تو بے شک اپنا ہی نقصان کرے گا (اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب پر پیش کرکے) مطلب یہ ہے کہ ستانے اور ظلم و زیادتی کے قصد سے اگر رجعت کرے گا تو آخرت میں عذاب بھگتنا پڑے گا) اور اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ بناؤ (هُزُوًا مصدر بمعنی مَهْزُوًّا اسم مفعول یعنی اللہ کے آیات و احکام کی مخالفت کرکے) اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہیں (اسلام کے ذریعہ اور اس کو جو تم پر کتاب (قرآن) اور حکمت (قرآنی احکام) نازل کی ہے کہ ان کے ذریعہ تم کو نصیحت کرتے ہیں (کہ تم عمل کے ذریعہ اس کا شکریہ ادا کرو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں (یعنی کوئی چیز ان سے مخفی نہیں ہے)۔



قوله: اَلتَّطْلِیْقُ الَّذِیْ: یہاں طلاق تطلیق کے معنی میں ہے اور امساک بالمعروف اور تسریح بالاحسان یہ دونوں آدمی کے فعل ہیں اور الطلاق سے وہ طلاق مراد ہے جو آیت: بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ سے سمجھ میں آتی ہے۔

قوله: اِثْنَتَانِ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا حقیقی معنی دو ہی مراد ہیں، مجازی معنی تکرار مراد نہیں۔

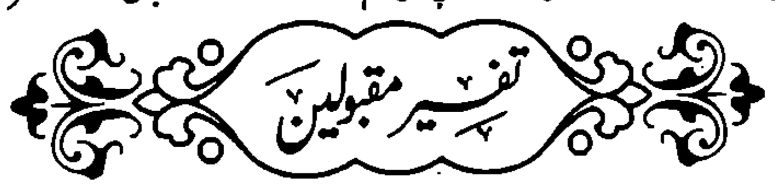
قوله: مِنَ الْحُقُوْقِ: اس سے اشارہ کیا کہ خلع کو مباح کرنے والی عدم اقامۃ الحدود ہے نہ خوف مرض وضعف۔

قوله: تَتَزَوَّجَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں نکاح کے عقد مراد ہیں نہ کہ وطی۔

قوله: قَارَبْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں بلوغ وصول کے معنی میں نہیں کیونکہ پھر رجعت کا حق ہی نہیں رہتا ہے بلکہ قرب مراد ہے۔

قوله: ضِرَارًا: مفعول لہ۔ یہ کہہ کر اس کو حال قرار دینے والوں کی تردید کی۔

قوله: بِاَنْ تَشْکُرُوْهَا: ذکر نعمت کا مقصود ان کے مقتضا پر عمل ہے اور شکر ادا کرنا فقط زبان کا تذکرہ مراد نہیں۔



اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ.....

طلاق اور خلع کے چند احکام:

ان دونوں آیتوں میں طلاق کے متعدد مسائل اور متعدد تنبیہات مذکور ہیں جو زن وشوہر سے متعلق ہیں، طلاق رجعی، طلاق بائن، طلاق مغلظہ اور خلع کے مسائل اجمالی طور پر بیان فرمائے ہیں۔

اگر کوئی شخص طلاق دینے کی ضرورت محسوس کرے تو احسن طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے طہر میں (یعنی پاکی کے زمانے میں) ایک طلاق دے دے جس میں جماع نہ کیا ہو پھر عورت کو اپنی حالت پر چھوڑ دے۔ قانون شرعی کے مطابق یہ طلاق رجعی ہوگی (بشرطیکہ عورت سے نکاح کے بعد جماع بھی کر چکا ہو، اگر صرف نکاح ہوا تھا تو یہ طلاق بائن ہوگی) جب پاکی کے زمانہ میں طلاق رجعی دے دی اور عورت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ عدت گزر گئی (جس کی تفصیل پہلے رکوع میں گزر چکی ہے) تو یہی رجعی طلاق بائن طلاق ہو جائیگی۔ عدت سے پہلے پہلے رجوع کرنے کا حق تھا۔ جب طلاق بائن بن گئی تو اب رجوع کا حق ختم ہو گیا۔ اگر عدت کے اندر ایک طلاق اور دیدی تو یہ بھی طلاق رجعی ہوگی اور اس کے بعد بھی عدت ختم ہونے تک رجوع کا اختیار رہے گا۔ عدت ختم ہو جانے پر دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی اور رجوع کا حق ختم ہو جائیگا۔

طلاق بائن کے بعد آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ شوہر نے عدت کے اندر تیسری طلاق بھی دیدی تو

اب یہ طلاق مغلظ ہوگئی جس کا حکم یہ ہے کہ اب آپس کی رضا مندی سے بھی دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ اب دوبارہ آپس میں نکاح ہونے کی یہی صورت ہے کہ کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح ہو پھر وہ مرد اس سے جماع کرے پھر طلاق دے یا وفات پا جائے اور پھر اس کی عدت گزر جائے اگر دوسرا شوہر جماع کیے بغیر طلاق دیدے۔ تو پھر پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی جس کی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ اور یہ طے کر کے کسی سے نکاح کر دینا کہ تو جماع کر کے طلاق دے دینا مکروہ تحریمی ہے اس پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔ عن علی ﷺ قال لعن رسول الله (ﷺ) المحلل والمحلل له۔ (رواہ ابن ماجہ ورواہ الحاکم فی المستدرک ص ۱۹۹ ج ۲ وصححہ واقرہ الذہبی)

اللہ جل شانہ نے بندوں کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت رکھی ہے اول تو حلال چیزوں میں طلاق کو مبغوض ترین چیز قرار دیا (کما قال النبی (ﷺ) ابغض الحلال الی اللہ عز وجل الطلاق رواہ ابو داؤد ص ۲۹۶ ج ۲) پھر حالت حیض میں طلاق دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ بے رغبتی کا زمانہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو حضور اکرم (ﷺ) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو حکم دو کہ رجوع کرلیں پھر حالت طہر یا حمل میں طلاق دیں۔

(رواہ مسلم ص ۴۷۶ ج ۱)

صحیح بخاری ص ۸۰۳ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے ان کو حکم دیا کہ زمانہ حیض میں جو طلاق دی ہے اس سے رجوع کرلیں اس کے بعد یہ حیض گزر جائے پھر ایک طہر گزر جائے پھر ایک حیض اور گزر جائے اس کے بعد جو طہر یعنی پاکی کا زمانہ آئے چاہے تو اس میں طلاق دے دے اور یہ طلاق جماع کرنے سے پہلے ہو۔ اگر طلاق دے تو اچھی طرح غور کرلے اگر طلاق کی ضرورت محسوس کرے تو پاکی کے زمانہ میں طلاق دے دے اور ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ (اگر نکاح کے بعد جماع کیا تو یہ طلاق رجعی ہوگی) عدت گزر جانے سے پہلے ایک طلاق اور دیدی تو وہ بھی رجعی ہوگی۔ اگر عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی۔ لیکن باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر غور کرلیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں مرد و عورت کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اگر شوہر تین طلاقیں دیدے خواہ متفرق اوقات میں دے یا بیک وقت تینوں طلاقیں دے تو اس سے طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے جس کا حکم اوپر بیان ہوا۔ جب شریعت کی دی ہوئی رعایتوں کی پاسداری نہ کی تو اب یہ سزا دی گئی کہ اب دوسرے شوہر سے نکاح اور جماع کیے بغیر پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔

مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے لیکن عورت کو بھی مرد کے نکاح سے نکلنے کے حق سے محروم نہیں کیا گیا ہے! اگر کوئی صورت نباہ کی نہ رہے تو وہ مرد سے خلع کر سکتی ہے خلع کا معنی یہ ہے کہ وہ مرد سے یوں کہے کہ میں اپنے مہر کے عوض یا اپنے مال کے عوض آپ سے خلع کرتی ہوں مرد اسے منظور کرلے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال دینا طے ہوا ہے وہ عورت پر ادا کرنا واجب ہوگا۔

خلع کا یہ مطلب نہیں کہ عورت مرد کو خود سے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے یا حاکم کے یہاں دعویٰ کر کے بغیر کسی شرعی سبب کے

جدائی کا فیصلہ کرالے، حاکم سے نکاح فسخ کرانے کے کچھ اصول اور قوانین ہیں بعض صورتوں میں قاضی کو شرائط فسخ ملحوظ رکھے ہوئے نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوتا ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن صورتوں میں حاکم کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے ان میں یہ بھی ضروری ہے کہ حاکم مسلمان ہو غیر مسلم حاکموں کے فسخ کرنے سے مسلمان عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوگا خواہ کیسی ہی مجبوری ہو۔

میاں بیوی دونوں جہاں تک ممکن ہو آپس میں نباہ کی کوشش کریں لیکن اگر دونوں کو اس بات کا ڈر ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ عورت مال دے کر اپنی جان چھڑا لے، اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی اور نافرمانی ہو تب بھی مرد اتنا ہی لے جتنا مہر اسے دے چکا ہے اس سے زیادہ نہ لے۔ اور اگر زیادہ لے لیا تو قضاء جائز تو ہوگا لیکن مکروہ ہوگا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی عادت اور خصلت اور دینداری کے بارے میں کوئی ناراضگی نہیں ہے لیکن میں مسلمان ہوتے ہوئے ناشکری کو پسند نہیں کرتی (میرا ان سے دل نہیں ملتا لہٰذا علیحدگی کی کوئی صورت ہو جائے) آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان کا باغیچہ واپس کر دوگی (جو مہر میں دیا تھا) عرض کیا ہاں میں واپس کر دوں گی، آپ نے حضرت ثابت بن قیس سے فرمایا کہ اپنا باغیچہ قبول کرلو اور اس کو طلاق دے دو۔ (رواہ البخاری ص ۷۹۴ ج ۲)

اس حدیث سے خلع کا جواز معلوم ہوا، اور آیت شریفہ (فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ) کے سیاق سے معلوم ہوا کہ نباہ کی صورت نہ رہے اور حدود اللہ قائم نہ کر سکیں تو خلع کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ خواہ مخواہ بلا وجہ خلع کرنا اور چھوٹ چھٹاؤ کے درپے ہونا محمود نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹ چھٹاؤ کا مطالبہ کرنے والی اور خلع چاہنے والی عورتیں نفاق والی عورتیں ہیں۔

(رواہ النسائی ص ۱۰۷ ج ۲ والترمذی ص ۱۹۱ ج ۱)

مسئلہ: لفظ خلع سے خلع ہو جاتی ہے یعنی شوہر کے قبول کرنے پر عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور چونکہ طلاق مغلظہ نہیں ہے اس لیے دوبارہ شوہر اول سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ خلع کے علاوہ ایک ''طلاق بالمال'' بھی ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ مرد یوں کہے کہ میں تجھے اتنے مال کے عوض طلاق دیتا ہوں۔ اگر عورت قبول کرلے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور عورت کو مقررہ مال دینا لازم ہوگا۔

فائدہ: مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اول دو رجعی طلاقوں کا ذکر ہے اس کے بعد خلع کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر ہے۔ (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ) میں چوتھی طلاق مذکور نہیں ہے بلکہ دو طلاق کے بعد بطور جملہ معترضہ کے خلع کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد تیسری طلاق کو ذکر فرمایا ہے۔ (انوار البیان)

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا .....

اللہ کی آیات کا مذاق بنانے کی ممانعت:

دوسری تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیَاتِ اللّٰہِ ھُزُوًا) کہ اللہ کی آیات کو اور اس کے احکام کو کھیل اور مذاق مخول ٹھٹھا نہ بناؤ۔ ایسا نہ کرو کہ جی چاہا عمل کیا چاہا نہ کیا اور احکام کی رعایت کا دھیان نہ رکھا۔ بلکہ آیات قرآنیہ میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کی پابندی کرو اور عزم وہمت وارادہ کے ساتھ عمل پیرا ہو۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ آنحضرت سرور عالم (ﷺ) غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے گا حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ آپ کا غصہ دیکھ کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کردوں۔ (مشکوۃ المصابیح ص۲۸۴ ج۱) اکٹھی تین طلاقیں دینا شرعاً مذموم ہے۔ ایک سے زیادہ طلاق دے تو الگ الگ کر کے دے، اور ہر طہر میں (پاکی کے زمانے میں) ایک ایک طلاق دے۔ کیونکہ اس شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ اس لیے آنحضرت (ﷺ) کو سخت ناگواری ہوئی۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تیری بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور ستانوے طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیات کا مذاق بنایا۔ (مشکوۃ المصابیح ص۲۸۲)

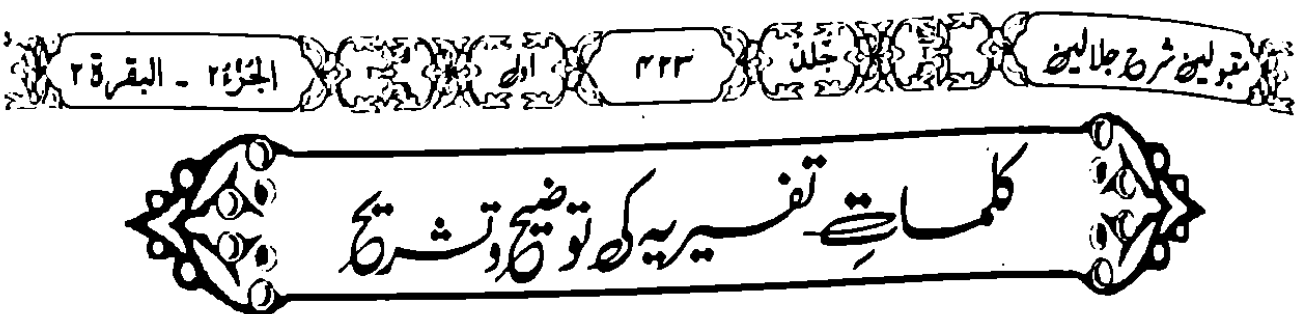
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ اِنْقَضَتْ عِدَّتُھُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ خِطَابٌ لِلْاَوْلِیَاءِ اَیْ لَا تَمْنَعُوْھُنَّ مِنْ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ الْمُطَلِّقِیْنَ لَھُنَّ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِھَا اَنَّ اُخْتَ مَعْقِلٍ رضی اللہ عنہ بْنِ یَسَارٍ طَلَّقَھَا زَوْجُھَا فَاَرَادَ اَنْ یُّرَاجِعَھَا فَمَنَعَھَا مَعْقِلٌ رضی اللہ عنہ کَمَا رَوَاہُ الْحَاکِمُ اِذَا تَرَاضَوْا اَیِ الْاَزْوَاجُ وَالنِّسَاءُ بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط شَرْعًا ذٰلِکَ النَّھْیُ عَنِ الْعَضْلِ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط لِاَنَّهُ الْمُنْتَفِعُ بِهٖ ذٰلِکُمْ اَیْ تَرْکُ الْعَضْلِ اَزْکٰی لَکُمْ وَاَطْھَرُ ط لَکُمْ وَلَھُمْ لِمَا یُخْشٰی عَلَی الزَّوْجَیْنِ مِنَ الرِّیْبَةِ بِسَبَبِ الْعِلَاقَةِ بَیْنَھُمَا وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْهِ مِنَ الْمَصْلَحَةِ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ ذٰلِکَ فَاتَّبِعُوْا اَمْرَهُ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَیْ لِیُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ عَامَیْنِ کَامِلَیْنِ صِفَةٌ مُؤَکِّدَةٌ ذٰلِکَ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط وَلَا زِیَادَةَ عَلَیْهِ وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ اَیِ الْاَبِ رِزْقُھُنَّ اِطْعَامُ الْوَالِدَاتِ وَکِسْوَتُھُنَّ عَلَی الْاِرْضَاعِ اِذَا کُنَّ مُطَلَّقَاتٍ بِالْمَعْرُوْفِ ط بِقَدْرِ طَاقَتِهٖ لَا تُکَلَّفُ

نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ طَاقَتَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا بِسَبَبِهٖ بِاَنْ تُكْرَهَ عَلٰى اِرْضَاعِهٖ اِذَا امْتَنَعَتْ وَلَا يُضَارَّ مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ اَىْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ يُكَلَّفَ فَوْقَ طَاقَتِهٖ وَاِضَافَةُ الْوَلَدِ اِلٰى كُلٍّ مِنْهُمَا فِى الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِسْتِعْطَافِ وَعَلَى الْوَارِثِ اَىْ وَارِثِ الْاَبِ وَهُوَ الصَّبِىُّ اَىْ عَلٰى وَلِيِّهٖ فِىْ مَالِهٖ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ الَّذِىْ عَلَى الْاَبِ لِلْوَالِدَةِ مِنَ الرِّزْقِ وَالْكِسْوَةِ فَاِنْ اَرَادَا اَىِ الْوَالِدَانِ فِصَالًا فِطَامًا لَهٗ قَبْلَ الْحَوْلَيْنِ صَادِرًا عَنْ تَرَاضٍ اِتِّفَاقٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ بَيْنَهُمَا لِيَظْهَرَ مَصْلَحَةُ الصَّبِىِّ فِيْهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ فِىْ ذٰلِكَ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ خِطَابٌ لِلْاٰبَاءِ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مَرَاضِعَ غَيْرِ الْوَالِدَاتِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْهِ اِذَا سَلَّمْتُمْ اِلَيْهِنَّ مَّآ اٰتَيْتُمْ اَىْ اَرَدْتُّمْ اِيْتَاءَهٗ لَهُنَّ مِنَ الْاُجْرَةِ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ بِالْجَمِيْلِ كَطِيْبِ النَّفْسِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ يَمُوْتُوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ يَتْرُكُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ اَىْ لِيَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ بَعْدَهُمْ عَنِ النِّكَاحِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ مِنَ اللَّيَالِىْ وَهٰذَا فِىْ غَيْرِ الْحَوَامِلِ اَمَّا الْحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ بِاٰيَةِ الطَّلَاقِ وَالْاَمَةُ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ اِنْقَضَتْ مُدَّةُ تَرَبُّصِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ فِيْمَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنَ التَّزَيُّنِ وَالتَّعَرُّضِ لِلْخُطَّابِ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ شَرْعًا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ عَالِمٌ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ لَوَّحْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ فِى الْعِدَّةِ كَقَوْلِ الْاِنْسَانِ مَثَلًا اِنَّكِ لَجَمِيْلَةٌ وَمَنْ يَجِدْ مِثْلَكِ وَرُبَّ رَاغِبٍ فِيْكِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ اَضْمَرْتُمْ فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ مِنْ قَصْدِ نِكَاحِهِنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ بِالْخِطْبَةِ وَلَا تَصْبِرُوْنَ عَنْهُنَّ فَاَبَاحَ لَكُمُ التَّعْرِيْضَ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اَىْ نِكَاحًا اِلَّآ لٰكِنْ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ اَىْ مَا عُرِفَ شَرْعًا مِنَ التَّعْرِيْضِ فَلَكُمْ ذٰلِكَ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ اَىْ عَلٰى عَقْدِهٖ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَىِ الْمَكْتُوْبُ مِنَ الْعِدَّةِ اَجَلَهٗ ؕ بِاَنْ يَّنْتَهِىَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ مِنَ الْعَزْمِ وَغَيْرِهٖ فَاحْذَرُوْهُ ۚ اَنْ يُعَاقِبَكُمْ اِذَا عَزَمْتُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

غَفُورٌ لِمَنْ يَحْذَرُهُ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾ بِتَأْخِيرِ الْعُقُوبَةِ عَنْ مُسْتَحِقِّهَا

ترجمہ: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور عورتیں اپنی میعادِ عدت پوری کر چکیں (یعنی ان کی عدت پوری ہوگئی) تو تم ان کو مت روکو (یہ خطاب عورتوں کے اولیاء سے ہے یعنی ان عورتوں کو اس بات سے مت روکو) کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں (جنہوں نے ان کو طلاق دے دی تھی، اس لیے کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی پھر شوہر (عاصم بن عدی) نے رجعت کا ارادہ کیا تو معقل بن یسار نے بہن کو روک دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ آیت کے بعد معقل نے اسی شوہر عاصم بن عدی سے بہن کا نکاح کر دیا اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔ إِذَا تَرَاضَوْا جبکہ سب رضامند ہو جائیں (ازواج و مطلقہ بیویاں) آپس میں (شرعی) دستور کے مطابق، یہ نصیحت (ممانعت سے رکاوٹ کی) اس شخص کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے (نصیحت تو سب ہی کے لیے ہے مگر اصل نفع حاصل کرنے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں) یہ بات (یعنی ترکِ ممانعت) تمہارے لیے زیادہ صفائی (بہتر) اور زیادہ پاکیزہ ہے (تمہارے لیے اور ان کے لیے) اس شبہ کی وجہ سے جوان دونوں کے درمیان خطرہ ہے سابقہ علاقہ کی وجہ سے اور اللہ جانتے ہیں (جو مصلحت اس حکم میں ہے) اور تم نہیں جانتے ہو، سو اللہ کے حکم کی اتباع کرو اور مائیں دودھ پلائیں گی اپنی اولاد کو (یعنی دودھ پلانا چاہیے، مفسر نے اَیْ لِیُرْضِعْنَ سے اشارہ کیا ہے کہ یُرْضِعْنَ باب افعال سے مضارع کا صیغہ ہے مگر معنی میں امر کے ہے یعنی خبر بمعنی انشاء ہے) پورے دو برس (حَوْلَيْنِ بمعنی عَامَيْنِ ہے اور كَامِلَيْنِ صفت مؤکدہ ہے حَوْلَيْنِ کی) یہ مدت (یعنی پورے دو برس دودھ پلانا) اس شخص کے لیے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے (اور اس سے زیادہ کی اجازت نہیں، معلوم ہوا کہ دو سال سے کم میں چھڑا دینا درست ہے) اور اس شخص کے ذمہ ہے جس کا بچہ ہے (یعنی باپ پر) ان کا کھانا (یعنی ماؤں کا کھانا) اور ان کا کپڑا دستور کے مطابق (یعنی باپ کی طاقت کے مطابق دودھ پلانے کی وجہ سے جبکہ وہ مائیں مطلقہ ہو چکی ہوں، کیونکہ اگر بچہ کی ماں نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو شوہر پر نان ونفقہ واجب ہے لیکن جب ایسی صورت ہو چکی ہو کہ نان نفقہ شوہر کے ذمہ سے ختم ہو چکا تو جب تک بچہ دودھ پیتا رہے گا شوہر یعنی بچہ کے باپ کو کھانا کپڑا ادا کرنا ہوگا۔ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ ... کسی شخص کو تکلیف نہیں دی جاتی ہے مگر اس کی گنجائش (طاقت) کے مطابق، کسی ماں کو تکلیف نہ دی جائے اس کے بچہ کی وجہ سے (بِوَلَدِهَا میں باء سببیہ ہے یعنی بچہ کی ماں اگر کسی وجہ سے دودھ نہیں پلانا چاہتی ہے تو دودھ پلانے پر مجبور کرنا درست نہیں ہے، البتہ مجبوری کی صورت میں ماں کو مجبور کیا جائے گا مثلاً بچہ کسی دوسری عورت یا جانور کا دودھ لیتا ہی نہیں ہے تو مجبور کرنا درست ہے۔ وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ اور نہ تکلیف دی جائے باپ کو بچہ کی وجہ سے (بایں طور کہ باپ کی طاقت سے زیادہ یعنی مطلقہ کی صورت میں دودھ کی اجرت زیادہ طلب کر کے اور نکاح کے اندر رہنے کی صورت میں نان نفقہ کا بوجھ طاقت سے زیادہ دے کر اور ہر دو جگہ میں ماں باپ کی طرف بچہ کی نسبت مہربانی طلب کرنے کے لیے ہے۔ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ اور وارث پر ہے اگر باپ زندہ نہ ہو تو باپ کے وارث کے ذمہ ہے اور وہ وارث بچہ ہے تو بچہ کی پرورش کا انتظام بچہ کے ولی پر ہے، بچہ کے مال میں سے) اسی کے مثل (وہ خرچ ماں کے کھانے کپڑے کا جو باپ

پر تھا وہ باپ کے بعد شرعی وارث کے ذمہ ہوگا) فَاِنْ اَرَادَا... پھر اگر وہ دونوں (ماں، باپ) دودھ چھڑانا چاہیں (فِصَالًا بمعنی فِطَامًا دودھ چھڑانے کے معنی میں ہے) اس بچہ کا دو برس سے پہلے آپس کی رضامندی (دونوں کے باہمی اتفاق سے) اور مشورہ سے (کہ اس میں بچہ کی مصلحت ظاہر ہو) تو ان دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں (اس میں) اور اگر تم لوگ (والد کو خطاب ہے) اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو (کسی دودھ والی دایہ سے ماؤں کے سوا) تو تم کو کچھ گناہ نہیں ہے (اس میں) جبکہ تم ان کے حوالہ کر دو جو کچھ تم نے دینا مقرر کیا ہے (یعنی جو کچھ تم نے ان دودھ والیوں کے لیے اجرت دینے کا ارادہ کیا ہے) دستور کے مطابق (خوشدلی سے خوبی کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں (کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں رہتی ہے) اور جو لوگ وفات پا جائیں (مر جائیں) تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو روکے رکھیں (یعنی انتظار کرنا چاہیے) اپنے آپ کو (شوہر کے بعد نکاح کرنے سے) چار مہینے اور دس راتیں (اور یہ عدت غیر حاملہ کے بارے میں ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونے تک ہے۔ سورۂ طلاق کی آیت ۴: اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ یعنی حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وضع حمل کریں اور باندی کی عدت اس کا نصف ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ... پھر جب اپنی عدت پوری کر چکیں (یعنی ان کے انتظار کی مدت ختم ہو جائے) تم تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ میں خطاب عورت کے اولیاء کو ہے) اس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات میں کچھ کریں (یعنی زیب و زینت کرنا اور نکاح کے پیغام دینے والوں کے درپے ہونا) دستور کے مطابق (شرعی قاعدہ کے موافق) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے (یعنی ظاہر کی طرح باطن کو بھی جانتے ہیں) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اور تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اس میں کہ تم اشارتاً کچھ کہہ دو عورتوں کو پیغام نکاح کے بارے میں (جن کے شوہر وفات پا چکے ہیں اور وہ عدت میں ہو مثلاً کسی آدمی کا یہ کہنا کہ تم بہت خوبصورت ہو، تجھ جیسی خوبصورت کون پائے گا؟ تیرے بارے میں خواہشمند بہت ہیں) اَوْ اَكْنَنْتُمْ... یا پوشیدہ رکھو (چھپائے رکھو) اپنے دل میں (ان سے نکاح کے ارادہ کو، مطلب یہ ہے کہ تم اشارتاً بھی ذکر نہ کرو اور دل ہی میں پوشیدہ رکھو جب بھی گناہ نہیں) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم عنقریب ان کا ذکر کرو گے (پیغام کے ذریعہ اور تم ان سے صبر نہیں کر سکو گے، سو تمہارے لیے تعریض کو جائز قرار دیا) اور لیکن ان سے وعدہ نہ کرو پوشیدہ طور پر (یعنی نکاح کا، مطلب یہ ہے کہ صاف لفظوں میں عدت کے اندر پوشیدہ طور پر نکاح کا وعدہ نہ کرو۔ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ مگر یہ کہ کہہ دو قول معروف (یعنی اس تعریض و اشارہ سے جو شرعی اجازت دی گئی ہے اس کی اجازت تمہارے لیے بھی ہے) اور نہ ارادہ کرو عقد نکاح کا) (عُقْدَةَ النِّكَاحِ کے معنی عقد نکاح کے ہیں، مفسر نے اسی کی طرف لَا عُقْدَةَ سے اشارہ کیا ہے حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ... یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی میعاد کو (مفسر نے کتاب کی تفسیر اَيِ الْمَكْتُوْبُ سے اشارہ کیا ہے کہ کتاب کے معنی فرض کے ہیں تو مکتوب کے معنی ہوئے فرض کیا ہوا حکم یعنی عدت جب تک ختم نہ ہو جائے اس وقت تک نکاح کا عقد و عزم نہ کرو) اور جان لو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے (عزم وغیرہ) سو اس سے ڈرتے رہو کہ تم کو سزا نہ دے دوں تمہارے عزم پر) اور جان لو کہ اللہ بخشنے والے ہیں (جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے) تحمل کرنے والے ہیں (مستحقین سزا سے سزا میں تاخیر کر کے)۔



قوله:اِنْقَضَتْ:اس سے اشارہ کیا کہ یہاں بلوغ اتمام مدت کا معنی ہے۔

قوله:لَكُمْ وَلَهُمْ:اس سے اشارہ ہے کہ اطہر کا متعلق مقدر اور سابقہ قرینہ سے معین ہے۔پس یہ ماسبق کے ساتھ ربط کے لیے بیان بنے گا۔

قوله:لِمَنْ اَرَادَ:اس سے اشارہ کیا کہ لِمَنْ اَرَادَ یہ مبتداء اور محذوف کی خبر ہے۔پھر یہ قول باپ اور ماں دونوں کے لیے بیان بن جائے گا۔

قوله:اَلْاَبِ:اس میں اشارہ ہے کہ المولود کالام الذی کے معنی میں ہے پس اس کا مطلب مولود لہ ہے۔

قوله:قَبْلَ الْحَوْلَيْنِ:اس سے اشارہ کیا کہ یہاں اس کا حکم بیان فرمایا جو تمام رضاعت کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔اسی وجہ سے فالائی گئی ہے۔

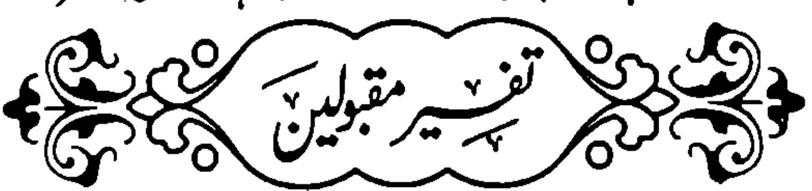
قوله:مَرَاضِعَ:سے اشارہ کیا کہ ارضاع ایک مفعول کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور استفعال کی طرف انتقال سے یہ دو مفعول کی طرف متعدی ہوا۔یہاں ایک پر اکتفا کیا،دوسرے سے استغناء کی وجہ سے۔

قوله:مِنَ اللَّيَالِيْ:اس سے اشارہ کیا کہ عشر میں تانیث اس لیے ہے کہ اس سے مراد لیالی ہیں کیونکہ چاند کے اور ایام کے اعتبار سے یہ مہینے کے ابتدائی ایام ہیں۔

قوله:اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ:یہاں خطاب اولیاء کو ہے کیونکہ خاوند کی ولایت اختتام عدت سے پہلے ختم ہو چکی۔

قوله:لٰكِنْ:اس سے اشارہ کر دیا کہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

قوله:اَلْمَكْتُوْبُ:اس سے اشارہ ہے کہ کتاب یہاں مفعول کے معنی میں ہے کیونکہ اس سے مراد عدت ہے۔



وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ۔۔۔

مطلقہ عورتیں سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں:

اس آیت میں عورتوں کے اولیاء اور اقرباء کو ایک خاص نصیحت کی گئی اور وہ یہ کہ جب طلاق کے بعد عورت کی عدت گزر جائے اور وہ اپنے اسی شوہر کے نکاح میں پھر جانا چاہے جس نے طلاق دی تھی تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالو،طلاق رجعی کے بعد جب عدت گزر جائے تو یہ طلاق بائن ہو جاتی ہے اور طلاق بائن ہو جانے پر میاں بیوی کی رضامندی سے آپس میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔جب دونوں یہ محسوس کریں کہ ہمیں پھر سے زن وشوہر کی طرح رہنا چاہئے اور پھر سے نکاح کر لینے میں مصلحت محسوس کریں

تو عورت کے اولیاء واقرباء رکاوٹ نہ ڈالیں ان کا نکاح آپس میں ہونے دیں۔ البتہ ان دونوں میں آپس میں خیر وخوبی سے اور عمدہ طریقہ پر نباہ کرنے کے جذبات ہونے چاہئیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وقتی جوش میں مرد طلاق دے بیٹھتا ہے اور عورت بھی کبھی غصہ میں طلاق طلب کرلیتی ہے جس سے شوہر کے منہ سے طلاق کے کلمات نکل جاتے ہیں۔ پھر آپس میں پشیمان ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر مل بیٹھیں، یعنی دوبارہ نکاح کرلیں۔ جب ایسی صورت حال بن جاتی ہے تو عورت کا باپ یا بھائی یا خاندان کے دوسرے لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اس کو اپنی ہتک عزت سمجھتے ہیں۔ اور بعض مرتبہ رشوت لینے کے پھیر میں ہوتے ہیں اس کے شوہر کو دباتے ہیں تا کہ کچھ مال دینے پر مجبور ہوجائے، ان سب باتوں سے آیت بالا میں منع فرمایا ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔۔۔

بچوں کو دودھ پلانے کے احکام:

اس آیت میں رضاعت یعنی بچوں کو دودھ پلانے کے متعلق احکام ہیں اس سے پہلی اور بعد کی آیات میں طلاق کے احکام مذکور ہیں درمیان میں دودھ پلانے کے احکام اس مناسبت سے ذکر کئے گئے ہیں کہ عموماً طلاق کے بعد بچوں کی پرورش اور دودھ پلانے یا پلوانے کے معاملات زیر نزاع آجاتے ہیں اور ان میں جھگڑے فساد ہوتے ہیں اس لئے اس آیت میں ایسے معتدل احکام بیان فرمادیئے گئے جو عورت ومرد دونوں کے لئے سہل اور مناسب ہیں خواہ دودھ پلانے یا چھڑانے کے معاملات قیام نکاح کی حالت میں پیش آئیں یا طلاق دینے کے بعد بہر دوصورت اس کا ایک ایسا نظام بتادیا گیا جس سے جھگڑے فساد یا کسی فریق پر ظلم وتعدی کا راستہ نہ رہے۔

مثلاً آیت کے پہلے جملے میں ارشاد فرمایا: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۔ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلایا کریں دوسال کامل جبکہ کوئی عذر قوی اس سے پہلے دودھ چھڑانے کے لئے مجبور نہ کرے اس آیت سے رضاعت کے چند مسائل معلوم ہوئے:

دودھ پلانا ماں کے ذمہ واجب ہے:

مسئلہ: اوّل یہ کہ دودھ پلانا دیانۃً ماں کے ذمہ واجب ہے بلا عذر کسی ضد یا ناراضگی کے سبب دودھ نہ پلائے تو گنہگار ہوگی اور دودھ پلانے پر وہ شوہر سے کوئی اجرت ومعاوضہ نہیں لے سکتی جب تک وہ اس کے اپنے نکاح میں ہے کیونکہ وہ اس کا اپنا فرض ہے۔

پوری مدت رضاعت:

مسئلہ: دوسرا یہ معلوم ہوا کہ پوری مدت رضاعت دوسال ہے جب تک کوئی خاص عذر مانع نہ ہو بچے کا حق ہے کہ یہ مدت پوری کی جائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کے لئے پوری مدت دوسال دی گئی ہے اس کے بعد دودھ نہ پلایا جائے البتہ بعض آیات قرآن اور احادیث کی بناء پر امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اگر تیس مہینے یعنی ڈھائی سال کے عرصہ میں بھی

دودھ پلادیا تو احکام رضاعت کے ثابت ہو جائیں گے اور اگر بچے کی کمزوری وغیرہ کے عذر سے ایسا کیا گیا تو گناہ بھی نہ ہوگا۔
ڈھائی سال پورے ہونے کے بعد بچہ کو ماں کا دودھ پلانا باتفاق حرام ہے۔

اس آیت کے دوسرے جملے میں ارشاد ہے: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا. یعنی باپ کے ذمہ ہے ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو ایسا حکم نہیں دیا جاتا جس کو یہ برداشت نہ کر سکے۔

اس میں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ ماؤں کے لئے قرآن نے لفظ والْوَالِدٰتُ استعمال کیا مگر باپ کے لئے مختصر لفظ والِدُ چھوڑ کر مولود لہ اختیار فرمایا حالانکہ قرآن میں دوسری جگہ لفظ والد بھی مذکور ہے: لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ (۳۱:۳۳) مگر یہاں والد کی جگہ مَوْلُوْدِ لَهٗ کے اختیار کرنے میں ایک خاص راز ہے وہ یہ کہ پورے قرآن کریم کا ایک خاص اسلوب اور طرز بیان ہے کہ وہ کسی قانون کو دنیا کی حکومتوں کی طرح بیان نہیں کرتا بلکہ مربیانہ اور مشفقانہ طرز سے بیان کرتا ہے اور ایسے انداز سے بیان کرتا ہے جس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا انسان کے لئے آسان ہو جائے۔

یہاں بھی چونکہ بچہ کا نفقہ باپ کے ذمہ ڈالا گیا ہے حالانکہ وہ ماں اور باپ کی متاع مشترک ہے تو ممکن تھا کہ باپ کو یہ حکم کچھ بھاری معلوم ہو اس لئے بجائے وَالِدُ کے مَوْلُوْدِ لَهٗ کا لفظ اختیار کیا (وہ شخص جس کا بچہ ہے) اس میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ اگرچہ بچے کی تولید میں ماں اور باپ دونوں کی شرکت ضرور ہے مگر بچہ باپ ہی کا کہلاتا ہے نسب باپ ہی سے چلتا ہے اور جب بچہ اس کا ہوا تو ذمہ داری خرچ کی اس کو بھاری نہ معلوم ہونی چاہئے۔

بچے کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ اور ماں کا نان ونفقہ وضروریات باپ کے ذمہ ہیں:

مسئلہ: تیسرا مسئلۂ شرعیہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے لیکن ماں کا نان ونفقہ اور ضروریات زندگی باپ کے ذمہ ہیں اور یہ ذمہ داری جس وقت تک بچے کی ماں اس کے نکاح میں یا عدت میں ہے اس وقت تک ہے اور طلاق اور عدت پوری ہونے کے بعد نفقہ زوجیت تو ختم ہو جائے گا مگر بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ دینا باپ کے ذمہ پھر بھی لازم رہے گا۔
(مظہری)

زوجہ کا نفقہ شوہر کی حیثیت کے مناسب ہونا چاہئے یا زوجہ کی:

مسئلہ: چوتھا مسئلہ: اس پر تو اتفاق ہے کہ میاں بیوی دونوں امیر مالدار ہوں تو نفقہ امیرانہ واجب ہوگا اور دونوں غریب ہوں تو نفقہ غریبانہ واجب ہوگا، البتہ جب دونوں کے حالات مالی مختلف ہوں تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ صاحب ہدایہ نے خصاف کے اس قول پر فتویٰ دیا ہے کہ اگر عورت غریب اور مرد مال دار ہو تو اس کا نفقہ درمیانہ حیثیت کا دیا جائے گا کہ غریبوں سے زائد مالداروں سے کم اور کرخی کے نزدیک اعتبار شوہر کے حال کا ہوگا فتح القدیر میں بہت سے فقہاء کا فتویٰ اس پر نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ (فتح القدیر ص ۴۲۲ ج ۳)۔

آیت مذکورہ میں احکام کے بعد ارشاد فرمایا: لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ یعنی نہ تو کسی ماں کو اس

کے بچے کی وجہ سے تکلیف میں ڈالنا جائز ہے اور نہ کسی باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے، مطلب یہ ہے کہ بچے کے ماں باپ آپس میں ضد اضدی نہ کریں مثلاً ماں دودھ پلانے سے معذور ہو اور باپ اس پر یہ سمجھ کر زبردستی کرے کہ آخر اس کا بھی تو بچہ ہے یہ مجبور ہوگی اور پلاوے گی یا باپ مفلس ہے اور ماں کو کوئی معذوری بھی نہیں پھر دودھ پلانے سے اس لئے انکار کرے کہ اس کا بھی تو بچہ ہے بھیک مار کر کسی سے پلوائے گا۔

ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کرنے یا نہ کرنے کی تفصیل:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا سے پانچواں مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ ماں اگر بچہ کو دودھ پلانے سے کسی ضرورت کے سبب انکار کرے تو باپ کو اسے مجبور کرنا جائز نہیں اور اگر بچہ کسی دوسری عورت یا جانور کا دودھ نہیں لیتا تو ماں کو مجبور کیا جائے گا یہ مسئلہ وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ سے معلوم ہوا۔

عورت جب تک نکاح میں ہے تو اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہیں کرسکتی طلاق وعدت کے بعد کرسکتی ہے:

چھٹا مسئلہ: یہ معلوم ہوا کہ اگر بچے کی ماں دودھ پلانے کی اجرت مانگتی ہے تو جب تک اس کے نکاح یا عدت کے اندر ہے اجرت کے مطالبہ کا حق نہیں یہاں اس کا نان نفقہ جو باپ کے ذمہ ہے وہی کافی ہے مزید اجرت کا مطالبہ باپ کو ضرر پہنچانا ہے اور اگر طلاق کی عدت گذر چکی اور نفقہ کی ذمہ داری ختم ہو چکی ہے اب اگر یہ مطلقہ بیوی اپنے بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ باپ سے طلب کرتی ہے تو باپ کو دینا پڑے گا کیونکہ اس کے خلاف کرنے میں ماں کا نقصان ہے شرط یہ ہے کہ یہ معاوضہ اتنا ہی طلب کرے کہ جتنا کوئی دوسری عورت لیتی ہے زائد کا مطالبہ کرے گی تو باپ کو حق ہوگا کہ اس کی بجائے کسی انا کا دودھ پلوائے۔

یتیم بچے کے دودھ پلوانے کی ذمہ داری کس پر ہے؟

آیت متذکرہ میں اس کے بعد یہ ارشاد ہے: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ یعنی اگر باپ زندہ نہ ہو تو بچے کو دودھ پلانے یا پلوانے کا انتظام اس شخص پر ہے جو بچے کا جائز وارث اور محرم ہو یعنی اگر بچہ مرجائے تو جن کو اس کی وراثت پہنچتی ہے وہی باپ نہ ہونے کی حالت میں اس کے نفقہ کے ذمہ دار ہوں گے اگر ایسے وارث کئی ہوں تو ہر ایک پر بقدر میراث اس کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یتیم بچے کو دودھ پلوانے کی ذمہ داری وارث پر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ بچے کا خرچہ دودھ چھڑانے کے بعد بھی وارثوں پر ہوگا کیونکہ دودھ کی کوئی خصوصیت نہیں مقصود بچے کا گذارہ ہے، مثلاً اگر یتیم بچے کی ماں اور دادا زندہ ہیں تو یہ دونوں اس بچے کے محرم بھی ہیں اور وارث بھی اس لئے اس کا نفقہ ان دونوں پر بقدر حصہ میراث عائد ہوگا یعنی ایک تہائی خرچہ ماں کے ذمہ اور دو تہائی دادا کے ذمہ ہوگا اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یتیم پوتہ کا حق دادا پر اپنے بالغ بیٹوں سے بھی زیادہ ہے کیونکہ بالغ اولاد کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں اور یتیم پوتے کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے، ہاں میراث میں بیٹوں کے موجود ہوتے ہوئے پوتے کو حقدار بنانا اصول میراث اور انصاف کے خلاف ہے کہ قریب تر اولاد کے ہوتے ہوئے بعید کو دینا معقول بھی نہیں اور صحیح بخاری کی حدیث لاولی رجل ذکر کے بھی خلاف ہے البتہ دادا کو یہ حق ہے کہ اگر ضرورت سمجھے تو یتیم پوتہ کے لئے کچھ وصیت کر جائے اور یہ وصیت بیٹوں کے حصہ سے زائد بھی ہوسکتی ہے اسی طرح یتیم پوتہ کی ضرورت کو بھی پورا

کردیا گیا اور وراثت کا اصول کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو نہ دیا جائے یہ بھی محفوظ رہا۔

دودھ چھڑانے کے احکام:

اس کے بعد آیت متذکرہ میں ارشاد ہوتا ہے: فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا. یعنی اگر بچے کے ماں باپ دونوں آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے یہ ارادہ کریں کہ شیر خوارگی کی مدت یعنی دو سال سے کم میں ہی دودھ چھڑا دیں خواہ ماں کی معذوری کے سبب یا بچے کی کسی بیماری کے سبب تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں آپس کے مشورے اور رضامندی کی شرط اس لئے لگائی کہ دودھ چھڑانے میں بچے کی مصلحت پیش نظر ہونی چاہئے آپس کے لڑائی جھگڑے کا بچے کو تختہ مشق نہ بنائیں۔

ماں کے سوا دوسری عورت کا دودھ پلوانے کے احکام:

آخر میں ارشاد فرمایا گیا: وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ یعنی اگر تو یہ چاہو کہ اپنے بچوں کی کسی مصلحت سے ماں کی بجائے کسی انا کا دودھ پلواؤ تو اس میں بھی کچھ گناہ نہیں شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کی جو اجرت مقرر کی گئی تھی وہ پوری پوری ادا کردیں اور اگر اس کو مقررہ اجرت نہ دی گئی تو اس کا گناہ ان کے ذمہ رہے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ماں دودھ پلانے پر راضی ہے لیکن باپ یہ دیکھتا ہے کہ ماں کا دودھ بچے کے لئے مضر ہے تو ایسی حالت میں اس کو حق ہے کہ ماں کو دودھ پلانے سے روک دے اور کسی انا سے پلوائے۔

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جس عورت کو دودھ پلانے پر رکھا جائے اس سے معاملہ تنخواہ یا اجرت کا پوری صفائی کے ساتھ طے کرلیا جائے کہ بعد میں جھگڑا نہ پڑے اور پھر وقت مقررہ پر یہ طے شدہ اجرت اس کو سپرد بھی کردے اس میں ٹال مٹول نہ کرے۔

یہ سب احکام رضاعت بیان کرنے کے بعد پھر قرآن نے اپنے مخصوص انداز اور اسلوب کے ساتھ قانون پر عمل کو آسان کرنے اور ظاہر وغائب ہر حال میں اس کا پابند رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے علم محیط کا تصور سامنے کردیا ارشاد ہوتا ہے، وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کھلے اور چھپے اور ظاہر وغائب کو پوری طرح دیکھ رہے ہیں اور وہ تمہارے دلوں کے مخفی ارادوں اور نیتوں سے باخبر ہیں اگر کسی فریق نے دودھ پلانے یا چھڑانے کے مذکورہ احکام کی خلاف ورزی کی یا بچے کی مصلحت کو نظر انداز کر کے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا تو وہ مستحق سزا ہوگا۔ (معارف القرآن)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا....

موت کی عدت چار مہینے دس دن:

پہلے گزر چکا ہے کہ طلاق کی عدت میں تین حیض انتظار کرے اب فرمایا کہ موت کی عدت میں چار مہینے دس دن انتظار کرے سواس مدت میں اگر معلوم ہوگیا کہ عورت کو حمل نہیں تو عورت کو نکاح کی اجازت ہوگی ورنہ وضع حمل کے بعد اجازت ہوگی اس کی تشریح سورۃ طلاق میں آئے گی حقیقت میں تین حیض یا چار مہینے دس دن حمل کے انتظار اور اس کے دریافت کرنے کے لئے مقرر فرمائے۔

یہ عدت اس بیوہ کی ہے جس کو حمل نہ ہو اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہی پیدا ہو جائے یا چار مہینے دس دن سے بھی زیادہ میں ہو یہ مسئلہ سورۃ طلاق میں آئے گا۔

جس کا خاوند مر جائے اس کو عدت کے اندر خوشبو لگانا سنگار کرنا سرمہ اور تیل بلا ضرورت دوا لگانا رنگین کپڑے پہننا درست نہیں اور صریح گفتگو سے نکاح ثانی بھی درست نہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ہے اور رات کو دوسرے گھر میں بھی رہنا درست نہیں۔ (بیان القرآن)

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ وَفِيْ قِرَاءَةٍ تُمَاسُّوْهُنَّ اَيْ تُجَامِعُوْهُنَّ اَوْ لَمْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً مَهْرًا وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ ظَرْفِيَّةٌ اَيْ لَا تَبِعَةَ عَلَيْكُمْ فِي الطَّلَاقِ زَمَنَ عَدَمِ الْمَسِيْسِ وَالْفَرْضِ بِاِثْمٍ وَلَا مَهْرَ فَطَلِّقُوْهُنَّ وَّمَتِّعُوْهُنَّ اَيْ اَعْطُوْهُنَّ مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهٖ عَلَى الْمُوْسِعِ الْغَنِيِّ مِنْكُمْ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ الضَّيِّقِ الرِّزْقِ قَدَرُهٗ يُفِيْدُ اَنَّهٗ لَا نَظَرَ اِلٰى قَدْرِ الزَّوْجَةِ مَتَاعًا تَمْتِيْعًا بِالْمَعْرُوْفِ شَرْعًا صِفَةُ مَتَاعًا حَقًّا صِفَةٌ ثَانِيَةٌ اَوْ مَصْدَرٌ مُؤَكَّدٌ عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ الْمُطِيْعِيْنَ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ يَجِبُ لَهُنَّ وَيَرْجِعُ لَكُمُ النِّصْفُ اِلَّآ لٰكِنْ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَيِ الزَّوْجَاتُ فَيَتْرُكْنَهٗ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَهُوَ الزَّوْجُ فَيَتْرُكُ لَهَا الْكُلَّ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْوَلِيُّ اِذَا كَانَتْ مَحْجُوْرَةً فَلَا حَرَجَ فِيْ ذٰلِكَ وَاَنْ تَعْفُوْٓا مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اَيْ اَنْ يَّتَفَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ

الْخَمْسِ بِاَدَائِهَا فِيْ اَوْقَاتِهَا وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ق هِيَ الْعَصْرُ كَمَا فِي الْحَدِيْثِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ اَوِ الصُّبْحُ اَوِ الظُّهْرُ اَوْ غَيْرُهَا اَقْوَالٌ وَاَفْرَدَهَا بِالذِّكْرِ لِفَضْلِهَا وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ فِي الصَّلٰوةِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ قِيْلَ مُطِيْعِيْنَ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ قُنُوْتٍ فِي الْقُرْاٰنِ فَهُوَ طَاعَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ غَيْرُهٗ وَ قِيْلَ سَاكِتِيْنَ لِحَدِيْثِ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ فَاِنْ خِفْتُمْ مِنْ عَدُوٍّ اَوْ سَيْلٍ اَوْ سَبُعٍ فَرِجَالًا جَمْعُ رَاجِلٍ اَيْ مُشَاةً صَلُّوْا اَوْ رُكْبَانًا ۚ جَمْعُ رَاكِبٍ اَيْ كَيْفَ اَمْكَنَ مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ وَ غَيْرِهَا وَيُوْمِئُ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ مِنَ الْخَوْفِ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ اَيْ صَلُّوْا كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ قَبْلَ تَعْلِيْمِهٖ مِنْ فَرَائِضِهَا وَ حُقُوْقِهَا وَالْكَافُ بِمَعْنٰى مِثْلٍ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ اَوْ مَصْدَرِيَّةٌ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ فَلْيُوْصُوْا وَّصِيَّةً وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ اَيْ عَلَيْهِمْ لِّاَزْوَاجِهِمْ وَيُعْطُوْهُنَّ مَّتَاعًا مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهٖ مِنَ النَّفَقَةِ وَالْكِسْوَةِ اِلٰى تَمَامِ الْحَوْلِ مِنْ مَّوْتِهِمُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِنَّ تَرَبُّصُهٗ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ حَالٌ اَيْ غَيْرَ مُخْرَجَاتٍ مِنْ مَسْكَنِهِنَّ فَاِنْ خَرَجْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ يَا اَوْلِيَاءَ الْمَيِّتِ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ شَرْعًا كَالتَّزَيُّنِ وَ تَرْكِ الْاِحْدَادِ وَ قَطْعِ النَّفَقَةِ عَنْهَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ فِيْ مُلْكِهٖ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ فِيْ صُنْعِهٖ وَالْوَصِيَّةُ الْمَذْكُوْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ بِاٰيَةِ الْمِيْرَاثِ وَ تَرَبُّصُ الْحَوْلِ بِاٰيَةِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا السَّابِقَةِ الْمُتَاَخِّرَةِ فِي النُّزُوْلِ وَالسُّكْنٰى ثَابِتَةٌ لَهَا عِنْدَ الشَّافِعِيِّ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ يُعْطَيْنَهٗ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ حَقًّا نُصِبَ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ اَللّٰهُ كَرَّرَهٗ لِيَعُمَّ الْمَمْسُوْسَةَ اَيْضًا اِذِ الْاٰيَةُ السَّابِقَةُ فِيْ غَيْرِهَا كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ.

ع ۳۱ / ۱۵

ترجمہ: اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم طلاق دے دو عورتوں کو ایسے وقت میں کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے (اور ایک قراءت میں تُمَاسُّوْهُنَّ بضم التاء از باب مفاعلت بمعنی تجامعوھن ہے) اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا (مفسر نے فَرِيْضَةً کی تفسیر مہر سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ فَرِيْضَةً صیغہ صفت بمعنی مفروضة ہے یعنی مقرر کیا ہوا مہر، اور ما مصدریہ ظرفیہ ہے۔ اَیْ

تَبِعَةٌ عَلَيْكُمْ بروزن کرۃ بمعنی تاوان، (یعنی ہاتھ نہ لگانے اور کچھ مقرر نہ کرنے کے وقت طلاق دینے کے وقت میں تم پر نہ گناہ کا تاوان ہے اور نہ مہر واجب، سو تم ان کو طلاق دے سکتے ہو) وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ؕ. مفسر رحمہ اللہ نے مَتِّعُوْهُنَّ ؕ سے پہلے طَلِّقُوْهُنَّ مقدر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ مَتِّعُوْهُنَّ ؕ کا عطف مقدر پر ہے یعنی انہیں طلاق دے کر متعہ دے دو یعنی اتنا دے دو کہ جس سے وہ فائدہ اٹھائیں) صاحب وسعت (تم میں سے مالدار) پر اس کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہے) مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فائدہ پہنچانا دستور کے مطابق (شرعی طور پر اچھا ہو یعنی ایک جوڑا لباس، مفسر نے مَتَاعًا کی تفسیر تَمْتِيْعًا سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ مَتَاعًا اسم مصدر بمعنی مصدر تَمْتِيْعًا ہے اور بالمعروف جار مجرور مل کر مَتَاعًا کی صفت ہے، حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ (۲۳۶) جو لازم ہے نیکی کرنے والوں پر (حَقًّا صفت ثانیہ ہے مَتَاعًا کی یا مصدر یعنی مفعول مطلق ہے مضمون جملہ کی تاکید کے لیے ای حق ذالک حقا اور محسنین بمعنی مطیعین نیکوکار ہے) وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ... اور اگر تم ان عورتوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لیے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے ہو یاں وہ نصف بھی چھوڑ دیں اس صورت میں نصف بھی واجب نہ رہا) یا وہ شخص معاف کر دے جس کے اختیار میں نکاح کا معاملہ ہے (یعنی خاوند کہ پورا مہر ہی اس کو چھوڑ دے اگر نکاح کے وقت پورا مہر دے چکا ہے پھر ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی تو نصف مہر واپس لینے کا مستحق ہو گیا اور جب اس نے واپس نہیں لیا تو گویا کہ اس نے اپنی طرف سے معاف کر دیا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ سے مراد ولی ہے جبکہ عورت مجورہ ہو یعنی مجبورہ ہو، مطلب یہ ہے کہ باکرہ یا ایسی بے عقل ہو جس کا قول قابل اعتبار نہ ہو تو ایسی صورت میں ولی کا معاف کر دینا بھی درست ہے لیکن جمہور احناف وشوافع کے نزدیک بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ سے خاوند مراد ہے۔ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ ... اور تمہارا معاف کر دینا مبتدا ہے اور آگے اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى اس کی خبر ہے، خطاب مرد و عورت دونوں کو ہے تو لفظوں میں مرد کا ذکر اس کے شرف کی وجہ سے ہے اور اگر خطاب صرف مرد کو ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے فلا اشکال) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کو نہ بھولو (یعنی ایک دوسرے پر احسان کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں (چنانچہ تم کو اس پر جزا دیں گے)۔ محافظت کرو نمازوں کی (یعنی پانچوں نمازیں ان کے اوقات میں ادا کر کے) اور بیچ والی نماز کی (اور بیچ والی نماز عصر ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے، نیز اس لیے بھی کہ عصر کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں فجر اور ظہر اور ایک طرف دو نمازیں رات کی ہیں، مغرب اور عشاء یا صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صبح کی نماز یا ظہر یا اس کے علاوہ مختلف اقوال ہیں لیکن اصح الاقوال عصر ہی ہے اور اس نماز وسطیٰ کو خاص کر کے علیحدہ طور پر ذکر کیا، اس کی خصوصی فضیلت کی وجہ سے) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے (یعنی بمعنی خاشعین ہے اور بعض کے نزدیک قٰنِتِيْنَ (۲۳۸) کے معنی ہیں اطاعت کرتے ہوئے یعنی فرمانبردار بن کر کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر قنوت جو قرآن میں مذکور ہے وہ بمعنی طاعت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور بعض نے قٰنِتِيْنَ (۲۳۸) بمعنی سَاكِتِيْنَ فرمایا ہے کیونکہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت: وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (۲۳۸) نازل ہو گئی تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور

باتیں کرنے سے ہمیں منع کر دیا گیا (رواہ الشیخان) فَإِنْ خِفْتُمْ پھر اگر تم کو خوف ہو (دشمن کا یا سیلاب یا درندہ کا) تو پیادہ پڑھ لو (رجال، راجل کی جمع ہے جو رجل بمعنی پاؤں سے مشتق ہے یعنی پیدل نماز پڑھ لو) أَوْ رُكْبَانًا یا سوار (رکبان، راکب کی جمع ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو خواہ قبلہ رخ ممکن ہو یا نہ ہو اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرے) فَإِذَآ أَمِنتُمْ، پھر جب تم امن پاؤ (خوف سے) تو اللہ کو یاد کرو (یعنی نماز پڑھو) جس طرح تم کو سکھلایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے (یعنی نماز کے فرائض اور حقوق کی تعلیم سے پہلے اور كَمَا میں کاف بمعنی مثل ہے اور مَا مصدریہ یا موصولہ ہے۔ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو تو وصیت کر جایا کریں (یہ معنی ہے پہلی قراءت پر جبکہ وَصِيَّةً کو منصوب پڑھیں، اس صورت میں وَصِيَّةً مفعول ہوگا اور اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مفسر نے اس کا فعل مقدر فَلْيُوْصُوْا اظاہر کیا ہے اور ایک قراءت میں وَصِيَّةٌ رفع کے ساتھ ہے، اس صورت میں وَصِيَّةٌ مبتداء ہے اور اسکی خبر محذوف کی طرف مفسر نے عَلَيْهِمْ سے اشارہ کر دیا) اپنی بیویوں کے لیے (کہ ان کو دیں خرچ، مَتَاعًا سے پہلے مفسر نے فعل يُعْطُوْهُنَّ ظاہر کر کے اشارہ کیا ہے کہ مَتَاعًا مفعول ہے فعل محذوف کا مَتَاعًا کی تفسیر مفسر بتا رہے ہیں مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهٖ۔۔۔ کہ جس سے وہ نفع اٹھائیں یعنی نان نفقہ اور کپڑا) پورا ایک سال تک (ان کی وفات کے وقت سے جو واجب ہے عورتوں پر انتظار کرنا) بغیر نکالے) غیر اخراج حال ہے یعنی درآنحالیکہ اپنے گھروں سے نکالی نہ جائیں، خلاصہ یہ کہ وفات کے وقت اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کر دینا واجب ہے کہ سال بھر تک کھانا، کپڑا اور رہنے کا مکان گھر والے دیں فَإِنْ خَرَجْنَ۔۔۔ پھر اگر وہ عورتیں نکل جائیں (از خود) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے (اے میت کے وارثو) اس قاعدہ کی بات میں جس کو وہ اپنے بارے میں تجویز کریں (شریعت کے مطابق مثلاً سنگار کرنا اور سوگ کا چھوڑ دینا اور نان ونفقہ کو بند کر دینا اپنی جانب سے) اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (اپنے ملک میں) حکمت والے ہیں (اپنے کام میں اور وصیت مذکورہ آیت میراث کے ذریعہ منسوخ ہوگئی اور سال بھر کا انتظار یعنی عدت منسوخ ہے آیت کریمہ: أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا سے جو اس سے پہلے ہے یعنی آیت: ۲۳۴ میں جو نزول میں مؤخر ہے اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے لیے گھر ثابت یعنی واجب ہے) وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ۔۔۔۔ اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے کچھ فائدہ پہنچانا ہے فعل مقدر کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے۔ ای حق ذالک حقا اور اس یعنی وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ۔۔۔ کو مکرر بیان کیا ہے تاکہ یہ حکم موطوءہ کو بھی شامل ہو، اس لیے کہ آیت کریمہ سابقہ مطلقہ غیر موطوءہ کے بارے میں تھی) اسی طرح (جیسے کہ تمہارے لیے احکام عدت وغیرہ کو بیان کر دیا ہے) اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم سمجھو (غور وفکر سے کام لو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: أَوْ تَفْرِضُوا: اس میں لم مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا مدخول تَمَسُّوْهُنَّ پر عطف کی وجہ سے مجزوم ہے یعنی نہ تو مس ہوا اور نہ مہر مقرر ہو۔

قوله: مَهْرًا: یہاں فریضہ جس سے مراد مہر ہے وہ مفعول کے معنی میں ہے مصدر نہیں ہے۔

قوله: مَا مَصْدَرِيَّةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ مَا نہ تو موصولہ ہے نہ موصوفہ نہ شرطیہ بلکہ مصدریہ ہے۔

قوله: تَمْتِيْعًا: اس سے اشارہ کیا کہ متاع مصدر ہے، اس سے وہ اشیاء مراد نہیں جن سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

قوله: يَرْجِعُ لَكُمْ: اس کو مقدر اس لیے مانا گیا کہ اِلَّآ یہاں لٰكِنْ کے معنی میں ہے۔

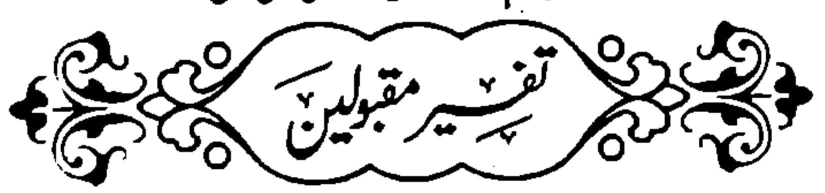
قوله: فَلَا حَرَجَ: مستثنیٰ کے منقطع ہونے کی وجہ سے اس کو مقدر مانا تاکہ کلام تام بن کر بذاتِ خود مفید ہو۔

قوله: اَلْخَمْسِ: اس سے اشارہ کیا کہ پانچوں نمازیں مراد ہیں اور نمازِ وسطیٰ وہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے، اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے۔

قوله: فِي الصَّلٰوةِ: اس سے اشارہ کیا کہ لِلّٰهِ یہ قُوْمُوْا سے متعلق ہے اور اس سے قیام نماز ثابت ہوتا ہے۔

قوله: صَلُّوْا: اس سے اشارہ کیا کہ ذکر اللہ سے یہی مراد ہے۔

قوله: مَا يَتَمَتَّعُ: یہاں مَتَاعًا عرفی معنی میں ہے، مصدر تمتیع کے معنی میں نہیں۔



لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ.....

طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر کے وجوب اور عدم وجوب کا بیان:

ان دونوں آیتوں میں چند مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو صرف نکاح کر کے طلاق دیدے نہ اسے ہاتھ لگایا ہو نہ اس کے لیے مہر مقرر کیا ہو تو اس صورت میں مہر واجب نہیں ہے۔

البتہ بطور سلوک واحسان اور دلداری کے متعہ دینا واجب ہے، یہ متعہ ایک جوڑا کپڑوں کی صورت میں ہوگا، یعنی طلاق دینے والا مرد مطلقہ عورت کو تین کپڑے دے دے، ایک کرتہ، ایک دوپٹہ اور ایک خوب چوڑی چکلی چادر جو سر سے پاؤں تک ڈھانک سکے۔ اور اس میں مرد کی حالت کا اعتبار ہوگا، مرد پیسہ والا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست ہے تو اپنے حالات کے مطابق دے دے، اس وجوب کو مؤکد فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا: (مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ) کہ یہ نفع پہنچانا شرعی قاعدہ کے مطابق ہو جو محسنین پر واجب ہے، ہر مسلمان اپنے ایمان کی وجہ سے صفت احسان اختیار کرنے پر مامور ہے اور ہر مؤمن محسن ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جو لوگ فاسق اور گناہ گار ہیں ان پر واجب نہیں۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر مہر مقرر کیے بغیر نکاح کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر مذکورہ بالا صورت پیش آ جائے (کہ مرد نے عورت کو ہاتھ بھی نہ لگایا اور طلاق دے دی) تو اس صورت میں متعہ دینا ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور اگر مہر مقرر کیے بغیر نکاح کر لیا، اور پھر میاں بیوی والی تنہائی بھی ہو گئی یا خلوت سے پہلے شوہر کی وفات ہو گئی تو مہر مثل دینا

ہوگا۔جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ....

اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی تو آدھا مہر دینا لازم ہے مگر عورت یا مرد کہ جس کے اختیار میں ہے نکاح کا قائم رکھنا اور توڑنا اپنے حق سے درگزر کریں تو بہتر ہے عورت کی تو درگزر یہ کہ آدھا بھی معاف کر دے اور مرد کی درگزر یہ کہ جو مہر مقرر ہوا تھا حوالہ کردے یا تمام مہر ادا کر چکا تھا تو آدھا نہ لوٹا دے بلکہ سب مہر چھوڑ دے پھر فرمایا کہ مرد درگزر کرے تو تقوی کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ نے اس کو بڑائی دی اور مختار کیا نکاح باقی رکھنے کا اور طلاق دینے کا اور نفس نکاح سے تمام مہر لازم ہو جاتا ہے اور بدون ہاتھ لگائے طلاق دے کر زوج نصف مہر کو اپنے ذمہ سے ٹلاتا ہے یہ تقوی کے مناسب نہیں اور زوجہ کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی جو کچھ کیا زوج نے کیا ان وجوہ سے زوج کو زیادہ مناسب ہے کہ درگزر کرے۔

فوائد: طلاق کی مہر اور وطی کے لحاظ سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ نہ مہر ہو نہ وطی۔دوسری یہ کہ مہر تو مقرر ہو مگر وطی کی نوبت نہ آئے ان دونوں صورتوں کا حکم دونوں آیتوں میں معلوم ہو چکا ہے۔تیسری یہ کہ مہر مقرر ہو اور وطی کی نوبت آوے اس میں جو مہر مقرر کیا ہے پورا دینا ہوگا یہ صورت کلام اللہ میں دوسرے موقع پر مذکور ہے۔چوتھی یہ کہ مہر نہ ٹھہرایا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی اس میں مہر مثل پورا دینا پڑیگا۔یعنی جو اس عورت کی قوم میں رواج ہے اور یہی چاروں صورتیں موت زوج میں نکلیں گی مگر موت کا حکم طلاق کے حکم سے جدا ہے اگر مہر مقرر نہ کیا تھا اور ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا کہ زوج مر گیا یا ہاتھ لگانے کے بعد مرا ان دونوں صورتوں میں مہر مثل پورا لازم ہوگا،اگر مہر مقرر کیا اور ہاتھ لگایا یا ہاتھ نہ لگایا تو ان دونوں صورتوں میں جو مہر مقرر ہوا تھا وہ پورا دینا ہوگا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى

تمام نمازوں اور خاص کر صلوٰۃ وسطیٰ کی محافظت کا حکم:

طلاق اور شوہر کی وفات سے متعلق بعض مسائل باقی ہیں۔درمیان میں نمازوں کی پابندی کا حکم فرمادیا بندے جس حال میں بھی ہوں۔اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں اور خاص کر نمازوں کا خوب زیادہ اہتمام کریں۔نماز سراپا ذکر ہے،بار بار خالق کائنات جل مجدہ کی یاد کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اللہ کی یاد ہی اس پورے عالم کی جان ہے،آدمی کیسی ہی مشغولیت میں ہو نماز سے غافل نہ ہو،اور ان نمازوں میں بھی صلاۃ وسطیٰ یعنی درمیان والی نماز کا اور زیادہ دھیان رکھے۔احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے کہ صلاۃ وسطیٰ،(درمیان والی نماز) سے عصر کی نماز مراد ہے۔اس نماز کا خصوصی دھیان رکھنے کے لیے اس لیے ارشاد فرمایا کہ عموماً تجارتی امور اور کاروبار اور بہت سے کام ایسے وقت میں سامنے آجاتے ہیں جبکہ نماز عصر کا وقت ہوتا ہے۔مالوں کی خرید و فروخت کی گرم بازاری عصر ہی کے وقت ہوتی ہے،اس وقت میں نمازوں کی پابندی کرنے والے بھی نماز عصر سے غافل ہوجاتے ہیں۔

"اَلصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی" اس درمیانی نماز سے کیا مراد ہے؟ اکثر ائمہ تفاسیر نے نماز عصر مراد لی ہے اور یہی معنی ابن جریر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، صحابیوں اور قتادہ وضحاک تابعین اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وامام نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہوئے ہیں، لیکن ابن جریر ہی میں دوسرے معنی، نماز ظہر اور نماز مغرب اور نماز فجر کے بھی اسی پایہ کے حضرات سے منقول ہیں۔ بعض نے لفظی پہلو پر زور دے کر یہ تفسیر کی ہے کہ ہر نماز چونکہ اپنی جگہ پر عبادات وحسنات کا درجہ متوسط ہے، اور پھر ہر نماز کے ادھر ادھر کچھ نمازیں بھی ہوتی ہیں، نماز وسطیٰ کا اطلاق ہر نماز پر ہو سکتا ہے، اور اس سے کسی خاص وقت کی نماز مقصود نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ ....

بیویوں کے لیے وصیت کرنا:

زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تھا تو اس کی عدت ایک سال تھی، وہ ایک سال تک کسی کوٹھڑی میں پڑی رہتی تھی اور ایک سال کے بعد اس کوٹھڑی سے نکالتے تھے اور اس کی گود میں اونٹ کی مینگنیاں بھر دیتے تھے پھر اسے باہر گلی کوچے میں نکالتے تھے۔ وہ لوگوں پر مینگنیاں پھینکی جاتی تھی اس سے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اس کی عدت ختم ہو گئی جیسا کہ صحیح بخاری ص ۸۰۳ ج ۲ اور صحیح مسلم ص ۴۸۷ ج ۱ اور سنن ابوداؤد ص ۳۱۴ ج ۱ میں مذکور ہے۔

اسلام میں ایسی عورت کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرما دی جس کا شوہر وفات پا جائے اور وہ حمل سے نہ ہو اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اس آیت میں حکم فرمایا کہ مرنے والا اپنی بیویوں کا خیال رکھے موت سے پہلے اس بات کی وصیت کر دے کہ شوہر کے ترکہ سے ایک سال تک اس کو نان ونفقہ دیا جائے، لفظ (مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ) میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور اس کے ساتھ یہ حکم تھا کہ وصیت میں یہ بھی شامل کر دیں کہ ایک سال تک اسے شوہر کے گھر سے نہ نکالا جائے، (غَيْرَ اِخْرَاجٍ) میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن عورت کو اختیار تھا کہ اگر وہ چاہے تو مرنے والے شوہر کے گھر میں رہے اور چاہے تو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جائے (فَاِنْ خَرَجْنَ الخ) میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ یہ حکم آیت میراث نازل ہونے سے پہلے تھا۔ جب میراث کا حکم نازل ہو گیا اور اس کے بعد یہ حکم ہو گیا کہ میراث لے لے اور خرچہ اسی میں سے کرے۔ البتہ عدت پوری ہونے تک شوہر ہی کے گھر میں رہے نہ اس میں سے نکلے نہ نکالی جائے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ....

مطلقہ عورتوں کو متعہ یعنی فائدہ پہنچانا اس سے پہلی آیات میں بھی آ چکا ہے مگر وہ صرف دو قسم کی مطلقات کے لئے تھا جن کو صحبت وخلوت سے پہلے طلاق ہو گئی ہو ایک کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ جوڑا دیا جائے دوسری کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ آدھا مہر دیا جائے اب وہ طلاق والیاں رہ گئیں جن کو صحبت یا خلوت کے بعد طلاق دی جاوے سو ان میں جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اس کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دینا چاہئے اور جس کا مہر مقرر نہ کیا جاوے اس کے لئے بعد دخول کے مہر مثل واجب ہے یہ متاع بمعنی مطلق فائدہ پہنچانا اس تفصیل سے تو واجب ہے اور اگر متاع سے مراد فائدہ خاص یعنی تحفہ یا جوڑا دینا ہی لیا جائے تو ایک مطلقہ کو تو دینا

واجب ہے جس کا ذکر ماقبل میں آچکا ہے اور باقی سب اقسام میں مستحب ہے اور اگر متاع سے مراد نفقہ لیا جاوے تو جس طلاق
میں عدت ہے اس میں عدت گزرنے تک واجب ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن غرض آیت اپنے الفاظ عامہ سے سب صورتوں کو
شامل ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيبٍ وَتَشْوِيقٍ اِلَى اسْتِمَاعِ مَا بَعْدَهُ اَيْ لَمْ يَنْتَهِ عِلْمُكَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ اَرْبَعَةٌ اَوْ ثَمَانِيَةٌ اَوْ عَشَرَةٌ اَوْ ثَلٰثُوْنَ اَوْ اَرْبَعُوْنَ اَوْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا حَذَرَ الْمَوْتِ مَفْعُوْلٌ
لَهُ وَهُمْ قَوْمٌ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَقَعَ الطَّاعُوْنُ بِبِلَادِهِمْ فَفَرُّوْا فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا فَمَاتُوْا ثُمَّ
اَحْيَاهُمْ بَعْدَ ثَمَانِيَةِ اَيَّامٍ اَوْ اَكْثَرَ بِدُعَاءِ نَبِيِّهِمْ حِزْقِيْلَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ وَالْقَافِ وَسُكُوْنِ الزَّايِ فَعَاشُوْا
دَهْرًا عَلَيْهِمْ اَثَرُ الْمَوْتِ لَا يَلْبَسُوْنَ ثَوْبًا اِلَّا عَادَ كَالْكَفَنِ وَاسْتَمَرَّتْ فِيْ اَسْبَاطِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَمِنْهُ اِحْيَاءُ هٰؤُلَاءِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمُ الْكُفَّارُ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَالْقَصْدُ مِنْ ذِكْرِ
خَبَرِ هٰؤُلَاءِ تَشْجِيْعُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ وَلِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيْ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهِ وَ
اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِاَقْوَالِكُمْ عَلِيْمٌ ۝ بِاَحْوَالِكُمْ فَيُجَازِيْكُمْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ بِاِنْفَاقِ مَالِهٖ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَرْضًا حَسَنًا بِاَنْ يُنْفِقَهُ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ فَيُضٰعِفَهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَيُضَعِّفَهُ بِالتَّشْدِيْدِ
لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً مِنْ عَشْرٍ اِلٰى اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِمِائَةٍ كَمَا سَيَاْتِيْ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ يُمْسِكُ الرِّزْقَ عَمَّنْ
يَشَاءُ اِبْتِلَاءً وَيَبْصُطُ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ اِمْتِحَانًا وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ فِي الْاٰخِرَةِ بِالْبَعْثِ فَيُجَازِيْكُمْ
بِاَعْمَالِكُمْ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ الْجَمَاعَةِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِ مُوْسٰى اَيْ اِلٰى قِصَّتِهِمْ وَ
خَبَرِهِمْ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ هُوَ شَمْوِيْلُ ابْعَثْ اَقِمْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ مَعَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَنْتَظِمُ بِهٖ
كَلِمَتُنَا وَنَرْجِعُ اِلَيْهِ قَالَ النَّبِيُّ لَهُمْ هَلْ عَسَيْتُمْ بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا
خَبَرُ عَسٰى وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَقْرِيْرِ التَّوَقُّعِ بِهَا قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا بِسَبْيِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَدْ فَعَلَ بِهِمْ ذٰلِكَ قَوْمُ جَالُوْتَ اَيْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنْهُ مَعَ وُجُوْدِ
مُقْتَضِيْهِ قَالَ تَعَالٰى فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَجَبُنُوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ وَهُمُ الَّذِيْنَ عَبَرُوْا

النَّهر مَعَ طَالُوتَ كَمَا سَيَأْتِيْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ فَيُجَازِيْهِمْ وَسَأَلَ النَّبِيُّ رَبَّهُ اِرْسَالَ مَلِكٍ

فَاَجَابَهُ اِلٰى اِرْسَالِ طَالُوْتَ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى كَيْفَ

يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ لِاَنَّهُ لَيْسَ مِنْ سِبْطِ الْمَمْلَكَةِ وَلَا النُّبُوَّةِ وَكَانَ

دَبَّاغًا اَوْ رَاعِيًا وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ يَسْتَعِيْنُ بِهَا عَلٰى اِقَامَةِ الْمُلْكِ قَالَ النَّبِيُّ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ

اصْطَفٰهُ اخْتَارَهُ لِلْمُلْكِ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً سَعَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَكَانَ اَعْلَمَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ

يَوْمَئِذٍ وَاَجْمَلَهُمْ وَاَتَمَّهُمْ خَلْقًا وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِيْتَاءَهُ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

فضله عَلِيْمٌ ۝ بِمَنْ هُوَ اَهْلٌ لَهُ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ لَمَّا طَلَبُوْا مِنْهُ اٰيَةً عَلٰى مُلْكِهِ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ

يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ الصُّنْدُوْقُ كَانَ فِيْهِ صُوَرُ الْاَنْبِيَاءِ اَنْزَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى اٰدَمَ وَاسْتَمَرَّ اِلَيْهِمْ فَغَلَبَتْهُمُ

الْعَمَالِقَةُ عَلَيْهِ وَاَخَذُوْهُ وَكَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّهِمْ وَيُقَدِّمُوْنَهُ فِي الْقِتَالِ وَيَسْكُنُوْنَ اِلَيْهِ كَمَا

قَالَ تَعَالٰى فِيْهِ سَكِيْنَةٌ طَمَانِيْنَةٌ لِقُلُوْبِكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ اَيْ

تَرَكَاهُ وَهُوَ نَعْلَا مُوْسٰى وَعَصَاهُ وَعِمَامَةُ هَارُوْنَ وَقَفِيْزٌ مِنَ الْمَنِّ الَّذِيْ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ وَرُضَاضُ

الْاَلْوَاحِ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ يَاْتِيَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ عَلٰى مُلْكِهٖ اِنْ كُنْتُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَحَمَلَتْهُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى وَضَعَتْهُ عِنْدَ طَالُوْتَ

فَاَقَرُّوْا بِمُلْكِهِ وَتَسَارَعُوْا اِلَى الْجِهَادِ فَاخْتَارَ مِنْ شُبَّانِهِمْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ (استفہام تعجب دلانے اور شوق دلانے کے لیے ہے کہ اس کے بعد والی خبر کی طرف کان لگائیں یعنی آپ کا علم اس خبر تک نہیں پہنچا) ان لوگوں کے واقعہ کو جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے حالانکہ وہ لوگ ہزاروں تھے (چار ہزار یا آٹھ ہزار یا دس ہزار یا تیس ہزار یا چالیس یا ستر ہزار تھے، مطلب یہ ہے کہ روایات مختلف ہیں لیکن الوف جمع کثرت ہونے کی وجہ سے راجح یہ ہے کہ دس ہزار سے زائد تھے) حَذَرَ الْمَوْتِ موت سے بچنے کے لیے (یہ مفعول لہ ہے خَرَجُوْا کا، اور ان لوگوں سے مراد بنی اسرائیل میں سے ایک قوم تھی ان کے شہروں میں طاعون پھیلا تو یہ لوگ بھاگ نکلے) تو اللہ نے ان کے لیے حکم فرمادیا کہ مرجاؤ (چنانچہ سب مرگئے) پھر ان کو زندہ کردیا (آٹھ روز یا اس سے زیادہ دنوں کے بعد بسبب دعا کرنے ان کے نبی حزقیل علیہ السلام کے، حزقیل حاء مہملہ اور قاف کے کسرہ اور زاء منقوطہ کے سکون کے ساتھ، پھر یہ لوگ

ایک زمانہ تک زندہ رہے اس حال میں کہ ان پر موت کا اثر تھا جو کپڑا پہنتے وہ مثل کفن کے ہو جاتا اور یہ اثر ان یہودیوں کی نسلوں میں ہمیشہ رہا) بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں پر (اور اسی فضل میں سے ان لوگوں کا زندہ کرنا ہے) لیکن اکثر لوگ (یعنی کفار) شکر نہیں کرتے (اور ان لوگوں کی خبر کے ذکر کرنے سے مسلمانوں کو جہاد پر دلیر کرنا ہے، اسی واسطے اس پر عطف کیا گیا ہے: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ اور اللہ کی راہ میں قتال کرو (یعنی اللہ کے دین کو بلند کرنے کی نیت سے جہاد کرو) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (تمہاری باتوں کو) اور خوب جاننے والے ہیں (تمہارے احوال کو پس تم کو بدلہ دیں گے) مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ .... کون شخص ہے ایسا جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے (اللہ کی راہ جہاد وغیرہ میں اپنا مال خرچ کر کے) اللہ تعالیٰ بڑھادے قرض کے ثواب کو (ایک قراءت میں تشدید کے ساتھ یعنی باب تفعیل سے یضَعِّفهٗ ہے) بہت گونے (دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ سے زیادہ تک جیسا کہ عنقریب آئے گا) اور اللہ تنگ کر دیتے ہیں (روک لیتے ہیں روزی جس سے چاہتے ہیں بطور آزمائش اور فراخی کرتے ہیں (وسیع کر دیتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں بطور امتحان) اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (آخرت میں بعث بعد الموت کے ذریعہ پھر تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے)۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ایک گروہ (جماعت) کو جو بنی اسرائیل میں تھے، موسیٰ علیہ السلام کے (زمانہ وفات کے) بعد (یعنی ان کے واقعہ اور ان کی خبر کو، اس سے معلوم ہوا کہ اَلَمْ تَرَ کے اندر رؤیت علمیہ مراد ہے اور اِلَى الْمَلَإِ میں مضاف محذوف ہے اَیْ اِلٰی قِصَّتِھِمْ اب ترجمہ اس طرح ہوگا، کیا آپ کو بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا قصہ نہیں معلوم ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد تھا) اِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ جبکہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر (شمویل علیہ السلام) سے کہا ہمارے لیے ایک بادشاہ بھیجے (یعنی مقرر کر دیجیے) تا کہ ہم (اس کے ساتھ ہو کر) اللہ کی راہ میں جنگ کریں (یعنی اس کے ذریعہ ہماری بات درست ہو جائے اور ہم اسی کی طرف رجوع کریں) کہا (پیغمبر نے ان سے) کیا یہ احتمال ہے (عَسَيْتُمْ کے سین کو نافع کی قراءت میں کسرہ کے ساتھ اور باقی کی قراءت میں فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے) کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم جہاد نہ کرو (اَلَّا تُقَاتِلُوا۔ عسی کی خبر ہے اور اسم ضمیر خطاب اور استفہام تقریر توقع کے لیے ہے یعنی عسیٰ کو فعل متوقع پر داخل کر کے توقع کی تحقیق و تثبیت کے لیے استفہام کیا گیا ہے۔ والمعنى توقع عدم قتالھم محقق عندی) قَالُوا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے (ان کے قتل و قید ہونے کی وجہ سے اور یہ سب یعنی قتل و قید ان کے ساتھ قوم جالوت نے کیا تھا یعنی ہمارے لیے جہاد سے کوئی مانع نہیں ہے بلکہ قتل و قید کی مصیبت مقتضی ہے کہ ہم دشمنوں سے جہاد کریں۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ ... پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو سب پھر گئے (جہاد کرنے سے اور بزدلی اختیار کر لی) مگر ان میں سے تھوڑے لوگ (اور وہ تھوڑے لوگ جو مستقیم رہے وہی تھے جنہوں نے شاہ طالوت کے ساتھ نہر کو عبور کیا تھا جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں (سو ان کو سزا دیں گے، پھر پیغمبر یعنی شمویل علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے بادشاہ بھیجنے یعنی مقرر کرنے کی درخواست کی تو پروردگار نے اس کو قبول فرمالیا، طالوت کو بادشاہ مقرر کر کے) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ... اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو

بادشاہ مقرر کیا ہے، کہنے لگے کیسے ہوسکتا ہے (انی بمعنی کیف ہے) اس کو حکمرانی کا حق ہم پر حالانکہ ہم زیادہ مستحق ہیں حکمرانی کے اس سے (کیونکہ وہ شاہی خاندان سے نہیں ہے اور نہ ہی خاندانِ نبوت سے اور طالوت دباغ یا چرواہا تھے، مطلب یہ ہے کہ ہم شاہی خاندان میں سے ہیں ہم پر ایک چرواہا کی حکومت کس طرح ہوسکتی ہے پھر وہ غریب آدمی ہے۔ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ اور نہ ان کو مال کی وسعت دی گئی (کہ جس کے ذریعہ ملک کے استحکام میں مدد حاصل کرسکے) قَالَ اِنَّ اللّٰهَ ۔۔۔ کہا (پیغمبر نے ان سے) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو تمہارے مقابلے میں منتخب کرلیا ہے (اللہ نے حکومت دینے کے لیے اس کا انتخاب کرلیا ہے) اور زیادہ فراخی (وسعت) دی ہے، اس کو علم میں اور جسم میں (اس وقت بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ علم والے سیاست وحکمرانی کے واقف کار) اور ان میں سب سے زیادہ خوبصورت وکامل الخلقت تھے، مطلب یہ ہے کہ جسم کے لحاظ سے حسین اور قوی ہیکل اور رعب دار تھے) وَاللّٰهُ يُؤْتِي اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں (ملک دینا اس پر کوئی اعتراض ممکن نہیں) اور اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں (اپنے فضل کو) جاننے والے ہیں (کہ کون بادشاہت کی اہلیت رکھتا ہے) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ... اور ان کے پیغمبر نے ان سے کہا (جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت پر نشانی مانگی) کہ بے شک طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا (وہ صندوق جس میں انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں، اس صندوق کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر جنت سے نازل کیا تھا اور یہ صندوق آدم اور ان کی اولاد کے پاس ہمیشہ رہا پھر انبیاء میں میراث در میراث حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچ گیا، موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد انبیائے بنی اسرائیل کو یکے بعد دیگرے ملتا رہا۔ فَغَلَبَتْهُمُ الْعَمَالِقَةُ عَلَيْهِ وَاَخَذُوْهُ پھر عمالقہ ان پر غالب آ گئے اور انہوں نے یہ صندوق چھین لیا اور حال یہ تھا کہ بنی اسرائیل اسی صندوق کے ذریعہ اپنے دشمن پر فتح حاصل کرتے تھے اور لڑائی میں اس صندوق کو آگے رکھتے تھے اور اس صندوق سے سکون حاصل کرتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ، اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی خاطر ہے (تمہارے دلوں کی طمانیت ہے) مثلاً توریت کا ہونا اور توریت کا منجانب اللہ ہونا ظاہر ہے) وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ ... اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں یعنی خود موسیٰ اور ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں۔ مفسر علام نے اَیْ تَرَكَاہُ سے اشارہ کیا ہے کہ لفظ آل یہاں تفخیم شان یعنی ان دونوں پیغمبروں کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لیے ہے، جلالین کی دونوں شرح جمل اور صاوی کی عبارت تَرَكَاہُ ھما ہے، اس سے اور وضاحت ہوجاتی ہے کہ لفظ آل زائدہ ہے اور مراد انفسہما ہے، مطلب یہ ہے کہ اس صندوق میں ان دونوں بزرگوں کے متروکہ تبرکات ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دونوں جوتے اور عصاء مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور اسی مَن کا ایک قفیز تھا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا اور اس میں الواح توریت کے کچھ اجزاء تھے) تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اس صندوق کو فرشتے لے آئیں گے (یہ حال ہے یاتیکم کے فاعل سے) بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے (طالوت کی بادشاہت پر) اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (چنانچہ فرشتوں نے اس صندوق کو اٹھالیا آسمان وزمین کے درمیان کہ سارے لوگ دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ طالوت کے نزدیک صندوق کو رکھ دیا تو لوگوں نے ان کی بادشاہت تسلیم کرلی اور فوراً جہاد کی تیاری شروع کردی، چنانچہ طالوت

نے اپنے جوانوں میں سے ستر ہزار کا انتخاب کیا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيْبٍ: یہ استفہام تعجبی ہے۔علیہ وفیہ کے لیے استفہام کا کوئی معنی نہیں۔

قوله: لَمْ يَنْتَهِ: اس سے اشارہ کیا کہ رؤیت یہاں علم کے معنی میں ہے جو لم ینتہ علمک الیھم کے معنی کو متضمن ہے اور الی اسی کا صلہ ہے۔

قوله: فَمَاتُوْا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ کا عطف مقدر پر ہے نہ کہ ملفوظ پر۔

قوله: وَالْقَصْدُ مِنْ ذِكْرِ خَبَرِ: یہ معطوف جو کہ وَقَاتِلُوْا اور معطوف علیہ جو کہ قصہ ہے ان کے مابین مفاہمت کے لیے مقدر مانا گیا۔

قوله: فَيُجَازِيْكُمْ: اس کو سابقہ کلام سے ربط کے لیے لائے۔انفاق پر ابھارنا مقصود ہے۔

قوله: يُمْسِكُ الرِّزْقَ: اس سے اشارہ کیا کہ قبض امساک و منع کے معنی میں ہے۔

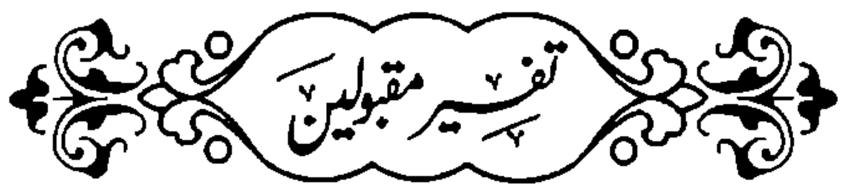
قوله: مَوْتِ مُوْسٰى: اس سے اشارہ کیا کہ مِنْ ابتدائیہ غایت کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں۔

قوله: تَنْتَظِمُ بِهٖ كَلِمَتُنَا: اس سے لڑائی سے رکنے کی وجہ ذکر کی جس کا مدار بادشاہ کی تقرری پر ہے۔

قوله: مَانِعَ: اس سے اشارہ کیا کہ استفہام انکاری ہے جو نفی کے معنی میں آیا ہے۔

قوله: وَزَادَهٗ: یہ ان کی تردید کی دوسری وجہ ہے کہ اس میں سیاسی امور کی معرفت کا خوب علم اور جسمانی قوت بھی برتر ہے تا کہ لڑائی میں جفاکشی دکھا سکے۔

قوله: عَلٰى مُلْكِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ نشانی سے نبوت کی نشانی مراد نہیں طالوت کی امارت کی نشانی مراد ہے۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ....

علامہ بغوی رحمہ اللہ معالم التنزیل ص ۲۲۳ ج۱ میں لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بستی جس کا نام داور دان تھا اس میں طاعون واقع ہو گیا، اس موقع پر ایک جماعت وہاں سے نکل گئی اور ایک جماعت بستی میں رہ گئی۔ جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے اور جو لوگ بستی چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ صحیح سلامت رہے اور پھر بستی میں آ گئے، جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے یہ ساتھی ہم سے زیادہ ہوشیار رہے۔ آئندہ ہم ایسی زمین کی طرف نکل جائیں گے جہاں وباء نہ ہو چنانچہ آئندہ سال طاعون واقع ہوا تو بستی کے تقریباً سب ہی لوگ چلے گئے اور ایک وسیع میدان میں

قیام کرلیا، اس میدان میں نجات پانے کی نیت سے قیام کیا تھا لیکن ہوا یہ کہ ایک فرشتہ نے اوپر کے حصہ سے اور ایک فرشتہ نے میدان کے نچلے والے حصہ سے پکارا اور کہا کہ مُوْتُوْا کہ تم سب مرجاؤ، چنانچہ وہ سب مر گئے۔

دوسرا قول علامہ بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ جو لوگ گھروں سے نکلے تھے یہ لوگ جہاد سے فرار ہوئے تھے جس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ دشمن سے جنگ کے لیے نکلیں ان لوگوں نے اول تو لشکر تیار کرلیا لیکن پھر ان پر بزدلی سوار ہوگئی اور موت سے جان چھڑانے لگے، لہٰذا انہوں نے ایک حیلہ بنایا اور اپنے بادشاہ سے کہا کہ جس سرزمین میں جہاد کرنے کے لیے ہم کو جانے کا حکم ہوا ہے اس میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ جب وبا ختم ہوجائے گی تو ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر موت بھیج دی، جب وہیں ان کی بستی میں موتیں ہونی شروع ہوئیں تو وہ موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ جب بادشاہ نے یہ منظر دیکھا تو بارگاہ خداوندی میں اس نے دعا کی کہ اے اللہ! آپ ان کو کوئی ایسی نشانی دکھا دیجیے جس سے یہ سمجھ لیں کہ موت سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں، اور فرار موت سے نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ جب وہ بستیوں سے نکلے تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: موتوا (مرجاؤ) اور یہ بطور عقوبت و سزا کے فرمایا۔ چنانچہ وہ لوگ مر گئے، ان کے جانور بھی مر گئے اور آن واحد میں سب کو موت آگئی۔ جیسے شخص واحد کی موت ہو، وہ آٹھ دن تک اسی طرح پڑے رہے، یہاں تک کہ نعشیں ان کی پھول گئیں۔ ان کی طرف لوگ نکلے تو اتنی کثیر تعداد کو دفن کرنے سے عاجز آگئے۔ لہٰذا انہوں نے ان کے چاروں طرف احاطہ بنا دیا تاکہ درندے نہ پھاڑ ڈالیں اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا، حضرت حزقیل علیہ السلام جو اس زمانے کے نبی تھے وہ ان لوگوں پر گزرے تو کھڑے ہوگئے اور تعجب سے غور فرمانے لگے، اللہ جل شانہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کیا میں تمہیں کوئی نشانی دکھاؤں عرض کیا، ہاں دکھائیے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو زندہ فرما دیا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان کے زندہ کرنے کے لیے دعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا، جب وہ لوگ زندہ ہوگئے تو ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے۔

(سُبحان اللہ ربنا و بحمدك لا الٰہ الّا أنت) (اے اللہ اے ہمارے رب ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں) زندہ ہو کر یہ لوگ اپنی قوم میں چلے گئے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور سزا کے موت دیدی تھی۔ کیونکہ موت سے بھاگے تھے پھر باقی عمریں پوری کرنے کے لیے زندہ کردیے گئے، اگر ان کی عمریں ختم ہوچکی ہوتیں تو دوبارہ زندہ نہ کیے جاتے۔

یہ لوگ مقدار میں کتنے تھے جو موت کے بعد زندہ ہوئے اس کے بارے میں علامہ بغوی رضی اللہ عنہ نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں ۳ ہزار، ۴ ہزار، آٹھ ہزار، دس ہزار، دس ہزار سے کچھ اوپر، تیس ہزار، چالیس ہزار، ستر ہزار۔ علامہ بغوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے دس ہزار سے زیادہ کہا وہ قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ لفظ الوف جمع کثرت ہے جس کا دس ہزار سے کم پر اطلاق نہیں ہوتا۔

بظاہر یہ سب واقعات اسرائیلیات ہیں اور ان قصوں کے جاننے پر قرآن کا مفہوم سمجھنا موقوف بھی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے ایک واقعہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کو موت دیدی پھر ان سب کو زندہ فرما دیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت

کاملہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسے موت دینے اور پھر زندہ کرنے پر قدرت ہے۔ ایک جان کی موت وحیات اور ہزاروں جانوں کی موت وحیات اس کے لیے سب برابر ہیں۔ آن واحد میں وہ ہزاروں افراد کو موت دے سکتا ہے اور زندہ بھی کر سکتا ہے۔ اس واقعہ میں خاص کر بنی اسرائیل کے لیے تذکیر ہے کیونکہ انہیں اپنے خاندان کے واقعات یاد تھے۔ رسول اللہ (ﷺ) تو امی تھے۔ آپ کو ان باتوں کا پتہ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو باتیں بتائی ہیں۔ اور یہ آپ کی نبوت کے دلائل میں سے روشن دلیل ہے۔ دوسری آیت میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو اس کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کو خطاب ہے جو موت کے بعد زندہ کیے گئے تھے۔ اور یہ بات ان مفسرین کے بیان سے جوڑ بھی کھاتی ہے جنہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جہاد سے بچنے کے لیے راہ فرار اختیار کی تھی، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس میں امت محمدیہ (ﷺ) کو خطاب فرمایا ہے اور ان کو جہاد کا حکم دیا ہے اس قول کے مطابق بنی اسرائیل کے واقعہ کو حکم جہاد کی تمہید کہا جا سکتا ہے کہ جہاد میں شریک ہونے سے موت کا خوف مانع نہ ہونا چاہیے موت کے ڈر سے بھاگنا موت سے بچا نہیں سکتا۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں آدمی بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن موت نے ان کو نہ چھوڑا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا آخرت کے بہت بڑے اجر وثواب اور اعلائے کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے جو جہاد نہ کرے گا موت اس کو بھی آئے گی پھر کیوں اجر وثواب کو کھوئے۔ بعض اہل تفسیر کے قول کے مطابق وہ لوگ طاعون سے بھاگے تھے جو بنی اسرائیل کے لیے عذاب تھا اور اس امت کے لیے رحمت ہے ہمارے نبی فخر الانبیاء والمرسلین (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

طاعون ایک عذاب ہے اللہ جس پر چاہتا ہے اسے بھیج دیتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسے مؤمنین کے لیے رحمت بنایا ہے، جو بھی کوئی شخص کسی ایسی جگہ موجود ہو جہاں طاعون واقع ہو گیا ہو اور صبر کرتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے وہیں ٹھہرا رہے کہ مجھے اس کے سوا کچھ (ضرر) نہیں پہنچ سکتا جو اللہ نے میرے لیے لکھ دیا ہے، تو ایسے شخص کے لیے ایک شہید کا ثواب ہے۔

(رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

یہ تو اس شخص کے لیے ہے جو طاعون کی جگہ ثابت قدم رہا۔ وہاں سے گیا نہیں اور طاعون میں مبتلا نہ ہوا۔ صبر واستقامت کی وجہ سے اسے شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص طاعون میں مر گیا وہ بھی شہیدوں میں شمار ہے۔ (کما رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سنو کہ کسی سرزمین میں طاعون ہے وہاں نہ جاؤ اور جب کسی ایسی سرزمین میں طاعون آ جائے جہاں تم موجود ہو تو اس سے بھاگنے کے لیے مت نکلنا۔ (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص طاعون سے بھاگے وہ ایسے ہے، جیسے میدان جہاد سے بھاگا اور جو صبر کرتے ہوئے وہیں رہے اس کے لیے ایک شہید کا ثواب ہے۔

(رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ ص ۱۳۹ ج ۱)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا...

یعنی جب معلوم ہو چکا کہ اللہ کے حکم میں تمہاری جان اور مال ہے تو اب تم کو چاہیے کہ لڑو کافروں سے اللہ کے واسطے دین کے لئے جان لو کہ خدا تعالیٰ سنتا ہے بہانہ کرنیوالوں کی باتیں اور جانتا ہے ان کے منصوبوں کو اور چاہیے کہ خرچ کرو اللہ کے راستہ میں مال اور تنگی سے مت ڈرو کہ کشایش اور تنگی سب اس کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے۔ قرض حسنہ اسے کہتے ہیں جو قرض دیکر تقاضا نہ کرے اور اپنا احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اسے حقیر نہ سمجھے۔ اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ....

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اور طالوت کی بادشاہت کا ذکر:

ان آیات کریمہ میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ پورا واقعہ پارہ کے ختم کے قریب تک بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ میں بنی اسرائیل کے لیے جہاں تذکیر نعمت ہے وہاں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کے لیے بھی بہت سی عبرتیں ہیں، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد انہی کی قوم میں سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے جو یکے بعد دیگرے آتے رہے، حضرت یوشع، حضرت شمعون، شمویل اور حضرت کالب بن یوقنا اور حضرت حزقیل (علیہم السلام) کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔ یہ حضرات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ اور توریت کے مضامین بیان فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل میں شدہ شدہ بے دینی بلکہ بد دینی تک آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرما دیا۔ جو جالوت کی قوم میں سے اور عمالقہ میں سے تھے اور بحر روم کے ساحل پر مصر و فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ یہ لوگ بنی اسرائیل پر غالب ہو گئے۔ ان کی زمین چھین لی اور ان کی اولاد کو جن میں ان کے بادشاہوں کی نسل کے لوگ بھی تھے قید کر لیا اور ان پر جزیہ لگا دیا، بنی اسرائیل اس موقعہ پر بہت ہی زیادہ مصیبت اور سختی میں مبتلا رہے کوئی ایسا نہ رہا جو ان کا قائد اور مدبر ہوتا۔ جب بہت زیادہ دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوئے تو اس زمانہ میں جو ان کے نبی تھے۔ (اور اسی مصیبت کے زمانہ میں وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہو کر نبوت سے سرفراز ہوئے) ان کی خدمت میں بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اللہ پاک کی طرف سے آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کرا دیں تا کہ ہم ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد کریں اور ان کو اپنے علاقوں سے نکال دیں (چونکہ بنی اسرائیل کو سیاسی حالات میں بادشاہوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی عادت تھی اس لیے انہوں نے ایسا سوال کیا) جب ان لوگوں نے کسی کو بادشاہ بنانے کا سوال کیا اور دشمنوں سے جہاد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کے نبی نے جو ان کے حال اور قال کو جانتے تھے خطرہ ظاہر کیا اور فرمایا کہ تم سے تو یہ امید ہے کہ قتال فرض ہو گیا تو جنگ سے دور بھاگو گے اور لڑائی سے جان چھڑاؤ گے اس پر وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں۔ جنگ نہ لڑنے کا کوئی سبب نہیں بلکہ لڑنے کا سبب موجود ہے اور وہ یہ کہ دشمن نے ہم پر تسلط کر رکھا ہے اس کی وجہ سے ہم اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں اور اپنی اولادوں سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ باتیں تو بڑھ چڑھ کر کر رہے تھے لیکن جب قتال فرض ہو گیا تو وہ خطرہ سامنے آ گیا جو ان کے نبی کو تھا اور تھوڑے لوگوں کے علاوہ باقی سب ارادوں اور وعدوں سے پھر گئے

اور جنگ کرنے سے منہ موڑ لیا۔ اللہ جل شانہ نے ان کی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ بنا دیا اور ان کے نبی نے اس کا اعلان کر دیا۔ عمل اور کارگزاری حضرت طالوت کی تھی اور مشورہ اور رہبری ان کے نبی کی تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہ نبی جن سے مذکورہ بالا درخواست کی تھی شمعون علیہ السلام تھے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا تو اپنی روایتی کجروی کے باعث اسی طرح کی الٹی باتیں کیں جیسا کہ ان کا مزاج تھا اور پرانا طریقہ کار تھا۔ ان کی اس طرح کی باتیں ذبح بقرہ کے واقعہ کے سلسلہ میں گزر چکی ہیں۔ حضرت طالوت کی بادشاہت کا اعلان سننے کے بعد کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے اس کے پاس پیسہ ہے نہ کوڑی، اس سے زیادہ تو ہم بادشاہ بننے کے مستحق ہیں اپنی جہالت سے وہ اللہ تعالیٰ شانہ کو بھی رائے دینے لگے کہ اس کے بجائے ہم میں سے کوئی پیسہ والا بادشاہ ہونا چاہئے، اور یہ انسان کا عجیب مزاج ہے کہ وہ پیسے والے کو بڑا آدمی سمجھتا ہے خواہ کیسا ہی بے علم اور ناسمجھ اور بخیل ہو۔

ان کے نبی نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو منتخب فرمالیا ہے تم پر ان کو ترجیح دے دی اور حکومت کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس میں پوری طرح موجود ہے حکومت کے لیے علم ہونا چاہئے جس کے ذریعہ وہ تدبیر امور کر سکے اور دشمنوں سے نمٹ سکے اور ساتھ ہی جسمانی قوت بھی ہونی چاہئے علم کی تدبیر اور جسم کی قوت سے ہمت ہوتی ہے اور حوصلہ بلند ہوتا ہے اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے لیے انہی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور یوں بھی اللہ کو اختیار ہے وہ جس کو چاہے حکومت اور مملکت عطا فرمائے، تمہیں اعتراض کا کیا حق ہے اور اللہ کے فیصلہ کے خلاف تم رائے دینے والے کون ہوا سے معلوم ہے کہ حکومت ملنے پر کون کیا کرے گا اور کیسا ثابت ہوگا۔ (وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ) ایک نبی کا فرمانا بات ماننے کے لیے اور حضرت طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن ان کے نبی نے حضرت طالوت کی بادشاہت کا ثبوت دینے کے لیے ایک نشانی بھی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ تمہارے پاس وہ تابوت آئے گا جو تمہارے لیے باعث اطمینان وسکون ہوگا۔ اس تابوت میں ان چیزوں کا بقیہ ہوگا جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) نے چھوڑی تھیں چنانچہ وہ تابوت ان لوگوں کے پاس آ گیا جسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے، دشمنوں نے ان سے چھین لیا تھا جب یہ تابوت ان کے پاس تھا تو دشمنوں سے جنگ کرتے وقت اس کو سامنے رکھا کرتے تھے اور اس کے ذریعہ دشمن پر فتح یابی حاصل کر لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) نے جو چیزیں چھوڑیں تھیں ان کا بقیہ کیا تھا جو اس تابوت میں تھا۔ ان کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ توراۃ شریف کی دو تختیاں تھیں اور ان تختیوں کا کچھ چورا تھا جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی، اور کچھ من بھی تھا جو سلویٰ کے ساتھ بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتا تھا، اس تابوت کا ان کے پاس فرشتوں کا لیکر آنا اور دوبارہ واپس مل جانا اس بات کی صریح دلیل تھی کہ حضرت طالوت کو واقعی اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنایا ہے۔ فرشتے یہ تابوت لائے اور حضرت طالوت کے سامنے رکھ دیا لیکن بنی اسرائیل سے پھر بھی یہ بعید نہ تھا کہ انکار کر بیٹھیں اس لیے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا (اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ) (تمہارے لیے اس میں نشانی ہے اگر تم مؤمن ہو)۔ (انوار البیان)

فَلَمَّا فَصَلَ خرج طَالُوتُ بِالْجُنُوْدِ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَكَانَ حرًا شَدِيْدًا وَطَلَبُوْا مِنْهُ الْمَاءَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ مُخْتَبِرُكُمْ بِنَهَرٍ لِيَظْهَرَ الْمُطِيْعُ مِنْكُمْ وَالْعَاصِيْ وَهُوَ بَيْنَ الْاُرْدُنِ وَفِلَسْطِيْنِ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ اَيْ مِنْ مَائِهٖ فَلَيْسَ مِنِّيْ اَيْ مِنْ اَتْبَاعِيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ يذقه فَاِنَّهٗ مِنِّيْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ بِيَدِهٖ فَاكْتَفٰى بِهَا وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا فَاِنَّهٗ مِنِّيْ فَشَرِبُوْا مِنْهُ لَمَّا وَافَوْهُ بِكَثْرَةٍ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاقْتَصَرُوْا عَلَى الْغُرْفَةِ رُوِيَ اَنَّهَا كَفَتْهُمْ لِشُرْبِهِمْ وَدَوَابِّهِمْ وَكَانُوْا ثَلٰثَمِائَةٍ وَبِضْعَةَ عَشَرَ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ هُمُ الَّذِيْنَ اقْتَصَرُوا عَلَى الْغُرْفَةِ قَالُوْا اَيِ الَّذِيْنَ شَرِبُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ اَيْ بِقِتَالِهِمْ وَجَبُنُوْا وَلَمْ يُجَاوِزُوْهُ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ يُوْقِنُوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ بِالْبَعْثِ وَهُمُ الَّذِيْنَ جَاوَزُوْهُ كَمْ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى كَثِيْرٍ مِّنْ فِئَةٍ جَمَاعَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهٖ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ اَيْ ظَهَرُوْا لِقِتَالِهِمْ وَتَصَافُّوْا قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ اَصْبِبْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا بِتَقْوِيَةِ قُلُوْبِنَا عَلَى الْجِهَادِ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ كَسَرُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهٖ وَقَتَلَ دَاوٗدُ وَكَانَ فِيْ عَسْكَرِ طَالُوْتَ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اَيْ دَاوٗدَ اللّٰهُ الْمُلْكَ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَالْحِكْمَةَ النُّبُوَّةَ بَعْدَ مَوْتِ شَمْوِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَطَالُوْتَ وَلَمْ يَجْتَمِعَا لِاَحَدٍ قَبْلَهٗ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاءُ كَصَنْعَةِ الدُّرُوْعِ وَمَنْطِقِ الطَّيْرِ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بَدَلُ بَعْضٍ مِنَ النَّاسِ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ بِغَلَبَةِ الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتْلِ الْمُسْلِمِيْنَ وَتَخْرِيْبِ الْمَسَاجِدِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ فَدَفَعَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ تِلْكَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا نَقُصُّهَا عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾ اَلتَّاكِيْدُ بِاِنَّ وَغَيْرِهَا رَدٌّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهٗ لَسْتَ مُرْسَلًا.

ترجمہ: فَلَمَّا فَصَلَ ..... پھر جب طالوت باہر نکلے لشکروں کو لے کر (اپنے مقام بیت المقدس سے اور گرمی بہت شدید تھی،

لوگوں نے طالوت سے پانی مانگا قَالَ اِنَّ اللّٰهَ ... طالوت نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے (تمہاری آزمائش کریں گے) ایک نہر کے ذریعہ (تاکہ ظاہر ہو کہ تم میں سے کون فرمانبردار ہے اور کون نافرمان؟ اور یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی) فَمَنْ شَرِبَ جس نے اس نہر سے پیا (یعنی اس نہر کا پانی پیا) وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میری پیروی کرنے والوں میں سے نہیں ہے اور جس نے اس کا پانی نہیں چکھا (لَمْ يَطْعَمْهُ بمعنی لَمْ يذقه ہے) تو وہ مجھ سے یعنی میرے ساتھیوں میں سے ہے۔ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ ... مگر جو کوئی پی لے ایک چلو اپنے ہاتھ سے (غُرْفَةً میں دو قراءتیں ہیں بعض نے بفتح الغین اور اکثر نے بضم الغین پڑھا ہے، پس جس نے اس ایک چلو پر اکتفا کیا اور اس سے آگے نہیں بڑھا تو بلاشبہ وہ مجھ سے ہے، میرے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک چلو سے حلق تر کرنے کی اجازت ہے، شکم سیر پینے کی اجازت نہیں، شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ سخت گرمی اور شدت پیاس میں شکم سیر یعنی بھر پیٹ پانی پینا نقصان دہ ہو اور جہاد کے قابل نہ رہے۔ فَشَرِبُوْا مِنْهُ سو سب نے اس نہر سے پی لیا (جب اس نہر پر پہنچے کثرت کے ساتھ یعنی اکثر لوگوں نے) مگر ان میں سے تھوڑے لوگوں نے (کہ ان تھوڑوں نے ایک ہی چلو پر اکتفا کیا، روایت ہے کہ یہی ایک چلو ان کے اور ان کے جانوروں کے لیے کافی ہو گیا اور یہ لوگ تین سو تیرہ تھے۔ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ ... پھر جب پار ہو گئے نہر سے طالوت خود اور جو مؤمنین ان کے ہمراہ تھے (اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے چلو پر اکتفا کیا تھا) قَالُوْا کہنے لگے (یعنی جن لوگوں نے پیا تھا) لَا طَاقَةَ لَنَا ... آج ہم کو تو طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی (یعنی ان سے لڑنے کی طاقت نہیں اور بزدل ہو گئے اور پار نہیں اترے)۔ مفسر سیوطی نے قَالُوْا سے مراد ان نافرمانوں کو بتایا جنہوں نے طالوت کی نافرمانی کر کے شکم سیر پی کر نہر کو عبور نہیں کیا لیکن اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ مراد وہ مؤمنین و مطیعین ہیں جو پار ہو گئے تھے اور پانی تو بالکل نہیں پیا تھا یا صرف ایک چلو پر اکتفا کیا تھا تو یہ لوگ پیاس کی شدت یا اپنی قلت و دشمن کی قوت دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ ہم میں مقابلے کی طاقت نہیں۔ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ .... : وہ لوگ کہنے لگے جو یقین رکھتے تھے (يَظُنُّوْنَ بمعنی يُوْقِنُوْنَ ہے) کہ ہم اللہ سے ملنے والے ہیں (بعث کے ذریعہ یعنی قیامت میں اٹھائے جائیں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو نہر سے پار ہو گئے تھے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ .... (كَمْ خبریہ ہے بمعنی کثیر) بسا اوقات چھوٹی جماعت غالب آ گئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم (ارادہ) سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (نصرت و مدد کے ذریعہ یعنی اللہ کی مدد صابروں کے ساتھ ہے۔ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ .... اور جب یہ (طالوت کے ساتھ) میدان میں آگئے جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے (یعنی ان سے جنگ کرنے کے لیے سامنے آگئے اور صف بندی کر لی) کہنے لگے (حق تعالیٰ سے دعا کرنے لگے) اے ہمارے پروردگار ہم پر ڈال دیجیے (بہا دیجیے ہم پر) صبر اور ہمارے قدموں کو جما دے (ہمارے دلوں کو جہاد پر مضبوط کر کے) اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجیے چنانچہ طالوت والوں نے جالوتیوں کو شکست دیدی (ان کو توڑ دیا) اللہ تعالیٰ کے حکم (ارادہ) سے اور داؤد علیہ السلام نے قتل کر ڈالا جالوت کو (اور داؤد علیہ السلام اس وقت طالوت کے لشکر میں تھے) اور دے دیا اس کو (یعنی داؤد علیہ السلام کو) اللہ تعالیٰ نے بادشاہت (بنی اسرائیل کی) اور حکمت (یعنی نبوت حضرت شمویل اور طالوت کے مرنے کے بعد، حالانکہ داؤد علیہ السلام سے پہلے یہ دونوں نعمتیں نبوت اور بادشاہت کسی ایک شخص میں جمع نہیں

ہوئیں) وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ اور جو کچھ چاہا اس کو سکھا دیا (جیسے زرہوں کا بنانا اور پرندوں کی بولی سمجھنا) وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ .... اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ دفع فرماتے رہتے ہیں بعض لوگوں کو (جو مفسد ہوں اور بَعْضَهُمْ، النَّاسِ سے بدل ہے) بعضوں کے ذریعہ سے تو تمام زمین میں فساد پھیل جائے (مشرکین غالب ہو جائیں، مسلمانوں کو قتل کردیں اور مسجدوں کو ویران) لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر (چنانچہ بعض کے ذریعہ بعض کو دفع کردیا) تِلْكَ .... یہ (آیتیں یعنی مذکورہ واقعہ طالوت کی بادشاہت اور جالوت کا قتل وغیرہ) اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو سناتے ہیں (آپ سے بیان کرتے ہیں اے محمد!) سچائی کے ساتھ (حق بمعنی صدق ہے) اور بلاشبہ آپ رسولوں میں سے ہیں (ان وغیرہ سے تاکید لاکر کافروں کے قول لَسْتَ مُرْسَلًا کی تردید مقصود ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: يذقه: اس سے اشارہ کیا کہ يَطْعَمْهُ یہاں چکھنے کے معنی میں ہے اور عرب کے ہاں یہ مستعمل ہے۔

قوله: فَاِنَّهٗ مِنِّیْ: اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کیا کہ اس کا فَمَنْ شَرِبَ سے استثناء ہے وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ سے نہیں۔

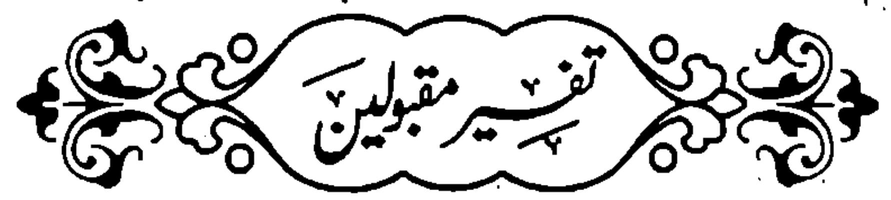
فتامل

قوله: بِالْبَعْثِ: اس سے مضاف کے مقدر ہونے کا اشارہ ہے کیونکہ ذات اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

قوله: اَلنُّبُوَّةَ: اس سے اشارہ کیا کہ حکمت کا یہاں خاص معنی نبوت مراد ہے اس کا عام معنی علم وعمل میں پختگی مراد نہیں۔

قوله: بِغَلَبَةِ: فساد سے مراد مسلمانوں کا قتل ہونا اور مغلوب ہونا اور مشرکین کا غالب آنا مقصود ہے۔ وہ فساد جو ان کی نحوست سے ہے وہ مراد نہیں۔

قوله: فَدَفَعَ بَعْضَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں خصوصی فضل مراد ہے۔ اس وجہ کی بناء پر ماقبل سے اس کا ربط ہو گیا۔



تفسیر مقبولین

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ....

طالوت کے لشکر کا عمالقہ پر غالب ہونا اور جالوت کا مقتول ہونا:

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کا حکمران مقرر کر دیا گیا اور ان کے نبی کی خبر کے مطابق مذکورہ تابوت فرشتے لے کر آ گئے تو اب بنی اسرائیل کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہی، اور جہاد کرنے کے لیے نکلنا پڑا۔ جب دشمن سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت طالوت نے اپنے لشکروں سے فرمایا کہ تم لوگوں کا امتحان ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو مبتلا فرمائے گا اور یہ ابتلا اور امتحان ایک پانی کی نہر کے ذریعہ ہوگا، چونکہ گرمی سخت تھی اور پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے

اس لیے اکثر افراد امتحان میں ناکام ہو گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے یہ نہر فلسطین تھی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اردن اور فلسطین کے درمیان کوئی نہر تھی جس کا پانی میٹھا تھا، حضرت طالوت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو اس میں چلو بھر پانی پینے تک تو بات ٹھیک ہے جس نے چلو بھر پانی پی لیا وہ تو میرا ساتھی ہے میرے آدمیوں میں ہے اور جس نے زیادہ پانی پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے میری جماعت میں اس کا شمار نہیں، چونکہ اکثر افراد نے خوب پانی پی لیا تھا اس لیے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور جی چھوڑ بیٹھے اور ہمت ہار گئے اور کہنے لگے ہم تو آج اپنے دشمن جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ ہماری بساط نہیں کہ ہم ان سے لڑ سکیں۔ مفسرین نے لکھا ہے جو لوگ طالوت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے وہ ستر یا اسی ہزار تھے ان میں سے تھوڑے ہی رہ گئے جنہوں نے پانی نہیں پیا، جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا ان کی تعداد تین سو تیرہ لکھی ہے۔ یہ تھوڑا سا ایک چلو پانی جن لوگوں نے پیا اللہ نے اتنے ہی پانی کو ان کے لیے کافی فرما دیا ان کی پیاسیں اس سے بجھ گئیں اور جن لوگوں نے ڈٹ کے پانی پی لیا تھا وہ وہیں نہر کے کنارے پھیل گئے اور بزدل ہو کر گر پڑے، جو لوگ حضرت طالوت کے ساتھ آگے بڑھے اور دشمن کی طرف پیش قدمی کی وہ دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑے تھے لیکن انہیں یقین تھا کہ ہمیں اللہ کے پاس جانا ہے۔ میدان جہاد سے بھاگنا مؤمن کا شیوہ نہیں۔ ہمیں جہاد کرنا ہی کرنا ہے۔ رہا ہماری جماعت کا کم تعداد ہونا تو اللہ کی مدد کی امید رکھنے والوں کے لیے یہ بات سوچنے کی نہیں ہے۔ بہت سی کم تعداد جماعتیں بڑی بھاری تعداد والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب ہو چکی ہیں، صبر و ثابت قدمی اللہ کی مدد کو لانے والی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت طالوت کا لشکر دشمن سے جہاد کرنے کے لیے جا رہا تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ایک تھیلے میں چند پتھر رکھ لیے تھے جب دونوں فریق مقابل ہوئے تو جالوت نے کہا تم لوگ اپنے میں سے ایک شخص نکالو جو مجھ سے جنگ کرے اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا ملک تمہارا ہو جائے گا۔ اور میں نے قتل کر دیا تو تمہارا ملک میرے ملک میں شامل ہو جائے گا۔ حضرت طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جالوت کے مقابلہ کے لیے روانہ کرنا چاہا اور ان کو ہتھیار پہنا دیئے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس سے جنگ کرنے کے لیے ہتھیار پہننا منظور نہیں ہے۔ اصل اللہ کی مدد ہے اگر اللہ نے مدد نہ فرمائی تو کوئی ہتھیار کام نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر جالوت سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ جالوت نے کہا کہ تم مجھ سے مقابلہ کرو گے انہوں نے فرمایا کہ ہاں، جالوت نے کہا تم تو یہ پتھر اور غلیل لے آئے ہو جس سے کتے کو مارا جاتا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اللہ کا دشمن ہے کتے سے بھی بدتر ہے یہ کہہ کر اپنی غلیل سے ایک پتھر مارا جو اس کی آنکھوں کے درمیان لگا اور دماغ میں گھس گیا۔

اس سے جالوت کا کام تمام ہوا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ جالوت جو ان کا دشمن تھا اور قوم عمالقہ کا بادشاہ تھا اس سے اور اس کے لشکروں سے آمنا سامنا ہوا، دونوں فریق صف آرا ہوئے تو حضرت طالوت کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ سے صبر کی اور ثابت قدمی کی اور کافروں کے مقابلہ میں فتح یاب ہونے کی دعا کی، جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں جالوت اور اس کے لشکروں کو شکست ہوئی، اس جہاد میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی شریک تھے۔ ان کے ہاتھ سے جالوت قتل ہوا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت عطا فرما دی جس کا ذکر سورۂ ص کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے۔

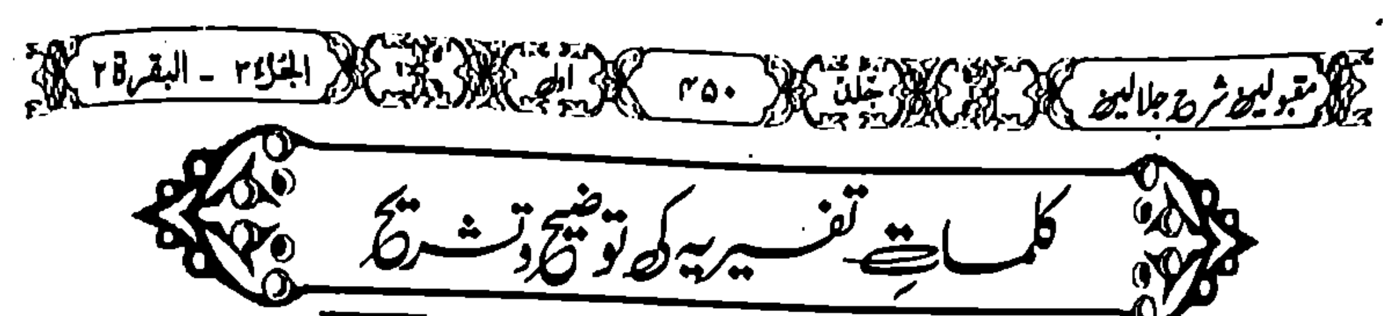
حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ ملک سے حکومت اور حکمت سے نبوت مراد ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دونوں سے سرفراز فرمایا، صاحب روح المعانی ص ۱۷۳ ج ۲ لکھتے ہیں کہ ان کے زمانہ کے جو نبی تھے ان کی وفات کے بعد اور طالوت کی وفات کے بعد ان کو نبوت اور بادشاہت دی۔ جس کا اجمالی طور پر (وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ) میں تذکرہ فرمایا ہے۔ مذکورہ قصہ جہاد بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: (وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ) (کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ فرماتا تو زمین فساد والی ہو جاتی اور لیکن اللہ تعالیٰ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے) وہ قوت اور شوکت والوں کی طاقت کو دوسرے لوگوں کے ذریعہ دفع فرماتا رہتا ہے اور ظالمین تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کسی ایک ہی علاقہ یا ایک ہی قوم کی قوت وشوکت ہمیشہ رہتی تو وہ ساری دنیا کو مصیبت میں ڈال دیتے اور سب کو مقہور و مجبور بنا لیتے اور ہمیشہ طغیانی سرکشی کرتے رہتے۔

آخر میں فرمایا: ''کہ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔'' چونکہ آنحضرت (ﷺ) نے نہ کتابیں پڑھیں تھیں، نہ پرانی تاریخیں سنی تھیں۔ اس لیے ان واقعات کا علم ہو جانا اور لوگوں کو بتانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا ہے۔ قال صاحب الروح قوله (وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ) حيث تخبر بتلك الآيات و القرون الماضية على ما هى عليه من غير مطالعة كتاب ولا اجتماع بأحد يخبر بذلك۔ (ص ۱۷۵ ج ۲)

اختتام پارہ دوم

تِلْكَ مُبْتَدَأٌ الرُّسُلُ صِفَةٌ وَالْخَبَرُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ بِتَخْصِيصِهِ بِمَنْقَبَةٍ لَيْسَتْ لِغَيْرِهِ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ كَمُوسَىٰ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ أَيْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَرَجَاتٍ عَلَىٰ غَيْرِهِ بِعُمُومِ الدَّعْوَةِ وَخَتْمِ النُّبُوَّةِ بِهِ وَتَفْضِيلِ أُمَّتِهِ عَلَىٰ سَائِرِ الْأُمَمِ وَالْمُعْجِزَاتِ الْمُتَكَاثِرَةِ وَالْخَصَائِصِ الْعَدِيدَةِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ قَوَّيْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ جِبْرِيلَ يَسِيرُ مَعَهُ حَيْثُ سَارَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ هُدَى النَّاسِ جَمِيعًا مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ بَعْدَ الرُّسُلِ أَيْ أُمَمُهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ لِاخْتِلَافِهِمْ وَتَضْلِيلِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا لِمَشِيئَةِ ذَٰلِكَ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ ثَبَتَ عَلَىٰ إِيمَانِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ كَالنَّصَارَىٰ بَعْدَ الْمَسِيحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا تَوْكِيدٌ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۲۵۳﴾ مِنْ تَوْفِيقِ مَنْ شَاءَ وَخُذْلَانِ مَنْ شَاءَ

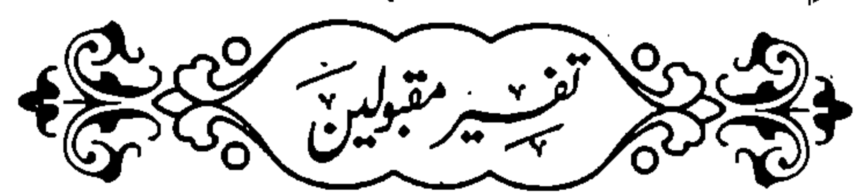
ترجمہ: یہ (تِلْكَ مبتدا ہے) حضرات مرسلین (الرُّسُلُ صفت ہے اور فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ جز ہے، مقصد یہ ہے کہ تِلْكَ سے اشارہ حضرات مرسلین کی طرف ہے جن کا ذکر آیت بالا: وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾ میں آچکا ہے مفسر علام نے اشارہ کیا ہے کہ تِلْكَ موصوف اور الرُّسُلُ صفت مل کر مبتدا ہے فَضَّلْنَا الخ خبر ہے) ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے (بعض کو ایسی منقبت کے ساتھ مخصوص کر کے جو دوسروں کے لیے نہیں ہے) بعض ان میں وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا (جیسے موسیٰ علیہ السلام) اور ان میں سے بعض (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کے درجات بلند کیے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات بلند فرمائے بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت رسالت کو عام فرمایا اور آپ پر نبوت کو ختم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخشی کثیر معجزات و متعدد خصوصیات دے کر) اور ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو کھلے کھلے دلائل (یعنی معجزات) عطا کیے (جیسے ایام شیر خوارگی میں باتیں کرنا، مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو باذن اللہ تندرست کرنا، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ) اور ہم نے ان کی تائید (تقویت) روح القدس (جبرئیل) کے ذریعہ کی (کہ جہاں جاتے حضرت جبرئیل ان کے ساتھ رہتے یہود سے حفاظت کرنے کے لئے) اور اگر اللہ چاہتے (مفسر نے حذف مفعول کی طرف هُدَى النَّاسِ سے اشارہ کیا یعنی اللہ سب لوگوں کو ہدایت کرنا چاہتے) تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ان پیغمبروں کے بعد ہوئے (یعنی ان رسولوں کے بعد ان کی امتیں باہم قتل و قتال نہ کرسکتیں) بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضح آچکے تھے (ان کے باہمی اختلاف اور ایک دوسرے کو گمراہ قرار دینے کی وجہ سے) لیکن وہ لوگ باہم مختلف ہوئے (بسبب مشیت الٰہی کے) سو ان میں بعض نے ایمان لایا (یعنی اپنے ایمان پر ثابت رہا) اور ان میں سے بعض نے کفر کیا (جیسے نصرانی کافر ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد) اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں توفیق دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں رسوا کر دیتے ہیں)۔



قوله: صِفَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ تِلْكَ الرُّسُلُ خبر نہیں مبتدا ہے اور صفت ہے اور فَضَّلْنَا یہ خبر کے بعد خبر ہے۔

قوله: اَیْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس سے اشارہ کیا کہ مبہم کا ذکر کیا اور مراد اس سے معین لی گئی اور ایسے وصف سے جو تعیین سے مستغنی کرنے والا ہے۔

قوله: ثَبَتَ عَلٰى اِيْمَانِهٖ: مضارع کا معنی ماضی کیا کیونکہ ایمان پہلے سے دل میں موجود تھا۔



حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فرق مراتب:

لفظ تلک اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ الرسلین ہے، یعنی یہ پیغمبر جن کا ذکر ابھی ابھی ہوا، ان کو ہم نے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت دی کہ بعض کو ایسی منقبت سے متصف فرمایا جو بعض دوسروں میں نہیں تھی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے تفضیل بالشرائع مراد ہے۔ ان میں سے بعض کو مستقل شریعت دی تھی اور بعض کو سابق نبی ہی کی شریعت کا مؤید و مبلغ بنایا، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۲ ج ۲)، پہلے قول کی تائید (مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ) سے ہوتی ہے۔ انبیاء کرامؑ میں سے بعض ایسے حضرات تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو سب ہی کلیم اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا (وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا) اور اس کلام سے بلا واسطہ کلام مراد ہے جس میں فرشتے کا واسطہ نہیں تھا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ان حضرات میں شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے ہوئے (وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ) بھی فرمایا یعنی بعض انبیاء کے درجات دوسرے بعض انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ بلند فرمائے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں بَعْضَهُمْ سے سرور عالم حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ، نے آپ کو وہ خواص علمیہ وعملیہ عطا فرمائے کہ زبانیں ان کو پوری طرح ذکر کرنے سے عاجز ہیں، آپ رحمۃ للعالمین ہیں، صاحب الخلق العظیم آپ کی صفت خاص ہے۔ آپ پر قرآن کریم نازل ہوا جو پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کا دین ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو معجزات کے ذریعے مؤید ہے۔ مقام محمود اور شفاعت عظمیٰ کے ذریعہ آپ کو رفعت دی گئی ہے اور آپ کے فضائل اور مناقب اتنے زیادہ ہیں جن کا شمار کرنا بندوں کے بس سے باہر ہے، حضرات علماء کرام نے آپ کے معجزات اور مناقب اور خصائص پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب الخصائص الکبریٰ، اور امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ کا مطالعہ کیا جائے، آخر الذکر کتاب سات جلدوں میں ہے جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: (وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ) کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح معجزات عطا کیے اور روح القدس (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعہ ان کی تائید کی، اس کی تفسیر وتشریح سورۃ البقرہ کے رکوع ۱۲ میں گزر چکی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: (وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ) اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ اور قتل وقتال نہ کرتے۔ جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے تشریف لیجانے کے بعد آپس میں مختلف ہو گئے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتیں آپس میں اختلاف کرتی رہیں اور ان میں لڑائیاں ہوتی رہیں حالانکہ ان کے پاس کھلے ہوئے دلائل موجود تھے۔ اگر ان کو سامنے رکھتے تو نہ مختلف ہوتے نہ جنگ کرتے ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور انبیاء علیہم السلام کے متبع بنے اور بہت سے لوگوں نے کفر اختیار کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو ان کا آپس میں قتل وقتال نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور فاعل ہے وہ جو چاہے کرلے اس پر کسی کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

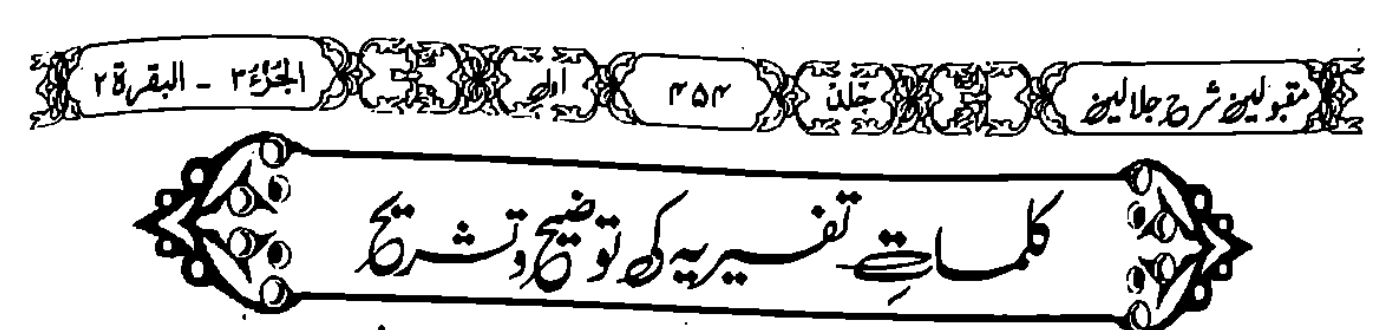
(انوار البیان)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ زکوتہ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فداء فِیْهِ وَ لَا خُلَّةٌ صداقۃ تنفع وَّ لَا شَفَاعَةٌ بغیر اذنہ وھو یوم القیمۃ وفی قراءۃ برفع الثلاثۃ وَ الْكٰفِرُوْنَ باللہ او بما فرض علیھم هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ لوضعھم امر اللہ تعالی فی غیر محلہ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ ای لا معبود بحق فی الوجود اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ دائم البقاء الْقَیُّوْمُ المبالغ فی القیام بتدبیر خلقہ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ نعاس وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ملکا وخلقا وعبیدا مَنْ ذَا الَّذِیْ ای لا احد یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ لہ فیھا یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ای الخلق وَ مَا خَلْفَهُمْ ای امر الدنیا والاخرۃ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ لا یعلمون شیئا من معلوماتہ اِلَّا بِمَا شَآءَ ان یعلمھم بہ منھا باخبار الرسل وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قیل احاط علمہ بھما وقیل ملکہ وقیل الکرسی بعینہ مشتمل علیھما لعظمتہ لحدیث ما السموت السبع فی الکرسی الا کدراھم سبعۃ القیت فی ترس وَ لَا یَئُوْدُهٗ یثقلہ حِفْظُهُمَا ای السموت والارض وَ هُوَ الْعَلِیُّ فوق خلقہ بالقھر الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ الکبیر لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ علی الدخول فیہ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ای ظھر بالایات البینات ان الایمان رشد والکفر غی نزلت فیمن کان لہ من الانصار اولاد اراد ان یکرھھم علی الاسلام فَمَنْ

يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ الشَّيطَانِ اَوِ الْاَصْنَامِ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْمُفْرَدِ وَالْجَمْعِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ تَمَسَّكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ بِالْعَقْدِ الْمُحْكَمِ لَا انْفِصَامَ اِنْقِطَاعَ لَهَا ۗ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ لِمَا يُقَالُ عَلِيْمٌ ۝ بِمَا يُفْعَلُ اَللّٰهُ وَلِيُّ نَاصِرُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الْكُفْرِ اِلَى النُّوْرِ ۬ الْاِيْمَانِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ ذِكْرُ الْاِخْرَاجِ اِمَّا فِيْ مُقَابَلَةِ قَوْلِهٖ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اَوْ فِيْ كُلِّ مَنْ اٰمَنَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ بِعْثَتِهٖ مِنَ الْيَهُوْدِ ثُمَّ كَفَرَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والوخرچ کرلوان چیزوں سے جوہم نے تم کودی ہیں (یعنی زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو) قبل اس کے کہ وہ دن آجائے کہ جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی (یعنی کوئی فدیہ و بدل قبول نہیں) اور نہ دوستی ہوگی (یعنی ایسی دوستی جو نافع ہو کہ کوئی اپنے اعمال خیر دیدے) اور نہ کوئی شفاعت ہوگی (یعنی بغیر اجازت الٰہی کے کسی سے سفارش ممکن نہ ہوگی اور وہ دن قیامت کا ہے، ایک قراءت میں تینوں لفظ بیع، خلۃ اور شفاعۃ رفع کے ساتھ ہیں) اور جو کافر ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے مقررہ فرائض سے انکار کرنے والے ہیں) وہی ظالم ہیں حکم خداوندی کو بے محل رکھنے کی وجہ سے) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (یعنی معبود برحق موجود نہیں ہے اگر چہ مشرکین بزعم خود معبود باطل بناتے ہیں لیکن معبود حق، عبادت کے لائق اللہ تعالیٰ کے سوا وجود میں نہیں ہے) وہ زندہ ہے (ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کو کبھی موت نہیں آسکتی) سنبھالنے والا ہے (اپنی مخلوق کی تدبیر کے ساتھ قیام کرنے میں نہایت کامل) نہ اس کو اونگھ پکڑ سکتی ہے نہ نیند (سِنَةٌ بمعنی نعاس یعنی اونگھ اور غنودگی ہے) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے (یعنی باعتبار خلق و باعتبار بندہ ہونے کے سب اس کے مملوک ومخلوق بندے ہیں) کون ہے ایسا شخص؟ (یعنی کوئی نہیں) جو اس کے پاس سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے (لَهٗ فِيْهَا اس شخص کو سفارش کرنے میں) وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے (یعنی مخلوق کے تمام حالات حاضرہ کو) اور جو ان کے پیچھے ہے (یعنی دنیا وآخرت کا معاملہ) اور وہ سب کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے ہیں اللہ کے علم یعنی معلومات میں سے (یعنی اس کی معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جان سکتے) مگر جس قدر وہ چاہے (یعنی مخلوق کو جس قدر علم دینا چاہئے بذریعہ خبر دینے اپنے رسولوں کے اپنے معلومات میں سے) اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین اپنے اندر لے رکھا ہے بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس کے علم نے آسمانوں اور زمین کا احاطہ کر رکھا ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس کا ملک مراد ہے یعنی حکومت واقتدار، اور بعض کہتے ہیں کہ کرسی بعینہٖ اتنی وسیع اور بڑی ہے جو اپنی عظمت کی وجہ سے ان دونوں پر مشتمل ہے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے آگے ایسے ہیں کہ جیسے ایک ڈھال میں سات درہم ڈال دئے گئے ہوں) اور اللہ تعالیٰ کو تھکاتی نہیں (گراں بار نہیں کرتی) ان دونوں (یعنی آسمان و زمین) کی حفاظت اور وہ عالیشان ہے (یعنی مخلوق پر بلند و بالا ہے غلبہ کے ساتھ) عظمت والا (بڑے مرتبہ والا اَلْحَیُّ

اَلْقَیُّوْمُ لفظ حی کے معنی عربی زبان میں ہیں ''زندہ'' اسمائے الٰہیہ میں سے یہ لفظ لا کر یہ بتلانا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے، وہ موت سے بالاتر ہے۔ لفظ قیوم قیام سے نکلا ہے قیام کے معنی کھڑا ہونا قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں، قیوم اور قیام مبالغہ کے صیغے کہلاتے ہیں ان کے معنی ہیں وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے، قیوم حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی کیونکہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقا میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ کسی دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہیں اس لئے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں جو لوگ عبدالقیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں گنہگار ہوتے ہیں۔ (معارف) سنۃ بکسر السین صیغہ صفت ہے غنودگی، اور از باب سمع یسمع وسن یوسن وسناو سنۃ، اونگھنا غنودگی سے بیہوش ہونا۔ سنۃ اصل میں وسن تھا عدۃ کی طرح اس کی ھا واؤ کے بدلہ میں ہے۔ دین میں زبردستی نہیں (یعنی دین میں داخل ہونے پر کسی طرح کا جبر نہیں ہے) بیشک ہدایت ممتاز ہو چکی ہے گمراہی سے (آیات بینات یعنی رسول اللہ ﷺ کے معجزات و دلائل سے واضح ہو چکا ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی، یہ آیت اس انصاری شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کے کئی فرزند تھے اور اس انصاری نے چاہا کہ ان کو اسلام لانے پر مجبور کرے) پس جو کوئی منکر ہو طاغوت کا) طاغوت سے مراد شیطان ہے یا بت، طاغوت کا اطلاق مفرد و جمع دونوں پر آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ شیاطین یا بتوں سے بیزار ہو جائے) اور اللہ پر ایمان لے آوے تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ (اِسْتَمْسَكَ بمعنی تَمَسَّكَ ہے یعنی س اور تا زائدہ ہے) جس کو کسی طرح شکستگی نہیں (انفصام بمعنی انقطاع یعنی ٹوٹنے کے ہیں) اور اللہ خوب سننے والے ہیں (جو کچھ کہا جاتا ہے) اور خوب جاننے والے ہیں (جو کچھ کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری اقوال و باطنی احوال سے خوب واقف ہیں پس اگر آپ ﷺ کی دعوت پر صرف زبان سے اسلام قبول کرے اور دل میں کفر رکھے گا تو حق تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا) اللہ ساتھی (مددگار) ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور (ایمان) کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (قول المفسر، ذِكْرُ الْإِخْرَاجِ إِمَّا فِيْ مُقَابَلَةِ الخ سے ایک شبہ کا جواب ہے کہ کافروں کو نور سے ظلمات کی طرف کیونکر نکالتے ہیں جب کہ کافر نور میں کبھی تھا ہی نہیں مفسر سیوطیؒ نے اس کے دو جواب دئے ہیں نمبر ا یہاں اخراج کا ذکر بطریق مقابلہ ہے اس سے پہلے مؤمنوں کے بیان میں ظلمات سے نور کی طرف اخراج تھا یہاں مقابلہ میں نور سے ظلمات کی طرف اخراج بطور مشاکلہ و مقابلہ ذکر کیا گیا مقصد نور سے منع ہے جیسے حضرت یوسفؑ کا قول: إِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ میں نے ایسی قوم کی ملت چھوڑ دی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یوسف علیہ السلام پہلے بھی کافروں کی ملت میں نہ تھے تو یہاں بھی یوسف علیہ السلام کا ملت کفار سے رکنا اور بچنا مراد ہے۔ دوسرا جواب: ''او فی کل من امن بالنبی الخ سے دیا ہے یا ان یہودیوں کے بارے میں جو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان رکھتے تھے توریت کے ذریعہ آپ ﷺ کو مانتے تھے اور باضابطہ اظہار و اعلان کرتے تھے کہ آخری پیغمبر مبعوث ہونے والے ہیں لیکن جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد طاغوت کی پیروی میں کافر ہو گئے پس نور سے ظلمات کی طرف اخراج ہوا۔



قولہ: فِدَآءٍ: بیع سے مراد حصولِ فدیہ ہے گویا سبب ذکر کر کے مسبّب مراد لیا گیا ہے کیونکہ نفس بیع تو عذاب سے چھٹکارے کے لیے مفید نہیں۔

قولہ: بِاللہِ اَوْ بِمَا فُرِضَ: اس سے اشارہ کیا کہ کفر سے یہاں حقیقی کفر مراد ہے نہ کہ مجازی۔

قولہ: لِوَضْعِهِمْ اَمْرَ اللہِ تَعَالٰی: اس سے اشارہ ہے کہ ظالمین سے یہاں کامل ظالم مراد ہیں اور وہ کفار ہی ہیں۔

قولہ: لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مطلق معبود مراد نہیں بلکہ حقیقی معبود مراد ہے۔

قولہ: فِی الْوُجُوْدِ: اس سے اشارہ کیا کہ لَآ کی خبر محذوف ہے اور وہ فِی الْوُجُوْدِ ہے۔

قولہ: دَائِمُ الْبَقَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ اَلْحَیُّ کی یہ تعریف الذی یصح ان یعلم ویقدر کمزور ہے۔

قولہ: لَا اَحَدَ: اس سے اشارہ ہے کہ یہاں استفہام نفی کے لیے ہے۔

قولہ: اَمْرَ الدُّنْیَا: اس سے اشارہ کیا کہ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ سے امر دنیا و آخرت مراد ہے۔ فقط ان کے معاملات مراد نہیں۔

قولہ: اَحَاطَ عِلْمُهٗ: یعنی اس کی کرسی اس کے علم یا ملک سے مجاز ہے، یعنی کرسی کا ذکر کر کے مراد علم لیا (مگر سلف کی تعبیر اعلیٰ و اولیٰ ہے کہ کرسی ثابت ہے جیسا اس کی ذات کے لائق ہے)۔

قولہ: اَلْکَبِیْرُ: اس سے عظیم کے معنی کی طرف اشارہ کیا، جسم میں بڑا ہونا مراد نہیں، شان میں بڑائی مراد ہے۔

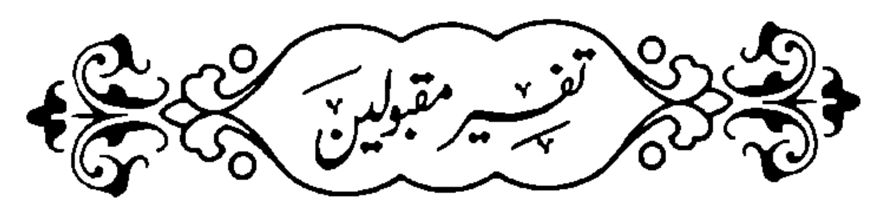
قولہ: عَلَی الدُّخُوْلِ فِیْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ اکراہ کا تعلق کسی کو اسلام میں زبردستی داخل کرنے سے ہے نہ کہ مطلق اکراہ۔

قولہ: وَهُوَ یُطْلَقُ: اشارہ کیا کہ اس میں مفرد و جمع برابر ہیں۔

قولہ: بِالْعَقْدِ الْمُحْکَمِ: یہ تمسک حق سے استعارہ ہے اور حق درست سوچ اور مضبوط رائے کا نام ہے۔

قولہ: نَاصِرُ: اس سے اشارہ کیا کہ وَلِیُّ یہاں قرب کے معنی میں نہیں بلکہ نَاصِرُ کے معنی میں ہے۔

قولہ: ذِکْرُ الْاِخْرَاجِ: اس سے اشارہ کیا کہ اگرچہ کفار ایمان میں آئے ہی نہیں کہ اخراج لازم آئے، دراصل اخراج کا تذکرہ تقابل کے لیے فرمایا ہے۔ فتأمل



انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب:

روز قیامت آنے سے پہلے پہلے اللہ کے لیے خرچ کر لو۔

اس آیت شریفہ میں مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور لفظ رَزَقْنٰكُمْ میں یہ بتادیا کہ یہ مال ہمارا ہی دیا ہوا ہے جس نے مال دیا اس کو پورا پورا حق ہے کہ مال خرچ کرنے کا حکم فرمائے نیک کاموں میں فرائض واجبات کے مصارف بھی ہیں اور مستحب و نفلی صدقات بھی اور جس طرح بدنی عبادات (نماز روزہ) آخرت کے عذاب سے بچانے کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح مالی عبادات بھی اس کا سبب ہیں۔

صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: (اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشَقِّ تَمْرَةٍ) (دوزخ سے بچو اگرچہ آدھی ہی کھجور کا صدقہ کردو) قیامت کا دن بہت سخت ہوگا نفسانفسی کا عالم ہوگا۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ ہی کام دیں گے۔ اس دن نہ بیع ہوگی، نہ دوستی نہ سفارش، لہٰذا اس دن نجات پانے اور عذاب سے بچنے کے لیے اعمال صالحہ کرتے رہنا چاہئے۔ اعمال صالحہ میں اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ''اس دن بیع نہیں ہوگی۔'' اس کے بارے میں حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے فدیہ یعنی جان کا بدلہ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی جان کسی جان کے بدلہ عذاب بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہوگی جیسا کہ سورۃ البقرہ کے چھٹے رکوع میں فرمایا: (لَا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا) اور فدیہ کی صورت میں کیونکہ مبادلہ ہوتا ہے اس لیے اسے بیع سے تعبیر فرمایا۔ اور یہ جو فرمایا وَلَا خُلَّةٌ اس میں دوستی کی نفی فرمائی مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن دنیا کی کوئی دوستی کسی کو کام نہ دے گی یہاں جو محبتیں ہیں اور دوستی کے مظاہرے ہیں یہ وہاں بالکل نہ رہیں گے بلکہ دوست دشمن ہو جائیں گے۔ کوئی دوست کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔ یہ اہل کفر اور اہل فسق کے بارے میں ہے۔ متقی حضرات کی محبتیں باقی رہیں گی جیسا کہ سورۃ الزخرف میں ارشاد فرمایا: (اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ)

(کہ اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوائے ان لوگوں کے جو صفت تقویٰ سے متصف تھے)۔ (وَلَا شَفَاعَةٌ) فرما کر شفاعت یعنی سفارش کی نفی فرمادی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لیے اس دن کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ المؤمن میں فرمایا:

(مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ) (کہ ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا نہ سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے۔ اہل ایمان کے لیے جو شفاعت ہوگی اس میں اس کی نفی نہیں ہے جس کو سفارش کرنے کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لیے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اس کے لیے سفارش ہو سکے گی۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور کافر ہی بے جا حرکتیں کرنے والے ہیں' عبادت بے محل کرتے ہیں اور مال صرف بے محل کرتے ہیں علاوہ ازیں اللہ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے اور اپنی جانوں کو عذاب خداوندی میں مبتلا کرتے ہیں اس طرح وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ پس اے ایمان والو! تم ان کی طرح نہ بنو۔ یا آیت میں الکافرون سے مراد وہ کافر ہیں جو زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر تھے۔

بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے الکافرون سے مراد ہیں زکوٰۃ نہ دینے والے، ترک زکوٰۃ کی برائی کی شدت کو ظاہر کرنے کے

لیے زکوٰۃ نہ دینے کو کفر سے تعبیر کیا۔ جیسے حج نہ کرنے کو کفر کرنے سے تعبیر کیا ہے اور من لم یحج کی جگہ من کفر فرمایا ہے نیز آیت: وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ میں عدم ادائے زکوٰۃ کو مشرکوں کی صفت قرار دیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ ترک زکوٰۃ کافروں کی خصوصیت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد عرب مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ اونٹ کی ٹانگ باندھنے کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ میں نے کہا: اے جانشین رسول اللہ لوگوں کو ملائے رکھئے ان سے نرمی کیجئے فرمایا: تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے (اب) اسلام میں کیا ضعیف ہو گئے۔ یقیناً وحی ختم ہو گئی دین کامل ہو گیا تو کیا میری زندگی میں دین میں نقصان ہو سکے گا۔ (رواہ رزین)

آیۃ الکرسی کے خاص فضائل:

یہ آیت قرآن کریم کی عظیم ترین آیت ہے، احادیث میں اس کے بڑے فضائل و برکات مذکور ہیں مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو سب آیات سے افضل فرمایا ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابی بن کعب سے دریافت کیا کہ قرآن میں کونسی آیت سب سے زیادہ عظیم ہے ابی بن کعب نے عرض کیا آیت الکرسی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا اے ابوالمنذر تمہیں علم مبارک ہو۔

حضرت ابوذر نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن میں عظیم تر آیت کونسی ہے؟ فرمایا آیت الکرسی۔ (ابن کثیر عن احمد فی المسند)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ میں ایک آیت ہے جو سیدہ آیات القرآن ہے وہ جس گھر میں پڑھی جائے شیطان اس سے نکل جاتا ہے۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جو شخص ہر نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی پڑھا کرے تو اس کو جنت میں داخل ہونے کے لئے بجز موت کے کوئی مانع نہیں ہے یعنی موت کے بعد فوراً وہ جنت کے آثار اور راحت و آرام کا مشاہدہ کرنے لگے گا۔

اللہ جل شانہ، کی صفات جلیلہ کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید ذات وصفات کا بیان ایک عجیب وغریب انداز میں بیان کیا گیا ہے جس میں اللہ جل شانہ کا موجود ہونا، زندہ ہونا، سمیع وبصیر ہونا، متکلم ہونا، واجب الوجود ہونا، دائم وباقی ہونا، سب کائنات کا مالک ہونا، صاحب عظمت وجلال ہونا کہ اس کے آگے کوئی بغیر اس کی اجازت کے بول نہیں سکتا، ایسی قدرت کاملہ کا مالک ہونا کہ سارے عالم اور اس کی کائنات کو پیدا کرنے باقی رکھنے اور ان کا نظام محکم قائم رکھنے سے اس کو نہ کوئی تھکان پیش آتا ہے نہ سستی ایسے علم محیط کا مالک ہونا جس سے کوئی کھلی یا چھپی چیز کا کوئی ذرہ یا قطرہ باہر نہ رہے یہ اجمالی مفہوم ہے اس آیت کا اب تفصیل کے ساتھ اس کے الفاظ کے معنی سنئے۔

اس آیت میں دس جملے ہیں پہلے جملہ ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس میں لفظ اللہُ اسم ذات ہے جس کے معنی ہیں وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ میں اسی ذات کا بیان ہے کہ قابل عبادت اس ذات کے سوا کوئی چیز نہیں۔

دوسرا جملہ ہے: اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لفظ حَیُّ کے معنی عربی زبان میں ہیں زندہ اسمائے الٰہیہ میں سے یہ لفظ لا کر یہ بتلانا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے وہ موت سے بالاتر ہے لفظ قیوم، قیام سے نکلا ہے، قیام کے معنے کھڑا ہونا قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں قیوم اور قیام مبالغہ کے صیغے کہلاتے ہیں انکے معنی ہیں وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے قیوم حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی کیونکہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقاء میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ کسی دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہیں؟ اس لئے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں، جو لوگ عبدالقیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں گنہگار ہوتے ہیں۔

اللہ جل شانہ کے اسماء صفات میں حیّ وقیّوم کا مجموعہ بہت سے حضرات کے نزدیک اسم اعظم ہے حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں میں نے ایک وقت یہ چاہا کہ حضور (ﷺ) کو دیکھوں آپ کیا کر رہے ہیں، پہنچا تو دیکھا کہ آپ سجدہ میں پڑے ہوئے بار بار یاحیّ یا قیُّوم یا حی یا قیُّوم کہہ رہے ہیں۔

تیسرا جملہ: لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ہے لفظ سنۃٌ سین کے زیر کے ساتھ اونگھ کو کہتے ہیں جو نیند کے ابتدائی آثار ہوتے ہیں اور نومٌ مکمل نیند کو، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اونگھ اور نیند سب سے بری و بالا ہے پچھلے جملے میں لفظ قیوم نے جب انسان کو یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سارے آسمانوں، زمینوں اور ان میں سمانے والی تمام کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہیں اور ساری کائنات اسی کے سہارے قائم ہے تو ایک انسان کا خیال اپنی جبلت وفطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکان بھی ہونا چاہئے کچھ وقت آرام اور نیند کے لئے بھی ہونا چاہئے اس دوسرے جملے میں محدود علم وبصیرت اور محدود قدرت رکھنے والے انسان کو اس پر متنبہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر یا دوسری مخلوقات پر قیاس نہ کرے اپنا جیسا نہ سمجھے وہ مثل ومثال سے بالاتر ہے اس کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سارے کام نہ کچھ مشکل ہیں نہ اس کے لئے تکان کا سبب ہیں اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات اور تکان وتعب اور اونگھ اور نیند سے بالاتر ہے۔

چوتھا جملہ ہے: لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اس کے شروع میں لفظ لہ کا لام تملیک کے معنی کے لئے آیا ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ تمام چیزیں جو آسمانوں یا زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں وہ مختار ہے جس طرح چاہے ان میں تصرف فرمادے۔

پانچواں جملہ: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یعنی ایسا کون ہے جو اس کے آگے کسی کی سفارش کر سکے بدوں اس کی اجازت کے، اس میں چند مسائل بیان فرمادیئے ہیں۔

اول یہ کہ جب اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے کوئی اس سے بڑا اور اس کے اوپر حاکم نہیں تو کوئی اس سے کسی کام کے

بارے میں باز پرس کرنے کا بھی حق دار نہیں وہ جو حکم جاری فرمائیں اس میں کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں ہاں یہ ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص کسی کی سفارش وشفاعت کرے سو اس کو بھی واضح فرمادیا کہ بارگاہ عزت وجلال میں کسی کو مجال دم زدن نہیں، ہاں کچھ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں جن کو خاص طور پر کلام اور شفاعت کی اجازت دے دیجائیگی غرض بلا اجازت کوئی کسی کی سفارش وشفاعت بھی نہ کرسکے گا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ محشر میں سب سے پہلے میں ساری امتوں کی شفاعت کروں گا اس کا نام مقام محمود ہے جو حضور (ﷺ) کی خصوصیات میں سے ہے۔

چھٹا جملہ ہے، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے آگے پیچھے کے تمام حالات و واقعات سے واقف وباخبر ہے آگے اور پیچھے کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد کے تمام حالات وواقعات حق تعالیٰ کے علم میں ہیں اور یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ آگے سے مراد وہ حالات ہیں جو انسان کے لئے کھلے ہوئے ہیں اور پیچھے سے مراد اس سے مخفی واقعات وحالات ہوں تو معنی یہ ہوں گے کہ انسان کا علم تو بعض چیزوں پر ہے اور بعض پر نہیں کچھ چیزیں اس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں کچھ چھپی ہوئی مگر اللہ جل شانہ کے سامنے یہ سب چیزیں برابر ہیں اس کا علم ان سب چیزوں کو یکساں محیط ہے اور ان دونوں مفہوموں میں کوئی تعارض نہیں آیت کی وسعت میں یہ دونوں داخل ہیں۔

ساتواں جملہ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ہے یعنی انسان اور تمام مخلوقات اللہ کے علم کے کسی حصہ کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے مگر اللہ تعالیٰ ہی خود جس کو جتنا حصہ علم عطا کرنا چاہیں صرف اتنا ہی اس کو علم ہوسکتا ہے اس مین بتلا دیا گیا کہ تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم محیط صرف اللہ جل شانہ کی خصوصی صفت ہے انسان یا کوئی مخلوق اس میں شریک نہیں ہوسکتی۔

آٹھواں جملہ ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی اس کی کرسی اتنی بڑی ہے جس کی وسعت کے اندر ساتوں آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں اللہ جل شانہ نشست وبرخاست اور حیز ومکان سے بالاتر ہیں اس قسم کی آیات کو اپنے معاملات پر قیاس نہ کیا جائے اس کی کیفیت وحقیقت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے البتہ مستند روایات حدیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور کرسی بہت عظیم الشان جسم ہیں جو تمام آسمان اور زمین سے بدر جہا بڑے ہیں، ابن کثیر نے بروایت حضرت ابوذر غفاری نقل کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت (ﷺ) سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی حلقہ انگشتری جیسا ڈال دیا جائے۔

اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ عرش کے سامنے کرسی کی مثال بھی ایسی ہی ہے جسے ایک بڑے میدان میں انگشتری کا حلقہ۔

نواں جملہ ہے: وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا یعنی اللہ تعالیٰ کو ان دونوں عظیم مخلوقات آسمان وزمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سب چیزیں نہایت آسان ہیں۔

دسواں آخری جملہ ہے، وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ یعنی وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے۔ پچھلے نو جملوں میں حق تعالیٰ کی

ذات وصفات کے کمالات بیان ہوئے ہیں ان کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ہر عقل رکھنے والا انسان یہی کہنے پر مجبور ہے کہ ہر عزت وعظمت اور بلندی وبرتری کی مالک وسزاوار وہی ذات پاک ہے ان دس جملوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی توحید کا مضمون پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ آ گیا۔ (معارف القرآن)

جبر اور دعوت اسلام

یہاں یہ بیان ہورہا ہے کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کر، اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی اس کے دلائل وبراہین بیان ہو چکے ہیں پھر کسی اور جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت ہدایت دے گا، جس کا سینہ کھلا ہوا دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی وہ تو خود بخود اس کا والہ وشیدا ہو جائے گا، ہاں اندھے دل والے بہرے کانوں والے پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ؟ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کیلئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنادیں گے، یہودیوں کے سپرد کر دیں گے، اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے، جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ کے دین کے انصار بنے، یہودیوں سے جنگ ہوئی اور ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کیلئے سرور رسل علیہ السلام نے یہ حکم جاری فرمایا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جائے، اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جو ان کے پاس تھے ان سے طلب کئے تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو، ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنوسالم بن عوف کا ایک شخص حصینی نامی تھا جس کے دو لڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا، اس نے نبی (ﷺ) کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں، ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں، اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی، اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کیلئے کشمش لے کر آیا تھا جن کے ہاتھوں پر دونوں لڑکے نصرانی ہوگئے تھے جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہوگئے، ان کے باپ نے حضور (ﷺ) سے یہ ذکر کیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کیلئے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بنالوں، ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کیلئے اپنے آدمی بھیجنے پڑیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، حضرت عمر کا غلام اسبق نصرانی تھا، آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا، آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی اسلام جبر سے روکتا ہے، علماء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو نسخ وتبدیل توراۃ وانجیل کے پہلے دین مسیحی اختیار کر چکے تھے اور اب وہ جزیہ پر رضامند ہو جائیں، بعض اور کہتے ہیں آیت قتال نے اسے منسوخ کر دیا، تمام انسانوں کو اس پاک دین کی دعوت دینا ضروری ہے، اگر کوئی انکار کرے تو بیشک مسلمان اس سے جہاد کریں، جیسے اور جگہ ہے آیت: (سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ) (الفتح:١٦) عنقریب تمہیں اس قوم کی طرف بلایا جائے گا جو بڑی لڑاکا ہے یا تو تم اس سے لڑو گے یا

وہ اسلام لائیں گے، اور جگہ ہے اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر، اور جگہ ہے ایماندارو! اپنے آس پاس کے کفار سے جہاد کرو، تم میں وہ گھر جائیں اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے، صحیح حدیث میں ہے، تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں، یعنی وہ کفار جو میدان جنگ میں قیدی ہو کر طوق وسلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضور (ﷺ) نے کہا مسلمان ہو جاؤ، اس نے کہا حضرت میرا دل نہیں مانتا آپ (ﷺ) نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو، یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی آنحضرت (ﷺ) تک اس میں تین راوی ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ نے اسے مجبور کیا، مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ پڑھ لے، پھر ایک دن وہ بھی آئے گا اللہ تیرے دل کو کھول دے اور تو دل سے بھی اسلام کا دلدادہ ہو جائے گا، حسن نیت اور اخلاص عمل تجھے نصیب ہو، جو شخص بت اور اوثان اور معبودان باطل اور شیطانی کلام کی قبولیت کو چھوڑ دے اللہ کی توحید کا اقراری اور عامل بن جائے وہ سیدھا اور صحیح راہ پر ہے۔ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں جبت سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، دلیری اور نامردی دونوں اونٹ کے دونوں طرف کے برابر بوجھ ہیں جو لوگوں میں ہوتے ہیں۔ ایک دلیر آدمی تو انجان شخص کی حمایت میں بھی جان دینے پر تل جاتا ہے لیکن ایک بزدل اور ڈرپوک اپنی سگی ماں کی خاطر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ انسان کا حقیقی کرم اس کا دین ہے، انسان کا سچا نسب حسن وخلق ہے گو وہ فارسی ہو یا نبطی، حضرت عمر کا طاغوت کو شیطان کے معنی میں لینا بہت ہی اچھا ہے اس لئے کہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو اہل جاہلیت میں تھی، بت کی پوجا کرنا، ان کی طرف حاجتیں لے جانا ان سے سختی کے وقت طلب امداد کرنا وغیرہ۔ پھر فرمایا اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا، یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب کو لے لیا جو نہ ٹوٹے نہ پھوٹے، خوب مضبوط مستحکم قوی اور گڑا ہوا، عروہ وثقیٰ سے مراد ایمان اسلام توحید باری قرآن اور اللہ کی راہ کی محبت اور اسی کیلئے دشمنی کرنا ہے، یہ کڑا کبھی نہ ٹوٹے گا یعنی اس کے جنت میں پہنچنے تک، اور جگہ ہے آیت (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ) (الرعد: ۱۱) اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بگاڑتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بگاڑ لے، مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے حضرت قیس بن عبادہ فرماتے ہیں میں مسجد نبوی میں تھا جو ایک شخص آیا جس کا چہرہ اللہ سے خائف تھا نماز کی دو ہلکی رکعتیں اس نے ادا کیں، لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ جنتی ہیں، جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا، باتیں کرنے لگا جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا، کہا سبحان اللہ کسی کو وہ نہ کہنا چاہئے جس کا علم اسے نہ ہو، ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضور (ﷺ) کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سرسبز گلشن میں ہوں اس کے ایک درمیان لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے مجھ سے کہا گیا اس پر چڑھ جاؤ، میں نے کہا میں تو نہیں چڑھ سکتا، چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھاما اور میں باآسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا، اس نے کہا دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا، بس اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا، میں نے حضور (ﷺ) سے یہ اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا گلشن باغ اسلام ہے اور ستون دین ہے اور کڑا

عروۃ الوثقٰی ہے تو میرے دم تک اسلام پر قائم رہے گا، یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام ہیں، یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں مروی ہے۔ مسند کی اسی حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ بوڑھے تھے اور لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد نبوی میں آئے تھے اور ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جنت اللہ کی چیز ہے جسے چاہے اس میں لے جائے، خواب کے ذکر میں فرمایا کہ ایک شخص آیا مجھے لے کر چلا گیا جب ہم ایک لمبے چوڑے صاف شفاف میدان میں پہنچے تو میں نے بائیں طرف جانا چاہا تو اس نے کہا تو ایسا نہیں۔ میں دائیں جانب چلنے لگا تو اچانک ایک پھسلتا پہاڑ نظر آیا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اوپر چڑھالیا اور میں اس کی چوٹی تک پہنچ گیا، وہاں میں نے ایک اونچا ستون لوہے کا دیکھا جس کے سرے پر ایک سونے کا کڑا تھا مجھے اس نے اس ستون پر چڑھادیا یہاں تک کہ میں نے اس کڑے کو تھام لیا اس نے پوچھا خوب مضبوط تھام لیا ہے، میں نے کہا ہاں، اس نے زور سے ستون پر اپنا پاؤں مارا، وہ نکل گیا اور کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا، جب یہ خواب حضور (ﷺ) کو میں نے سنایا تو آپ نے فرمایا بہت نیک خواب ہے، میدان محشر ہے، بائیں طرف کا راستہ جہنم کا راستہ ہے تو لوگوں میں نہیں، دائیں جانب کا راستہ جنتیوں کی راہ ہے، پھسلتا پہاڑ شہداء کی منزل ہے، کڑا اسلام کا کڑا ہے مرتے دم تک اسے مضبوط تھام رکھو، اس کے بعد حضرت عبداللہ نے فرمایا امید تو مجھے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں لے جائے گا۔ (ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ جَادَلَ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اَیْ حَمَلَهٗ بَطَرُهٗ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ الْبَطَرِ وَهُوَ نُمْرُوْذُ اِذْ بَدَلٌ مِنْ حَاجَّ قَالَ اِبْرٰهٖمُ لَمَّا قَالَ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ الَّذِیْ تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ اَیْ یَخْلُقُ الْحَیَاةَ وَالْمَوْتَ فِی الْاَجْسَادِ قَالَ هُوَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ بِالْقَتْلِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ وَدَعٰی بِرَجُلَیْنِ فَقَتَلَ اَحَدَهُمَا وَتَرَكَ الْاٰخَرَ فَلَمَّا رَاٰهُ غَبِیًّا قَالَ اِبْرٰهٖمُ مُنْتَقِلًا اِلٰی حُجَّةٍ اَوْضَحَ مِنْهَا فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ تَحَیَّرَ وَدَهِشَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾ بِالْكُفْرِ اِلٰی مَحَجَّةِ الْاِحْتِجَاجِ اَوْ رَاَیْتَ كَالَّذِیْ الْكَافُ زَائِدَةٌ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ هِیَ بَیْتُ الْمَقْدِسِ رَاكِبًا عَلٰی حِمَارٍ وَمَعَهٗ سَلَّةُ تِیْنٍ وَقَدَحُ عَصِیْرٍ وَهُوَ عُزَیْرٌ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ سَاقِطَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ سُقُوْفِهَا لَمَّا خَرَّبَهَا بُخْتُ نَصَّرَ قَالَ اَنّٰی كَیْفَ یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِسْتِعْظَامًا لِقُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ وَاَلْبَثَهٗ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ اَحْیَاهُ لِیُرِیَهٗ كَیْفِیَّةَ ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰی لَهٗ كَمْ لَبِثْتَ ؕ مَكَثْتَ هُنَا قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ لِاَنَّهٗ نَامَ اَوَّلَ النَّهَارِ فَقُبِضَ وَاُحْیِیَ عِنْدَ الْغُرُوْبِ فَظَنَّ اَنَّهٗ یَوْمُ النَّوْمِ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ التِّیْنِ وَ شَرَابِكَ

الْعَصِيْرِ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ يَتَغَيَّرْ مَعَ طُوْلِ الزَّمَانِ وَالْهَاءُ قِيْلَ اَصْلٌ مِنْ سَانَهْتُ وَقِيْلَ لِلسَّكْتِ مِنْ سَانَيْتُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِحَذْفِهَا وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ كَيْفَ هُوَ فَرَاٰهُ مَيِّتًا وَعِظَامُهٗ بِيْضٌ تَلُوْحُ فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَعْلَمَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً عَلَى الْبَعْثِ لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ مِنْ حِمَارِكَ كَيْفَ نُنْشِزُهَا نُحْيِيْهَا بِضَمِّ النُّوْنِ وَ قُرِئَ بِفَتْحِهَا مِنْ اَنْشَزَ وَنَشَزَ لُغَتَانِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّهَا وَالزَّايِ نُحَرِّكُهَا وَنَرْفَعُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَقَدْ تَرَكَّبَتْ وَكُسِيَتْ لَحْمًا وَنُفِخَ فِيْهِ الرُّوْحُ وَنَهَقَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ ذٰلِكَ بِالْمُشَاهَدَةِ قَالَ اَعْلَمُ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اِعْلَمْ اَمْرٌ مِنَ اللّٰهِ لَهٗ وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ تَعَالٰى لَهٗ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ بِقُدْرَتِيْ عَلَى الْاِحْيَاءِ سَاَلَهٗ مَعَ عِلْمِهٖ بِاِيْمَانِهٖ بِذٰلِكَ لِيُجِيْبَ بِمَا قَالَ لَهٗ فَيَعْلَمَ السَّامِعُوْنَ غَرَضَهٗ قَالَ بَلٰى اٰمَنْتُ وَ لٰكِنْ سَاَلْتُكَ لِيَطْمَىِٕنَّ يَسْكُنَ قَلْبِيْ ۭ بِالْمُعَايَنَةِ الْمَضْمُوْمَةِ اِلَى الْاِسْتِدْلَالِ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ بِكَسْرِ الصَّادِ وَضَمِّهَا اَمِلْهُنَّ اِلَيْكَ وَقَطِّعْهُنَّ وَاخْلِطْ لَحْمَهُنَّ وَرِيْشَهُنَّ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِنْ جِبَالِ اَرْضِكَ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ اِلَيْكَ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ سَرِيْعًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ حَكِيْمٌ ۝ فِيْ صُنْعِهٖ فَاَخَذَ طَاؤُسًا وَ نَسْرًا وَغُرَابًا وَدِيْكًا وَ فَعَلَ بِهِنَّ مَاذُكِرَ وَاَمْسَكَ رُءُوْسَهُنَّ عِنْدَهٗ وَدَعَاهُنَّ فَتَطَايَرَتِ الْاَجْزَاءُ اِلٰى بَعْضِهَا حَتّٰى تَكَامَلَتْ ثُمَّ اَقْبَلَتْ اِلٰى رُءُوْسِهَا.

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے مباحثہ کیا (یعنی ناحق جھگڑا کیا تھا) اپنے پروردگار کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی (یعنی اللہ کی نعمتوں پر اترانے نے اسکو اس حجت پر آمادہ کیا اور وہ شخص نمرود تھا) جب (اذ ظرفیہ بدل ہے حاج ہے) ابراہیم نے کہا (اس کے جواب میں جس نے ابراہیم سے پوچھا تھا کہ آپ کا رب کون ہے جس کی طرف ہم کو دعوت دے رہے ہیں؟) میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے (یعنی اجسام میں حیات وموت پیدا کرتا ہے (بولا وہ احمق نمرود) میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں (قتل کر کے اور اس قتل سے معاف کر کے اور اس نے دو اشخاص کو حاضر کروایا اور ان دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا، تو جب ابراہیم نے دیکھا کہ وہ غبی احمق ہے) فرمایا ابراہیم نے (اس سے زیادہ واضح دلیل کی طرف منتقل ہوتے ہوئے) کہ اللہ تعالیٰ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اس کو مغرب سے نکال، اس پر مبہوت ہو کر رہ گیا وہ کافر (یعنی حیران اور دہشت زدہ ہو گیا) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں فرماتے (یعنی

ایسی قوم کو جو کفر کی وجہ سے ظالم ہیں طریق استدلال کی طرف ہدایت نہیں فرماتے) أَوْ كَالَّذِي الخ یا دیکھا تو نے اس شخص کو (كَالَّذِي میں کاف زائدہ ہے اور الَّذِي کا عطف الذی حاج پر ہے تقدیر عبارت ہوگی: الم تر الی الذی حاج ابراہیم او الی الذی مر علی قریة الخ) کہ گذرا ایک شہر پر (یعنی بیت المقدس پر گدھے پر سوار ہو کر گزرے اور آپ کے ساتھ ایک ٹوکری انجیر کی اور شیرۂ انگور کا پیالہ تھا اور وہ شخص حضرت عزیر تھے) درانحالیکہ وہ شہر گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر (خاوية بمعنی ساقطة ہے اور عروش بمعنی سقوف ہے یعنی اس شہر کے مکانوں کا یہ حال تھا کہ پہلے چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں گر گئیں کہ سارے لوگ مر مرا گئے اور پورا شہر ویران تھا اور یہ اس وجہ سے تھا کہ بخت نصر نے اس کو برباد کر دیا، اس بربادی و ویرانی کو دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام حیرت سے کہنے لگے) قَالَ أَنَّى الخ کہنے لگے کس طرح (کیسے) زندہ کریں گے اللہ اس بستی کو اس کے مرجانے کے بعد (یعنی اجاڑ و ویران ہوجانے کے بعد کس طرح آباد ہوگی؟ اِسْتِعْظَامًا لِقُدْرَةِ اللهِ تَعَالٰی، یعنی یہ جو کہا کہ کس طرح آباد ہوگی یہ کوئی انکار کے طور پر نہیں تھا بلکہ اللہ کی قدرت کو عظیم سمجھ کر بڑا خیال کر کے کہا کہ حق تعالیٰ کی شان کس قدر عظیم ہے کہ اس طرح کی ویرانی کے بعد پھر یہ بستی آباد ہوگی) پس اللہ تعالیٰ نے ان کو مردہ کر دیا (اور ٹھہرائے رکھا ان کو بحالت مردہ) سو برس پھر ان کو اٹھایا (زندہ کیا ان کو تاکہ دکھلا دے اس احیاء یعنی آبادی کی کیفیت) ارشاد فرمایا (اللہ تعالیٰ نے اس عزیر علیہ السلام سے پوچھا) تو کتنی مدت اس حالت میں رہا (یعنی اس مقام پر ٹھہرا رہا) عرض کیا کہ ایک دن ٹھہرا ہونگا یا ایک دن سے کچھ کم (لِاَنَّهٗ نَامَ اَوَّلَ النَّهَارِ فَقُبِضَ وَاُحْيِيَ عِنْدَ الْغُرُوْبِ فَظَنَّ اَنَّهٗ يَوْمُ النَّوْمِ، کیونکہ وہ دن کے اول وقت یعنی بوقت چاشت سوئے تھے پس روح قبض کر لی گئی اور غروب شمس کے وقت جلائے گئے پس عزیر نے گمان کیا کہ یہ وہی دن ہے جس میں سویا تھا) فرمایا نہیں بلکہ تو سو سال رہا ہے (اور اگر اپنے بدن کے اندر تغیر نہ ہونے سے تعجب ہو) پس اپنے کھانے (انجیر) اور اپنے پینے کی چیز (شیرۂ انگور) کو دیکھ لو کہ خراب نہیں ہوا (یعنی باوجود طویل مدت گزرنے کے ذرا نہیں بگڑا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیر ابھی درخت سے توڑے گئے ہیں اور شیرہ ابھی نچوڑا گیا ہے، لَمْ يَتَسَنَّهْ میں جو هاء ہے بعض کے نزدیک اصلی ہے اور سانهت سے ماخوذ ہے مطلب یہ ہے کہ مادہ کی هاء ہے۔ از باب سمع یسمع سنه اور از باب مفاعلت مسانهة، یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ سنة سے بنا ہے اور سنة کی اصل میں هاء تھی کیونکہ اس کی تصغیر سنيهة آتی ہے گویا برسہا برس نہیں گزری ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ هاء سکتہ کی ہے اور عند البعض تسنن باب تفعل بمعنی تغیر سے ماخوذ ہے اسی مادہ سے مسنون آیا ہے آیت کریمہ میں ہے: حما مستون سو انظر الی حمارک، اور اپنے گدھے کی طرف نظر کر (کہ وہ سواری کا گدھا کس حال میں ہے چنانچہ عزیر علیہ السلام نے اسکو دیکھا کہ وہ مردہ پڑا ہے اور اس کی ہڈیاں سفید چمک رہی تھیں یعنی سارے گوشت پوست گل کر ختم ہو کر ہڈیاں صاف چمک رہی تھیں، اور یہ سب ہم نے اس لئے کیا تا کہ تم کو مشاہدہ و معائنہ کا علم حاصل ہو جائے) وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً الخ اور تا کہ ہم تجھ کو بنا دیں نشانی لوگوں کے لیے (بعث بعد الموت کی، یعنی ہم نے تجھ کو اس لیے مار کر زندہ کیا کہ تجھ کو دیکھ کر لوگ یقین کریں حشر میں اٹھائے جانے کی کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے مردے کو زندہ کر دے کیونکہ عزیر علیہ السلام کو سو برس مردہ رکھ کر زندہ کیا، پھر عزیر سے فرمایا) اور ہڈیوں کی طرف نظر کرو (یعنی اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو) ہم ان کو کس طرح ترتیب دے

دیتے ہیں (زندہ کرتے ہیں، نُنْشِزُهَا نُحْيِيهَا بِضَمِّ النُّوْنِ وراء مہملہ جمع متکلم از انشار باب افعال ہم کس طرح زندہ کر کے اٹھاتے ہیں "وَقُرِئَ بِفَتْحِهَا الخ مفسر فرماتے ہیں کہ رائے مہملہ کی صورت نون کو ضمہ کے ساتھ باب افعال انشار سے اور نون کو فتحہ کے ساتھ باب نصر نشور مصدر سے دونوں لغت ہیں جیسا کہ ایک آیت میں ہے۔ اذا شاء انشرہ ایک اور آیت میں ہے: وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ○ اور نصر سے نشور کے معنی زندہ ہو کر اٹھنا اور زندہ کر کے اٹھانا یعنی لازم اور متعدی دونوں ہیں اور ایک قراءت میں بضم النون اور زاء منقوطہ کے ساتھ ہے بمعنی نحرکھا ونرفعھا یعنی ہم کس طرح حرکت دیتے اور اٹھا دیتے ہیں اور مجازی معنی ہیں کہ ہم کس طرح زندہ کر دیتے ہیں۔ ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا، پھر ہم ان ہڈیوں کو گوشت پہناتے ہیں (پس عزیر علیہ السلام نے اسکو دیکھا درانحالیکہ وہ ہڈیاں جڑ گئیں اور ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنا دیا گیا اور اس گدھے میں روح پھونکی گئی اور وہ بولنے لگا) پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص پر واضح ہوگئی (مشاہد کے ذریعہ) تو کہا اٹھے میں جانتا ہوں (آنکھوں دیکھا جانتا یعنی مجھے یقین ہے) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (اور ایک قراءت میں اعلم بصیغہ امر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزیر علیہ السلام کو حکم ہے کہ مشاہدہ کر کے، دیکھ کر جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور یاد کیجئے (اس وقت کا واقعہ جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے؟ (یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے لیکن زندہ کرنے کی مختلف صورتیں اور کیفیتیں ہوسکتی ہیں وہ معلوم نہیں اسلئے وہ کیفیت معلوم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اس سوال سے کسی کم سمجھ آدمی کو اس کا شبہ ہوسکتا تھا کہ معاذ اللہ ابراہیم علیہ السلام کو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان ویقین نہیں اس لئے حق تعالیٰ نے خود ان سے اس کا سوال کر کے اور ابراہیم علیہ السلام کا جواب نقل فرما کر صاف کر دیا چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے) فرمایا "کیا تم یقین نہیں رکھتے ہو (میرے زندہ کرنے کی قدرت پر، حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا باوجودیکہ حق تعالیٰ کو علم تھا کہ ابراہیم کو زندہ کرنے کی قدرت پر ایمان ہے پھر اس وجہ سے سوال کیا کہ ابراہیم اس سوال کا جواب دیں تاکہ سننے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اس درخواست سے کیا غرض ہے) ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا "کیوں نہیں (یعنی میں تو ایمان لاچکا ہوں) ولیکن (میں نے آپ سے درخواست کی ہے) تاکہ اطمینان (سکون) ہو جائے میرے دل کو (اس مشاہدہ کے ذریعہ جو مل جائے استدلال کے ساتھ یعنی استدلال کی تائید مشاہدہ ومعائنہ سے ہو جائے تاکہ ذہن دوسرے احتمالات سے چکر میں نہ پڑے) ارشاد ہوا (جب تو سکون قلب کے لیے اپنی نظر سے زندہ کرنے کی کیفیت دیکھنا چاہتا ہے) تو چار پرندے پکڑ لو پھر ان کو (پال کر) اپنی طرف مائل کر لو (صرھن صاد کے کسرہ کے ساتھ اور صاد کے ضمہ کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں یعنی ان کو پال کر اپنی طرف مائل ومانوس کر لو تاکہ ان کی شناخت خوب ہو جاوے، پھر مانوس کرنے کے بعد سب کو ذبح کر کے ان کے گوشتوں اور پروں کو باہم مخلوط کر دے) پھر ہر پہاڑ رکھ دو (اپنی بستی کے پہاڑوں میں سے) ان میں سے ایک حصہ پھر ان سب کو بلاؤ (اپنے پاس) وہ تیرے پاس آجائیں گے دوڑتے ہوئے (جلدی سے) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (کہ کوئی چیز اس کو عاجز نہیں کر سکتی) حکمت والے ہیں (اپنے کام میں، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ایک مور اور ایک گدھ اور ایک کوا اور ایک مرغ لیا اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو مذکور ہوا اور ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا اور ان پرندوں

کو پکارا تو ان کے اجزاء اڑے بعض اجزاء بعض کی طرف یہاں تک کہ سارے اجزاء مل کر دھڑ پورا ہو گیا پھر اپنے سروں کے پاس آکر مل گئے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: جَادَلَ: اس سے اشارہ کیا کہ حَاجَّ یہاں جَادَلَ۔ حجت بازی کرنے کے معنی میں ہے، حجت میں غالب آنے کے معنی میں نہیں۔

قوله: حَمَلَهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ اتباع حجت بازی کا سبب حرف جر کو مقدر ماننے سے بنے گا، نہ کہ ظرف سے۔

قوله: لَمَّا قَالَ لَهٗ مَنْ رَبُّكَ: انبیائے علیہم السلام کی بعثت دعوت الی اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے جب دعویٰ نبوت فرمایا تو اس وقت نمرود نے ان سے یہ کہا، مقدمہ قصہ محذوف کر دیا گیا ہے۔

قوله: يَخْلُقُ الْحَيَاةَ: اس سے اشارہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا دعویٰ تو خلق موت وحیاۃ تھا اور یہ تو نمرود کی وسعت میں تھی ہی نہیں، قتل وعفو کو مجازاً احیاء واماتت کہہ دیتے ہیں۔

قوله: فَلَمَّا رَاٰهُ: اس سے اشارہ کیا کہ آپ نے مثال خفی سے مثال جلی کی طرف عدول کیا۔

قوله: اَلْكَافُ زَائِدَةٌ: اس لیے کہ الْاِحْتِجَاجِ اور أَرَأَيْتَ اور ہر دو لفظ سے تعجب ثابت ہوتا ہے تو اس کی حالت پر تعجب یہ اَلْكَافُ کا زائد ہونا ظاہر کرتا ہے۔

قوله: اِسْتِعْظَامًا لِقُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اس سے اشارہ کیا کہ یہ سوال بطور استبعاد نہ تھا بلکہ طریق احیاء کی معرفت کے متعلق اپنے قصور کا اعتراف تھا۔

قوله: فَرَاٰهُ مَيِّتًا: اس سے اشارہ کیا کہ انہوں نے گدھے کو مردہ حالت میں دیکھا یعنی اس کی ریزہ ریزہ ہڈیوں کو دیکھنے کا حکم ہوا۔

قوله: فَعَلْنَا ذٰلِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ واؤ یہاں مقدر پر عطف کے لیے ہے۔

قوله: فَيَعْلَمَ السَّامِعُوْنَ: یعنی علم مشاہدہ وحی کے ساتھ مل کر سامعین کی معرفت دلیل میں مفید ہو۔

قوله: سَاَلْتُكَ: اس سے اشارہ ہے کہ لٰكِنْ کا استدراک محذوف ہے اور مذکور تو اس کی علت ہے جو اس کے قائم مقام لاتے ہیں۔



تفسیر مقبولین

ایک کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیدائشی وطن شہر بابل کے آس پاس تھا ان کے زمانہ کا بادشاہ نمرود تھا جو اس علاقہ پر حکمران تھا۔ دنیا میں کفر وشرک پھیلا ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ بھی بت پرست تھا جس کا تذکرہ سورۃ الانعام (ع ۸) اور سورۃ مریم (ع ۳) میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب توحید کی دعوت دی اور پوری قوم کو بتایا کہ تم گمراہی پر ہو تو سب کو برا لگا، نمرود بھی کافر تھا نہ صرف کافر تھا بلکہ داعی کفر تھا اور اپنے آپ کو معبود بتاتا تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی تو وہ کٹ حجتی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میرے خیال میں تو میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ملک اور مال دیا تھا اسی لیے اس کے گھمنڈ میں اس نے ایسی بات کہی، اور حضرت ابراہیم نبینا و علیہ السلام سے دلیل مانگی کہ آپ جس رب کی توحید کی دعوت دیتے ہیں اس کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: (رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ) کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے۔ اور موت دیتا ہے۔ درحقیقت یہ بہت بڑی دلیل تھی۔ جتنے بھی خدائی کے دعوے دار ہوتے ہیں اور جتنے ان کے ماننے والے ہیں سب کو معلوم ہے کہ زندہ کرنے اور موت دینے کا کام ان میں سے کسی کے بس کا بھی نہیں ہے لا محالہ کوئی ذات ہے جس کے تصرف میں ساری مخلوق ہے اور جلانا اور موت دینا اسی کا کام ہے۔ جو خدائی کے دعوے دار ہوئے وہ اپنی جان کو تو بچا ہی نہیں سکے وہ کسی دوسرے کو کیا زندہ کرتے، ایسی واضح موٹی بات نمرود نے یا تو بے عقل ہونے کی وجہ سے نہ سمجھی یا بطور کٹ حجتی کے یوں ہی بحث جاری رکھنے کے لیے اس نے جواب میں یوں کہہ دیا کہ: (اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ) کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اپنی بات کی دلیل کے لیے اس نے یہ کیا کہ دو آدمیوں کو بلایا جن کے قتل کا حکم ہو چکا تھا ان میں سے ایک کو قتل کروا دیا، اور ایک کو چھوڑ دیا، اس کی جہالت کا جواب تو یہ تھا کہ تو یہ بتا کہ جسے تو نے قتل کیا ہے اس میں جان کس نے ڈالی تھی اور جسے تو نے چھوڑ دیا یہ موت کے بعد زندہ کرنا ہوا یا زندہ کو چھوڑ دینا ہوا لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے عناد اور سفاہت و جہالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالق کائنات جل مجدہ کے وجود پر اور کائنات میں اس کے تصرفات پر دوسری دلیل دیدی اور فرمایا: (فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ) کہ اللہ تعالیٰ روزانہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اگر معبود ہونے کا مدعی ہے تو سورج کو پچھم سے لا کر دکھا دے، میرے رب کے حکم سے روزانہ سورج پچھم کی جانب غروب ہو جاتا ہے تو اسی جانب سے اسے واپس کر دے یہ سنتے ہی خدائی کا دعویٰ دار نمرود مبہوت اور حیران رہ گیا اور بالکل ہی گونگا بن گیا، آگے ایک کلمہ بھی نہ بول سکا۔

پھر فرمایا: (وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ) کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی رہبری نہیں فرماتا وہ کسی نبی یا نبی کے نائبین کے سامنے حجت اور دلیل سے نہیں جیت سکتے۔

بعض علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا کر دکھادے تو وہ کہہ سکتا تھا کہ میں مشرق سے لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ مغرب سے لائے لیکن وہ ابراہیم کے جواب سے ایسا مبہوت و متحیر ہو چکا تھا کہ اس کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا۔ اہل حق کے مقابلہ میں اہل باطل دلیل کے ساتھ چل ہی نہیں سکتے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر لے آ، اس کی وجہ سے اس کو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی اس پوری دنیا کا کوئی خالق و مالک متصرف ضرور ہے اور یہ شخص جو برملا مجھ سے سوال و جواب کر رہا ہے ضرور اسی ذات پاک کا پیغمبر ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور جس کے تصرف میں ساری مخلوق ہے اور اس کی یہ دلیل بہت زیادہ وزن دار ہے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں مشرق سے سورج لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کر مغرب سے لے آ، تو حاضرین میں سے کوئی اس کو نہیں مانے گا اور جو میرے ماننے والے ہیں وہ اس کی طرف ہو جائیں گے۔ تھوڑی سی جو جھوٹی سلطنت ہے وہ بھی جاتی رہے گی اس لیے اس نے دم بخود ہو جانا ہی مناسب جانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مردہ کو زندہ فرمانے کا ایک واقعہ

یہ آیت پہلی آیت پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح سے ہے: (الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ربه و هل رایت کالذی مر علی قریة) حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ وغیرہم بہت سے حضرات نے فرمایا ہے کہ جس شخصیت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت عزیر بن شرخیا تھے اور بعض حضرات نے ارمیا بن خلقیا بھی بتایا ہے اور اس بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے، بہر صورت قرآن کریم نے موت کے بعد زندہ ہونے کا مشاہدہ کرنے والے شخص کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہوں یا کوئی بھی شخصیت ہو، ایک بستی پر ان کا گزر ہوا جس کی سب آبادی ختم ہو چکی تھی۔ اور بستی کے در و دیوار بھی منہدم تھے چھتیں گر گئی تھیں پھر چھتوں پر دیواریں گر گئی تھیں اس بستی کا یہ حال دیکھ کر ان کے منہ سے بطور تعجب یہ نکلا کہ اللہ اس بستی کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ فرمائے گا۔؟ خدا تعالیٰ شانہ کی قدرت کا انکار کرنا مقصود نہ تھا بلکہ انسان کے مزاج میں جو ایسی چیزوں میں ایک استبعاد کی شان ہے اس کے اظہار کے طور پر منہ سے ایسے الفاظ بے ساختہ نکل گئے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے کو بھی اولاد دے سکتا ہے خدا تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی دعا کی پھر جب فرشتے بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے تو بطور تعجب یوں کہنے لگے: (رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِىْ عَاقِرٌ) (کہ اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لڑکا حالانکہ میں بڑھاپے کو پہنچ گیا اور میری بیوی بانجھ ہے) جس نے سوال کیا ہو وہی کیسے قدرت الہیہ کا منکر ہو سکتا ہے لیکن بطور تعجب سوال کر بیٹھے، جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں بھی اسی طرح کی بات ہے، جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ کیسے زندہ فرمائے گا اس بستی کو (جس میں تعجب بھی تھا اور کیفیت کا سوال بھی) تو اللہ تعالیٰ نے اس

بات کے کہنے والے ہی کو موت دے دی اور سو(۱۰۰) سال تک اسی حال میں رکھا پھر سو(۱۰۰) سال کے بعد زندہ فرما کر اٹھا دیا اور سوال فرمایا کہ تم کتنے وقت اسی حالت میں ٹھہرے رہے (جو زندگی کی حالت نہ تھی) تو انہوں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں اس حالت میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، مفسرین نے بیان کیا ہے کہ چاشت کے وقت ان کو موت آئی تھی اور سو(۱۰۰) سال گزرنے کے بعد جب ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا تو غروب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ سورج پر نظر ڈالی تو نظر آیا کہ وہ غروب ہونے والا ہے لہٰذا انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک دن ایسی حالت میں رہا ہوں اور جب یوں غور کیا کہ ابھی تو سورج چھپا بھی نہیں تو کہنے لگے کہ ایک دن بھی نہیں بلکہ دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تمہارا یہ بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تم سو(۱۰۰) سال تک اسی حالت میں رہے ہو سو سال تک وہ مردہ رہے لیکن چونکہ جسم اسی طرح صحیح سالم تر و تازہ باقی رہا۔ جیسا کہ زندگی میں تھا تو ان کو اس سے مزید تعجب ہوا، اللہ نے اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور نمونہ ان کو دکھایا اور فرمایا کہ تو اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھ لے وہ ابھی گلی سڑی نہیں ہے۔ جس طرح یہ کھانا اپنی حالت پر سو(۱۰۰) سال باقی رہ گیا اس طرح بغیر روح کے تیرا جسم بھی صحیح سالم تر و تازہ رہا، قال فی الروح (ص ۲۲ ج ۳) واستشکل تفرع فانظر علی لبث الماءة بالفاء وهو یقتضی التغیر، وأجیب بأن المفرع علیه لیس لبث الماءة بل لبث الماءة من تغیر فی جسمه حتی ظنه زمانا قلیلا ففرع علیه ما هو أظهر منه وهو عدم تغیر الطعام والشراب وبقاء الحیوان حیا من غیر غذاء پھر اللہ جل شانہ نے ان کے سامنے ان کے مردہ گدھے کو زندہ کر کے دکھایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تم اپنے گدھے کو دیکھو اور ہڈیوں پر نظر ڈالو۔ گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو ہم ان کو کس طرح ترکیب دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، ان کے سامنے وہ ہڈیاں ترتیب کے ساتھ جمع ہوئیں پھر ان پر گوشت چڑھا اور گدھا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ جب یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو بے اختیار بول اٹھے کہ میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یقین تو پہلے ہی سے تھا کیونکہ مؤمن آدمی تھے۔ لیکن عینی مشاہدہ بھی کر لیا، درمیان میں یہ جو فرمایا کہ: (وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ) اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ محذوف پر معطوف ہے صاحب روح المعانی ص ۲۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ یہاں عبارت مقدر ہے۔ (ای و فعلنا ذلک لنجعلک) یعنی ہم نے تمہیں مردہ کر کے زندہ کر دیا تاکہ ہم تمہاری ذات کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں، تمہیں دیکھ کر اور تمہارا واقعہ معلوم کر کے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر یقین کرنے میں ہچکچاہٹ کرنے کا موقع نہ رہے گا۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ: (اُنْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ) جو حکم تھا وہ مدت دراز تک موت کی حالت میں رہنے کو ظاہر کرنے کے لیے تھا اور (وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ) میں جو حکم ہوا وہ مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کے لیے تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر پرندوں کا زندہ ہونا:

اس آیت شریفہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک سوال اور پھر خداوند قدوس کی طرف سے

یعنی مشاہدہ کرا کر ان کے سوال کا جواب ذکر فرمایا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے موحد تھے حشر و نشر بعث بعد الموت کے قائل تھے پھر بھی انہوں نے نظروں سے دیکھنے کے لیے اللہ جل شانہ سے سوال کیا کہ آپ مجھے دکھا دیجیے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے، اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کیا تمہیں اس کا یقین نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کردونگا انہوں نے عرض کیا کہ یقین ضرور ہے پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ علم الیقین سے آگے مجھے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ اور اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھ لوں تا کہ طبعی طور پر انسان کو جو اطمینان دیکھنے سے حاصل ہو جاتا ہے وہ مجھے بھی حاصل ہو جائے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر حضرات سے منقول ہے کہ جب فرشتہ نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور آپ کی دعا سے مردوں کو زندہ فرمائے گا تو اس پر انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندے لے لو اور پہلے ان کو اپنے پاس رکھو اور مانوس کر لو اور ہلا لو، جب وہ تم سے مانوس ہو جائیں اور ہل جائیں تو ان چاروں کو ذبح کرنا اور ان کے گوشت کو اور پروں کو ایک ساتھ ملا دینا اور ان کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دینا پھر ان کو پکارنا وہ پرندے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے، چنانچہ حسب الحکم انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ پرندے زندہ ہو کر ان کی آواز پر دوڑتے ہوئے چلے آئے، پرندے ہونے کے باوجود وہ اڑ کر نہ آئے بلکہ پیروں سے چل کر آئے کیونکہ نظروں کے سامنے اس کا ظہور بدرجہ اتم ہے۔

آخر میں فرمایا: (وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ) (کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے) اسباب عادیہ وغیر عادیہ سب اس کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے سب کاموں میں حکمت ہے۔ (من روح المعانی، ص ۲۶ تا ۳۱، ج ۳)

مَثَلُ صِفَةُ نَفَقَاتِ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَیْ طَاعَتِه كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُهُمْ تَتَضَاعَفُ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ فَضْلُهٗ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ بِمَنْ يَسْتَحِقُّ الْمُضَاعَفَةَ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا عَلَى الْمُنْفَقِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا قَدْ اَحْسَنْتُ اِلَيْهِ وَ جَبَرْتُ حَالَهٗ وَّ لَآ اَذًى لَهٗ بِذِكْرِ ذٰلِكَ اِلٰى مَنْ لَا يُحِبُّ وُقُوْفَهٗ عَلَيْهِ وَنَحْوَ ذٰلِكَ ۙ لَهُمْ اَجْرُهُمْ ثَوَابُ اِنْفَاقِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ فِی الْاٰخِرَةِ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ كَلَامٌ حَسَنٌ وَرَدٌّ عَلَى السَّائِلِ جَمِيْلٌ وَّ مَغْفِرَةٌ لَهٗ فِی اِلْحَاحِه خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ بِالْمَنِّ وَتَعْيِيْرٍ لَهٗ بِالسُّؤَالِ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ الْعِبَادِ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنِ الْمَانِّ وَالْمُؤْذِیْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ اَیْ اُجُوْرَهَا بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۙ اِبْطَالًا كَالَّذِیْ اَیْ كَاِبْطَالِ نَفَقَةِ الَّذِیْ

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ مُرَائِيًا لَهُمْ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَهُوَ الْمُنَافِقُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ حَجَرٍ اَمْلَسَ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ مَطَرٌ شَدِيْدٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ صُلْبًا اَمْلَسَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لَا يَقْدِرُوْنَ اِسْتِيْنَافٌ لِبَيَانِ مَثَلِ الْمُنَافِقِ الْمُنْفِقِ رِيَاءً وَ جَمْعُ الضَّمِيْرِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الَّذِيْ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ عَمِلُوْا اَيْ لَا يَجِدُوْنَ لَهٗ ثَوَابًا فِي الْاٰخِرَةِ كَمَا لَا يُوْجَدُ عَلَى الصَّفْوَانِ شَيْءٌ مِنَ التُّرَابِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ لِاِذْهَابِ الْمَطَرِ لَهٗ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَ مَثَلُ نَفَقَاتِ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ طَلَبَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اَيْ تَحْقِيْقًا لِلثَّوَابِ عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَهٗ لِاِنْكَارِهِمْ لَهٗ وَمِنْ اِبْتِدَائِيَّةٌ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بُسْتَانٍ بِرَبْوَةٍ بِضَمِّ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا مَكَانٌ مُرْتَفِعٌ مُسْتَوٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اَعْطَتْ اُكُلَهَا بِضَمِّ الْكَافِ وَسُكُوْنِهَا ثَمَرَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ مِثْلَيْ مَا يُثْمِرُ غَيْرُهَا فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ مَطَرٌ خَفِيْفٌ يُصِيْبُهَا وَيَكْفِيْهَا لِارْتِفَاعِهَا الْمَعْنٰى تُثْمِرُ وَتَزْكُوْ كَثُرَ الْمَطَرُ اَمْ قَلَّ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُ مَنْ ذُكِرَ تَزْكُوْ عِنْدَ اللّٰهِ كَثُرَتْ اَمْ قَلَّتْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ اَيَوَدُّ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ بُسْتَانٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا ثَمَرٌ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ قَدْ اَصَابَهُ الْكِبَرُ فَضَعُفَ عَنِ الْكَسْبِ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۪ اَوْلَادٌ صِغَارٌ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَيْهِ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ فَفَقَدَهَا اَحْوَجَ مَا كَانَ اِلَيْهَا وَبَقِيَ هُوَ وَاَوْلَادُهٗ عَجَزَةً مُتَحَيِّرِيْنَ لَا حِيْلَةَ لَهُمْ وَهٰذَا تَمْثِيْلٌ لِنَفَقَةِ الْمُرَائِيْ وَالْمَانِّ فِيْ ذِهَابِهَا وَعَدَمِ نَفْعِهَا اَحْوَجَ مَا يَكُوْنُ اِلَيْهَا فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هُوَ لِرَجُلٍ عَمِلَ بِالطَّاعَاتِ ثُمَّ بُعِثَ لَهُ الشَّيْطَانُ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِيْ حَتّٰى اَغْرَقَ اَعْمَالَهٗ كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَ مَا ذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فَتَعْتَبِرُوْنَ.

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی فرمانبرداری میں) اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت (عند اللہ) ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت ہے (مفسر نے صفۃ نفقات بڑھا کر دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے نمبر ا مثل صفت یعنی حالت کے معنی میں ہے نمبر ۲ نفقات کا اضافہ کر کے بتایا ہے کہ مَثَلُ کی اضافت الذین موصول کی طرف

بحذف المضاف ہے کیونکہ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ (جو لوگ خرچ کرتے ہیں) جاندار ہیں ان کے ساتھ كَمَثَلِ حَبَّةٍ جیسے ایک دانہ کی حالت'' جو بے جان ہے کے ساتھ تشبیہ کیسے درست ہوسکتی ہے اس لئے مفسر علام نے حبة کے ساتھ تشبیہ کے درست ہونے کے لیے نفقات کی تقدیر نکالی جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے) جس نے سات بالیں اگائیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں (اس طرح ان لوگوں کے نفقات ہیں کہ سات سو گونہ تک بڑھائے جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سات سو حصہ تک ثواب بڑھاتا ہے) اور اللہ بڑھاتا ہے (اس سے بھی زائد) جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں (اپنے فضل میں) اور خوب واقف ہیں (اس شخص سے جو اضافہ کا مستحق ہے یعنی خرچ کرنے والوں کی نیتوں کو دیکھ کر بقدر اخلاص اضافہ کرتا ہے)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ الخ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں اس شخص پر جس پر خرچ کیا ہے جس کو دیا ہے احسان نہیں رکھتے مثلاً یہ کہہ کر کہ میں نے اس پر احسان کیا اور میں نے اس کے شکستہ حال کو درست کر دیا) اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں (اس دینے اور احسان کا تذکرہ ایسے شخص سے کر دے جس کا واقف ہونا وہ پسند نہیں کرتا اور اس کے مانند ہر وہ فعل جو اس کو ناگوار و باعث تکلیف ہو اپنے احسان کی بنا پر اسکے ساتھ تحقیر سے پیش آوے) ان لوگوں کے لیے اجر ہے (انکے خرچ کرنے کا ثواب ہے) ان کے پروردگار کے پاس اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ مغموم ہوں گے (قیامت کے دن) قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ مناسب بات کہنا (اچھی بات کہنا اور سائل کو اچھے الفاظ سے رد کرنا مثلاً سائل کو یہ کہہ دے ''اس وقت مجبوری ہے معاف کیجئے) اور درگزر کر دینا (اس کے اصرار اور پیچھے پڑ جانے کی صورت میں (بہتر ہے ایسی خیرات سے جس کے پیچھے ایذا ہی لگی ہو (احسان جتلا کر اور اس کو مانگنے پر عار دلا کر تکلیف پہنچانا): وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ اور اللہ تعالیٰ (خود) غنی ہیں (بندوں کے صدقہ سے، مطلب یہ ہے کہ وہ محتاج کی حاجت خود پوری کرنے والا ہے تو موذی کی ضرورت نہیں ہے) تحمل والا ہے (یعنی احسان جتلانے والے اور موذی سے عذاب کی تاخیر اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بردبار بڑے برداشت کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو تم اپنی خیرات کو (یعنی اپنی خیرات کے ثواب کو) برباد مت کرو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر (برباد کرنا) اس شخص کی طرح (یعنی اس شخص کے خرچ و خیرات کی بربادی کی طرح) جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھلانے کیلئے (مفسرؒ نے رئاء مصدر کی تفسیر مرائیا اسم فاعل سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور ینفق کے فاعل سے حال ہو رہا ہے) اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر (یعنی وہ منافق ہے) سو اس شخص (ریاکار) کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر (صاف پتھر) جس پر مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش (سخت بارش) پڑ جائے اور اس کو صاف کر کے چھوڑے (یعنی ایسا سخت و چکنا کہ اس پر کچھ نہ رہے) ایسے لوگ قدرت نہیں رکھتے ہیں (یعنی کچھ نہ پائیں گے، یہ جملہ مستانفہ ہے ایسے منافق کے حال کا بیان ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے، اور جمع کی ضمیر لَا يَقْدِرُوْنَ میں الَّذِيْ کے معنی کا اعتبار ہے) عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ط کسی چیز پر جو کمائی ہے (جو عمل کیا ہے یعنی آخرت میں اس عمل کا ثواب کچھ نہیں پائیں گے جس طرح چکنے پتھر پر بارش کی وجہ سے مٹی کا کچھ حصہ بھی نہیں پایا جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے ہیں، (اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ریاکاری، کسی کو دے کر احسان جتانا، جس کو

دیں اس سے ایسا برتاؤ کرنا جس سے وہ اپنی حقارت و ذلت محسوس کرے یا اس کو تکلیف پہنچے، یہ سب کافروں کی خصوصیات ہیں) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ الخ اور مثال ان لوگوں کی (یعنی ان لوگوں کے خیرات کی مثال) جو اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے (ابتغاء بمعنی طلب کرنا، حاصل کرنا ہے) اپنے نفسوں کو ثابت رکھ کر (یعنی اس پر ثواب محقق کرنے کے لئے بخلاف ان منافقوں کے جن کو ثواب کی امید نہیں ہے ان کے منکر ہونے کی وجہ سے، اور مِّنْ أَنْفُسِهِمْ میں مِّنْ ابتدائیہ ہے پس ان لوگوں کے نفقات و خیرات کی مثال مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلہ پر ہو (جَنَّةٍ بمعنی باغ ہے بِرَبْوَةٍ راء کو ضمہ کے ساتھ اور راء کو فتح کے ساتھ دونوں قراءت ہے بمعنی اونچی ہموار جگہ) اور اس پر زور کی بارش پڑی ہو تو وہ باغ لے آیا (یعنی اس نے دیا) دوگنا پھل (لفظ اکل کاف کے ضمہ اور کاف کے سکون کے ساتھ ہر دو قراءت بمعنی پھل ہے یعنی اس باغ کے علاوہ دوسرے باغ میں جو پھل آئے اس سے اس بارش والے میں دو گنے پھل آئے (پس اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار (خفیف بارش بھی اس باغ کو کافی ہے بلندی کی وجہ سے، مطلب یہ ہے کہ اس میں پھل آتے ہیں اور بڑھتے ہیں بارش زیادہ ہو یا کم، بارش کی کمی بیشی سے اس باغ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے پس اسی طرح اشخاص مذکورہ بالا کے صدقات ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھتے ہیں خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں (چنانچہ تمہیں اس کی جزا دیں گے) أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ الخ بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے (یود بمعنی یحب ہے) کہ اس کا ایک باغ ہو (جنة بستان: یعنی باغ ہے) کھجوروں اور انگوروں کا کہ جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں اور اس شخص کے لیے اس باغ میں حاصل ہوں (پھل) ہر قسم کے پھلوں میں سے اور (حال یہ) اس کو بڑھاپا پہنچ گیا (پس وہ بڑھاپے کی وجہ سے کمانے کے قابل نہیں رہا) اور اس کے اہل و عیال کمزور ہیں (یعنی چھوٹے چھوٹے بال بچے ہیں جو کمانے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں (پھر اس باغ پر ایک بگولہ آجائے (سخت ہوا یعنی لُو) جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے (سو اس شخص نے اس باغ کو ایسے وقت میں کھویا ہے جب کہ اس باغ کی طرف بہت زیادہ محتاج تھا اور رہ گیا وہ شخص اور اس کی اولاد سب کے سب عاجز و حیران کہ ان کے لئے کوئی تدبیر نہ رہ جائے جس سے گزر بسر کر سکے، یہ ایک تمثیل ہے ریا کار اور احسان جتلانے والوں کے صدقہ کی اس کے ضائع ہونے اور اس کے نفع نہ دینے میں اسے وقت میں جب کہ یہ ریا کار و احسان جتلانے والا سخت محتاج ہو اس صدقہ کے ثواب کا آخرت میں، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز صدقہ کے ثواب کا سخت محتاج ہوگا اس وقت دیکھے گا کہ احسان جتلانے یا ریا کاری کی وجہ سے صدقہ جاتا رہا اور کچھ بھی نفع نہیں ہوا اور استفہام نفی کے معنی میں یعنی انکار کی ہے مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے لئے یہ بات پسند نہیں آسکتی کہ اس کا باغ ایسے ضرورت کے وقت جل کر خاکستر ہو جائے۔

وعن ابن عباس سے مفسر آیت کی دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ تمثیل ایسے شخص کے لیے ہے جس نے ابتداء میں اللہ کی فرمانبرداری کے کام کئے پھر اس پر شیطان مسلط کر دیا گیا اور گناہوں کے کام کرنے لگا یہاں تک کہ اپنے اعمال کو غرق کر دیتا ہے، اسی طرح (جیسے مذکورہ بالا نصیحت بیان کی گئی) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم سوچا کرو (عبرت حاصل کرو)۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: صِفَةُ نَفَقَاتِ: مضاف کو اس لیے مقدر مانا تاکہ مثل اور ممثل کے مابین خوب مطابقت ہو جائے۔

قوله: اَکْثَرَ: یہ یضاعف کا مفعول محذوف ہے اور یہ تمثیل سابق سے سمجھ میں آتا ہے۔ مضاعفۃ مفعول نہیں۔

قوله: فِی الْاٰخِرَةِ: اس سے مقید کر کے اشارہ کیا کہ دنیا میں مؤمن خوف وحزن سے کم ہی خالی رہتا ہے۔

قوله: اِبْطَال: اس سے اشارہ کیا کہ کاف محل نصب میں ہے اس طرح کہ وہ مصدر محذوف کی صفت ہے نہ کہ وہ حال ہے۔

قوله: کَاِبْطَالِ نَفَقَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف کو مشبہ بہ سے حذف کر دیا تاکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مطابقت پیدا ہو جائے۔

قوله: مُرَائِیًا لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ریاء حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مصدر ہونے کی وجہ سے نہیں۔

قوله: وَجَمْعُ الضَّمِیْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ مراد اس سے جنس یا جمع ہے۔

قوله: بِرَبْوَةٍ: بلند جگہ کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی جگہ کے درخت پاکیزہ پھل اور خوش منظر ہوتے ہیں۔

قوله: مَطَرٌ خَفِیْفٌ یُصِیْبُهَا: یُصِیْبُهَا وغیرہ جیسا جمع مقدر مانا تاکہ جزاء بنا درست ہو جو کہ جملہ ہوتی ہے۔ فتأمل

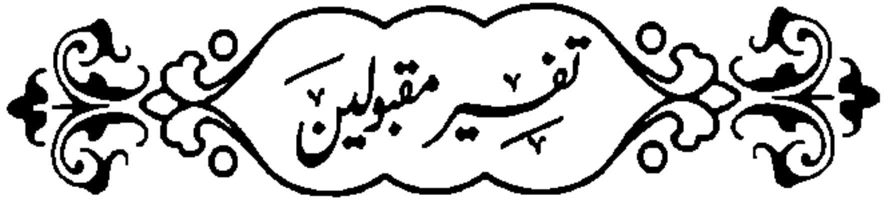
قوله: فِیْهَا ثَمَرٌ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ ثمرات سے مراد جنس منافع ہیں جو وہ حاصل کرتا تھا۔

قوله: وَقَدْ اَصَابَهُ: اس سے اشارہ کیا کہ واؤ حالیہ ہے، عاطفہ نہیں۔

قوله: فَفَقَدَهَا: اس سے اشارہ کیا خاص احتراق کو ذکر کیا اور مراد فقدان نعمت لیا۔

قوله: اَحْوَجَ مَا کَانَ: اس سے بڑھاپے کی حالت کی تخصیص کی وجہ کی طرف اشارہ کیا کہ بڑھاپے اور چھوٹی اولاد یہ شدید احتیاج کے اوقات ہیں۔

قوله: بِمَعْنَی النَّفْیِ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کلام میں اس مجموعی حالت کی تمنا کے متعلق انکار واستبعاد ذکر کیا گیا ہے۔



تفسیر مقبولین

نیک کام میں خرچ کرنا باعتبار نیت کے تین قسم کا ہے ایک نمائش کے ساتھ اس کا کچھ ثواب نہیں دوسرے ادنی درجہ کے اخلاص کے ساتھ اس کا ثواب دس حصہ ملتا ہے تیسرے زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلی درجہ کے ساتھ اس کے لیے اس آیت میں وعدہ ہے دس سے زیادہ سات سو تک علی حسب تفاوت المراتب اور مَنْ ذَا الَّذِیْ الخ میں سات سو کے وعدہ کے بعد اور زیادہ کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔

مخیر حضرات کی تعریف اور ہدایات

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح وتعریف کرتا ہے جو خیرات وصدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان نہیں جتاتے اور نہ اپنی زبان سے یا اپنے کسی فعل سے اس شخص کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں، ان سے ایسے جزائے خیر کا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کا اجر وثواب رب دوعالم کے ذمہ ہے۔ ان پر قیامت کے دن کوئی ہول اور خوف وخطر نہ ہوگا اور نہ دنیا اور بال بچے چھوٹ جانے کا انہیں کوئی غم ورنج ہوگا، اس لئے کہ وہاں پہنچ کر اس سے بہتر چیزیں انہیں مل چکی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ کلمہ خیر زبان سے نکالنا، کسی مسلمان بھائی کیلئے دعا کرنا، درگزر کرنا، خطاوار کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کی تہہ میں ایذاء دہی ہو،

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) فرماتے ہیں کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں۔ کیا تم نے فرمان باری (قول معروف الخ) نہیں سنا؟ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ حلیم اور بردبار ہے، گناہوں کو دیکھتا ہے اور حلم وکرم کرتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے، تجاوز کر لیتا ہے اور بخش دیتا ہے

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کیلئے دردناک عذاب ہیں، ایک تو دے کر احسان جتانے والا، دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تہبند لٹکانے والا، تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔

ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا،

نسائی میں ہے تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں، ماں باپ کا نافرمان، شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا، نسائی کی اور حدیث میں ہے یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے،

اسی لئے اس آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے صدقات وخیرات کو منت سماجت واحسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو، اس احسان کے جتانے اور تکلیف کے پہنچانے کا گناہ صدقہ اور خیرات کا ثواب باقی نہیں رکھا۔

پھر مثال دی کہ احسان اور تکلیف دہی کے صدقے کے غارت ہو جانے کی مثال اس صدقہ جیسی ہے جو ریاکاری کے طور پر لوگوں کو دکھاوے کیلئے دیا جائے۔ اپنی سخاوت اور فیاضی اور نیکی کی شہرت مدنظر ہو، لوگوں میں تعریف وستائش کی چاہت ہو صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب نہ ہو نہ اس کے ثواب پر نظر ہو، اسی لئے اس جملے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو تو اس ریاکارانہ صدقے کی اور اس احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے صدقہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چٹیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی بھی پڑی ہوئی ہو، پھر سخت شدت کی بارش ہو تو جس طرح اس پتھر کی تمام مٹی دھل جاتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتی، اسی طرح ان دونوں قسم کے لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے کہ گو لوگ سمجھتے ہوں کہ اس کے صدقہ کی نیکی اس کے پاس ہے جس طرح بظاہر پتھر پر مٹی نظر آتی ہے لیکن جیسے کہ بارش سے وہ مٹی جاتی رہی اسی طرح اس کے احسان

بتانے یا تکلیف پہچانے یا ریاکاری کرنے سے وہ ثواب بھی جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو کچھ بھی جزا نہ پائے گا اپنے اعمال میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھے گا، اللہ تعالیٰ کافر گروہ کی راہ راست کی طرف رہبری نہیں کرتا۔

یہ مثال مؤمنوں کے صدقات کی دی جن کی نیتیں اللہ کو خوش کرنے کی ہوتی ہیں اور جزائے خیر ملنے کا بھی پورا یقین ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے جس شخص نے رمضان کے روزے ایمانداری کے ساتھ ثواب ملنے کے یقین پر رکھے۔۔ ربوہ کہتے ہیں اونچی زمین کو جہاں نہریں چلتی ہیں اس لفظ کو ربوۃ اور ربوۃ بھی پڑھا گیا ہے۔ وابل کے معنی سخت بارش کے ہیں، وہ دگنا پھل لاتی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے باغوں کی زمین کے، یہ باغ ایسا ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ بالفرض بارش نہ بھی ہو تاہم صرف شبنم سے ہی پھلتا پھولتا ہے یہ ناممکن ہے کہ موسم خالی جائے، اسی طرح ایمانداروں کے اعمال کبھی بھی بے اجر نہیں رہتے۔ وہ ضرور بدلہ دلواتے ہیں، ہاں اس جزا میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایماندار کے خلوص اور اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندے کا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

کفر اور بڑھاپا:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن صحابہ سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا، آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں؟ اس کا صاف جواب دو، حضرت ابن عباس نے فرمایا امیر المؤمنین میرے دل میں ایک بات ہے آپ نے فرمایا بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو، فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے، پوچھا کون سا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھو دیتا ہے، پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے اس میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداء اچھے عمل کئے پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا، اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی یہ خیال ہاتھ رہ گیا، جس طرح ایک شخص ہے جس نے باغ لگایا پھل اتارتا ہو، لیکن جب بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا چھوٹے بچے بھی ہیں آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا، اب مدار زندگی صرف وہ ایک باغ ہے اتفاقاً آندھی چلی پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا، کافر شخص بھی جب اللہ کے ہاں جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڈھے کو، اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا، اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڈھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی، مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کی ایک دعا یہ تھی (اللھم اجعل اوسع رزقک علی عند کبر سنی و انقضاء عمری) اے اللہ اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے یہ مثالیں بیان فرما دیں، تم بھی غور و فکر تدبر و تفکر کرو، سوچو سمجھو اور عبرت و نصیحت حاصل کرو جیسے فرمایا: (آیت: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝) ان مثالوں کو ہم نے لوگوں کیلئے بیان فرما دیا۔ انہیں علماء ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا زَكُّوْا مِنْ طَيِّبٰتِ جِيَادِ مَا كَسَبْتُمْ مِنَ الْمَالِ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ مِنَ الْحُبُوْبِ وَالثِّمَارِ وَلَا تَيَمَّمُوْا تَقْصِدُوْا الْخَبِيْثَ الرَّدِيَّ مِنْهُ اَيْ مِنَ الْمَذْكُوْرِ تُنْفِقُوْنَ فِي الزَّكٰوةِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ تَيَمَّمُوْا وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اَيِ الْخَبِيْثَ لَوْ اُعْطِيْتُمُوْهُ فِيْ حُقُوْقِكُمْ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ بِالتَّسَاهُلِ وَغَضِّ الْبَصَرِ فَكَيْفَ تُؤَدُّوْنَ مِنْهُ حَقَّ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْ نَفَقَاتِكُمْ حَمِيْدٌ ۞ مَحْمُوْدٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ يُخَوِّفُكُمْ بِهٖ اِنْ تَصَدَّقْتُمْ فَتُمْسِكُوْا وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ اَلْبُخْلِ وَمَنْعِ الزَّكٰوةِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ عَلَى الْاِنْفَاقِ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ لِذُنُوْبِكُمْ وَفَضْلًا ۭ رِزْقًا خَلَفًا مِنْهُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ فَضْلُهٗ عَلِيْمٌ ۞ بِالْمُنْفِقِ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ الْعِلْمَ النَّافِعَ الْمُؤَدِّيَ اِلَى الْعَمَلِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ لِمَصِيْرِهٖ اِلَى السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ وَمَا يَذَّكَّرُ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ يَتَّعِظُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَدَّيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فوفيتم به فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ بِمَنْعِ الزَّكٰوةِ وَالنَّذْرِ اَوْ بِوَضْعِ الْاِنْفَاقِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ مِنْ مَعَاصِي اللّٰهِ مِنْ اَنْصَارٍ ۞ مَانِعِيْنَ لَهُمْ مِنْ عَذَابِهٖ اِنْ تُبْدُوا تُظْهِرُوا الصَّدَقٰتِ اَيِ النَّوَافِلَ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ اَيْ نِعْمَ شَيْءٌ اِبْدَاؤُهَا وَاِنْ تُخْفُوْهَا تُسِرُّوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ مِنْ اِبْدَائِهَا وَاِيْتَائِهَا الْاَغْنِيَاءَ اَمَّا صَدَقَةُ الْفَرْضِ فَالْاَفْضَلُ اِظْهَارُهَا لِيُقْتَدٰى بِهٖ وَلِئَلَّا يُتَّهَمَ وَاِيْتَاؤُهَا الْفُقَرَاءَ مُتَعَيِّنٌ وَيُكَفِّرُ بِالْيَاءِ وَبِالنُّوْنِ مَجْزُوْمًا بِالْعَطْفِ عَلٰى مَحَلِّ فَهُوَ وَمَرْفُوْعًا عَلَى الْاِسْتِئْنَافِ عَنْكُمْ مِّنْ بَعْضِ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ عَالِمٌ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ وَلَمَّا مَنَعَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ التَّصَدُّقِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ لِيُسْلِمُوْا اُنْزِلَ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ اَيِ النَّاسِ اِلَى الدُّخُوْلِ فِي الْاِسْلَامِ اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ هِدَايَتَهٗ اِلَى الدُّخُوْلِ فِيْهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ مَالٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ لِاَنَّ ثَوَابَهٗ لَهَا وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ اَيْ ثَوَابَهٗ لَا غَيْرَهٗ مِنْ

الدُّنْيَا خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ جَزَاؤُهُ وَأَنْتُمْ لَا
تُظْلَمُونَ ۝ تُنْقَصُونَ مِنْهُ شَيْئًا وَالْجُمْلَتَانِ تَاكِيدٌ لِلْأُولَى لِلْفُقَرَاءِ خَبَرُ مُبْتَدَإٍ مَحْذُوفٍ أَيِ الصَّدَقَاتُ
الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَيْ حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ عَلَى الْجِهَادِ وَنَزَلَتْ فِي أَهْلِ الصُّفَّةِ وَهُمْ أَرْبَعُمِائَةٍ
مِنَ الْمُهَاجِرِينَ أُرْصِدُوا لِتَعَلُّمِ الْقُرْآنِ وَالْخُرُوجِ مَعَ السَّرَايَا لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا سَفَرًا فِي الْأَرْضِ
لِلتِّجَارَةِ وَالْمَعَاشِ لِشُغْلِهِمْ عَنْهُ بِالْجِهَادِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ بِحَالِهِمْ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ أَيْ
لِتَعَفُّفِهِمْ عَنِ السُّؤَالِ وَتَرْكِهِ تَعْرِفُهُمْ يَا مُخَاطَبًا بِسِيمَاهُمْ ۚ عَلَامَتِهِمْ مِنَ التَّوَاضُعِ وَأَثَرِ الْجُهْدِ لَا
يَسْأَلُونَ النَّاسَ شَيْئًا فَيُلْحِفُونَ إِلْحَافًا ۖ أَيْ لَا سُؤَالَ لَهُمْ أَصْلًا فَلَا يَقَعُ مِنْهُمْ إِلْحَافٌ وَهُوَ الْإِلْحَاحُ
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ.

ع ۳۷ ۵

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو (زکوٰۃ ادا کرو) پاکیزہ چیز (عمدہ چیز) کو اپنی کمائی میں سے (یعنی جو مال تم نے کمایا نقد ہو یا سامان تجارت، طیبات بمعنی جیاد یعنی عمدہ کھری چیزیں اور (عمدہ چیز کو) اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے (یعنی غلوں اور پھلوں کو) اور نیت مت لے جایا کرو (قصد نہ کرو) خراب چیز (رڈی چیز) کی طرف کہ اس میں سے (یعنی خراب مذکور میں سے) خرچ کرنے لگو (زکوٰۃ میں تُنْفِقُونَ حال ہے تَيَمَّمُوا کی ضمیر فاعلی سے) حالانکہ تم خود نہیں لینے والے ہو اس کو (یعنی اگر وہ رڈی چیز دیے جاؤ تم اپنے حقوق میں تو کبھی نہ لوگے) مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اس میں (تساہل کر کے یعنی نرمی کا برتاؤ و رعایت کر کے لے لو، تو پھر اللہ تعالیٰ کا حق اس ردی مال سے کیونکہ ادا کرتے ہو. اغماض کے معنی غض بصر یعنی آنکھ بند کرنا یہاں مجازاً درگزر کرنا، رعایت کرنا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کا دوسرے پر حق ہو اور ایسا خراب و رڈی مال دے تو یہ شخص قبول نہیں کرتا لیکن اگر قصداً رعایت کر کے اپنا حق چھوڑ دینا چاہے تو لے لیتا ہے مفسرؒ نے اسی مفہوم کو تساہل اور غض بصر سے بیان کیا ہے) اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں تمہارے نفقات سے (یعنی کسی کے محتاج نہیں ہیں کہ تمہاری رڈی چیزوں سے خوش ہوں) تعریف کے لائق ہیں (ہر حال میں) اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ الخ شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے (یعنی شیطان تم کو خوف دلاتا ہے کہ اگر خرچ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے تاکہ تم رک جاؤ) اور شیطان تم کو حکم کرتا ہے بری بات (یعنی بخل کرنے اور زکوٰۃ نہ دینے کا) اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے (خرچ کرنے پر) اپنی طرف سے مغفرت کا (یعنی تمہارے گناہوں کے معاف کر دینے کا) اور زیادہ دینے کا (ایسے رزق کا جو خرچ کیے ہوئے کے قائم مقام ہوگا) اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں (اپنے فضل میں) اور خوب جاننے والے ہیں (خرچ کرنے والے کو) اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتے ہیں (یعنی ایسا مفید علم جو عمل تک پہنچا دے عطا فرماتے ہیں) جس کو چاہتے ہیں اور جس کو حکمت (علم نافع)

مل جاوے اسکو بڑی خیر کی چیز مل گئی (سعادت ابدیہ کی طرف پہنچنے کی وجہ سے) اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ فِیہِ الخ یعنی اس یذکر میں تاء کا ادغام ذال میں ہے اصل میں یتذکر تھا تاء کو ذال سے بدل کر ذال کو ذال میں ادغام کردیا معنی میں یَتَّعِظُ کے ہے، جو لوگ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی اصحاب العقول یعنی ایسی عقل سلیم جو وہم ونقص کے عیوب سے محفوظ ہو) وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ الخ اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو (یعنی تم نے زکوٰۃ ادا کی یا صدقہ دیا) یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو (پھر اس نذر کو پورا بھی کردیا) سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے (چنانچہ تم کو اس پر جزاء دے گا) اور ظالموں کا (جو زکوٰۃ ادا کرنے اور نذر پورا کرنے سے روکتے ہوں یا اللہ کی نافرمانیوں میں بے محل خرچ کرتے ہوں) کوئی مددگار نہیں ہے (کہ اللہ کے عذاب سے ان کو بچالے) اِنْ تُبْدُوا الخ اگر تم ظاہر کرکے دو صدقات کو (یعنی نفلی صدقات ظاہر کرکے دو) تب بھی اچھی بات ہے (یعنی اس کا اظہار اچھی چیز ہے) اور اگر ان کا اخفاء کرو اور (چھپا کر پوشیدہ طور سے) فقیروں کو دیدو تب تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے (یعنی صدقات کو ظاہر کرکے دینے اور مال داروں کو دینے سے زیادہ بہتر اخفاء ہے لیکن صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ تو اس کا اظہار ہی افضل ہے تاکہ لوگ اس کی اقتداء کریں اور اس لیے بھی کہ خود مہتم نہ رہے کہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ میں فقراء متعین ہیں (یعنی زکوٰۃ کے لیے صرف فقراء ہی متعین ہیں) وَيُكَفِّرُ یاء اور نون کے ساتھ دونوں قراءت ہے، مجزوم پڑھا جائے تو فَهُوَ کے محل پر عطف ہوگا تو چونکہ مدخول فاء مقام جزاء میں ہے اس لئے جزاء شرط کی وجہ سے مجزم پڑھا جائے مجزوم ہوگا، و مرفوعا علی الاستیناف اور مرفوع پڑھنے کی صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا یعنی ماقبل پر معطوف نہیں ہوگا، وَيُكَفِّرُ الخ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کچھ (یعنی بعض) گناہ دور کردیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے (یعنی ظاہر کی طرح باطن سے بھی باخبر ہے اس میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں ہے) (اور جب رسول اللہ ﷺ نے مال صدقات مشرکوں کو دینے سے منع کردیا تاکہ وہ لوگ مسلمان ہوجائیں تو یہ آیت نازل ہوئی) ان کو ہدایت پر لے آنا آپ کے ذمہ لازم نہیں (یعنی لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا آپ پر فرض وواجب نہیں آپ پر تو صرف تبلیغ ہے، ہدایت کا پہنچادینا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت پر لے آتے ہیں جس کو چاہتے ہیں) یعنی اسلام میں داخل ہونے کی ہدایت فرماتے ہیں) اور تم جو کچھ مال سے خرچ کرتے ہو وہ اپنے لیے کرتے ہو (کیوں کہ اس کا ثواب تمہیں کو ملے گا) اور تم جو کچھ محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے ہو (یعنی صرف ثواب الٰہی کے لئے نہ اور کسی غرض دنیاوی کے لئے، اور یہ وَمَا تُنْفِقُوْنَ خبر بمعنی نہی ہے۔ ای لا تنفقوا: یعنی صرف لوجہ اللہ ہی خرچ کرو) اور تم جو کچھ بھی مال خرچ کروگے وہ پورا پورا تم کو ملے گا (یعنی اس کا ثواب تم کو ملے گا) اور تم ظلم نہیں کئے جاؤ گے (یعنی اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی، یہ دونوں جملے پہلے: وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ کی تاکید ہے) لِلْفُقَرَآءِ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اَیِ الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ) ان محتاجوں کا حق ہے (صدقات وخیرات) جو مقید ہوگئے ہوں اللہ کی راہ میں (یعنی جن لوگوں نے اپنی جانوں کو جہاد پر روک رکھا ہے، یہ آیت اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ لوگ چار سو مہاجرین میں سے تھے جو قرآن کی تعلیم اور لشکروں کے ساتھ نکلنے کے لیے مستعد رہتے تھے) ملک میں چلنے پھرنے (سفر کرنے) کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں (یعنی تجارت کرنے

اور کمانے کے لیے کہیں ادھر ادھر جا نہیں سکتے ہیں جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے اور جہاد سے مراد یہاں اطاعت الٰہی ہے خواہ قرآن وحدیث کی تعلیم ہو یا اسلامی لشکروں کے ساتھ سرایا کی شرکت ہے) سمجھتا ہے ان کو جو شخص ناواقف ہے (ان کے حال سے) مالدار ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے (یعنی سوال سے بچنے اور سوال کے ترک کی وجہ سے مالدار خیال کرتا ہے) تم ان لوگوں کو پہچان سکتے ہو (اے مخاطب) ان کی علامت سے (سیما بمعنی علامت ونشانی ہے یعنی ان کی انکساری وتواضع سے اور مشقت کے اثر سے، مطلب یہ ہے کہ ان کے چہرے سے عاجزی ٹپکتی ہے اور ان پر فقر وفاقہ کی مشقت ظاہر ہے) وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے ہیں کچھ بھی (کہ اصرار کریں) لپٹ کر (یعنی یہ لوگ بالکل مانگتے ہی نہیں کہ ان کی جانب سے اصرار کی نوبت آئے اور الحاف سے مراد الحاح بمعنی اصرار ہے یعنی اس طرح چمٹ جانا کہ بغیر لیے نہیں چھوڑنا) اور جو مال تم خرچ کرو گے بیشک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں (چنانچہ اس پر بدلہ ملے گا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: جِيَادِ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ طیبات سے عمدہ مال مراد ہے نہ کہ حلال کیونکہ مسلمان تو حلال ہی کمائی کرے گا۔

قوله: مِنْ طَيِّبٰتِ: مِمَّآ اَخْرَجْنَا کو مَا كَسَبْتُمْ پر عطف کیوں نہیں کیا، حرف جر کو ہر ایک پر لا کر اس کا مستقل ہونا ظاہر کیا۔

قوله: الرَّدِیَ: اس تعبیر کو اس لیے اختیار کیا تا کہ حرام اور بیکار دونوں کو شامل ہو۔

قوله: بِالتَّسَاهُلِ: یہ اغمض البصر کا مجاز ہے کیونکہ ناپسندیدہ چیز کو دیکھ کر آدمی آنکھیں بند کرتا ہے۔

قوله: يُخَوِّفُكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ وعدہ کا لفظ خیر وشر دونوں میں استعمال ہوتا ہے مگر یہاں اپنے اصل معنی میں ہے۔

قوله: النَّاسِ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع لوگ ہیں، فقط فقراء نہیں۔

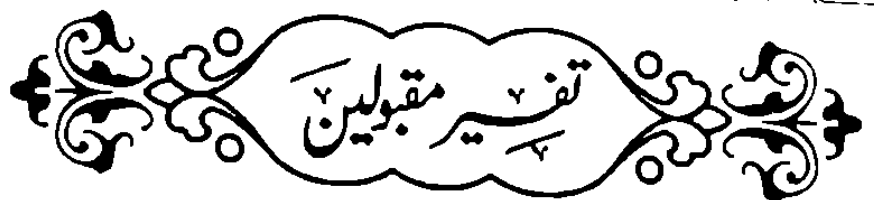
قوله: وَالْجُمْلَتَانِ: دراصل یہاں من واذی کی اور زیادہ شناعت کے لیے عطف الدلیل علی الدلیل کی طرح ہے۔

قوله: لِتَعَفُّفِهِمْ: اس میں اشارہ ہے کہ مِنَ تعلیلیہ ہے۔ بیانیہ اور تبعیضیہ نہیں۔

قوله: فَيُلْحِفُوْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ الحاف یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور جملے کا عطف منفی پر ہے۔

قوله: لَا سُؤَالَ لَهُمْ اَصْلًا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفی ہر ایک کی طرف متوجہ ہوتی ہے نہ کہ مجموع من حیث المجموع کی طرف۔ فتامل

قوله: وَهُوَ الْاِلْحَاحُ: یعنی مسئول کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے یہاں تک کہ وہ اس کو کچھ دیدے۔



خراب اور حرام مال کی خیرات مسترد

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ مال تجارت جو اللہ جل شانہ نے تمہیں دیا ہے سونا چاندی اور پھل اناج وغیرہ جو اس نے تمہیں زمین سے نکال کر دیئے ہیں، اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ عمدہ چیزیں اللہ کی راہ میں دو۔ ردی، واہیات، سڑی گلی، گری پڑی، بے کار، فضول اور خراب چیزیں راہ اللہ نہ دو، اللہ خود طیب ہے وہ خبیث کو قبول نہیں کرتا، ہم اس کے نام پر یعنی گویا اسے وہ خراب چیز دینا چاہتے ہو جسے اگر تمہیں دی جاتی تو نہ قبول کرتے پھر اللہ کیسے لے لے گا؟ ہاں مال جاتا دیکھ کر اپنے حق کے بدلے کوئی گری پڑی چیز بھی مجبور ہو کر لے لو تو اور کوئی بات ہے لیکن اللہ ایسا مجبور بھی نہیں وہ کسی حالت میں ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا، یہ بھی مطلب ہے کہ حلال چیز کو چھوڑ حرام چیز یا حرام مال سے خیرات نہ کرو، مسند احمد میں ہے رسول اللہ (ﷺ) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں، دنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے دشمنوں کو بھی، ہاں دین صرف دوستوں کو ہی عطا فرماتا ہے اور جسے دین مل جائے وہ اللہ کا محبوب ہے۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے، کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو جائیں، لوگوں کے سوال پر آپ نے فرمایا ایذاء سے مراد دھوکہ بازی اور ظلم و ستم ہے، جو شخص حرام وجہ سے مال حاصل کرے اس میں اللہ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقہ خیرات کو قبول فرماتا ہے اور جو چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب اس کیلئے آگ میں جانے کا توشہ اور سبب بنتا ہے، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتا ہے، خباثت خباثت سے نہیں مٹتی، پس دو قول ہوئے۔ ایک تو ردی چیزیں دوسرا حرام مال۔ اس آیت میں پہلا قول مراد لینا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے، حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق کھجوروں کے خوشے لاکر دوستوں کے درمیان ایک رسی کے ساتھ لٹکا دیتے، جسے اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے، کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی اس میں ردی کھجور کا ایک خوشہ لٹکا دیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں ایسی ہی چیزیں ہدیہ میں دی جائیں تو ہرگز نہ لو گے۔ ہاں اگر شرم و لحاظ سے بادل ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے، اس کے نازل ہونے کے بعد ہم میں کا ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا (ابن جریر) ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہلکی قسم کی کھجوریں اور واہی پھل لوگ خیرات میں نکالتے جس پر یہ آیت اتری اور حضور (ﷺ) نے ان چیزوں سے صدقہ دینا منع فرمایا، حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں مؤمن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی، مراد یہ ہے کہ بیکار چیز صدقہ میں نہ دو،

ابن عباس فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ

لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر، تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور یہی معنی ہیں آیت (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ) (آل عمران: ۹۲) کے بھی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور عمدہ چیز دینے کا۔ کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ محتاج ہے، نہیں نہیں وہ تو بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو، یہ حکم صرف اس لئے ہے کہ غرباء بھی دنیا کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں گے، جیسے اور جگہ قربانی کے حکم کے بعد فرمایا آیت: (لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ) (الحج: ۳۷) اللہ تعالیٰ نہ اس کا خون لے نہ گوشت، وہ تو تمہارے تقوے کی آزمائش کرتا ہے۔ وہ کشادہ فضل والا ہے، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں، صدقہ اپنے چہیتے حلال مال سے نکال کر اللہ کے فضل اس کے بخشش اس کے کرم اور اس کی سخاوت پر نظریں رکھو، وہ اس کا بدلہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر تمہیں عطا فرمائے گا وہ مفلس نہیں وہ ظالم نہیں، وہ حمید ہے تمام اقوال افعال تقدیر شریعت سب میں اس کی تعریفیں ہی کی جاتی ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ ہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا۔

جب کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر خیرات کروں گا تو مفلس رہ جاؤں گا اور حق تعالیٰ کی تاکید سن کر بھی یہی ہمت ہو اور دل چاہے کہ اپنا مال خرچ نہ کرے اور وعدہ الٰہی سے اعراض کر کے وعدہ شیطانی پر طبیعت کو میلان اور اعتماد ہو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے ہے یہ نہ کہے کہ شیطان کی تو ہم نے کبھی صورت بھی نہیں دیکھی حکم کرنا تو درکنار رہا اور اگر یہ خیال آوے کہ صدقہ خیرات سے گناہ بخشے جائیں گے اور مال میں بھی ترقی اور برکت ہوگی تو جان لیوے کہ یہ مضمون اللہ کی طرف سے آیا ہے اور خدا کا شکر کرے اور اللہ کے خزانہ میں کمی نہیں سب کے ظاہر و باطن نیت عمل کو خوب جانتا ہے۔

حکمت کے معنے اور تفسیر:

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ: لفظ حکمت قرآن کریم میں بار بار آیا ہے اور ہر جگہ اس کی تفسیر میں مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں، تفسیر بحر محیط میں اس جگہ تمام اقوال مفسرین کو جمع کیا ہے وہ تقریباً تیس ہیں مگر آخر میں فرمایا کہ درحقیقت یہ سب اقوال متقارب ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں صرف تعبیرات کا فرق ہے کیونکہ لفظ حکمت احکام بالکسر کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں کسی عمل یا قول کو اس کے تمام اوصاف کے ساتھ مکمل کرنا۔

اسی لئے بحر محیط میں آیت بقرہ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ (۲:۲۵۱) جو حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے اس کی تفسیر میں فرمایا:

والحکمة وضع الامور فی محلها علی الصواب و کمال ذلک انما یحصل بالنبوة: حکمت کے اصلی معنی ہر شے کو اس کے محل میں رکھنے کے ہیں اور اس کا کمال صرف نبوت سے ہو سکتا ہے اس لئے یہاں حکمت کی تفسیر نبوت سے کی گئی ہے۔

امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ لفظ حکمت جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جائے تو معنی تمام

اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے، موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل مراد ہوتا ہے۔

اسی مفہوم کی تعبیریں مختلف الفاظ میں کی گئی ہیں کسی جگہ اس سے مراد قرآن ہے کسی جگہ حدیث کسی جگہ علم صحیح کہیں عمل صالح کہیں قول صادق کہیں عقل سلیم، کہیں فقہ فی الدین، کہیں اصابت رائے اور کہیں خشیۃ اللہ اور آخری معنی تو خود حدیث میں بھی مذکور ہیں: رأس الحکمہ خشیۃ اللہ۔ یعنی اصل حکمت خدا تعالیٰ سے ڈرنا ہے اور آیت: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۲:۶۲) میں حکمت کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین سے حدیث وسنت منقول ہے اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ آیت زیر نظر: يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ میں یہ سب چیزیں مراد ہیں (بحر محیط، ص۳۲۰، ج۲) اور ظاہر یہی قول ہے اور ارشاد قرآنی: وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا سے بھی اس کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ جس شخص کو حکمت دے دی گئی اس کو خیر کثیر دے دے گئی واللہ اعلم۔

یعنی جو کچھ خیرات کی جائے تھوڑی یا بہت بھلی نیت سے یا بری نیت سے چھپا کر یا لوگوں کو دکھا کر یا منت مانی جائے کسی طرح کی تو بیشک خدا تعالیٰ کو پورا علم ہے سب کا اور جو لوگ انفاق مال اور نذر میں حکم الٰہی کے خلاف کرتے ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں اللہ جو چاہے اُن پر عذاب کرے منت قبول کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اب اگر ادا نہ کی تو گنہگار ہوگا اور نذر اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلانے شخص کو دونگا یا اس نذر کا ثواب فلاں کو پہنچے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

صدقات کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ طریقہ پر دینا:

اس آیت شریفہ میں صدقات دینے کے بارے میں ایک بہت اہم بات ذکر فرمائی ہے اور وہ صدقات ظاہر کر کے دینے اور چھپا کر دینے کے متعلق ہے اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ریا کاری جس کا نام ہے وہ خواہ مخواہ چپکتی نہیں پھرتی وہ تو نیت اور ارادہ کا نام ہے، جو کوئی شخص نماز پڑھے یا ذکر کرے یا زکوۃ دے یا صدقہ نافلہ دے اور اس کی نیت یہ ہو کہ لوگ مجھے نیک سمجھیں، میرا نام ہو، میری شہرت ہو تو یہ ریا کاری ہوگی اور گناہ ہوگا جس سے اعمال اکارت ہو جائیں گے، لیکن اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانی و مالی عبادت کرے چاہے لوگوں کے سامنے ہی ہو اور اس سے نام و نمود شہرت مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر یہ نیت ہو کہ لوگوں کے سامنے عمل کرنے سے دوسروں کو بھی ترغیب ہوگی تو اس نیت کا مستقل ثواب ملے گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں اپنے گھر کے اندر اپنی نماز کی جگہ نماز پڑھ رہا تھا کہ آدمی داخل ہوا اس نے مجھے دیکھ لیا اس کے آنے سے مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو اس میں تیرے لیے دو اجر ہیں، پوشیدہ عمل کرنے کا اجر بھی اور ظاہراً عمل کرنے کا اجر بھی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو یہ بیان کیا کہ ''مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا'' اس کے بیان کرنے میں یا تو ان کا یہ مطلب تھا کہ میرے نفس میں ریا کاری کا وسوسہ آ گیا کہ مجھے ایک آدمی نے تنہائی میں نماز پڑھتے دیکھ

لیا یا یہ مطلب تھا کہ نفس کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ یہ جو آدمی آیا ہے یہ میرا عمل دیکھ کر خود بھی عمل کرے گا۔ بہر حال جو بھی صورت ہو آنحضرت سرور عالم (ﷺ) نے ان کو دوہرے اجر کی خوشخبری دی۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ریا لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تو اندر کے اس جذبہ کا نام ہے کہ لوگ میرے معتقد ہوں اور مجھے اچھا کہیں اور عبادت کی وجہ سے میری تعریف ہو۔ اس تمہید کے بعد آیت بالا کی تفسیر ذہن نشین کر لینی چاہئے، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دے دو تو یہ بھی اچھی بات ہے، جب نیت خالص ہے اور اللہ کی رضا مقصود ہے تو یہ ادائیگی ریاکاری نہ رہی اور اس میں اس فائدہ کی امید ہے کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہو گی پھر فرمایا اور اگر تم صدقات کو چھپا کر دو تو تو یہ تمہارے لیے ظاہر کر کے دینے سے زیادہ بہتر ہے۔ ظاہر کر کے دینے کو اچھی بات بتایا اور چھپا کر دینے کو زیادہ بہتر بتایا، کیونکہ چھپا کر دینے میں احتمال ریا کا ختم ہو جاتا ہے اور نفس کے پھولنے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اور اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس کو صدقہ دیا جائے وہ تنہائی میں لینے سے شرماتا نہیں اور اپنی خفت بھی محسوس نہیں کرتا۔ الفاظ آیت کے عموم سے معلوم ہو رہا ہے کہ چھپا کر دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔ بعض حالات کے اعتبار سے لوگوں کے سامنے خرچ کرنا زیادہ باعث فضیلت ہو جائے وہ دوسری بات ہے مثلاً کسی جگہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا رواج نہیں ہے لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں فریضہ زکوٰۃ زندہ کرنے اور اس کا رواج ڈالنے کے لیے لوگوں کے سامنے دے یا کوئی ایسا شخص ہو جس کی اقتداء میں لوگوں کو خرچ کرنے کی طرف توجہ ہو گی تو ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے دینے اور خرچ کرنے میں چھپا کر دینے سے زیادہ ثواب ہو سکتا ہے اصل چیز اخلاص نیت ہے اور نفس پر قابو پانا چونکہ ہر شخص کے بس کا نہیں ہے اس لیے چھپا کر خرچ کرنے کو زیادہ بہتر اور افضل بتایا ہے، بہت سے لوگ دیتے تو تنہائی میں ہیں لیکن اخبارات کے ذریعے شہرت حاصل کرتے ہیں اور مساجد و مدارس کی روئیدادوں میں اپنا نام لانے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑے بڑے القاب و آداب کے ساتھ اپنا نام چھپنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ تنہائی میں دینے کا کیا فائدہ ہوا؟ جبکہ دل میں ریاکاری کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔ عمل ظاہر میں کرے یا پوشیدہ کرے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو اور عمل کی جو خوبی ظاہر میں ہو وہی پوشیدہ حالت میں ہو تو یہ دلیل اخلاص ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور اچھی طرح نماز پڑھتا ہے اور پوشیدہ طور پر نماز پڑھتا ہے تب اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ واقعی یہ میرا بندہ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ٤٥٥)

صاحب روح المعانی (ص ٤٤ ج ٣) لکھتے ہیں کہ چھپا کر صدقہ کرنے کے بارے میں کثیر تعداد میں احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں پھر مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو صدقہ کسی فقیر کو چپکے سے دے دیا جائے یا ایسا شخص صدقہ کر دے جو تنگدست ہوتے ہوئے محنت اور کوشش کر کے مال حاصل کرے اور صدقہ دے دے اس کے بعد آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔ صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ سات افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا، ان سات آدمیوں میں ایک وہ شخص ہے جس نے دائیں ہاتھ

سے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اس سے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی۔

جب آپ نے صحابہ کو مسلمانوں کے سوا اوروں پر صدقہ کرنے سے روکا اور اس میں یہ مصلحت تھی کہ مال ہی کی غرض سے دین حق کی طرف راغب ہوں آگے یہ فرمادیا کہ یہ ثواب جب ہی تک ملے گا کہ اللہ کی خوشی مطلوب ہوگی تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں عام حکم آ گیا کہ اللہ کی راہ میں جس کو مال دو گے تم کو اس کا ثواب دیا جائے گا مسلم غیر مسلم کسی کی تخصیص نہیں یعنی جس پر صدقہ کرو اس میں مسلم کی تخصیص نہیں البتہ صدقہ میں یہ ضرور ہے کہ محض بوجہ اللہ ہو۔

یعنی ایسوں کا دینا بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے کھانے کمانے سے رک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرت کے اصحاب تھے۔ اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کر حضرت کی صحبت اختیار کی تھی علم دین سیکھنے کو اور مفسدین فتنہ پردازوں پر جہاد کرنے کو اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں۔ اور چہرہ سے ان کو پہچاننا اس کا مطلب یہ ہے کہ انکے چہرے زرد اور بدن دبلے ہو رہے ہیں اور آثار جد و جہد ان کی صورت سے نمودار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا اَیْ یَاْخُذُوْنَهٗ وَھُوَ الزِّیَادَۃُ فِی الْمُعَامَلَۃِ بِالنُّقُوْدِ وَالْمَطْعُوْمَاتِ فِی الْقَدْرِ اَوِ الْاَجَلِ لَا يَقُوْمُوْنَ مِنْ قُبُوْرِھِمْ اِلَّا قِیَامًا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ یَصْرَعُہٗ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ اَلْجُنُوْنِ بِھِمْ مُتَعَلِّقٌ بِیَقُوْمُوْنَ ذٰلِكَ الَّذِیْ نَزَلَ بِھِمْ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ اَنَّھُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ فِی الْجَوَازِ وَھٰذَا مِنْ عَکْسِ التَّشْبِیْہِ مُبَالَغَۃً فَقَالَ تَعَالٰی رَدًّا عَلَیْھِمْ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ بَلَغَہٗ مَوْعِظَةٌ وعظ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى عَنْ اَکْلِہٖ فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ قَبْلَ النَّھْیِ اَیْ لَا یُسْتَرَدُّ مِنْہُ وَ اَمْرُهٗۤ فِی الْعَفْوِ عَنْہُ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ اِلٰی اَکْلِہٖ مُشَبِّھًا لَہٗ بِالْبَیْعِ فِی الْحِلِّ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا یَنْقُصُہٗ وَیُذْھِبُ بَرَکَتَہٗ وَ يُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ یَزِیْدُھَا وَیُنَمِّیْھَا وَیُضَاعِفُ ثَوَابَھَا وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ بِتَحْلِیْلِ الرِّبٰوا اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ فَاجِرٍ بِاَکْلِہٖ اَیْ یُعَاقِبُہٗ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا اُتْرُکُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ صَادِقِیْنَ فِیْ اِیْمَانِکُمْ فَاِنَّ مِنْ شَاْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِمْتِثَالُ اَمْرِ اللّٰہِ نَزَلَتْ لَمَّا

طَالَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ بَعْدَ النَّهْيِ بِرِبوا كَانَ لَهُ قَبْلُ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا مَا اُمِرْتُمْ بِهِ فَأْذَنُوْا اِعْلَمُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ لَكُمْ فِيْهِ تَهْدِيْدٌ شَدِيْدٌ لَهُمْ وَلَمَّا نَزَلَتْ قَالُوْا لَا يَدَى لَنَا بِحَرْبِهِ وَ اِنْ تُبْتُمْ رَجَعْتُمْ عَنْهُ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اُصُوْلُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ بِزِيَادَةٍ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ بِنَقْصٍ اِنْ كَانَ وَقَعَ غَرِيْمٌ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ لَهُ اَىْ عَلَيْكُمْ تَاخِيْرُهُ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ بِفَتْحِ السِّيْنِ وَ ضَمِّهَا اَىْ وَقْتِ يُسْرِهِ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا بِالتَّشْدِيْدِ عَلٰى اِدْغَامِ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الصَّادِ وَ بِالتَّخْفِيْفِ عَلٰى حَذْفِهَا اَىْ تَتَصَدَّقُوْا عَلَى الْمُعْسِرِ بِالْاِبْرَاءِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ اَنَّهُ خَيْرٌ فَافْعَلُوْهُ فِى الْحَدِيْثِ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِىْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ تُرَدُّوْنَ وَ لِلْفَاعِلِ تَصِيْرُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى فِيْهِ كُلُّ نَفْسٍ جَزَاءَ مَّا كَسَبَتْ عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَّ شَرٍّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ بِنَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ

ع ۳۸ ۸ ۲

تَرْجَمَہ: جولوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص اوقات) پوشیدہ اور علانیہ (یعنی بلا تخصیص حالات) سوان لوگوں کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس (قیامت کے روز) اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ جولوگ سود کھاتے ہیں (یعنی سود لیتے ہیں خواہ کھائیں یا نہیں، اور سود اس زیادتی کا نام ہے جو مقدار یعنی ربالفضل یا مدت یعنی ربالنسیہ میں نقود اور اناجوں کے معاملہ میں لی جائے، پوری تفصیل تشریح میں آئیگی ان شاء اللہ) لَا يَقُوْمُوْنَ نہیں کھڑے ہوں گے (یعنی قبروں سے نہیں اٹھیں گے) مگر (ایسا اٹھنا) جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو شیطان خبطی بنا دیتا ہے (پچھاڑ دیتا ہے مدہوش کر دیتا ہے) لپٹ کر (یعنی ان کو جنون لگ جائے جن کے اثر سے مخبوط الحواس ہو جائے) مِنَ الْمَسِّ ؕ کا تعلق يَقُوْمُوْنَ کے ساتھ ہے پس مفہوم عبارت اس طرح ہوگا: الذین یاکلون الربوا لا یقومون یوم القیامۃ من الجنون الا کما یقوم الرجل الذی یتخبطہ الشیطان، یعنی سود خوار لوگ نہیں اٹھیں گے قیامت کے دن مدہوشی سے مگر اس طرح جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جس کو جن کو مخبوط الحواس کر دے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سود خور جب قبر سے اٹھے گا تو اس پاگل اور مجنون کی طرح اٹھے گا جس کو کسی شیطان جن نے خبطی کر دیا ہو۔ یہ سزا (جو ان پر واقع ہوئی) اس سبب سے ہوگی (بانھم میں باء اجلیہ ہے بمعنی بسبب انھم) کہ ان (سود خور) لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود ہے) جائز ہونے میں بیع سود ہی کی طرح ہے اور یہ مبالغہ کے لئے الٹی تشبیہ ہے یعنی ہونا چاہیے: انما الربوا مثل البیع کہ سود جواز میں بیع کی طرح ہے لیکن کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے عکس کر کے کہا: اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ، گویا سود کو اصل قرار دیا اور بیع کو اس کے مشابہ، اس سے مطلب یہ تھا کہ سود تو حلال ہے ہی اور بیع بھی فائدہ دہی میں سود ہی طرح ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے

جواب میں فرمایا) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا پھر جس کے پاس آ گئی (پہنچ گئی) ہے نصیحت اس کے پروردگار کی طرف سے (موعظة اسم مصدر بمعنی وعظ ونصیحت ہے) اور وہ باز آ گیا (اس کے کھانے سے اور حلال کہنے سے) تو اسی کا ہے جو پہلے ہو چکا (یعنی سود کی نہی، ممانعت سے پہلے جو کچھ لینا ہو چکا ہے وہ لیا ہوا مال اسی کی ملک ہے یعنی واپس کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا) اور معاملہ اس کا (معافی کے سلسلے میں) اللہ کے حوالے ہے (یعنی صدق دل سے توبہ کی ہے یا نہیں یہ باطنی معاملہ اللہ کے حوالے ہے اگر دل سے توبہ کی ہوگی تو عند اللہ نافع ہوگی ورنہ کالعدم) وَمَنْ عَادَ اور جو شخص عود کرے (دوبارہ پلٹے) سود کھانے کی طرف، سود کو بیع کے ساتھ حلال ہونے میں تشبیہ دیکر) تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں، دوزخ میں وہ ہمیشہ رہیں گے (چونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے اس لیے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے لیکن اگر سود کو حلال نہیں سمجھا بلکہ گناہ سمجھ کر کھایا تو دائمی دوزخ نہیں ہوگا) يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں (یعنی اس کو گھٹاتے رہتے ہیں اور اس برکت کو دور کر دیتے ہیں) اور صدقات کو بڑھاتے ہیں (اس میں ترقی و برکت عطا فرماتے ہیں اور اس کے ثواب کو چند گونہ کر دیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے (سود کو حلال سمجھنے کی وجہ سے) اور کسی گناہ کے کام کرنے والے کو (سود کھانے کی وجہ سے فاجر ہو یعنی اس فاجر کو سزا دیں گے) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کے لیے ان کا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے نزدیک، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو (ترک کر دو) جو کچھ باقی رہ گیا ہے اگر تم ایمان والے ہو (یعنی اگر تم اپنے ایمان میں سچے ہو، کیونکہ مؤمن کی شان اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت و بجا آوری ہے۔ نَزَلَتْ لَمَّا طَالَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ الخ جب بعض صحابہ نے سود کی ممانعت کے بعد اپنا وہ سود طلب کیا جو ممانعت سے پہلے کا چڑھا ہوا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا الخ پھر اگر تم نے یہ کام نہ کیا (جس کا تم کو حکم دیا گیا کہ سود چھوڑ دو) تو اعلان سن لو (جان لو) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کرنے کا (تم سے، اس حکم میں ان کے لیے سخت ترین دھمکی ہے، اور جب آیت تہدید نازل ہوئی تو عرض کرنے لگے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے) اور اگر تم توبہ کر چکے ہو (یعنی تم نے سود لینے سے رجوع کر لیا ہے) تو تمہارے لئے ہے راس المال (اصل سرمایہ تمہارا اپنا ہے) نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے زیادہ لینے میں) اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اصل مال میں کمی کر کے) اور اگر ہے (واقع ہوا ہے قرضدار) تنگدست تو مہلت دینا ہے (یعنی تم پر اس کی تاخیر لازم ہے) فراخ حالی تک (لفظ میسرۃ سین کو فتحہ کے ساتھ اور سین کے ضمہ دونوں قراءت ہے یعنی مہلت دو آسانی کے وقت تک) اور معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے لفظ تصدقوا میں دو قراءت ہے، بتشدید الصاد کہ اصل میں تصدقوا تھا تاء کو صاد کر کے صاد میں ادغام کر دیا تصدقوا ہو گیا، دوسری قراءت تخفیف کے ساتھ یعنی بلا تشدید صاد ہے ایک تاء کو حذف کر دینے کی بنا پر، اور ان مصدریہ ہے معنی ہوں گے صدقہ کر دینا تنگدست پر یعنی معاف کر دینا اپنے اصلی قرض سے بری کر کے تمہارے لیے بہتر ہے) اگر تم جانتے ہو (کہ تنگدست کو بری کر دینا بہتر ہے تو تم ایسا کر لو، حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے مہلت دی تنگدست کو یا اس کو بالکل ہی معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں لے لیں گے اس دن کہ جس دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔ (رواہ

سلم) وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ الخ اور اس دن سے ڈرو جس دن میں تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے (ترجعون میں دو قراءت ہے اکثر کے نزدیک بنی للمفعول یعنی صیغہ مجہول بضم التاء پڑھا گیا ہے بمعنی تردون یعنی تم لوٹائے جاؤ گے اور دوسری قراءت بنی للفاعل یعنی بصیغہ معروف بفتح التاء بمعنی تصیرون یعنی تم لوٹو گے مراد قیامت کا دن ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: يَأْخُذُوْنَهُ: اکل سے مراد مطلق لینا ہے، خواہ وہ کھائے یا نہ کھائے۔

قوله: مِنْ قُبُوْرِهِمْ: قیام سے مراد دنیا میں قیام نہیں بلکہ بعث بعد الموت ہی مراد ہے۔

قوله: يَصْرَعُهُ: یہ ان کے خیال کے مطابق ہے کہ انسان کو جن چھو کر پچھاڑ دیتا ہے۔ ورنہ اصل تو خبط اندھا دھند چلنے کو کہتے ہیں۔

قوله: مِنْ عَكْسِ التَّشْبِيْهِ: کیونکہ گفتگو تو ربوا کی ہے نہ کہ خرید وفروخت کی اور ان لوگوں نے مبالغہ کے طور پر سود کو اصل اور بیع کو اس پر قیاس کیا۔

قوله: وعظ: اس سے اشارہ کیا کہ مَوْعِظَةٌ مصدر میمی ہے، ظرف نہیں۔

قوله: عَنْ اَكْلِهِ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ کھانے اور پہننے سے باز آ گیا۔

قوله: وَيُذْهِبُ بَرَكَتَهُ: اس سے اشارہ کر دیا کہ اس سے ظاہر میں کم زیادہ ہونا مراد نہیں۔

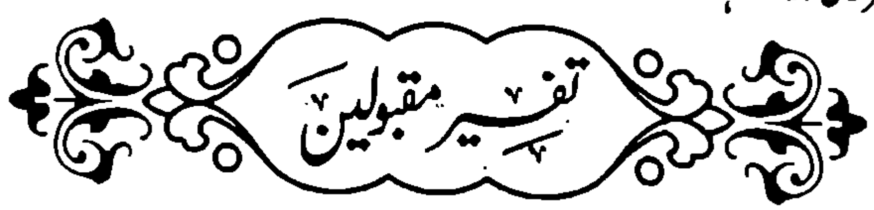
قوله: صَادِقِيْنَ فِيْ اِيْمَانِكُمْ: بعض مؤمنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو دل سے ایمان لانے والے ہیں۔ یہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی قسم ہے کہ اول اٰمَنُوْا سے زبانی ایمان مراد ہے۔

قوله: تَهْدِيْدٌ شَدِيْدٌ: بِحَرْبٍ کو نکرہ لانا بڑائی کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف اس کی نسبت کمال عظمت کے لیے ہے۔

قوله: وَقْتَ يُسْرِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ظرف ہے مصدر میمی نہیں کیونکہ مصدر مضموم العین نہیں ہوتا۔

قوله: تَتَصَدَّقُوْا: یہ تصدق سے ہے تصدیق سے نہیں۔

قوله: فَافْعَلُوْهُ: یہ شرط کی جزاء ہے۔



اس آیت میں ان لوگوں کے اجر عظیم اور فضیلت کا بیان ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے عادی ہیں تمام حالات واوقات میں رات میں اور دن میں خفیہ اور علانیہ ہر طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتے رہتے ہیں اس کے ضمن میں یہ بھی بتلا دیا کہ

صدقہ وخیرات کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں نہ رات اور دن کی کوئی تعیین ہے اس طرح خفیہ اور علانیہ دونوں طرح سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ثواب ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ خرچ کیا جائے نام ونمود مقصود نہ ہو خفیہ خرچ کرنے کی فضیلت بھی اسی حد تک ہے کہ علانیہ خرچ کرنے کے لئے کوئی ضرورت داعی نہ ہو اور جہاں ایسی ضرورت ہو وہاں علانیہ خرچ کرنا ہی افضل ہے۔

روح المعانی میں بحوالہ ابن عساکر نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں اسی طرح خرچ کئے کہ دس ہزار دن میں دس ہزار رات میں، دس ہزار خفیہ اور دس ہزار علانیہ۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا شان نزول اسی واقعہ صدیق اکبر کو لکھا ہے اسکے شان نزول کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں۔

سودخوروں کی مذمت

ان آیات میں سودخوروں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ان کا حال بیان فرمایا ہے جو قیامت کے دن ان کو پیش آئے گا یعنی وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح حیران اور مدہوش کھڑے ہوں گے جیسے کسی کو شیطان لپٹ چپٹ جائے اور وہ اس کی وجہ سے مخبوط ہو جائے یعنی اس کے ہوش خطا ہو جائیں، مبہوت ہو جائے۔ بہکی بہکی باتیں کرے اس کا دل اور دماغ کام نہ کر سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جس کے پیٹ بیوت یعنی گھروں کی طرح سے تھے ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو ان کے پیٹوں کے باہر سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے کہا، اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح ص ٢٤٦ بحوالہ احمد وابن ماجہ)

جس کے سامنے ایک سانپ ہو اس کی حیرانی اور پریشانی کا تصور کرو، پھر یہ سوچو کہ اگر کسی کے پیٹ میں ایک سانپ ہو تو اس کا کیا حال ہوگا اور اس کے بعد یہ غور کرو کہ جس کا پیٹ گھر کے برابر ہو اور اس میں سانپ بھرے ہوئے ہوں اس کا کیا حال ہوگا اور کیا ہوش برقرار رہے گا۔ سودخوروں کی قیامت کے دن کی حالت بتا کر یہ بتایا کہ یہ لوگ سود کو حلال قرار دینے کے لیے یوں کہتے ہیں کہ سود میں اور بیع میں فرق کیا ہے کاروبار کرنے میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ اور سود کے لین دین میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ لہٰذا بیع کی طرح سود لینا بھی صحیح ہوا۔ اس بات کو سود لینے والے مختلف الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو نفع کے نام سے کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پیسے کا نفع ہے حالانکہ کسی چیز کا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور حرام حلال نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے وہ ہمیشہ حرام ہی رہے گا، جب سے بینکوں کا نظام جاری ہوا ہے لوگوں کو سود لینے کی عادت ہو گئی ہے اور جب تک سود نہ کھائیں ان کے نفس کو تسلی ہی نہیں ہوتی اور علماء کو خصوصیت کے ساتھ ہدف ملامت بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں نے قوم کو سود لینے سے اور سودی کاروبار سے روک دیا جس کی وجہ سے قوم بہت نیچے چلی گئی اور دوسری قومیں سودی کاروبار کر کے بام عروج پر پہنچ گئیں۔ بھلا مولوی کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے پاس سے خود کچھ کہے۔ وہ تو حکم سنانے والا ہے۔ حلال چیز کو حرام قرار دینا اس کے عہدہ میں کب ہے۔؟ جن لوگوں کو حرام کا ذوق ہے وہ اللہ پر اور اس

کے رسول (ﷺ) پر اعتراض کرتے ہیں کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ) کہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا پھر کیسے فرق نہیں ہے؟ ایک چیز حلال ہے دوسری چیز حرام ہے یہ بہت بڑا فرق ہے اور بیع اور سود کی حقیقت میں بھی فرق ہے۔ بیع تو مال سے مال کے مبادلہ کو کہا جاتا ہے پوری قیمت کے بدلہ مال آجاتا ہے اور سود میں یہ ہوتا ہے کہ جتنا قرض دیا وہ پورا وصول کر لیا جاتا ہے اور اس کے سوا الگ سے بھی زائد رقم لی جاتی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر وہ قرض جو ذرا سا بھی زائد کچھ لے کر آئے تو وہ سود ہے۔ (کل قرض جر نفعا فھو ربوا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو کچھ قرض دے پھر قرض لینے والا کچھ ہدیہ دے یا اپنے جانور پر سوار کرلے تو نہ سوار ہو نہ ہدیہ قبول کرے۔ ہاں اگر ان کے درمیان اس سے پہلے ہدیہ لینے دینے کا تعلق تھا تو وہ اور بات ہے۔ (رواہ ابن ماجہ البیہقی فی شعب الایمان کمانی المشکوٰۃ ص ۲۴۶)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ تم ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سود کا لین دین رواج پائے ہوئے ہے جب کسی پر کچھ قرض ہو پھر وہ تمہیں بھوسہ کی ایک گٹھڑی یا جو کی گٹھڑی یا رسی میں بندھی ہوئی سبزی بھی دینا چاہے تو اس کو مت لینا کیونکہ وہ سود ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت امام ابوحنیفہ (رح) کی احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ جب کسی قرضدار سے تقاضا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو اس کی دیوار کے سایہ میں کھڑے نہ ہوتے تھے تاکہ قرضدار کی کسی چیز سے انتفاع نہ ہو جس کو قرض دیا ہو اس سے ہدیہ لینے کی ممانعت سے اس بات کا جواب بھی نکل آیا کہ جو شخص سود دیتا ہے۔ وہ اپنی خوشی سے دیتا ہے پھر اس کے لینے پر کیوں پابندی ہے؟ ہدیہ لینے کی ممانعت سے معلوم ہوا کہ خوشی سے دینے پر بھی سود لینا حلال نہیں ہے۔ جبکہ قرضدار سے ہدیہ لینا بھی حلال نہیں ہے تو سود کے نام سے اور سود کے عنوان سے جو کچھ طے کر کے لیا جائے اس کے حلال ہونے کا ذکر ہی کیا ہے؟ باہمی رضامندی سے نہ سود حلال ہے نہ رشوت حلال ہے نہ زنا حلال ہے۔ سود کا لین دین پرانی امتوں میں بھی حرام تھا۔ سورۃ نساء میں فرمایا: (فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا) (سو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو ان کے لیے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ کثرت سے اللہ کے راستہ سے روکنے کا کام کرتے تھے اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا، اور باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کھانے کی وجہ سے، اور ہم نے ان کے لیے جو ان میں سے کفر پر ثابت رہے، دردناک عذاب تیار کیا ہے)۔

چونکہ سودی لین دین میں غریبوں پر ظلم ہوتا ہے۔ اور مہاجن لوگ گھر بیٹھے ہوئے عوام کا خون چوستے ہیں اس لیے سود کھانے کی وہ سزا جو عالم برزخ میں ہے رسول اللہ (ﷺ) کو ایک خواب میں یوں دکھائی گئی کہ ایک شخص خون کی نہر میں کھڑا ہے اور نہر کے کنارے ایک آدمی ہے جس کے سامنے پتھر ہیں جو شخص نہر میں ہے وہ نکلنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس کے منہ پر پتھر

مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسی جگہ چلا جاتا ہے جہاں پہلے تھا جب بھی وہ شخص نکلنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی جگہ چلا جاتا ہے، رسول اللہ (ﷺ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا جن میں ایک جبریل اور دوسرے میکائیل تھے (علیہ السلام) کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ان دونوں نے بتایا کہ یہ شخص جو نہر کے اندر ہے سود کھانے والا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۰ ج ۱)

کیونکہ سود کا لین دین بہت ہی بڑا گناہ ہے اس لیے سود سے متعلق ہر شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اس کی لکھا پڑھی کرنے والے پر اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا کہ یہ لوگ گناہ میں سب برابر ہیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۷ ج ۱)

جو لوگ سودی کاغذات لکھتے ہیں اس کی فائلیں بنا کر رکھتے ہیں سودی لین دین کی فرموں اور کمپنیوں اور بینکوں میں کام کرتے ہیں اور جو سود لیتے ہیں اور سود دیتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ لعنت کے کام میں مشغول ہیں۔ گناہ کی مدد بھی حرام ہے اور جس نوکری میں گناہ کرنا پڑے وہ بھی حرام ہے اور اس کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ سود کا لین دین کرنے والوں اور زیادہ آمدنی کی خواہش رکھنے والوں کو مفتیوں کی بات ناگوار تو لگتی ہے مگر حق تو کہنا ہی پڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ سود کا ایک درہم جو انسان کھا لے اور وہ جانتا ہو کہ یہ سود کا ہے تو یہ چھتیس (۳۶) مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (رواہ احمد والدار قطنی مشکوٰۃ ص ۲۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر حصے ہیں ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ برا کام کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

بیع کی حلت اور سود کی حرمت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: (فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ) کہ جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی سو جو کچھ گزر چکا وہ اسی کے لیے ہے یعنی اب تک جو سود لیا اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔ قال النسفی فی مدارک التنزیل ص ۱۳۸ ج ۱ فلا یؤاخذ بما معنی منه لأنه اخذ قبل نزول التحریم، یعنی گزشتہ عمل پر اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ اس نے حرمت نازل ہونے سے پہلے لیا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۵۱ ج ۳ لکھتے ہیں کہ یہ سود واپس نہ کروایا جائے گا کیونکہ حرمت نازل ہونے سے پہلے حرمت کا قانون نافذ نہیں تھا۔ لہٰذا معاف کر دیا گیا۔

پھر فرمایا (وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ) کہ نصیحت اور موعظت کے بعد جس نے توبہ کر لی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ کے یہاں قبول ہوگی۔ اور جھوٹی توبہ کی ہے تو نفع نہیں دے گی، ظاہری توبہ کے بعد بندوں کو بدگمانی کا کوئی موقع نہیں۔

اور جس نے پہلی بات کی طرف عود کیا یعنی سود کو حلال بنایا اور یوں کہا کہ وہ تو بیع کی طرح سے ہے تو ایسا کہنے والے دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تفسیر مدارک و روح المعانی کی تصریح سے معلوم ہوا کہ فَلَهٗ مَا سَلَفَ نزول تحریم سے پہلے جو سود لیا تھا اس سے متعلق ہے۔ بعد تحریم کے بعد جو شخص سود لے گا وہ واپس ہوگا۔

اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں، یہاں سود کے ساتھ صدقات کا ذکر ایک خاص مناسبت سے لایا گیا ہے کہ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں بھی تضاد ہے، اور ان کے نتائج بھی متضاد ہیں، اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض و نیت بھی متضاد ہوتی ہے۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں تو بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے، اور سود میں بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے، ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لئے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور ثواب آخرت کے لئے اپنے مال کو کم یا ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے، اور سود لینے والا اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہے اور نتائج کا متضاد ہونا قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال کو یا اس کی برکت کو مٹا دیتے ہیں، اور صدقہ کرنے والے کے مال یا اس کی برکت کو بڑھاتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مال کی ہوس کرنیوالے کا مقصد پورا نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا جو اپنے مال کی کمی پر راضی تھا اس کے مال میں برکت ہو کر اس کا مال یا اس کے ثمرات و فوائد بڑھ جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آیت میں سود کو مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کا کیا مطلب ہے؟ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مٹانا اور بڑھانا آخرت کے متعلق ہے کہ سود خوروالوں کا مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گا بلکہ ان پر وبال بن جائے گا، اور صدقہ خیرات کرنے والوں کا مال آخرت میں ان کے لئے ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا اور یہ بالکل ظاہر ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور عامہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ سود کا مٹانا اور صدقہ کا بڑھانا آخرت کے لئے تو ہے ہی، مگر اس کے کچھ آثار دنیا میں بھی مشاہدہ میں آ جاتے ہیں۔

سود جس مال میں شامل ہو جاتا ہے، بعض اوقات وہ مال خود ہلاک و برباد ہو جاتا ہے، اور پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتا ہے، جیسے کہ ربوٰ اور سٹہ کے بازاروں میں اس کا ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بڑے بڑے کروڑ پتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیوالیہ اور فقیر بن جاتے ہیں، بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع و نقصان کے احتمالات رہتے ہیں اور بہت سے تاجروں کو نقصان بھی کسی تجارت میں ہو جاتا ہے، لیکن ایسا نقصان کہ کل کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسہ کو بھی محتاج ہے، یہ صرف سود اور سٹہ کے بازاروں میں ہی ہوتا ہے، اور اہل تجربہ کے بے شمار بیانات اس بارے میں مشہور و معروف ہیں کہ سود کا مال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً پائیدار اور باقی نہیں رہتا، جس کا فائدہ اولاد اور نسلوں میں چلے، اکثر کوئی نہ کوئی آفت پیش آ کر اس کو برباد کر دیتی ہے، حضرت معمر نے فرمایا کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ سود خور پر چالیس سال گذرنے نہیں پاتے کہ اس کے مال پر محاق (یعنی گھاٹا) آ جاتا ہے۔

اور اگر ظاہری طور پر مال ضائع و برباد بھی نہ ہو تو اس کے فوائد و برکات و ثمرات سے محرومی تو یقینی اور لازمی ہے، کیونکہ یہ بات کچھ مخفی نہیں کہ سونا چاندی خود تو نہ مقصود ہے نہ کارآمد، نہ اس سے کسی کی بھوک مٹ سکتی ہے، نہ پیاس نہ سردی، نہ گرمی سے بچنے کے لئے اوڑھا بچھایا جا سکتا ہے، نہ وہ کپڑوں برتنوں کا کام دے سکتا ہے، پھر اس کو حاصل کرنے اور محفوظ کرنے میں ہزاروں مشقتیں اٹھانے کا منشاء ایک عقلمند انسان کے نزدیک اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ سونا چاندی ذریعہ ہیں ایسی چیزوں کے

حاصل کرنے کا کہ جن سے انسان کی زندگی خوشگوار بن سکے، اور وہ راحت و عزت کی زندگی گزار سکے، اور انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ یہ راحت و عزت جس طرح اسے حاصل ہوئی اس کی اولاد اور متعلقین کو بھی حاصل ہو۔

یہی وہ چیزیں ہیں جو مال و دولت کے فوائد و ثمرات کہلا سکتے ہیں، اس کے نتیجہ میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جس شخص کو یہ ثمرات و فوائد حاصل ہوئے اس کا مال ایک حیثیت سے بڑھ گیا اگرچہ دیکھنے میں کم نظر آئے اور جس کو یہ فوائد و ثمرات کم حاصل ہوئے اس کا مال ایک حیثیت سے گھٹ گیا اگرچہ دیکھنے میں زیادہ نظر آئے۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سود کا کاروبار اور صدقہ و خیرات کے اعمال کا جائزہ لیجئے تو یہ بات مشاہدہ میں آجائے گی کہ سود خور کا مال اگرچہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ بڑھنا ایسا ہے کہ جیسے کسی انسان کا بدن ورم وغیرہ سے بڑھ جائے ورم کی زیادتی بھی تو بدن ہی کی زیادتی ہے، مگر کوئی سمجھدار انسان اس زیادتی کو پسند نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادتی ہے موت کا پیغام ہے اسی طرح سود خور کا مال کتنا ہی بڑھ جائے مگر مال کے فوائد و ثمرات یعنی راحت و عزت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

ساں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سود خوروں کو بڑی سے بڑی راحت و عزت حاصل ہے وہ کوٹھیوں بنگلوں کے مالک ہیں عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہیں کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کی ضرورت بلکہ فضولیات بھی سب ان کو حاصل ہیں نوکر چاکر اور شان و شوکت کے تمام سامان ہیں لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامان راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے سامان راحت تو فیکٹریوں اور کارخانوں میں بنتا اور بازاروں میں بکتا ہے وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہو سکتا ہے لیکن جس کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے نہ کسی منڈی میں بکتی ہے، وہ ایک ایسی رحمت ہے جو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے وہ بعض اوقات ہزاروں سامان کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتی، ایک نیند کی راحت کو دیکھ لیجئے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے یہ تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لئے مکان کو بہتر سے بہتر بنائیں، ہوا اور روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب دل خوش کن ہو، چارپائی اور گدے اور تکیے حسب منشا ہوں، لیکن کیا نیند کا آجانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں وہ انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضہ سے نیند نہیں آتی۔ اب امریکہ جیسے مالدار متمدن ملک کے متعلق بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ وہاں پچھتر فیصد آدمی خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے اور بعض اوقات خواب آور دوائیں بھی جواب دیدیتی ہیں نیند کے سامان تو آپ بازار سے خرید لائے مگر نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لا سکتے، اسی طرح دوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے کہ ان کے سامان تو روپیہ پیسے کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں مگر راحت و لذت کا حاصل ہونا ضروری نہیں۔

یہ بات سمجھ لینے کے بعد سود خوروں کے حالات کا جائزہ لیجئے تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر راحت کا نام نہ پائیں گے وہ اپنے کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ اور ڈیڑھ کروڑ کو دو کروڑ بنانے میں ایسے مست نظر آئیں گے کہ نہ ان کو اپنے کھانے پینے کا ہوش ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا، کئی کئی مل چل رہے ہیں، دوسرے ملکوں سے جہاز آ رہے ہیں ان کی ادھیڑ بن ہی میں صبح سے شام اور شام سے صبح ہو جاتی ہے، افسوس ہے کہ ان دیوانوں نے سامان راحت ہی کا نام راحت سمجھ لیا ہے اور حقیقت میں راحت سے کوسوں دور ہیں۔

یہ حال تو ان کی راحت کا ہے اب عزت کو دیکھ لیجئے یہ لوگ چونکہ سخت دل اور بے رحم ہو جاتے ہیں ان کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ مفلسوں کی مفلسی سے یا کم مایہ لوگوں کی کم مائگی سے فائدہ اٹھائیں ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو پالیں اس لئے ممکن نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی کوئی عزت و وقار ہو اپنے ملک کے بنیوں اور ملک شام کے یہودیوں کی تاریخ پڑھ جائیے، ان کے حالات کو دیکھ لیجئے ان کی تجوریاں کتنے ہی سونے چاندی اور جواہرات سے بھری ہوں لیکن دنیا کے کسی گوشہ میں انسانوں کے کسی طبقہ میں ان کی کوئی عزت نہیں بلکہ ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب مفلس لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے بغض و نفرت پیدا ہوتی ہے اور آجکل تو دنیا کی ساری جنگیں اسی بغض و نفرت کی مظاہر ہیں، محنت و سرمایہ کی جنگ نے ہی دنیا میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظریئے پیدا کئے کمیونزم کی تخریبی سرگرمیاں اسی بغض و نفرت کا نتیجہ ہیں جن سے پوری دنیا قتل و قتال اور جنگ و جدال کا جہنم بن کر رہ گئی ہے، یہ حال تو اپنی راحت و عزت کا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ سود کا مال سود خور کی آنے والی نسلوں کی زندگی کو بھی کبھی خوشگوار نہیں بناتا یا ضائع ہو جاتا ہے یا اس کی نحوست سے وہ بھی مال و دولت کے حقیقی ثمرات سے محروم و ذلیل رہتے ہیں لوگ یورپ کے سود خوروں کی مثال سے شاید فریب میں آئیں کہ وہ لوگ تو سب کے سب خوش حال ہیں اور ان کی نسلیں بھی پھولتی پھلتی ہیں لیکن اول تو ان کی خوش حالی کا اجمالی خاکہ عرض کر چکا ہوں۔

دوسرے ان کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی مردم خور دوسرے انسانوں کا خون چوس کر اپنا بدن پالتا ہو اور ایسے کچھ انسانوں کا جتھہ ایک محلہ میں آباد ہو جائے آپ کسی کو اس محلہ میں لے جا کر مشاہدہ کرائیں کہ یہ سب کے سب بڑے صحت مند اور سرسبز شاداب ہیں لیکن ایک عقل مند آدمی کو جو انسانیت کی فلاح کا خواہشمند ہے صرف اس محلہ کا دیکھنا نہیں بلکہ اس کے مقابل ان بستیوں کو بھی دیکھنا ہے جن کا خون چوس کر ان کو ادھ موا کر دیا گیا ہے اس محلہ اور ان بستیوں کے مجموعہ پر نظر ڈالنے والا کبھی اس محلے کے فربہ ہونے پر خوش نہیں ہو سکتا اور مجموعی حیثیت سے ان کے عمل کو انسانی ترقی کا ذریعہ نہیں بتا سکتا بلکہ اس کو انسان کی ہلاکت و بربادی ہی کہنے پر مجبور ہوگا۔

اس کے بالمقابل صدقہ خیرات کرنے والوں کو دیکھئے کہ ان کو کبھی اس طرح مال کے پیچھے حیران و سرگردان نہ پائیں گے ان کو راحت کے سامان اگرچہ کم حاصل ہوں مگر سامان والوں سے زیادہ اطمینان اور سکون قلب جو اصلی راحت ہے ان کو حاصل ہوگی، دنیا میں ہر انسان ان کو عزت کی نظر سے دیکھے گا۔ (معارف القرآن)

سود کو ترک کرنا ایمانداری کا تقاضا:

سو اس ارشاد میں تصریح فرما دی گئی کہ ایمانداری کا تقاضا ہے کہ تم لوگ باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو کہ سچے ایمان و یقین کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان صدق دل سے اپنے خالق و مالک کے حکم کے آگے جھک جائے، تو پھر سود خوری جیسے سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب اس سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ سو اس کے باوجود جو لوگ سود خوری سے باز نہیں آتے وہ درحقیقت مؤمن و صادق نہیں اگرچہ وہ زبانی کلامی طور پر ایمان کے بلند بانگ دعوے بھی کرتے ہوں۔ کیونکہ دین کے کچھ حصوں کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا ایمان نہیں کفر ہے، جس کی سزا خلود فی النار ہے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ

سود اور قرض سے متعلقہ احکام بیان فرمانے کے بعد قیامت کے دن کی حاضری کی طرف متوجہ فرمایا اور یوم الحساب کی حاضری کا مراقبہ کرنے کا حکم دیا جس دن ہر شخص اپنے پورے پورے اعمال کی فہرست پر مطلع ہوگا اور اپنے اپنے کیے ہوئے کا بدلہ ملے گا۔ جسے فکر آخرت ہو موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو اور بارگاہ خداوندی میں اعمال کا حساب دینے کا استحضار ہو وہ وہاں کی نجات اور اجر و ثواب کے لیے ہر طرح کے حرام مال کو بآسانی چھوڑ سکتا ہے اور اس کے لیے نفس کو راضی کر سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ تَعَامَلْتُمْ كَسَلَمٍ وَقَرْضٍ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى مَعْلُوْمٍ فَاكْتُبُوْهُ اِسْتِيْثَاقًا وَدَفْعًا لِلنِّزَاعِ وَلْيَكْتُبْ كِتَابَ الدَّيْنِ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ بِالْحَقِّ فِيْ كِتَابَتِهٖ لَا يَزِيْدُ فِي الْمَالِ وَالْاَجَلِ وَلَا يَنْقُصُ وَلَا يَاْبَ يَمْتَنِعْ كَاتِبٌ مِنْ اَنْ يَّكْتُبَ اِذَا دُعِيَ اِلَيْهَا كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ اَيْ فَضَّلَهُ بِالْكِتَابَةِ فَلَا يَبْخَلْ بِهَا وَالْكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِيَاْبَ فَلْيَكْتُبْ تَاكِيْدٌ وَلْيُمْلِلْ عَلَى الْكَاتِبِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ الدَّيْنُ لِاَنَّهُ الْمَشْهُوْدُ عَلَيْهِ فَيُقِرُّ لِيَعْلَمَ مَا عَلَيْهِ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ فِيْ اِمْلَائِهٖ وَلَا يَبْخَسْ يَنْقُصْ مِنْهُ اَيِ الْحَقِّ شَيْئًا فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا مُبَذِّرًا اَوْ ضَعِيْفًا عَنِ الْاِمْلَاءِ لِصِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ لِخَرَسٍ اَوْ جَهْلٍ بِاللُّغَةِ اَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ مُتَوَلِّيْ اَمْرِهٖ مِنْ وَالِدٍ وَوَصِيٍّ وَقَيِّمٍ وَمُتَرْجِمٍ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا اَشْهِدُوْا عَلَى الدَّيْنِ شَهِيْدَيْنِ شَاهِدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ اَيْ بَالِغِي الْمُسْلِمِيْنَ الْاَحْرَارِ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا اَيِ الشَّاهِدَانِ رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ يَشْهَدُوْنَ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ لِدِيْنِهٖ وَعَدَالَتِهٖ وَتَعَدُّدُ النِّسَاءِ لِاَجْلِ اَنْ تَضِلَّ تَنْسٰى اِحْدٰىهُمَا الشَّهَادَةَ لِنَقْصِ عَقْلِهِنَّ وَضَبْطِهِنَّ فَتُذَكِّرَ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اِحْدٰىهُمَا الذَّاكِرَةُ الْاُخْرٰى النَّاسِيَةَ وَجُمْلَةُ الْاِذْكَارِ مَحَلُّ الْعِلَّةِ اَيْ لِتُذَكِّرَ اِنْ ضَلَّتْ وَدَخَلَتْ عَلَى الضَّلَالِ لِاَنَّهُ سَبَبُهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ اِنْ شَرْطِيَّةٍ وَرَفْعِ تُذَكِّرُ اِسْتِيْنَافٌ جَوَابُهُ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا زَائِدَةٌ دُعُوْا اِلٰى تَحَمُّلِ الشَّهَادَةِ وَاَدَائِهَا وَلَا تَسْئَمُوْٓا تَمَلُّوْا مِنْ اَنْ تَكْتُبُوْهُ اَيْ مَا شَهِدْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ لِكَثْرَةِ وُقُوْعِ ذٰلِكَ صَغِيْرًا كَانَ اَوْ كَبِيْرًا قَلِيْلًا اَوْ كَثِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ وَقْتِ حُلُوْلِهٖ حَالٌ مِنَ الْهَاءِ فِيْ تَكْتُبُوْهُ ذٰلِكُمْ اَيْ

الْكِتٰبُ اَقْسَطُ اَعْدَلُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ اَيْ اَعْوَنُ عَلٰى اِقَامَتِهَا لِاَنَّهُ يُذَكِّرُهَا وَ اَدْنٰى اَقْرَبُ اِلٰى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا تَشُكُّوْا فِيْ قَدْرِ الْحَقِّ وَالْاَجَلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تَقَعَ تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ فَتَكُوْنُ نَاقِصَةً وَاسْمُهَا ضَمِيْرُ التِّجَارَةِ تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ اَيْ تَقْبِضُوْنَهَا وَلَا اَجَلَ فِيْهَا فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْٓ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ط وَالْمُرَادُ بِهَا الْمُتَّجَرُ فِيْهِ وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ عَلَيْهِ فَاِنَّهُ اَدْفَعُ لِلْاِخْتِلَافِ وَهٰذَا وَمَا قَبْلَهُ اَمْرُ نُدْبٍ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ط صَاحِبَ الْحَقِّ وَمَنْ عَلَيْهِ بِتَحْرِيْفٍ اَوِ امْتِنَاعٍ مِنَ الشَّهَادَةِ اَوِ الْكِتَابَةِ اَوْلَا يَضُرُّهُمَا صَاحِبُ الْحَقِّ بِتَكْلِيْفِهِمَا مَالَا يَلِيْقُ فِي الْكِتَابَةِ وَالشَّهَادَةِ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا مَا نُهِيْتُمْ عَنْهُ فَاِنَّهُ فُسُوْقٌ خُرُوْجٌ عَنِ الطَّاعَةِ لَاحِقٌ بِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط فِيْ اَمْرِهِ وَ نَهْيِهِ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط مَصَالِحَ اُمُوْرِكُمْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَوْ مُسْتَاْنِفٌ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ اَيْ مُسَافِرِيْنَ وَتَدَايَنْتُمْ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَرُهُنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ط تَسْتَوْثِقُوْنَ بِهَا وَ بَيَّنَتِ السُّنَّةُ جَوَازَ الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ وَوُجُوْدِ الْكَاتِبِ فَالتَّقْيِيْدُ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ التَّوَثُّقَ فِيْهِ اَشَدُّ وَاَفَادَ قَوْلُهُ مَقْبُوْضَةٌ اِشْتِرَاطَ الْقَبْضِ فِي الرَّهْنِ وَالْاِكْتِفَاءَ بِهِ مِنَ الْمُرْتَهِنِ وَوَكِيْلِهِ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيِ الدَّائِنُ الْمَدِيْنَ عَلٰى حَقِّهِ فَلَمْ يَرْتَهِنْ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَيِ الْمَدِيْنُ اَمَانَتَهُ دَيْنَهُ وَ لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ط فِيْ اَدَائِهِ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط اِذَا دُعِيْتُمْ لِاِقَامَتِهَا وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهُ اٰثِمٌ قَلْبُهُ ط خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُ مَحَلُّ الشَّهَادَةِ وَلِاَنَّهُ اِذَا اَثِمَ تَبِعَهُ غَيْرُهُ فَيُعَاقَبُ مُعَاقَبَةَ الْاٰثِمِيْنَ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ۔

ع ۳۹ ۲ ۷

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرنے لگو: (تداینتم بمعنی تعاملتم ہے) ادھار کا (جیسے بیع سلم اور قرض ہے اور سامان ادھار، دوسری صورت یہ ہے کہ مبیع تو لے لیا مگر دام ادھار ہے جیسا کہ عام طور پر دستور ہے بیع سلم کی تفصیل آئے گی ان شاء اللہ) اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ایک معین میعاد تک (جو معلوم ہو) تو اس کو لکھ لیا کرو (معاملہ کو پختہ کرنے اور نزاع کو دور کرنے کے لئے) اور چاہئے کہ لکھ دے (ادھار کی تحریر، دستاویز) تم میں سے کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ (یعنی حق کے ساتھ لکھے کہ اپنی تحریر میں مال اور مدت میں نہ زیادتی کرے نہ کمی) اور انکار نہ کرے (باز نہ رہے) لکھنے والا لکھنے سے (جب لکھنے کو بلایا جاوے) جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا (یعنی اللہ نے اپنے فضل سے اس کو لکھنا سکھایا ہے اس لیے لکھنے میں بخل نہیں

کرنا چاہیئے، اور کَمَا کا کاف یان فعل سے متعلق ہے اور کاف جارہ بمعنی من اجلیہ ہے اور ما مصدریہ فالمعنی لا یمنع کاتب من الکتابة من اجل تعلیم اللہ له تلک الکتابة) فَلْيَكْتُبْ، سو کاتب کو چاہئے کہ لکھ دے (یہ تاکید ہے) اور لکھوائے (کاتب کو) وہ شخص جس کے ذمہ حق (یعنی قرض) واجب ہو (لانہ المشھود علیہ فیقر لیعلم ما علیہ اس لئے کہ یہی وہ شخص ہے جس پر شہادت دلائی جارہی ہے یعنی اس پر گواہی ہوگی پس یہ اقرار کرتا جائے تاکہ معلوم ہو کہ اس پر کیا واجب ہے، مطلب یہ ہے کہ مدیون لکھوائے گا جس کے ذمہ قرض ہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے جو اس کا پروردگار ہے (کاتب کو لکھانے میں) اور کمی نہ کرے (یبخس بمعنی ینقص ہے) اس (حق) میں سے ذرہ برابر (مطلب یہ ہے کہ لکھاتے وقت کچھ بھی بتلانے میں کمی نہ کرے) فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ الخ پھر اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق واجب تھا (یعنی مدیون) وہ اگر ناقص العقل ہو (یعنی فضول خرچ ہو) اس میں معتوہ اور مجنون سب داخل ہیں) یا ضعیف ہو (یعنی کمزور ہو لکھوانے سے کم عمر ہونے کی وجہ سے یا بہت بوڑھا پیر فرتوت ہونے کی وجہ سے) یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو (گونگا ہونے کی وجہ سے یعنی مدیون گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا ہے، یا اس کے علاوہ کوئی سبب ہو جیسے وکیل) تو اس کا ولی لکھوادے (مفسر نے متولی امرہ سے اشارہ کیا ہے کہ ولی سے مراد یہاں اصطلاحی نہیں ہے بلکہ لغوی مراد ہے یعنی اس کے کام کا متولی جو اس کا کارکن ہو خواہ باپ ہو یا وصی یا منیجر یا مترجم لکھوائے) انصاف کے ساتھ (یعنی ٹھیک ٹھیک بغیر زیادتی کے) اور گواہ بنالو (مفسر نے استشھدوا سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ سین اور تا زائدہ ہے معنی میں اشھدوا کے ہے یعنی قرض پر گواہ بنالو) دو گواہ (شھیدین بمعنی شاہدین ہے) اپنے مردوں میں سے (یعنی دونوں مسلمان بالغ اور آزاد ہوں) پھر اگر نہ ہوں (دو گواہ) دو مرد (تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ ہو جائیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو (ان کے دین اور عدالت کی وجہ سے، اور عورتوں کا متعدد ہونا اس وجہ سے ہے) تاکہ اگر بہک جائے (بھول جائے) ان دونوں میں سے ایک عورت (گواہی کو عقل و حفظ کے ناقص ہونے کی وجہ سے) تو ایک دوسری کو یاد دلادے، فتذکر تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں قراءت ہے، جمہور کی قراءت کاف کو تشدید کے ساتھ تذکیر سے مضارع کا صیغہ تذکر ہے اور راء پر زبر اس وجہ سے ہے کہ اس کا عطف تضل پر ہے جس پر ان ناصبہ داخل ہے۔ دوسری قراءت کاف کو تخفیف یعنی بلاتشدید اذکار سے مضارع ہے اذکار اور تذکیر بمعنی یاد دلانا ہے، مطلب یہ ہے کہ یاد رکھنے والی عورت بھولنے والی کو یاد دلادے، وجملة الاذکار محل العلة اور یاد دلانے کا جملہ ہی درحقیقت محل علت ہے یعنی دو عورتیں اس علت سے ٹھہرائی گئیں کہ یاد دلادے ایک عورت دوسری کو اگر وہ بھول جائے اور بھولنے میں داخل ہو جائے کیوں کہ یہی ضلال و نسیان تذکیر و یاد دلانے کا سبب ہے چنانچہ سبب علت ضلال کو علت بنادیا گیا۔ لاجل ان تضل الخ اور ایک قراءت میں ان شرطیہ کسرہ کے ساتھ اور تذکرہ رفع کے ساتھ پورا جملہ مستانفہ بن کر جواب شرط یعنی جزاء ہے اور تضل شرط، شرط ہونے کی وجہ سے تضل پر جزم ہونا چاہئے لیکن تشدید لازم کی وجہ سے جزم نہ آسکا) وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا، اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں (اذا ما میں ما زائدہ ہے) جس وقت بلائے جائیں (گواہ بننے اور گواہی دینے کے لئے) اور تم اکتایا نہ کرو (ملول خاطر نہ ہو) اس دین کے لکھنے سے (یعنی اس حق کے جس پر تم گواہ بنے ہو اس کے کثرت وقوع کی وجہ

ے، مطلب یہ ہے کہ اگر بار بار بھی ایسی نوبت پیش آئے تو بھی لکھنے سے مت اکتاؤ) معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا (تھوڑا ہو یا زیادہ، مفسرؒ نے قلیلا کان او کثیرا کے درمیان کان کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا کان محذوف کی خبر ہے) اِلٰٓى اَجَلِهٖ اس کی میعاد تک (اس کی ادائیگی کے وقت تک، یہ اِلٰٓى اَجَلِهٖ تَكْتُبُوْهُ کی ضمیرہ سے حال ہے یعنی وقت ادا کی مدت کے ساتھ لکھو) ذٰلِكُمْ یہ (لکھ لینا) انصاف کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے (القسط بمعنی اعدل ہے) اللہ کے نزدیک اور شہادت کو بہت قائم رکھنے والا ہے (یعنی بہت مددگار ہے گواہی کے قائم کرنے پر کیونکہ یہ تحریر گواہی کو یاد دلا دے گی) و ادنی الخ بمعنی اقرب ہے) اور قریب تر ہے اس بات سے کہ تم شبہ میں نہ پڑو (یعنی دین کی مقدار اور میعاد میں شک میں نہ پڑ جاؤ، تحریر کو اس سے بر اقرب حاصل ہے اس لیے لکھ ہی لینا اچھا ہے) مگر یہ کہ کوئی تجارت نقدا نقد ہو (ایک قراءت میں تجارۃ نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس صورت میں تجارۃ حاضرۃ موصوف صفت ملکر تکون فعل ناقص کی خبر ہوگی اور تکون میں ضمیر اسم ہے جو تجارۃ کی طرف راجع ہوگی، عبارت ہوگی: اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً الخ۔ دوسری قراءت رفع کے ساتھ ہے عبارت ہوگی: اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ الخ اس صورت میں یا تو کان کو تامہ مانا جائے یا پھر ناقصہ ہو تو تجارۃ حاضرۃ تکون کا اسم ہوگا اور خبر آ رہی ہے تدیرونہا بینکم) جس کو تم باہم لیتے دیتے ہو (وصول کر لیتے ہو ہاتھوں ہاتھ اور نہ اس میں کوئی مدت ہے) تو پھر پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں اسکو نہ لکھو (مراد اس سے تجارت سے وہ سامان ہے جس میں تجارت واقع ہو) اور گواہ کر لیا جب تم خرید و فروخت کرو (اس پر گواہ بنالو اس لئے اس سے اختلاف کی نوبت نہیں آتی ہے اور یہ حکم یعنی گواہ بنانے اور اس کے ماقبل کا حکم یعنی لکھنا امر استحبابی ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے) وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ اور ضرر نہ پہنچائیں کاتب اور نہ گواہ (صاحب حق جس کا قرضہ ہے اور نہ اس کو جس پر قرضہ ہے تحریف کر کے، یعنی کاتب لکھنے میں تحریف کر کے اور گواہ شہادت میں تحریف کر کے کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اَوِ امْتِنَاعٌ مِنَ الشَّهَادَةِ الخ یا شہادت یا تحریر سے انکار کر کے فریقین کو نقصان نہ پہنچائیں، یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب لایضار فعل ہو جس کی اصل لایضارر بکسر الراء ہوگی، اَوْلَا يَضُرُّهُمَا صَاحِبُ الْحَقِّ الخ یہاں سے مفسر سیوطیؒ نے لایضار کو مجہول پڑھنے کی صورت کا مطلب بیان کیا ہے آیت کا ترجمہ ہوگا" اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو (مفسرؒ نے اس کا مطلب بیان کیا ہے اور لایضرھما الخ سے کہ صاحب حق ان دونوں کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچائیں کتاب یا گواہی میں نامناسب باتوں کی تکلیف دے کر، مثلاً کاتب کی اجرت نہ دیں یا نامناسب بات لکھنے کے لئے کہیں اور گواہ کو نامناسب گواہی پر مجبور کریں یا دور سے بلا کر راستہ کا خرچ نہ دیں) وَاِنْ تَفْعَلُوْا الخ اور اگر تم ایسا کرو گے (جس بات سے تم کو منع کر دیا گیا ہے) تو یہ گناہ کی بات ہے (اطاعت الٰہی سے نکلنا ہے) جو تم کو لاحق ہو گا (مفسر سیوطیؒ نے بکم سے پہلے لاحق نکال کر اشارہ کر دیا کہ بکم کا متعلق محذوف ہے) وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اس کے امر اور نہی میں) اور اللہ تعالیٰ تم کو سکھلاتے ہیں (تمہارے کاموں کے مصالح، جن سے تمہارے دین و دنیا کی مصلحتیں وابستہ ہیں، وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ سے حال یا جملہ مستانفہ ہے، مفسرؒ اگر صرف جملہ مستانفہ پر اکتفا کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا چونکہ نحوی قاعدہ کے ماتحت حال کی صورت میں تاویل کرنی پڑے گی) اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے

ہیں اور اگر تم کہیں سفر میں ہو (یعنی مسافر ہو اور ادھار معاملہ کرنے لگو) اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گرو رکھنے کی چیزیں (صاحب حق کے) قبضہ میں دیدی جائیں (یعنی اس کے ذریعہ مضبوط کرو، ایک قراءت میں فرہن یعنی راء اور ھاء دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور جمہور کی قراءت فرہان مقبوضۃ ہے اور ہر دو یعنی رہن اور رہان جمع ہے رھن کی، فتح سے رھن گرو رکھنا۔ وَ بَيَّنَتِ السُّنَّةُ الخ اور حدیث شریف نے بیان کر دیا ہے کہ حالت حضر میں اور کاتب کے موجود ہوتے ہوئے بھی رھن جائز ہے اس لیے مذکورہ دونوں قیدیں (سفر کی حالت اور کاتب کا نہ ملنا) صرف اس وجہ سے ہیں کہ حالت سفر میں مضبوطی کی ضرورت بہ نسبت حضر کے اشد ہے اور لفظ مقبوضۃ کی قید نے فائدہ دیا کہ رھن میں قبضہ شرط ہے اور یہ کہ خود مرتھن قبضہ کرے یا اس کا وکیل قبضہ کرے کافی ہے۔ فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ، موصوف صفت مل کر مبتدا اور اس کی خبر مفسرؒ نے نکالا "تَسْتَوْثِقُوْنَ بِهَا" مگر آسان یہ تھا کہ رھان مقبوضۃ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ ای علیکم فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ الخ پس اگر تم میں سے ایک نے دوسرے کا اعتبار کیا (یعنی ادھار دینے والا، قرض دینے والا اپنے حق پر مطمئن ہے چنانچہ اس نے رہن نہیں لیا) تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہئے کہ ادا کر دے اس کی امانت (یعنی اس کا قرض پورا دیدے) اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے (یعنی اس قرض کے ادا کر دینے میں) اور شہادت (گواہی) کو مت چھپاؤ (جبکہ تم بلائے جاؤ گواہی قائم کرنے کے لئے) اور جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا (خاص کر کے دل کا ذکر اس لیے کیا کہ شہادت کا محل وہی ہے اور اس وجہ سے کہ جب قلب گنہگار ہوا تو قلب کے سوا جو اعضاء ہیں وہ قلب کے تابع ہوں گے پس اس کو گنہگاروں کے مثل سزا ہوگی) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں (کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: تعاملتم: اس لفظ سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ ذکر دین تاسیس ہے نہ کہ تاکید یا مجازات کی طرف ذہن منتقل نہ ہو۔

قوله: فِیْ کِتَابَتِہٖ: اس میں اشارہ ہے کہ بِالْعَدْلِ یہ کَاتِبٌ کے لیے ظرف لغو ہے۔

قوله: فَضَّلَهٗ: اس میں اشارہ کیا کہ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ کا ارشاد کتابت کی نعمت یاد دلا کر اس پر آمادہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

قوله: شَهِيْدَيْنِ: اس سے اشارہ کیا کہ شَهِيْدَيْنِ تثنیہ، شہید بمعنی شاہد ہے اور شہید سے وہ لوگ مراد ہیں جن میں شرائط شہادت موجود ہوں۔

قوله: مَا زَائِدَةٌ: اس لیے کہ اس میں موصولہ، موصوفہ، شرطیہ و کافہ بننے کی صلاحیت نہیں۔

قوله: صَغِيْرًا كَانَ: كَانَ کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ صَغِيْرًا پر نصب اس لیے ہے کہ كَانَ مقدر کی خبر ہے۔

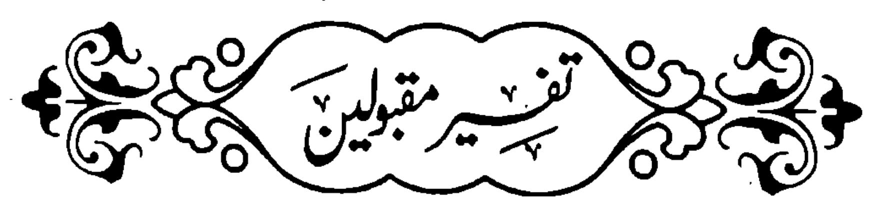
قوله: مِنَ الْهَاءِ فِیْ تَكْتُبُوْهُ: فِیْ کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اَنْ مصدریہ ہے، تفسیریہ نہیں۔

قوله: صَاحِبَ الْحَقِّ: یہ مفعول مقدر تب مانیں گے جب لَا یُضَآرَّ کو معروف پڑھیں اور کَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ دونوں اس کے فاعل ہوں۔

قوله: حَالٌ مُقَدَّرَةٌ أَوْ مُسْتَأْنِفٌ: اس سے اشارہ کیا کہ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ کی واؤ حالیہ یا استنافیہ ہے، عاطفہ نہیں۔

قوله: مِنَ الْمُرْتَهِنِ وَوَكِيلِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ دائن کا بذات خود قبضہ شرط نہیں البتہ رہن کا مقبوض ہونا ضروری ہے۔

قوله: إِذَا دُعِيتُمْ: اس کو مقدر مانا کیونکہ طلب سے قبل شہادت حقیقی طور پر یا حکمی طور پر واجب نہیں۔



مداینت اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل:

یہ کلمات اور حروف کے اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت ہے جو متعدد احکام پر مشتمل ہے۔

شروع آیت میں فرمایا کہ جب تم آپس میں قرض کا لین دین کرو جس کی میعاد مقرر ہو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اس سے ایک تو قرض کے لین دین کا جواز معلوم ہوا۔ دوسرے اس بات کا تاکیدی حکم معلوم ہوا کہ قرض کے لین دین کو لکھ لیا کرو۔ اس لکھنے میں قرض کی مقدار بھی آ جائیگی اور جس وقت ادا کرنا طے کیا ہو وہ وقت تحریری طور پر متعین ہو جائے گا۔ دونوں باتیں مفید ہوں گی۔ کیونکہ خدانخواستہ آپس میں کوئی اختلاف ہو گیا تو تحریر سامنے ہوگی جس سے اختلاف رفع ہو جائے گا۔ لفظ اَجَل کے ساتھ جو مسمّٰی بڑھایا ہے اس میں یہ بتایا کہ ادائیگی کا وقت اس طرح مقرر کریں جسے واقعی مقررہ وقت کہا جا سکے۔ مثلاً کسی مہینہ کی تاریخ مقرر کر دیں، اگر یوں کہا کہ جب میرا باغ پکے گا تو دے دوں گا یا کھیت کٹے گا تو دیدوں گا یا میرا بیٹا یا باپ سفر سے آئے گا تو ادا کر دوں گا تو یہ اجل مسمّٰی نہیں ہے۔

قرض کے لین دین کے لکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے علماء کرام نے اس کو فرض یا واجب پر محمول نہیں کیا بلکہ یہ ایک مستحب عمل ہے اور استحباب مؤکد ہے تاکہ کوئی اختلاف واقع ہو جائے یا بھول چوک ہو جائے تو تحریر کے ذریعہ رفع ہو سکے۔ جہاں دین (قرض) کی لکھا پڑھی کا حکم ہوا اسی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی پابند کیا جو لکھنا جانتے ہیں کہ انصاف کے ساتھ لکھیں، کچھ ردو بدل نہ کر دیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو لکھنا جانتا ہو وہ اللہ کی نعمت کی قدر دانی کرے اللہ نے اسے کتابت کی نعمت دی ہے اور لکھنے کے لائق بنایا ہے تو اللہ کی مخلوق کے کام آئے اور جب اس سے لکھنے کے لیے کہا جائے تو لکھ دیا کرے۔

پھر فرمایا: (وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ) یعنی جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ املا کرائے اور کاتب کو بتائے کہ یہ لکھ دو اور عبارت لکھوانے میں اللہ سے ڈرے، صحیح بات لکھوائے، پورا حق لکھوائے، حق واجب میں سے ذرا سی کمی بھی نہ کرے۔ تحریر کرانے میں اس کو خطاب فرمایا جس پر حق ہے کیونکہ جس پر حق ہے اس کا لکھوانا ایک قسم کا اقرار بھی ہے اور چونکہ اسی کو ادا کرنا ہے اس لیے حق واجب سے زیادہ تو لکھوا ہی نہیں سکتا۔ البتہ صاحب حق کی غفلت یا کم سمجھی یا محاورات نہ جاننے یا

کاتبوں کی اصطلاحات نہ سمجھنے کے باعث اصل حق سے کم نہ لکھوادے۔

اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ کم سمجھ اور خفیف العقل ہے یا کسی بھی اعتبار سے ضعیف ہے (جس میں کم سن نابالغ بچہ ہونا اور بہت زیادہ بوڑھا ہونا بھی شامل ہے جو کاتب تک نہیں پہنچ سکتا یا اس پر خطاء ونسیان غالب ہے) یا املاء کرانے لکھوانے پر قدرت نہیں رکھتا (مثلاً غیر ملکی ہے یا گونگا ہے یا بے پڑھا ہے۔ عبارت بنانے اور بولنے پر قدرت نہیں رکھتا یا جو عبارت دستاویز میں لکھی جاتی ہے وہ نہیں جانتا بات کے الٹ پلٹ ہونے کا اندیشہ ہے) تو اس کا ولی (جس کے ذمہ اس کے اعمال واموال کی دیکھ بھال ہے) انصاف کے ساتھ املا کرادے، کتابت کرانے کے حکم کے ساتھ گواہ بنا لینے کا بھی حکم فرمایا اور فرمایا کہ (وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ) جس کا مطلب ہے کہ کتابت کے ساتھ دو گواہ بھی بنالو، دونوں گواہ مرد ہوں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ دو (۲) مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیں، عورتیں چونکہ حافظہ کے اعتبار سے اور ادائیگی مفہوم کے اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں اس لیے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے۔ اس بات کو (اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ) میں بیان فرمایا کہ ایک عورت بھٹک جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے گی۔

قانون چونکہ عمومی احوال کے اعتبار سے وضع کیا جاتا ہے اس لیے شاذ ونادر احوال اور افراد کو سامنے نہیں رکھا جاتا اس سے یہ اشکال رفع ہوگیا کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے زیادہ فہیم ہوتی ہیں اور حافظہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور بات پیش کرنے کا سلیقہ زیادہ رکھتی ہیں۔ گواہ عاقل بالغ ہوں، مسلم ہوں یہ (مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ) سے مفہوم ہو رہا ہے اور (مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ) جو فرمایا اس سے واضح ہو رہا ہے کہ گواہ صالح عادل ہونے چاہئیں جن پر بھروسہ ہو اور جن پر دونوں فریق کا اعتماد ہو، اور ان میں سے کسی کے بارے میں جانب داری اور غلط بیانی کا احتمال نہ ہو۔

پھر فرمایا: (وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا) کہ جن لوگوں کے سامنے معاملہ ہوا ہے ان کو معاملہ کی صحیح خبر ہے اب جب ضرورت کے وقت ان کو بلایا جائے کہ گواہی دے دو تو ان کا انکار کرنا جائز نہیں ہے وہ جا کر حاکم کے یہاں یا جہاں بلائے جائیں جا کر گواہی دے دیں، اگر کسی کا حق مارا جاتا ہو اور گواہ کی گواہی سے اس کا حق زندہ ہو سکتا ہو تو گواہوں پر واجب ہے کہ گواہی دیں حق جانتے ہوئے گواہی کو چھپائیں گے تو گناہ گار ہوں گے جس کا ذکر آئندہ آیت میں آرہا ہے۔

بعض مرتبہ آپس کے اعتماد یا ہجوم اشغال کی وجہ سے کتابت کرانے میں تنگی محسوس کرتے ہیں اس کے بارے میں تنبیہ فرمائی کہ: (وَلَا تَسْـَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ) کہ چھوٹا قرضہ ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں بددلی اختیار نہ کرو، یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی چیز ہے اور ٹھیک طرح گواہی کی ادائیگی کے لیے بھی بہت زیادہ قائم رکھنے والی ہے اور اس میں ہر قسم کے شک وشبہ سے بچنے اور دور رہنے کا فائدہ ہے البتہ ایک صورت میں کتابت کرنے کی تاکید نہیں ہے جسے یوں بیان فرمایا: (اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ) کہ اگر ایسی تجارت ہو جس کا لین دین نقد اسی وقت ہو رہا ہو اس کی اگر لکھا پڑھی نہ کی تو اس میں کوئی گناہ ہے۔ لفظ (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ) سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں نہ لکھنے کی اجازت تو ہے لیکن اگر لکھ لیا تو وہ بھی کوئی ممنوع چیز نہیں ہے جیسا کہ دور حاضر میں

خریدتے وقت کیش میمو نقد کاٹ کر دے دیتے ہیں اور اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس کا نام کیش میمو میں لکھ دیا گیا ہو اس پر خود دکان دار جس سے خریدا ہے یا دوسرا شخص غصب کرنے یا چرانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا: (وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَایَعْتُمْ) (اور جب تم خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو گواہ بنالیا کرو) گواہ بنانے میں بہت سے فائدے ہیں آپس میں کوئی اختلاف ہو جائے گا تو گواہوں کے ذریعہ رفع ہوگا۔ مثلاً فریقین کے دل میں کوئی خیانت کا جذبہ پیدا ہو جائے یا بھول کر کسی بات کا انکار کر دیں مثلاً بیچنے والا کہنے لگے کہ مجھے قیمت وصول نہیں ہوئی (حالانکہ خریدار کا دعویٰ ہے کہ میں قیمت ادا کر چکا ہوں) یا بیچنے والا سرے سے بیع ہی کا انکار کر دے یا یوں کہہ دے کہ میں نے ہر عیب سے برأت کر لی تھی یا خریدار کہنے لگے کہ میں نے خریدا ہی نہیں، یا یوں کہہ دے کہ قیمت تو میں نے دے دی ہے لیکن سامان مجھے نہیں ملا، یا یوں کہنے لگے کہ میں نے اپنے لیے واپسی کا اختیار بھی رکھا تھا جسے بائع نے مان لیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ بیع کا معاملہ کرتے وقت اور قیمت لیتے وقت اور مال دیتے وقت گواہ بنانے کی صورت میں اس طرح کے انکار اور نزاع کا دفعیہ ہو سکے گا، گواہ ہوں گے تو صحیح بات کی گواہی دے دیں گے، بھول اور خیانت سب کا دفاع ہو جائے گا۔

پھر فرمایا: (وَ لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّ لَا شَهِیْدٌ۬ؕ) (کہ کسی کاتب کو اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے)

پہلے کاتب کو حکم دیا کہ انصاف کے ساتھ کتابت کر دے اور لکھنے سے انکار نہ کرے اور اللہ کی اس نعمت کی قدر کرے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا ہے اور گواہوں کو حکم دیا کہ گواہی کو نہ چھپائیں (جیسا کہ آئندہ آیت میں مذکور ہے) کاتب اور گواہ دونوں کو ان سے متعلقہ کام کی تاکید کے ساتھ ان لوگوں کو ہدایت فرمائی جو کاتب سے کتابت کروائیں اور جو گواہوں کی گواہی دینے کے لیے بلائیں کہ کتابت کرانے والے ایسا نہ کریں کہ کاتب کو کسی طرح کی کوئی تکلیف یا نقصان پہنچائیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کاتب کتابت کرنے پر اجرت مانگے تو اس کو اجرت دے دی جائے اور مفت لکھنے پر مجبور نہ کیا جائے، اسی طرح جب گواہ کو بلائیں اور اس کو آنے جانے میں زحمت ہو یا جگہ دور ہو سواری طلب کرتا ہو تو اس کے لیے سواری کا انتظام کر دینا واجب ہے، اور جب وہ گواہی دے چکے تو اس کے واپس گھر پہنچانے کا بھی انتظام کر دیں ایسا نہ کریں کہ اب تو ہمارا کام نکل ہی گیا ہے اب خیر و خبر کا خیال نہ کیا تو کیا حرج ہے۔ البتہ گواہی دینا چونکہ فرض ہے اس لیے اس کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ جب سچی گواہی کی اجرت لینا جائز نہیں تو جھوٹی گواہی کی اجرت لینا جس کا عام رواج ہو گیا ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے: ((ملعون من ضارَّ مؤمنا او مکر بہ)) (رواہ الترمذی) وہ شخص ملعون ہے جو کسی مؤمن کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے، کاتب اور شہید کو ضرر نہ پہنچانے کی تاکید فرمائی اور مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا (وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْؕ) کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے گنہگار ہونے کی بات ہے۔

آخر میں فرمایا: (وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ وَ یُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۲﴾) (کہ اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ کا احسان مانو، وہ تمہیں احکام کی تعلیم دیتا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے، کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کرو گے تو اسے اس کا علم ہوگا، دنیا میں کسی کا حق مار لیا

یا کسی کوضرر پہنچایا یا تکلیف دے دی تو یہ نہ سمجھنا کہ یہیں پر ختم ہو گیا بلکہ وہ سب محفوظ ہے۔ اللہ کے علم میں ہے۔ یوم آخرت میں پیش ہونے کا یقین رکھو اور وہاں کے مؤاخذہ اور محاسبہ سے ڈرو۔ (انوار البیان)

مسئلہ رہن، تحریر اور گواہی:

یعنی بحالت سفر اگر ادھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم و دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو اسے حقدار کے قبضے میں دے دو۔ مقبوضہ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے لازم نہیں ہوتا، جیسا کہ امام شافعی اور جمہور کا مذہب ہے اور دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے۔ امام احمد اور ایک دوسری جماعت میں یہی منقول ہے، ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف میں ہی مشروع ہے، جیسے حضرت مجاہد وغیرہ لیکن صحیح بخاری صحیح مسلم شافعی میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ کی زرہ مدینے کے ایک یہودی ابوالشحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ (ﷺ) نے اپنے گھر والوں کے کھانے کیلئے لئے تھے۔ ان مسائل کے بسط و تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں و للہ الحمد والمنته و به المستعان اس سے بعد کے جملے (آیت: فَاِنْ اَمِنَ) سے حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ اس کے پہلے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے، شعبی فرماتے ہیں جب نہ دینے کا خوف ہو تو نہ لکھنے اور نہ گواہ رکھنے کی کوئی حرج نہیں۔ جسے امانت دی جائے اسے خود اللہ رکھنا چاہئے، رسول اللہ (ﷺ) فرماتے ہیں ادا کرنے کی ذمہ داری اس ہاتھ پر ہے جس نے کچھ لیا۔ ارشاد ہے شہادت کو نہ چھپاؤ نہ اس میں خیانت کرو نہ اس کے اظہار کرنے سے رکو، ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں جھوٹی شہادت دینی یا شہادت کو چھپانا گناہ کبیرہ ہے، یہاں بھی فرمایا اس کا چھپانے والا خطا کار دل والا ہے جیسے اور جگہ ہے آیت: (وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝) (المائدة: ۱۰۶) یعنی ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپاتے، اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً ہم گنہگاروں میں سے ہیں، اور جگہ فرمایا ایمان والو عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کے حکم کی تعمیل یعنی گواہیوں پر ثابت قدم رہو، گو اس کی برائی خود تمہیں پہنچے یا تمہارے ماں باپ کو یا رشتے کنبے والوں کو اگر وہ مالدار ہو تو اور فقیر ہو تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اولیٰ ہے، خواہشوں کے پیچھے پڑ کر عدل سے نہ ہٹو اور اگر تم زبان دباؤ گے یا پہلو تہی کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اعمال سے خبردار ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ گواہی کو نہ چھپاؤ اسکا چھپانے والا گنہگار دل والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

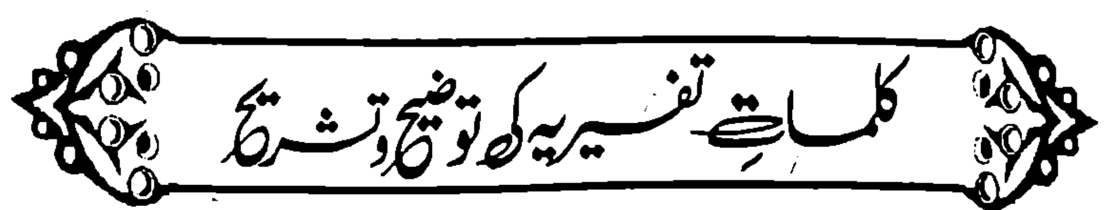
لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا تُظْهِرُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ مِنَ السُّوْٓءِ وَالْعَزْمِ عَلَيْهِ اَوْ تُخْفُوْهُ تُسِرُّوْهُ يُحَاسِبْكُمْ يُجْزِكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ الْمَغْفِرَةَ لَهُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ تَعْذِيْبَهُ وَالْفِعْلَانِ بِالْجَزْمِ عَطْفًا عَلٰى جَوَابِ الشَّرْطِ وَالرَّفْعِ اَیْ فَهُوَ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمِنْهُ مُحَاسَبَتُكُمْ وَجَزَآؤُكُمْ اٰمَنَ صَدَّقَ الرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ عَطْفٌ عَلَيْهِ كُلٌّ تَنْوِيْنُهُ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ وَرُسُلِهٖ ۣ يَقُوْلُوْنَ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ فَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَقَالُوْا سَمِعْنَا مَا اَمَرْتَنَا بِهٖ سِمَاعَ قَبُوْلٍ وَاَطَعْنَا نَسْئَلُكَ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ اَلْمَرْجِعُ بِالْبَعْثِ وَلَمَّا نَزَلَتِ الْاٰيَةُ الَّتِىْ قَبْلَهَا شَكَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ الْوَسْوَسَةِ وَشَقَّ عَلَيْهِمُ الْمُحَاسَبَةُ بِهَا فَنَزَلَ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ اَىْ مَاتَسَعُهٗ قُدْرَتُهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ مِنَ الْخَيْرِ اَىْ ثَوَابُهٗ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ مِنَ الشَّرِّ اَىْ وِزْرُهٗ وَلَا يُؤَاخَذُ اَحَدٌ بِذَنْبِ اَحَدٍ وَلَا بِمَالَمْ يَكْسِبُهٗ مِمَّا وَسْوَسَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ. قُوْلُوْا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ بِالْعِقَابِ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ تَرَكْنَا الصَّوَابَ لَا عَنْ عَمَدٍ كَمَا اَخَذْتَ بِهٖ مَنْ قَبْلَنَا وَقَدْ رَفَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ كَمَا وَرَدَ فِى الْحَدِيْثِ فَسُؤَالُهٗ اِعْتِرَافٌ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا اَمْرًا يَثْقُلُ عَلَيْنَا حَمْلُهٗ كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ اَىْ بَنِىْ اِسْرَاءِيْلَ مِنْ قَتْلِ النَّفْسِ فِى التَّوْبَةِ وَاِخْرَاجِ رُبْعِ الْمَالِ فِى الزَّكٰوةِ وَقَرْضِ مَوْضِعِ النَّجَاسَةِ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ قُوَّةَ لَنَا بِهٖ ۚ مِنَ التَّكَالِيْفِ وَالْبَلَاءِ وَاعْفُ عَنَّا ۣ اُمْحُ ذُنُوْبَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۣ وَارْحَمْنَا ۣ فِى الرَّحْمَةِ زِيَادَةٌ عَلَى الْمَغْفِرَةِ اَنْتَ مَوْلٰىنَا سَيِّدُنَا وَمُتَوَلِّىْ اُمُوْرِنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ بِاِقَامَةِ الْحُجَّةِ وَالْغَلَبَةِ فِىْ قِتَالِهِمْ فَاِنَّ مِنْ شَانِ الْمَوْلٰى اَنْ يَنْصُرَ مَوَالِيَهٖ عَلَى الْاَعْدَآءِ وَفِى الْحَدِيْثِ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَرَأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَ لَهٗ عَقِبَ كُلِّ كَلِمَةٍ قَدْ فَعَلْتُ۔

ع ۴۰ ۸

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (یعنی سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک و مخلوق ہیں) اور اگر تم ظاہر کرو گے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے (یعنی گناہ اور اس پر قصد مصمم) یا اس کو پوشیدہ رکھو گے (چھپاؤ گے) اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے (یعنی اس پر آگاہ کریں گے قیامت کے دن) پھر بخش دیں گے جس کو چاہیں گے (یعنی جس کو بخش دینا چاہیں گے) اور سزا دیں گے جس کو (سزا دینا) چاہیں گے (اور دونوں فعل یغفر اور یعذب جزم) کے ساتھ عطف ہے جواب شرط یحاسبکم پر، دوسری قراءت رفع کے ساتھ ہے اس وقت جملہ مستانفہ ہوگا فھو مبتدا محذوف ہوگا) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں (منجملہ ان کے تم سے محاسبہ کرنا اور تم کو بدلہ دینا ہے) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ ایمان لے آئے (مان لیا) رسول (محمد ﷺ) نے جو کچھ اس کے پاس نازل کیا گیا ہے (یعنی قرآن) اور ان کے پروردگار کی طرف سے مسلمانوں نے بھی (اس کا عطف رسول پر ہے) یہ سب (کل کی تنوین بعوض مضاف الیہ ہے ای کلھم) ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر (لفظ کتب جمع کے ساتھ اور افراد کے ساتھ یعنی مفرد کتاب دونوں قراءت

ہے) اور اس کے رسولوں پر (اور یہ کہتے ہیں) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کر دیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا) وَقَالُوا الخ اور ان سب نے کہا کہ ہم نے سن لیا (جس کے کرنے کا آپ نے ہم کو حکم دیا بسماع قبول ہم نے سنا) اور خوشی سے مان لیا، مفسرؒ نے نسالک فعل مقدر ظاہر کر کے اشارہ کیا ہے کہ غُفْرَانَكَ فعل مقدر کا مفعول ہے، ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں آپ کے بخشش کی اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (یعنی قبروں سے اٹھنے کے بعد لوٹنا ہے) ولما نزلت الایة قبلها الخ اور جب اس سے ماقبل کی آیت: وان تبدوا ما فی انفسکم الخ نازل ہوئی تو مسلمانوں (صحابہ کرامؓ) نے وسوسہ (یعنی ہاجس، خاطر، حدیث نفس) کے متعلق شکایت کی اور ان مسلمانوں پر وسوسہ کا محاسبہ دشوار ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الخ اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت بھر (یعنی جتنی گنجائش اس کی قدرت و طاقت رکھتی ہے، مطلب یہ ہے کہ اختیار سے باہر نہ ہوں) اس کو ملتا ہے جو اس نے کمایا (یعنی جو نیکی اس نے کمائی اس کا ثواب اسی کو ملے گا) اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کام کیا (یعنی جو شر اور برا عمل اس نے کیا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا، کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ میں پکڑا جائے گا اور نہ ہی مواخذہ کیا جائے گا۔ اس چیز کے متعلق جس کام کو نہیں کیا وساوس نفس میں ہاجس، خاطر، حدیث نفس میں سے، تم لوگ اس طرح کہو) اے ہمارے رب نہ پکڑ ہم کو (عذاب میں) اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں) یعنی اگر بلا ارادہ صحیح راہ چھوڑ دیں بھول کر یا چوک کر تو عذاب میں نہ پکڑ جیسے کہ ہم سے پہلے کے لوگوں کو پکڑا ہے، اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بھول و چوک کو اس امت مرحومہ سے دور کر دیا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے پھر اس کی درخواست دراصل اللہ کی اس نعمت کا اقرار ہے) رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا الخ اے ہمارے رب ہم پر نہ ڈالئے ایسا بوجھ (یعنی ایسا سخت حکم جس کا اٹھانا ہم پر دشوار ہو) جیسے آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا (یعنی بنی اسرائیل پر توبہ میں قتل کرنا، اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا اور موضع نجاست کو کاٹ پھینکنا) اے ہمارے رب ہم سے نہ اٹھوایئے ایسا بوجھ جس کی ہم کو طاقت (قوت) نہیں ہے (یعنی تکالیف اور بلائیں) اور درگزر کیجئے ہم سے (ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے) اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر (یعنی مغفرت سے بڑھ کر رحمت عطا فرمائیے) آپ ہمارے کارساز ہیں (ہمارے مالک اور ہمارے کاموں کو انجام دینے والے ہیں) سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے (یعنی حجت قائم کرنے میں اور ان سے قتال میں غلبہ ہو، اس لئے کہ مالک کی شان ہی یہ ہے کہ اپنے غلاموں کی مدد کرے دشمن کے مقابلے میں، حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے تلاوت فرمائی تو ہر کلمہ کے بعد حضور اقدس ﷺ سے کہا گیا "قَدْ فَعَلْتُ" میں نے منظور کیا۔



قولہ: تُظْهِرُوْا: اشارہ کیا کہ یہ ابداء بمعنی اظہار سے ہے، بدایہ سے نہیں۔

قولہ: یُجْزِکُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ حساب سے مراد اللہ تعالیٰ کا ان کو جزاء کی اطلاع دینا ہے۔

قوله: اَلْمَغْفِرَةَ: مشیت کو مفعول مقدر مانا کیونکہ مطلق مشیت مغفرت کو واجب نہیں کرتی۔

قوله: تَنْوِیْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَیْهِ: کل کا لفظ ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے اور ضمیر مقدر ہے۔ ای کلهم تو مضاف الیہ کو حذف کر کے تنوین اس کی جگہ آ گئی۔

قوله: یَقُوْلُوْنَ: اس کو مقدر اس لیے مانا کیونکہ ضمیر متکلم لَا نُفَرِّقُ میں الرَّسُوْلُ اور الْمُؤْمِنُوْنَ کی طرف راجع ہے۔ اور وہ کل میں مذکور ہیں اسی وجہ سے صیغہ اٰمَنَ کا غائب لائے۔ فتامل

قوله: نُؤْمِنُ: اس سے اشارہ کیا کہ تصدیق وتکذیب میں فرق کی نفی مراد ہے۔

قوله: نَسْأَلُكَ: اس سے اشارہ کیا کہ غفران فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مذکور کی وجہ سے جو کہ اَطَعْنَا ہے۔

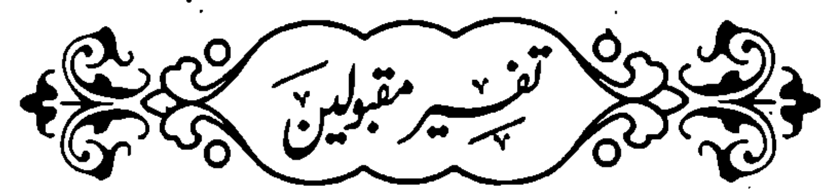
قوله: مِنَ الْخَیْرِ: عام کا ذکر کر کے خاص مراد لیا۔

قوله: وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ: کسب کو خیر سے اور اکتساب کو شر سے خاص کیا کیونکہ نفس شر میں زیادہ کوشاں ہوتا ہے۔

قوله: مِنَ التَّكَالِیْفِ: اس میں تکالیف مالا یطاق کے جواز پر دلالت ہے ورنہ خلاصی کا سوال چہ معنی دارد۔

قوله: وَاغْفِرْ لَنَا: اس سے عیوب کا ستر مراد ہے اور مواخذہ سے رسوا نہ کرنا۔

قوله: سَیِّدُنَا: یہ ابن العم کے معنی اور اعلیٰ و اسفل کے معنی میں نہیں کیونکہ وہ متعذر ہے۔



لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا....

انسان کے ضمیر سے خطاب:

یعنی آسمان وزمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چھوٹی بڑی چھپی یا کھلی ہر بات کو وہ جانتا ہے۔ ہر پوشیدہ اور ظاہر عمل کا وہ حساب لینے والا ہے، جیسے اور جگہ فرمایا آیت: قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ (آل عمران:۲۹) کہہ دے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے، وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور فرمایا وہ ہر چھپی ہوئی اور علانیہ بات کو خوب جانتا ہے، مزید اس معنی کی بہت سی آیتیں ہیں، یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ اس پر حساب لے گا، جب یہ آیت اتری تو صحابہ بہت پریشان ہوئے کہ چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا حساب ہوگا، اپنے ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے تو حضور (ﷺ) کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے حضرت (ﷺ) نماز، روزہ، جہاد، صدقہ وغیرہ کا ہمیں حکم ہوا، وہ ہماری طاقت میں تھا ہم نے حتی المقدور کیا لیکن اب جو یہ آیت اتری ہے اسے برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا کیا تم یہود ونصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا، تمہیں چاہئے کہ یوں کہو ہم نے سنا اور مانا، اے اللہ

ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔ ہمارے رب ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اسے تسلیم کرلیا اور زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے تو آیت (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ) (البقرہ: ۲۸۵) اتری اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور آیت: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا نازل ہوئی (مسند احمد) صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو ہٹا کر آیت: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الخ. اتاری اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اے اللہ ہماری بھول چوک اور ہماری خطا پر ہمیں نہ پکڑ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نعم، یعنی میں یہی کروں گا۔ انہوں نے کہا آیت: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ الخ. اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے اگلوں پر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی قبول، پھر کہا: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ. اے اللہ ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال، اسے بھی قبول کیا گیا۔ پھر دعا مانگی اے اللہ ہمیں معاف فرما دے، ہمارے گناہ بخش اور کافروں پر ہماری مدد کر، اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا، یہ حدیث اور بھی بہت سے انداز سے مروی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت مجاہد کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس آیت وان تبدوا کی تلاوت فرمائی اور بہت روئے، آپ نے فرمایا اس آیت کے اترتے یہی حال صحابہ کا ہوا تھا، وہ سخت غمگین ہو گئے اور کہا دلوں کے مالک تو ہم نہیں۔ دل کے خیالات پر بھی پکڑے گئے تو یہ تو بڑی مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا: سمعنا واطعنا کہو، چنانچہ صحابہ نے کہا اور بعد والی آیتیں اتریں اور عمل پر تو پکڑ طے ہوئی لیکن دل کے خطرات اور نفس کے وسوسے سے پکڑ منسوخ ہو گئی، دوسرے طریق سے یہ روایت ابن مرجانہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے فیصلہ کر دیا کہ تم اپنے نیک و بد اعمال پر پکڑے جاؤ گے خواہ زبانی ہوں خواہ دوسرے اعضاء کے گناہ ہوں، لیکن دلی وسواس معاف ہیں اور بھی بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کا منسوخ ہونا مروی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی خیالات سے درگزر فرما لیا، گرفت اسی پر ہوگی جو کہیں یا کریں، بخاری مسلم میں ہے حضور (ﷺ) نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک اس سے برائی سرزد ہو، اگر کر گزرے تو ایک برائی لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ سے ہی نیکی لکھ لو اور اگر نیکی کر بھی لے تو ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھو (مسلم) اور روایت میں ہے کہ ایک نیکی کے بدلے سات سو تک لکھی جاتی ہیں، اور روایت میں ہے کہ جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اللہ تیرا یہ بندہ بدی کرنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رکے رہو جب تک کر نہ لے، اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھو اگر لکھو گے تو ایک لکھنا اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا کیونکہ مجھ سے ڈر کر چھوڑتا ہے، حضور (ﷺ) فرماتے ہیں جو پختہ اور پورا مسلمان بن جائے اس کی ایک ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بڑھتا جاتا ہے اور برائی نہیں بڑھتی، اور روایت میں ہے کہ سات سو سے بھی کبھی کبھی نیکی بڑھا دی جاتی ہے، ایک مرتبہ اصحاب نے آ کر عرض کیا حضرت کبھی کبھی تو ہمارے دل میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گزرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا ہونے لگا؟ انہوں نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے۔ (مسلم وغیرہ) حضرت زید نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب سے میں نے آنحضرت (ﷺ) سے اس بارے میں پوچھا ہے

سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا، مگر آج تو نے پوچھا تو سن اس سے مراد بندے کو دنیاوی تکلیفیں مثلاً بخار وغیرہ تکلیفیں پہنچانا ہے، یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی اور بھول گیا، تھوڑی پریشانی ہوئی مگر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا وہاں سے نقدی مل گی، اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو۔ ترمذی وغیرہ،

الحاصل اس سورت میں اصول وفروع عبادات ومعاملات جانی ومالی ہر قسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو اس لئے مناسب ہے، کہ بندوں کو پوری تاکید وتہدید بھی ہر طرح سے فرما دی جائے تاکہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں سو اسی غرض کے لئے آخر سورت میں احکام کو بیان فرما کر اس آیت کو بطور تہدید وتنبیہ ارشاد فرما کر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کر دیا اور طلاق ونکاح قصاص وزکوٰۃ بیع وربوا وغیرہ میں جو اکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خود رائی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں انکو بھی اس میں پوری تنبیہ ہوگئی دیکھئے جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہوگا اس کو مالک ہونا چاہیے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیاء کا محاسبہ کر سکے اسکو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہر ایک کے مقابلہ میں جزاء وسزا دے سکے اس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے سو انہی تین کمالات یعنی ملک اور علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور انہی کا آیۃ الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہ، تمام چیزوں کی مالک اور خالق اس کا علم سب کو محیط اس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اس کی نافرمانی کسی امر ظاہر یا مخفی میں کر کے بندہ کیونکر نجات پا سکتا ہے۔

ان دو آیتوں کے خاص فضائل:

یہ سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں ہیں احادیث صحیحہ معتبرہ میں ان دو آیتوں کے بڑے بڑے فضائل مذکور ہیں رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ جس شخص نے رات کو یہ دو آیتیں پڑھ لیں تو یہ اس کے لئے کافی ہیں۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنت کے خزائن میں سے نازل فرمائی ہیں جس کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا، جو شخص ان کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اس کے لئے قیام اللیل یعنی تہجد کے قائم مقام ہوجاتی ہیں اور مستدرک حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ نے سورۃ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس خزانہ خاص سے عطاء فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے اس لئے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ اسی لئے حضرت فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ کوئی آدمی جس کو کچھ بھی عقل ہو وہ سورۃ بقرہ کی ان دونوں آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئے گا۔

سورۃ آل عمران

سورۂ آلِ عمران کی فضیلت

سورۂ آل عمران یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب پر حجت ناطقہ ہے اس میں ان سب سے خطاب فرمایا ہے اور ان کو حق کی دعوت دی ہے اور ان کے عقائد باطلہ کی خوب کھول کر تردید فرمائی اور حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جو خیالات باطلہ لوگوں نے اختیار کیے ہوئے تھے ان سب کا رد فرمایا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن کو لایا جائے گا اور قرآن والوں کو بھی لایا جائے گا جو اس پر عمل کرتے تھے آگے آگے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران ہوں گی جو دو بادلوں کی طرح یا دو سائبانوں کی طرح ہوں گی جن کا سایہ خوب زیادہ گھنا ہوگا ان کے درمیان میں روشنی چمک رہی ہوگی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۷۰: ج ۱)

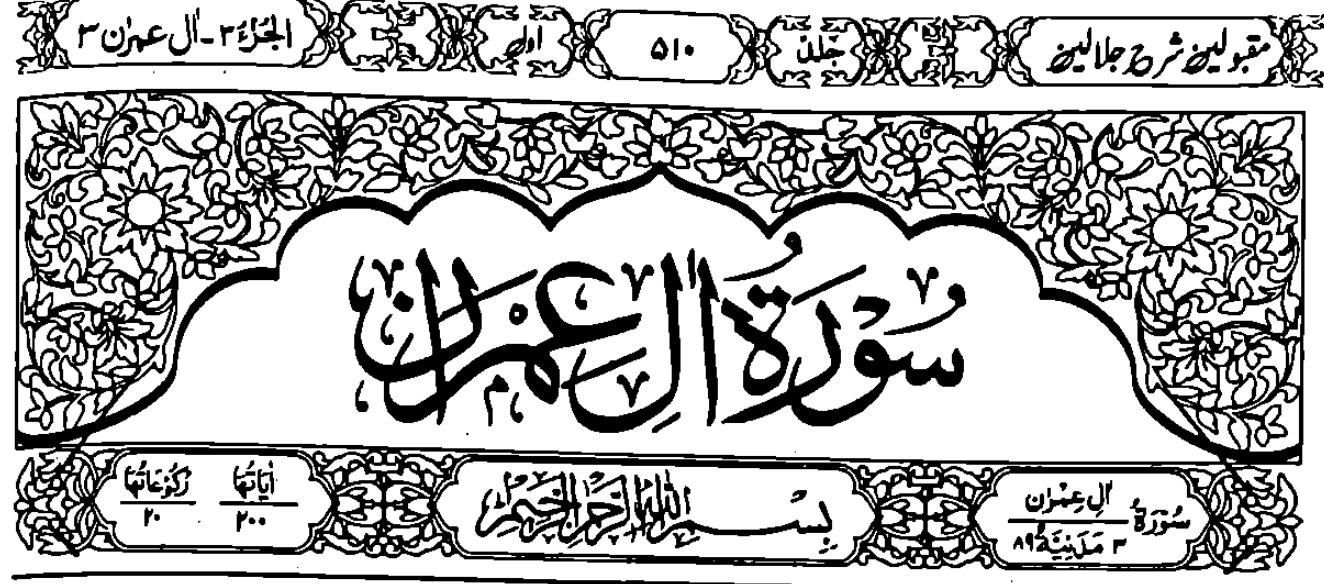
نصاریٰ کے ایک وفد سے گفتگو اور ان کی باتوں کی تردید:

اسباب النزول میں صفحہ ۹۰ اور معالم التنزیل میں (صفحہ ۲۷: ج ۱) علماء تفسیر سے نقل کیا ہے کہ نجران کے لوگ وفد کی صورت میں مدینہ منورہ آئے یہ لوگ نصاریٰ تھے ان کا یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا ان میں چودہ آدمی ایسے تھے جو ان کی قوم کے سردار تھے اور ان میں سب سے بڑا ایک شخص عبدالمسیح نامی اور ایک شخص ایہم نامی تھا یہ بھی بڑا سردار تھا۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور مشرق کی طرف انہوں نے اپنی نماز پڑھی ان میں سے جو دو آدمی سب سے بڑے دو سردار اور قوم کے ذمہ دار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی انہوں نے کہا کہ ہمارا دین تو اسلام ہی ہے ہم آپ سے پہلے اس دین کو قبول کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹے ہو دین اسلام پر نہیں ہو (اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے دین اسلام ہی کو پسند فرمایا ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے دین اسلام میں سب سے بڑی دعوت، دعوت توحید ہے جو توحید والا نہیں وہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین پر نہیں ہو سکتا۔ تم لوگ دین والے کس طرح ہو سکتے ہو جبکہ تم اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہو اور صلیب کی عبادت کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو انہوں نے کہا کہ اگر عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر ان کا باپ کون ہے اور اس طرح سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کٹ حجتی کی اور بحثا بحثی میں ان کے دوسرے لوگ بھی شریک ہو گئے۔

حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ کہنے لگے ہاں! یہ بات تو ہے آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس پر موت طاری نہ ہوگی اور (تمہارے عقیدہ کے مطابق) عیسیٰ کو موت آ چکی ہے۔ (کیونکہ ان کے عقیدہ میں وہ مقتول ہو چکے ہیں اور اہل اسلام

کا عقیدہ ہے کہ وہ قرب قیامت میں تشریف لائیں گے اور وفات پائیں گے) وہ کہنے لگے ہاں یہ بات بھی ہے! آپ نے فرمایا کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم کیے ہوئے ہے سب کی حفاظت فرماتا ہے اور سب کو رزق عطا فرماتا ہے کہنے لگے ہاں ہم اس کو بھی مانتے ہیں! آپ نے فرمایا تو اب تم بتاؤ کیا عیسیٰ ان میں سے کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں ان چیزوں پر وہ قادر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ آسمان میں اور نہ زمین میں؟ کہنے لگے ہاں! ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اب بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ کچھ علم تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا؟ کہنے لگے ان کو اس سے زیادہ کچھ علم نہ تھا! آپ نے فرمایا ہمارے رب نے رحم مادر میں عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بنا دی جس طرح چاہا۔ اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ بتاؤ اس بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ کہنے لگے جو کچھ آپ نے فرمایا وہ صحیح ہے پھر آپ نے ان سے سوال کیا کہ بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں نہیں رہے جیسا کہ اور بچے رہتے ہیں پھر ان کی اسی طرح پیدائش ہوئی جیسا کہ دوسرے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر بچوں کی طرح انہیں غذا دی گئی اور وہ کھاتے تھے اور پیتے تھے اور حالت حدث بھی ان پر طاری ہوتی تھی وہ کہنے لگے کہ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے! آپ نے فرمایا پھر ایسے شخص کے بارے میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ پاک کا بیٹا ہو۔

یہ بات سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور اللہ جل شانہ نے سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن کی تعداد اسی سے کچھ اوپر ہے (ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں عقائد بیان فرمائے جن کے بغیر کوئی موحد اور مسلم نہیں ہو سکتا۔ درمیان میں مشرکین سے بھی خطاب فرمایا۔ اور اہل دنیا کے مرغوبات بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں آخرت کے انعامات بیان فرمائے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دین اسلام ہی معتبر ہے۔ حضرت مریم اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بھی تذکرہ فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا فرمانے کی بھی تصریح فرمائی۔ نیز ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ فرمایا اور آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان کو مباہلہ کی دعوت دیں۔ آپ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو وہ مقابلہ میں آنے سے عاجز ہو گئے۔ یہ مضامین اور ان کے ساتھ اور بہت سے امور ساتویں رکوع کے ختم تک بیان کیے گئے ہیں۔



الٓمّٓ ۝ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ الْکِتٰبَ الْقُرْاٰنَ مُتَلَبِّسًا بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ فِیْ اَخْبَارِہٖ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ قَبْلَہٗ مِنَ الْکُتُبِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ اَیْ قَبْلَ تَنْزِیْلِہٖ ھُدًی حَالٌ بِمَعْنٰی ھَادِیَیْنِ مِنَ الضَّلَالَۃِ لِّلنَّاسِ مِمَّنْ تَبِعَھُمَا وَعَبَّرَ فِیْھِمَا بِاَنْزَلَ وَ فِی الْقُرْاٰنِ بِنَزَّلَ الْمُقْتَضِیْ لِلتَّکْرِیْرِ لِاَنَّھُمَا اُنْزِلَا دَفْعَۃً وَّاحِدَۃً بِخِلَافِہٖ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ بِمَعْنَی الْکُتُبِ الْفَارِقَۃِ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَذَکَرَ بَعْدَ ذِکْرِ الثَّلَاثَۃِ لِیَعُمَّ مَا عَدَاھَا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ الْقُرْاٰنِ وَغَیْرِہٖ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ فَلَا یَمْنَعُہٗ شَیْءٌ مِّنْ اِنْجَازِ وَعِیْدِہٖ وَوَعْدِہٖ ذُو انْتِقَامٍ ۝ عُقُوْبَۃٍ شَدِیْدَۃٍ مِّمَّنْ عَصَاہُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی مِثْلِھَا اَحَدٌ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ کَائِنٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۝ لِعِلْمِہٖ بِمَا یَقَعُ فِی الْعَالَمِ مِنْ کُلِّیٍّ وَّجُزْئِیٍّ وَّخَصَّھُمَا بِالذِّکْرِ لِاَنَّ الْحِسَّ لَا یَتَجَاوَزُھُمَا ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ مِنْ ذُکُوْرَۃٍ وَّاُنُوْثَۃٍ وَّ بَیَاضٍ وَّسَوَادٍ وَّغَیْرِ ذٰلِکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ فِیْ مُلْکِہٖ الْحَکِیْمُ ۝ فِیْ صُنْعِہٖ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ وَاضِحَاتُ الدَّلَالَۃِ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ اَصْلُہُ الْمُعْتَمَدُ عَلَیْہِ فِی الْاَحْکَامِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ؕ لَا یُفْھَمُ مَعَانِیْھَا کَاَوَائِلِ السُّوَرِ وَجَعَلَہٗ کُلَّہٗ مُحْکَمًا فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ بِمَعْنٰی اَنَّہٗ لَیْسَ فِیْہِ عَیْبٌ وَّمُتَشَابِھًا فِیْ قَوْلِہٖ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا بِمَعْنٰی اَنَّہٗ یُشْبِہُ بَعْضُہٗ بَعْضًا فِی الْحُسْنِ وَالصِّدْقِ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ مَیْلٌ عَنِ الْحَقِّ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ

اِبْتِغَآءَ طَلَبَ الْفِتْنَةِ لِجُهَّالِهِمْ لِوُقُوْعِهِمْ فِی الشُّبُهَاتِ وَاللَّبْسِ وَ ابْتِغَآءَ تَأْوِیْلِهٖ ۚ تَفْسِیْرِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَحْدَهٗ وَ الرّٰسِخُوْنَ الثَّابِتُوْنَ الْمُتَمَکِّنُوْنَ فِی الْعِلْمِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ اَیْ بِالْمُتَشَابِهِ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَلَا نَعْلَمُ مَعْنَاهُ کُلٌّ مِّنَ الْمُحْکَمِ وَالْمُتَشَابِهِ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّکَّرُ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الذَّالِ اَیْ یَتَّعِظُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ وَیَقُوْلُوْنَ اَیْضًا اِذَا رَأَوْا مَنْ یَتَّبِعُهٗ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا تُمِلْهَا عَنِ الْحَقِّ بِابْتِغَاءِ تَأْوِیْلِهِ الَّذِیْ لَا یَلِیْقُ بِنَا کَمَا اَزَغْتَ قُلُوْبَ اُولٰئِکَ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا اَرْشَدْتَنَا اِلَیْهِ وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ مِنْ عِنْدِکَ رَحْمَةً ۚ تَثْبِیْتًا اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ یَا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ تَجْمَعُهُمْ لِیَوْمٍ اَیْ فِیْ یَوْمٍ لَّا رَیْبَ شَکَّ فِیْهِ ؕ هُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ فَتُجَازِیْهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ کَمَا وَعَدْتَ بِذٰلِکَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ مَوْعِدَهٗ بِالْبَعْثِ فِیْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنْ کَلَامِهٖ تَعَالٰی وَالْغَرَضُ مِنَ الدُّعَاءِ بِذٰلِکَ بَیَانُ اَنَّ هَمَّهُمْ اَمْرُ الْاٰخِرَةِ وَلِذٰلِکَ سَاَلُوا الثَّبَاتَ عَلَی الْهِدَایَةِ لِیَنَالُوْا ثَوَابَهَا رَوَی الشَّیْخَانِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ اِلٰی اٰخِرِهَا وَقَالَ فَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰئِکَ الَّذِیْنَ سَمَّی اللّٰهُ تَعَالٰی فَاحْذَرُوْهُمْ وَرَوَی الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْۤ اِلَّا ثَلٰثَ خِلَالٍ وَ ذَکَرَ مِنْهَا اَنْ یُّفْتَحَ لَهُمُ الْکِتٰبُ فَیَاْخُذُهُ الْمُؤْمِنُ یَبْتَغِیْ تَاْوِیْلَهٗ وَلَیْسَ یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ الْحَدِیْثَ

ترجمہ: الف، لام، میم (اللہ ہی کو معلوم ہے اس کی حقیقی مراد اس سے) اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود بنانے کے قابل نہیں اور وہ زندہ (جاوید) ہیں، سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے آپ پر (اے محمد ﷺ) کتاب (قرآن) کو (درآنحالیکہ متعلق ہے) حق کے ساتھ (صداقت کے ساتھ اپنے خبر دینے میں، مفسر سیوطیؒ نے بِالْحَقِّ سے پہلے مُتَلَبِّسًا کی تقدیر پر نکال کر اشارہ کیا کہ بِالْحَقِّ کا باء ملابست کے لیے ہے اور کتاب سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے مُصَدِّقًا کتاب سے حال ہے) اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی (یعنی قرآن سے قبل جو کتابیں نازل ہو چکی تھیں مثلاً توریت، انجیل وغیرہ، قرآن حکیم سب کی تصدیق کرتا ہے) اور اس نے نازل کیا ہے توریت و

انجیل کواس سے پہلے (یعنی قرآن نازل کرنے سے پہلے) ہدایت کے واسطے (ھُدًی حال ہے یعنی گمراہی سے ہدایت کرنے والی ہیں) لوگوں کی (جوان دونوں کا اتباع کرے، توریت اور انجیل کے بارے میں انزل کے ساتھ اور قرآن حکیم میں نزل سے تعبیر فرمایا جو مقتضی تکرار ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ توریت اور انجیل دونوں کتابیں یکبارگی نازل ہوئیں بخلاف قرآن حکیم کے کہ قرآن حکیم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حسب موقع تیئیس برس میں پورا ہوا، بعض مفسرین نے تفنن عبارت بھی ذکر کیا ہے لیکن مشہور وہی ہے جو مفسرؒ نے بیان کیا ہے) وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اور نازل فرمایا حق کو باطل سے جدا کرنے والی چیز (یعنی جو کتابیں حق و باطل کے درمیان تفریق کر دینے والی ہیں، اور تینوں کتابوں (قرآن حکیم، توریت، انجیل) کے ذکر کے بعد اس لفظ فرقان کا ذکر اس لئے کیا ہے تا کہ ان مذکورہ کتابوں کے علاوہ ساری آسمانی کتابوں کو شامل ہو جائے) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ بیشک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے (یعنی آیات قرآن وغیرہ جیسے وفد نجران) ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ غلبہ والے ہیں (یعنی اپنے کام پر غلبہ والے ہیں سو ان کو اپنے وعدہ وعید کے پورا کرنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی) بدلہ لینے والے ہیں (یعنی سخت عذاب دینے والے ہیں گنہگار کو، کہ اس جیسی سزا پر کوئی قدرت نہیں رکھتا، اس لئے کہ کوئی شخص کسی کو بہت سزا دے گا تو قتل کر دے گا، مار ڈالے گا پھر تو مجرم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا ہے لیکن حق تعالیٰ کی سزا دائمی ہے کما قال تعالیٰ: کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ (نساء ۴:۵۶ پ ۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی الخ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں (اس لیے کہ جو کچھ بھی عالم میں واقع ہوتا ہے خواہ کلی ہو یا جزئی سب اس کے علم میں ہے، بیان میں زمین اور آسمان کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ جس کی رسائی زمین اور آسمان سے متجاوز نہیں ہوتی ہے، مفسر علامؒ نے لفظ کَائِنٌ بڑھا کر اشارہ کیا ہے کہ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ؕ کا متعلق محذوف ہے ای لا یخفیٰ علیه شئ ما کائن فی العالم باسره، اور زمین و آسمان بول کر پورا عالم مراد لینا لکل باطلاق الجزء کے قبیل سے ہے)

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ الخ وہ ایسی ذات ہے کہ تمہاری صورت بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے (نر اور مادہ، گورا اور کالا وغیرہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غلبہ والے ہیں (اپنے ملک میں) حکمت والے ہیں (اپنے کام میں، کہ مصلحتاً دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔ وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، اس میں کچھ آیتیں محکم ہیں (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) یہی آیتیں اصلی مدار ہیں اس کتاب یعنی قرآن کا (یعنی قرآن حکیم کی اصل اور بنیاد ہیں، احکام میں اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے) اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو مشتبہ المراد ہیں (یعنی ان کے معانی مفہوم نہیں ہوتے جیسے اوائل سور یعنی حروف مقطعات) وجعله کله محکما مفسر علامؒ نے اس جملہ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت یعنی سورۂ آل عمران کی ساتویں آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کی بعض آیتیں محکم اور بعض متشابہ ہیں لیکن سورۂ ہود کی پہلی آیت میں ہے کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ (قرآن) ایسی کتاب ہے کہ اسکی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں حکمت والے خبردار (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے۔ سورۂ ہود کی اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ تمام آیات محکم ہیں، آخر یہ اختلاف بیان کیوں ہے، مفسر علامؒ اسی سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ آیت کریمہ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ میں

جو پورے قرآن کو محکم قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے نہ اس کی عبارت میں کوئی ضعف ہے اور نہ ہی معنی میں کسی طرح کا فساد ہے بلکہ اس کی آیتیں محکم یعنی مضبوط بالدلائل ہیں۔ مُتَشَابِهًا بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا ''ای وجعله کله متشابها یعنی اور جو ارشاد ربانی سورۂ زمر کی آیت میں ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا (اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باعتبار حسن وکمال کے) ملتی جلتی ہے، مفسر سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ زمر کی آیت میں جو پورے قرآن کو متشابہ کہا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ حسن اور صدق میں سارا قرآن ایک جیسا ہے، حسن وصدق میں بعض بعض کے متشابہ ہے) فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ الخ سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے (یعنی حق سے اعراض ہے) وہ تو اس قرآن کے اس حصہ کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہ ہے فتنہ تلاش کرنے (ڈھونڈھنے) کی غرض سے (اپنے جاہلوں کے لیے بوجہ واقع ہونے ان لوگوں کے شکوک واشتباہ میں، مطلب یہ ہے کہ چونکہ خود شکوک میں مبتلا ہیں اس لئے عوام الناس کو اپنی خواہش کے مطابق اختراعات وبدعات میں میں مبتلا کرنے کے در پے رہتے ہیں) وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ اس کا عطف ابتغاء الفتنۃ پر ہے) اور اس (مشتبہ المراد) کی تاویل (تفسیر) ڈھونڈھنے کی غرض سے (یعنی متشابہ کی تفسیر کے پیچھے اس لیے پڑتے ہیں کہ اپنے غلط عقیدہ میں اس سے مطلب حاصل کریں) حالانکہ اس کا مطلب (صحیح تفسیر) بجز اللہ (وحدہ لاشریک) کے کوئی اور نہیں جانتا اور جو لوگ پختہ کار (مضبوط جمے ہوئے) ہیں علم (دین) میں، وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مبتداء ہے اور اسکی خبر يَقُوْلُوْنَ الخ ہے) وہ کہتے ہے کہ ہم اس پر ایمان لائے (یعنی ہم متشابہ پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اگرچہ ہم اس کے معنی نہیں جانتے ہیں) کہ سب آیتیں (یعنی محکم ہوں یا متشابہ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت (کی بات کو) نہیں قبول کرتے ہیں (يَذَّكَّرُ اصل میں یتذکر تھا تا کو ذال کرکے ذال میں ادغام کردیا بمعنی یتعظ ہے) بجز عقلمندوں کے (یعنی جو عقل سلیم رکھنے والے ہیں اور وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں جب دیکھتے ہیں کسی کو متشابہ کے پیچھے پڑتے ہوئے) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا الخ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے (یعنی ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیر دے ایسی تاویل کی تلاش کے ذریعہ جو ہمارے لیے مناسب نہیں ہے جس طرح آپ نے ان لوگوں کے دلوں کو حق سے پھیر دیا ہے جن کے دلوں میں کجی ہے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں (یعنی دین حق کی طرف رہنمائی کر چکے ہیں، اِذْ هَدَيْتَنَا اِلَيْهِ سے مفسر سیوطیؒ نے ارشاد کیا ہے کہ یہاں ہدایت بمعنی ارشاد (یعنی اراءۃ الطریق ہے ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب نہیں ہے) اور ہم کو اپنے پاس سے (مِنْ لَّدُنْكَ متعلق ہے ھب سے، مفسر نے یہ بتایا ہے کہ لدن بمعنی عند ہے) رحمت (یعنی ثبات ایمان) عطا فرمایئے، بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں اے ہمارے پروردگار آپ بلاشبہ تمام انسانوں کو جمع کرنے والے ہیں (یعنی تمام لوگوں کو جمع فرمائیں گے) اس دن میں کہ جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے (لِيَوْمٍ بمعنی فی یوم ہے یعنی لام جارہ بمعنی فی ہے، اور رَيْبَ بمعنی شک ہے اور وہ یوم جس کے آنے میں شک نہیں ہے وہ قیامت کا دن ہے چنانچہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا جیسا کہ آپ نے اس وقوع قیامت کے سلسلے میں وعدہ فرمایا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کریں گے (یعنی اپنا وعدہ بعث بعد الموت کا قیامت میں اور اس جملہ میں خطاب غیبت کی طرف التفات ہے اگر اس

کوراسخین فی العلم کا کلام مانا جائے اور احتمال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے ہو تو التفات نہ ہوگا اور غرض اس کلام رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا الخ'' سے دعا کرنے کی اس بات کا بیان ہے کہ ان راسخین کا مقصد آخرت کا معاملہ ہے (یعنی یہ دعا کسی دنیاوی غرض سے نہیں ہے غرض صرف آخرت کی نجات ہے) اور اسی وجہ سے ہدایت پر ثابت قدمی کی درخواست کی ہے تا کہ اس کا ثواب حاصل کرسکیں، شیخین یعنی بخاری ومسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ آخر آیت تک تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم ایسے لوگوں سے پرہیز کرو اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اپنی امت پر تین باتوں کے علاوہ کسی بات کا اندیشہ نہیں کرتا ہوں اور ان تین باتوں میں سے ایک بات آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ لوگوں کے سامنے کتاب کھولی جائے گی یعنی قرآن پاک سو مسلمان اسکی تاویل تلاش کرنے لگیں گے یعنی متشابہ آیت کی حالانکہ اس کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور راسخین فی العلم تو یہی کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے کہ سب آیتیں خواہ محکم ہوں یا متشابہ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں، اور نصیحت کی بات کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں الحدیث۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلْقُرْاٰنَ: الف، لام عہد کا ہے کیونکہ آپ پر قرآن ہی اتارا گیا ہے۔

قوله: مُتَلَبِّسًا: اشارہ کیا کہ با یہاں الصاق کا ہے، سبب کا نہیں۔

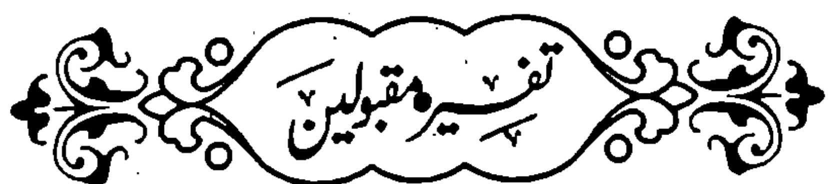
قوله: قَبْلُ: اشارہ کیا کہ قَبْلُ مبنی ہے کیونکہ اضافت شے منقطع ہے۔

قوله: کَائِنٌ: اس سے اشارہ کیا کہ ظرف شئ کی صفت ہے۔ اس کا لَا یَخْفٰی سے کچھ تعلق نہیں۔

قوله: لَا یُفْهَمُ مَعَانِیْهَا: اس میں اشارہ ہے کہ یہ تشابہ بمعنی اشتباہ ہے مشابہت کے معنی میں نہیں۔

قوله: تُمِلْهَا: یہ اشارہ ہے کہ ازاغہ کا یہاں معنی میلان ہے۔

قوله: مَوْعِدَهٗ بِالْبَعْثِ: اس میں اشارہ کیا کہ اس سے مراد وعدہ کے متعلق اٹھائے جانے سے متعلق اختلاف کی نفی ہے۔



حروفِ مقطعات:

حروف مقطعات کی تفصیل دیکھئے ابتداء البقرہ میں۔

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲

اس میں اولاً اللہ جل شانہ کی توحید بیان فرمائی اور بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس سے تمام مشرکین کی تردید ہوگئی ۔ثانیاً اللہ جل شانہ، کی دو بڑی اہم صفات ذکر فرمائیں یعنی اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝

حَیٌّ:

یعنی زندہ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ قَیُّوْمُ جو ساری مخلوق کو قائم رکھنے والا ہے اسی نے سب کو پیدا فرمایا۔ وہی سب کی پرورش فرماتا ہے اسی نے سب کا وجود باقی رکھا ہے وہ جب چاہے گا سب کو فنا کردے گا۔ اور وہ خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جو ذات ان صفات سے متصف ہے وہی عبادت کے لائق ہے اور جس کا وجود پہلے نہ تھا بعد میں وجود ملا اور وہ وجود اسے خالق و مالک جل مجدہ نے بخشا اور اپنی بقا میں وہ اپنے خالق و مالک کا محتاج ہے وہ کسی طرح بھی معبود نہیں ہوسکتا۔ معبود صرف وہی ہے جو حیّ ہے اور قیوم ہے جو لوگ معبودان باطلہ کو مانتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں اپنی بقا میں خالق تعالیٰ شانہ، کی محتاج ہیں اور پہلے ان کا وجود بھی نہ تھا اور انہیں دنیاوی چیزوں کی حاجت ہے یہ سب باتیں دیکھتے اور سمجھتے ہوئے ان باطل معبودوں کی عبادت کرتے ہیں یہ ان کی حماقت ہے۔ لفظ الحی القیوم باری تعالیٰ شانہ کی صفات میں ذکر فرما کر تمام مشرکین کی پوری پوری تردید ہوگئی۔

نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝۳

اس آیت میں قرآن مجید اور توریت شریف اور انجیل شریف کے نازل فرمانے کا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ ان سب کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل کی گئیں اس میں یہود و نصاریٰ کی تالیف قلوب بھی ہے اور قرآن کے ماننے کی طرف دعوت بھی ہے۔ قرآن سے اور صاحب قرآن سے کیوں دور بھاگتے ہو یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جن کو تم مانتے ہو وہ کتابیں جن کو تم مانتے ہو اور قرآن مجید اصولی طور پر عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ معاد کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر قرآن مجید تمہاری کتابوں کی مخالفت کرتا تو یہ بہانہ کرسکتے تھے کہ یہ ہمارے دین کے خلاف ہے جس طرح انجیل نے توریت کی تصدیق کی اسی طرح قرآن توریت اور انجیل کی اور تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے نیز قرآن کے نزول سے متعجب نہیں ہونا چاہیے اس سے پہلے توریت اور انجیل نازل ہوچکی ہیں جن کو تم تسلیم کرتے ہو۔ جس ذات پاک نے ان دونوں کو نازل فرمایا اسی نے قرآن مجید نازل فرمادیا۔

توریت اور انجیل قرآن مجید کی اصطلاح میں دو مستقل آسمانی کتابوں کے نام ہیں۔ اور قرآن تصدیق انہی کی کرتا ہے۔ موجودہ بول چال میں توریت نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا۔ جن میں سے ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں سے کسی ایک صحیفہ کی بھی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو نہیں۔ اسی طرح انجیل نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا جن میں حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق مختلف گمنام اور بے نشان لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں، روایتیں اور ملفوظات ہیں، لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں۔ بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ ''حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور

بلاتوقع تیار ہوگیا''۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 3 صفحہ 135، طبع چہاردہم) خوب سمجھ لیا جائے کہ ایسے بے سند ''مقدس نوشتوں'' کی تصدیق وتوثیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل، یعنی عہد عتیق وعہد جدید کا کوئی جزو بھی قرآن مجید کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔ مِنْ قَبْلُ، یعنی قرآن سے قبل عہد موسیٰ اور عہد عیسیٰ میں ان کی امتوں کے لیے۔

اَلْفُرْقَانَ: فرقان اور فرق اصلاً ہم معنی ہیں بجز اس کے کہ فرق کے معنی تو محض اور مطلق امتیاز کے ہیں خواہ وہ کسی کے درمیان ہو۔ اور فرقان مخصوص اس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق وباطل کے درمیان ہو۔ الفرقان ابلغ من الفرق لانہ یستعمل فی الفرق بین الحق والباطل (راغب) بعض کے نزدیک یہ اسم جنس ہے کل کتب آسمانی کے لیے۔ جنس للکتب السماویۃ (کشاف) ایک قول ہے کہ اس سے مراد معجزات ودلائل نبوت ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔ والمختار عندی ان المراد من ھذا الفرقان المعجزات التی قرنھا اللہ تعالٰی بانزال ھذہ الکتب (کبیر) لیکن محققین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ ھو القران انزل علی محمد وفرق بہ بین الحق والباطل (ابن جریر عن قتادۃ) المراد ھو القرآن (کبیر) ای القران (قرطبی) الفرقان ھھنا القران (ابن کثیر عن قتادۃ والربیع)

ھُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ....

محکمات اور متشابہات کا مطلب

اس آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن میں بہت سی آیات محکمات ہیں اور بہت سی آیات متشابہات ہیں، اور بعض آیات میں تمام آیات کو محکم بتایا ہے جیسا کہ سورۃ ھود میں فرمایا ہے: (کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ) اور بعض جگہ پورے قرآن کو متشابہ فرمایا جیسا کہ سورۃ زمر میں فرمایا: (اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ) ان مواقع میں محکم اور متشابہ کا وہ معنی مراد نہیں ہے جو سورۃ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں مراد ہے جو ابھی مذکور ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پورا قرآن محکم اس اعتبار سے ہے کہ وہ سارا حق ہے لفظی اور معنوی اعتبار سے بالکل صحیح ہے کسی بھی جگہ کسی طرح کا اس میں اشکال نہیں ہے اس کے الفاظ اور معنی سب ہی محکم مضبوط اور مربوط ہیں اور جہاں پورے قرآن کو متشابہ فرمایا وہاں یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی آیات آپس میں متشابہ ہیں اس کے معانی حسن اور خوبی میں، حق اور صادق ہونے میں ایک دوسرے سے تشابہ رکھتے ہیں۔

یہاں (سورہ آل عمران میں) محکمات سے وہ آیات مراد ہیں جن کا مطلب ظاہر اور واضح ہے۔ نیز یہ آیات ام الکتاب یعنی اصل الاصول ہیں جن کے معانی ومفاہیم میں کوئی اشتباہ نہیں ان میں اوامر ونواہی ہیں اور احکام ہیں جو بالکل واضح ہیں ان کے جاننے اور سمجھنے میں کوئی اشتباہ والتباس نہیں اگر کسی آیت میں کوئی ابہام یا اجمال ہو تو اس کے مفہوم کو بھی انہیں محکمات یعنی اصل الاصول کی طرف راجع کر دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کی آیات یعنی متشابہات سے وہ آیات مراد ہیں جن میں صاحب کلام کی مراد ہمیں معلوم نہیں۔ ان آیات کو متشابہات کہا جاتا ہے۔

راسخین فی العلم کا طریقہ:

ان کے بارے میں راسخین فی العلم کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مفہوم کو آیات محکمات کے مفاہیم کی طرف لوٹا دیتے ہیں جو معنی آیات محکمات کے خلاف پڑے اس کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے خلاف نہ ہو اور کوئی ایسی تاویل اور توجیہ صحیح نہ سمجھی جائے جو اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہو۔ آیات متشابہات کا صحیح مطلب وہی تسلیم کیا جائے جو اللہ کے نزدیک ہے یہ اسلم ترین راستہ ہے۔ بہت سے لوگ ان کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھ نہیں پاتے اور چونکہ ان کے دلوں میں کجی ہے اس لیے آیات محکمات کے واضح بیانات کو چھوڑ کر متشابہات کے معانی سمجھنے اور کرید نے کے نامبارک شغل میں لگ جاتے ہیں اور فتنہ گری کے لیے ان کے وہ مفاہیم تجویز کرتے ہیں جو ان کی خواہشوں اور افکار و آراء کے موافق ہوں۔ اگر چہ ان کی یہ تاویل آیات قرآنیہ محکمہ کے خلاف ہی ہو۔

بہت سے وہ لوگ جو منکرین حدیث تھے منکرین قرآن بن گئے۔ کیونکہ وہ لوگ متشابہات کے پیچھے لگے اور ان کے دل کی کجی نے ان کو قرآن پاک سے دور کر دیا۔ قرآن میں جو (اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) اور (يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ) اور (جَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا) اور (يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ) وارد ہوا۔ راسخین فی العلم ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور سمجھے بغیر ان کے معانی اور مفاہیم کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا جو مطلب اللہ کے نزدیک ہے وہی ہمارے نزدیک ہے اسی کو فرمایا: (وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا) کہ جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ جو لوگ قرآن کی تعلیمات کا مرکز اور محور آیات محکمات کو مانتے ہیں اور متشابہات کے بارے میں اپنے علم کے قصور کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے حقیقی معانی کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے یوں کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کا جو مفہوم اللہ کے نزدیک ہے، ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اس پر ہمارا ایمان ہے۔

جب امام مالک سے (اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

المعنی معلوم و الکیف مجهول و الایمان به واجب السوال عنه بدعة (معنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے (معنی کے) بارے میں سوال کرنا بدعت ہے) نقائص اور عیوب سے اور تجسیم و تعطیل سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کرنا بھی واجب ہے اور جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر ایمان لانا بھی واجب ہے تاکہ متشابہات کے ان مفاہیم پر بھی ایمان ہو جائے جو اللہ کے نزدیک ہیں اور (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) کے خلاف بھی عقیدہ نہ ہو جائے۔ بہت سے لوگ متشابہات کے ظاہری معنی لیتے ہیں اور (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) کو بھول جاتے ہیں یہ اتباع ہوئی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کی تفتیش میں لگے ہوئے ہوں تو ان سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے لہٰذا ان سے پرہیز کرو۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۵۲: ج ۲)

"ای ذکر هم فی قوله (فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ)"

بعض علماء اصول نے فرمایا ہے کہ متشابہات اہل علم کے ابتلاء کے لیے ہیں، جن کا تفتیش اور تلاش کا مزاج ہوتا ہے ان کا

ابتلاء اس میں ہے کہ بس رک جاؤ آگے نہ بڑھو۔اور جن لوگوں کو علم کا ذوق نہیں ان کا ابتلاء اس میں ہے کہ ان کو ترغیب دے کر علم پر لگایا جائے اور آیات محکمات کے سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے پر آمادہ کیا جائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ تَدْفَعَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ اَیْ عَذَابِہٖ شَیْئًا ۭ وَاُولٰۗئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ بِفَتْحِ الْوَاوِ مَا یُوْقَدُ بِہٖ دَأْبُھُمْ کَدَاْبِ کَعَادَۃِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۭ مِنَ الْاُمَمِ کَعَادٍ وَّثَمُوْدَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ اَھْلَکَھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ ۭ وَالْجُمْلَۃُ مُفَسِّرَۃٌ لِمَا قَبْلَھَا وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ وَنَزَلَ لَمَّا اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْیَھُوْدَ بِالْاِسْلَامِ فِیْ مَرْجِعِہٖ مِنْ بَدْرٍ فَقَالُوْا لَہٗ لَا یَغُرَّنَّکَ اَنْ قَتَلْتَ نَفَرًا مِنْ قُرَیْشٍ اِغْمَارًا لَا یَعْرِفُوْنَ الْقِتَالَ قُلْ یَا مُحَمَّدُ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنَ الْیَھُوْدِ سَتُغْلَبُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ فِی الدُّنْیَا بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ وَضَرْبِ الْجِزْیَۃِ وَقَدْ وَقَعَ ذٰلِکَ وَتُحْشَرُوْنَ بِالْوَجْھَیْنِ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلٰی جَھَنَّمَ ۭ فَتَدْخُلُوْنَھَا وَبِئْسَ الْمِھَادُ ﴿۱۲﴾ الْفِرَاشُ ھِیَ قَدْ کَانَ لَکُمْ اٰیَۃٌ عِبْرَۃٌ وَذُکِّرَ الْفِعْلُ لِلْفَصْلِ فِیْ فِئَتَیْنِ فِرْقَتَیْنِ الْتَقَتَا ۭ یَوْمَ بَدْرٍ لِلْقِتَالِ فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَیْ طَاعَتِہٖ وَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُہٗ وَکَانُوْا ثَلٰثَمِائَۃٍ وَّثَلَاثَۃَ عَشَرَ رَجُلًا مَعَھُمْ فَرَسَانِ وَسِتُّ اَدْرُعٍ وَثَمَانِیَۃُ سُیُوْفٍ وَاَکْثَرُھُمْ رِجَالَۃٌ وَاُخْرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوْنَھُمْ بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ اَیِ الْکُفَّارُ مِّثْلَیْھِمْ اَیِ الْمُسْلِمِیْنَ اَیْ اَکْثَرَ مِنْھُمْ کَانُوْا نَحْوَ اَلْفٍ رَاْیَ الْعَیْنِ ۭ اَیْ رُؤْیَۃً ظَاھِرَۃً مُعَایَنَۃً وَقَدْ نَصَرَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی مَعَ قِلَّتِھِمْ وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ یُقَوِّیْ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَاۗءُ ۭ نَصْرَہٗ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ الْمَذْکُوْرِ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ لِذَوِی الْبَصَائِرِ اَفَلَا تَعْتَبِرُوْنَ بِذٰلِکَ فَتُؤْمِنُوْنَ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مَا تَشْتَھِیْہِ النَّفْسُ وَتَدْعُوْ اِلَیْہِ زَیَّنَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی اِبْتِلَاءً اَوِ الشَّیْطَانُ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْاَمْوَالِ الْکَثِیْرَۃِ الْمُقَنْطَرَۃِ الْمُجَمَّعَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ الْحِسَانِ وَالْاَنْعَامِ اَیِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْحَرْثِ ۭ الزَّرْعِ ذٰلِکَ الْمَذْکُوْرُ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ یُتَمَتَّعُ بِہٖ فِیْھَا ثُمَّ یَفْنٰی وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ الْمَرْجِعِ وَھُوَ الْجَنَّۃُ فَیَنْبَغِی الرَّغْبَۃُ فِیْہِ دُوْنَ غَیْرِہٖ قُلْ یَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِکَ اَؤُنَبِّئُکُمْ اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ ۭ الْمَذْکُوْرِ مِنَ الشَّھَوَاتِ اِسْتِفْھَا

نُفْرِئُ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ عِنْدَ رَبِّهِمْ خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهُ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ اَيْ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا اِذَا دَخَلُوْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ مِنَ الْحَيْضِ وَ غَيْرِهٖ مِمَّا يُسْتَقْذَرُ وَّ رِضْوَانٌ بِكَسْرِ اَوَّلِهٖ وَضَمِّهٖ لُغَتَانِ اَيْ رِضًى كَثِيْرٌ مِّنَ اللّٰهِ ط وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌ عَالِمٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ فَيُجَازِيْ كُلًّا مِنْهُمْ بِعَمَلِهٖ اَلَّذِيْنَ نَعْتٌ اَوْ بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ يَقُوْلُوْنَ يَا رَبَّنَا اِنَّنَآ اٰمَنَّا صَدَّقْنَا بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ نَعْتٌ وَ الصّٰدِقِيْنَ فِي الْاِيْمَانِ وَ الْقٰنِتِيْنَ الْمُطِيْعِيْنَ لِلّٰهِ وَ الْمُنْفِقِيْنَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ اللّٰهَ بِاَنْ يَقُوْلُوا اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ اَوَاخِرِ اللَّيْلِ خُصَّتْ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهَا وَقْتُ الْغَفْلَةِ وَلَذَّةِ النَّوْمِ شَهِدَ اللّٰهُ بَيَّنَ لِخَلْقِهٖ بِالدَّلَائِلِ وَالْاٰيَاتِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ فِي الْوُجُوْدِ اِلَّا هُوَ لا وَ شَهِدَ بِذٰلِكَ الْمَلٰٓئِكَةُ بِالْاِقْرَارِ وَ اُولُوا الْعِلْمِ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِعْتِقَادِ وَاللَّفْظِ قَآئِمًا بِتَدْبِيْرِ مَصْنُوْعَاتِهٖ وَ نَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَ الْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ اَيْ تَفَرَّدَ بِالْقِسْطِ ط بِالْعَدْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ فِيْ صُنْعِهٖ اِنَّ الدِّيْنَ الْمَرْضِيَّ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ الْاِسْلَامُ قف اَيِ الشَّرْعُ الْمَبْعُوْثُ بِهِ الرُّسُلُ الْمَبْنِيُّ عَلَى التَّوْحِيْدِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اَنَّ بَدَلٌ مِنْ اَنَّهُ الخ بَدَلُ اشْتِمَالٍ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فِي الدِّيْنِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعْضٌ وَّ كَفَرَ بَعْضٌ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيْدِ بَغْيًا مِنَ الْكٰفِرِيْنَ بَيْنَهُمْ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ اَيِ الْمُجَازَاةِ لَهٗ فَاِنْ حَآجُّوْكَ خَاصَمَكَ الْكُفَّارُ يَا مُحَمَّدُ فِي الدِّيْنِ فَقُلْ لَهُمْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ اِنْقَدْتُ لَهٗ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ط وَخُصَّ الْوَجْهُ بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهٖ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى وَ الْاُمِّيّٖنَ مُشْرِكِي الْعَرَبِ ءَاَسْلَمْتُمْ ط اَيْ اَسْلِمُوْا فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ج مِنَ الضَّلَالِ وَ اِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْاِسْلَامِ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ط التَّبْلِيْغُ لِلرِّسَالَةِ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ

ع ۲ / ۱۰

ترجمہ: بیشک جولوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے (ان سے دفع نہیں کرسکتے) ان کے مال اور نہ ان کی اولاد

اللہ کے عذاب میں سے کچھ بھی (مفسر نے عَذَابِہٖ) کی تقدیر سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا (ای من عذاب اللہ) اور ایسے لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے (وَقُوْدُ واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ایندھن، وہ لکڑی جس سے آگ روشن ہو) کَدَاْبِ مفسر سیوطیؒ نے اس سے پہلے داْبِہم کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا "داْبہم" محذوف ہے، داب کے معنی حال، عادت مستمرہ اور دستور کے ہیں، ان لوگوں کا حال ایسا ہے) جیسا حال فرعون والوں کا اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا۔ کَعَادٍ وَّثَمُوْدَ امم کا بیان ہے اور عاد کا کاف تشبیہ داخل کر کے باقی لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن لوگوں نے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کیا جیسے نوح وغیرہ کی قوم) کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا (ان کو ہلاک کر دیا) ان کے گناہوں کی وجہ سے (اور جملہ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ماقبل یعنی کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ کی تفسیر کر رہا ہے) اور اللہ سخت سزا دینے والے ہیں۔ وَنَزَلَ لَمَّا اَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ الخ یعنی نبی اکرم ﷺ جب غزوہ بدر میں کامیاب ہو کر مدینہ واپس تشریف لائے اور مدینہ کے یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کا پیغام دیا تو یہودیوں نے آپ ﷺ سے جواباً کہا "آپ کو دھوکہ نہ دے وہ بات (آپ ﷺ کو اس بات سے گھمنڈ نہ ہو) کہ قریش کے چند لوگوں کو قتل کر دیا ہے جو نا تجربہ کار تھے اور جنگ سے واقف نہیں تھے، مقصد یہ ہے کہ اگر آپ ہم سے جنگ کریں گے تو معلوم ہو جائے گا اس پر ان آیات (۱۲-۱۳ کا نزول ہوا۔ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا الخ آپ فرما دیجئے (اے محمد ﷺ) ان کفر کرنے والوں سے (یعنی یہود سے) عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے (سَتُغْلَبُوْنَ تاء کے ساتھ اور یاء کے ساتھ سیغلبون دونوں قراءت ہے، اور سین قریب کے لیے آتا ہے یعنی تم مغلوب ہو گے دنیا میں قتل وقید کے ساتھ اور جزیہ کے تقرر کے ساتھ، چنانچہ یہ واقع ہو گیا حق تعالیٰ نے پیشین گوئی مکمل کر دی کہ بنی قریظہ کو قتل اور بنی نظیر کو جلاوطن اور خیبر کے یہودیوں پر جزیہ مقرر کیا گیا) اور جہنم کی طرف لیجائے جاؤ گے (آخرت میں بِالْوَجْهَیْنِ یعنی تاء اور یاء دونوں طرح سے قراءت ہے اور اس جہنم میں داخل ہو گے) اور جہنم برا ٹھکانہ ہے (یعنی وہ بری جگہ ہے) قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ الخ بیشک تمہارے لیے ایک نشانی تھی (یعنی عبرت اور فعل کان مذکر لایا گیا آیۃ کی مناسبت سے قَدْ كَانَتْ ہونا چاہیے لیکن فعل کان اور اس کے اسم اٰيَةٌ کے درمیان جار مجرور لَكُمْ جو كَانَ کی خبر ہے اس فصل کی وجہ سے كَانَ فعل کو مذکر لایا گیا) ان دو گروہوں (جماعتوں) میں جو باہم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے (بدر کے دن جنگ کے لیے) ایک گروہ تو (یعنی مسلمان) اللہ کی راہ میں لڑتے تھے (یعنی اللہ کی اطاعت میں) اور وہ گروہ نبی اکرام ﷺ اور آپ کے اصحاب تھے اور یہ حضرات تین سو تیرہ مرد تھے ان کے ساتھ دو گھوڑے اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور ان میں اکثر پیدل تھے) وَاُخْرٰی كَافِرَةٌ اور دوسرا گروہ کافر تھے یہ کفار اپنے گروہ کفار کو ان (مسلمانوں) کے دوگنا دیکھ رہے تھے يَرَوْنَهُمْ: یاء کے ساتھ اور تاء کے ساتھ دونوں قراءت ہے "اَكْثَرَ مِنْهُمْ" یعنی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے، اس عبارت سے مفسر علامؒ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ مِّثْلَيْهِمْ سے دوگنا کی تحدید وتعیین مقصود نہیں ہے صرف کثرت بتانا مقصود ہے کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی ایک ہزار کے قریب (یعنی ساڑھے نوسو) آنکھوں سے دیکھنا (یعنی کھلم کھلا دیکھنا، مطلب یہ ہے کہ صرف خیال اور وہم کا دیکھنا نہیں تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی مدد فرمائی باوجود انکی قلت کے)

اور اللہ تعالیٰ قوت دیتے ہیں (یُؤَیِّدُ بمعنی یُقَوِّیْ ہے) اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں (مدد کرنا) بلاشبہ اس (واقعہ مذکورہ) میں بڑی عبرت ہے دیکھنے والوں کے لئے (بقول مفسرؒ بصیرت والوں کے لئے تو کیا تم اس سے عبرت نہیں حاصل کرتے ہو کہ ایمان لے آؤ۔ مزین کردی گئی (خوشنما بنادی گئی) ہے لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت (شہوات شہوۃ کی جمع ہے مفسر اس کی تفسیر کررہے ہیں مَاتَشْتَهِيْهِ النَّفْسُ وَتَدْعُوْ اِلَيْهِ نفس جس چیز کی خواہش کرے اور جس طرف بلائے، اس تفسیر سے مفسر سیوطیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اَلشَّهَوٰتِ بمعنی مشتہیات ہے یعنی شہوۃ مصدر بول کر مشتہی اسم مفعول بمعنی مرغوب مراد ہے، زَيَّنَهَا اللّٰهُ ابْتِلَاءً اَوِ الشَّيْطَانُ اللہ نے ان مرغوبات (مشتہیات) کو مزین کیا ہے آزمائش کے لیے جیسا کہ ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ یعنی ہم نے بنایا جو زمین پر ہیں زمین کی زینت تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے۔ یا شیطان نے، یعنی مزین کرنے کی نسبت شیطان کی طرف ہو اس صورت میں وسوسہ ڈالنا مراد ہوگا اور اول صورت میں یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت تزیین باعتبار تخلیق کے ہے۔ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ الخ یعنی عورتوں کی اور بیٹوں کی اور ڈھیروں کی (مال کثیر) جمع کئے ہوئے یعنی سونے اور چاندی کے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے (عمدہ) اور مویشی (یعنی اونٹ گائے بکری) اور کھیتی (زراعت) یہ سب (مذکورہ اشیائے ستہ) استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی (کہ اس سے فائدہ اٹھائے گا دنیا میں پھر تو فنا ہو جائے گا) اور اللہ کے پاس ہے اچھا ٹھکانا (لوٹنے کی جگہ اور وہ جنت ہے پس اسی کی طرف رغبت مناسب ہے نہ کہ دوسری طرف) آپ فرما دیجیے (اے محمد ﷺ اپنی قوم سے) کیا میں تم کو بتلا دوں (مطلع کردوں) ایسی چیز جو بہتر ہو ان (مرغوبات مذکورہ) سے اَؤُنَبِّئُكُمْ میں استفہام تقریری ہے) ایسے لوگوں کے لئے جو پرہیز کرتے ہیں (شرک سے) ان کے پروردگار کے پاس (یہ خبر ہے مبتدا آگے ہے) ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ رہیں گے (یعنی ہمیشگی ان کے لیے مقدر ہوگی) ان باغوں میں (جب وہ ان باغوں میں داخل ہوں گے) اور ایسی بیویاں ہوں گی جو پاک کی ہوئی ہیں (حیض اور اس کے علاوہ بول و براز کی گندگیوں سے) اور رضامندی ہوگی (رضوان راء کو کسرہ اور ضمہ کے ساتھ دونوں لغت یعنی قراءت ہیں یعنی بڑی رضامندی، اور یہ عظمت و کثرت رضوان کی تنوین تعظیمی سے حاصل ہوئی ہے) اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والے (جاننے والے) ہیں بندوں کو (چنانچہ بدلہ دیں گے ہر ایک کو اس کے عمل کا) جو لوگ (یہ نعت ہے یا بدل ہے پہلے کے اَلَّذِيْنَ سے، یعنی لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا کی صفت یا بدل ہو کر محل جر میں ہے، مطلب یہ ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا الخ کہتے ہیں کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے (آپ کی اور آپ کے رسول ﷺ کی تصدیق کرچکے ہیں) سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے اور وہ لوگ صبر کرنے والے ہیں (یعنی طاعت پر پابندی کرنے والے اور معصیت سے اپنے نفس کو روکنے والے ہیں، یہ بھی صفت ہے لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا کی) اور سچے ہیں (ایمان میں) اور بندگی کرنے والے (اللہ کی اطاعت میں لگے رہنے والے ہیں، اور خرچ کرنے والے (صدقہ دینے والے ہیں، اور مغفرت طلب کرنے والے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں اس طرح پر کہ کہتے ہیں کہ اے اللہ

ہم کو بخش دیجئے) پچھلی رات میں (یعنی اخیر شب میں، طلب مغفرت کے لیے سحر کے وقت کا خاص کر اس لیے ذکر کیا کہ یہ وقت خواب غفلت ونیند کی لذت کا وقت ہے شَهِدَ اللّٰهُ الخ اللہ نے گواہی دی ہے (واضح کر دیا ہے اپنی مخلوق کے سامنے دلائل اور آیات کے ذریعہ یعنی عقلی دلائل اور آیات یعنی نقلی دلائل کتابیں نازل کر کے) اس بات پر کہ بجز اس کے کوئی معبود نہیں (یعنی اس کے سوا کوئی معبود برحق موجود نہیں) اور (اس کی گواہی دی) فرشتوں نے بھی (اقرار کر کے) اور اصحاب علم نے بھی (یعنی انبیاء اور مؤمنین نے اعتقاد کر کے یعنی دل سے مان کر اور لفظ کے ذریعہ یعنی اپنی زبان سے توحید کا اقرار کر کے، قائما کا نصب حال ہونے کی بنا پر ہے اور عامل اس جملہ کے معنی ہیں یعنی تفرد، جملہ سے مراد لا الہ الا ھو ہے اور مفسرؒ کا قول "اَیْ تَفَرَّدَ" (بیان لمعنی الجملة) عدل کے ساتھ (قسط بمعنی عدل ہے) ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں (تاکید کے لیے اسی کو دوبارہ ذکر کیا) وہ زبردست ہیں (اپنے ملک ہیں) اور حکمت والے ہیں (اپنی صنعت ہیں)، (اسلام کے حق ہونے پر دلیل قائم ہونے کے بعد) پھر بھی اگر یہ لوگ آپ ﷺ سے (خواہ مخواہ کی حجتیں نکالیں (یعنی اے محمد ﷺ اگر کفار آپ سے دین کے بارے میں جھگڑتے رہیں) تو آپ فرما دیجئے (ان لوگوں سے) کہ میں تو اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکا (یعنی میں اللہ تعالیٰ کا تابعدار ہو چکا ہوں) اور جو لوگ میرے پیرو تھے (اور ذکر میں چہرہ کی تخصیص اس کے شرافت وعظمت کی وجہ سے ہے چونکہ انسان کے تمام ظاہری اعضاء میں چہرہ اشرف وافضل الاعضاء ہے پس چہرہ کے علاوہ دوسرے اعضاء بدرجہ اولیٰ تابعدار ہوں گے، یہ وجہ مفسر علام سیوطیؒ نے بیان فرمائی ہے لیکن اگر وجہ یعنی چہرہ سے ذات مراد لی جائے تو کسی توجیہ وتاویل کی ضرورت نہیں ہوگی یعنی میں نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے اور ان لوگوں نے بھی جو میرے ساتھ ہیں (وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ الخ اور آپ کہئے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے اور ان پڑھ لوگوں (مشرکین عرب) سے کیا تم لوگ بھی اسلام لاتے ہو؟ (یعنی مسلمان ہو جاؤ، مفسرؒ نے "اَیْ اَسْلِمُوْا" سے اشارہ کیا ہے کہ ءَاَسْلَمْتُمْ صیغہ استفہام کا ہے مگر معنی امر کے ہیں یعنی اسلام لے آؤ جیسے ایک آیت میں ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ سو کیا تم باز آتے ہو؟ معنی ہیں باز رہو) سو اگر وہ اسلام لے آئیں تو وہ لوگ بھی ہدایت یاب ہو جائیں گے (گمراہی سے) اور اگر وہ لوگ روگردانی کریں (اسلام سے) تو آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے (یعنی رسالت کی تبلیغ، احکام خداوندی کا پہنچا دینا ہے) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے (سو ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: تَدْفَعَ: ہٹانا۔ یہ اغن عنی وجھک سے لیا گیا ہے۔ یہ بدلہ دینا کے معنی میں نہیں۔

قوله: عذابه: اس کو مقدر مان کر دیگر معانی کے ضعف کو ظاہر کیا۔ اس میں عبدیت کی ضرورت ہوگی۔

قوله: بِفَتْحِ الْوَاوِ: وَقُوْدُ ایندھن کے معنی میں ہے، واؤ کے ضمہ سے نہیں۔

قوله: دَأْبُهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ استیناف ہے۔ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ مُفَسِّرَةٌ سے اشارہ کیا کہ جنہوں نے اس کو حال قرار دیا وہ کمزور قول ہے، ماضی حال نہیں بنتی۔

قوله: اَلْمَذْكُوْرِ: یعنی قلت وکثرت۔ اس سے تفسیر کی، تاکہ اسم اشارہ سے مطابقت ظاہر ہو جائے۔

قوله: مَاتَشْتَهِيْهِ الانْفُسُ: مصدر سے مراد مفعول مجازاً اور مبالغہ کے طور پر لیا، اس سے اشارہ مقصود ہے کہ وہ دنیا میں غرق ہو گئے۔

قوله: اَلْمُقَنْطَرَةِ: قنطار کثیر مال کو کہتے ہیں اور یہ اسی سے لیا گیا ہے۔

قوله: خَبَرُ مُبْتَدَؤُهُ: اشارہ کیا کہ یہ تجد کے معمول کا معطوف نہیں۔ اس وقت یود کو حال بنانا پڑے گا جو درست نہیں۔

قوله: عَلَى التَّوْحِيْدِ: یہ قید اس لیے بڑھائی کہ فروعات سے اعراض موجب کفر نہیں۔

قوله: شَهِدَ بِذٰلِكَ: اس کو مقدر مانا کیونکہ وَالْمَلٰٓئِكَةُ کا عطف اللّٰهُ پر نہیں تاکہ عطف جملہ علی الجملہ سے ثابت ہو جائے۔

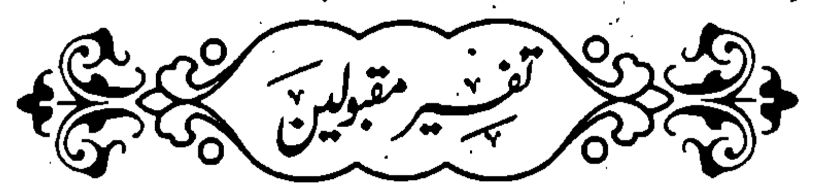
قوله: بِتَدْبِيْرِ مَصْنُوْعَاتِهٖ: اس آیت سے عموم مفہوم کو قائم کرنا مقصود ہے۔

قوله: مَعْنَى الْجُمْلَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ هُوَ سے حال ہے۔ لفظ جلالہ سے نہیں۔

قوله: بَغْيًا بَيْنَهُمْ: یعنی یہود و نصاریٰ نے حسد اور طلب ریاست میں یہ اختلاف ڈالا۔

قوله: اَسْلَمُوْا: اشارہ کیا کہ اگرچہ لفظوں میں یہ استفہام ہے مگر معنی امر کا ہے۔

قوله: مِنَ الضَّلَالِ: اهْتَدَوْا یہ خروج عن الضلال سے کنایہ ہے۔



قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

یعنی وقت آ گیا ہے کہ تم سب کیا یہود، کیا نصاریٰ اور کیا مشرکین عنقریب خدائی لشکر کے سامنے مغلوب ہو کر ہتھیار ڈالو گے، یہ تو دنیا کی ذلت ہوئی اور آخرت میں جو گرم مکان تیار ہے وہ الگ رہا بعض روایات میں ہے کہ بدر سے فاتحانہ واپسی کے بعد حضور ﷺ نے یہود کو فرمایا کہ تم حق کو قبول کر لو، ورنہ جو حال قریش کا ہوا، تمہارا ہوگا۔ کہنے لگے۔ اے محمد ﷺ اس دھوکہ میں نہ رہیئے کہ تم نے قریش کے چند ناتجربہ کاروں پر فتح حاصل کر لی۔ ہم سے مقابلہ ہوا تو پتہ لگ جائے گا کہ ہم (جنگ آزمودہ سپاہی اور بہادر) آدمی ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر کی فتح دیکھ کر یہود کچھ تصدیق کی طرف مائل ہونے لگے تھے۔ پھر کہا کہ جلدی مت کرو، دیکھو آئندہ کیا ہوتا ہے۔ دوسرے سال احد کی عارضی پسپائی دیکھ کر ان کے دل سخت ہو گئے اور حوصلے بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ عہد شکنی کر کے مسلمانوں سے لڑائی کا سامان کیا۔ کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کے ساتھ مکہ معظمہ جا کر ابوسفیان وغیرہ سرداران قریش سے ملا اور کہا ہم تم ایک ہیں۔ متحدہ محاذ قائم کر کے محمد ﷺ کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم بہر حال تھوڑے ہی دنوں بعد خدا نے دکھلا دیا کہ جزیرۃ العرب میں مشرک کا نام نہ رہا۔ قریظہ کے بدعہد یہود تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ بنی نضیر جلا وطن ہوئے، نجران کے عیسائیوں نے ذلیل ہوکر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کی بڑی بڑی مغرور و متکبر قومیں مسلمانوں کی بلندی و برتری کا اعتراف کرتی رہیں۔ فالحمد للہ علٰی ذٰلک۔

ممکن ہے کوئی اس آیت سے یہ شبہ کرے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مغلوب ہوں گے، حالانکہ سب کفار دنیا کے مغلوب نہیں ہیں لیکن یہ شبہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ یہاں کفار سے مراد تمام دنیا بھر کے کفار نہیں ہیں، بلکہ اس وقت کے مشرکین اور یہود مراد ہیں، چنانچہ مشرکین کو قتل وقید اور یہود کو قتل وقید کے ساتھ ساتھ جزیہ اور جلا وطنی کے ذریعہ مغلوب کیا گیا تھا۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۔۔۔۔

جنگ بدر میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے جن کے پاس کل ستر اُونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اور تماشہ یہ تھا کہ ایک فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے دل مسلمانوں کی کثرت کا تصور کرکے مرعوب ہوتے تھے اور مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد دیکھ کر اور زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور کامل توکل واستقلال سے خدا کے وعدہ (فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ) (الانفال:٦٦) پر اعتماد کرکے فتح ونصرت کی امید رکھتے تھے۔ اگر ان کی پوری تعداد جو تگنی تھی منکشف ہوتی تو ممکن تھا خوف طاری ہو جاتا۔ اور یہ فریقین کا دوگنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا۔ ورنہ بعض احوال وہ تھے جب ہر ایک کو دوسرے فریق کی جمعیت کم محسوس ہوتی۔ جیسا کہ سورۃ انفال میں آئے گا۔ بہر حال ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کو ایسی مضبوط جمعیت کے مقابلہ میں ان پیشین گوئیوں کے موافق جو مکہ میں کی گئی تھیں۔ اس طرح مظفر ومنصور کرنا، آنکھیں رکھنے والوں کے لئے بہت بڑا اعبرتناک واقعہ ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ ۔۔۔۔

یعنی جب ان میں پھنس کر آدمی خدا سے غافل ہو جائے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا: ((ماتركت بعدى فتنةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ)) (میرے بعد مردوں کے لئے کوئی ضرر رساں فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں) ہاں اگر عورت سے مقصود اعفاف اور کثرت اولاد ہو، تو وہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب ومندوب ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے کہ اگر اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو، حکم دے تو فرمانبردار پائے، کہیں غائب ہو تو پیٹھ پیچھے شوہر کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں اس کی حفاظت کرے۔ اسی طرح جتنی چیزیں آگے متاع دنیا کے سلسلہ میں بیان ہوئیں سب کا محمود و مذموم ہونا نیت اور طریق کار کے تفاوت سے متفاوت ہوتا رہے گا۔ مگر چونکہ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے جو عیش وعشرت کے سامانوں میں پھنس کر خدا تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں، اس لئے زُيِّنَ لِلنَّاسِ میں سطح کلام کی عام رکھی گئی ہے۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰

یعنی اللہ کے راستہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر بھی اس کی فرمانبرداری پر جمے رہتے اور معصیت سے رکے رہتے ہیں۔ زبان کے، دل کے، نیت کے معاملہ کے سچے ہیں۔ پوری تسلیم وانقیاد کے ساتھ خدا کے احکام بجالاتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی دولت کو اس کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرتے ہیں۔ اور پچھلی رات میں اٹھ کر (جو طمانیت واجابت کا وقت ہوتا ہے لیکن اٹھنا اس وقت سہل نہیں ہوتا) اپنے رب سے گناہ اور تقصیرات معاف کراتے ہیں۔ (كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○) (الذاریات: ۱۷،۱۸) یعنی اکثر رات عبادت میں گزارتے اور سحر کے وقت استغفار کرتے کہ خداوندا! عبادت میں جو تقصیر رہ گئی اپنے فضل سے معاف فرمانا۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ....

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے معبود لاشریک لہ ہونے کی گواہی دی، اور فرشتوں کی گواہی کا بھی ذکر ہے جو اللہ کے برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں ہر طرح گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہیں۔ ان میں سے بہت سے دربار الٰہی کے حاضرین بھی ہیں اور تمام فرشتوں کی معرفت بھی حاصل ہے، پھر اہل علم کی گواہی کا ذکر فرمایا کہ ان حضرات نے بھی اللہ کے معبود وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی دی۔

اہل علم کون ہیں؟

اہل علم سے حضرات انبیاء کرامؑ اور وہ تمام حضرات مراد ہیں جنہوں نے حضرات انبیاءؑ کا اتباع کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے دلائل قطعیہ عقلیہ سے انہوں نے اللہ کو پہچانا اور اسے اپنی ذات وصفات میں اور معبود حقیقی ہونے میں وحدہ لا شریک لہ، ہونے میں خوب اچھی طرح سے جانا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ جو اللہ کی مخلوقات کا تجزیہ اور تحلیل کرنے میں مصروف ہیں اور کائنات میں طرح طرح کی ریسرچ کرتے ہیں۔ حیوانات، نباتات، جمادات کے احوال جاننے کے لیے محنتیں کرتے ہیں۔ ان میں اہل علم کہنے کے لائق وہی لوگ ہیں جو مخلوق کے ذریعہ خالق کی معرفت حاصل کرنے میں عمریں خرچ کرتے ہیں اور جو خالق جل مجدہ، کے منکر ہیں یہ لوگ اہل علم نہیں ہیں۔ بڑی بڑی ریسرچ کرتے ہوئے بھی جہالت میں مبتلا ہیں۔ اسی کو سورۂ زمر میں فرمایا: (قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ) (آپ فرما دیجیے کیا اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا تم مجھے حکم دیتے ہو اے جاہلو!) مخاطبین کو جاہل فرمایا حالانکہ وہ اس زمانہ کے اعتبار سے فصاحت وبلاغت میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ....

اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام معتبر ہے:

اس آیت میں اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی معتبر ہے۔ وہی ذریعہ نجات ہے اگر کسی نے اللہ کو مانا لیکن اللہ کے دین کو نہ مانا جو اس کے نزدیک معتبر ہے تو وہ گمراہ ہے آخرت میں اس کی نجات نہ ہوگی اسی سورت کے رکوع ۹ میں

فرمایا:(وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ) (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا) اسلام کا لغوی معنی فرمانبردار ہونے کا ہے جو دین اللہ پاک نے اپنے بندوں کے لیے تجویز فرمایا اس کا نام اسلام رکھا ہے۔ کیونکہ وہ سراپا فرمانبرداری ہی ہے ہر شخص اپنے خالق و مالک کے سامنے ظاہر سے اور باطن سے جسم سے اور جان سے جھک جائے اور ہر حکم کو مانے اور تعمیل ارشاد کرتا رہے۔

تمام انبیاء کرام دین اسلام کے داعی تھے۔ ہر نبی کا دین اسلام تھا جو ان پر ایمان لایا وہ مسلم تھا اور جس نے ان کی دعوت کو نہ مانا وہ غیر مسلم تھا کافر تھا حضرت نبی آخر الزمان ﷺ کا دین بھی اسلام ہے انہوں نے اسی کی دعوت دی اور اس کی دعوت قیامت تک ہے جو شخص اس دین کو مانے گا مسلم ہوگا۔ اللہ کا فرمانبردار ہوگا۔ اور جو اسے نہ مانے گا وہ کافر ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللهِ وَ یَقْتُلُوْنَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ یُقَاتِلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ مِنَ النَّاسِ وَهُمُ الْیَهُوْدُ رُوِیَ اَنَّهُمْ قَتَلُوْا ثَلٰثَةً وَّاَرْبَعِیْنَ نَبِیًّا فَنَهَاهُمْ مِائَةٌ وَّ سَبْعُوْنَ مِنْ عُبَّادِهِمْ فَقَتَلُوْهُمْ فِیْ یَوْمِهِمْ فَبَشِّرْهُمْ اَعْلِمْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ مُؤْلِمٍ وَ ذِکْرُ الْبِشَارَةِ تَهَکُّمٌ لَهُمْ وَ دُخِلَتِ الْفَاءُ فِیْ خَبَرِ اِنَّ لِشِبْهِ اِسْمِهَا الْمَوْصُوْلِ بِالشَّرْطِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ بَطَلَتْ اَعْمَالُهُمْ مَا عَمِلُوْهُ مِنْ خَیْرٍ کَصَدَقَةٍ وَّصِلَةِ رَحِمٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَلَا اِعْتِدَادَ بِهَا لِعَدَمِ شَرْطِهَا وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝ مَانِعِیْنَ لَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا حَظًّا مِّنَ الْکِتٰبِ التَّوْرٰةِ یُدْعَوْنَ حَالٌ اِلٰی کِتٰبِ اللهِ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ عَنْ قُبُوْلِ حُکْمِهٖ نَزَلَ فِی الْیَهُوْدِ زَنٰی مِنْهُمُ اثْنَانِ فَتَحَاکَمُوْا اِلَى النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَکَمَ عَلَیْهِمَا بِالرَّجْمِ فَاَبَوْا فَجِیْءَ بِالتَّوْرٰةِ فَوُجِدَ فِیْهَا فَرُجِمَا فَغَضِبُوْا ذٰلِکَ التَّوَلِّیْ وَالْاِعْرَاضُ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اَیْ بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا مُدَّةَ عِبَادَةِ اٰبَائِهِمُ الْعِجْلَ ثُمَّ تَزُوْلُ عَنْهُمْ وَ غَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝ مِنْ قَوْلِهِمْ ذٰلِکَ فَکَیْفَ حَالُهُمْ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ اَیْ فِیْ یَوْمٍ لَّا رَیْبَ شَکَّ فِیْهِ هُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ وَ وُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَ غَیْرِهِمْ جَزَاءَ مَّا کَسَبَتْ عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ وَّ شَرٍّ وَ هُمْ اَیِ النَّاسُ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ بِنَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِیَادَةِ سَیِّئَةٍ وَّ نَزَلَ لَمَّا وَعَدَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمَّتَهٗ مُلْکَ فَارِسَ وَالرُّوْمِ فَقَالَ الْمُنٰفِقُوْنَ هَیْهَاتَ قُلِ

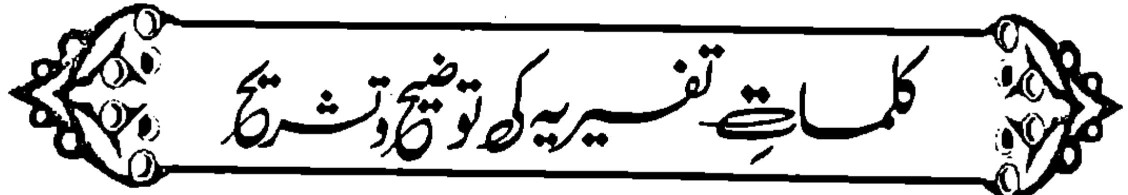
اَللّٰهُمَّ یَا اللّٰهُ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی تُعْطِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ مِنْ خَلْقِكَ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ بِاِیْتَائِهٖ اِیَّاهُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِنَزْعِهٖ مِنْهُ بِیَدِكَ بِقُدْرَتِكَ الْخَیْرُ اَیْ وَالشَّرُّ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ تُدْخِلُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ تُدْخِلُهٗ فِی الَّیْلِ فَیَزِیْدُ كُلٌّ مِنْهُمَا بِمَا نَقَصَ مِنَ الْاٰخَرِ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ كَالْاِنْسَانِ وَالطَّائِرِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالْبَیْضَةِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ كَالنُّطْفَةِ وَالْبَیْضَةِ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ اَیْ رِزْقًا وَّاسِعًا۔ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ یُوَالُوْنَهُمْ مِنْ دُوْنِ اَیْ غَیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ اَیْ یُوَالِیْهِمْ فَلَیْسَ مِنَ دِیْنِ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً مَصْدَرُ تَقَیْتُهٗ اَیْ تَخَافُوْا مَخَافَةً فَلَكُمْ مُوَالَاتُهُمْ بِاللِّسَانِ دُوْنَ الْقَلْبِ وَهٰذَا قَبْلَ عِزَّةِ الْاِسْلَامِ وَ یَجْرِیْ فِیْ مَنْ فِیْ بَلَدٍ لَیْسَ قَوِیًّا فِیْهَا وَ یُحَذِّرُكُمُ یُخَوِّفُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ اَیْ اَنْ یَغْضَبَ عَلَیْكُمْ اِنْ وَالَیْتُمُوْهُمْ وَ اِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾ الْمَرْجِعُ فَیُجَازِیْكُمْ قُلْ لَهُمْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ قُلُوْبِكُمْ مِنْ مُوَالَاتِهِمْ اَوْ تُبْدُوْهُ تُظْهِرُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمِنْهُ تَعْذِیْبُ مَنْ وَالَاهُمْ وَاذْكُرْ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَ بَیْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِیْدًا غَایَةً فِیْ نِهَایَةِ الْبُعْدِ فَلَا یَصِلُ اِلَیْهَا وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ كَرَّرَهٗ لِلتَّاكِیْدِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

مع ع ۱۰ ۱۱

ترجمہ: بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں (ایک قراءت میں یُقَاتِلُوْنَ ہے) پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں (مراد یہود ہیں جنہوں نے انجیل اور قرآن کا انکار کیا تھا، اور مروی ہے کہ تینتالیس نبیوں کو یہود نے شہید کیا تھا اس پر ان میں سے ایک سو ستر عابدوں نے ان کو منع کیا تو اسی روز ان عابدوں کو بھی قتل کر دیا) سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجئے (اطلاع دیدیجئے) دردناک عذاب کی (الیم بمعنی مولم ہے یعنی تکلیف دہ عذاب اور خبر کو بشارت سے بیان کرنے میں ان کے ساتھ مذاق اور استہزاء ہے، اور اِنَّ الَّذِیْنَ الخ میں ان حرف مشبہ بالفعل ہے الَّذِیْنَ موصول وصلہ مع معطوفات ان کا اسم ہے اور فَبَشِّرْهُمْ ان کی خبر ہے تو ان کی خبر پر فاء کا داخل کرنا اس لیے ہے کہ ان کا اسم الَّذِیْنَ موصول ہے جو مشابہ بالشرط ہے) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے (بیکار ہو گئے

جو عمل خیر انہوں نے کیا جیسے صدقہ اور صلہ رحمی) دنیا اور آخرت میں (یعنی ان اعمال خیر کا کچھ اعتبار نہیں اس لیے کہ شرط اعمال یعنی ایمان نہیں پایا گیا) اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا (یعنی عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ الخ (اے محمد ﷺ!) کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے (استفہام تقریری للعجب ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے اشارہ کیا تَنظُرُ سے یعنی دیکھے مقام تعجب ہے) جن کو ایک حصہ (نَصِيْبًا بمعنی حظ یعنی حصہ ہے) دیا گیا کتاب (تورات کا) کا (کہ اگر ہدایت کے طالب ہوتے تو وہ حصہ اس غرض کی تکمیل کے لیے کافی تھا) درانحالیکہ بلائے جاتے (حال ہے الَّذِيْنَ سے) اسی کتاب اللہ کی طرف تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، پھر ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے (اس کا حکم قبول کرنے سے، حکم کی نسبت کتاب کی طرف مجازی ہے چوں کہ کتاب سبب حکم ہے) نَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ الخ اے نزل الم تر الخ یعنی اس کا نزول یہود خیبر کے بارے میں ہوا ہے کہ یہود میں سے دو شخص (مرد و عورت) نے زنا کیا سو ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں پر رجم کا حکم فرمایا لیکن ان لوگوں نے انکار کیا (یعنی یہودیوں نے کہا کہ یہ حکم یعنی فیصلہ صحیح نہیں چوں کہ زنا کرنے والے مالدار و عالی مرتبہ کے تھے، پھر تورات لائی گئی تو اس میں رجم کرنے کا حکم پایا گیا چنانچہ دونوں کو رجم کیا گیا پھر یہود سب ناراض ہو کر لوٹ گئے) یہ (روگردانی اور اعراض) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں (یعنی یہ روگردانی یہود کے قول لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ الخ کی وجہ سے ہے اور یہی ان کا اعتقاد ہے، اور اسی بے بنیاد اعتقاد کی وجہ سے بڑے سے بڑا گناہ کر لیتے ہیں) کہ ہم کو ہرگز نہ چھوئے گی دوزخ کی آگ مگر گنتی کے چند ایام (یعنی چالیس دن، جتنے دن انکے باپ دادا نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، پھر ان سے دور ہو جائے گی یعنی مغفرت ہو جائے گی) اور ان کو دھوکا میں ڈال رکھا ہے اپنے دین کے بارے میں (فِيْ دِيْنِهِمْ متعلق ہے اگلے قول، كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ "کے ساتھ) ان کی تراشی ہوئی باتوں نے (یعنی ان کے اس طرح کے من گھڑت قول نے) سو کیا ہوگا (ان کا حال) جب کہ ہم ان کو اس تاریخ میں جمع کر لیں گے (لِيَوْمٍ بمعنی فی یوم ہے) جس میں (یعنی آنے میں) ذرا شبہ نہیں (وہ قیامت کا دن ہے) اور ہر شخص کو پورا پورا دیا جائے گا (خواہ اہل کتاب میں سے ہو یا ان کے علاوہ) جو اس نے کمایا (یعنی جو کیا ہے نیکی یا بدی اس کا بدلہ پائے گا) اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جائے گا (یعنی نیکی کم کر کے یا بدی بڑھا کر حق تلفی نہیں کی جائے گی، هِمْ کا مرجع کل ہے جو معنی کے لحاظ سے ہے یعنی ہر شخص۔ جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ملک روم و فارس فتح ہو جانے کا وعدہ فرمایا تو منافقین کہنے هَيْهَاتَ یعنی کوسوں دور ہے، یہ ممالک کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی "قُلِ اللّٰهُمَّ الخ" (اے محمد ﷺ!) آپ کہئے کہ اے اللہ (اَللّٰهُمَّ بمعنی یا اللہ ہے) مالک تمام ملک کے آپ دیدیتے ہیں (عطا کرتے ہیں) (ملک جس کو چاہیں (اپنی مخلوق میں سے) اور ملک واپس لے لیتے ہیں جس سے چاہیں، اور آپ عزت دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں (ملک دے کر اور آپ ذلیل و پست کر دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں (ملک کو اس سے چھین کر) آپ ہی کے (قدرت) میں ہے ہر طرح کی بھلائی (یعنی اور برائی بھی) بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں آپ داخل کر دیتے ہیں (تُوْلِجُ بمعنی تدخل ہے) رات کو دن میں اور دن کو داخل کر دیتے ہیں رات میں (یعنی بعض موسموں میں

کے اجزاء کو دن میں داخل کر دیتے ہیں، جس سے دن بڑا ہونے لگتا ہے اور بعض موسموں میں دن کے اجزاء کو رات میں داخل کر دیتے ہیں جس سے رات بڑھنے لگتی ہے فَيَزِيْدُ كُلٌّ مِّنْهُمَا الخ چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک اتنا بڑھ جاتا ہے جتنا دوسرے سے کم ہوا) اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے انسان اور پرند کو نطفہ اور بیضہ سے) اور آپ نکال لیتے ہیں بے جان چیز کو (جیسے نطفہ اور بیضہ) جاندار سے اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں (بلاتنگی کے بے شمار عطا فرماتے ہیں) ایمان والے کافروں کو دوست نہ بنائیں (کہ ان کو محبوب بنالیں) مسلمانوں کو چھوڑ کر (دُوْنِ بمعنی غیر ہے اور محل نصب میں ہے بنابراس کے کہ اولیاء کی صفت ہے جیسا کہ مفسر نے غیر سے تفسیر کر کے اشارہ کیا ہے نیز حال بھی ہوسکتا ہے) اور جو شخص ایسا کرے گا (یعنی ان کافروں کو دوست بنائے گا) تو اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے (یعنی دین خداوندی سے تعلق رکھنے) کے کسی شمار میں نہیں ہوگا (کیونکہ جن دو شخصوں میں باہم عداوت ہو ایک سے دوستی کر کے دوسرے سے دوستی کا دعوی قابل اعتماد نہیں) مگر یہ کہ کافروں کی طرف سے تم کو کسی شر کا قوی کا اندیشہ (تُقٰـةً مَصْدَرٌ ہے تَقِيَّةٌ بروزن رمیتہ یعنی از باب ضرب اَیْ تَخَافُوْا مَخَافَةً یعنی کسی قوی شر کا خوف ہو تو ایسی صورت میں تمہارے لیے جائز ہے زبان سے ان کی دوستی کا اظہار نہ کہ دلی دوستی، اور یہ جواز بھی غلبہ اسلام سے قبل تھا، اور یہ جواز تقیہ ان لوگوں کے حق میں جاری ہوگا جو ایسے شہر میں ہوں جہاں وہ کمزور ہیں اور کافروں کا غلبہ اور زور ہے) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے (يُحَذِّرُكُمُ بمعنی یخوف دلاتا ہے) کہ اللہ تعالیٰ تم پر غضبناک ہو جائیں گے اگر تم نے ان سے قلبی دوستی رکھی) اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (الْمَصِيْرُ بمعنی مرجع ٹھکانا ہے، چنانچہ تم کو بدلہ دے گا) قُلْ اِنْ تُخْفُوْا الخ آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے (یعنی کافروں کی محبت جو دلوں میں ہے) یا اس کو ظاہر کرو (تبدوا تنظھروا ہے) اللہ تعالیٰ اس کو ہر حال میں جانتے ہیں اور (اسی کی کیا تخصیص ہے) وہ تو جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (کوئی چیز ان سے مخفی نہیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتے ہیں (منجملہ اس کے ان لوگوں کو سزا دینا بھی ہے جن لوگوں نے کافروں کو دوست بنایا) يَوْمَ تَجِدُ الخ (یاد کیجئے اس دن کو) جس دن کہ ہر شخص موجود پائے گا اپنی کی ہوئی نیکی کو اور جو کچھ کہ اس نے برائی کی ہے (یہ مبتدا ہے اس کی خبر تودّ آرہی ہے) تمنا کرے گا کہ کاش اس شخص کے اور اس دن کے درمیان دور دراز کی مسافت حائل ہوتی (یعنی انتہائی دوری مشرق سے مغرب تک تاکہ اس تک نہ پہنچتی یعنی برائی کی صورت ہی سامنے نہیں آتی) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں (اس کو تاکید کے لیے مکرر لائے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں اپنے بندوں پر۔



قوله: اَیِ النَّاسِ: اس سے اشارہ کیا کہ يُظْلَمُوْنَ کی ضمیر النَّاسِ کی طرف راجع ہے جو كُلُّ نَفْسٍ سے سمجھ آرہا ہے۔ یہ كُلُّ انسان کے معنی میں ہے۔

قوله: يَا اَللّٰهُ: اس سے اشارہ کیا کہ اَللّٰهُمَّ کی میم یہ یا کے عوض ہے اس لیے دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔

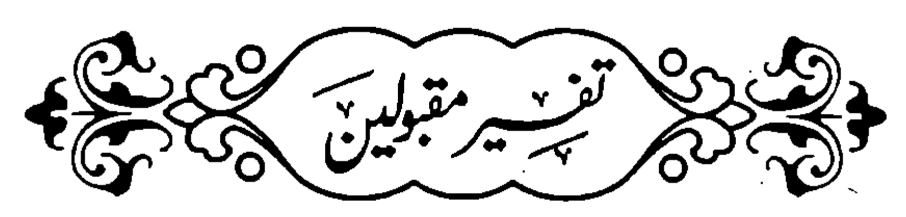
قوله :اَیْ وَالشَّرَّ : خیر کو خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ وہ بالذات مقتضا ہے۔

قوله :رِزْقًا وَاسِعًا :اس سے اشارہ کیا کہ عدم حساب یہ وسعت سے مجاز ہے۔

قوله :مِنَ دِیْنِ اللّٰہِ :اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله :مَصْدَرٌ تَقِیَّۃٌ :تَقِیَّۃٌ بمعنی بچنا۔یہ مصدر ہے نہ کہ بمعنی مفعول۔

قوله :مُبْتَدَأٌ خَبَرُہٗ :اس کا عطف تَجِدُ کے معمول پر نہیں کیونکہ اس وقت تَوَدُّ حال بنے گا جو کہ درست نہیں۔کیونکہ مقارنت نہیں۔



اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ....

یہاں ان اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو گناہ اور حرام کام کرتے رہتے تھے اور اللہ کی پہلی اور بعد کی باتوں کو جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ پہنچائیں جھٹلاتے رہتے تھے، اتنا ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کو مار ڈالتے بلکہ اس قدر سرکش تھے کہ جو لوگ انہیں عدل وانصاف کی بات کہیں انہیں بے دریغ تہ تیغ کر دیا کرتے تھے،

ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔بنو اسرائیل نے تین سو نبیوں کو دن کے شروع میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالک بیچنے بیٹھ گئے، پس ان لوگوں کی اس سرکشی تکبر اور خود پسندی نے ذلیل کر دیا اور آخرت میں بھی رسوا کن بدترین عذاب ان کے لئے تیار ہیں، اسی لئے فرمایا کہ انہیں دردناک ذلت والے عذاب کی خبر پہنچا دو، ان کے اعمال دنیا میں بھی غارت اور آخرت میں بھی برباد اور ان کا کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ....

یہودیوں کا اللہ کی کتاب سے اعراض:

جب اہل کتاب کو دعوت دی جاتی ہے کہ قرآن کریم کی طرف آؤ جو خود تمہاری تسلیم کردہ کتابوں کی بشارات کے موافق آیا اور تمہارے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔تو ان کے علماء کا ایک فریق تغافل برت کر منہ پھیر لیتا ہے۔حالانکہ قرآن کی طرف دعوت فی الحقیقت تورات وانجیل کی طرف دعوت دینا ہے۔ بلکہ کچھ بعید نہیں کہ اس جگہ کتاب اللہ سے مراد تورات وانجیل ہی ہو۔یعنی لو ہم تمہارے نزاعات کا فیصلہ تمہاری ہی کتاب پر چھوڑتے ہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور پست اغراض کے سامنے خود اپنی کتاب کی ہدایات سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں۔نہ اس کی بشارات سنتے ہیں نہ احکام پر کان دھرتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ....

یہودیوں کے خیالات اور آرزوئیں:

پھر ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ طریقہ کار (حق سے منہ پھیرنا اور اللہ کی کتاب سے اعراض کرنا) اس لیے ہے کہ خود تراشیدہ خیالات کی دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے دلوں میں سوچ رکھا ہے کہ بس جی ہم دوزخ میں صرف چند دن کے لیے جائیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان چند دنوں سے وہ چند دن مراد لیتے تھے جن میں ان کے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی عبادت کی تھی، یہ کتنی بڑی حماقت ہے اپنے عقیدہ کے مطابق چند دن کو دوزخ میں جانے کے لیے تیار ہیں جس کے عذاب کی ایک منٹ کی بھی سہار نہیں اور حق ماننے اور اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، جو جھوٹی باتیں انہوں نے تراش رکھی تھیں اور جن جھوٹے خیالات میں مبتلا تھے ان چیزوں نے ان کو دھوکے میں ڈالا اور خام خیالیوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ....

یعنی جب حکومت وسلطنت، جاہ وعزت، اور ہر قسم کے تقلبات وتصرفات کی زمام اکیلے خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہوئی تو مسلمانوں کو جو صحیح معنی میں اس پر یقین رکھتے ہیں، شایان نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اخوۃ ودوستی پر اکتفاء نہ کر کے خواہ مخواہ دشمنان خدا کی موالاۃ ومدارات کی طرف قدم بڑھائیں، خدا اور رسول کے دشمن ان کے دوست کبھی نہیں بن سکتے۔ جو اس خبط میں پڑے گا سمجھ لو کہ خدا کی محبت وموالات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں اور خوف صرف خداوند رب العزت سے وابستہ ہونے چاہئیں۔ اور اس کے اعتماد ووثوق اور محبت ومناصرت کے مستحق وہ ہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں تدبیر وانتظام کے درجہ میں کفار کے ضرر عظیم سے اپنے ضروری بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول ومشروع طریقہ پر اختیار کرنا، ترک موالات کے حکم سے اسی طرح مستثنیٰ ہیں، جیسے سورۃ انفال میں: وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ. سے مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ (الانفال:۱۶) کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جس طرح وہاں تحرف وتحیز کی حالت میں حقیقۃً فرار من الزحف نہیں ہوتا، محض صورۃً ہوتا ہے۔ یہاں بھی اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کو حقیقت موالات نہیں، فقط صورت موالات سمجھنا چاہیے جس کو ہم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں

وَ نَزَلَ لَمَا قَالُوْا مَا نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ اِلَّا حُبًّا لِّلّٰهِ لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَيْهِ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُثِيْبُكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لِمَنِ اتَّبَعَنِيْ مَا سَلَفَ مِنْهُ قَبْلَ ذٰلِكَ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ بِهٖ قُلْ لَهُمْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ مِنَ التَّوْحِيْدِ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ الطَّاعَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ فِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ اَيْ لَا يُحِبُّهُمْ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اِخْتَارَ اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ بِمَعْنٰى اَنْفُسَهُمَا عَلٰى

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ بِجَعْلِ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ نَسْلِهِمْ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ وُلْدِ بَعْضٍ مِنْهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اُذْكُرْ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ حَنَّةُ لَمَّا اَسَنَّتْ وَاشْتَاقَتْ لِلْوَلَدِ فَدَعَتِ اللّٰهَ وَاَحَسَّتْ بِالْحَمْلِ يَا رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ اَنْ اَجْعَلَ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا عَتِيْقًا خَالِصًا مِنْ شَوَاغِلِ الدُّنْيَا لِخِدْمَةِ بَيْتِكَ الْمُقَدَّسِ فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ لِلدُّعَاءِ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ بِالنِّيَاتِ وَهَلَكَ عِمْرَانُ وَهِيَ حَامِلٌ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا وَلَدَتْهَا جَارِيَةً وَكَانَتْ تَرْجُوْ اَنْ يَكُوْنَ غُلَامًا اِذْ لَمْ يَكُنْ يُحَرَّرُ اِلَّا الْغِلْمَانُ قَالَتْ مُعْتَذِرَةً يَا رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ اَيْ عَالِمٌ بِمَا وَضَعَتْ ؕ جُمْلَةُ اعْتِرَاضٍ مِنْ كَلَامِهِ تَعَالٰى وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ التَّاءِ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ الَّذِيْ طَلَبَتْ كَالْاُنْثٰى ۚ الَّتِيْ وُهِبَتْ لِاَنَّهُ يُقْصَدُ لِلْخِدْمَةِ وَهِيَ لَا تَصْلُحُ لَهَا لِضُعْفِهَا وَعَوْرَتِهَا وَمَا يَعْتَرِيْهَا مِنَ الْحَيْضِ وَنَحْوِهِ وَ اِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا اَوْلَادَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ الْمَطْرُوْدِ فِي الْحَدِيْثِ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطَانُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا اَيْ قَبِلَ مَرْيَمَ مِنْ اُمِّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ اَنْشَأَهَا بِخَلْقٍ حَسَنٍ فَكَانَتْ تَنْبُتُ فِي الْيَوْمِ كَمَا يَنْبُتُ الْمَوْلُوْدُ فِي الْعَامِ وَاَتَتْ بِهَا اُمُّهَا الْاَحْبَارَ سَدَنَةَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَتْ دُوْنَكُمْ هٰذِهِ النَّذِيْرَةُ فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا لِاَنَّهَا بِنْتُ اِمَامِهِمْ فَقَالَ زَكَرِيَّا اَنَا اَحَقُّ بِهَا لِاَنَّ خَالَتَهَا عِنْدِيْ فَقَالُوْا لَا حَتّٰى نَقْتَرِعَ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ تِسْعَةٌ وَعِشْرُوْنَ اِلٰى نَهْرِ الْاُرْدُنِ وَاَلْقَوْا اَقْلَامَهُمْ عَلٰى اَنَّ مَنْ ثَبَتَ قَلَمُهُ فِي الْمَاءِ وَصَعِدَ فَهُوَ اَوْلٰى بِهَا فَثَبَتَ قَلَمُ زَكَرِيَّا فَاَخَذَهَا وَبَنٰى لَهَا غُرْفَةً فِي الْمَسْجِدِ بِسُلَّمٍ لَا يَصْعَدُ اِلَيْهَا غَيْرُهُ وَكَانَ يَاْتِيْهَا بِاَكْلِهَا وَشُرْبِهَا وَدُهْنِهَا فَيَجِدُ عِنْدَهَا فَاكِهَةَ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ وَفَاكِهَةَ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ ضَمَّهَا اِلَيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّشْدِيْدِ وَنَصْبِ زَكَرِيَّاءَ مَمْدُوْدًا وَمَقْصُوْرًا وَالْفَاعِلُ اللّٰهُ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ الْغُرْفَةَ وَهِيَ اَشْرَفُ الْمَجَالِسِ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى مِنْ اَيْنَ لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ يَاْتِيْنِيْ بِهِ مِنَ الْجَنَّةِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ

حِسَابٍ ۝ رِزْقًا وَاسِعًا بِلَا تَعْبَةٍ هُنَالِكَ اَیْ لَمَّا رَاٰی زَكَرِیَّا ذٰلِكَ وَ عَلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلَی الْاِتْیَانِ بِالشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ حِیْنِهٖ قَادِرٌ عَلَی الْاِتْیَانِ بِالْوَلَدِ عَلَی الْكِبَرِ وَ كَانَ اَهْلُ بَیْتِهِ انْقَرَضُوْا دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ لَمَّا دَخَلَ الْمِحْرَابَ لِلصَّلٰوةِ جَوْفَ اللَّیْلِ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ مِنْ عِنْدِكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ وَلَدًا صَالِحًا اِنَّكَ سَمِیْعُ مُجِیْبُ الدُّعَآءِ ۝ اَیْ جِبْرَئِیْلُ وَ هُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ۙ اَیِ الْمَسْجِدِ اَنَّ اَیْ بِاَنَّ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ بِتَقْدِیْرِ الْقَوْلِ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ مُثَقَّلًا وَ مُخَفَّفًا بِیَحْیٰی مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ كَائِنَةٍ مِّنَ اللّٰهِ اَیْ بِعِیْسٰی اَنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَ سُمِّیَ كَلِمَةً لِاَنَّهٗ خُلِقَ بِكَلِمَةِ كُنْ وَ سَیِّدًا مَتْبُوْعًا وَّ حَصُوْرًا مَنُوْعًا عَنِ النِّسَآءِ وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ رُوِیَ اَنَّهٗ لَمْ یَعْمَلْ خَطِیْئَةً وَلَمْ یَهُمَّ بِهَا قَالَ رَبِّ اَنّٰی كَیْفَ یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَلَدٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ اَیْ بَلَغْتُ نِهَایَةَ السِّنِّ مِائَةً وَّ عِشْرِیْنَ سَنَةً وَ امْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ؕ بَلَغَتْ ثَمَانِیَ وَتِسْعِیْنَ قَالَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ غُلَامًا مِنْكُمَا اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝ لَا یُعْجِزُهٗ عَنْهُ شَیْءٌ وَلِاِظْهَارِ هٰذِهِ الْقُدْرَةِ الْعَظِیْمَةِ اَلْهَمَهُ اللّٰهُ السُّؤَالَ لِیُجَابَ بِهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسُهٗ اِلٰی سُرْعَةِ الْمُبَشَّرِ بِهٖ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ؕ اَیْ عَلَامَةً عَلٰی حَمْلِ امْرَاَتِیْ قَالَ اٰیَتُكَ عَلَیْهِ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ اَیْ تَمْتَنِعَ مِنْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اَیْ بِلَیَالِیْهَا اِلَّا رَمْزًا ؕ اِشَارَةً وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّ سَبِّحْ صَلِّ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ اَوَاخِرِ النَّهَارِ وَاَوَائِلِهٖ۔

ع ۴ ۱۱ ۱۲

ترجمہ: (اور جب کافروں نے کہا کہ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں ان کی پوجا کرتے ہیں تا کہ ہم کو خدا کے قریب پہنچا دیں یعنی مقرب بنا دیں اس پر آیت مبارکہ: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الخ نازل ہوئی) آپ فرما دیجئے (اے محمد ﷺ ان لوگوں سے یعنی ان کے جواب میں فرمایئے) کہ اگر تم (بزعم خود) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے (یعنی تم کو اجر و ثواب عطا کریں گے، مفسر علام نے اس تفسیری عبارت "اَنَّهٗ یُثِیْبُكُمْ" سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ بطور مشاکلہ و مقابلہ ہے کیونکہ محبت کے حقیقی معنی میل النفس الی الشیء ہے جو ذات باری تعالیٰ کے حق میں محال ہے اس لیے مفسر علام نے بتایا کہ محبت اللہ کے معنی ہیں اللہ کا قبول فرمانا اور اعمال پر اجر و ثواب کا عطا فرمانا) اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں (میری پیروی کرنے والوں کے ان تمام گناہوں کو جو پہلے کر چکے ہیں) اور مہربان ہیں (پیروی کرنے والوں پر دنیا میں بھی اور آخرت

میں بھی) آپ فرما دیجئے (ان سے) کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو (جس بات کا تم کو حکم دیں توحید وغیرہ میں سے، یہاں توحید سے مراد پورا دین ہے۔ کما فی الحدیث: من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ) پھر اگر وہ لوگ رو گردانی کریں (آپ کی اطاعت سے اعراض کریں) تو (یہ لوگ سن لیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے (اس جملہ میں اسم ظاہر یعنی اَلْکٰفِرِیْنَ کو لایا گیا ہے بجائے ضمیر لَا یُحِبُّھُمْ کے یعنی اللہ تعالیٰ ان کافروں کو سزا دیں گے اس میں صریح دلیل ہے کہ رسول خدا ﷺ کی اطاعت فرض ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی الخ بیشک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لئے) منتخب فرمایا (یعنی پسند کیا ہے) حضرت آدم اور نوح کو اور آل (اولاد) ابراہیم اور آل عمران کو (مفسرؒ نے بمعنی اَنْفُسَھُمَا سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں لفظ آل زائد ہے اور آل ابراہیم اور آل عمران سے مراد ان دونوں بزرگوں کی ذات ہے جیسے سورۂ بقرہ میں آیت کریمہ ''وَ بَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَ اٰلُ ھٰرُوْنَ '' میں آل کا لفظ زائد ہے (یعنی کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ وہارون چھوڑ گئے ہیں) عَلَی الْعٰلَمِیْنَ سارے جہاں پر (کہ سارے انبیاء یا اکثر و بیشتر انبیاء علیہم السلام کو ان ہی کی نسل سے بنایا اور عالمین سے مراد ان حضرات کے زمانے کے لوگ ہیں پس سید الانبیاء ﷺ کے مسئلہ میں کوئی اشکال نہ ہوگا ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا الخ بعض ان میں بعضوں کی اولاد ہیں (یعنی نسل سے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں۔ (یاد کیجئے یعنی اے محمد ﷺ وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہیں) جب کہ عمران کی بیوی نے عرض کیا (یعنی عمران کی بیوی حنہ بنت فاقوذ والدہ حضرت مریم جو بانجھ تھیں جب سن رسیدہ بوڑھی ہو گئیں اور بچہ کا اشتیاق ہوا تو اللہ سے دعا مانگی اور حاملہ ہوگئیں) اے میرے پروردگار میں نے نذر (یعنی منت) مانی ہے (کہ وقف کردوں گی) آپ کے لیے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے وہ آزاد رکھا جائے گا (یعنی دنیا کے کام دھندوں سے مکمل آزاد بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف) سو آپ میری طرف سے قبول فرمالیجئے بیشک آپ خوب سننے والے ہیں (میری عرض) خوب جاننے والے ہیں (میری نیتوں کو، اور عمران کا انتقال ہوگیا، درآنحالیکہ حنہ حاملہ تھیں) پھر جب حنہ نے لڑکی جو (بمعنی ہے، یعنی حضرت عمران کی بیوی کو لڑکی پیدا ہوئی حالانکہ امیدوار تھی کہ لڑکا ہوگا اسلئے کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے صرف لڑکے ہی وقف ہوا کرتے تھے) تو کہنے لگیں (عذر پیش کرتے ہوئے) کہ اے میرے پروردگار میں نے تو حمل لڑکی جنی، حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (واقف ہیں) جو انہوں نے جنی، یہ، یہ جملہ '' وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ۚ ولیس الذکر کالانثی '' جملہ معترضہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے ہے یعنی ماقبل سے اس کا تعلق نہیں اور ایک قراءت میں ضم تا کے ساتھ بِمَا وَضَعْتُ واحد متکلم کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اس دوسری قراءت کی صورت میں جملہ معطوفہ رہے گا معترضہ نہ ہوگا بلکہ حنہ کے کلام کا جزء ہوگا۔ والاول هو الراجح۔ لیس الذکر کالانثی اور نہیں ہوسکتا تھا وہ لڑکا (جو حنہ نے مانگا تھا) اس لڑکی کی طرح (جو میں نے دیا، بلکہ یہ لڑکی اس لڑکے سے افضل ہے کہ اس کے کمالات و برکات عجیب و غریب ہوں گے اس کے بطن سے ایک عظیم الشان صاحب کتاب پیغمبر پیدا ہوں گے وہ بھی حیرت انگیز طریقہ سے یہ مطلب مشہور قراءت پر ہوگا یعنی وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ بسکون التاء کی قراءت جو مشہور ہے اور اس

قراءت کی صورت میں مفسرؒ کا قول الذی طلبت بھی بسکون التاء ہوگا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے یعنی ''جو حنہ نے چاہا تھا اور مفسر کا قول اَلَّتِیْ وُھِبَتْ بضم التاء بصیغہ واحد متکلم ہوگا یعنی وہ مطلوب لڑکا نہیں ہوسکتا تھا اس لڑکی کی طرح جو میں نے عطا کی ہے، نیز ماضی مجہول وھبت بسکون التاء بھی ہوسکتا ہے یعنی جو لڑکی دی گئی اس کے برابر وہ لڑکا نہیں ہوسکتا چوں کہ موھوبہ لڑکی انتہائی باعظمت ہے اگر چہ بیت المقدس کی خدمت کے لائق نہیں ہے۔دوسری قراءت بِمَا وَضَعَتْ اَلَّتِیْ وُھِبَتْ واحد متکلم ہے اس قراءت ثانیہ کی صورت میں واللہ اعلم بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى جملہ معترضہ من کلامہ تعالیٰ نہ ہوگا بلکہ معطوف ومربوط حنہ کے کلام کا جزء ہوگا اور الذَّكَرُ اور كَالْاُنْثٰى میں الف لام جنسی ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے بیت المقدس کی خدمت کے قصد سے نذر مانی تھی اس سے میرا مقصد اور میری تمنا تھی کہ لڑکا ہو چوں کہ لڑکا طاقتور ہوتا ہے اور بیت المقدس کی ہر خدمت کے لائق ہوسکتا ہے وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى اور لڑکا جو میں نے مانگا تھا لڑکی کی طرح نہیں جو مجھ کو دی گئی لِاَنَّهٗ يُقْصَدُ لِلْخِدْمَةِ الخ اس لئے کہ لڑکا مقصود تھا بیت المقدس کی خدمت کے لیے اور لڑکی اس خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اپنے ضعف اور عورت ہونے کی وجہ سے اور ان عوارض کی وجہ سے جو لڑکی کو پیش آتے ہیں یعنی حیض اور نفاس) وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ الخ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو (ذُرِّيَّتَهَا بمعنی اولاد ہے) آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے (یعنی جو ملعون اور راندۂ درگاہ ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت شیطان اس کو ضرور مس کرتا، چھوتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیختا، آواز سے رونے لگتا ہے بجز مریم اور ان کے بیٹے علیہما السلام کے (بخاری ومسلم) فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا پس اس کے پروردگار نے اس لڑکی کو قبول فرمالیا (اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو اس کی ماں حنہ سے قبول کرلیا) اچھی قبولیت کے ساتھ اور بالیدگی کے ساتھ اس کو بڑھایا (یعنی عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا چنانچہ ایک دن میں مریم اس قدر بڑھتی تھیں جس قدر دوسرا بچہ سال بھر میں بڑھتا ہے ،اور حضرت مریم کی ماں مریم کو لے کر آئیں بیت المقدس کے خدمتگار مشائخ کے پاس یعنی جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی ماں حنہ نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کے بیت المقدس کے مشائخ کے سامنے رکھ دیا۔ فَقَالَتْ دُوْنَكُمْ هٰذِهِ النَّذِيْرَةُ الخ اور بولی ''لو یہ نذیرہ ہے'' یعنی منت میں پیش کی ہوئی ہے اس کو قبول کر لیجئے سو سب نے مریم کے بارے میں بڑھ چڑھ کر خواہش کی اس لیے کہ حضرت مریم ان لوگوں کے امام کی بیٹی تھیں، چنانچہ حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ مستحق اس کا ہوں کیونکہ اس کی حقیقی خالہ میرے پاس یعنی میری بیوی ہے سو دوسرے خواہشمند مشائخ نے کہا ''یہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی کریں گے چنانچہ سارے مشائخ جن کی تعداد انتیس تھی نہر وان پر پہنچے اور سب نے اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال دیئے اس قرار داد پر کہ جس کا قلم پانی پر ٹھہرا رہے گا اور پانی کے اوپر رہے گا وہی اس لڑکی کا زیادہ مستحق ہوگا، سو حضرت زکریا کا قلم رکا رہا چنانچہ حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلَام نے مریم کو لیا اور اس کے لیے ایک بالا خانہ مسجد میں تیار کیا ایک زینہ کے ساتھ کہ اس مریم کے پاس ان کے علاوہ کوئی نہ چڑھ سکے، حضرت زکریا ہی ان کے پاس کھانا، پینا اور تیل لے کر پہنچتے تھے تو پاتے تھے گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا'' كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور اللہ تعالیٰ

نے زکریا علیہ السلام کو اس (لڑکی) کا کفیل بنادیا۔ (یعنی زکریا نے اس کو اپنے ذمہ میں لے لیا، ایک قراءت میں تشدید کے ساتھ اور زکریا کے نصب کے ساتھ ہے پھر ممدود اور مقصور دونوں طرح درست ہے۔ اس صورت میں اللہ فاعل ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے) کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا الخ جب کبھی زکریا ان کے پاس محراب میں تشریف لاتے (یعنی مریم کے بالا خانہ میں پہنچتے جو سب سے افضل جگہ تھی) تو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے، فرماتے "اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں؟ (اَنّٰی بمعنی مِنْ اَیْنَ ہے یعنی کہاں سے) وہ کہتیں (درانحالیکہ کم سن بچی تھی) یہ اللہ کے پاس سے آئیں (یعنی اللہ تعالیٰ میرے پاس جنت سے بھیج دیتے ہیں (بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں (یعنی وسیع رزق اور بغیر محنت کے) اس وقت (جب کہ حضرت زکریا نے یہ یعنی حضرت مریم کی کرامت بے موسم پھل کا عطیہ الٰہی دیکھا اور ملاحظہ کر لیا کہ جو ذات بے موسم چیز دینے پر قادر ہے وہ بڑھاپے میں اولاد دینے پر بھی قادر ہے یعنی بے موسم پیری میں اولاد بھی عطا کرے گا اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام وسط لیل میں نماز کے لیے محراب میں داخل ہوئے) عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو اپنے پاس سے اچھی اولاد (ولد صالح) بیشک آپ خوب سننے والے (قبول کرنے والے) ہیں دعاء کے، پس پکار کر کہا اس سے فرشتوں نے (یعنی جبرئیل نے) جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں (یعنی مسجد میں) (کہ ان بمعنی بان، اور ایک قراءت ان بکسر الهمزه ہے بتقدیر القول ای حال کون الملائکة قائلین له ان الله یبشرک الخ) اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں (لفظ یُبَشِّرُکَ مُثَقَّلًا یعنی از باب تفعیل شین کی تشدید کے ساتھ، اور مخففا یعنی بلا تشدید دونوں لغت ہے) یحییٰ کی (یعنی ایک بیٹے کی خوشخبری جس کا نام یحییٰ ہوگا) جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے) یعنی عیسیٰ کے روح اللہ یعنی نبی ہونے کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، اور حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اس وجہ سے کہا گیا کہ آپ خلاف عادت بغیر باپ کے صرف لفظ کُنْ سے پیدا کیے گئے) اور سردار (مقتدا) ہوں گے اور اپنے نفس کو روکنے والے ہوں گے) (لذات سے یعنی عورتوں سے محفوظ ہوں گے) اور نیک عمل کرنے والوں میں سے نبی ہوں گے (روایت ہے کہ حضرت یحییٰ نے نہ کبھی کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کیا اور نہ اس کا ارادہ کیا) قَالَ رَبِّ اَنّٰی الخ زکریا نے عرض کیا "اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا (اَنّٰی بمعنی کَیْفَ ہے اور غلام بمعنی ولد لڑکا ہے) حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آ پہنچا (یعنی پہنچ چکا ہوں اپنے زمانے کی انتہائی عمر ایک سو بیس برس کو) اور میری بیوی بانجھ ہے جو اٹھانوے برس کی عمر کو پہنچ چکی ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا (معاملہ) اسی طرح ہوگا (یعنی اللہ تعالیٰ کا لڑکا پیدا کرنا تم دونوں سے اسی بوڑھا ہونے کی حالت میں ہوگا، مفسر سیوطیؒ نے الامر کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ کَذٰلِكَ خبر ہے اور اَلْاَمْرُ مبتدا محذوف ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں (اس کو کوئی روک نہیں سکتا، اور اسی قدرت عظیمہ کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ سوال الہام کیا تا کہ اسی کے مطابق جواب دیا جائے، اور جب ان کا دل اس خوشخبری کی جلدی کا شائق ہوا) زکریا نے عرض کیا اے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے (یعنی میری بیوی کے حمل پر کوئی علامت مقرر کر دیجئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نشانی (اس حمل پر) یہی ہے کہ تم لوگوں سے بات چیت نہیں کر سکو گے) یعنی لوگوں کی گفتگو سے باز رہو گے بخلاف ذکر اللہ کے یعنی ذکر اللہ کی قدرت رہے گی اس میں کوئی

نزق نہ آئے گا) تین دن (مع ان ایام کی راتوں کے) بجز اشارہ کے اور اپنے رب کا ذکر کثرت سے کیجئے اور نماز پڑھئے) تسبیح وتقدیس سے مراد نماز ہے) زوال کے بعد اور صبح کو بھی (یعنی دن پچھلے پہر اور اول پہر)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَنَّہٗ یُثِیْبُکُمْ: اس سے اشارہ کر رہے ہیں کہ بندوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت وہ ثواب دینے سے مجاز ہے۔

قوله: مِنَ التَّوْحِیْدِ: یہ قید اس لیے لگائی کیونکہ اعمال فرعی سے اعراض موجب کفر نہیں۔

قوله: اَعْرَضُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ فَاِنْ تَوَلَّوْا یہ ماضی ہے، مضارع نہیں۔

قوله: مَقَامَ الْمُضْمَرِ: اس سے عموم کا فائدہ مقصود ہے اور یہ دلالت مقصود ہے کہ اعراض سبب کفر ہے۔

قوله: اَنْفُسَهُمَا: یہ قید لگا کر اشارہ کیا کہ وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ میں کتنے عاصی وکفار ہیں وہ تو منتخب نہیں اس لیے ان دونوں کی ذات مراد ہے۔

قوله: یَا رَبِّ: اس سے اشارہ کیا کہ حرف نداء یہاں محذوف ہے۔

قوله: وَکَانَتْ تَرْجُوْ: یہ والدہ مریم نے اپنے رب کی بارگاہ میں بطور حسرت وغم کہے۔

قوله: وَلَیْسَ الذَّکَرُ: یہ اللہ تعالیٰ کے قول وَاللّٰهُ اَعْلَمُ کا بیان ہو تو لام عہد کا ہے اور والدہ مریم کا کلام ہو لام جنس کا ہوگا۔

قوله: اَنْشَأَهَا: نَبَاتًا یہ انشاء سے مجاز ہے اور مدہ تربیت سے مجاز ہے۔

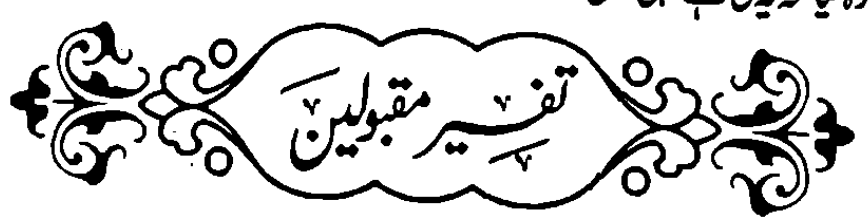
قوله: وَهِیَ اَشْرَفُ: مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بیت المقدس کے اشرف تین مقام میں جنم دیا۔

قوله: اَیْ جِبْرَئِیْلُ: اس سے اشارہ کیا کہ الملائکہ کا الف لام جنس کا ہے پس جمع کا معنی باطل ہوا۔

قوله: بِعِیْسٰی: اس سے اشارہ کیا کہ بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں نہ اور کچھ۔

قوله: کَیْفَ: اس سے اشارہ کیا کہ اَنّٰی یہاں کیفیت حدوث کے سوال کے لیے ہے۔

قوله: تَمْتَنِعَ: اشارہ کیا کہ یہ نفی ہے، نہی نہیں۔



قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ....

خدا سے محبت کا معیار

دشمنانِ خدا کی موالات ومحبت سے منع کرنے کے بعد خدا سے محبت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں۔ یعنی اگر دنیا میں آج

شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیب خدا محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ چلتا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے۔ اسی قدر سمجھنا چاہیے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے۔ اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور ﷺ کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا۔ اور اللہ کی محبت اور حضور ﷺ کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہونگی۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ ....

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے چند برگزیدہ بندوں کا ذکر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی محب اور محبوب تھے تا کہ ان کے حالات اور واقعات سن کر ان کے اتباع اور محبت کا شوق دل میں پیدا ہو اور یہ سمجھ لیں کہ حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت بدون ان حضرات کی اتباع اور پیروی کے ناممکن ہے اور ان چند محبین اور محبوبین خدا کا ذکر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ کے ذکر مبارک کی تمہید ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا بہر حال مقصود اس تذکرہ سے یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں وصول بدون حضرات انبیاء کرام کے ناممکن اور محال ہے انہی حضرات کے اتباع سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔ سب سے پہلے جس نے دنیا کو خدا تعالیٰ کی محبت کی تعلیم دی اور اس کا طریقہ بتلایا وہ ہمارے محترم ترین باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو اللہ کے خلیفہ ہیں اور علم اور معرفت میں فرشتوں سے بڑھ کر ہیں اور سب سے پہلے خدا کے نبی اور رسول مکلم ہیں۔

اور پھر حضرت نوح علیہ السلام اور پھر حضرات ابراہیم علیہ السلام اور پھر آل عمران اور پھر سب سے اخیر میں ہمارے نبی اکرم سرور عالم سیدنا و مولانا محمد مصطفی ﷺ ہیں کہ جن کی بے چون و چرا متابعت اور اطاعت محبت خداوندی کا معیار ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا کہ اپنی خلافت کا تاج ان کے سر پر رکھا اور مسجود ملائکہ بنایا اور جس نے ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور ان کی ہمسری کا مدعی بنا اس کو ملعون اور مغضوب بنا کر اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا اور ان کے ایک عرصہ دراز کے بعد خاص طور پر نوح کو برگزیدہ بنایا کہ ان کی اتباع کرنے والوں کو نجات دی اور ان کی اطاعت اور اتباع سے اعراض کرنے والوں کو یک لخت غرق کیا اور ابراہیم علیہ السلام کو دونوں کے لیے برکت کا وعدہ فرمایا اور علی ہذا خاندان عمران میں سے بھی بعض کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ وآل عمران علی العالمین میں عمران سے کون سے عمران مراد ہیں آیا عمران بن ماثان مراد ہیں جو حضرت مریم کے والد ہیں اور حضرت مسیح کے جد ہیں یا عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد ہیں اور آیت کے سیاق اور سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں عمران بن ماثان، حضرت مریم کے والد مراد ہیں اس لیے کہ ان آیات کا نزول نصاریٰ نجران کے بارہ میں ہوا جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے الوہیت کے قائل تھے بہر حال اس عمران سے اگر حضرت مریم کے والد مراد ہیں تو آل عمران سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہوں گے غرض یہ کہ ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا اور تمام جہانوں میں سے ان کو اپنی نبوت

ورسالت کے لیے منتخب فرمایا درآنحالیکہ یہ جماعت ایک نسل ہیں جوایک دوسرے سے پیداہوئے ہیں ایک طینت اورایک خمیر ہیں جواصطفاء اوراجتباء کے یکے بعد دیگرے وارث ہوئے اوراللہ تعالیٰ سب اقوال کے خوب سننے والے اورسب ظاہری اور باطنی احوال کے خوب جاننے والے ہیں کہ کون شخص اصطفاء اور برگزیدگی کے لائق ہے اللہ کا اصطفاء علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ....

مریم بنت عمران:

حضرت عمران کی بیوی صاحبہ کا نہ بنت فاقوذ تھا حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں حضرت محمد اسحاق فرماتے ہیں انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چوغہ دے رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اوراللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا جب حمل کا یقین ہوگیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ کے نام پر آزاد کردوں گی، پھر اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے، اب یہ معلوم نہ تھا لڑکا ہوگا یا لڑکی جب پیدا ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے اس کے لئے تو لڑکا ہونا چاہئے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر وقف کرچکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ہے، واللہ اعلم بما وضعت بھی پڑھا گیا یعنی یہ قول بھی حضرت حنہ کا تھا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اور تا کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے، یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے، اور فرماتی ہے کہ مرد عورت برابر نہیں، میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے، کیونکہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہاں یہ بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھا گیا، اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیم کے نام پر ابراہیم رکھا ملاحظہ ہو بخاری مسلم، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو جبکہ وہ تولد ہوئے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھٹی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا، یہ حدیث بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے کیا نام رکھوں؟ فرمایا عبدالرحمن نام رکھو۔ (بخاری)

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ....

مریم کی نشوونما اور حضرت زکریا کی کفالت:

حضرت مریم کی والدہ کا قول ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا) کہ اس کے رب نے اس بچی کو قبول فرمالیا، نذر کو ہدیہ سے تشبیہ دی۔ اوران کی نذر سے راضی ہونے کو قبول کرنے سے تعبیر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور بہت خوبی کے ساتھ قبول فرمایا۔ علماء تفسیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

نقل کیا ہے کہ جب حضرت مریم پیدا ہو گئیں تو ان کی والدہ جن کا نام حنہ تھا ان کو کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے گئیں اور وہاں جو عبادت میں مشغول رہنے والے حضرات مقیم تھے ان کے سامنے رکھ دیا (اور پوری کیفیت بتادی کہ میری یہ نذر تھی اور لڑکی پیدا ہوئی ہے) زمانہ حمل میں لڑکی کے والد جناب عمران کی وفات ہو چکی تھی وہ وہاں کے امام بھی تھے۔ وہ ہوتے تو پرورش کے زیادہ مستحق تھے۔ مریم کی والدہ نے مریم (عابدہ) نام رکھا جس میں یہ اشارہ ہے کہ میں اپنی نذر پر اب بھی قائم ہوں۔ خدمت کے لیے نہیں تو عبادت ہی کے لیے سہی اسی نذر کی وجہ سے وہ بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں۔

(روح المعانی وبیان القرآن)

ان حضرات نے بچی کی کفالت کے سلسلے میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کی پرورش کروں انہیں حضرات میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے جو ان سب کے سردار تھے انہوں نے فرمایا کہ میں اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اس لیے کہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے وہ حضرات کہنے لگے کہ ہم سب آپس میں قرعہ ڈالیں گے جس کا نام نکل آیا وہی زیادہ حقدار ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قلم منگوائے اور ان کو جمع کر کے ڈھانک دیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک نابالغ بچے سے فرمایا کہ تو ہاتھ ڈال کر ایک قلم نکال لے اس نے نکالا تو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم نکل آیا۔ لہٰذا انہوں نے حضرت مریم کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ (اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ چند صفحات کے بعد آئے گی) حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں مریم رہنے لگیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نشوونما خوب اچھے طریقہ سے کیا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کو علیحدہ ایک محراب میں رکھ چھوڑا تھا۔ محراب سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیت المقدس میں ایک کمرہ ان کے لیے مخصوص کر دیا تھا یہ کمرہ بلندی پر تھا۔ جس میں زینہ سے چڑھتے تھے اور بعض حضرات نے محراب سے مطلق مسجد مراد لی ہے اور بعض حضرات نے محراب کا معروف معنی مراد لیا ہے۔

حضرت مریم کے پاس غیب سے پھل آنا:

بہر حال وہ بیت المقدس میں رہتی رہیں اور نشوونما ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی طور پر ان کو پھل ملتے رہے، گرمی کے پھل سردی کے زمانہ میں اور سردی کے پھل گرمی کے زمانہ میں ان کے پاس ملتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام ان کا بہت دھیان رکھتے تھے۔ اور ان کے سوا کوئی شخص حضرت مریم کے پاس نہیں جا سکتا تھا جب وہ ان کے پاس جاتے تو دیکھتے تھے کہ غیر موسم کے پھل رکھے ہوئے ہیں اول تو دروازہ بند ہوتے ہوئے اندر پھلوں کا پہنچ جانا پھر غیر موسم کے پھل ہونا۔ یہ دونوں باتیں بڑے تعجب کی تھیں حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے سوال فرمایا کہ یہ پھل کہاں سے آئے انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ: (اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ) کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ اس آیت سے کرامات اولیاء کا ثبوت ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ: ....

حاصل دعا یحییٰ علیہ السلام:

حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کو بے موسم میوہ دیتا ہے جاڑوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمی میں جاڑوں کے میوے ان کے پاس رکھے رہتے ہیں تو باوجود اپنے پورے بڑھاپے کے اور باوجود اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے علم کے آپ بھی بے موسم میوہ یعنی نیک اولاد طلب کرنے لگے، اور چونکہ یہ طلب بظاہر ایک ناممکن چیز کی طلب تھی اس لئے نہایت پوشیدگی سے یہ دعا مانگی جیسے اور جگہ ہے نداء خفیا یہ اپنے عبادت خانے میں ہی تھے جو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور انہیں سنا کر کہا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ رکھنا، ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ بشارت ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یحییٰ نام کی وجہ سے یہ ہے کہ ان کی حیاۃ ایمان کے ساتھ ہوگی، وہ اللہ کے کلمہ کے یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم کی تصدیق کریں گے، حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں، جو حضرت عیسیٰ کی روش اور آپ کے طریق پر تھے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم سے اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو تیرے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتی ہوئی پاتی ہوں، یہ تھی حضرت یحییٰ کی تصدیق دنیا میں آنے سے پیشتر سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی سچائی کو انہوں نے ہی پہچانا یہ حضرت عیسیٰ سے عمر میں بڑے تھے، سید کے معنی حلیم، بردبار، علم و عبادت میں بڑھا ہوا، متقی، پرہیزگار، فقیہ، عالم، خلق و دین میں سب سے افضل جسے غصہ اور غضب مغلوب نہ کرسکے، شریف اور کریم کے ہیں، حضور کے معنی ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آسکے جس کے ہاں نہ اولاد ہو نہ جس میں شہوت کا پانی ہو،

قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّيٓ اٰيَةً ۔۔۔۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا نشانی معلوم کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ہمیں جلدی ہو، اور بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ہی شکر میں مشغول ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ نشانی عطا کی کہ آپ تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے کوئی کلام نہیں کرسکیں گے۔

اس نشانی میں لطافت یہ ہے کہ نشانی کی درخواست سے جو ان کا مقصود تھا کہ شکر ادا کریں، نشانی ایسی تجویز کی گئی کہ بجز اس مقصود کے دوسرے کام ہی کے نہ رہیں گے، سو (۱۰۰) نشانیوں کی ایک نشانی ہوگئی، اور مقصود کا مقصود بدرجہ اتم حاصل ہوگیا۔

(بیان القرآن)

اِلَّا رَمْزًا : اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کلام کرنا متعذر ہو تو اشارہ قائم مقام کلام کے سمجھا جائے گا، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گونگی باندی سے سوال کیا کہ ((این اللہ)) اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ باندی مسلمان ہے۔ (قرطبی)

وَاذْكُرْ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اَیْ جِبْرَءِیْلُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ اِخْتَارَكِ وَ طَهَّرَكِ مِنْ مَسِيْسِ

الرِّجَالِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَاۗءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَهْلِ زَمَانِكِ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ اَطِيْعِيْهِ وَاسْجُدِيْ وَ
ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَیْ صَلِّیْ مَعَ الْمُصَلِّیْنَ ذٰلِكَ الْمَذْکُوْرُ مِنْ اَمْرِ زَکَرِیَّا وَ مَرْیَمَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ
اَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ یَامُحَمَّدُ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ فِی الْمَاءِ
یَقْتَرِعُوْنَ لِیَظْهَرَ لَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ یُرَبِّیْ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ فِیْ کَفَالَتِهَا
فَتَعْرِفُ ذٰلِكَ فَتُخْبِرَ بِهٖ وَاِنَّمَا عَرَفْتَهُ مِنْ جِهَةِ الْوَحْیِ اُذْکُرْ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَیْ جِبْرَءِیْلُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ
اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ اَیْ وَلَدٍ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ خَاطَبَهَا بِنِسْبَتِهٖ اِلَیْهَا تَنْبِیْهًا
عَلٰی اَنَّهَا تَلِدُهٗ بِلَا اَبٍ اِذْ عَادَۃُ الرِّجَالِ نِسْبَتُهُمْ اِلٰی اٰبَائِهِمْ وَجِيْهًا ذَا جَاهٍ فِي الدُّنْيَا بِالنُّبُوَّۃِ وَالْاٰخِرَةِ
بِالشَّفَاعَةِ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلٰی وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ عِنْدَ اللّٰهِ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ اَیْ طِفْلًا قَبْلَ
وَقْتِ الْکَلَامِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ
بِتَزَوُّجٍ وَلَا غَیْرِهٖ قَالَ الامر كَذٰلِكِ مِنْ خَلْقِ وَلَدٍ مِنْکِ بِلَا اَبٍ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا
اَرَادَ خَلْقَهٗ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ اَیْ فَهُوَ یَکُوْنُ وَيُعَلِّمُهُ بِالنُّوْنِ وَالْیَاءِ الْكِتٰبَ الْخَطَّ وَ
الْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَ نَجْعَلُهُ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ فِی الصِّبَا اَوْ بَعْدَ الْبُلُوْغِ فَنَفَخَ
جِبْرَئِیْلُ فِیْ جَیْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ وَکَانَ مِنْ اَمْرِهَا مَا ذُکِرَ فِیْ سُوْرَۃِ مَرْیَمَ فَلَمَّا بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی بَنِیْ
اِسْرَائِیْلَ قَالَ لَهُمْ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ اَنِّىْ اَیْ بِاَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ عَلَامَةٍ عَلٰی صِدْقِیْ مِّنْ
رَّبِّكُمْ ۙ هِیَ اَنِّیْٓ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِالْکَسْرِ اسْتِئْنَافًا اَخْلُقُ اُصَوِّرُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ مِثْلِ
صُوْرَتِهٖ وَالْکَافُ اسْمٌ مَفْعُوْلٌ فَاَنْفُخُ فِيْهِ الضَّمِیْرُ لِلْکَافِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا وَفِیْ قِرَاءَۃٍ طَائِرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
بِاِرَادَتِهٖ فَخَلَقَ لَهُمُ الْخُفَّاشَ لِاَنَّهٗ اَکْمَلُ الطَّیْرِ خَلْقًا فَکَانَ یَطِیْرُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَهٗ فَاِذَا غَابَ عَنْ اَعْیُنِهِمْ
سَقَطَ مَیِّتًا وَاُبْرِئُ اُشْفِیْ الْاَكْمَهَ الَّذِیْ وُلِدَ اَعْمٰی وَالْاَبْرَصَ وَخُصَّا لِاَنَّهُمَا دَاءَانِ اَعْیَیَا الْاَطِبَّاءَ وَکَانَ
بَعْثُهٗ فِیْ زَمَنِ الطِّبِّ فَاَبْرَأَ فِیْ یَوْمٍ خَمْسِیْنَ اَلْفًا بِالدُّعَاءِ بِشَرْطِ الْاِیْمَانِ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

بِاِرَادَتِهٖ كَرَّرَهٗ لِنَفْيِ تَوَهُّمِ الْاُلُوْهِيَّةِ فِيْهِ فَاَحْيَا عَازَرَ صَدِيْقًا لَهٗ وَابْنَ الْعَجُوْزِ وَابْنَةَ الْعَاشِرِ فَعَاشُوْا وَوُلِدَ لَهُمْ وَسَامَ بْنَ نُوْحٍ وَمَاتَ فِي الْحَالِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ تَخْبَاُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۚ مِمَّا لَمْ اُعَايِنْهُ فَكَانَ يُخْبِرُ الشَّخْصَ بِمَا اَكَلَ وَمَا يَاْكُلُ بَعْدُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَ جِئْتُكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ قَبْلِيْ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ فِيْهَا فَاَحَلَّ لَهُمْ مِنَ السَّمَكِ وَالطَّيْرِ مَالَا صِيْصِيَةَ لَهٗ وَقِيْلَ اَحَلَّ الْجَمِيْعَ فَبَعْضٌ بِمَعْنٰى كُلٍّ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ كَرَّرَهٗ تَاْكِيْدًا اَوْ لِيَبْنِيَ عَلَيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾ فِيْمَا اٰمُرُكُمْ بِهٖ مِنْ تَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَطَاعَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا الَّذِيْ اٰمُرُكُمْ بِهٖ صِرَاطٌ طَرِيْقٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾ فَكَذَّبُوْهُ وَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ فَلَمَّآ اَحَسَّ عَلِمَ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ وَاَرَادُوْا قَتْلَهٗ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اَعْوَانِيْ ذَاهِبًا اِلَى اللّٰهِ ۚ لِاَنْصُرَ دِيْنَهٗ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اَعْوَانُ دِيْنِهٖ وَهُمْ اَصْفِيَاءُ عِيْسٰى اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَكَانُوْا اِثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الْحَوَرِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْخَالِصُ وَقِيْلَ كَانُوْا قَصَّارِيْنَ يُحَوِّرُوْنَ الثِّيَابَ اَيْ يُبَيِّضُوْنَهَا اٰمَنَّا صَدَّقْنَا بِاللّٰهِ ۚ وَ اشْهَدْ يَا عِيْسٰى بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ مِنَ الْاِنْجِيْلِ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ عِيْسٰى فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ لَكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَلِرَسُوْلِكَ بِالصِّدْقِ قَالَ تَعَالٰى وَ مَكَرُوْا اَيْ كُفَّارُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِعِيْسٰى اِذْ وَكَّلُوْا بِهٖ مَنْ يَّقْتُلُهٗ غِيْلَةً وَ مَكَرَ اللّٰهُ ۚ بِهِمْ بِاَنْ اَلْقٰى شِبْهَ عِيْسٰى عَلٰى مَنْ قَصَدَ قَتْلَهٗ فَقَتَلُوْهُ وَرُفِعَ عِيْسٰى وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ اَعْلَمُهُمْ بِهٖ

ع ۵ / ۱۳

ترجمہ: اور یاد کیجئے وہ وقت) جب کہ فرشتوں نے (جبرئیل نے) کہا مریم بلاشبہ اللہ نے تم کو منتخب (یعنی مقبول) فرمایا ہے اور پاک رکھا ہے (مردوں کے چھونے سے) اور تمام جہاں بھر کی عورتوں پر تم کو فضیلت بخشی ہے (یعنی تیرے زمانے کی عورتوں پر) اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کرو اور رکوع کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں (یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھ) یہ (مذکورہ قصے حضرت زکریا و مریم کے) غیب کی خبروں میں سے ہیں (یعنی ایسی خبریں ہیں جو آپ سے غائب تھیں) جن کی وحی بھیجتے ہیں ہم آپ کے پاس (اے محمد علیہ السلام) اور آپ ان لوگوں کے پاس موجود نہیں تھے جب کہ وہ اپنے اپنے قلموں کو ڈالتے تھے (یعنی پانی میں قلموں کو ڈال کر قرعہ اندازی کر رہے تھے تاکہ ان کے لیے معاملہ

ظاہر اور صاف ہو جائے) کہ ان سب میں کون شخص کفالت (پرورش کرے مریم کی، اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت تھے جب کہ وہ لوگ (قرعہ سے پہلے باہم اختلاف کرر ہے تھے (مریم کی کفالت کے سلسلہ میں آپ کو اس کی معرفت و واقفیت ہوتی اور آپ دوسروں کو اسکی خبر کرتے، آپ تو صرف وحی کے ذریعہ اس سے واقف ہو سکے ہیں) (اس وقت کو یاد کیجئے) جب کہ فرشتوں نے کہا (یعنی جبرئیل نے کہا) اے مریم اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا (یعنی ایک بچہ پیدا ہونے کی جو بلا واسطہ باپ کے ہونے کے سبب کلمۃ اللہ کہلاوے گا) اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا (حق تعالیٰ نے مریم کو خطاب کیا، حضرت عیسیٰ کی نسبت ان کی طرف اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ وہ مریم حضرت عیسیٰ کو جنے گی بلا باپ کے، اس لیے کہ لوگوں کی عام عادت یہ ہے کہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف کی جاتی ہے) وہ بلند مرتبہ والے (باعزت) ہوں گے دنیا میں (نبی ہونے کی وجہ سے) اور آخرت میں (ایمان والوں کے شفیع ہونے اور مراتب عالیہ پر فائز ہونے کے ذریعہ) اور مقربین میں سے ہوں گے (اللہ کے نزدیک) اور لوگوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں (یعنی بالکل بچپن میں بولنے کے وقت سے قبل ہی) اور بڑی عمر میں بھی، اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے (یعنی اعلیٰ درجہ کے نیک لوگ رسولوں میں سے ہوں گے) حضرت مریم بولیں "اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا (کیسے ہوگا) میرے بچہ حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں (نہ نکاح کرکے نہ بغیر نکاح کے یعنی کسی طرح بھی کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا (معاملہ بچہ کا) یوں ہی ہوگا (یعنی تم سے بچہ کا پیدا ہونا بلا باپ ہی ہوگا) اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کر دیتے ہیں جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کر لیتے ہیں (یعنی اس کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں، مفسر سیوطیؒ نے اس سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں قَضٰی بمعنی خلق ہے) تو صرف اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ چیز ہو جاتی ہے (ای فھو یَكُوْنُ سے مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ جملہ یَكُوْنُ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے ھو) اور اللہ تعالیٰ ان کو تعلیم دیں گے (نون کے ساتھ نعلمہ اور یاء کے ساتھ یعلمہ دونوں قراءت سبعی ہے) کتاب (خط یعنی کتابت کی، چنانچہ آپ اپنے زمانے میں سب سے بڑے خوشنویس تھے، لیکن اگر الکتاب کو جنس مراد لیں تو آسمانی کتابیں مراد ہوں گی) اور حکمت اور توریت وانجیل کی اور (ہم ان کو بنائیں گے) بنی اسرائیل کا عظیم الشان رسول (بچپن میں یا بالغ ہونے کے بعد، چنانچہ حضرت جبرئیل نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری تو حضرت مریم حاملہ ہوگئیں، اور حضرت مریم کا کچھ واقعہ سورۂ مریم میں بیان کیا گیا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا تو عیسیٰ نے ان اسرائیلیوں سے کہا: (اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ میں تم لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں) میں تم لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے دلیل (یعنی اپنی صداقت پر نشانی) لے کر آیا ہوں (وہ یہ ہے) کہ میں (ایک قراءت میں انی بکسر الهمزہ ہے، مفسرؒ نے انی سے پہلے ہی کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ انی بفتح الهمزہ کی صورت میں محل رفع میں خبر ہوگا اور مبتدا محذوف ہے) تم لوگوں کے لئے گارے سے صورت بناتا ہوں جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے (یعنی پرندہ کی صورت کی طرح، سو کاف اسم مفعول ہے اخلق فعل کا اصل میں مفعول محذوف ہے ای اخلق شیئا مثل ھیئة الطیر پھر اس مصنوعی شکل کے اندر پھونک مار دیتا ہوں (ضمیر فیہ کی کاف کی طرف راجع ہے مگر طین کی طرف بھی لوٹانا صحیح ہے) پس وہ صورت پرندہ بن جاتی ہے

(ایک قراءت میں طَائِرًا ہے) اللہ کے حکم (ارادہ) سے چنانچہ عیسیٰ نے لوگوں کے سامنے چمگاڈر بنایا، اور چمگاڈر کی خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ چمگاڈر تخلیق کے لحاظ سے سب پرندوں سے زیادہ کامل ہے اس کے پستان بھی ہوتے ہیں اور دانت بھی نیز حیض بھی آتا ہے، سو وہ اڑتا رہتا تھا اور لوگ اس کو دیکھتے تھے پھر جب لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا تو مر کر گر گیا) اور میں اچھا کر دیتا ہوں (تندرست کر دیتا ہوں) مادر زاد اندھے کو (اس کو جو پیدا ہوا ہے نابینا) اور برص والے کو (ان دونوں کی تخصیص ذکر میں اس وجہ سے کی گئی کہ یہ دونوں عاجز کر دینے والی بیماریاں یعنی لاعلاج ہیں، حضرت عیسیٰ کی بعثت طب کے زمانے میں ہوئی تھی، مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں طب کا زور تھا اور سب سے بڑا کمال علم طب، علاج و معالجہ سمجھا جاتا تھا جیسے حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا زور شور تھا، چنانچہ حضرت عیسیٰ نے ایک دن میں پچاس ہزار کو دعاء کے ذریعہ بشرط ایمان اچھا کر دیا) اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے (اس بِاِذْنِ اللّٰهِ کو دوبارہ لایا حضرت عیسیٰ کے بارے میں توہم الوھیت کو دور کرنے کے لئے فهو رد علی النصاریٰ، چنانچہ حضرت عیسیٰ نے اپنے ایک دوست عاذر کو زندہ کیا اور ایک بڑھیا کے لڑکے کو، اور ایک عاشر یعنی عشر وصول کرنے والے کی بیٹی کو، سو یہ سب یعنی تینوں زندہ رہے اور ان کو اولاد ہوئی، اور چوتھا سام بن نوح کو زندہ کیا اور سام فوراً مر گئے) اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ ذخیرہ کرتے ہو (یعنی چھپا رکھتے ہو) اپنے گھروں میں (یعنی جن چیزوں کو میں نے نہیں دیکھا، چنانچہ آپ ہر شخص کو بتا دیتے تھے جو چیز کھا چکا ہے اور ان چیزوں کو جو بعد میں کھائے گا، آپ رات کی کھائی ہوئی چیز اور دن میں جو کچھ کھایا جاتا تھا اور شام کے لیے جو جو کچھ بچا کر رکھا جاتا تھا سب کی تفصیل بتا دیتے تھے) اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ الخ بلاشبہ ان (مذکورہ چاروں معجزات: خلق الطير، وابره الاكمه والابرص، واحياء الموتى، والاخبار بما يدفرون) میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو، اور میں تمہارے پاس آیا ہوں اس حال میں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو میرے سامنے ہے (یعنی مجھ سے پہلے نازل ہوئی تھی یعنی تورات) اور اس لیے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے حلال کر دوں بعض ایسی چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں (یعنی تورات میں حرام کر دی گئی تھیں۔ کما فی القرآن: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ الخ (پ:٦ ع:٢) چنانچہ حضرت عیسیٰ نے ان کے لیے حلال کر دیا مچھلی کو اور وہ پرندہ جس کے خار نہ ہو اور بعض کا قول ہے کہ ہر چیز ان کے لیے حلال کر دی تھی اس صورت میں بَعْضَ الَّذِیْ الخ کے اندر بعض بمعنی کل ہر گا، مگر اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ زنا اور قتل جیسے جرائم بھی حلال کر دیئے بلکہ مقصد کل سے یہ ہو گا کہ تمام حلال وطیب چیزیں جو بنی اسرائیل کے ظلم وزیادتی، سرکشی و نافرمانی کی وجہ سے حرام کر دی گئی تھیں ان سب کو حضرت عیسیٰ نے حلال کر دیا اور وہ ہر ایسا جانور جو ناخن والا نہیں ہے جیسے اونٹ وغیرہ، نیز گائے اور بکری کی چربی، کچھ تفصیل سورۂ انعام میں آئیگی ان شاء اللہ۔ وَجِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی نشانی لے کر آیا ہوں (اس جملہ کو تاکید کے لئے مکرر لائے ہیں، یا اس لیے کہ اگلے جملہ کا اس پر عطف ہو سکے) لہٰذا تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (یعنی اللہ کی توحید و اطاعت کا جو کچھ تم کو حکم دوں) بیشک اللہ تعالیٰ میرے اور تم سب کے پروردگار ہیں لہٰذا اس کی عبادت کرو، یہی (جس کا میں تم لوگوں کو حکم دے رہا

ہوں سیدھا راستہ ہے (لیکن ان لوگوں نے عیسیٰ کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہیں لائے) فَلَمَّآ اَحَسَّ الخ۔ سو جب حضرت عیسیٰ نے محسوس کرلیا (معلوم کیا) بنی اسرائیل سے کفر کو (اور آپ نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان یہودیوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا ہے، اتفاق سے کچھ لوگ آپ کو ایسے ملے جو حوارین کہلاتے تھے آپ نے کہا) کون ہیں جو میرے مددگار ہو جاویں (یعنی میری مدد کرنے والے ہو جائیں درانحالیکہ میں جارہا ہوں) اللہ کے لیے (یعنی اللہ کے دین کی مدد کے لیے (مفسرؒ کا قول اعوانی انصاری کی تفسیر ہے اور اِلَى اللّٰهِ کا اِلَى بمعنی لام ہے، حرف جار مجرور مل کر متعلق ہے ذاہبا محذوف کا جو حال ہو رہا ہے انصاری کے یاء سے) قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ الخ حواریوں نے کہا ''ہم ہیں مددگار اللہ کے (یعنی اللہ کے دین کی تعداد بارہ تھی، لفظ حواری حور سے ماخوذ ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ وہ دھوبی تھے کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے) ہم اللہ پر ایمان لائے (ہم نے تصدیق کی) اور آپ گواہ رہیے (اے عیسیٰ) اس بات کے کہ ہم فرمانبردار ہیں، اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے جو کچھ آپ نے نازل فرمایا (یعنی انجیل) اور پیروی اختیار کر لی ہم نے رسول کی (یعنی عیسیٰ کی) سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو شہادت دینے والے ہیں (آپ کی وحدانیت کی اور آپ کے رسول کی صداقت کی، حق تعالیٰ نے فرمایا) اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی (یعنی کفار بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں قتل کا ارادہ کیا اس لئے کہ ان لوگوں نے ایسے شخص کے سپرد کر دیا جو ان کو دھوکہ سے قتل کر دے) اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر فرمائی (ان یہودیوں کے ساتھ بایں طور کہ حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شکل و شباہت اس ططیانوس پر ڈال دی جس نے عیسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ لوگوں نے اس ططیانوس کو عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا اور حق تعالیٰ نے عیسیٰ کو آسمان پر اٹھالیا) اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر والوں سے اچھے ہیں (یعنی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں تدبیر کو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اِصْطَفٰكِ: اس اصطفی سے مراد ہدایت، دین اور ان کی طرف فرشتے کا بھیجنا اور بغیر خاوند کے محض اپنی قدرت سے بیٹا دینا ہے۔

قوله: اَقْلَامَهُمْ: قرعہ اندازی کے قلم اور اس کو قلم بھی قطع (کاٹ) کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

قوله: يُرَبِّيْ: کہہ کر اشارہ کیا کہ تربیت کے معنی میں ہے کفالت کے معروف معنی میں نہیں۔

قوله: اَرَادَ خَلْقَهٗ: یعنی مسبب کا ذکر کیا جو کہ قضاء ہے اور سبب خاص مراد لیا جو کہ ارادہ ہے۔

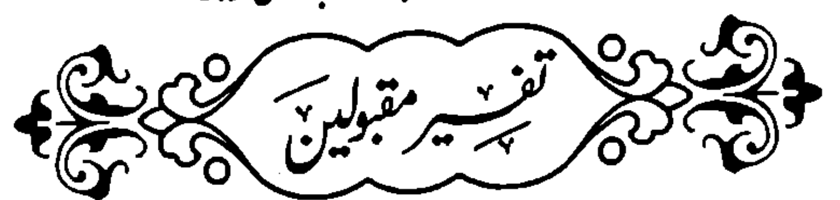
قوله: فَهُوَ يَكُوْنُ: يَكُوْنُ یہ مبتداء کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ محل جزم میں جواب امر ہے۔

قوله: نَجْعَلُهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مضمر کی وجہ سے منصوب ہے، عطف کی وجہ سے نہیں۔

قوله: هِيَ: یہ مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اَنِّيْٓ مابعد کے ساتھ محذوف مبتداء کی خبر ہے۔ محل نصب میں نہیں۔

قوله: أُصَوِّرُ: خلق کی یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تو صرف ظاہری صورت کی بناوٹ تھی نہ کچھ اور۔

قولہ: وَالْكَافَ: اسم مفعول۔ اس سے اشارہ ہے کہ یہ فعل مضمر سے منصوب ہے یہ رَسُولًا کا معطوف نہیں۔
قولہ: عَلِمَ عِيسٰى: اشارہ کیا کہ احساس کا علم کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا، جس میں اشتباہ کی گنجائش نہ ہو۔
قولہ: ذَاهِبًا: ذَاهِبًا کو متکلم سے حال ہونے کی بناء پر مفرد لائے اور مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ اَنْصَارِیْٓ سے متعلق نہیں۔
قولہ: غِيْلَةً: اچانک کے معنی میں ہے، کسی کو دھوکا سے الگ جگہ لے جا کر قتل کرنا۔



وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ ....

فرشتوں کا مریم کو بتانا کہ اللہ نے تمہیں چن لیا:

اس سے پہلے رکوع کی ابتداء میں فرمایا تھا کہ آل عمران کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمالیا پھر اسی ذیل میں حضرت مریم کی پیدائش اور نشوونما اور حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کا پیدا ہونا بیان فرمایا اب اسی سلسلہ کے تتمہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ حضرت مریم کا منتخب فرمانا پھر ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دینا اور ان کو رسالت سے سرفراز فرمانا اور ان کے بعض معجزات کا ذکر فرمانا۔ یہ باتیں اس رکوع میں مذکور ہیں۔ اصطفک کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: اختارک من اول الامر و لطف بک و میزک علی کل محرر و خصلک بالکرامات السنیة، یعنی شروع ہی سے اللہ نے تجھے چن لیا اور تیرے ساتھ مہربانی فرمائی اور تجھے ان تمام لڑکوں پر امتیاز بخشا جن کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد کیا جاتا ہے اور بڑی بڑی کرامات کے ساتھ تجھے مخصوص فرمایا، اور طھرک کے بارے میں لکھتے ہیں: ای من الادناس و الاقذار التی تعرض للنساء مثل الحیض و النفاس حتی صرت صالحة لخدمة المسجد، یعنی اللہ نے تجھے ان گندگیوں سے پاک فرمایا جو عورتوں کو پیش آجاتی ہیں جیسے حیض اور نفاس یہاں تک کہ تو مسجد کی خدمت کے لائق ہو گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ: طھرک بالایمان عن الکفر و بالطاعة من المعصیة، یعنی تجھے ایمان دیا اور کفر سے پاک رکھا اور طاعت میں لگایا اور گناہوں سے پاک رکھا اور بعض حضرات نے اس کا مطلب بتاتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ: (نَزَّهَكِ عَنِ الْاَخْلَاقِ الذَّمِيْمَةِ وَ الطِّبَاعِ الرَّدِيَّةِ) یعنی تجھے برے اخلاق سے اور بری طبیعتوں سے پاک صاف کر دیا۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ عموم پر محمول کیا جائے اور مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی گندگیوں سے تجھے اللہ نے پاک کر دیا۔ اقذار حسیه معنویه قلبیه قالبیه، سب سے صاف اور ستھری بنا دیا۔

حضرت مریم کی فضیلت:

پھر فرمایا: (وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ) اور تجھے جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمالیا۔ عموم الفاظ کے پیش نظر بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا کی تمام عورتوں پر حضرت مریم کو فضیلت دی گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ان

کے اپنے زمانہ کی عورتیں مراد ہیں۔

روایات حدیث میں حضرت مریم بنت عمران حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور حضرت خدیجہ بنت خویلد (رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی اہلیہ) اور حضرت فاطمہ بنت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ان فضائل کی وجہ سے بعض حضرات نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور بعض حضرات نے توقف کیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان کے فضائل مختلف جہات سے ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت:

حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کا جگر گوشہ تھیں اس حیثیت سے ان کو سب پر فضیلت حاصل ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ میرے جسم کا حصہ ہے۔ مجھے وہ چیز ناگوار ہوتی ہے جو اسے ناگوار ہو۔ اور وہ چیز مجھے ایذا دیتی ہے جو اسے ایذا دے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۵۷۸ از بخاری و مسلم) نیز صحیح بخاری صفحہ ۵۱۲: ج۱ میں ہے کہ آنحضرت سرور دو عالم ﷺ نے اپنے مرض وفات میں حضرت فاطمہ سے فرمایا: ((اما ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اھل الجنۃ او نساء المؤمنین)) (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جنت والی عورتوں کی سردار ہوگی یا یوں فرمایا کہ مؤمنین کی عورتوں کی سردار ہوگی)۔

حضرت خدیجہؓ کی فضیلت:

حضرت خدیجہؓ اس اعتبار سے افضل ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی بیوی ہیں اور سب سے پہلے انہوں نے ہی اسلام قبول کیا اور اپنا مال رسول اللہ ﷺ پر اور دین اسلام کی خدمت میں پوری طرح لگا دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: (وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى) اس کی تفسیر میں علماء لکھتے ہیں: اَیْ بِمَالِ خدیجۃَ (یعنی اللہ نے آپ کو بے پیسے والا پایا سو آپ کو خدیجہ کے مال کے ذریعہ مال والا بنا دیا)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اس اعتبار سے دوسری تمام عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد انہوں نے آپ کے علوم کو تمام بیویوں سے زیادہ پھیلایا احکام و مسائل بتا دیئے بہت بڑی تعداد میں ان کے شاگرد تھے جنہوں نے ان سے علوم حاصل کیے۔ الاصابہ صفحہ ۲۶۰: ج ۴ میں ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں۔ اور حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی مشکل معاملہ پیش ہوا تو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ضرور اس کے بارے میں علم پایا۔ یہ تو حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلتیں ہیں جو مختلف جہات سے ہیں اور حضرت مریم کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ ان کی والدہ نے ان کو بیت المقدس کے لیے بطور خادم مقرر کیا اور حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی کفالت کی اور ان کے پاس غیب سے رزق آیا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں۔

حضرت آسیہ کی فضیلت:

اور حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ انہوں نے اس ماحول میں اسلام قبول کیا جبکہ فرعون ایمان قبول کرنے والوں کو بہت تکلیف دیتا تھا۔ زمین پر لٹا کر ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بطور مثال اہل ایمان کا ذکر فرماتے ہوتے سورۃ تحریم میں یوں ان کا ذکر فرمایا: (وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) (اور اللہ نے بیان فرمایا مسلمانوں کے لیے فرعون کی بیوی کا حال جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون سے اور اسکے عمل سے نجات دیجیے اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے نجات دیجیے)۔

صحیح بخاری صفحہ ۵۳۲: ج۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مردوں میں بہت لوگ کامل ہوئے اور عورتوں میں کامل نہیں ہیں مگر مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی فضیلت ہے ثرید کی باقی تمام کھانوں پر۔

بہر حال ان پانچوں خواتین کی فضیلت بہت زیادہ ہے جو روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کلی فضیلت کس کو حاصل ہے۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ....

مریم کو مسیح عیسیٰ کی پیدائش کی خوشخبری:

ان آیات میں اس بات کو ذکر فرمایا کہ فرشتوں نے حضرت مریم کو بیٹا ہونے کی خوشخبری دی۔ بیٹے کا نام مسیح ہوگا جو عیسیٰ بن مریم ہوگا اور یہ بتایا کہ یہ بیٹا من جانب اللہ ایک کلمہ ہوگا۔

کلمۃ اللہ اور مسیح کا مطلب:

حضرت یحیٰی علیہ السلام کے تذکرہ میں (مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ) گزر چکا ہے۔ وہاں بھی كَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (كَلِمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ) اس لیے فرمایا کہ وہ بغیر باپ کے صرف اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے: قال فی الروح صفحہ ۱۶۰: ج ۳ و اطلاق الکلمۃ علی من اطلقت علیہ باعتبار انہ خلق من غیر واسطۃ اب بل بواسطۃ کن فقط علی خلاف افرد بنی آدم فکان تاثیر الکلمۃ فی حقہ اظہر و اکمل۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح بھی بتایا اور عیسیٰ بھی، لفظ مسیح کے بارے میں صاحب معالم التنزیل صفحہ ۳۰۱: ج۱ لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فعیل مفعول کے معنی میں ہے مسیح بمعنی ممسوح ہے اور ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ ان کو گندگیوں اور گناہوں سے پاک کیا گیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے جسم پر اپنا بازو پھیر دیا تھا جس کی وجہ سے شیطان ان سے دور رہتا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسیح بمعنی ماسح ہے اور اسم فاعل کے معنی میں

ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریض کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے اور اس سے وہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اس لیے ان کو یہ نام دیا گیا۔ دجال کو بھی مسیح کہا گیا ہے۔ وہ مسیح بمعنی ممسوح ہے کیونکہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ گویا اس کی آنکھ پر کوئی چیز پھیر دی گئی۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ابن مریم کے ساتھ کیا گیا ہے، چونکہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا اس لیے والدہ ہی کی طرف نسبت کی گئی۔ اس زمانہ میں بعض ایسے لوگ ہیں جو قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باپ تجویز کرتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہم۔

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا: (وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ) کہ وہ دنیا و آخرت میں باوجاہت ہوں گے۔ جب پیدا ہوئے تو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت زیادہ رفعت وعزت عطا فرمائی۔ جب یہودی ان کے قتل کے درپے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اوپر اٹھالیا۔ (بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ) قیامت کے قریب ان کا نزول ہوگا۔ صاحب اقتدار ہوں گے امت محمدیہ کو ساتھ لے کر دین اسلام کو قائم کریں گے اور اس پر چلیں گے اور چلائیں گے۔ نیز فرمایا: (وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ) کہ اللہ کے نزدیک مقربین میں سے ہوں گے ہر پیغمبر اللہ کا مقرب ہے اور سب اولیاء اللہ، اللہ کے مقرب ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے مقرب ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تصدیق:

جب عیسیٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے تو یحییٰ علیہ السلام بھی منصب نبوت پر دنیا میں موجود تھے۔ انہوں نے ان کی نبوت کی تصدیق کی اور وہ پیشین گوئی صادق آئی جو (مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ) یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں مذکور ہوئی۔ روح المعانی صفحہ ۱۴۷: ج ۴ میں لکھا ہے: وھو اول من امن بعیسی علیہ السلام و صدقہ انہ کلمۃ اللہ تعالی و روح منہ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعلان اور اس بات کی تصدیق کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں سب سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کی)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مزید فرمایا: (وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا) (کہ اے مریم تمہارے جو یہ لڑکا پیدا ہوگا۔ گہوارہ میں اپنے بچپن میں بات کرے گا اور بڑی عمر میں بھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ سورۃ مریم کے دوسرے رکوع میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ جب ان کی ولادت ہوگئی اور ان کی والدہ ان کو اٹھالائیں تو لوگوں نے کہا کہ اے مریم تم نے یہ بڑے غضب کا کام کیا۔ اس وقت انہوں نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کردیا اور کہنے لگے کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارہ میں ہے بچہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ: اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا (وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور

اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا) فی المھد کے ساتھ وکھلاً بھی فرمایا یعنی یہ بچہ زمانہ کہولت میں بھی لوگوں سے بات کرے گا۔ کہولت جوان اور بوڑھے کی درمیانی عمر کو کہتے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کا کلام کرنا بچپن میں اور زمانہ کہولت میں یکساں ہوگا۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں حضرت مریم کی بشارت دی گئی کہ تمہارا بچہ زمانہ کہولت کو بھی پائے گا اور اس کی اتنی عمر ہوگی کہ جوانی کی عمر سے بڑھ کر زمانہ کہولت میں بھی داخل ہوگا۔

آخر میں فرمایا: وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ یہ بچہ صالحین میں سے ہوگا۔ چند صفحات پہلے صالح کا مطلب بتادیا گیا ہے اور وہاں یہ بتایا گیا کہ تمام انبیاء کرام صفت صلاح سے متصف ہیں۔ (انوار البیان)

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ....

بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

حضرت مریم کو جو فرشتوں نے بشارت دی اس بشارت کو سن کر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگیں: (رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ) (مریم عرض کرنے لگیں کہ اے میرے رب! میرے لڑکا کہاں سے ہوگا حال یہ ہے کہ مجھے کسی بھی بشر نے چھوا تک نہیں) سورۃ مریم میں یہ بھی ہے کہ حضرت مریم نے عرض کیا: (وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا) اور نہ میں بدکار ہوں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: (كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ) اللہ تعالیٰ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے انسانوں کی پیدائش عادۃً جس طرح ہوتی ہے چونکہ ان کی پیدائش اس کے خلاف تھی اس لیے لوگوں کو تعجب ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بھی مشکل نہیں ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرما دے: اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ وہ جب کسی چیز کے وجود میں لانے کا فیصلہ فرمائے تو کن (ہو جا) فرما دیتا ہے۔ پس وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ قادر مطلق جل مجدہٗ نے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمادیا اور اپنی کتاب قرآن حکیم میں بتادیا لیکن یہود و نصاریٰ کی تقلید میں بعض لوگ قرآن کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یوسف نجار کو باپ تجویز کرتے ہیں اور ان کو اپنے کفریہ عقیدہ پر اصرار ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنهم۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ....

عیسیٰ علیہ السلام کے منصب کی ذمہ داری اور انکے معجزات:

ان آیات میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعض صفات بیان فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ان کو کتاب کی تعلیم دے گا۔ کتاب سے کیا مراد ہے جبکہ تورات اور انجیل کا ذکر بعد میں آرہا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے تورات وانجیل کے علاوہ کتابیں مراد ہیں مثلاً زبور وغیرہ، نیز فرمایا کہ اللہ ان کو حکمت سکھائے گا۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۶۶: ج ۳ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے علم الحلال والحرام مراد ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تمام امور دینیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنتیں مراد ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو تورات اور

انجیل سکھائے گا۔ انجیل تو انہیں پر نازل ہوئی تھی اور تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو بنی اسرائیل کے لیے دینی و دنیاوی امور میں مفصل دستور حیات تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات بھی سکھا دی اور اس کے علوم بھی بتا دیئے۔ یہ سب باتیں فرشتوں کی خوشخبری ہی کے ذیل میں مذکور ہو رہی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور نبوت سے سرفراز فرمایا ان سب باتوں کا ظہور ہو گیا اور ایسا ہی ہوا جیسے فرشتوں نے حضرت مریم کو خوشخبری دی تھی۔

معجزات کی تفصیل:

خوشخبری میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مریم کا یہ لڑکا بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہوگا اور اس کو معجزات دیئے جائیں گے ان کو جو معجزات دیئے گئے ان میں ایک یہ تھا کہ وہ مٹی (گارا) لے کر پرندہ کی ایک صورت بنا دیتے تھے پھر اس میں پھونک دیتے تھے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ ہو کر اڑ جاتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ مادرزاد اندھے کی آنکھوں کی جگہ پر ہاتھ پھیر دیتے تھے جس سے وہ بینا ہو جاتا تھا اور دیکھنے لگتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ برص والے کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے جس سے اس کے جسم کی کھال صحیح ہو جاتی تھی اور مرض جاتا رہتا تھا۔

حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ ایسی چیزیں بھی بطور معجزہ دی جاتی ہیں جن سے اہل زمانہ اپنے فن میں ماہر ہونے کے باوجود عاجز ہوتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری کا بہت زور تھا ان کو عصا دے دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا بڑے بڑے ماہرین موجود تھے جو اکمہ (مادرزاد اندھا) اور برص کے علاج سے بالکل ہی عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطور معجزہ ایسی چیز دی گئی جس کا مقابلہ کوئی بھی صاحب فن طبیب نہیں کر سکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک یہ بھی معجزہ تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے روح المعانی صفحہ ۱۶۹: ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا اور ان چار میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا سام بھی تھا۔ جب انہوں نے مردوں کو زندہ کیا تو معاندین کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے ان کو زندہ کر کے دکھایا جو زمانہ حال ہی میں مرے تھے ممکن ہے ان کو سکتہ طاری ہو گیا ہو کسی ایسے شخص کو زندہ کرو جس کی موت کو زمانہ طویل ہو چکا ہو۔ لہٰذا انہوں نے سام بن نوح کو زندہ کیا ان کی موت کو چار ہزار سال سے زیادہ ہو چکے تھے اور فرمایا کہ اب تو ایمان لے آؤ ان میں سے بعضے ایمان لائے اور بعض نے تکذیب کی اور کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے۔ دوسرا کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتاتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اور فرمایا کہ یہ سب معجزات خوارق عادات جو تمہارے سامنے آئے یہ واضح معجزات ہیں اگر تمہیں ایمان قبول کرنا ہے راہ حق اختیار کرنا ہے تو ایمان لے آؤ۔ لیکن جن کو ماننا نہ تھا انہوں نے نہ مانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو میرے سامنے تورات شریف ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں کہ وہ اللہ کی کتاب ہے یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے تھی کہ بنی اسرائیل تورات شریف کو مانتے تھے اگر کوئی تورات شریف کی تصدیق نہ کرتا تو ایمان نہ لانے کا یہ بہانہ ہو سکتا تھا کہ تم اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے تم پر کیسے ایمان لائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تورات شریف کی تصدیق کرتا ہوں تمہارے اور تمہارے دین کے خلاف کوئی دین لے کر نہیں آیا اور تمہارے لیے اللہ کی

طرف سے بعض ان چیزوں کو بھی حلال قرار دیتا ہوں جو تم پر سابقہ شریعت میں حرام تھیں اور یہ معجزات منصف سمجھ دار کے لیے کافی ہیں تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ کفر اختیار کر کے اپنی بربادی نہ کرو۔ اندیشہ تھا کہ مذکورہ بالا معجزات اور خاص کر احیاء موتیٰ کا منظر دیکھ کر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھنے لگیں اس لیے انہوں نے دوبارہ باذن اللہ فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔۔۔۔

دعوت توحید:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بار بار بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دی لیکن وہ ان کے دشمن ہو گئے۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا اور ان سے پہلے پتہ نہیں کتنے انبیاء کو قتل کر چکے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بھی درپے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور اوپر اٹھا لیا۔ پھر صدیوں کے بعد ان لوگوں نے جو اپنے جھوٹے خیال میں ان کے ماننے والے تھے عقیدہ تثلیث اور عقیدہ تکفیر اپنی طرف سے گھڑ لیا اور اب جو لوگ ان کے ماننے کے دعویدار ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا قتل ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ (العیاذ باللہ) جس نے بار بار توحید کی دعوت دی اور اپنے کو اللہ کا بندہ بتایا اس کے جھوٹے ماننے والوں نے شرک اختیار کر لیا۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

یہودیوں کا عیسیٰ کے قتل کا منصوبہ بنانا اور اس میں ناکام ہونا:

جیسے جیسے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت آگے بڑھتی گئی اور آپ اپنے عہدہ رسالت کے مطابق کام کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ افراد ان کے ساتھی ہوتے گئے بنی اسرائیل کی دشمنی تیز ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ٹھان لی اور طے کر لیا کہ انہیں ختم کر کے رہیں گے۔ اب بنی اسرائیل نے ایسی تدبیریں شروع کر دیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہید کر دیئے جائیں اور ان سے اب بنی اسرائیل کا چھٹکارہ ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ تو ان کو ایک مکان میں بند کر دیا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا۔ جب قتل کرنے کے لیے وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی صورت بنا دی اور ان کو اوپر اٹھا لیا۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل صفحہ ۴۹۶: ج۱) ان لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو وہاں ایک ہی شخص کو پایا اور اسے قتل کر دیا کیونکہ یہ شخص صورۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل تھا لیکن اس سوچ بچار میں رہے کہ اگر یہ شخص وہی تھا جس کے قتل کرنے کے لیے ہم آئے تھے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ قتل تو اس کو کر دیا لیکن پھر بھی شک و شبہ میں رہے، اس کو سورۃ نساء میں یوں بیان فرمایا: (وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ) (اور انہوں نے نہ ان کو قتل کیا نہ ان کو صلیب پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بلاشبہ جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں) اس کی مزید توضیح ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ نساء کی آیت بالا کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہو گی۔ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا کہ ان کا اپنا آدمی قتل ہوا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر غالب آئی اور یہود کی مکاری دھری رہ گئی اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ (اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) پورا ہو گیا۔

مکر کا معنی:

لفظ مکر خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، یہ اچھے کام کے لیے بھی ہوتی ہے اور برے کام کے لیے بھی، سورۃ فاطر میں فرمایا: (وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ) اس سے معلوم ہوا کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، اور عربی زبان میں دونوں معنی کی گنجائش ہے اگر چالبازی اور دھوکہ سے کوئی تدبیر کی جائے گی تو وہ اردو زبان کے محاورہ میں مکاری ہوگی اور ضروری نہیں کہ تدبیر بری ہی ہو، قرآن مجید میں جو مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس سے اردو کے محاورہ والا مکر مراد نہیں ہے بلکہ عربی کے معنی مراد ہیں، یعنی خفیہ اور لطیف تدبیر جس کا دوسرے کو پتہ نہ چل سکے۔

فی روح المعانی ص ۷۹: ج ۳ و نقل من الامام ان المکر ایصال المکروہ الی الغیر علی وجه یخفی فیه و انه یجوز صدوره عنه تعالیٰ حقیقة، و قال غیر واحد انه عبارة عن التدبیر المحکم و هو لیس بممتنع علیه تعالیٰ! و قال فی تفسیر قوله تعالیٰ والله خیر الماکرین ای اقواهم مکرًا و اشدهم أو ان مکره احسن و اوقع فی محله لبعده عن الظلم۔

اُذْكُرْ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ قَابِضُكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا مِنْ غَيْرِ مَوْتٍ وَمُطَهِّرُكَ مُبْعِدُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ صَدَّقُوْا نُبُوَّتَكَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالنَّصَارٰى فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا بِكَ وَهُمُ الْيَهُوْدُ يَعْلُوْنَهُمْ بِالْحُجَّةِ وَالسَّيْفِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالسَّبْيِ وَالْجِزْيَةِ وَالْاٰخِرَةِ ؗ بِالنَّارِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ مَانِعِيْنَ مِنْهُ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَيْ يُعَاقِبُهُمْ رُوِيَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَرْسَلَ اِلَيْهِ سَحَابَةً فَرَفَعَتْهُ فَتَعَلَّقَتْ بِهٖ اُمُّهٗ وَبَكَتْ فَقَالَ لَهَا اِنَّ الْقِيٰمَةَ تَجْمَعُنَا وَكَانَ ذٰلِكَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَلَهٗ ثَلٰثٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَنَةً وَعَاشَتْ اُمُّهٗ بَعْدَهٗ سِتَّ سِنِيْنَ وَرَوَى الشَّيْخَانِ حَدِيْثَ اَنَّهٗ يَنْزِلُ قُرْبَ السَّاعَةِ وَيَحْكُمُ بِشَرِيْعَةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَالْخِنْزِيْرَ وَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَفِيْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ اَنَّهٗ يَمْكُثُ سَبْعَ سِنِيْنَ وَفِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ

دَاؤدَ الطَّيَالِسِيّ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَ يُتَوَفّٰى وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ فَيَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ مَجْمُوْعُ لُبْثِهٖ فِى الْاَرْضِ قَبْلَ الرَّفْعِ وَبَعْدَهٗ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنْ اَمْرِ عِيْسٰى نَتْلُوْهُ نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ حَالٌ مِنَ الْاٰيٰتِ مِنَ الْهَاءِ فِىْ نَتْلُوْهُ وَعَامِلُهٗ مَا فِىْ ذٰلِكَ مِنْ مَعْنَى الْاِشَارَةِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ الْمُحْكَمِ اَىِ الْقُرْاٰنِ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى شَانَهُ الْغَرِيْبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ كَشَانِهٖ فِىْ خَلْقِهٖ مِنْ غَيْرِ اَبٍ وَهُوَ مِنْ تَشْبِيْهِ الْغَرِيْبِ بِالْاَغْرَبِ لِيَكُوْنَ اَقْطَعَ لِلْخَصْمِ وَاَوْقَعَ فِى النَّفْسِ خَلَقَهٗ اَىْ اٰدَمَ اَىْ قَالَبَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ بَشَرًا فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَىْ فَكَانَ وَكَذٰلِكَ عِيْسٰى قَالَ لَهٗ كُنْ مِنْ غَيْرِ اَبٍ فَكَانَ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اَىْ اَمْرُ عِيْسٰى فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ فَمَنْ حَآجَّكَ جَادَلَكَ مِنَ النَّصَارٰى فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ بِاَمْرِهٖ فَقُلْ لَهُمْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۣ فَنَجْمَعُهُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ نَتَضَرَّعْ فِى الدُّعَاءِ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ بِاَنْ نَقُوْلَ اللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَاذِبَ فِىْ شَانِ عِيْسٰى وَقَدْ دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ نَجْرَانَ لِذٰلِكَ لَمَّا حَاجُّوْهُ فِيْهِ فَقَالُوْا حَتّٰى نَنْظُرَ فِىْ اَمْرِنَا ثُمَّ نَاْتِيَكَ فَقَالَ ذُوْ رَأْيِهِمْ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نُبُوَّتَهٗ وَاَنَّهٗ مَا بَاهَلَ قَوْمٌ نَبِيًّا اِلَّا هَلَكُوْا فَوَادَعُوا الرَّجُلَ وَانْصَرِفُوْا فَاَتَوْهُ وَقَدْ خَرَجَ وَمَعَهُ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ وَعَلِىٌّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَقَالَ لَهُمْ اِذَا دَعَوْتُ فَاَمِّنُوْا فَاَبَوْا اَنْ يُّلَاعِنُوْا وَ صَالَحُوْهُ عَلَى الْجِزْيَةِ رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ وَرَوٰى اَبُوْدَاوٗدَ اَنَّهُمْ صَالَحُوْهُ عَلَى الْفَىْ حُلَّةٍ اَلنِّصْفُ فِىْ صَفَرٍ وَّالْبَقِيَّةُ فِىْ رَجَبٍ وَثَلٰثِيْنَ دِرْعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَرَسًا وَّثَلٰثِيْنَ بَعِيْرًا وَّثَلٰثِيْنَ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ مِّنْ اَصْنَافِ السِّلَاحِ وَرَوٰى اَحْمَدُ فِىْ مُسْنَدِهٖ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَوْ خَرَجَ الَّذِيْنَ يُبَاهِلُوْنَهٗ لَرَجَعُوْا لَا يَجِدُوْنَ مَالًا وَّلَا اَهْلًا وَّرَوَى الطَّبْرَانِىُّ مَرْفُوْعًا لَوْ خَرَجُوْا لَاحْتَرَقُوْا اِنَّ هٰذَا الْمَذْكُوْرَ لَهُوَ الْقَصَصُ الْخَبَرُ الْحَقُّ ۚ الَّذِىْ لَا شَكَّ فِيْهِ وَمَا مِنْ زَائِدَةٌ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ فِىْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فِىْ صُنْعِهٖ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع فَيُجَازِيْهِمْ وَفِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ

ع ۶ ۹ ۱۴

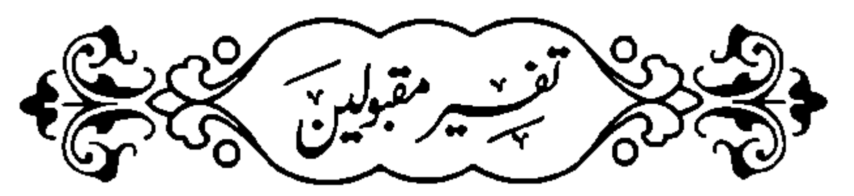
تَرْجَمَہ: (یاد کیجئے) جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اے عیسیٰ میں تجھ کو اپنی گرفت میں لے لونگا (یعنی تجھ کو اپنے قبضہ میں لے

لونگا، یہودیوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑونگا) اور اپنی طرف اٹھالونگا (دنیا سے بغیر موت کے یعنی زندہ آسمان پر اٹھالونگا) اور تجھ کو پاک کردونگا (دور کردونگا) کافروں سے اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے (تیری نبوت کی تصدیق کی ہے خواہ مسلمان ہوں یا نصاریٰ) ان کو غالب رکھونگا ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا (تیرے ساتھ اور وہ کفر کرنے والے یہود ہیں، ان یہودیوں پر وہ غالب رہیں گے دلیل کے اعتبار سے اور تلوار و اقتدار کے لحاظ سے) روز قیامت تک پھر تم سب کی واپسی میری طرف ہو گی) سو میں تمہارے درمیان فیصلہ کردونگا (ان دینی امور میں) جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے، پس جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو سخت عذاب دونگا دنیا میں (قتل وقید اور جزیہ کے ساتھ) اور آخرت میں بھی (دوزخ کا) اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا (یعنی اس عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کو اللہ تعالیٰ پورا پورا دینگے ان کے (ایمان اور نیک کاموں کے) ثواب (یوفی یاء کے ساتھ اور نون کے ساتھ نوفی دونوں قراءتیں سبعی ہیں) اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ظلم کرنے والوں سے (یعنی ان ظالموں کو سزا دیں گے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک بادل بھیجا پس اس بادل نے ان کو اٹھالیا سو ان کی ماں ان کو پکڑنے لگیں اور رونے لگیں تو عیسیٰ نے ان سے کہا کہ قیامت ہم کو جمع کرے گی اور یہ واقعہ لیلۃ القدر میں ہوا بیت المقدس سے، اس وقت (یعنی بوقت رفع الی السماء) آپ کی عمر تینتیس سال تھی، آپ کے بعد آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریم چھ سال زندہ رہیں اور شیخین نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور ہمارے نبی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا حکم دیں گے یعنی نزول کے بعد منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے باوجود دین محمدی اسلام پر ہی عمل پیرا ہوں گے اور دجال وخنزیر کو قتل کردیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ کو ساقط کردیں گے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سات سال رہیں گے اور ابوداؤد طیالسی کی حدیث میں ہے کہ آپ چالیس سال رہیں گے اور آپ کی وفات ہوجائے گی اور آپ پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، ممکن ہے کہ چالیس سال کی روایت سے مراد زمین پر قیام کی مجموعی مدت ہو رفع سماوی سے قبل کا تینتیس سال اور بعد النزول کا سات سال پھر تعارض نہ رہے گا۔ ذالک یہ (عیسیٰ کا مذکورہ واقعہ) جو ہم پڑھ کر سنا رہے ہیں (بیان کر رہے ہیں) آپ کے سامنے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) منجملہ دلائل کے ہے (یہ حال ہے نتلوہ کی ضمیر ھاء سے اور عامل اس کا وہ فعل ہے جو اسم اشارہ کے معنی میں ہے یعنی اشیر اور من جملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے (حکیم بمعنی محکم ہے جو باطل کی آمیزش سے محفوظ ہے مراد قرآن حکیم ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی الخ بیشک عیسیٰ کی مثال (حالت عجیبہ) اللہ کے نزدیک آدم کی حالت کے مشابہ ہے (یعنی آدم علیہ السلام کی حالت عجیبہ کی طرح ہے بغیر باپ کے پیدائش میں اور یہ غریب کی تشبیہ ہے اغرب کے ساتھ، تاکہ مخالف وفد نجران کے لیے مسکت اور شبہ کی جڑ کاٹنے والا ہو اور دل کو زیادہ مؤثر ہو) کہ انکو (آدم یعنی ان کے قالب کو) مٹی سے بنایا پھر اس قالب سے کہا کہ ہوجا (زندہ آدمی) پس وہ ہوگئے (یَکُوْنُ بمعنی کان ہے، یہی حال عیسیٰ کا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے کہا "بغیر باپ کے ہوجا پس وہ ہوگئے) یہ امر واقعی آپ کے پروردگار کی جانب سے ہے (اَلْحَقُّ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی امر عیسیٰ) سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوجایئے (اَلْمُمْتَرِیْنَ بمعنی شاکین ہے) پھر جو شخص بھی آپ سے حجت کرے (نصاریٰ میں سے

جو کوئی آپ سے جھگڑا کرے) عیسیٰ کے بارے میں اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے (عیسیٰ کے معاملے میں کہ وہ اللہ کے بندہ تھے، بیٹا نہیں تھے) تو آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم دلیل سے نہیں مانتے تو پھر) آ جاؤ ہم (اور تم) بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جان اور تمہاری جان کو (یعنی ہم اور تم ہر ایک اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کو جمع کر لیں) پھر ہم مباہلہ کریں (دعا میں گریہ وزاری کریں) اور اللہ کی لعنت کریں جھوٹوں پر (یعنی اس طرح کہیں کہ خدایا اس پر لعنت برسادے جو عیسیٰ کے معاملے میں ناحق پر ہوں، اور بلاشبہ آنحضور ﷺ نے مباہلہ کی دعوت دی وفد نجران کو اس بحث میں مناظرہ کرنے کی وجہ سے، سو ان لوگوں نے کہا "ہم لوگ اپنے اندر غور کر لیں پھر آپ کے پاس آئیں گے چنانچہ یہ لوگ تنہائی میں مشورہ کرنے لگے فَقَالَ ذُوْرَأْيِهِمْ الخ تو ان لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب الرائے عقلمند شرحبیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم ان کی نبوت سے خوب واقف ہو چکے ہو اور بلاشبہ جب کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کیا تو وہ قوم ہلاک ہو گئی سو تم لوگ اس شخص سے صلح کر لو اور واپس لوٹ جاؤ، چنانچہ اس مشورہ کے مطابق سب لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور حضور اقدس ﷺ گھر سے اس حال میں نکل چکے تھے کہ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت حسن وحضرت حسین، حضرت فاطمہ، اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے اور آپ ﷺ نے ان حضرات سے فرمادیا تھا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا، لیکن وفد والوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ پر مصالحت کر لی۔ (رواہ ابونعیم) تفسیر خازن نے نقل کیا کہ جب نجران کے عظیم شخص شرحبیل نے آپ ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "اے گروہ نصاریٰ! مجھے تو ایسے مقدس چہرے نظر آ رہے ہیں کہ اگر یہ لوگ حق تعالیٰ سے پہاڑ کو ہٹانے کی دعا کریں، تو حق تعالیٰ پہاڑ کو بھی اس جگہ سے ہٹادیں گے اس لیے تم لوگ ان سے مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، چنانچہ وفد والوں نے دو ہزار جوڑے کپڑوں پر مصالحت کر لی کہ ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار رجب میں دیں گے۔ نیز جنگ فساد کے موقع پر عند الضرورت تیس زرہیں بتیس اُونٹ تیس گھوڑے اور ہتھیاروں میں سے ہر قسم کے تیس تیس ہتھیار دینے پر مصالحت ہوئی اور یہ بطور عاریت ہو گی جو بعد میں واپس کر دی جائے گی۔ وعن ابن عباسؓ الخ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کر کے نکلتے تو نہ مال پاتے اور نہ اہل وعیال یعنی سب کے سب مسخ ہو جاتے اور ہلاک ہو جاتے اور ایک روایت میں ہے کہ اگر نکلتے تو سب کے سب جل جاتے۔ اِنَّ هٰذَا الخ بیشک یہ (عیسیٰ ومریم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے) وہی ہے سچی بات (یعنی صحیح خبر جس میں کوئی شبہ نہیں) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الخ اور کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے (من زائدہ ہے) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے ہیں (اپنے ملک میں) اور حکمت والے ہیں (اپنے کام میں (پھر بھی اگر روگردانی کریں (ایمان سے اعراض کریں) تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو (چنانچہ ان کو سزا دیں گے، اس میں بجائے ضمیر علیم بہم کے اسم ظاہر بالمفسدین لایا گیا ہے شدت وعید کے لئے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: قَابِضُكَ: اس سے اشارہ کیا کہ توفی کا یہاں معنی کامل قبض کرنا ہے۔
قوله: مُبْعِدُكَ: اسمیں ملزوم کوذکر کر کے لازم کا ارادہ کیا کیونکہ تطہیر ابعادنجاست کو مستلزم ہے۔
قوله: اَلْمُحْكَمِ: اشارہ کیا کہ یہ احکام سے ہے اور فعیل بمعنی مفعول ہے، حکمت سے نہیں۔
قوله: فَكَانَ: اس سے یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ مضارع ماضی کے معنی میں ہے۔
قوله: نَتَضَرَّعْ فِي الدُّعَاءِ: ابتہال سے مراد دعا میں خوب کوشش کرنا ہے۔
قوله: زَائِدَةٌ: مِنْ زائدہ جو استغراق کے لیے آیا اس کو صراحتاً لائے تا کہ اہل تثلیث کی خوب تردید ہو جائے۔



تفسیر مقبولین

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ....

آیت مذکورہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ کے پانچ وعدے:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہودیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے فرمائے: سب سے پہلا وعدہ یہ تھا کہ ان کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعہ نہیں ہوگی، طبعی طور سے وقت موعود پر ہوگی، اور وہ وقت موعود قرب قیامت میں آئے گا، جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے، جیسا کہ احادیث صحیحہ متواترہ میں اس کی تفصیل موجود ہے، اور اس کا کچھ حصہ آگے آئے گا۔

دوسرا وعدہ: فی الحال عالم بالا کی طرف اٹھالینے کا تھا، یہ اسی وقت پورا کر دیا گیا جس کے پورا کرنے کی خبر سورۂ نساء کی آیت میں اس طرح دی گئی۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸) یقیناً ان کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔

تیسرا وعدہ: ان کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنے کا تھا: وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں وہ اس طرح پورا ہوا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور یہود کے سب غلط الزامات کو صاف کر دیا۔ مثلاً یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے نسب کو مطعون کرتے تھے، قرآن کریم نے اس الزام کو یہ فرما کر صاف کر دیا کہ وہ محض اللہ کی قدرت اور اس کے حکم سے بلا باپ کے پیدا ہوئے، اور یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اس سے زیادہ تعجب کی چیز ہے کہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خدائی کے دعوے کا الزام لگاتے تھے، قرآن کریم کی بہت سی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا

اس کے خلاف اپنی عبدیت اور بندگی اور بشریت کا اقرار نقل فرمایا۔

چوتھا وعدہ: وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ میں ہے کہ آپ کے متبعین کو آپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رکھا جائے گا، یہ وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ یہاں اتباع سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد اور اقرار مراد ہے۔ ان کے سب احکام پر ایمان واعتقاد کی شرط نہیں، تو اس طرح نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں اس میں داخل ہو گئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے معتقد ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ صرف اتنا اعتقاد نجات آخرت کے لئے کافی نہیں، بلکہ نجات آخرت اس پر موقوف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تمام احکام پر اعتقاد وایمان رکھے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قطعی اور ضروری احکام میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے بعد خاتم الانبیاء ﷺ پر بھی ایمان لائیں، نصاریٰ نے اس پر اعتقاد وایمان اختیار نہ کیا، اس لئے نجات آخرت سے محروم رہے، مسلمانوں نے اس پر بھی عمل کیا، اس لئے نجات آخرت کے مستحق ہو گئے۔ لیکن دنیا میں یہودیوں پر غالب رہنے کا وعدہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر موقوف تھا، وہ دنیا کا غلبہ نصاریٰ اور مسلمانوں کو بمقابلہ یہود ہمیشہ حاصل رہا اور یقیناً قیامت تک رہے گا۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا اس وقت سے آج تک ہمیشہ مشاہدہ یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ بمقابلہ یہود ہمیشہ نصاریٰ اور مسلمان غالب رہے، انہیں کی حکومتیں دنیا میں قائم ہوئیں اور رہیں۔

اسرائیل کی موجودہ حکومت سے اس پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا:

کیونکہ اول تو اس حکومت کی حقیقت اس کے سوا نہیں کہ وہ روس اور یورپ کے نصاریٰ کی مشترکہ چھاؤنی ہے جو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف قائم کر رکھی ہے، ایک دن کے لئے بھی اگر حکومت روس وامریکہ ودیگر ممالک یورپ اپنا ہاتھ اس کے سر سے ہٹالیں تو دنیا کے نقشہ سے اس کا وجود مٹتا ہوا ساری دنیا مشاہدہ کرلے، اس لئے یہود یا اسرائیل کی یہ حکومت حقیقت شناس لوگوں کی نظر میں ایک مجاز تو ہوسکتا ہے اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں اور بالفرض اس کو ان کی اپنی ہی حکومت تسلیم کرلیا جائے تو بھی نصاریٰ اور اہل اسلام کے مجموعہ کے مقابلہ میں اس کے مغلوب ومقہور ہونے سے کون سا صحیح العقل انسان انکار کرسکتا ہے، اس سے بھی قطع نظر کرو تو قریب قیامت میں چندروزہ یہود کے غلبہ کی خبر تو خود اسلام کی متواتر روایات میں موجود ہے، اگر اس دنیا کو اب زیادہ باقی رہنا نہیں، اور قیامت قریب آچکی ہے تو اس کا ہونا بھی اسلامی روایات کے منافی نہیں اور ایسی چندروزہ شورش کو سلطنت یا حکومت نہیں کہہ سکتے۔

پانچواں وعدہ: قیامت کے روز ان مذہبی اختلافات کا فیصلہ فرمانے کا تو وہ وعدہ بھی اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا، جیسا کہ آیت میں ارشاد ہے: ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۔

مسئلہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام:

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہو کر دفن ہو گئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے، اور ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن کریم نے سورۂ نساء کی آیت میں واضح کردی ہے، اور اس آیت میں بھی: (ومكروا ومكر الله) میں

اس کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہی کی طرف لوٹا دیا کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے مکان کے اندر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص کی شکل وصورت تبدیل کرکے بالکل عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء:۱۵۷) نہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈال دیا (کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوش ہولئے)۔ اس کی مزید تفصیل سورۂ نساء میں آئے گی۔

نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب تو ہوگئے مگر پھر دوبارہ زندہ کرکے آسمان پر اٹھالئے گئے، مذکورہ آیت نے ان کے اس غلط خیال کی بھی تردید کردی، اور بتلا دیا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوشیاں منا رہے تھے اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس لئے شُبِّهَ لَهُمْ کے مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہوگئے۔ ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لئے آسمان پر زندہ اٹھالیا نہ ان کو قتل کیا جاسکا نہ سولی پر چڑھایا جاسکا، وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہوکر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے۔ اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع واتفاق ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص الحبیر صفحہ ۳۱۹ میں یہ اجماع نقل کیا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ اور اس پر اجماع امت سے ثابت ہے، یہاں اس کی پوری تفصیل کا موقع بھی نہیں اور ضرورت نہیں، کیونکہ علماء امت نے اس مسئلہ کو مستقل کتابوں اور رسالوں میں پورا پورا واضح فرمادیا ہے، اور منکرین کے جوابات تفصیل سے دیئے ہیں، ان کا مطالعہ کافی ہے۔ مثلاً حضرت حجۃ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف بزبان عربی عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف بزبان اردو حیات عیسیٰ علیہ السلام، مولانا سید محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف حیات مسیح علیہ السلام، اور بھی سینکڑوں چھوٹے بڑے رسائل اس مسئلہ پر مطبوع ومشتہر ہوچکے ہیں، احقر نے بامر استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سو سے زائد احادیث جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہونا بتواتر ثابت ہوتا ہے ایک مستقل کتاب التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں جمع کردیا ہے، جس کو حال میں حواشی وشرح کے ساتھ حلب شام کے ایک بزرگ علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیروت میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ زخرف کی آیت: وانه لعلم للساعة (۶۱:۴۳) کی تفسیر میں لکھا ہے: (وقد تواترت الاحاديث عن رسول الله ﷺ انه اخبر بنزول عيسى علیہ السلام قبل يوم القيامة اماما عادلا الخ) یعنی رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل قیامت نازل ہونے کی خبر دی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور زندہ رہنے پھر قرب قیامت میں نازل ہونے کا عقیدہ

قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کو علماء امت نے مستقل کتابوں، رسالوں کی صورت میں شائع کر دیا ہے جن میں سے بعض کے نام اوپر درج ہیں، مسئلہ کی مکمل تحقیق کے لئے تو انہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ....

نصاریٰ کو دعوت مباہلہ:

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نصاریٰ نجران اس قدر سمجھانے پر بھی اگر قائل نہ ہوں تو انکے ساتھ مباہلہ کرو جسکی زیادہ موثر اور مکمل صورت یہ تجویز کی گئی کہ دونوں فریق اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں اور خوب گڑگڑا کر دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت اور عذاب پڑے۔ یہ مباہلہ کی صورت پہلے ہی قدم پر اس بات کا اظہار کر دے گی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں اپنی صداقت وحقانیت پر وثوق ویقین رکھتا ہے۔ چنانچہ دعوت مباہلہ سُن کر وفد نجران نے مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دینگے۔ آخر مجلس مشاورت میں ان کے ہوشمند تجربہ کار ذمہ داروں نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیح کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کُن باتیں کہی ہیں تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں، پس ایک نبی سے مباہلہ و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہ ہی نکل سکتا ہے کہ انکا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ یہ ہی تجویز پاس کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ ﷺ حضرت حسن، حسین، فاطمہ، علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے باہر تشریف لا رہے تھے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے، ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو، ورنہ ایک نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ آخر انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی اور خدا تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال کر دیتا۔ ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ (تنبیہ) قرآن نے یہ نہیں بتلایا کہ مباہلہ کی صورت میں نبی کریم ﷺ کے بعد بھی اختیار کی جا سکتی ہے اور یہ کہ مباہلہ کا اثر کیا ہمیشہ وہ ہی ظاہر ہونا چاہیے جو آپ کے مباہلہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔ بعض سلف کے طریق عمل اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے مگر ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی ہو، یہ ضروری نہیں کہ مباہلہ میں بچوں، عورتوں کو بھی شریک کیا جائے۔ نہ مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری ہے جو پیغمبر ﷺ کے مباہلہ پر آتا۔ بلکہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث وجدال سے الگ ہو جانا ہے۔ اور میرے خیال میں مباہلہ ہر ایک کاذب کے ساتھ نہیں صرف کاذب معاند کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: ثم قال تعالیٰ امرا رسولہ ﷺ ان یباھل من عاند الحق فی امر عیسی بعد ظهور البیان واللہ اعلم۔ عثمانی

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ: یعنی عیسیٰ ومریم (علیہ السلام) کا جو واقعہ بیان کیا گیا یہی سچا بیان ہے۔ هُوَ ضمیر فصل ہے یا

مبتدا ہے اور القصص اس کی خبر ہے اور پورا جملہ اِنّ کی خبر ہے۔ ضمیر فصل پر لام تاکید کا آنا صحیح ہے کیونکہ اصل میں تو یہ لام مبتدا پر آتا ہے اسی لیے اس کو لام ابتداء کہتے ہیں مگر خبر پر بھی آجاتا ہے مگر جب مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر فصل ہو تو چونکہ ضمیر مبتدا کے قریب ہوتی ہے (اور خبر اس کے بعد آتی ہے) اس لیے اس پر لام آجاتا ہے۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ: اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔ استغراق نفی کی تاکید کے لیے مِن کو زیادہ کیا گیا ہے۔ یہ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کا ردّ ہے۔

اِلَّا اللّٰهُ: سوائے اللہ کے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: اور حقیقت میں اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اس جملہ کی نحوی ترکیب وہی ہے جو مذکورہ بالا جملہ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عزت، کمال قدرت اور احاطہ حکمت میں کوئی بھی اللہ کے برابر نہیں ہے پھر الوہیت میں کوئی کس طرح اس کا شریک ہوسکتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى مُسْتَوٍ اَمْرُهَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ هِيَ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ كَمَا اتَّخَذْتُمُ الْاَحْبَارَ وَالرُّهْبَانَ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ التَّوْحِيْدِ فَقُوْلُوا لَهُمُ اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ مُوَحِّدُوْنَ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَتِ الْيَهُوْدُ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيٌّ وَّنَحْنُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَقَالَتِ النَّصَارٰى كَذٰلِكَ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ تُخَاصِمُوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ بِزَعْمِكُمْ اَنَّهٗ عَلٰى دِيْنِكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ ؕ بِزَمَنٍ طَوِيْلٍ وَّبَعْدَ نُزُوْلِهِمَا حَدَثَتِ الْيَهُوْدِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ بُطْلَانَ قَوْلِكُمْ هٰۤاَنْتُمْ لِلتَّنْبِيْهِ مُبْتَدَاُ يَا هٰۤؤُلَآءِ وَالْخَبَرُ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ مِنْ اَمْرِ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَزَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ عَلٰى دِيْنِهِمَا فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ مِنْ شَانِ اِبْرَاهِيْمَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ شَانَهٗ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ تَعَالٰى تَبْرِئَةً لِاِبْرَاهِيْمَ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ مُّسْلِمًا ؕ مُوَحِّدًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ اَحَقَّهُمْ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ زَمَانِهٖ وَهٰذَا النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ لِمُوَافَقَتِهٖ لَهٗ فِيْۤ اَكْثَرِ شَرْعِهٖ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ مِنْ اُمَّتِهٖ فَهُمُ الَّذِيْنَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّقُوْلُوْا نَحْنُ عَلٰى دِيْنِهٖ لَا اَنْتُمْ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ نَاصِرُهُمْ وَحَافِظُهُمْ وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا الْيَهُوْدُ مُعَاذًا وَّحُذَيْفَةَ وَعَمَّارًا اِلٰى

دِينِهِمْ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۖ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ لِاَنَّ اِثْمَ اِضْلَالِهِمْ عَلَيْهِمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ لَا يُطِيْعُوْنَهُمْ فِيْهِ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ بِذٰلِكَ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ حَقٌّ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ تَخْلِطُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ بِالتَّحْرِيْفِ وَالتَّزْوِيْرِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ اَىْ نَعْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَنَّهٗ حَقٌّ۔

ع ۸ / ۱۵

ترجمہ: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ الخ آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) آ ؤایک ایسی بات کی طرف جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم ہونے میں، سَوَآءٍ مصدر ہے بمعنی فاعل مُسْتَوٍ اَمْرُهَا اس بات کا معاملہ مسلم ہونے میں برابر ہے یعنی اس بات میں قرآن حکیم، توریت اور انجیل سب یکساں ہیں کسی کو اختلاف نہیں اور سواء چونکہ مصدر ہے اس لیے اس کا مونث نہیں آتا کیونکہ مصدر کا نہ تثنیہ وجمع آتا ہے نہ مونث) وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے (جیسا کہ تم لوگوں نے علماء ومشائخ کو بنا رکھا ہے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (توحید سے اعراض کریں) تو تم لوگ کہہ دو (مسلمانو! تم ان سے کہدو) کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں (ہم خدائے واحد کے ماننے والے ہیں۔ (جب یہودیوں نے کہا کہ ابراہیم یہودی تھے اور ہم ان ہی کے دین پر ہیں، اور نصرانیوں (عیسائیوں) نے کہا اسی طرح (یعنی یہ کہ ابراہیم نصرانی یعنی عیسائی تھے اور ہم لوگ ابراہیم کے طریقہ پر ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ الخ ''اے اہل کتاب (خطاب دونوں فریقوں کو ہے) کیوں حجت کرتے ہو (کیوں جھگڑتے ہو) ابراہیم کے بارے میں (یعنی تم اپنے اس خیال کی وجہ سے کہ ہم ابراہیم کے دین پر ہیں مفسرؒ نے اس اشارہ کیا ہے کہ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ میں مضاف محذوف ہے یعنی فی دین ابراہیم (حالانکہ نہیں نازل کی گئی تو راۃ وانجیل مگر ان کے بعد (یعنی ابراہیم علیہ السلام کے طویل زمانہ کے بعد توریت وانجیل نازل ہوئی اور ان دونوں کتابوں کے نازل ہونے کے بعد سے یہودیت اور نصرانیت پیدا ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک ہزار سال کے بعد حضرت موسیٰ تشریف لائے جن پر تورات نازل ہوئی اور یہودیت کا وجود ہوا، پھر حضرت موسیٰ سے دو ہزار برس کے بعد حضرت عیسیٰ ہوئے جن پر انجیل نازل ہوئی اور نصرانیت کا وجود ہوا، ان دونوں سے پہلے یہودیت ونصرانیت کا وجود ہی نہ تھا) اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم سمجھتے نہیں ہو (کیا اپنے قول کی غلطی سمجھتے نہیں ہو جو ایسی خلاف عقل بات منہ سے نکالتے ہو) (حا حرف تنبیہ، انتم مبتدا ہے اور اس کی خبر حاجتم جملہ ہے، اور مبتداء وخبر کے درمیان هٰٓؤُلَآءِ منادیٰ ہے اور حرف ندا محذوف ہے جیسا کہ مفسر سیوطیؒ نے اختیار فرمایا اور هٰٓؤُلَآءِ سے پہلے یا حرف ندا کی تقدیر ظاہر کر کے اس تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے، حالانکہ اس سے زیادہ مناسب اور اسان ترکیب یہ تھی جسے علامہ زمخشری اور صاحب مدارک نے اختیار کیا ہے کہ انتم، مبتدا اور هٰٓؤُلَآءِ اس کی خبر اور جملہ

حَاجَجْتُمْ اس سابقہ جملہ کا بیان ہے۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ الخ دیکھو تم لوگ ایسے (احمق و بے عقل) ہو کہ ایسی بات میں حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر علم تھا (حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معاملہ میں اور تم اپنے اس گمان پر کہ تم انکے دین پر ہو) سو ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کے متعلق تمہیں کچھ علم نہیں ہے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال، کیونکہ تمہاری کتابوں میں دین ابراہیمی کی کوئی تفصیل نہیں ہے پھر کس طرح حجت کرتے ہو) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (ان کے حال کو) اور تم نہیں جانتے (اللہ تعالیٰ ابرہیم علیہ السلام کا تبریہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ یک سو تھے (یعنی تمام غلط مذہبوں سے الگ ہو کر دین قیم والے تھے) فرمانبردار تھے (ایک خدا کی اطاعت کرنے والے تھے) اور ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہیں تھے، بلاشبہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ قرب رکھنے والے ابراہیم کے ساتھ (سب سے زیادہ مناسبت والے) البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا (ان کے زمانہ میں) اور یہ نبی ہیں (یعنی محمد ﷺ ہیں ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے اکثر احکام میں موافقت کی وجہ سے) اور وہ لوگ جو آپ علیہ السلام پر ایمان لائے (آپ ﷺ کی امت میں سے، سو یہی لوگ اس لائق ہیں کہ دعویٰ کریں "کہ ہم لوگ ابراہیم کے طریقہ پر ہیں نہ کہ تم لوگ) اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے حامی ہیں (مددگار و محافظ ہیں) وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا الْيَهُوْدُ الخ اور جب یہودیوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ، حذیفہ بن یمانؓ اور عمار بن یاسرؓ کو اپنے دین کی دعوت دی تو اس آیت کا نزول ہوا وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ" اہل کتاب میں سے ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ تم کو (دین حق سے) گمراہ کردیں اور وہ گمراہ نہیں کرسکتے مگر خود اپنے آپ کو (کیونکہ ان کے اضلال کا وبال خود ان پر ہوگا اور مسلمان اس میں ان کی اطاعت نہیں کریں گے) اور وہ شعور نہیں رکھتے ہیں (اس کا) اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ (قرآن حکیم کی ان آیتوں کے ساتھ جو محمد ﷺ کے اوصاف پر مشتمل ہیں، یا آیات سے مراد تورات وانجیل کی وہ آیات ہوں جن میں حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی صراحت ہے) حالانکہ تم اقرار کرتے ہو (جانتے ہو کہ وہ نبی برحق ہیں) اے اہل کتاب کیوں ملاتے (خلط ملط کرتے ہو) حق کو باطل کے ساتھ (تحریف یعنی واقعی مضمون نبوت محمدیہ کو غیر واقعی کی طرف پھیر کر اور تزویر کے ذریعہ یعنی جھوٹی و غلط تفسیر کرکے) اور چھپاتے ہو حق کو (یعنی نبی اکرام ﷺ کے اوصاف توریت وانجیل میں چھپاتے ہو) حالانکہ تم جانتے ہو (کہ وہ حق ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى: اس سے اشارہ کیا کہ اگرچہ آیات وفد نجران کے سلسلہ میں ہیں مگر مراد اس سے دونوں گروہ ہی ہیں۔

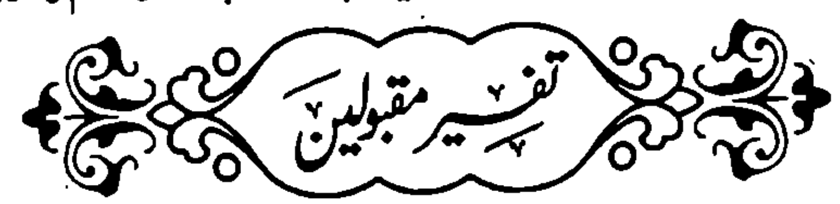
قوله: بِمَعْنٰى مُشْتَرِ اَمْرُهَا: اس کی تاویل اسم الفعل سے کر کے کلمہ پر اس کے حمل کو درست کیا۔ پھر امر کو مقدر مانا تا کہ تانیث کلمہ سے متصادم نہ ہو۔

قوله: يٰاَهٰۤؤُلَاۤءِ: یہ منادیٰ ہے جس سے حرف نداء کو حذف کیا ہے یہ خبر نہیں۔

قوله: مُوَحِّدًا: مسلم سے مراد وہ نہیں جو ملت اسلام پر ہو۔

قوله: اَلْقُرْاٰن: آیات سے تورات وانجیل کی آیات مراد نہیں۔

قوله: تَعْلَمُوْنَ ۝۷۱: یہ تَشْهَدُوْنَ ۝۷۰ کی تفسیر کر کے بتلایا کہ شہادت کا اعتبار اور معنی الزام علی الغیر مراد نہیں۔



قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۤءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ...

دعوت اہل کتاب بلطف وعنایات۔

ربط: ابتداء سورت سے یہاں تک نصاریٰ نجران سے محاجہ اور مناظرہ کا اور پھر مباہلہ کا بیان تھا محاجہ اور مناظرہ سے نصاریٰ پر دلیل اور برہان کے اعتبار سے حجت قائم کی اور مباہلہ کی دعوت سے ضمیر اور وجدان کے اعتبار سے ان پر حجت قائم کی اور ظاہر ہے کہ مباہلہ انتہائی اور آخری حجت اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ اس آخری حجت کے بعد ان سے خطاب ہی چھوڑ دیا جاتا اس لیے خطاب اس سے کیا جاتا ہے جو حق کا طالب ہو اور جو معاند اور مفسد ہے اس سے روگردانی ہی مناسب ہے لیکن باقتضاء رحمت ورافت پھر ان کو مخاطب بناتے ہیں کہ گو تمہاری ہٹ دھرمی انتہاء کو پہنچ چکی ہے مگر ہم اپنی بے پایاں رحمت سے پھر تم کو حق دیتے ہیں اس لیے آئندہ آیات میں پھر ان کو نرمی ور ملاطفت کے ساتھ حق اور توحید کی دعوت دی جاتی ہے۔ نیز گزشتہ آیات میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف تھا اب آئندہ آیات میں خطاب عام ہے جو یہود اور نصاریٰ دونوں کو شامل ہے نیز زبان سے یہود اور نصاریٰ دونوں توحید کے مدعی تھے کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ جب توحید کی دعوت دی جاتی ہے۔ نیز گزشتہ آیات مین روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف تھا اب آئندہ آیات میں خطاب عام ہے جو یہود اور نصاریٰ دونوں کو شامل ہے نیز زبان سے یہود اور نصاریٰ دونوں توحید کے مدعی کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے اور تمام انبیاء کرام اس کی دعوت دیتے چلے آئے تو اس متفقہ اصول کا اقتضاء یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کی جائے اور نہ کسی کو رب ٹھہرایا جائے اور نہ کسی کو خدا کا بیٹا اور پوتا بنایا جائے اہل کتاب بے شک زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ خدا بے شک وحدہ لاشریک لہ ہے مگر باایں اقرار طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی کریم ﷺ آپ ان کو پھر ایک دفعہ حق کی دعوت دیجئے اور ان کے ان مسلمات سے ان پر حجت قائم کیجئے جن کے تسلیم کیے بغیر ان کو چارہ نہیں تا کہ اس قدر لاچار اور معقول ہو جانے کے بعد شاید کہ اتباع حق کا خیال پیدا ہو جائے اور وہ حق کو قبول کر لے اس لیے فرماتے ہیں قال یاھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء۔ آیت۔ اے محمد ﷺ آپ ان سے کہیے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر مسلم ہے جس پر قرآن اور

توریت اور انجیل اور تمام انبیاء کی شریعتیں متفق ہیں کسی کا اس میں اختلاف نہیں وہ توحید ہے کہ جس کا زبان سے سب اقرار کرتے ہیں یعنی اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ بنائیں آپس میں ایک دوسرے کو رب اور پروردگار خدا کو چھوڑ کر یہود اور نصاریٰ قولا ان تینوں باتوں کو تسلیم کرتے تھے مگر عمل ان تینوں باتوں کے برخلاف تھا

تبلیغ و دعوت کے اہم اصول:

اس آیت سے تبلیغ و دعوت کا ایک اہم اصول معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو، جیسے رسول اللہ ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيٓ إِبْرَٰهِيمَ....

ابطال دعوائے اہل کتاب در بارہ ملت ابراہیم علیہ السلام

ربط: جس طرح دعوائے توحید میں سب مشترک تھے اسی طرح حضرت ابراہیم کی تعظیم و تکریم میں سب شریک تھے اور یہود اور نصاریٰ ہر ایک فرقہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ حضرت ابراہیم ہمارے دین پر تھے عیسائی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم نصرانی تھے اور ہم ملت ابراہیمی پر ہیں اور ان سے زیادہ قریب ہیں یہود اور نصاریٰ کے اس دعوے کے رد اور ابطال کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ تم سب غلط کہتے ہو تم کو ملت ابراہیمی سے کیا واسطہ تم سب مشرک ہو اور ابراہیم علیہ السلام موحد اور مسلم یعنی خدا کے فرمانبردار بندہ تھے ابراہیم سے محبت کرنے والے اور ان کے طریقہ پر چلنے والے یہ نبی اور مسلمان ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو اور ان کو یہودی یا نصرانی بتلاتے ہو اور حالانکہ توریت اور انجیل حضرت ابراہیم کی ایک مدت دراز کے بعد نازل ہوئیں اور یہودیت اور نصرانیت توریت اور انجیل کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی اس لیے کہ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ سے ایک ہزار سال مقدم تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور شریعت سے مقدم تھی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہودیت اور نصرانیت کی نسبت کیسے ممکن ہو سکتی ہے پس کیا تم کو اتنی عقل نہیں کہ ایسی باطل بات زبان سے نکالتے ہو کہ جو جو طریقہ حضرت ابراہیم کے ایک ہزار یا دو ہزار برس بعد ظاہر ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے وجود سے پہلے کیسے اس کے متبع تھے آگاہ ہو جاؤ تم ہی وہ لوگ ہو جو اس چیز میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تھوڑا بہت علم تھا اور اس کے متعلق تمہیں کچھ شد بد تھی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور نبی آخر الزمان کی بشارت وغیرہ کی تمہیں کچھ خبر تھی حالانکہ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ جب تک آدمی کو پورا علم نہ ہو اس بارہ میں بحث اور مناظرہ نہ کرے پس اے احمقو اس چیز میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں یعنی حضرت ابراہیم کا کیا مذہب اور مسلک تھا اور آج دنیا میں کون سی جماعت ان کے مسلک کے قریب ہے اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور جس چیز کو آدمی نہ جانتا ہوں اس کو چاہیے کہ اس کے علم کو خدا کے

سپرد کرے اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ابراہیم کا کیا طریقہ تھا سنوان کا طریقہ یہ تھا کہ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی ولیکن حنیف تھے یعنی سب طرف سے بے زار ہو کر صرف ایک خدا کے فرمانبردار اور تابعدار تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے بلکہ موحد اور حنیف اور مسلم تھے حنیف کا مطلب ہے کہ سب باطل راہوں کو چھوڑ کر راہ حق پکڑے اور سب طرف سے ہٹ کر ایک طرف یعنی خدا کا ہو جائے اور مسلم کے معنی فرمانبردار اور تابعدار کے ہیں اور اے اہل کتاب تم نہ موحد ہو اور نہ حنیف ہو اور نہ مسلم ہو شرک میں مبتلا ہو نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہو احکام خداوندی کو پس پشت ڈالے ہوئے ہو اور ثالث ثلاثہ کا عقیدہ رکھتے ہو اور حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو ابن اللہ کہتے ہو تو پھر تم کیسے دم بھرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں تحقیق تمام لوگوں میں سے ملت اور مذہب کے اعتبار سے حضرت ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ قریب اور خصوصیت رکھنے والے البتہ اول تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کے وقت میں حضرت ابراہیم کا اتباع اور پیروی کی وہ آپ کی امت کے آدمی تھے اور بلاشبہ آپ کے دین پر تھے اور پھر اس اخیر زمانہ میں یہ نبی اور مسلمان حضرت ابراہیم سے زیادہ نزدیک ہیں کہ جن کی شریعت کے اکثر احکام ملت ابراہیمی کے موافق ہیں اللہ کو ایک مانتے ہیں اور قربانی اور ختنہ کرتے ہیں اور جن باتوں میں حضرت ابراہیم کی آزمائش ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم اس پر پورے اترے تھے مسلمان ان کو پوری طرح ادا کرتے ہیں اور اللہ مسلمانوں کا والی اور کارساز ہے اور جس کا خدا والی ہو اس پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا اور نہ اس کو کوئی راہ حق سے ہٹا سکتا ہے خلاصہ جواب خداوندی یہ ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم ہمارے دین پر تھے یعنی معاذ اللہ یہودی یا نصرانی تھے اگر اس معنی میں کہتے ہو کہ وہ تورات اور انجیل پر عمل کرتے تھے تو یہ صریح بے عقلی ہے اور توریت حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی اور جو حضرت ابراہیم سے ایک ہزار برس بعد میں ہونے اور انجیل حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی جو حضرت موسیٰ سے ایک ہزار برس بعد ہوئے تو حضرت ابراہیم کو دین یہودی اور دین مسیحی کا پیرو بتلانا صریح بے عقلی ہے اور اگر حضرت ابراہیم کو یہودی یا نصرانی بتلانے کا یہ مطلب ہے کہ اس زمانہ میں اہل ہدایت اور اچھے دین داروں کا نام یہودی یا نصرانی تھا تو یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو حنیف اور مسلم کہا ہے اور حنیف کے معنی یہ ہیں کہ جس نے تمام باطل راہوں کو چھوڑ کر ایک حق کی راہ پکڑ لی اور مسلم کے معنی حکم بردار اور تابع دار کے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہو اب تم خود غور کرو کہ یہ صفت تم میں ہے یا مسلمانوں میں اور اگر حضرت ابراہیم کے یہودی یا نصرانی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب دینوں میں یہود یا نصاریٰ کے دین کو حضرت ابراہیم کے دین سے زیادہ مناسبت ہے تو یہ بات بھی غلط ہے حضرت ابراہیم سے سب سے زیادہ مناسبت اس قت کی اموت کو تھی اور پچھلی امتوں میں سب سے زیادہ مناسبت امت محمدیہ کو ہے کہ جس کا پیغمبر خلقا وخلقا وصورۃ وسیرۃ حضرت ابراہیم کے مشابہ ہے اور ان کی خاص دعا ہے: **ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم آیاتك**۔ اور آپ کی امت کا بھی وہی نام ہے جو حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں فرمایا تھا: **ومن ذریتنا امة مسلمة لك**۔ اور آپ کی شریعت کے قواعد کلیہ وہی ہیں جو ملت ابراہیمی کے تھے اور غالباً اسی مناسبت کی وجہ سے درود شریف میں کما صلیت علی ابراہیم فرمایا تشبیہ میں کسی اور نبی کا ذکر نہیں فرمایا۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ....

اہل کتاب کی خواہش کہ مسلمانوں کو گمراہ کریں

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو یہ بتایا کہ اہل کتاب کا ایک گروہ ایسا ہے جو تمہیں گمراہ کرنے کے درپے ہے ان کی خواہش ہے کہ جس طرح ہو سکے تمہیں گمراہ کرلیں۔ کافروں کو یہ گوارا نہیں کہ تم اپنے دین پر رہو اور وہ اپنے دین پر رہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ....

فرمایا کہ اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو، اس کے بارے میں حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ توریت اور انجیل میں جو انہوں نے تحریف کرلی تھی مخلوط کرنے سے وہ مراد ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ زبان سے اسلام ظاہر کرتے تھے اور دلوں میں انہوں نے کفر اختیار کر رکھا تھا۔ منافق بنے ہوئے تھے اس کی تفسیر میں اور بھی بعض اقوال ہیں، مزید فرمایا: (وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) کہ تم حق کو یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ نبی برحق ہے، یہودی آپس میں اور بعض مرتبہ انصار اور مہاجرین کے سامنے یہ بات کہہ دیتے تھے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن دنیاوی اغراض کی وجہ سے حق قبول نہیں کرتے تھے۔ جانتے بوجھتے گمراہ ہونا بہت بڑی شقاوت ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدِ لِبَعْضِهِمْ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَيِ الْقُرْاٰنَ وَجْهَ النَّهَارِ اَوَّلَهٗ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ عَنْ دِيْنِهِمْ اِذْ يَقُوْلُوْنَ مَا رَجَعَ هٰؤُلَاءِ عَنْهُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمْ فِيْهِ وَهُمْ اُولُوْ عِلْمٍ اِلَّا لِعِلْمِهِمْ بُطْلَانَهٗ وَقَالُوْا اَيْضًا وَلَا تُؤْمِنُوْٓا تُصَدِّقُوْا اِلَّا لِمَنْ اللَّامُ زَائِدَةٌ تَبِعَ وَافَقَ دِيْنَكُمْ ۭ قَالَ تَعَالٰى قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ الَّذِيْ هُوَ الْاِسْلَامُ وَمَا عَدَاهُ ضَلَالٌ وَالْجُمْلَةُ اعْتِرَاضٌ اَنْ اَيْ بِاَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ وَ الْفَضَائِلِ وَاَنْ مَفْعُوْلُ تُؤْمِنُوْا وَالْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ اَحَدٌ قُدِّمَ عَلَيْهِ وَالْمُسْتَثْنٰى اَلْمَعْنٰى لَا تُقِرُّوْا بِاَنَّ اَحَدًا يُّؤْتٰى ذٰلِكَ اِلَّا مَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ اَوْ بِاَنْ يُّحَآجُّوْكُمْ اَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ يَغْلِبُوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِاَنَّكُمْ اَصَحُّ دِيْنًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ أَاَنْ بِهَمْزَةِ التَّوْبِيْخِ اَيْ اِيْتَاءُ اَحَدٍ مِّثْلَهٗ تُقِرُّوْنَ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ فَمِنْ اَيْنَ لَكُمْ اَنَّهٗ لَا يُؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ كَثِيْرُ الْفَضْلِ

عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ بِمَنْ هُوَ اَهْلُهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ اَىْ بِمَالٍ كَثِيْرٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ لِاَمَانَتِهٖ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ اَوْدَعَهٗ رَجُلٌ اَلْفًا

وَمِائَتَىْ اُوْقِيَةٍ ذَهَبًا فَاَدَّاهَا اِلَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ لِخِيَانَتِهٖ اِلَّا مَا دُمْتَ

عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ لَا تُفَارِقُهٗ فَمَتٰى فَارَقْتَهٗ اَنْكَرَهٗ كَكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ اسْتَوْدَعَهٗ قُرَشِىٌّ دِيْنَارًا فَجَحَدَهٗ

ذٰلِكَ اَىْ تَرْكُ الْاَدَاءِ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ اَىِ الْعَرَبِ سَبِيْلٌ ۚ اَىْ اِثْمٌ

لِاِسْتِحْلَالِهِمْ ظُلْمَ مَنْ خَالَفَ دِيْنَهُمْ وَنَسَبُوْهُ اِلَيْهِ تَعَالٰى قَالَ تَعَالٰى وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فِىْ نِسْبَةِ

ذٰلِكَ اِلَيْهِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ بَلٰى عَلَيْهِمْ فِيْهِمْ سَبِيْلٌ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ الَّذِىْ عَاهَدَ اللّٰهَ

عَلَيْهِ اَوْ بِعَهْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ مِنْ اَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَغَيْرِهٖ وَاتَّقٰى اللّٰهَ بِتَرْكِ الْمَعَاصِىْ وَعَمَلِ الطَّاعَاتِ فَاِنَّ اللّٰهَ

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اَىْ يُحِبُّهُمْ بِمَعْنٰى يُثِيْبُهُمْ وَنَزَلَ فِى الْيَهُوْدِ لَمَّا بَدَّلُوْا

نَعْتَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَهْدَ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ فِى التَّوْرٰةِ اَوْ فِيْمَنْ حَلَفَ كَاذِبًا فِىْ دَعْوٰى اَوْ فِىْ بَيْعِ

سِلْعَةٍ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ يَسْتَبْدِلُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ فِى الْاِيْمَانِ بِالنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَدَاءِ

الْاَمَانَةِ وَاَيْمَانِهِمْ حَلْفِهِمْ بِهٖ تَعَالٰى كَاذِبًا ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ نَصِيْبَ لَهُمْ فِى

الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ غَضَبًا عَلَيْهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَرْحَمُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠

يُطَهِّرُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾ مُؤْلِمٌ وَاِنَّ مِنْهُمْ اَىْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَفَرِيْقًا طَائِفَةً كَكَعْبِ بْنِ

الْاَشْرَفِ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ اَىْ يَعْطِفُوْنَهَا بِقِرَاءَتِهٖ عَنِ الْمُنَزَّلِ اِلٰى مَا حَرَّفُوْهُ مِنْ نَعْتِ النَّبِىِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْوِهٖ لِتَحْسَبُوْهُ اَىِ الْمُحَرَّفَ مِنَ الْكِتٰبِ الَّذِىْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا هُوَ مِنَ

الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ نَصَارٰى نَجْرَانَ اَنَّ عِيْسٰى اَمَرَهُمْ اَنْ يَّتَّخِذُوْهُ رَبًّا اَوْ لَمَّا طَلَبَ

بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ السُّجُوْدَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ يَنْبَغِىْ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ

الْحُكْمَ اَيِ الْفَهْمَ لِلشَّرِيْعَةِ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ عُلَمَاءَ عَامِلِيْنَ مَنْسُوْبٌ اِلَى الرَّبِّ بِزِيَادَةِ اَلِفٍ وَنُوْنٍ تَفْخِيْمًا بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَيْ بِسَبَبِ ذٰلِكَ فَاِنَّ فَائِدَتَهُ اَنْ تَعْمَلُوْا وَلَا يَاْمُرَكُمْ بِالرَّفْعِ اسْتِئْنَافٌ اَيِ اللّٰهُ وَالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى يَقُوْلُ اَيِ الْبَشَرُ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا كَمَا اتَّخَذَتِ الصَّابِئَةُ الْمَلٰئِكَةَ وَالْيَهُوْدُ عُزَيْرًا وَالنَّصٰرٰى عِيْسٰى اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ لَا يَنْبَغِيْ لَهُ هٰذَا

ع ۸ ۹ ۱۲

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا (یعنی گروہ یہود نے بعض یہود سے بطور مشورہ کہا) کہ ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو نازل کی گئی ہے (بواسطہ رسول ﷺ کے) مسلمانوں پر (یعنی قرآن حکیم پر ایمان لانے کا صرف زبان سے اظہار کرو) دن کے اول حصہ میں (وَجْهَ النَّهَارِ) بمعنی اول النہار یعنی صبح کا وقت ہے) اور انکار کر دو آخر دن میں (یعنی شام کو) شاید کہ وہ لوگ (یعنی مسلمان) پھر جائیں (اپنے دین سے، اس لئے کہ یہ لوگ اپنے دل میں کہیں گے اور خیال کریں گے کہ یہ یہود اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام سے نہیں پھرے ہیں مگر اس کے بطلان کو معلوم کرنے کی وجہ سے، مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان دیکھیں گے کہ اہل کتاب جو علم والے ہیں، دین و مذہب کو جانتے ہیں اور بے تعصب بھی ہیں انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا، اس پر بھی جو پھر گئے تو ضرور اسلام کا غیر حق ہونا ان کو دلائل علمیہ سے ثابت ہو گیا ہوگا اور ضرور انہوں نے اسلام میں کوئی خرابی دیکھی ہوگی جب ہی تو اس سے پھر گئے، پھر سارے مسلمان دغدغہ اور شک میں پڑ جائیں گے، وَقَالُوْا اَيْضًا اور ان لوگوں نے یہ بھی باہم کہا) اور یقین مت کرو (تصدیق نہ کرو کسی کی یعنی کسی کو دل سے سچا نہ جانو) مگر ان لوگوں کو جو تمہارے دین کی پیروی کرے (لِمَنْ میں لام زائدہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) آپ کہہ دیجئے (ان سے اے محمد ﷺ) بلاشبہ ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اور وہ اسلام ہے اور اس کے ماسوا گمراہی ہے، اور جملہ یعنی قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ جملہ معترضہ ہے) اَنْ يُّؤْتٰى مفسرؒ نے اس کی تفسیر "اَيْ بِاَنْ" سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ حرف جار محذوف ہے) اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ یعنی اس بات کی تصدیق نہ کرو کہ کسی کو دی جا سکتی ہے ایسی چیز جو تمہیں دی گئی ہے (یعنی کتاب و حکمت اور فضائل اور اَنْ يُّؤْتٰى مفعول ہے لا تومنوا کا اور لفظ احد مستثنیٰ منہ ہے جس پر مستثنیٰ کو مقدم کر دیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اقرار نہ کرو کہ کسی کو بھی ایسی کتاب و حکمت دی جا سکتی ہے بجز ان لوگوں کے جو تمہارے دین کی پیروی کریں، یا اس بات کا کہ وہ لوگ (یعنی مسلمان) تم پر غالب آ سکتے ہیں (يُحَآجُّوْكُمْ بمعنی يَغْلِبُوْكُمْ ہے) تمہارے پروردگار کے نزدیک (قیامت کے دن، اس لیے کہ دین و مذہب کے لحاظ سے تم سب سے زیادہ صحیح ہو۔ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ کا عطف اَنْ يُّؤْتٰى پر ہے مطلب یہ ہے کہ اور اس بات کا بھی اقرار نہ کرنا کہ قیامت کے دن خداوند قدوس کے سامنے کوئی تم پر

غالب آسکے گا۔ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الخ اور ایک قراءت میں ہمزۂ توبیخ کے ساتھ ہے یعنی کیا اس جیسا کسی کو ملنے کا تم اقرار کرو گے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ کہہ دیجئے اے محمد ﷺ کہ بیشک فضیلت و بڑائی تو اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے سو تم کہاں سے کہہ رہے ہو کہ وہ نبوت وحکمت جو تم کو ملی ہے اور کسی کو نہیں مل سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں بہت فضل والے ہیں اور خوب جاننے والے ہیں اس کو جو اس فضل کا مستحق ہے خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت وفضل کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں۔ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس کثیر مال بھی امانت رکھ دو، قِنْطَارٍ بمعنی مال کثیر ہے تو وہ اس کو ادا کرے (امانتدار ہونے کی وجہ سے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں جو پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے، ایک شخص نے ان کے پاس بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھا سو عبداللہ بن سلامؓ نے وہ امانت پوری ادا کر دی) اور ان میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے (خائن ہونے کی وجہ سے) مگر جب تک کہ تم برابر اس پر کھڑے رہو (یعنی اس سے جدا بالکل نہ ہو، اور اگر تم اس سے جدا ہوئے تو انکار کر دے جیسے کعب بن اشرف ہے کہ کسی قریشی نے اسکے پاس ایک دینار امانت رکھا سو اس نے اس دینار کا انکار کر دیا) یہ یعنی امانت کا ادا نہ کرنا اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں (یعنی یہ خیانت وبد دیانتی ان کے اس قول کی وجہ سے ہے) کہ ہم پر غیر اہل کتاب (یعنی اہل عرب) معاملہ میں کوئی مواخذہ (گناہ) نہیں (کیونکہ وہ اہل کتاب جائز سمجھتے ہیں ظلم کرنے کو ان لوگوں پر جو ان کے دین کے مخالف ہیں یعنی غیر اہل کتاب کے ساتھ جو بھی معاملہ کریں چوری کرنا، خیانت کرنا، ہر طرح کا ظلم حلال و درست سمجھتے تھے اور اس جواز کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو اجازت دی ہے) وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں (اس ظلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں) حالانکہ وہ خود جانتے ہیں) کہ (یہ لوگ جھوٹے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال نہیں کیا محض بہتان ہے) بلیٰ! ہاں! (ان یہودیوں پر ان عربوں کے بارے میں مواخذہ ہوگا) جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے جو عہد اللہ تعالیٰ نے اس سے لیا ہے ایمان وغیرہ کا، اس صورت میں بِعَهْدِهٖ میں عهد مصدر کی اضافت اللہ کی طرف یعنی فاعل کی طرف ہوگا۔ اَوْ بِعَهْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ یا اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے جو امانت وغیرہ کی ادائیگی سے متعلق، اس صورت میں بعہدہ میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہوگی اور (ڈرے اللہ سے، نافرمانی چھوڑ کر اطاعت کا عمل کرے تو بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں متقیوں کو (اس میں ضمیر کے بجائے یعنی بجائے يُحِبُّهُمْ اسم ظاہر الْمُتَّقِيْنَ لایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ محبوب ان کو ثواب دیں گے۔) وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ الخ یہاں سے مفسر علام سیوطیؒ آیت کریمہ ۷۷ کی شان نزول کو بیان کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس وقت نازل فرمایا جب یہودیوں (کعب بن اشرف، حیی بن اخطب اور ابورافع احبار یہود) نے نبی اکرم ﷺ کے اوصاف بدل دئے حالانکہ اللہ نے تورات میں ان سے عہد لے لیا تھا، یا آیت کا نزول ان لوگوں کے بارے میں ہوا جنہوں نے کسی دعوے میں جھوٹی قسمیں کھائیں جیسا کہ ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت اشعث بن قیس کی روایت ہے کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا جھگڑا تھا، میں یہودی کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں لے گیا حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''کیا تیرے

پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا کہ تو قسم کھا" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو قسم کھا لے گا اور میرا مال لے لے گا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَوْفِیْ بَیْعِ سِلْعَةٍ یا آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے سامان فروخت کرنے میں جھوٹی قسم کھائی تھی جیسا کہ بخاری میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت ہے کہ ایک شخص کچھ تجارتی سامان بازار میں لایا اور کسی مسلمان کو پھانسنے کے لئے اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ مجھے اس کی اتنی قیمت ملتی تھی حالانکہ یہ غلط تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ الخ یقیناً جو لوگ خریدتے ہیں (معاوضہ لے لیتے ہیں) بعوض اللہ کے عہد کے جو عہد اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے متعلق اور امانت کی ادائیگی کے متعلق) اور بعضوں اپنی قسموں کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسمیں کھالیں) تھوڑی قیمت (یعنی دنیا جو بمقابلہ آخرت تھوڑی قیمت ہے) یہی لوگ ہیں کہ کوئی حصہ نہیں ہے (خلاق بمعنی نصیب یعنی حصہ ہے) ان کے لیے آخرت میں اور نہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کریں گے ان پر غضبناک ہونے کی وجہ سے اور نہ ان کی طرف دیکھیں گے کہ ان پر رحم کردیں قیامت کے دن اور نہ ان کو پاک کریں گے یزکی بمعنی یطھر ہے یعنی ان کو گناہوں سے پاک نہیں کریں گے اور ان کے لیے دردناک تکلیف دہ عذاب ہے۔ وَاِنَّ مِنْهُمْ الخ اور بیشک ان میں سے یعنی اہل کتاب میں سے ایک فریق ہے یعنی گروہ ہے جیسے کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب وغیرہ کہ اپنی زبانوں کو گھما دیتے ہیں کتاب میں یعنی اپنی زبانوں کو کتاب پڑھنے میں پھیر دیتے ہیں نازل شدہ الفاظ نبی اکرم ﷺ کی نعت وغیرہ سے اپنے تحریف کردہ الفاظ کی طرف تاکہ تم لوگ سمجھو اس محرف کو کتاب کا جزو یعنی اس کتاب کا جزو جس کو اللہ نے نازل کیا ہے حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں یعنی اپنے دل میں اپنا جھوٹا ہونا خوب جانتے ہیں۔ جب نجران کے نصرانیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ سب ان کو رب بنالیں اس پر یہ آیت نازل ہوئیں، یا بعض مسلمانوں نے جب حضور اقدس سے سجدہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی اس پر یہ آیات نازل ہوئیں مَا كَانَ لِبَشَرٍ الخ کسی بشر کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب وحکمت دین کی سمجھ اور نبوت عطا کریں اور پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم میرے بندے (یعنی عبادت کرنے والے) بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، ولیکن وہ نبی تو کہتے ہیں کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ عالم باعمل ہو جاؤ، منسوب اِلَى الرَّبِّ الخ یعنی ربانیین کا واحد ربانی منسوب ہے رب کی طرف جس کے معنی ہیں اللہ والا، اور ربانی میں الف ونون کی زیادتی بطور مبالغہ منسوب کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی بڑا اللہ والا جیسے مبالغہ کے طور پر بڑی موٹی گردن والے کو رقبانی اور گھنی لمبی ڈاڑھی والے کو لحیانی کہتے ہیں اس وجہ سے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو تُعَلِّمُوْنَ میں دو قراءت ہے تشدید کے ساتھ یعنی تم کیا کتاب خداوندی کی تعلیم دیتے ہو اور دوسری قراءت تخفیف کے ساتھ یعنی تم کتاب خداوندی کے عالم ہو وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ اور اس وجہ سے کہ تم خود پڑھتے ہو مفسر علامؒ نے "اَىْ بِسَبَبِ ذٰلِكَ" سے اشارہ کیا ہے کہ باء سببیہ ہے مطلب یہ ہے کہ چونکہ تم کتاب الٰہی کے عالم اور معلم ہو، پڑھتے اور پڑھاتے ہو، خود جانتے ہو اور دوسروں کو سکھاتے ہو اس لیے ربانی ہو جاؤ کیونکہ جاننے کا فائدہ عمل کرنا اور اپنی اصلاح کرنا ہے اور تعلیم مقصد

دوسروں کی اصلاح ہے مگر دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح لازم ہے تا کہ آیت: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اور اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کے مصداق نہ ہو جاؤ۔ وَ لَا يَاْمُرَكُمْ مفسرؒ "بِالرَّفْعِ" سے یہ بتارہے ہیں کہ یامر" میں دوقراءتیں ہیں ایک قراءت بِالرَّفْعِ یعنی کے رفع کے ساتھ ہے اس صورت میں مستانفہ ہوگا اور ضمیر فاعل اللہ کی طرف راجع ہوگی دوسری قراءت راء کے نصب کے ساتھ يَاْمُرَكُمْ ہے اس صورت میں عطف ہوگا ثم یقول پر) اور نہ وہ (بشر موصوف بالنبوۃ) تم کو حکم دیتے ہیں، اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الخ کہ فرشتوں کو اور پیغمبروں کو پروردگار بنالو (جیسا کہ صابیوں نے فرشتوں کو اور یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصرانیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بنالیا۔) اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ الخ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دیں گے بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو ان کے لیے جائز نہیں، استفہام تعجب و انکار کے لیے ہے یعنی ایسا ہو نہیں سکتا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَوَّلَهٗ : وَجْهَ النَّهَارِ کی یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ وہ دن کا چہرہ اس لیے ہے کہ وہ اس کا خوبصورت حصہ ہے یا رات کے بعد سب سے اول وہ نظر آنے والا ہے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ اعْتِرَاضٌ : یہ اس فائدہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ان کی تادیب ان کو کچھ کام نہ دے گی۔

قوله: بِاَنْ : اس سے اشارہ ہے کہ یہ لَا تُؤْمِنُوْٓا جو گروہ یہود کا کلام ہے، اس سے متعلق ہے۔

قوله: اَوْ اَنْ يُّحَآجُّوْكُمْ : اِنَّ کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اَنْ يُّؤْتٰٓى پر اس کا عطف ہے یہ نہیں کہ اَوْ بمعنی حتی ہے۔

قوله: اِيْتَاءَ اَحَدٍ : ان مصدریہ کی وجہ سے مصدر مذکور ہوا۔

قوله: كَثِيْرُ الْفَضْلِ : اس سے اشارہ ہے کہ وسعت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے جو اس کے فضل کے لحاظ سے ہے۔

قوله: بِتَرْكٍ : ترک اداء کی طرف اشارہ کیا اور اس کی تاکید لَّا يُؤَدِّهٖٓ سے ہوتی ہے۔ معطوف و معطوف الیہ کے مجموعہ کی طرف ہے۔

قوله: اَىْ اِثْمٌ : نفی سبیل سے مراد گناہ کی نفی ہے، ضمان کی نہیں۔

قوله: وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ : اس کا فائدہ یہ ہے کہ تقویٰ ادائیگی واجبات کے ساتھ عام مانا جاتا ہے اور اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ تقویٰ دین کے معاملات کی جڑ ہے۔

قوله: اِلَيْهِمْ : کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ اضافت المصدر الی الفاعل کی قسم سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

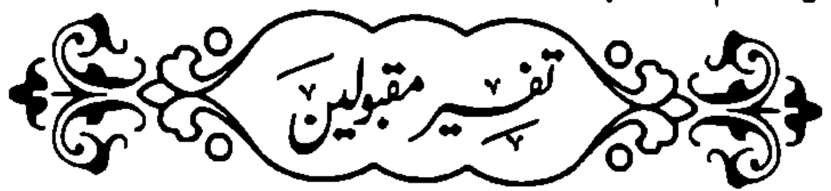
قوله: غَضَبًا : اس سے اشارہ فرمایا کہ ان سے شفقت و رحمت والا کلام نہ ہوگا۔

قوله: يَرْحَمُهُمْ : اس سے اشارہ ہے کہ یہ رحمت سے کنایہ ہے۔

قوله: عَطْفًا عَلٰى يَقُوْلُ : اس صورت میں لَا زائدہ ہے جو تاکید کے لیے ہے اور معنی نفی کی تاکید کرتا ہے اور يَقُوْلَ کا

نصب يُؤْتِيَهُ منصوب بان پر ہوگا۔

قوله: لا ينبغى له: یہ استفہام انکاری ہے۔



وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ....

ان آیتوں میں اہل کتاب کی چالاکیاں اور خیانتیں ذکر کی جارہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے کچھ آدمی صبح کے وقت بظاہر مسلمان بن جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور شام کو یہ کہہ کر کہ ہم کو اپنے بڑے بڑے علماء سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ نبی نہیں جن کی بشارت دی گئی تھی اور تجربہ سے ان کے حالات بھی اہل حق کی طرح کے ثابت نہ ہوئے اسلام سے پھر جایا کریں، نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے ضعیف الایمان ہماری یہ حرکت دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں گے۔ اور سمجھ لیں گے کہ مذہب اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقص دیکھا ہوگا جو یہ لوگ داخل ہونے کے بعد اس سے نکلے۔ نیز عرب کے جاہلوں میں اہل کتاب کے علم و فضل کا چرچا تھا۔ اس بناء پر یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ یہ جدید مذہب اگر سچا ہوتا تو ایسے اہل علم اسے رَد نہ کرتے بلکہ سب سے آگے بڑھ کر قبول کرتے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ....

اس کے بعد یہودیوں کی ایک اور بات کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں یوں کہا: وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کہ تمہارا جو دین یہودیت ہے اس دین پر مضبوطی کے ساتھ جمنے کا اقرار ان ہی لوگوں کے سامنے کرنا جو تمہارے دین کے تابع ہیں۔ یعنی اپنا اندرونی عقیدہ اپنے ہی لوگوں کے سامنے بیان کرنا۔ اور مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کے لیے اوپر اوپر سے یہ کہہ دینا کہ ہم نے تمہارا دین قبول کرلیا (اندر سے اپنے عقیدہ پر رہنا) پھر ظاہری طور پر بھی یوں کہہ دینا کہ ہم اپنے دین پر واپس آگئے حالانکہ دل سے انہوں نے اپنا دین چھوڑا ہی نہیں تھا۔ یہ ان کا مکر تھا۔

اور بعض مفسرین نے وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم صرف اسی شخص پر ایمان لاؤ جو تمہارے دین کی موافقت کرتا ہو۔ کمافی معالم التنزیل ای و لا تصدقوا الا لمن تبع دینکم ای وافق ملتکم (جس کا معنی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ نئی شریعت لے کر آئے ہیں اور وہ تمہاری شریعت کے موافق نہیں ہے اس لیے تم ان پر ایمان نہ لاؤ) اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: (قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ) کہ اے محمد ﷺ آپ فرما دیں کہ بلاشبہ ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے وہ جسے ہدایت دینا چاہے اور ہدایت پر رکھنا چاہے اسے کسی کی تدبیر ہدایت سے نہیں روک سکتی یہ معنی پہلی تفسیر کے مطابق ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق اس کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ کو اختیار ہے کہ اپنی بھیجی ہوئی ایک شریعت کو منسوخ کر دے اور اس کی جگہ دوسری شریعت بھیج دے اور اس پر عمل کرنے کا حکم فرما دے جب اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دوسری شریعت بھیج دی تو اسے قبول کرلو اگر اس کے خلاف چلو گے تو برابر کفر کی گمراہی میں رہو گے: قوله

تعالیٰ (اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ) اس میں بھی یہودیوں کی ایک بات کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں کہا کہ تم کبھی یہ تصدیق نہ کرنا کہ تم کو جو علم اور کتاب اور حکمت دی گئی ہے اس جیسی کسی اور کو بھی عطا کی گئی ہو، علم اور کتاب اور حکمت یہ صرف ہمارا ہی حصہ ہے، نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم اس بات کی تصدیق نہ کرنا کہ تمہارے رب کے پاس دوسرے لوگ حجت میں تم پر غالب آجائیں گے۔ کیونکہ تمہارا ہی دین صحیح ہے اس صورت میں (اَنْ يُّؤْتٰٓى) سے پہلے ایک (وَلَا تُؤْمِنُوْٓا) مقدر ماننا ہوگا صاحب بیان القرآن نے (اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ) کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اے یہودیو! تم ایسی باتیں اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں مسلمانوں پر حسد ہے کہ انہیں آسمانی کتاب کیوں مل گئی یا یہ لوگ تم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آجاتے ہیں اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کے تنزل کی کوششیں کرتے ہو اس صورت میں (اَنْ يُّؤْتٰٓى) سے پہلے تدبرتم یا قلتم مقدر ماننے کی ضرورت ہوگی۔

آخر میں یہودیوں کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا: (قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ....) آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمادے، وہ بڑی وسعت والا ہے بڑے علم والا ہے، وہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو مخصوص فرمادے اور وہ بڑے فضل والا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین سیدنا محمد عربی ﷺ کو نبوت و رسالت سے نواز دیا اور ان پر کتاب نازل فرمادی اور ان کے ذریعہ ہدایت پھیلادی اس پر تم حسد کرنا جہالت اور کفر ہے یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی دوسرے کو نبی کیوں بنایا۔ یہ عصبیت جاہلیہ اہل علم کو برباد کردیتی ہے، مزید توضیح اور تشریح کے لیے سورۃ بقرہ (ع۱۱) میں (بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ) کی تفسیر پیچھے گزر چکی ہے۔ یہ لوگ عصبیت جاہلیہ کی وجہ سے کفر اختیار کرنے اور کفر پر جمے رہنے اور دائمی عذاب میں پڑنے کو تیار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے پر تیار نہیں کہ وہ اپنی رحمت سے جسے چاہے اپنا فضل عطا فرمائے۔ اللہ کی مشیت اور ارادہ میں کسی کو چوں کرنے کا مقام نہیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ .....

اہل کتاب کی امانتداری اور خیانت کا تذکرہ:

اہل کتاب کی دینی خیانت و نفاق کے سلسلہ میں دنیاوی خیانت کا ذکر آگیا جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ جو لوگ چار پیسہ پر نیت خراب کرلیں اور امانتداری نہ برت سکیں ان سے کیا توقع ہوسکتی ہے کہ دینی معاملات میں امین ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ان میں بہت سے وہ ہیں جن کے پاس زیادہ تو کیا، ایک اشرفی بھی امانت رکھی جائے تو تھوڑی دیر بعد مکر جائیں اور جب تک کوئی تقاضہ کے لئے ہر وقت ان کے سر پر کھڑا نہ رہے اور پیچھا کرنے والا نہ ہو، امانت ادا نہ کریں۔ بیشک ان میں سب کا حال ایسا نہیں، بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر سونے کا ڈھیر رکھ دیا جائے تو ایک رتی خیانت نہ کریں۔ لیکن یہ ہی خوش معاملہ اور امین لوگ ہیں۔ جو یہودیت سے بیزار ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جارہے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہ۔

یہودیوں کا یہ جھوٹ کہ ہمیں ان پڑھوں کا مال مارنا حلال ہے:

یہودیوں پر ایک اور جہالت سوار تھی اور وہ یوں کہتے تھے کہ عرب کے امی لوگوں کا ہمارے لیے سب کچھ حلال ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو بھی کوئی ہمارے دین پر نہ ہو اس پر ظلم کرنا مال مارنا حلال ہے۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب لوگوں نے یہودیوں سے خرید وفروخت کے معاملات کیے یہودیوں پر ان کے قرضے تھے جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور یہودیوں سے تقاضا کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہمارے ذمہ کچھ ادائیگی ہے تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور ہمارے تمہارے درمیان جو عہد تھا وہ ختم ہو گیا اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ہم نے یہ بات اپنی کتابوں میں پائی ہے۔ عربوں کو اُمِّيُّوْن (ان پڑھ) کہا کیونکہ یہ لوگ یہودیوں کے مقابلہ میں پڑھے لکھے نہیں تھے یہودیوں نے کہا کہ ان پڑھوں کے ہم نے مال مار لیے تو کیا ہے ان کے مالوں کے بارے میں ہم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں کو ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا: (وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ) کہ یہ لوگ اللہ کے ذمہ جھوٹ لگاتے ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں (معالم التنزیل صفحہ ۳۱۷۔۳۱۸: ج ۱) تفسیر ابن کثیر میں حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ جب اہل کتاب نے (لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ) کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كذب اعداء الله کہ اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۷۴: ج ۱ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم جہاد میں جاتے ہیں اور ذمی (یعنی وہ کافر جو دار الاسلام میں رہتے ہیں) ہم کو ان کے جو مال مل جاتے ہیں مرغی اور بکری ہم انہیں کھا جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کیا سمجھ کر کھا جاتے ہو اس نے جواب دیا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے اہل کتاب نے کہا: (لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ) جب ذمیوں نے جزیہ ادا کر دیا تو تمہارے لیے ان کے مال حلال نہیں ہیں ہاں اگر وہ اپنے نفسوں کی خوشی کے ساتھ دیں تو اور بات ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى....

یعنی یہ بات نہیں ہے کہ ان پڑھوں کے مالوں کو حرام طریقے پر رکھ لینے سے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہو ان پر مواخذہ ضرور ہے۔

فی الروح صفحہ ۲۰۳: ج ۳ بلی جواب لقولهم ليس علينا فی الامیین سبیل و ایجاب لما نفوه والمعنى بلى عليهم في الاميين سبيل اور من اوفى بعهده واتقى۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہودی باوجود ایسی حرکتوں کے جواوپر ذکر ہوئیں اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی سمجھتے ہیں۔ اللہ کا محبوب وہ ہے جو اس کے عہد کو پورا کرے (عہد میں یہ بھی شامل ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں) اور گناہوں سے بچے سب سے بڑا گناہ کفر اور شرک ہے اس سے بھی بچے اور لوگوں کے اموال مارنے سے بھی بچے (یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پوری طرح خیال رکھے) جو شخص ایسا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ....

یعنی جولوگ دنیا کی متاع قلیل لے کر خدا کے عہد اور آپس کی قسموں کو توڑ ڈالتے ہیں، نہ باہمی معاملات درست رکھتے ہیں نہ خدا سے جو قول وقرار کیا تھا اس پر قائم رہتے ہیں۔ بلکہ مال وجاہ کی حرص میں احکام شرعیہ کو بدلتے اور کتب سماویہ میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ ان کا انجام آگے مذکور ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ یہ یہود میں صفت تھی کہ اللہ نے ان سے اقرار لیا تھا اور قسمیں دی تھیں کہ ہر نبی کے مددگار رہیو۔ پھر غرض دنیا کے واسطے پھر گئے اور جو کوئی جھوٹی قسم کھائے دنیا لینے کے واسطے اس کا یہ ہی حال ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص جھوٹی قسم کھالے تا کہ کسی کا مال اس کے ذریعہ حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی تصدیق نازل فرمائی۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔ روای حدیث حضرت ابو وائل (شاگرد ابن مسعودؓ) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت اشعث سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود نے آج تم سے کیا بیان کیا میں نے ان سے حدیث بالا بیان کردی اور عرض کردیا کہ آخر میں انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت اشعث نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳۶۸:ج۱)

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ....

یہ اہل کتاب کی تحریف کا حال بیان فرمایا۔ یعنی آسمانی کتاب میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھا گھٹا کر ایسے انداز اور لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف سننے والا دھوکہ میں آجائے۔ اور یہ سمجھے کہ یہ بھی آسمانی کتاب کی عبارت ہے یہ ہی نہیں بلکہ زبان سے دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے۔ حالانکہ نہ وہ مضمون کتاب میں موجود ہے اور نہ خدا کے پاس سے آیا ہے بلکہ خود اس تحریف شدہ کتاب کو بھی بہیأتِ مجموعی خدا کی کتاب نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس میں طرح طرح کے تصرفات اور جعلسازیاں کی گئی ہیں۔ آج بائبل کے جو نسخے دنیا میں موجود ہیں ان میں باہم شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض ایسے مضامین درج ہیں جو قطعاً خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتے۔ اسکی کچھ تفصیل روح المعانی میں موجود ہے۔ اور اثبات تحریف پر ہمارے علماء نے مبسوط بحثیں کی ہیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ....

آیت میں صاف صاف واضح طور پر بیان فرمایا کہ جس کسی بشر کو اللہ پاک کتاب اور حکمت عطا فرمائے اور نبوت سے نوازے اس کے لیے کسی طرح سے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے بندہ بنانے کی دعوت دے۔ نبیوں کا کام تو یہ تھا کہ لوگوں کو خدائے پاک کی بندگی کی طرف بلائیں اور خدا کا بندہ بنائیں وہ خدائے پاک کی عبادت چھڑا کر اپنی عبادت یا کسی بھی غیر اللہ کی طرف دعوت نہیں دے سکتے اس میں نصاریٰ کی تردید ہوگئی جو یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اور اپنی ماں کی عبادت کی دعوت دی ہے۔ اور یہودیوں کے اس قول کا بھی رد ہوگیا جنہوں نے کہا کہ اے محمد! تم اپنی عبادت کرانا چاہتے ہو۔ جس

کسی بھی بندہ کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اس نے یہی دعوت دی کہ تم ربانی بن جاؤ، اللہ پر ایمان لاؤ اسی کی عبادت کرو۔

قولہ تعالیٰ: بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی صفحہ ۲۰۸: ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ: الباء السببية متعلقة بكونوا اى كونوا كذلك بسبب مثابرتكم على تعليمكم الكتاب و دراستكم له و المطلوب ان لا ينفک العلم عن العمل اذلا يعتد احد هما بدون الآخر، اس کا مطلب یہ ہے کہ باء سببیہ ہے جار مجرور كُوْنُوْا سے متعلق ہے۔ یعنی تم لوگ ربانی ہو جاؤ۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور کتاب کو پڑھتے ہو جس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور جس کو پڑھتے پڑھاتے رہے ہو اس کا تقاضا یہی ہے کہ ربانی بنو اور جو تمہارے پاس علم ہے اس پر عمل کرو کیونکہ علم بغیر عمل کے معتبر نہیں اور عمل بغیر علم کے صحیح نہیں۔

ربانی کون ہیں؟

لفظ رَبّٰنِيّٖنَ، ربانی کی جمع ہے جو رب کی طرف منسوب ہے نسبت میں الف اور نون زائد کر دیا گیا ہے۔ لفظ ربانی کا معنی بتاتے ہوئے حضرات مفسرین کرام نے صحابہؓ اور تابعین کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں معالم التنزیل صفحہ ۳۲۰: ج ۱ میں حضرت علی اور ابن عباس اور حسن سے كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ کا معنی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے كُوْنُوْا فقہاء، علماء اور حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حکماء و علما اور سعید بن جبیر نے فرمایا: العالم الذي يعمل بعلمه اور حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ ہے: فُقَهَاءَ مُعَلِّمِيْنَ اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے: هو الذي يوتى علمه بعمله۔

مجموعی طور پر ان سب اقوال کا خلاصہ یہی ہوا کہ ربانی وہ لوگ ہیں جو اہل علم ہیں، فقیہ ہیں، حکیم ہیں، متقی ہیں، اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق پر چلاتے ہیں۔ اور ایمان تو بہر حال ثواب اور نجات آخرت کے لیے شرط ہے ہی، یہ سب چیزیں ہوں اور باایمان ہو تب ربانی کا مصداق ہوگا جس کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی نے اللہ والے فرمایا۔ یہ ترجمہ بہت جامع ہے اس میں علم اور عمل تعلیم تدریس عبادات اخلاق حسنہ سب کچھ آ جاتا ہے۔ رَبّٰنِيّٖنَ کی ذمہ داری ہے کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل پر ڈالیں۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا: (لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ) (کیوں نہیں روکتے ان کو ربانی لوگ اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام کھانے سے)۔

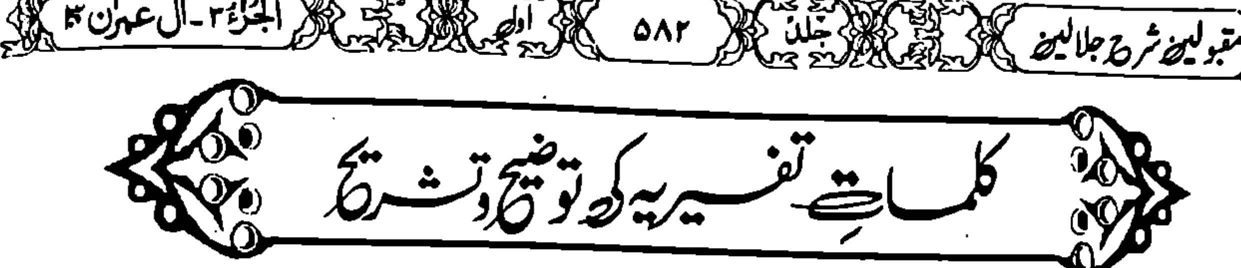
وَ اذْكُرْ اِذْ حِيْنَ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ عَهْدَهُمْ لَمَاۤ بِفَتْحِ اللَّامِ لِلْاِبْتِدَاءِ وَ تَوْكِيْدِ مَعْنَى الْقَسَمِ الَّذِيْ فِيْ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ وَ كَسْرِهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِاَخَذَ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ عَلَى الْوَجْهَيْنِ اَيْ لِلَّذِيْ اٰتَيْتُكُمْ اِيَّاهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اٰتَيْنٰكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ جَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ اَدْرَكْتُمُوْهُ وَاُمَمُهُمْ تَبَعٌ لَهُمْ

فِیْ ذٰلِکَ قَالَ تَعَالٰی لَهُمْ ءَاَقْرَرْتُمْ بِذٰلِكَ وَ اَخَذْتُمْ قَبِلْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ عَهْدِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ وَ اَتْبَاعِکُمْ بِذٰلِكَ وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ عَلَیْکُمْ وَ عَلَیْهِمْ فَمَنْ تَوَلّٰی اَعْرَضَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْمِیْثَاقِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ بِالْیَاءِ اَیِ الْمُتَوَلُّوْنَ وَالتَّاءِ وَ لَهٗٓ اَسْلَمَ اِنْقَادَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا بِلَا اِبَاءٍ وَّ كَرْهًا بِالسَّیْفِ وَمُعَایَنَةِ مَا یُلْجِئُ اِلَیْهِ وَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ قُلْ لَهُمْ یَا مُحَمَّدُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ اَوْلَادِهٖ وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ بِالتَّصْدِیْقِ وَالتَّكْذِیْبِ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ مُخْلِصُوْنَ فِی الْعِبَادَةِ وَ نَزَلَ فِیْمَنِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِالْكُفَّارِ وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ لِمَصِیْرِهٖ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَیْهِ كَیْفَ اَیْ لَا یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَیْ وَشَهَادَتِهِمْ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ قَدْ جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ اَلْحُجَجُ الظَّاهِرَاتُ عَلٰی صِدْقِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۶﴾ اَلْكَافِرِیْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ اَیِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ یُمْهَلُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۫ عَمَلَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾ بِهِمْ وَ نَزَلَ فِی الْیَهُوْدِ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعِیْسٰی بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ بِمُوْسٰی ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ اِذَا غَرْغَرُوْا اَوْ مَاتُوْا كُفَّارًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ مِقْدَارُ مَا یَمْلَؤُهَا ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰی بِهٖ ؕ اُدْخِلَ الْفَاءُ فِیْ خَبَرِ اِنَّ لِشِبْهِ الَّذِیْنَ بِالشَّرْطِ وَاِیْذَانًا بِتَسَبُّبِ عَدَمِ الْقُبُوْلِ عَنِ الْمَوْتِ عَلَی الْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ مُؤْلِمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۹۱﴾ مَانِعِیْنَ مِنْهُ۔ ع ۱۱ ۱۷

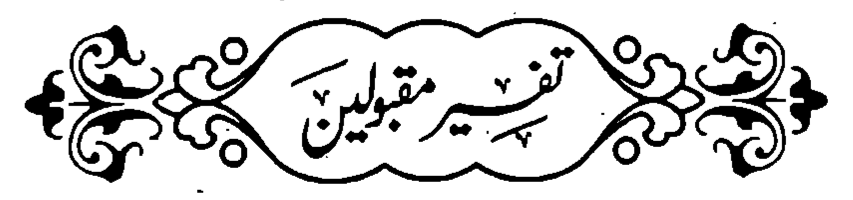
ترجمہ: اور یاد کیجئے وہ وقت یعنی عہد و میثاق کا وقت جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تمام انبیا علیہم السلام سے (مِیثَاقَ بمعنی عہد ہے، لَمَآ میں دو قراءتیں ہیں نمبر ۱ قراءت متواتر لام کے فتحہ کے ساتھ ہے ابتدائیہ یعنی اس قسم کی تمہید اور تاکید ہے جو اخذ

میثاق کے معنی میں ہے کیونکہ میثاق یعنی عہد لینے کا معنی ہی قسم لینا ہے، اس صورت میں لام تمہید قسم اور ما موصولہ اور مِّنْ كِتٰبٍ اس کا صلہ ہے اور لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ الخ اس کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب میں نے تم کو دی الخ نیز یہ ترکیب بھی ہو سکتی ہے کہ ما موصولہ اور اٰتَيْتُكُمْ اس کا صلہ اور عائد اس کا محذوف ہے اور مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ اس کا بیان ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لِمَآ میں لام تمہید قسم کے لیے اور ما شرطیہ اور اس کی جزاء لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ ہے جو جواب قسم بھی ہے معنی اس طرح ہوگا کہ اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ اگر میں تم کو کتاب وحکمت عطا کروں الخ۔ وَكَسْرِهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِاَخَذَ الخ یہاں سے مفسرؒ نے دوسری قراءت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک قراءت لام کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اخذ کا متعلق ہے اور لِمَآ کا ما دونوں صورتوں خواہ لام کو فتحہ ہو یا کسرہ میں ما موصولہ بمعنی لِلَّذِیْ ہے۔ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ الخ جو کچھ میں نے تم کو کتاب وحکمت دی ہے مفسر علامؒ نے اِيَّاهُ کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ اٰتَيْتُكُمْ ما موصولہ کا صلہ ہے اور عائد ایاہ محذوف جو ماصولہ کی طرف راجع ہے۔ پھر تمہارے پاس کوئی رسول آوے جو تصدیق کرنے والے ہو الذی اس کتاب وحکمت کی جو تمہارے ساتھ ہے اور وہ رسول محمد ﷺ کی ذات ہے تو تم ضرور اس رسول پر ایمان اس رسول پر ایمان لانا اور ضرور ان کی مدد کرنا یہ جواب قسم ہے یعنی اگر تم ان کو پالو تو خود انکی مدد کرنا ورنہ اپنے متبعین کو نصیحت کر دینا کہ جو ان کے زمانہ میں ہو ان کی مدد ضرور کرے، وَاُمَمُهُمْ تَبَعٌ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ اور ان انبیاء علیہم السلام کی امتیں اس حکم میں ان کے تابع ہیں قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے یعنی اس عہد و میثاق کے بعد ءَاَقْرَرْتُمْ استفہام تقریری ہے کیا تم نے اقرار کر لیا اس کا اور لیا تم نے یعنی تم نے قبول کیا اس مضمون پر میرا عہد اصری بمعنی عہدی ہے سب نے کہا بروز میثاق ہم نے اقرار کیا، ارشاد فرمایا سو تم گواہ رہو تم اپنے اور اپنے متبعین کے اوپر اس اقرار کا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں تمہارے اور ان سب کے اقرار پر گواہ ہوں سو جو شخص روگردانی کرے گا اعراض کرے گا یعنی امتوں میں سے اس میثاق وعہد کے بعد تو ایسے ہی لوگ ہیں نافرمانی کرنے والے یعنی کافر ہیں کیا پھر وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کر رہے ہیں يَبْغُوْنَ یاء کے ساتھ یعنی وہ اعراض کرنے والے، ایک قراءت تاء کے ساتھ بھی ہے وَلَهٗٓ اَسْلَمَ الخ حالانکہ اسی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار مطیع ہیں جو آسمانوں میں ہیں یعنی ملائکہ اور جو زمین میں ہیں یعنی جن وانس خوشی سے بلا انکار اور مجبوری سے تلوار کے ذریعہ یا ایسے اسباب دیکھ کر جو اسلام پر مجبور کر دے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے تاء اور یاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں اور ہمزہ الغیر میں انکاری ہے۔ قُلْ آپ فرمادیجئے ان سے اے محمد ﷺ کہ ہم ایمان لاچکے اللہ تعالیٰ پر اور اس حکم پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس حکم پر جو حضرت ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب اور اولاد یعقوب علیہم السلام پر نازل کیا گیا اور اس پر جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے سو ہم ان سب پر ایمان لائے ہیں ہم ان نبیوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے کہ کسی کی تصدیق کریں اور کسی کی تکذیب، کسی پر ایمان رکھیں اور کسی پر نہ رکھیں اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں عبادت میں مخلص ہیں۔ اگلی آیات کا نزول ان لوگوں کے بارے میں ہوا جو لوگ مرتد ہو گئے اور

کافروں کے ساتھ مل گئے یعنی بارہ آدمی تھے جو مدینہ میں مسلمان ہو گئے تھے پھر مرتد ہو کر مکہ چلے گئے ان ہی میں سے حضرت حارث بن سوید انصاری بھی تھے مگر حضرت حارث پھر بعد میں تائب ہو کر سچے دل سے اسلام میں واپس آ گئے تھے رضی اللہ عنہ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ الخ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا تو وہ دین اس شخص سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا اس لئے کہ اس کا ٹھکانہ ابدی جہنم کی طرف ہوگا اللہ تعالیٰ کیسے ہدایت کریں گے استفہام انکاری ہے یعنی نہیں ہدایت کریں گے ایسے لوگوں کو جو کافر ہو گئے بعد ایمان لانے کے اور بعد اپنے اس اقرار کے کہ رسول برحق ہے۔ مفسر علامؒ نے اَیْ وَشَهَادَتِهِمْ سے اسی طرح اشارہ کیا ہے کہ شَهِدُوْٓا فعل بمعنی مصدر ہے یعنی بمعنی شہادت ہے اور اس کا عطف ایمان پر ہے جو مصدر ہے، اور شہدوا کو کفروا سے حال بنا کر اپنے فعلی معنی پر بھی رکھنا درست ہے اس صورت میں قد محذوف ہوگا۔ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ مفسرؒ نے قد کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ واؤ حالیہ ہے درانحالیکہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے ہیں یعنی کھلی نشانیاں نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر آ چکی ہیں یہی لوگ ہیں جنکی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ہمیشہ رہیں گے اس میں یعنی ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے یا آگ میں جو اس لعنت کا مدلول ہے تفسیری عبارت ''اَلْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَيْهَا'' میں بہا کا مرجع لعنت اور عَلَيْهَا کا مرجع نار ہے نہ ان پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی يُنْظَرُوْنَ بمعنی يُمْهَلُوْنَ ہے مگر جن لوگوں نے اس ارتداد کے بعد توبہ کر لی اور اپنے کو درست کر لیا یعنی ایمان کے بعد اپنا عمل درست کر لیا تو بیشک اللہ تعالیٰ بخش دینے والے ہیں ان لوگوں کو رحمت والے ہیں ان کے ساتھ۔ وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ الخ آئندہ آیت کا نزول یہودیوں کے بارے میں ہوا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا حضرت عیسیٰ کے ساتھ اپنے ایمان لانے کے بعد حضرت موسیٰ پر پھر بڑھتے رہے کفر میں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کر کے کفر میں زیادتی کر لی ان لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی جب غرغرہ کی حالت میں ہوں یا کفر کی حالت میں مر جائیں، مطلب یہ ہے کہ کافر و مرتد اگر پوری زندگی کفر پر قائم و دائم رہے پھر جان کنی کے وقت عین مرتے وقت جس کو حالت غرغرہ کہتے ہیں کفر سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی بخلاف مومن عاصی کے کہ ان کی توبہ بحالت غرغرہ بھی مقبول ہوتی ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ اور یہی لوگ ہیں پکے گمراہ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے تو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہیں کیا جائے یعنی روئے زمین کے مقدار بھی سونا اگرچہ وہ فدیہ دے، مطلب یہ ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک پورے روئے زمین کے برابر اگر کوئی بطور فدیہ و کفارہ دے تو قیامت کے دن مقبول نہ ہوگا، اِنَّ کی خبر فَلَنْ يُّقْبَلَ میں فاء جزائیہ داخل کیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اَلَّذِيْنَ مشابہ بالشرط ہے یعنی اَلَّذِيْنَ میں شرط کا مفہوم ہے اور تنبیہ کرنا ہے کہ معاوضہ و فدیہ کے مقبول نہ ہونے کا سبب موت علی الکفر ہے یعنی فقط کفر نہیں بلکہ کفر پر خاتمہ و موت عدم قبول کا سبب ہے۔ توبہ کس حال کی اور کس کی مقبول ہوگی اور کس کی نہیں؟ تفصیلی بحث چوتھے پارہ کے چودھویں رکوع میں آئے گی ان شاء اللہ الرحمان۔



قوله: عَلَى الْوَجْهَيْنِ :اس سے اشارہ کر دیا کہ زیادہ بہتر قول مَا کا بہر دو صورت موصولہ ہونا چاہیے۔
قوله: ءَاَقْرَرْتُمْ بِذٰلِكَ :یہ استفہام امر کے معنی میں ہے، جیسا ااسلمتم.... میں۔
قوله: اِنْقِيَادَ :اس سے اشارہ کیا کہ یہاں اسلام انقیاد کے معنی میں ہے۔ دین قدیم کے معنی میں نہیں کیونکہ زمین میں بہت سے کافر ہیں۔
قوله: مُخْلِصُوْنَ :سے اشارہ کیا کہ مُسْلِمُوْنَ ۞ مُخْلِصُوْنَ کے معنی میں ہے۔
قوله: وَشَهَادَتِهِمْ :اس سے اشارہ ہے کہ اس کا عطف شَهِدُوْٓا کے ساتھ ان مقدرہ کے ذریعہ اِيْمَانِهِمْ پر ہے، اس کا عطف كَفَرُوْا پر نہیں۔
قوله: اَلْكَافِرِيْنَ :اَلظّٰلِمِيْنَ ۞ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کو ایمان کی جگہ رکھا، مطلقاً نہیں۔
قوله: عَلَيْهِمْ :یہ اَصْلَحُوْا کے مفعول کا بیان ہے، اس میں اشارہ ہے کہ گزشتہ پر شرمندگی اور آئندہ میں ترک کافی ہے۔
قوله: مِقْدَارُ مَا يَمْلَأُهَا :اس سے اشارہ کیا کہ ملاء کا مصدر بمعنی فاعل ہے۔



وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ....

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کا عہد لینا:

ان دو آیتوں میں اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرامؑ سے لیا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ تمہاری موجودگی میں جو دوسرا کوئی نبی آئے گا اس پر ایمان لانا اور اپنی امت کو بھی اس پر ایمان لانے کی دعوت دینا تبلیغ کرنا اور اس نبی کی مدد کرنا۔ اگر تمہاری موجودگی میں کوئی نبی نہ آئے تو اپنی امت کو تاکید کر دینا کہ اس نبی پر ایمان لانا جو میرے بعد آئے اور اس کی تصدیق اور اس کی مدد کرنا۔ اسی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ رسول کی تنوین تنکیر کے لیے ہو اور بعض مفسرین نے یوں بیان فرمایا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ تمہاری موجودگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امتوں کو بھی اس کا حکم دینا کہ ان میں سے جو بھی ان کا زمانہ پالے ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۳۲۲: ج ۱)

عہد لے کر اللہ تعالیٰ نے تاکیداً فرمایا: (ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ) (کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر تم

نے میرا مضبوط عہد لے لیا) سب نے عرض کیا کہ ہاں ہم نے اس کا اقرار کرلیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ یہ عہد حضرات انبیاء کرامؑ سے بھی لیا اور ان کے واسطے سے ان کی امتوں سے بھی لیا۔ اس عہد کو جن لوگوں نے پورا نہ کیا ان کے بارے میں فرمایا: (فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ) کہ جس نے اس عہد کے بعد روگردانی کی عہد کو پورا نہ کیا کسی بھی ایک نبی کو جھٹلایا تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے نافرمان ہیں اور نافرمانی کے بدترین مرتبہ میں ہیں کیونکہ وہ کافر ہیں۔ (قال فی الروح ای الخارجون فی الکفر الی افحش مراتبه) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے تو اللہ کی نافرمانی کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی امتوں نے اس عہد سے منہ موڑا اور کفر اختیار کیا۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور یہود و نصاریٰ دونوں قومیں محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی منکر ہو کر کفر پر مصر رہیں۔

خاتم النبیین ﷺ کی فضیلت:

شیخ ابوالحسن تقی الدین السبکی رحمہ اللہ کا مستقل ایک رسالہ ہے جو آیت بالا کی تفسیر سے متعلق ہے اس رسالہ کا نام التعظیم والمنة فی لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ہے جو فتاویٰ سبکی میں صفحہ ۳۸: ج۱ سے شروع ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ رسول مصدق سے مراد اس آیت میں ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں جس سے اللہ نے یہ عہد نہ لیا ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کروں گا اگر وہ تمہارے زمانہ میں آئیں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امت کو اس کی وصیت کرنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اور اخذ میثاق میں نبی اکرم ﷺ کی جس عظمت شان کا بیان ہے وہ پوشیدہ نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انبیاء کرام کے زمانہ میں آپ کی بعثت ہوتی تو آپ ان کے لیے بھی مرسل ہوتے اور اس طرح سے آپ کی نبوت اور رسالت تمام مخلوق کو عام ہوگئی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اخیر زمانے تک۔ اور اس طرح سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں سب آپ کی امت میں داخل ہیں۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((بعثت الی الناس كافةً)) صرف انہیں لوگوں سے متعلق نہیں ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہوں گے بلکہ ان لوگوں سے بھی متعلق ہے جو آپ ﷺ سے پہلے تھے۔ اور اس سے آپ ﷺ کے ارشاد: ((كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد)) کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

جس چیز کا عہد خدا نے تمام انبیاء سے لیا اور انبیاء نے اپنی اپنی امتوں سے اب اگر دنیا میں کوئی شخص اس سے روگردانی کرے تو بلاشبہ پرلے درجہ کا بدعہد اور نافرمان ہوگا۔ بائبل، اعمال رسل، باب ۳، آیت ۲۱ میں ہے۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا۔ اپنی حالت پر آویں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے، تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو۔

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ....

یعنی ہمیشہ سے خدا کا دین اسلام رہا ہے، جس کے معنی ہیں حکم برداری، مطلب یہ ہے جس وقت حق تعالیٰ کا جو حکم کسی راستباز اور صادق القول پیغمبر کے توسط سے پہنچے اسکے سامنے گردن جھکادو۔ پس آج جو احکام وہدایات سید المرسلین خاتم الانبیاء لے کر آئے وہ ہی خدا کا دین ہے۔ کیا اسے چھوڑ کر نجات وفلاح کا کوئی اور راستہ ڈھونڈتے ہیں؟ خوب سمجھ لیں کہ خدا کا دین چھوڑ کر کہیں ابدی نجات اور حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ آدمی کو سزاوار نہیں کہ اپنی خوشی اور شوق ورغبت سے اس خدا کی حکمبرداری اختیار نہ کرے جس کے حکم تکوینی کے نیچے تمام آسمان وزمین کی چیزیں ہیں خواہ وہ حکم تکوینی ان کے ارادہ اور خوشی کے توسط سے ہو جیسے فرشتے اور فرمانبردار بندوں کی اطاعت میں، یا مجبوری اور لاچاری سے، جیسے عالم کا ذرہ ذرہ ان آثار وحوادث میں جن کا وقوع وظہور بدون مخلوق کی مشیت وارادہ کے ہوتا ہے حق تعالیٰ کی مشیت وارادہ کا تابع ہے۔

سب کو آخر کار جب وہیں لوٹ کر جانا ہے تو عقلمند کو چاہیے کہ پہلے سے تیاری کر رکھے۔ یہاں نافرمانیاں کیں تو وہاں کیا منہ دکھلائے گا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا....

جن لوگوں نے وضوح حق کے بعد جان بوجھ کر کفر اختیار کیا۔ یعنی دل میں یقین رکھتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ رسول سچا ہے۔ اسکی حقانیت وصداقت کے روشن دلائل، کھلے نشانات اور صاف بشارات انکو پہنچ چکی ہیں۔ اس پر بھی کبر وحسد اور حب جاہ ومال، اسلام قبول کرنے اور کفر وعدوان کے چھوڑنے سے مانع ہے جیسا کہ عموماً یہود ونصاریٰ کا حال تھا، ایسے ہٹ دھرم، ضدی معاندین کی نسبت کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ باوجود اس طرح کا رویہ قائم رکھنے کے خدا تعالیٰ انکو نجات وفلاح اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر لے جائے گا یا جنت تک پہنچنے کی راہ دے گا۔ اسکی عادت نہیں کہ ایسے بے انصاف متعصب ظالموں کو حقیقی کامیابی کی راہ دے۔ اسی پر ان بدبختوں کو قیاس کرلو جو قلبی معرفت ویقین کے درجہ سے بڑھ کر ایک مرتبہ مسلمان بھی ہو چکے تھے۔ پھر دنیاوی اغراض اور شیطانی اغواء سے مرتد ہو گئے۔ یہ ان پہلوں سے زیادہ کج رو اور بے حیا واقع ہوئے، اس لئے ان سے بڑھ کر لعنت وعقوبت کے مستحق ہوں گے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ .... اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد ہدایت نصیب نہیں ہوتی، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، کیونکہ بہت سے لوگ مرتد ہونے کے بعد ایمان قبول کر کے ہدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہاں جو ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس کی مثال ہمارے محاورات میں ایسی ہے جیسے کسی بدمعاش کو کوئی حاکم اپنے ہاتھ سے سزا دے اور وہ کہے کہ مجھ کو حاکم نے اپنے ہاتھ سے خصوصیت عنایت فرمائی ہے، اور اس کے جواب میں کہا جائے کہ ایسے بدمعاش کو ہم خصوصیت کیوں دینے لگے، یعنی یہ امر خصوصیت ہی نہیں، اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایسا شخص کسی طرح قابل خصوصیت نہیں ہوسکتا اگرچہ شائستہ بن جائے۔ (بیان القرآن)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اَیْ ثَوَابَهٗ وَهُوَ الْجَنَّةُ حَتّٰى تُنْفِقُوْا تَصَدَّقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ فَیُجَازِیْ عَلَیْهِ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْیَهُوْدُ اِنَّكَ تَزْعَمُ اَنَّكَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ وَكَانَ لَا یَاْكُلُ لُحُوْمَ الْاِبِلِ وَاَلْبَانَهَا كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا حَلَالًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ یَعْقُوْبُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَهُوَ الْاِبِلُ لَمَّا حَصَلَ لَهٗ عِرْقُ النَّسَا بِالْفَتْحِ وَالْقَصْرِ فَنَذَرَ اِنْ شُفِیَ لَا یَاْكُلُهَا فَحُرِمَ عَلَیْهِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ وَذٰلِكَ بَعْدَ اِبْرَاهِیْمَ وَلَمْ تَكُنْ عَلٰى عَهْدِهٖ حَرَامًا كَمَا زَعَمُوْا قُلْ لَهُمْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ لِیَتَبَیَّنَ صِدْقُ قَوْلِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فِیْهِ فَبُهِتُوْا وَلَمْ یَاْتُوْا بِهَا قَالَ تَعَالٰى فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اَیْ ظُهُوْرِ الْحُجَّةِ بِاَنَّ التَّحْرِیْمَ اِنَّمَا كَانَ مِنْ جِهَةِ یَعْقُوْبَ لَا عَلٰى عَهْدِ اِبْرَاهِیْمَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اَلْمُتَجَاوِزُوْنَ الْحَقَّ اِلَى الْبَاطِلِ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فِیْ هٰذَا كَجَمِیْعِ مَا اُخْبِرَ بِهٖ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ الَّتِیْ اَنَا عَلَیْهَا حَنِیْفًا ؕ مَائِلًا عَنْ كُلِّ دِیْنٍ اِلٰى دِیْنِ الْاِسْلَامِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا قِبْلَتُنَا قَبْلَ قِبْلَتِكُمْ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ مُتَعَبَّدًا لِلنَّاسِ فِی الْاَرْضِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ بِالْبَاءِ لُغَةٌ فِیْ مَكَّةَ سُمِّیَتْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهَا تَبُكُّ اَعْنَاقَ الْجَبَابِرَةِ اَیْ تَدُقُّهَا بَنَاهُ الْمَلٰٓئِكَةُ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ وَوُضِعَ بَعْدَهُ الْاَقْصٰى وَبَیْنَهُمَا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً كَمَا فِیْ حَدِیْثِ الصَّحِیْحَیْنِ وَفِیْ حَدِیْثٍ اَنَّهٗ اَوَّلُ مَا ظَهَرَ عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ عِنْدَ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زُبْدَةٌ بَیْضَاءُ فَدُحِیَتِ الْاَرْضُ مِنْ تَحْتِهٖ مُبٰرَكًا حَالٌ مِنَ الَّذِیْ اَیْ ذَا بَرَكَةٍ وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ لِاَنَّهٗ قِبْلَتُهُمْ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مِنْهَا مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ اَیِ الْحَجَرُ الَّذِیْ قَامَ عَلَیْهِ عِنْدَ بِنَاءِ الْبَیْتِ فَاَثَّرَ قَدَمَاهُ فِیْهِ وَبَقِیَ اِلَى الْاٰنِ مَعَ تَطَاوُلِ الزَّمَانِ وَتَدَاوُلِ الْاَیْدِیْ عَلَیْهِ وَمِنْهَا تَضْعِیْفُ الْحَسَنَاتِ فِیْهِ وَاَنَّ الطَّیْرَ لَا یَعْلُوْهُ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ لَا یَتَعَرَّضُ لَهٗ بِقَتْلٍ اَوْ ظُلْمٍ اَوْ غَیْرِ ذٰلِكَ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ وَاجِبٌ بِكَسْرِ الْحَاءِ وَفَتْحِهَا لُغَتَانِ فِیْ مَصْدَرِ حَجَّ بِمَعْنٰى قَصَدَ وَیُبْدَلُ مِنَ النَّاسِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ طَرِیْقًا فَسَّرَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَغَیْرُهٗ وَمَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اَوْ بِمَا فَرَضَهٗ مِنَ

الْحجّ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰئِکَةِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ قُلْ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ فَیُجَازِیْکُمْ عَلَیْهِ قُلْ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ تُصْرِفُوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَیْ دِیْنِهٖ مَنْ اٰمَنَ بِتَکْذِیْبِکُمُ النَّبِیَّ وَکَتْمِ نَعْتِهٖ تَبْغُوْنَهَا اَیْ تَطْلُبُوْنَ السَّبِیْلَ عِوَجًا مَصْدَرٌ بِمَعْنٰی مُعْوَجَّةً اَیْ مَائِلَةً عَنِ الْحَقِّ وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ عَالِمُوْنَ بِاَنَّ الدِّیْنَ الْمَرْضِیَّ هُوَ الْقَیِّمُ دِیْنُ الْاِسْلَامِ کَمَا فِیْ کِتَابِکُمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ مِنَ الْکُفْرِ وَالتَّکْذِیْبِ وَاِنَّمَا یُؤَخِّرُکُمْ اِلٰی وَقْتِکُمْ فَیُجَازِیْکُمْ وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ بَعْضُ الْیَهُوْدِ عَلَی الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ فَغَاظَهٗ تَاَلُّفُهُمْ فَذَکَّرَهُمْ بِمَا کَانَ بَیْنَهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ مِنَ الْفِتَنِ فَتَشَاجَرُوْا وَکَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ اِسْتِفْهَامُ تَعْجِیْبٍ وَتَوْبِیْخٍ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ یَتَمَسَّکْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع ۱۰

ترجمہ: اے مسلمانو! تم ہرگز نہیں حاصل کرسکو گے نیکی یعنی نیکی کا اجر وثواب اور وہ اجر جنت ہے مفسر علام سیوطیؒ نے ''اَیْ ثَوَابَهٗ'' سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے ''اَیْ لن تنالوا ثواب البر'' یہاں تک کہ تم خرچ کرو خیرات کرو اللہ کی راہ میں ان چیزوں میں سے جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اپنے مالوں میں سے اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں خواہ محبوب ترین ہو یا غیر محبوب اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ بدلہ دیں گے، مطلب یہ ہے کہ مطلق ثواب تو اس پر بھی دیں گے لیکن کمال ثواب وخیر کامل حاصل کرنے کیلئے محبوب ترین چیز کی قربانی ضروری ہے خواہ مال ودولت ہو یا جاہ ومنصب۔ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْیَهُوْدُ الخ یہاں سے مفسر سیوطیؒ نے آئندہ آیت کی شان نزول بیان کیا ہے ''اور جب یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے اعتراض کیا کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ اونٹ کا گوشت کھاتے اور نہ ان کا دودھ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا الخ کھانے کی یہ ساری چیزیں بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں احلکا بمعنی حلالا سے ازضرب حل یحل حَلًالًا الا ما من اِسْرَآءِیْلَ سوائے ان چیزوں کے جنہیں اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا مراد اونٹ ہے یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جب یعقوب کو عرق النساء دردران کا مرض ہوا النَّسَا بفتح النون وقصر الالف، تو آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ شفادیں تو اس کو نہیں کھائیں گے جو ان کی محبوب ترین غذا تھی یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ، چنانچہ آپ پر حرام ہوگئیں تورات نازل کئے جانے سے پہلے اور یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوا۔ اے بالف سنہ حاشیہ صحاوی ایضا جمل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے

میں اونٹ حرام نہیں تھا جیسا کہ یہودیوں نے گمان کرلیا ہے آپ کہہ دیجئے ان سے کہ تم تورات لے آؤ پھر اس کو پڑھو تا کہ تمہارے قول کی صداقت ظاہر ہو جائے اگر تم لوگ سچے ہو اپنے قول میں سو یہود مبہوت ہو گئے یعنی لاجواب ہو گئے اور تورات نہیں لائے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ پھر جو لوگ اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ﷺ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے یعنی اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد بھی کہ اونٹ کے گوشت و دودھ کی تحریم حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب سے ہوئی ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے تو ایسے ہی لوگ درحقیقت ظالم ہیں جو حق سے باطل کی طرف تجاوز کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ کہہ دیا تمام خبروں کی طرح اس معاملہ میں بھی یعنی حق تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کے لائے ہوئے تمام پیغامات کی طرح اس معاملہ حرام و حلال میں حق و صداقت کو ظاہر کر دیا پس ملت ابراہیم کا اتباع کرو جس پر میں ہوں یکسو ہو کر یعنی ہر دین سے ہٹ کر اسلام کی طرف مائل تھے اور وہ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔ اور جب یہودیوں نے کہا یعنی مسلمانوں سے کہ ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس تمہارے قبلہ کعبہ سے پہلے ہے اس پر آیت مبارکہ کا نزول ہوا اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ الخ بلاشبہ سب سے پہلا مکان جو عبادت گاہ بنایا گیا انسانوں کے لئے زمین میں یقیناً وہی مکان ہے جو مکہ میں ہے بکہ باء کے ساتھ ایک لغت ہے لفظ مکہ میں یعنی مکہ معظمہ کا نام ہے، مکہ کا نام بکہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ مکہ معظمہ بڑے بڑے جابروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے فرشتوں نے اس کی عمارت بنائی اس تعمیر بیت اللہ کے بعد مسجد اقصی بیت المقدس بنایا اور ان دونوں کے تعمیر کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانہ میں سب سے پہلے پانی کی سطح پر جو چیز نمایاں ہوئی وہ سفید جھاگ تھا جو منجمد ہو گیا تھے اور یہی مقام کعبہ تھا پھر اسی کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے مبارکا الذین سے حال ہے یعنی وہ برکت والا ہے اور سارے جہانوں کے لئے رہنما ہے کیونکہ کعبہ سب کا قبلہ ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں ان میں سے ایک نشان مقام ابراہیم ہے یعنی وہ پتھر جس پر ابراہیم بیت اللہ کی تعمیر کے وقت کھڑے ہوئے تھے، چنانچہ اس میں آپ کے قدموں کے نشانات پڑ گئے تھے اور باوجود طویل ہونے زمانہ کے اور اس پر مسلسل ہاتھوں کے پڑنے یعنی حاجیوں کے مس کرنے کے اب تک نشانات باقی ہیں اور ان نشانیوں میں سے ایک نشانی اسی میں نیکیوں کا کئی گونہ ہونا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک نماز مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، "وَاَنَّ الطَّيْرَ لَا يَعْلُوْهُ" اور ایک نشانی یہ بھی ہے کہ پرندے اس کے اوپر نہیں اڑتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیات قرآن حکیم کا حالانکہ اللہ تعالیٰ مشاہدہ کر رہے ہیں دیکھ رہے ہیں جو کچھ تم کر رہے ہو چنانچہ وہ تم کو اس پر سزا دیں گے اور آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو پھیرتے ہو اللہ کے راستہ سے یعنی اس کے دین اسلام سے ایمان لانے والوں کو نبی اکرم ﷺ کی تکذیب اور آپ ﷺ کے اوصاف کو چھپا کر کے مطلب یہ ہے کہ جو ایمان لا چکے ہیں یا ایمان لانا چاہتے ہیں ان لوگوں سے آخری پیغمبر حضور اقدس ﷺ کے توریت میں بیان کردہ اوصاف کیوں چھپاتے ہو؟ تَبْغُوْنَهَا الخ تم چاہتے ہو اس کو طلب کرتے ہو راستہ ٹیڑھا عوجا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یعنی حق سے پھرا ہو، مفسرؒ نے عوجا کی تفسیر معوجۃ سے کر کے حال ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے حالانکہ تم لوگ خود اطلاع رکھتے ہو جاننے والے ہو کہ پسندیدہ دین کہ وہی سچا دین ہے دین اسلام ہے جیسا کہ

تمہاری کتاب میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہیں اس کفر اور تکذیب سے جو تم کر رہے ہو، صرف تمہارے وقت معین تک تم کو مہلت دے رہے ہیں پھر تم کو سزا دیں گے۔ وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ عَلَى الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ الخ جب کسی یہودی شماس بن قیس کا گذر قبیلہ اوس وخزرج پر ہوا جو ایک مجلس میں بیٹھے محبت آمیز گفتگو کر رہے تھے سو ان کے اجتماع نے اس کو غضبناک کر دیا یعنی مارے حسد کے یہودی بے چین ہو گیا تو یہودی نے ان لوگوں کے پاس ان فتنوں جنگ بعاث وغیرہ کا ذکر چھیڑ دیا جو ان اوس و خزرج کے درمیان زمانہ جاہلیت میں ہو چکے تھے چنانچہ یہ لوگ اوس وخزرج باہم جھگڑنے لگے اور قریب تھا کہ باہم قتل وقتال کریں۔ يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا الخ اے ایمان والو اگر تم اہل کتاب میں سے کسی گروہ کی پیروی کرو گے کہنا مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے مؤمن ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے اور تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ كَيْفَ استفهام تعجب و توبیخ کے لئے ہے یعنی تمہارے لئے کفر کی راہ اختیار کرنا حیرت وتعجب کی بات ہے حالانکہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور تمہارے درمیان اللہ کے رسول ﷺ موجود ہیں اور جو شخص مضبوط پکڑ لیتا ہے اللہ کو۔ اعتصام بمعنی تمسک ہے یعنی چمٹنا ،مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا دین کلام اللہ اور رسول اللہ کو مضبوط پکڑ لے کہ کسی مخالف کی موافقت نہ کرے تو ایسا شخص ضرور راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: حَلَالًا: اشارہ کیا کہ یہ مصدر ہے، اس کو بطور مبالغہ صفت کیلئے لائے ہیں۔

قوله: الَّتِي أَنَا عَلَيْهَا: اس میں اشارہ ہے کہ اصل تو ملت اسلام کی اتباع کا حکم ہے اور اس کی تعبیر ملت ابراہیم کے نام سے کی ہے۔

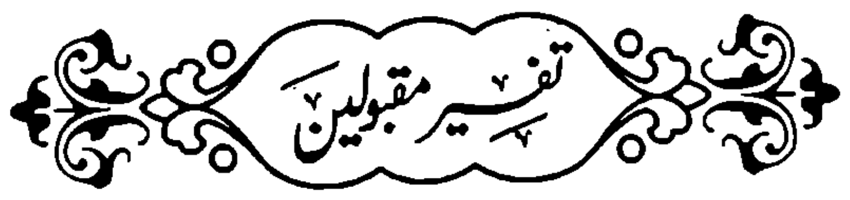
قوله: مُتَعَبَّدًا: اس سے اشارہ کر دیا کہ مطلق بیت کا وجود تو مکہ سے پہلے تھا۔

قوله: ذَا بَرَكَةٍ: یہاں برکت سے منافع کے لحاظ سے برکت مراد ہے۔

قوله: مِنْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ مقام مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ منہا ہے۔ یہ عطف بیان نہیں۔

قوله: بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ: سبیل سے مراد تمہارے اور اس چیز کے مابین بعد نہیں۔

قوله: بِمَعْنٰى مُعْوَجَّةً: یہ تاویل اس لیے کی کیونکہ عِوَجًا، سبیل سے حال ہے اور تاویل کے بغیر اس کے مناسب نہیں۔



تفسیر مقبولین

ربط: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

ربط آیات:

اس سے پہلی آیت میں کفار و منکرین کے صدقات و خیرات کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر مقبول ہونا بیان کیا گیا تھا، اس آیت میں مؤمنین کو صدقہ مقبولہ اور اس کے آداب بتلائے گئے ہیں، اس آیت کے الفاظ میں سب سے پہلے لفظ بر کے معنی اور اس کی حقیقت کو سمجھئے، تاکہ آیت کا پورا مفہوم صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکے۔

لفظ بر کے لفظی اور حقیقی معنی ہیں کسی شخص کے حق کی پوری ادائیگی اور اس سے کامل سبکدوشی اور احسان اور حسن سلوک کے معنی میں بھی آتا ہے، بر بالفتح اور بار اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے ذمہ عائد ہونے والے حقوق کو پوری طرح ادا کردے۔ قرآن کریم میں: برا بوالدتی (۱۹:۳۲) اور برا بوالدیه (۱۹:۱۴) اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، ان حضرات کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اپنے والدین کے حقوق کو مکمل طور پر ادا کرنے والے تھے۔

اسی لفظ بر بالفتح کی جمع ابرار ہے، جو قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوئی ہے، ارشاد ہے: (ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجها کافورا۔ ۷۶:۵) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: (ان الابرار لفی نعیم علی الارائك ینظرون۔ ۸۳: ۲۲، ۲۳) اور ایک جگہ ارشاد ہے: (ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم۔ ۸۲: ۱۳، ۱۴) اس آخری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بر کا مقابل اور ضد فجور ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد میں اور ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سچ بولنے کو لازم پکڑو، کیونکہ صدق، بر کا ساتھی ہے، اور وہ دونوں جنت میں ہیں، اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ وہ فجور کا ساتھی ہے، اور یہ دونوں دوزخ میں ہیں۔

فی سبیل اللہ محبوب مال خرچ کیا جائے:

اس آیت میں اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ خیر (کامل) تمہیں نہیں مل سکتی جب تک کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی رضا کے لیے خرچ نہ کرو، حضرات صحابہ کرام ایک ایک حکم پر عاشق تھے، جب آیت بالا نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی محبوبات پر نظر ڈالی کہ ہماری محبوب چیزیں کیا کیا ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کردیا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ انصار مدینہ میں باغوں کی ملکیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار حضرت ابوطلحہؓ تھے، مسجد نبوی کے مقابل ان کا باغ تھا جس میں ایک کنواں بیرحاء کے نام سے موسوم تھا، رسول کریم ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء کا پانی پیتے تھے، حضرت ابوطلحہؓ کا یہ باغ ان کو اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تمام اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اور اس کے ثواب کی امید رکھتا ہوں اور اللہ کے یہاں اس کو ذخیرہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو اپنی صوابدید سے جیسے اللہ آپ کے دل میں ڈالے خرچ فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عظیم منافع کا باغ ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کردو، حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس مشورہ کو

قبول فرمایا اور اپنے اقرباء اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم فرمادیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۹۷: ج ۱)

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ملت ابراہیمیہ میں کیا چیزیں حلال تھیں:

معالم التنزیل صفحہ ۳۲۶: ج ۲ میں ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ ملت ابراہیم پر ہیں اور ابراہیم اونٹوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور اونٹنیوں کا دودھ نہیں پیتے تھے معلوم ہوا کہ آپ ان کی ملت پر نہیں ہیں، اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلال تھیں وہ کہنے لگے ہر وہ چیز جو ہمارے نزدیک حرام ہے وہ نوح پر اور ابراہیم (علیہ السلام) پر حرام تھیں اور اس کی حرمت اسی طرح ہم تک پہنچی ہے اللہ جل شانہٗ نے ان کی تردید کرتے ہوئے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ سب کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے سوائے اس کے جو اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے۔

قال مجاهد: حرم لحوم الانعام، وروى عكرمة عن ابن عباس انه حرم زائدتى الكبد والكليتين والشحم الا ما كان على الظهر وعن عطاء انه حرم لحوم الابل والبانها وسبب تحريم ذلك كما فى الحديث الذى أخرجه الحاكم وغيره بسند صحيح عن ابن عباس انه عليه الصلوة والسلام كان به عرق النساء فنذران شفى لم ياكل احب الطعام اليه وكان ذلك احب اليه وفى رواية سعيد بن جبير عنه انه كان به ذلك الداء فاكل من لحوم الابل فبات بليلة يزقو فحلف ان لا ياكله ابداً۔ (روح المعانی صفحہ ۲: ج ۴)

آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ ان حلال کھانوں میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ بھی تھا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام نہیں کیے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر بھی حرام نہیں تھے اور ان کی اولاد پر بھی حرام نہیں تھے۔ البتہ یعقوب علیہ السلام نے کچھ کھانے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے یعنی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ (ان کی حرمت روایتی طور پر ان کی اولاد میں چلتی رہی) اور یہ تورات شریف نازل ہونے سے پہلے تھا۔ تورات شریف میں اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ کی حرمت نہیں ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے بھی بالکل ابتدائی عمر میں ان کو اپنے اوپر حرام نہیں کیا تھا بلکہ کچھ اسباب ایسے عارض ہوئے کہ انہوں نے ان دو چیزوں کو حرام کر لیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعض چیزیں اپنے اوپر کیوں حرام کی تھیں اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انکو عرق النساء کی تکلیف ہوگئی تھی۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر شفا ہوگئی تو سب سے زیادہ جو محبوب کھانا ہے وہ نہیں کھاؤں گا انکو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ محبوب تھا لہٰذا شفا ہوجانے پر انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ (روح المعانی صفحہ ۲: ج ۴)

اونٹ کے گوشت اور اونٹنیوں کے دودھ کو یہودی اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کی حرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آرہی ہے اسی بات کے پیش نظر انہوں نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کر دیا کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہوتے تو

آپ بھی ان کو نہ کھاتے پیتے۔ آیت میں یہودیوں کے دعویٰ کی تردید فرمائی۔

یہود سے تورات لا کر پڑھنے کا مطالبہ اور ان کا فرار:

اور مزید فرمایا: (قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) (آپ فرما دیجیے کہ تم تورات لے آؤ اور اس کو پڑھو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ تورات میں یہ چیزیں حرام ہیں) ابراہیم علیہ السلام پر تو یہ چیزیں کیا حرام ہوتیں خود تورات میں ان کی حرمت نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں سال کے بعد حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۳: ج ٤) لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تورات لا کر سنانے کی ہمت نہ کر سکے اور مبہوت رہ گئے۔ نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کی بھی دلیل ہے کیونکہ آپ نے ان کو چیلنج کر دیا کہ تورات شریف لے آؤ حالانکہ آپ نے نہ تورات پڑھی تھی اور نہ کوئی دوسری آسمانی کتاب پڑھی تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے یہود کو جو چیلنج دیا وہ سب کچھ وحی کے ذریعہ تھا۔ پھر فرمایا: (فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ) (کہ اس کے بعد جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے سو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ظہور حق کے بعد نہ حق قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے اتباع کو قبول کرنے دیتے ہیں یہ اپنی جانوں پر بھی ظلم ہے اور اپنے ماننے والوں پر بھی۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾

کعبہ شریف کی تعمیر اور حج کی فرضیت:

روح المعانی میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ بیت المقدس کعبہ سے اعظم ہے کیونکہ وہ اس جگہ ہے جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام ہجرت کرتے رہے اور وہ ارض مقدسہ میں ہے اور مسلمانوں نے کہا کہ کعبہ شریف اعظم ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی، اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب گذشتہ آیت میں کافروں کو حکم دیا کہ ملت ابراہیمیہ کا اتباع کریں تو بیت اللہ یعنی کعبہ شریف کی تعظیم کا بھی حکم دیا اور اس کی فضیلت اور حرمت بیان فرمائی کیونکہ کعبہ کا حج کرنا اور اس کی فضیلت وحرمت کا اقرار کرنا یہ بھی ملت ابراہیمی میں شامل ہے۔

کعبہ شریف کا کثیر البرکت ہونا:

آیت بالا میں فرمایا کہ سب سے پہلا گھر جو عبادت کے لیے زمین میں بنایا گیا وہ وہ گھر ہے جو مکہ معظمہ میں واقع ہے اور وہ کعبہ معظمہ ہے۔ وہ بابرکت ہے یعنی کثیر الخیر ہے۔ اس میں عبادت کا ثواب بہت زیادہ ہے جو شخص حج یا عمرہ کرے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ان برکات کے علاوہ اس کی ظاہری برکات بھی بہت ہیں۔ سورۃ قصص میں اس کی ظاہری برکات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: (يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا) (لائے جاتے ہیں اس کی طرف ہر چیز کے پھل جو بطور رزق ہمارے پاس سے دیئے جاتے ہیں) یہ ظاہری برکات بھی کعبہ شریف میں دیکھی جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے ثمرات اور مصنوعات ہر وقت مکہ معظمہ میں مل جاتی ہیں۔ پھر قربانیاں بھی وہاں اس کثرت سے ہوتی ہیں جو کسی شہر میں نہیں ہوتیں۔ نیز کعبہ

شریف کو (هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ) بھی فرمایا یعنی وہ جنت کی طرف ہدایت کا ذریعہ ہے (روح المعانی صفحہ ٥: ج ٤) اور سارے عالم کے مسلمان جو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس میں بھی (هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ) کا خوب مظاہرہ ہے۔ لفظ اول بیت سے اس طرف اشارہ ہے کہ بنائے ابراہیمی سب سے پہلی بناء نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی کعبہ شریف بنایا گیا تھا۔

زمین میں پہلا گھر:

معالم التنزیل صفحہ ٣٢٨: ج ١ میں اول بیت کے معنی بتاتے ہوئے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ کعبہ شریف سب سے پہلا گھر ہے جو پانی پر ظاہر ہوا آسمان و زمین کے پیدا فرمانے سے دو ہزار سال پہلے وجود میں آیا اس وقت یہ پانی پر سفید بلبلہ تھا۔ پھر زمین اسی کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد اور قتادہ کا یہی قول ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ سب سے پہلا گھر ہے جو زمین میں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک گھر مقرر فرمایا جو بیت معمور ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں پھر ان فرشتوں کو حکم دیا جو زمین میں رہتے ہیں کہ زمین میں ایک گھر بنائیں جو البیت المعمور کی محاذات میں ہو اور اس جیسا ہو اور زمین والوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں جیسے آسمان کے رہنے والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔ یہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ (حضرت زین العابدین) کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کو بنایا تھا وہ اس کا حج کیا کرتے تھے، جب آدم علیہ السلام نے اس کا حج کیا تو فرشتوں نے کہا کہ اے آدم! اللہ تمہارا حج قبول فرمائے ہم نے اس گھر کا حج تم سے دو ہزار سال پہلے کیا ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ حاصل سب کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی اس کے پہلے بانی نہیں ہیں اس سے پہلے بھی اس کی بناء تھی اسی لیے سورۃ ابراہیم میں حضرت ابراہیم کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ (رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ) اس وقت وہاں گھر موجود نہیں تھا پھر بھی انہوں نے (عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ) کہا اور سورۂ حج میں ہے: (وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ) (اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت کی جگہ بتادی) حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بَوَّاْنَا کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ شریف کی جگہ متعین طریقے پر بتادی کیونکہ کعبہ شریف کی عمارت اس وقت موجود نہ تھی۔

تاریخ بناء کعبہ:

صاحب روح المعانی (صفحہ ١٤٢: ج ١٧) لکھتے ہیں کہ کعبہ شریف پانچ مرتبہ بنایا گیا پہلی مرتبہ فرشتوں نے بنایا یہ بناء آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اور یہ سرخ یاقوت سے بنایا گیا تھا۔ حضرت نوح کے طوفان میں اس کو اٹھالیا گیا۔ دوسری بناء ابراہیمی ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ بیت اللہ بنائیں تو انہیں اس کی جگہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جو خوب تیز چلی اور اس نے پرانی بنیاد ظاہر کر دیا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی۔ تیسری تعمیر قریش کی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے اس وقت حجر اسود کے رکھنے میں جھگڑا ہوا اور ہر قبیلے نے یہ چاہا کہ ہم حجر اسود کو رکھیں پھر یہ طے کیا کہ کل کو جو شخص سب سے پہلے فلاں گلی سے نکلے اور مسجد حرام میں داخل ہو وہ جو فیصلہ کرے وہی منظور ہوگا۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ سب لوگ آپ کو امین کہتے تھے آپ کے فیصلہ پر سب راضی ہو گئے اور آپ

نے فیصلہ فرمایا کہ حجرا سود کو ایک چادر میں رکھ دیں پھر تمام قبیلے اس چادر کو اٹھائیں۔ چنانچہ ان سب نے اس چادر کو اٹھایا اور حجرا سود کو اس جگہ تک لے گئے پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس جگہ رکھ دیا۔ یہ واقعہ بعثت سے پندرہ سال پہلے کا ہے چوتھی تعمیر عبداللہ بن زبیرؓ کی ہے اور پانچویں تعمیر حجاج کی ہے۔ اور وہی آج تک موجود ہے۔ اس میں کچھ مرمت کے طور پر تغییر اور تبدیلی ہوتی رہی ہے لیکن اصل تعمیر حجاج ہی کی ہے۔ (انتھی)

بعض حضرات نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر اور حضرت شیث علیہ السلام (جو ان کے بیٹے تھے) اور عمالقہ اور بنی جرہم کی تعمیر بھی بتائی ہے (روح المعانی صفحہ ٥: ج ٤) بہر حال سب سے پہلی تعمیر فرشتوں نے کی ہو یا حضرت آدم علیہ السلام نے اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ اس پر صادق آتا ہے۔ اور بنائے ابراہیمی بھی بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

بکہ اور مکہ:

آیت بالا میں کعبہ شریف کو بکہ میں بتایا۔ عام طور سے اس شہر کو مکہ کہا جاتا ہے جس میں کعبہ شریف ہے اور سورۃ فتح میں مکہ میم سے وارد ہوا ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ با اور میم قریب المخرج ہیں اور اہل عرب ایک کو دوسری جگہ استعمال کر لیتے ہیں جیسے لازم کو لازب کہتے ہیں۔ لہٰذا مکہ میں با کو میم سے بدل دیا۔ اور بعض حضرات نے دونوں میں فرق بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ بکہ بیت اللہ کی جگہ ہے یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان بکہ ہے اور باقی مکہ ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ پورا حرم مکہ ہے۔ (الجامع اللطیف فی فضل مکۃ وبناء بیت الشریف: ص ١٣٦)

آیات بینات اور مقام ابراہیم:

پھر فرمایا: (فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ) (اس میں آیات بینات ہیں اور مقام ابراہیم ہے) جن آیات کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے بعض آیات تکوینی ہیں اور بعض آیات تشریعی ہیں۔ کعبہ شریف کا مبارک ہونا اور (هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ) ہونا اور جو شخص وہاں داخل ہو جائے اس کا مامون ہونا اور بشرط استطاعت حج کا فرض ہونا یہ تشریعی نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم کا وہاں موجود ہونا (یہ وہ پتھر ہے جو زینہ کا کام کرتا تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے) یہ تکوینی نشانی ہے جو اب تک موجود ہے۔ سب کی نظروں کے سامنے ہے۔ نیز کعبہ شریف کی تکوینی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس کسی نے بھی کعبہ شریف پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا وہ خود تہس نہس ہو گیا۔ اصحاب فیل کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ ابرہہ یمن کا حاکم ہاتھی لے کر حملہ کرنے کے لیے آیا تھا اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیج دیئے جنہوں نے ان پر کنکریاں پھینکیں اور ہاتھی اور ہاتھی والے سب چورہ ہو کر رہ گئے جس کا ذکر سورۂ فیل میں ہے۔

اس ساری تفصیل سے کعبہ شریف کی اولیت اور افضلیت دونوں چیزیں معلوم ہوئیں کیونکہ بیت المقدس میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے نہ بابرکت ہونے میں کعبہ شریف سے زیادہ ہے نہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد حرام سے بڑھ کر ہے۔ نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے نہ ہی وہاں کے داخل ہونے والے کو مامون بتایا نہ وہاں حج کے لیے جانے کا حکم ہے۔ نہ وہاں مقام ابراہیم ہے۔

حرم مکہ کا جائے امن ہونا:

پھر فرمایا: (وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا) (کہ جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ امن سے ہوگا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ شریف بنایا اس وقت دعا کی تھی: (رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا) (کہ اے اللہ اس شہر کو امن والا بنادے) ان کی دعا مقبول ہوئی اور مکہ اور حرم مکہ امن والا بنا دیا گیا۔ اہل عرب آپس میں بہت لڑتے تھے اور ایک دوسرے کو مارتے اور لوٹتے تھے۔ لیکن حدود حرم میں کسی پر حملہ کرنے سے باز رہتے تھے۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا: (اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ) (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے اور حرم والوں کی چاروں طرف لوگ اچک لیے جاتے ہیں) صحیح بخاری صفحہ ۲۴۷: ج ۱ میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے اس شہر کو حرام قرار دے دیا جس دن آسمان وزمین کو پیدا فرمایا۔ اور وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ اس میں مجھ سے پہلے کسی کے لیے جنگ حلال نہیں تھی اور میرے لیے بھی حلال نہیں ہوئی مگر دن کے تھوڑے سے حصہ میں پس وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کی پڑی ہوئی چیز کو اٹھایا جائے الا یہ کہ کوئی شخص اعلان کرنے کے لیے اٹھائے (کہ کسی کی کوئی چیز گری ہو تو وصول کرلے) اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔ وہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اذخر کا استثناء ہونا چاہیے (جو ایک خاص قسم کی گھاس تھی) کیونکہ وہ اہل مکہ کے سناروں کے لیے اور ان کے گھروں (کی چھتوں) کے کام آتی ہے۔ آپ نے فرمایا: الا الا ذخرا، یعنی اذخر کے کاٹنے کی اجازت ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک مکہ کو اللہ پاک نے حرام قرار دیا ہے لوگوں نے اسے حرام قرار نہیں دیا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس میں خون بہائے اور اس کے درخت کاٹے۔ سو اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال کے پیش نظر اپنے لیے رخصت نکالے تو اس سے کہہ دو کہ بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کے لیے اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی اور مجھے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصہ میں اجازت دی ہے اور اس کی حرمت اسی طرح آج واپس آگئی جیسے کل اس کی حرمت تھی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۲: ج ۱)

معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو اس کے پر امن ہونے کی دعا کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اس کا پر امن ہونا پہلے سے چلا آرہا ہے اب بھی اسی طرح باقی رہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کردے یا کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جائے گا۔ اور جو شخص کسی کو حرم سے باہر قتل کردے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا ہاں اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے باہر نکل جائے نہ کوئی شخص اس کے ہاتھ کچھ فروخت کرے نہ اسے کھانے پینے کو دے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر نکل جائے اور وہاں قصاص لیا جائے۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ ہر صورت میں حرم میں قصاص لیا جائے گا۔

(کما ذکرہ الجصاص فی احکام القرآن صفحہ ۲۱: ج ۲)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر حال میں حرم میں قصاص لینا ہے اور امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک بعض صورتوں میں قصاص لینا اور وہ کان آمنا کے خلاف نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ کی پناہ لے لے بیت اللہ اسے پناہ دیدے گا۔ لیکن اگر وہ قتل کر کے آیا ہو تو اس کو نہ ٹھکانہ دیا جائے اور نہ کھلایا پلایا جائے جب باہر نکلے تو اس کی جنایت کا بدلہ لے لیا جائے۔ (ابن کثیر صفحہ ۳۸۴: ج۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق ہے۔

حج کی فرضیت:

پھر فرمایا: (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) (اور اللہ کے لیے لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو وہاں تک راہ طے کر کے پہنچے کی)

اس آیت میں حضرت حفص کی روایت اور حضرت حمزہ اور کسائی کی قراءت حِجُّ الْبَيْتِ حا کے زیر کے ساتھ ہے اور باقی حضرات نے حا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغت فصیح ہیں۔ (ذکرہ البغوی معالم التنزیل)

استطاعت کیا ہے؟

آیت بالا میں ان لوگوں پر حج کرنا فرض بتایا ہے جن کو مکہ معظمہ تک پہنچنے کی طاقت ہو آیت میں جو (مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مَا السَّبِيلُ (کہ سبیل سے کیا مراد ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: زاد و راحلة (کہ سفر خرچ اور سواری) ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا چیز حج کو فرض کرتی ہے آپ نے فرمایا: زَادٌ وَّرَاحِلَةٌ (کہ سفر خرچ اور سواری ہونے سے حج فرض ہو جاتا ہے) دونوں حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۲ میں مذکور ہیں۔

ترک حج پر وعیدیں:

درمنثور صفحہ ۵۶: ج۲ میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے ارادہ کر لیا ہے شہروں میں لوگوں کو بھیجوں وہ ان کو دیکھیں جو مالدار ہیں اور انہوں نے حج نہیں کیا میں ان لوگوں پر جزیہ مقرر کر دوں، یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ نیز حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر لوگ حج کو چھوڑ دیں گے تو میں ان سے قتال کروں گا جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ چھوڑنے پر قتال ہوگا۔

آیت مبارکہ سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حج اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس مکہ معظمہ تک آنے جانے کا اور سفر خرچ کا انتظام ہو، اتنا پیسہ بہت سے لوگوں کے پاس ہوتا ہے مگر حج نہیں کرتے ایسے لوگ وعید پر غور کریں۔

لوگوں نے حج کے بہت سے خرچے اپنے ذمہ لگا لیے ہیں سامان خرید کر لاتے ہیں عزیزوں کو قیمتی ہدایا دیتے ہیں ان سب کو انہوں نے حج کے خرچ میں شمار کر رکھا ہے بہت سے لوگ مر جاتے ہیں اور اس لیے حج نہیں کر پاتے کہ ان کے پاس رواجی

خرچ نہیں ہوتا۔ یا خرچ ہوتا تو ہے لیکن لڑکیوں کی رواجی شادیاں اور دوسرے دنیاوی انتظامات کی وجہ سے حج کرنے میں تاخیر کرتے ہیں ان میں بعض لوگ ایسے وقت حج کرتے ہیں جبکہ بوڑھے کھوسٹ ہوجاتے ہیں۔ احکام حج ادا کرنے سے بوجہ ضعف اور کمزوری قاصر رہتے ہیں اور بعض لوگ گھر بار کے انتظامات کے انتظار میں مرجاتے ہیں اور حج سے رہ جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جسے کسی مجبوری نے یا کسی ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مرگیا اور حج نہ کیا تو اسے چاہیے کہ یہودی ہونے کی حالت میں مرجائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مرجائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۲ عن الدارمی)

بڑے بڑے سیٹھ حج نہیں کرتے اور یوں ہی مرجاتے ہیں لاکھوں روپے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیوں پر ریاکاریوں کے لیے خرچ کرتے ہیں لیکن حج کے لیے رقم خرچ کرنے سے ان کا دل دکھتا ہے۔ اور بعض لوگ تو حج کا مذاق ہی اڑاتے ہیں اور حج کی فرضیت کے منکر ہیں یہ لوگ تو کافر ہی ہیں اور بعض لوگ حج کی فرضیت کے منکر تو نہیں لیکن استطاعت ہوتے ہوئے حج کو جاتے بھی نہیں۔ ایسے لوگوں کو کافر تو نہ کہا جائے گا لیکن کفران عملی میں ضرور مبتلا ہیں جو کوئی آدمی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کرے اپنا ہی کچھ کھوئے گا۔ گنہگار ہوگا اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اسے کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: (وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ) (اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے) فرضیت کا منکر اور جو عملاً منکر ہو آیت کا عموم دونوں کو شامل ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

یہودیوں کی شرارت سے مسلمانوں میں انتشار، اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم:

اوپر سے اہل کتاب کے عقائد فاسدہ اور ان کے شبہات پر کلام چل رہا تھا، درمیان میں بیت اللہ اور حج کا تذکرہ آیا، آگے پھر اہل کتاب ہی سے خطاب ہے جس کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے، کہ ایک یہودی شماس بن قیس مسلمانوں سے بہت کینہ رکھتا تھا، اس نے ایک مجلس میں انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو ایک جگہ مجتمع و متفق دیکھا تو حسد سے بے چین ہوگیا، اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگا، آخر یہ تجویز کی کہ ایک شخص سے کہا کہ ان دونوں قبیلوں میں اسلام سے پہلے جو ایک بڑی جنگ عرصہ دراز تک رہ چکی ہے، اور اس کے متعلق فریقین کے فخریہ اشعار ہیں وہ اشعار ان کی مجلس میں پڑھ دیئے جائیں۔ چنانچہ اشعار کا پڑھنا تھا فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی، اور آپس میں چناں چنیں ہونے لگی، یہاں تک کہ موقع اور وقت لڑائی کا پھر مقرر ہوگیا۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اندھیر ہے، میرے ہوتے ہوئے پھر مسلمان ہونے اور باہم متفق و مانوس ہونے کے بعد یہ کیا جہالت ہے، کیا تم اسی حالت میں کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو؟ سب متنبہ ہوئے اور سمجھا کہ یہ شیطانی حرکت تھی، اور ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی، اس واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس واقعہ کو روح المعانی میں بروایت ابن اسحاق اور ایک جماعت نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے، یہ مضمون کئی آیتوں تک چلا گیا ہے، جس میں اول ملامت ہے ان اہل کتاب پر جنہوں نے یہ کارروائی کی تھی اور یہ ملامت بڑی بلاغت سے کی گئی، کہ اس فعل پر ملامت سے پہلے ان کے کفر پر بھی ملامت کی، جس کا حاصل یہ ہوا کہ چاہئے تو یہ تھا کہ خود بھی

مسلمان ہوجائے نہ یہ کہ دوسروں کے گمراہ کرنے کی فکر میں لگ رہے، پھر خطاب وفہمائش مسلمانوں کو ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ بِاَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَ يُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرَ وَ يُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّقْوٰى عَلٰى هٰذَا فَنُسِخَ بِقَوْلِهٖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ مُوَحِّدُوْنَ وَ اعْتَصِمُوْا تَمَسَّكُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ اَىْ دِيْنِهٖ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا بَعْدَ الْاِسْلَامِ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْعَامَهٗ عَلَيْكُمْ يَا مَعْشَرَ الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ اِذْ كُنْتُمْ قَبْلَ الْاِسْلَامِ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ جَمَعَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ بِالْاِسْلَامِ فَاَصْبَحْتُمْ فَصِرْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا فِى الدِّيْنِ وَالْوَلَايَةِ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا طَرَفِ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ لَيْسَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الْوُقُوْعِ فِيْهَا اِلَّا اَنْ تَمُوْتُوْا كُفَّارًا فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا بِالْاِيْمَانِ كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ الْاِسْلَامِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ الدَّاعُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ النَّاهُوْنَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ الْفَائِزُوْنَ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ لِاَنَّ مَا ذُكِرَ فَرْضُ كِفَايَةٍ لَا يَلْزَمُ كُلَّ الْاُمَّةِ وَلَا يَلِيْقُ بِكُلِّ اَحَدٍ كَالْجَاهِلِ وَقِيْلَ زَائِدَةٌ اَىْ لِتَكُوْنُوْا اُمَّةً وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا عَنْ دِيْنِهِمْ وَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ اَىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ وَهُمُ الْكٰفِرُوْنَ فَيُلْقَوْنَ فِى النَّارِ وَ يُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ يَوْمَ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَفِىْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اَىْ جَنَّتِهٖ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اَىْ هٰذِهِ الْاٰيٰتُ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ بِالْحَقِّ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ بِاَنْ يَّاْخُذَهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ مِلْكًا وَّ خَلْقًا وَّ عَبِيْدًا وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

ع ۸ / ۱۱ / ۲

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر اسلام کی طرف دعوت دیتے رہیں اور نیک کاموں کا حکم دیا کریں اور برے کاموں سے روکتے رہیں اور یہی لوگ جو داعی الی الاسلام امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہوں گے فلاح پائیں گے

کامیاب ہوں گے اور لفظ منکم میں من تبعیضیہ ہے کیونکہ مذکورہ احکام امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے امت کے ہر فرد پر لازم نہیں اور نہ ہر ایک شخص کے لئے مناسب ہے جیسے جاہل مطلب یہ ہے کہ جو معروف ومنکر سے خود جاہل ہے صحیح طور پر علم نہیں وہ اگر دوسروں کو دعوت دیگا تبلیغ کریگا تو بجائے اصلاح کے فساد ہوگا اور ضلوا فاضلوا کا مصداق بنے گا۔ اور بعض کے نزدیک منکم کا من زائدہ ہے یعنی تم سب ایک جماعت ہوکر اسلام کا داعی بن جاؤ، مطلب یہ ہے کہ خطاب تو پوری امت مسلمہ کو ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر ایک پر لازم ہے اگر کوئی اس فرض کو انجام نہیں دیگا تو سب گنہگار ہوں گے کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر جماعت کا فرض ہے مگر ہر شخص اپنی قدرت واستطاعت کے بقدر مکلف ہوگا اگر بعض نے کرلیا تو سب کے سر سے فرض ادا ہو جائے گا یہی مطلب ہے فرض کفایہ کا۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ الخ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے اپنے دین سے اور آپس میں اختلاف کرلیا دین میں ان کے پاس واضح احکام پہونچنے کے بعد مراد ونصاری ہیں اور ان لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے مطلب یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کی طرح مت بنو جو نے حق تعالیٰ کے صاف صاف احکام پہونچنے کے بعد محض اوہام واہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق ہو گئے اور باہمی جنگ وجدال سے عذاب عظیم کے مستحق ہوئے، یہ آیت درحقیقت وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا کا تتمہ ہے يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ الخ اس روز بعضے چہرے صاف وشفاف ہو جائیں گے یعنی قیامت کے روز مؤمنوں کے چہرے روشن ہو جاویں گے اور بعضے چہرے سیاہ ہوں گے سو جن کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے ان سے کہا جائے گا مراد کفار ہیں، چنانچہ یہ جہنم میں ڈال دئے جائیں گے اور ان سے بطور زجر وتوبیخ کہا جائے گا کیا تم لوگوں نے کفر کیا اپنے ایمان لانے کے بعد عہد وقرار لینے کے دن یعنی عہد الست کا وعدہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى تو سب نے ربوبیت کا اقرار کیا، پس ایمان سے مراد اقرار توحید ہے، مزید تفصیل تشریحات میں آئے گی ان شاء اللہ۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ الخ سو عذاب چکھو اپنے کفر کی وجہ سے، اور رہے وہ لوگ جن کے چہرے صاف شفاف ہوں گے مراد ایمان والے ہیں سو وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہوں گے وہ لوگ اس رحمت الٰہی جنت میں ہمیشہ رہیں گے یہ مذکورہ آیات اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں اے محمد ﷺ ٹھیک ٹھیک اور اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتے بایں طور کہ بلا جرم ان کو پکڑ لیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے یعنی سب اللہ ہی کے مملوک مخلوق اور بندے ہیں اور اللہ کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے ترجع میں دو قراءتیں ہیں مفسرؒ نے تَصِيْرُ سے معروف کی طرف اشارہ کیا ہے اس صورت میں معنی ہوں گے سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوں گے کسی کو چھٹکارا اور جائے فرار نہ ہوگا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مُوَحِّدُوْنَ: اس سے اس لیے تفسیر کی کیونکہ موت کے وقت سوائے اس طاعت کے اور کوئی طاعت انجام نہیں دی جا سکتی۔

قوله: دِيْنِهٖ: اسی کو دین کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا، اس لیے کہ دین کو تھامنا یہ سبب نجات ہے جیسا رسی کا تھامنا سبب

سلامتی کا سبب ہے۔

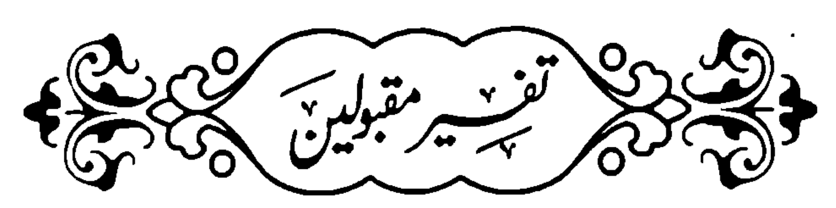
قولہ :بَیْنَ یَدَیْکُمْ :اگر کفر کی حالت میں موت آجاتی تو اس حالت میں آگ میں پڑنے سے تمہارے اور اس کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

قولہ :اَلْاِسْلَام :اَلْخَیْرِ کی تفسیر اسلام سے فرمائی تاکہ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کا عطف اس پر درست ہو جائے۔

قولہ :تَوْبِیْخًا :یعنی ان سے معلومات کے لیے سوال نہ ہوگا بلکہ بطور توبیخ ہوگا۔

قولہ :یَوْمَ اَخْذِ الْمِیْثَاقِ :اس سے اشارہ کیا کہ اس سے مراد تمام کفار ہیں اور ایمان سے فطری ایمان مراد ہے جو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سے لیا گیا۔

قولہ :جَنَّتِہٖ :یہ مجاز ہے اور حال کو ذکر کر کے محل مراد ہے اور رحمت سے تعبیر کر کے بتلایا کہ مؤمن خواہ نیکیوں میں مستغرق ہو جائے تب بھی دخولِ جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے ہوگا۔



یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ....

اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ کا مطلب:

پھر ایمان والوں سے مزید خطاب فرمایا کہ ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ حَقَّ تُقٰتِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اسے یاد کیا جائے بھولا نہ جائے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: حَقَّ تُقٰتِہٖ کا یہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں جیسا کہ جہاد کا حق ہے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں اور انصاف کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہوں اگر اپنے خلاف اور اپنے ماں باپ کے خلاف بھی انصاف کرنا پڑے تو ایسے وقت میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔
(درمنثور صفحہ ۵۹: ج۲)

اسلام پر مرنے اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم اور افتراق کی ممانعت:

نیز فرمایا: (وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ) اور ہرگز مت مرنا مگر اس حال میں کہ مسلمان ہو مطلب یہ ہے کہ آخری دم تک اسلام پر قائم رہنا، مزید فرمایا: (وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا) (کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق مت ہو جاؤ) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی کتاب اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی رسّی ہے اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے تم اس کو مضبوطی سے پکڑ لو کیونکہ اس کے پکڑنے کے بعد

کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے اندر اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں وہ اللہ کی رسی ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اس کو چھوڑا وہ گمراہی پر ہوگا۔ (در منثور صفحہ ۶۰: ج۲)

ان روایات سے جہاں قرآن کو مضبوطی سے تھامنے کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کو چھوڑ دینا گمراہی ہے آیت بالا میں (وَّلَا تَفَرَّقُوْا) بھی فرمایا کہ افتراق نہ کرو اور جدا جدا فرقے نہ بناؤ۔ ایک زمانہ سے مسلمانوں میں فرقہ بندیاں ہیں جس کا سبب قرآن کو چھوڑنا بھی ہے اور قائدین کے اپنے اپنے مفادات بھی ہیں اس افتراق نے دشمنوں کو قابو دے رکھا ہے دشمن جیسے چاہتے ہیں استعمال کر لیتے ہیں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ....

مسلمان کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ خود اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرے۔ نیکیاں کرتا رہے گناہوں سے بچتا رہے اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں کو خیر کی دعوت دیتا رہے اور برائیوں سے روکتا رہے خود نیک بن جانا اسلامی معاشرہ باقی رکھنے کے لیے کافی نہیں ہے دوسروں کو بھی خیر کی دعوت دیتے رہیں اور نیکیوں کا حکم کرتے رہیں اور برائیوں سے روکیں تب اسلامی معاشرہ باقی رہے گا چونکہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات بھی ہیں اور اس کے پیچھے شیطان بھی لگا ہوا ہے اس لیے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات چھوڑ بیٹھتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو صحیح راہ پر باقی رکھنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت:

آیت بالا میں حکم فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر المعروف کرتی ہو اور نہی عن المنکر کرتی ہو، جو کام اللہ کی رضامندی کے ہیں ان کو معروف اور جو کام اللہ کی ناراضگی کے ہیں ان کو منکر کہا جاتا ہے پانچ آیات کے بعد پھر اس کی اہمیت پر زور دیا ہے اور فرمایا ہے: (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) اور سورۃ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (اور مسلمان مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں یہ لوگ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرتے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا۔) اس کے علاوہ دوسری آیات میں بھی قرآن مجید میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور ضرورت بتائی ہے سورۃ توبہ کی آیت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام مؤمنین کی خاص امتیازی صفات ہیں احادیث شریفہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت بتائی گئی ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۵۱: ج۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ)) ''یعنی تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے یعنی برائی کرنے والے کو اپنے

زور کی طاقت سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے (یعنی برائی کرنے سے روک دے) اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ (صرف دل سے برا جان کر خاموش رہ جانا اور ہاتھ یا زبان سے منع نہ کرنا) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر شخص نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کا مامور ہے اپنے گھر کے بڑے، اداروں کے بڑے، کمپنیوں اور فرموں کے ذمہ دار، حکومتوں کے عہدیدار بقدر اپنی قوت اور طاقت کے اس فریضے کو انجام دیں۔ گھر کے لوگ اپنی اولاد کو اور نوکروں کو نیکیوں کی دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے میں پوری قوت استعمال کر سکتے ہیں لیکن افسوس فرائض اور واجبات کا انہیں حکم نہیں دیتے اور گناہوں سے انہیں نہیں روکتے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا ....

یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام و اہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہو گئے۔ آخر فرقہ بندیوں نے انکے مذہب و قومیت کو تباہ کر ڈالا، اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے۔

اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم و مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کئے جائیں۔ افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف و صریح اور مسلّم و محکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ تاہم اسی طوفان بے تمیزی میں اللہ و رسول کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بحمد اللہ خدا کی رسّی کو مضبوط تھامے ہوئے مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِیْ کے مسلک پر قائم ہے اور تا قیام قیامت قائم رہے گی۔ باقی فروعی اختلافات جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں، انکو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں، اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ، نے اپنی تصانیف میں کافی وشافی بحث کی ہے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ....

یعنی بعضوں کے چہرہ پر ایمان و تقویٰ کا نور چمکتا ہو گا اور عزت و وقار کے ساتھ شاداں و فرحاں نظر آئیں گے۔ انکے برخلاف بعضوں کے منہ کفر و نفاق یا فسق و فجور سے کالے ہوں گے، صورت سے ذلت و رسوائی ٹپک رہی ہو گی۔ گویا ہر ایک کا ظاہر باطن کا آئینہ بن جائے گا۔

سیاہ چہرے والے اور سفید چہرے والے کون لوگ ہیں:

ان لوگوں کی تعیین میں مفسرین کے متعدد اقوال مذکور ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہلسنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے سیاہ ہوں گے، حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کے چہرے سفید ہوں گے اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (قرطبی)

امام ترمذی نے حضرت ابوامامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں، یعنی سیاہ چہرے خوارج کے ہوں گے اور سفید چہرے ان لوگوں کے ہوں گے جن کو وہ قتل کریں گے۔ فقال ابو امامة کلاب النار شر قتلی تحت ادیم السماء وخیر قتلی من قتلوہ ثم قراء، یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ۔ ابوامامہ سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ نے یہ حدیث حضور ﷺ سے سنی ہے تو آپ نے جواب میں شمار کر کے بتلادیا کہ اگر حضور سے میں نے سات مرتبہ یہ حدیث سنی ہوئی نہ ہوتی تو میں بیان نہ کرتا۔ (ترمذی)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ سیاہ چہرے اہل کتاب کے ان لوگوں کے ہوں گے جو آپ ﷺ کی بعثت سے قبل تو آپ کی تصدیق کرتے تھے لیکن جب آپ مبعوث ہوئے تو بجائے آپ کی تائید ونصرت کرنے کے الٹا تکذیب کرنی شروع کردی۔ (تفسیر قرطبی)

كُنْتُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى **خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ** اُظْهِرَتْ **لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ** بِاللّٰهِ **لَكَانَ** الْاِيْمَانُ **خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ** كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَّاَصْحَابِهٖ **وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾** الْكَافِرُوْنَ **لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ** اَيِ الْيَهُوْدُ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ بِشَيْءٍ **اِلَّاۤ اَذًى ؕ** بِاللِّسَانِ مِنْ سَبٍّ وَّوَعِيْدٍ **وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟** مُنْهَزِمِيْنَ **ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾** عَلَيْكُمْ بَلْ لَكُمُ النَّصْرُ عَلَيْهِمْ **ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا** حَيْثُمَا وُجِدُوْا فَلَا عِزَّ لَهُمْ وَلَا اعْتِصَامَ **اِلَّا** كَائِنِيْنَ **بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ** الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُوَ عَهْدُهُمْ اِلَيْهِمْ بِالْاِيْمَانِ عَلٰى اَدَاءِ الْجِزْيَةِ اَيْ لَا عِصْمَةَ لَهُمْ غَيْرُ ذٰلِكَ **وَ بَآءُوْ** رَجَعُوْا **بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ** اَيْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ **كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ** تَاْكِيْدٌ **بِمَا عَصَوْا** اَمْرَ اللّٰهِ **وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾** يَتَجَاوَزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ **لَيْسُوْا** اَيْ اَهْلُ الْكِتٰبِ **سَوَآءً ؕ** مُسْتَوِيْنَ **مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ** مُسْتَقِيْمَةٌ ثَابِتَةٌ عَلَى الْحَقِّ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَّاَصْحَابِهٖ **يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ** اَيْ فِيْ سَاعَاتِهٖ **وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾** يُصَلُّوْنَ حَالٌ **يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ **مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾** وَمِنْهُمْ مَنْ لَيْسُوْا كَذٰلِكَ وَ لَيْسُوْا مِنَ

الصّٰلِحِيْنَ وَمَا يَفْعَلُوْا بِالتَّاءِ اَيَّتُهَا الْاُمَّةُ وَبِالْيَاءِ اَيِ الْاُمَّةُ الْقَائِمَةُ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ بِالْوَجْهَيْنِ اَيْ
تُعْدَمُوْا ثَوَابَهُ بَلْ تُجَازُوْنَ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ تُدْفَعَ عَنْهُمْ
اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اَيْ عَذَابِهِ شَيْئًا وَخَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ يَدْفَعُ عَنْ نَّفْسِهٖ
تَارَةً بِفِدَاءِ الْمَالِ وَتَارَةً بِالْاِسْتِعَانَةِ بِالْاَوْلَادِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ صِفَةُ
مَا يُنْفِقُوْنَ اَيِ الْكُفَّارُ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِيْ عَدَاوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ صَدَقَةٍ وَنَحْوِهَا
كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ حَرٌّ اَوْ بَرْدٌ شَدِيْدٌ اَصَابَتْ حَرْثَ زَرْعَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ وَالْمَعْصِيَةِ
فَاَهْلَكَتْهُ فَلَمْ يَنْتَفِعُوْا بِهٖ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُهُمْ ذَاهِبَةٌ لَا يَنْتَفِعُوْنَ بِهَا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ بِضَيَاعِ نَفَقَاتِهِمْ وَ
لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ بِالْكُفْرِ الْمُوْجِبِ لِضَيَاعِهَا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً اَصْفِيَاءَ
تَطَّلِعُوْنَهُمْ عَلٰى سِرِّكُمْ مِّنْ دُوْنِكُمْ اَيْ غَيْرِكُمْ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالْمُنَافِقِيْنَ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا نُصِبَ
بِنَزْعِ الْخَافِضِ اَيْ لَا يُقَصِّرُوْنَ لَكُمْ جُهْدَهُمْ فِي الْفَسَادِ وَدُّوْا تَمَنَّوْا مَا عَنِتُّمْ اَيْ عَنَتَكُمْ وَهُوَ شِدَّةُ
الضَّرَرِ قَدْ بَدَتِ ظَهَرَتِ الْبَغْضَآءُ الْعَدَاوَةُ لَكُمْ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ بِالْوَقِيْعَةِ فِيْكُمْ وَاِطْلَاعِ الْمُشْرِكِيْنَ
عَلٰى سِرِّكُمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ مِنَ الْعَدَاوَةِ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ عَلٰى عَدَاوَتِهِمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ذٰلِكَ فَلَا تُوَالُوْهُمْ هٰٓاَنْتُمْ لِلتَّنْبِيْهِ يَا اُولَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ لِقَرَابَتِهِمْ مِنْكُمْ وَ
صَدَاقَتِهِمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ لِمُخَالَفَتِهِمْ لَكُمْ فِي الدِّيْنِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ اَيْ بِالْكُتُبِ كُلِّهَا وَلَا
يُؤْمِنُوْنَ بِكِتَابِكُمْ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ اَطْرَافَ الْاَصَابِعِ مِنَ
الْغَيْظِ شِدَّةِ الْغَضَبِ لِمَا يَرَوْنَ مِنِ ائْتِلَافِكُمْ وَيُعَبَّرُ عَنْ شِدَّةِ الْغَضَبِ بِعَضِّ الْاَنَامِلِ مَجَازًا وَاِنْ لَّمْ
يَكُنْ ثَمَّ عَضٌّ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اَيْ اِبْقَوْا عَلَيْهِ اِلَى الْمَوْتِ فَلَنْ تَرَوْا مَا يَسُرُّكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ وَمِنْهُ مَا يُضْمِرُهُ هٰٓؤُلَاءِ اِنْ تَمْسَسْكُمْ تُصِبْكُمْ حَسَنَةٌ نِعْمَةٌ
كَنَصْرٍ وَغَنِيْمَةٍ تَسُؤْهُمْ تُحْزِنْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ كَهَزِيْمَةٍ وَجَدْبٍ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَجُمْلَةُ

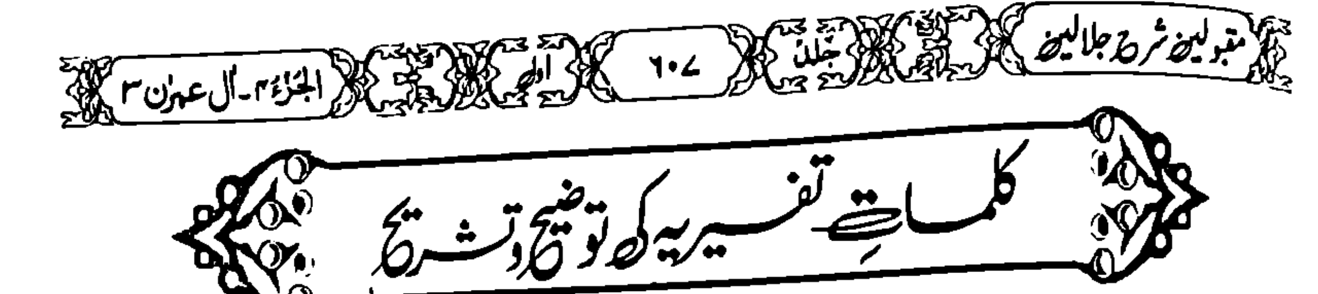
الشَّرْطِيَّةِ مُتَصِلَةٌ بِالشَّرْطِ قَبْلُ وَمَا بَيْنَهُمَا اعْتِرَاضٌ وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ مُتَنَاهُوْنَ فِيْ عَدَاوَتِكُمْ فَلِمَ تُوَالُوْنَهُمْ فَاجْتَنِبُوْهُمْ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا عَلٰى اَذَاهُمْ وَ تَتَّقُوا اللّٰهَ فِي مَوَالَاتِهِمْ وَغَيْرِهَا لَا يَضُرُّكُمْ بِكَسْرِ الضَّادِ وَسُكُوْنِ الرَّاءِ وَضَمِّهَا وَتَشْدِيْدِهَا كَيْدُهُمْ شَيْئًا ط اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ عَالِمٌ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ

ع ۱۲ / ۱۱

ترجمہ: تم لوگ ہوائے امت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے علم میں بہترین امت جو پیدا کی گئی ہے ظاہر کی گئی ہے انسانوں کے فائدے کے لئے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو یہاں ایمان باللہ سے مراد ہر اس چیز پر ایمان لانا ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تمہاری طرح تو ان کے لئے ایمان لانا بہتر ہوتا کیونکہ اس وقت یہ بھی خَيْرَ اُمَّةٍ میں شامل ہو جاتے مگر ان میں سے کچھ ہی لوگ ایمان والے ہیں جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے اصحاب یہود میں سے نیز نجاشی نصرانیوں میں سے اور زیادہ تر ان میں سے فاسق کافر ہیں، وہ یعنی یہود تم کو ہرگز کوئی ضرور نہ پہنچا سکیں گے اے مسلمانو! سوائے معمولی تکلیف کے یعنی زبان سے برا بھلا کہہ کر اور دھمکی دے کر اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے یعنی شکست کھائیں گے پھر کسی طرف سے ان کی امداد بھی نہ ہوگی یعنی تمہارے خلاف ان کی مدد نہ ہوگی بلکہ تمہاری مدد ہوگی ان کے خلاف مطلب یہ ہے کہ فتح تمہاری ہی ہوگی مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت جہاں بھی پائے جائیں یعنی یہ یہود جہاں کہیں پائے جائیں نہ ان کے لئے عزت ہے اور نہ ہی کوئی حفاظت، مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ایسے ذریعہ کے سبب جو لوگوں کی طرف سے ہے یعنی مسلمانوں کی طرف، حبل من اللہ، اللہ کی جانب سے ذریعہ ایمان و اسلام کی توفیق ہے مطلب یہ ہے کہ اسلام لا کر اس ذلت سے نکل سکتے ہیں، حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ لوگوں یعنی مسلمانوں کے عہد سے مطلب یہ ہے کہ مسلمان سے امن طلب کر کے معاہد بن جائیں، تو معاہدہ صلح کے ذریعہ جان و مال محفوظ ہو جائے گا، خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام حقیقتاً قبول کر لیں اور مخلص مؤمن ہو جائیں یا حکماً اسلام قبول کر لیں کہ جزیہ دے کر امن حاصل کر لیں یہی مطلب ہے مفسر علام کی اس عبارت کا وھو عهدهم اليهم بالامان على اداء الجزية اور وہ یعنی مسلمانوں کی پناہ ان یہودیوں کا مسلمانوں سے امان کا عہد ہے ادائے جزیہ پر" اس ذریعہ کے علاوہ کوئی صورت ان کے بچاؤ کی نہیں ہے وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ باؤا بمعنی رَجَعُوْا ہے یعنی پھر آئے ہیں وہ گھر چکے ہیں اللہ کے غضب میں اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ یہود کی کنجوسی کا حال یہ ہے کہ مالدار ہونے کے باوجود مال کو چھپائے رکھتے ہیں اور مفلسی دکھا کر بھیک مانگتے ہیں یہ اس وجہ سے ہوا بِاَنَّهُمْ بمعنی بِسَبَبِ اَنَّهُمْ ہے کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے رہے ہیں اور پیغمبروں کو قتل کرتے تھے ناحق، یہ ذلت و غضب ماقبل کی تاکید کے لئے ذالک ہے۔ اس وجہ سے بھی ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اللہ کے حکم کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے حلال سے حرام کی طرف تجاوز کر جاتے تھے لَيْسُوْا سَوَآءً الخ یہ یعنی اہل کتاب سب برابر نہیں سواء مصدر بمعنی مستوین ہے مفسرؒ نے ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے کہ سَوَآءً، لَيْسُوْا کی خبر ہے اس

لئے جمع ہونا چاہئے اس کا ازالہ کر دیا کہ اصل میں مستوین کے معنی میں ہے اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے جو قائم ہے یعنی راہ راست پر ہے اور دین حق پر ثابت قدم ہے جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب" وہ اللہ کی آیتیں قرآن حکیم پڑھتے ہیں اوقات شب یعنی رات کی گھڑیوں میں ایسی حالت میں وہ نماز پڑھتے ہیں یَسْجُدُوْنَ بمعنی یُصَلُّوْنَ ہے اور حال ہے یعنی جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے اور اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں پیش قدمی کرتے ہیں اور یہ لوگ مذکورہ اوصاف والے صالحین میں سے ہیں اور ان اہل کتاب میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو ایسے نہیں ہیں اور نہ ہی صالحین میں سے ہیں۔ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ اور یہ لوگ یعنی صالحین اہل کتاب جو نیکی بھی کریں گے ہرگز اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی مفسر سیوطیؒ نے "بالتاء سے اختلاف قراءت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک قراءت تاء کے ساتھ ہے وَمَا یَفْعَلُوْا اس صورت میں خطاب عام امت محمدیہ کو ہے اور اشارہ ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ کی طرف معنی ہوگا کہ اے امت محمدیہ تم جو بھی نیک کام کرو گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اسی کی طرف مفسرؒ نے اَیَّتُھَا الْاُمَّۃُ سے اشارہ کیا ہے۔ دوسری قراءت "وَ بِالْیَاءِ" سے بتا رہے ہیں مراد امت قائمہ ہے یعنی اہل کتاب میں سے جو صالحین ہیں اور اسی یاء کی قراءت قراءت حفص کو ترجمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ فلن یکفروہ بالْوَجْھَیْنِ یعنی تاء اور یاء دونوں طریقہ پر یہاں بھی ہے یعنی اس نیکی کا ثواب ختم نہیں کیا جائے گا محروم نہیں کئے جائیں گے بلکہ اس کا بدلہ دیا جائے گا یعنی آخرت میں اور اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو خوب جانتے ہیں، بیشک جو لوگ کافر ہے ہرگز کام نہ آوینگے حفاظت کر سکیں گے ان کے مال اور نہ اولاد اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں ذرا بھی مفسرؒ نے اَیْ مِنْ عَذَابِہٖ سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور مال و اولاد کو خاص کر کے اس لئے ذکر کیا ہے کہ انسان اپنا بچاؤ کرتا ہے کبھی تو مال کا فدیہ دے کر اور کبھی اولاد سے مدد حاصل کر کے اور وہی لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ حالت اس مال کی مثل بمعنی صفت و حالت ہے جو یہ کفار خرچ کر رہے ہیں اس دنیاوی زندگانی میں نبی اکرم ﷺ کی دشمنی میں یا محتاجوں پر صدقہ و خیرات اور صلہ رحمی کر کے اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا گرم ہوا یعنی لو ہو یا سخت ٹھنڈی ہوا یعنی پالا ہو وہ لگ جائے ایسے لوگوں کے کھیت کو حَرْثَ بمعنی زَرْعَ یعنی کھیت ہے جنہوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہو کفر اور معصیت کی وجہ سے پس وہ ہوا اس کھیت کو برباد کر ڈالے کہ لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں پس اسی طرح ان کافروں کے نفقات بیکار و ضائع ہوں گے کہ جس سے فائدہ نہیں حاصل کر سکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے ان کے خرچوں کو ضائع کر کے ولیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں اس کفر کے ارتکاب سے جو سبب ہے نفقات کی بربادی کا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اپنے لوگوں مسلمانوں کے سوا دوسروں کو راز دار مت بناؤ یعنی مت بناؤ ایسا قلبی دوست یہود، نصاریٰ اور منافقین میں سے کہ انہیں راز و بھید سے واقف کر دو وہ لوگ تمہارے لئے کوئی کمی نہیں کرتے فساد کرنے میں یہ منصوب بنزع الْخَافِضِ ہے اَیْ لَا یالون لکم فِی الْفَسَادِ یعنی تمہارے لئے شر و فساد کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے وہ پسند کرتے ہیں تمنا رکھتے ہیں تمہاری مضرت یعنی تمہاری تکلیف اور شدت ضرر کو محبوب رکھتے ہیں کبھی نکل پڑتی ہے ظاہر ہو جاتی ہے دشمنی تم سے جو عداوت ہے ان کے منہ سے تمہاری غیبت کر کے اور تمہارے بھید پر

مشرکوں کو خبر کرنے میں دشمنی ظاہر ہو جاتی ہے اور جو کچھ عداوت ان کے دلوں میں مخفی ہے وہ بہت بڑھ کر ہے، ہم نے تمہارے سامنے بیان کر دی ہیں علامتیں ان کی عداوت کے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اس کی اسلئے ان خبیثوں کو دلی دوست بناؤ سن لو ھا تنبیہ کے لئے ہے تم تو اے مسلمانو ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو ان سے تمہاری قرابت اور دوستی کی وجہ سے مگر وہ لوگ تم سے محبت نہیں رکھتے ہیں تم سے دین کے اندر مخالفت کی وجہ سے حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے اور جب وہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں منافقین تو کہتے ہی تھے عام یہود و نصاریٰ بھی دوران گفتگو میں اٰمَنَّا ہم ایمان لا چکے ہیں کہہ کر یہ مطلب لے لیتے تھے کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں یعنی جب مسلمانوں سے جدا ہو کر اپنے ہم مشرب لوگوں میں جا ملتے ہیں تو تمہارے خلاف انگلیاں یعنی انگلیوں کے سرے کاٹتے ہیں مارے غیظ کے، جب یہ تمہاری باہمی الفت و محبت کو دیکھتے ہیں تو شدت غضب کی وجہ سے حسد کے مارے جل بھنتے ہیں شدت غضب کی تعبیر عض اناملِ انگلیاں کاٹنے سے مجاز ہے اگرچہ حقیقتاً انگلیوں کا کاٹنا نہ ہوا ہو آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے غصہ میں جل کر مرو یعنی مرتے تم تک اسی حال میں رہو تم ہرگز خوش کن حال نہیں دیکھ سکو گے کیونکہ حق تعالیٰ اسلام کو سربلند کر کے رہے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں سینے والی باتوں کو یعنی دلوں کی باتوں کو اور اسی میں سے ان کا وہ حسد و غصہ ہے جس کو یہ لوگ دلوں میں چھپاتے ہیں حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں اگر تم کو کوئی بھلائی ملتی ہے یعنی کوئی نعمت تم کو حاصل ہوتی ہے جیسے غیبی مدد اور مال غنیمت کا حصول تو ان کو برا لگتا ہے انہیں رنج ہوتا ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہونچتی ہے جیسے شکست و قحط تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جملہ شرطیہ یعنی اِنْ تَمْسَسْكُمْ الخ ماقبل کی شرط وَ اِذَا لَقُوْكُمْ سے متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان یعنی قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور جملہ معترضہ ہے اور حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ یہ تمہاری عداوت و دشمنی میں انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں پھر تم ان سے دوستی کیوں کرتے ہیں پس تم ان لوگوں سے پرہیز کرو اور اگر تم صبر کرتے رہو گے ان کی اذیتوں پر اور ڈرتے رہو گے اللہ تعالیٰ سے ان کی موالات سے اور اس کے علاوہ ممنوعات سے تو ان لوگوں کی تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ لَا يَضُرُّكُمْ میں دو قراءت ہے ایک قراءت بِكَسْرِ الضَّادِ وَ سُكُوْنِ الرَّاءِ ہے یعنی ضاد کو کسرہ کے ساتھ اور دوسری قراءت ضاد کو ضمہ اور راء کو تشدید کے ساتھ، پہلی صورت میں باب ضرب یضرب سے ضار یضیر سے ہے جو دراصل یضیر بروزن یغلب تھا، یاء پر کسرہ دشوار سمجھ کر نقل کر کے ماقبل کو دیا اور چونکہ جواب شرط کی وجہ سے راء حالت جزم میں ہے اس لئے اجتماع ساکنین کی وجہ سے یاء کو ساقط کر دیا۔ دوسری صورت میں ضر یضر از باب نصر ہے اصل میں یضرر بروزن ینصر تھا راء کے ضمہ کو نقل کر کے ماقبل کو دیکر پہلی راء کو دوسرے میں مدغم کر دیا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ بلاشبہ اللہ تعالیٰ احاطہ رکھتے ہیں جو کچھ وہ کر رہے ہیں يَعْمَلُوْنَ یاء اور تاء کے ساتھ ہے اگرچہ تاء کے ساتھ قراءت شاذہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے باخبر ہے سو ان کو سزا دے گا۔



قوله: فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى: یہاں علم کو اس وجہ سے مقدر مانا۔ (۱) ماضی کے معنی کو پختہ کرنے کے لیے، (۲) علم الٰہی پر عدم سابق ولاحق کسی کا بھی اثر نہیں۔

قوله: بِشَيْءٍ: اس سے اشارہ کیا کہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔

قوله: كَائِنِيْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ ظرف محل نصب میں حالیت کی وجہ سے واقع ہے اور با کا متعلق محذوف ہے۔

قوله: يُصَلُّوْنَ: یہ اس قسم سے ہے جزء ذکر کر کے کل کا ارادہ کرنا اور راتوں کے دوران سجود کے ساتھ تلاوت کی تعبیر اور زیادہ وضاحت کے لیے ہے۔

قوله: تُعْدِمُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ يُكْفَرُوْهُ مفعول کی طرف متعدی ہے کیونکہ عدم وحرمان کا معنی ضمن میں لیے ہوئے ہے۔

قوله: صِفَةُ: اس سے اشارہ ہے کہ مَثَلُ کا یہاں وصفی معنی ہے نہ کہ مشہور معنی مشابہت۔

قوله: غَيْرِكُمْ: مطلب یہ ہے کہ دُوْنِ یہاں قریب کے معنی میں ہے، نیچے کے معنی میں نہیں۔

قوله: بِالْوَقِيْعَةِ: تمہارے حق میں ان کے کلام میں واقعہ ہونے کے باعث

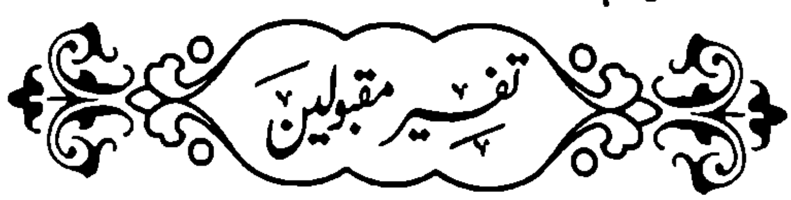
قوله: فَلَا تُوَالُوْهُمْ: یہ شرط مقدر کی جزاء ہے نہ کہ مقدم کی۔

قوله: اَبْقُوْا عَلَيْهِ: اشارہ ہے کہ یہ بددعا ہے کہ اللہ کرے وہ اسی پر مریں، یہ امر نہیں۔

قوله: بِمَا فِي الْقُلُوْبِ: دراصل محل بول کر حال مراد لیا۔

قوله: تُصِبْكُمْ: یہاں مس کو استعارہ کے طور پر اصابت کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ورنہ اس کا استعمال حسنہ وسیئہ کے پالینے میں نہیں ہوتا۔

قوله: عَالِمٌ: احاطہ سے احاطۂ علمیہ ہے۔



كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ....

امت محمدیہ کی امتیازی صفات:

اس آیت شریفہ میں امت محمدیہ کو (خَيْرَ اُمَّةٍ) فرمایا ہے اور اس امت کا نبی بھی خیر الانبیاء اور سید الانبیاء ہے۔ جس کا آیت (لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ) میں ذکر فرمایا ہے، نیز آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا: ((اَنَا سید ولد آدم یوم

القیامة)) کہ میں قیامت کے دن آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا۔ (رواہ مسلم ۲۴۵: ج ۲) نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں اور اس دن آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور نبی ہو سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی (یعنی قبر سے سب سے پہلے ظاہر ہوں گا) اور میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں۔
(رواہ الترمذی کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳)

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت: (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ ستر ویں (۷۰) امت کو پورا کر رہے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے بڑھ کر اکرم ہو (قال الترمذی ہذا حدیث حسن) اس امت کو خیر الامم بتاتے ہوئے اس کے اوصاف بھی بتا دیئے اور وہ یہ کہ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ معلوم ہوا کہ اس امت کا طرہ امتیاز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امت کا ہر فرد اس کام میں لگے البتہ اس میں تفصیلات ہیں کہ کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ کبھی واجب اور کبھی سنت۔ روح المعانی (صفحہ ۲۸: ج ۴) میں حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا: یا ایھا الناس من سرہ ان یکون من تلکم الامة فلیؤد شرط اللہ تعالی و اشار بذالک الی قولہ سبحانہ تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر۔

گزشتہ رکوع میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت اور ضرورت اور اہمیت بیان ہو چکی ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے یہاں یہ بات بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ: تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کو کیوں مؤخر کیا جبکہ ایمان ہر عمل سے مقدم ہے۔ اور ہر عمل کے قبول ہونے کے لیے شرط ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس سلسلہ میں تین باتیں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مقصود بالبیان اس جگہ پر چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اس لیے ان دونوں کو مقدم کیا۔ لیکن پھر ایمان کا تذکرہ بھی فرما دیا ہے کہ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ، اس لیے فرمایا کہ آگے اہل کتاب سے جو کلام متعلق ہے اس سے مرتبط ہو جائے۔

اکثر اہل کتاب فرمانبرداری سے خارج ہیں:

اہل ایمان کا ذکر فرما کر اہل کتاب کا ذکر فرمایا: (وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ) (اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا) اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد آپ سے پہلے جس کسی نبی یا جس کسی کتاب سماوی پر کسی کا ایمان تھا یا اب ہے وہ معتبر نہیں ہے جب تک کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان نہ ہو۔ پھر فرمایا اہل کتاب میں بعض مؤمن ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور بعض دیگر اہل کتاب (جنہوں نے حق کو قبول کیا اور دنیاوی منافع نے ان کو حق سے نہیں روکا) اور اہل کتاب میں اکثر اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہیں، یعنی کافر ہیں۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا ....

یہ آیتیں اہل کتاب میں سے خاص یہود کے متعلق معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ سیاق کلام اور قرآن کی دوسری آیات سے ظاہر

ہے یعنی یہود پر ہمیشہ کے لئے ذلت کی مہر کر دی گئی ۔ یہ بد بخت جہاں کہیں پائے جائیں، ذلت کا نقش ان سے محو نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی یہود بھی آزادی وخودمختاری سے اپنے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ ان کی آزاد حکومت کسی جگہ نہیں سوائے دستاویز اللہ کے یعنی بعض بچی کھچی رسمیں تورات کی عمل میں لاتے ہیں اسکے طفیل سے پڑے ہیں اور سوائے دستاویز لوگوں کے یعنی کسی کی رعیّت میں اسکی پناہ میں پڑے ہیں (کذا فی الموضح) بعض مفسرین نے حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا عہد مراد لیا ہے یعنی بجز اس کے کہ مسلمانوں سے عہد کر کے خدا کے ذمہ میں آجائیں ۔بعض کہتے ہیں کہ بحبل من اللہ سے اسلام مراد ہے یعنی اسلام لاکر اس ذلت سے نکل سکتے ہیں یا معاہد بن کے، کیونکہ معاہدہ بھی جان و مال کی طرف مامون کر دیتا ہے ۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴿۱۱۲﴾

یعنی نافرمانی کرتے کرتے حد سے نکل گئے جس کا انتہائی اثر یہ تھا کہ اللہ کی صریح آیتوں کے انکار اور معصوم پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہو گئے ۔ اسی مضمون کی آیت سورۃ بقرہ پارہ الٓمٓ میں گزر چکی ہے ۔ وہاں تفصیل ملاحظہ کی جائے ۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۚ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ....

یعنی سب اہل کتاب کا حال یکساں نہیں ۔ اتنے بروں میں کچھ اچھے بھی ہیں ۔ ان ہی مسوخ اشقیاء کے درمیان چند سعید روحیں ہیں جن کو حق تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی اور وہ اسلام کی آغوش میں آگئے اور جادہ حق پر ایسے مستقیم ہو گئے کہ کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی ۔ وہ رات کی تاریکی میں میٹھی نیند اور نرم بستر ے چھوڑ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں ۔ اپنے مالک کے سامنے خضوع و تذلل اختیار کرتے ہیں ۔ جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں، نماز میں اس کا کلام پڑھتے ہیں ۔ اللہ پر اور یوم آخرت پر ٹھیک ٹھیک ایمان لاتے ہیں، خالص توحید کے قائل ہیں، قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور جب کسی نیک کام کی طرف پکارا جائے دوڑ کر دوسروں سے آگے نکلنا چاہتے ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ خود راہ راست پر ہیں، دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر لانا چاہتے ہیں بلاشبہ ان یہود میں سے یہ لوگ ہیں جن کو خدا نے نیک بختی اور صلاح و رُشد کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے ۔ یہ عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھیوں کا ذکر ہوا۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا....

صالحین و متقین کے بالمقابل یہاں کافروں کے حال و انجام کا ذکر فرماتے ہیں کہ کافر جو کچھ مال و قوت دنیا میں خرچ کرے، خواہ اپنے نزدیک بڑا ثواب اور خیرات کا کام سمجھ کر کرتا ہو، آخرت میں اسکی کوئی قدر و قیمت اور پرسش نہیں ۔ کیونکہ ایمان و معرفت صحیحہ کی روح نہ ہونے سے اس کا ہر ایک عمل بے جان اور مردہ ہے ۔ اسکی جزاء بھی ایسی ہی فانی و زائل اس دار فانی میں مل ملا رہے گی ۔ عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان و ایقان ہے اس کے بدون عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا، اور اسکو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا، چند روز اسکی سرسبزی و شادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ امیدیں باندھتا رہا ۔ یکایک اسکی شرارت و بد بختی سے سرد ہوا چلی، برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری لہلہاتی کھیتی جلا

کررکھ دی آخر اپنی کلی تباہی وبربادی پر کف افسوس ملتارہ گیا، نہ امیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اسکی پیداوار سے منتفع ہوا۔ اور چونکہ یہ تباہی ظلم وشرارت کی سزا تھی، اس لئے اس مصیبت پر کوئی اجر اخروی بھی نہ ملا، جیسا کہ مؤمنین کو ملتا ہے۔ بعینہ یہ مثال ان کفار کی ہے جو کفر وشرک پر قائم رہتے ہوئے اپنے خیال میں بہت پُن خیرات کرتے ہیں، باقی وہ بدبخت جن کا زور و قوت اور پیسہ حق اور اہل حق کی دشمنی یا فسق وفجور میں خرچ ہوتا ہو ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ نہ صرف بیکار خرچ کر رہے ہیں، بلکہ روپیہ خرچ کر کے اپنے لئے اور زیادہ وبال خرید رہے ہیں ان سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ مال ہو یا اولاد کوئی چیز عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گی اور نہ متقین کے مقابلہ پر وہ اپنی توقعات میں کامیاب ہوں گے۔

(تنبیہ) ریح کا لفظ مفرد قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔ (رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ) (الاحقاف:24) اور (وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا) (الروم:51) اور (اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا) (القمر:19) اور رحمت کے موقع پر جمع کا لفظ ریاح لائے ہیں (يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ) (الروم:46) (وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ) (الحجر:22) (يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا) (الاعراف:57) کذا ذکرہ ابو حیان۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ....

کافروں کو رازدار نہ بناؤ:

ان آیات میں دشمنان اسلام کی دشمنی کو خوب زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا ہے اور چونکہ وہ دشمن ہیں اس لیے دشمن سے دشمنی ہی کی امید رکھی جا سکتی ہے سب سے پہلے ارشاد فرمایا کہ اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا رازدار مت بناؤ وہ تمہیں بگاڑنے اور خراب کرنے میں ذرا سی بھی کسر نہ چھوڑیں گے اور اس میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھیں گے۔

مسلمانوں کی بدحالی:

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی اس نصیحت کے خلاف کیا ہے مسلمانوں نے مار کھائی، دشمن اسی طریقہ سے قابو پاتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کو مال دے کر یا عہدے دے کر اپنا ہمنوا بنا لیتا ہے یہ مال کے لالچی اور عہدوں کے حریص دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی خفیہ باتیں سب اگل دیتے ہیں، دشمنوں نے مسلمانوں کے ملکوں میں مسلمانوں میں سے ایسے جاسوس بنا رکھے ہیں جو ہر چھپی ڈھکی بات اور ہر خفیہ مشورہ دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حکومتیں زیر وزبر ہوتی رہتی ہیں، اہم افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلام کو اور مسلمان کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔

کافروں کو خیر خواہ سمجھنے کی بیوقوفی:

دشمن سے تو کبھی بھی کسی طرح کی دوستی کرنے کی گنجائش ہی نہیں مسلمانوں کی بعض حکومتیں دشمنوں کے بل بوتے پر قائم ہیں اور اس ڈر سے کہ وہ حکومت کسی اور کو نہ دلا دیں دشمنوں کی ہر بات مانتے ہیں اور جس طرح دشمن کہتے ہیں اسی طرح کرتے ہیں۔

دشمنوں نے سمجھا رکھا ہے کہ عوام کو بہکانے کے لیے کہتے رہو کہ ہم اسلام قائم کریں گے، اگر کوئی شخص واقعی اسلام لانے لگے تو وہ مقتول یا معزول ہو جاتا ہے دشمن کے سہارے اقتدار لے کر بیٹھنا ہی اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ دشمن تو مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہیں جیسا کہ رب العزت جل شانہٗ نے فرمایا ودوا ما عنتم کفر ملت واحدہ ہے سارے کافر خواہ کسی بھی دین سے تعلق رکھتے ہوں اندر سے سب ایک ہیں اور مسلمانوں کے دشمن ہیں جب بھی موقعہ آتا ہے ان کی وحدت کا مظاہرہ ہو جاتا ہے ان میں سے بہت سے لوگ صاف اور صریح الفاظ میں اسلام دشمنی کا اعلان کر بھی دیتے ہیں جیسا کہ زمانہ نبوت میں یہودیوں نے کیا تھا اسی کو فرمایا: (قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ) (کہ ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں سے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے)۔

مسلمانوں کو بار بار جھنجھوڑ کر ارشاد فرمایا: (قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ) (کہ بلاشبہ ہم نے تمہارے لیے آیات بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو)۔

وَاذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ تُبَوِّئُ تُنْزِلُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ مَرَاكِزَ يَقِفُوْنَ فِيْهَا لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لِاَقْوَالِكُمْ عَلِيْمٌ ۙ﴿١٢١﴾ بِاَحْوَالِكُمْ وَهُوَ يَوْمُ اُحُدٍ خَرَجَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَلْفٍ اَوْ اِلَّا خَمْسِيْنَ رَجُلًا وَالْمُشْرِكُوْنَ ثَلَاثَةُ اٰلَافٍ وَنَزَلَ بِالشِّعْبِ يَوْمَ السَّبْتِ سَابِعَ شَوَّالٍ سَنَةَ ثَلَاثٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَجَعَلَ ظَهْرَهٗ وَعَسْكَرَهٗ اِلَى اُحُدٍ وَسَوّٰى صُفُوْفَهُمْ وَاَجْلَسَ جَيْشًا مِنَ الرُّمَاةِ وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جُبَيْرٍ بِسَفْحِ الْجَبَلِ وَقَالَ انْضِحُوْا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَا يَاْتُوْنَا مِنْ وَّرَائِنَا وَلَا تَبْرَحُوْا غُلِبْنَا اَوْ نُصِرْنَا اِذْ بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ بَنُوْ سَلِمَةَ وَبَنُوْ حَارِثَةَ جَنَاحَا الْعَسْكَرِ اَنْ تَفْشَلَا تَجْبُنَا عَنِ الْقِتَالِ وَتَرْجِعَا لَمَّا رَجَعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ الْمُنَافِقُ وَاَصْحَابُهٗ وَقَالَ عَلَامَ نَقْتُلُ اَنْفُسَنَا وَاَوْلَادَنَا وَقَالَ لِاَبِيْ حَاتِمِ السَّلَمِيِّ الْقَائِلِ لَهٗ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ فِيْ نَبِيِّكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ فَثَبَّتَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَمْ يَنْصَرِفَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ نَاصِرُهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٢﴾ لِيَثِقُوْا بِهٖ دُوْنَ غَيْرِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا هُزِمُوْا تَذْكِيْرًا لَّهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ مَوْضِعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ بِقِلَّةِ الْعَدَدِ وَالسِّلَاحِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ نِعَمَهٗ اِذْ ظَرْفٌ لِنَصَرَكُمْ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ تُوْعِدُهُمْ تَطْمِيْنًا لِقُلُوْبِهِمْ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ يُعِيْنَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿١٢٤﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ بَلٰٓى يَكْفِيْكُمْ ذٰلِكَ وَفِى الْاَنْفَالِ بِاَلْفٍ لِاَنَّهُ اَمَدَّهُمْ اَوَّلًا بِهَا ثُمَّ صَارَتْ ثَلٰثَةً ثُمَّ صَارَتْ خَمْسَةً كَمَا قَالَ تَعَالٰى اِنْ تَصْبِرُوْا عَلٰى لِقَاءِ الْعَدُوِّ وَتَتَّقُوا اللّٰهَ فِى الْمُخَالَفَةِ وَيَاْتُوْكُمْ اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ مِّنْ فَوْرِهِمْ وَقْتِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾ بِكَسْرِ الْوَاوِ وَفَتْحِهَا اَيْ مُعْلَمِيْنَ وَقَدْ صَبَرُوْا وَاَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُمْ بِاَنْ قَاتَلَتْ مَعَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى خَيْلٍ بُلْقٍ عَلَيْهِمْ عَمَائِمُ صُفْرٌ اَوْ بِيْضٌ اَرْسَلُوْهَا بَيْنَ اَكْتَافِهِمْ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اَيِ الْاِمْدَادَ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ بِالنَّصْرِ وَلِتَطْمَئِنَّ تَسْكُنَ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ فَلَا تَجْزَعُ مِنْ كَثْرَةِ الْعَدُوِّ وَقِلَّتِكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْجُنْدِ لِيَقْطَعَ مُتَعَلِّقٌ بِنَصَرَكُمْ اَيْ لِيُهْلِكَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ اَوْ يَكْبِتَهُمْ يُذِلَّهُمْ بِالْهَزِيْمَةِ فَيَنْقَلِبُوْا يَرْجِعُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾ لَمْ يَنَالُوْا مَا رَامُوْهُ وَنَزَلَ لَمَّا كُسِرَتْ رُبَاعِيَتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشُجَّ وَجْهُهٗ يَوْمَ اُحُدٍ وَقَالَ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ بَلِ الْاَمْرُ لِلّٰهِ فَاصْبِرْ اَوْ بِمَعْنٰى اِلٰى اَنْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ بِالْاِسْلَامِ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾ بِالْكُفْرِ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ الْمَغْفِرَةَ لَهٗ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ تَعْذِيْبَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لِاَوْلِيَائِهٖ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ۔

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ آپ صبح کو اپنے گھر مدینہ سے نکلے بٹھلا رہے تھے جما رہے تھے مسلمانوں کو جنگ کے مقامات پر یعنی جنگ کے مناسب مورچوں پر جما رہے تھے کہ اپنے اپنے مرکز میں ٹھہرے رہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں تمہاری باتوں کو اور خوب جاننے والے ہیں تمہارے حالات کو اور یہ واقعہ غزوۂ احد کا ہے، ھو ضمیر کا مرجع وہ زمان ہے جو اذ کر فعل مقدر سے مفہوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک ہزار یا ساڑھے نو سو علی اختلاف الاقوال آدمی کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے اور مشرکین نکلے مکہ سے تین ہزار کی فوج لے کر اور آپ ﷺ نے شعب (یعنی جبل احد کی گھاٹی) میں ہجرت کے تیسرے سال سات شوال کو سنیچر کے روز پڑاؤ ڈالا اور اپنی پشت اور اپنے لشکر کی پشت کو احد پہاڑ کی جانب کر دیا، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ کو سامنے اور جبل احد کو پشت کی جانب رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا اور ۵۰ تیر اندازوں کا ایک دستہ جبل احد کی گھاٹی پر بٹھا دیا اور عبداللہ بن جبیرؓ کو امیر مقرر فرمایا اور فرمایا ''تم لوگ تیروں کے ذریعہ ہماری مدافعت و

حفاظت کرتے رہو کہ دشمن ہمارے پیچھے سے ہمارے پاس نہ آئیں اور دیکھو تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹو ہم غالب ہو یا مغلوب۔
اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ الخ (یہ اذ ما قابل کے اذ غدوت کے اذ سے بدل واقع ہو رہا ہے اور وہ وقت یاد کیجیے) جب تم مسلمانوں میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ وہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ ہیں جو لشکر کے دونوں باز و تھے کہ ہمت ہار دیں یعنی مقابلہ سے ہمت ہار دینے اور واپس لوٹنے کا ارادہ کیا جب کہ عبد اللہ بن ابی منافق اور اس کے اصحاب واپس لوٹ گئے اور عبد اللہ نے واپس لوٹنے کے وقت کہا "ہم کس بنا پر؟ کیوں اپنی جانیں اور اپنی اولاد کی جانوں کو قتل کریں؟ مطلب یہ ہے کہ جب میرا مشورہ نہیں مانا گیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں، اور جب ابو حاتم السلمی نے عبد اللہ بن ابی المنافق سے کہا "اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ الخ میں تم کو تمہارے نبی اور تمہاری جان کے بارے میں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ واپس مت بھاگو تو عبد اللہ المنافق نے ابو حاتم سے کہا: "لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا الخ یعنی اگر ہم واقعی جہاد سمجھتے تو ضرور تمہاری اتباع کرتے، ساتھ دیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کو ثابت قدم رکھا اور نہیں لوٹے درانحالیکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا ولی بمعنی ناصر و مددگار ہے اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے یعنی صرف اللہ ہی پر اعتماد کریں اور اس کے علاوہ کسی پر نہیں۔ اور جب احد میں مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو مسلمانوں کو اللہ کی نعمت یاد دلانے کیلئے ان آیات کا نزول ہوا کہ جنگ بدر میں صبر و تقوی کی بدولت جو اللہ تعالیٰ کی نصرت ہوئی تھی اس کو یاد کرو اور بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کر چکے ہیں جنگ بدر میں بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے حالانکہ تم کمزور تھے بسبب قلت تعداد و ہتھیار کے یعنی تعداد کے لحاظ سے تم تین سو اور کفار ایک ہزار کے قریب نیز دشمن کے لحاظ سے بالکل بے سروسامان، پھر بھی صرف حق تعالیٰ کی نصرت و مدد سے شاندار فتح ہوئی جنگ بدر کی تفصیل سورۂ انفال میں آئے گی ان شاء اللہ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم شکر گزار رہو اسکی نعمتوں کے جب یہ نَصَرَكُمُ کا ظرف ہے آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے یعنی آپ ان سے وعدہ کر رہے تھے ان کے اطمینان قلب کے لئے کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تمہاری اعانت کرے تین ہزار فرشتے اتار کر منزلین تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے، اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ میں استفہام انکاری ہے اور لن نافیہ ہے اور انکار نفی اثبات ہوتا ہے پس مطلب یہ ہوا کہ تین ہزار فرشتوں کی امداد تمہارے لئے یقینا کافی ہے اور یہ نظیر ہے: الست بربکم کی ہاں کیوں نہیں، تمہارے لئے کافی ہو گی یہ مقدار اور سورۂ انفال میں ایک ہزار کا ذکر ہے۔ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۝ (پ: ۹ ع: ۱۶) پھر اللہ نے تمہاری سن لی اور فرمایا کہ میں تمہیں ایک ہزار فرشتہ سے مدد ما نگا جو لگاتار پہونچیں گے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اولاً ایک ہزار سے مدد کی پھر تین ہزار کر دیا جب کرز بن جابر کی امداد آنے کی خبر معلوم ہوئی پھر حق تعالیٰ نے تین ہزار کر دیا پھر پانچ ہزار جیسا کہ ارشاد فرمایا: اِنْ تَصْبِرُوْا الخ اگر تم صابر رہو یعنی دشمن کے مقابلہ پر جمے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے مخالفت میں یعنی کوئی امر خلاف اطاعت نہ کرو اور وہ لوگ یعنی مشرکین چڑھ آئیں تم پر اسی وقت فوراً، یکبارگی تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے مسومین واؤ کے کسرہ کے ساتھ اور فتحہ دونوں قراءت ہے اول صورت میں تسویم سے اسم فاعل کا صیغہ ہو گا جس کا مطلب یہ ہو گا کہ فرشتوں نے اپنے اوپر مثلاً اپنی ٹوپیوں اور اور خودوں میں نشان لگا لیا ہو یعنی

نشان رکھنے والے۔ دوسری قراءت میں اسم مفعول کا صیغہ ہوگا جس کا مطلب ہوگا کہ منجانب اللہ ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے یعنی نشان زدہ ہوں گے اور بلاشبہ حضرات صحابہ صابر رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا کہ فرشتوں نے ابلق گھوڑوں پر سوار ہوکر ان کے ساتھ ہوکر جنگ کی ان فرشتوں کے سروں پر عمامے زرد یا سفید تھے علی اختلاف الروایۃ، اس عمامے کے شملے فرشتوں نے دونوں شانوں کے درمیان چھوڑ رکھے تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی ہے کہ تمہارے لئے بشارت ہو مدد کے ذریعہ اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں سکون قلب حاصل ہو تو تم دشمن کی کثرت اور اپنی قلت کی وجہ سے گھبرا نہ جاؤ اور مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں حکمت والے جس کی چاہتے ہیں مدد کرتے ہیں فتح و غلبہ لشکر کی کثرت سے نہیں ہے تاکہ ہلاک کردے لِيَقْطَعَ، متعلق ہے لقد نصر کم الله ببدر کے نَصَرَكُمُ کا اور معنی میں لِيُهْلِكَ کے ہے کافروں میں سے ایک جماعت کو قتل و قید کے ذریعہ چنانچہ ستر مارے گئے اور ستر گرفتار یا ان کو ذلیل و خوار کردے یعنی شکست کے ذریعہ ذلیل کردے کہ وہ پلٹ جائیں لوٹ جائیں ناکام ہوکر مقصد میں نامراد ہوکر جنگ احد میں جب نبی اکرم ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوگیا اور چہرہ مبارک مجروح ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگین کردیا، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ الخ اے پیغمبر ﷺ آپ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں بلکہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے آپ تو صبر کیجئے یہاں تک کہ او یہاں الی ان کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ ان کو بخشدیں اسلام کی توفیق دیکر یا انہیں عذاب دیں کیونکہ وہ ظالم ہیں کفر کی وجہ سے اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے یعنی سب اللہ ہی کے مملوک و مخلوق اور بندے ہیں وہ جس کو چاہیں مغفرت کرنا بخش دیں اور جس کو چاہیں عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے ہیں اپنے دوستوں کی اور رحم کرنے والے ہیں اپنے فرمانبرداروں پر۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: تُنَزِّلُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تیار کرنے کے معنی میں نہیں۔

قوله: مَرَاكِزَ: یہاں لڑائی میں ثابت قدمی اور جمے رہنے کے مقامات (مورچے) مراد ہیں۔

قوله: إِذْ بَدَلٌ مِنْ إِذْ قَبْلَهُ: یہ إِذْ، سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ سے متعلق نہیں۔

قوله: نَاصِرُهُمَا: اس سے اشارہ ہے کہ وَلِيّ یہاں محب کے معنی میں نہیں۔

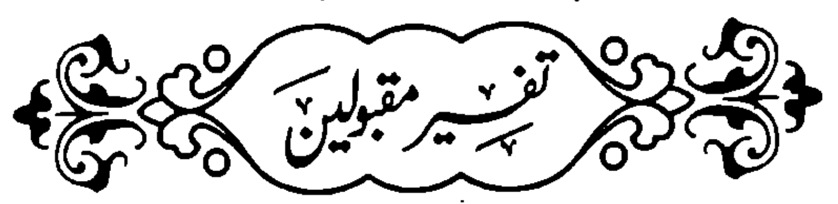
قوله: إِذْ ظَرْفٌ: یہ نَصَرَكُمُ کا ظرف ہے۔ إِذْ غدوت کا دوسرا بدل نہیں۔

قوله: وَقْتِهِمْ: یعنی فَوْرِ یہ اس حال کے لیے بطور استعارہ لایا گیا جس میں نہ ٹھہرنا ہو نہ تاخیر و دیر ہو۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِنَصَرَكُمُ: یعنی یہ دعا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۲۶﴾ سے متعلق نہیں۔

قوله: أَوْ بِمَعْنٰى إِلٰى أَنْ: اس لیے کہ اس کا عطف الْأَمْرِ یا شَيْءٌ کسی پر بھی درست نہیں بیٹھتا۔

قولہ: أَوْ يُعَذِّبَهُمْ: ان کو سزا دے کر آپ کو ان سے شفاء دے دیں۔



وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

غزوہ احد کا تذکرہ

ان آیات میں غزوہ احد کا تھوڑا سا ذکر ہے۔ پھر آئندہ رکوع میں اور اس کے بعد والے رکوع میں تفصیل سے اس غزوہ کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت سرور عالم ﷺ نے مکہ معظمہ میں جب اسلام کی دعوت دی تو مکہ کے مشرکین آپ کے دشمن ہو گئے۔ بڑی بڑی مشکلات سے گزرتے رہے دشواریاں پیش آتی رہیں۔ تیرہ سال تک محنت و مجاہدہ کرتے ہوتے اور مشقت اٹھاتے ہوئے آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اسلام کی دعوت دی لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اور انصار مدینہ کی دعوت پر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے یہاں آ کر بھی مشرکین مکہ نے پیچھا نہ چھوڑا اور یہود مدینہ نے اندرونی خلفشار اور دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا منافقوں کا بھی ظہور ہوا یہ لوگ ظاہری طور پر اسلام کا نام لیتے تھے اور اندر سے کاٹ کرتے تھے چونکہ یہودی بہت بڑے دشمن تھے اس لیے ان سے میل محبت کا تعلق رکھنے سے منع فرمایا جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہو چکا اس وقت کے موجودہ دشمن یہودی تھے (جو مدینہ میں رہتے تھے) اور مشرکین مکہ بھی دشمن تھے ان سب سے میل و محبت سے منع فرمایا اور ہمیشہ کے لیے تمام مسلمانوں کو یہ ممانعت کر دی گئی۔

مشرکین مکہ اپنی دشمنی کی وجہ سے ہجرت کے دوسرے سال بہت بھاری تعداد میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے چڑھ آئے اور مقام بدر میں فیصلہ کن جنگ ہوئی سب کی نظروں کے سامنے حق و باطل کا فیصلہ ہو گیا غزوہ بدر کا واقعہ کچھ اسی رکوع میں آنے والی آیات میں بیان فرمایا اور کچھ سورۂ آل عمران کے دوسرے رکوع میں گزر چکا۔ اور تفصیل کے ساتھ سورۃ انفال کے پہلے اور دوسرے رکوع میں اور چھٹے اور ساتویں رکوع میں بیان فرمایا۔ ہم اس کو تفصیل سے سورۂ انفال کی تفسیر میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

غزوۂ احد کے موقعہ پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ:

ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد پیش آیا۔ مشرکین مکہ کو غزوۂ بدر میں چونکہ بہت بڑی شکست ہوئی تھی جس میں تین سو تیرہ نہتے مسلمان دشمن کی تین گنا تعداد پر غالب آئے اور دشمن کے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ لایا گیا اس لیے قریش مکہ کو بدلہ لینے کی بہت بڑی فکر تھی۔ لہٰذا آپس میں خوب زیادہ چندہ کیا اور قریش آپس میں مجتمع ہو کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے مکہ معظمہ سے نکلے قریش مکہ اپنے اموال اور فوج اور سپاہ کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو احد پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈال لیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرات صحابہ سے مشورہ کیا آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی

مقابلہ کیا جائے باہر نہ نکلیں لیکن وہ مسلمان جو گزشتہ سال غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم شہر سے باہر نکلیں گے اور احد جا کر ہی ان سے لڑیں گے ان حضرات کا اندازہ تھا کہ جس طرح مسلمان سال گزشتہ بدر میں دشمن کے مقابلہ میں فتح یاب ہو چکے ہیں اس مرتبہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور غالب ہوں گے۔ یہ حضرات برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو باہر نکلنے پر آمادہ کر لیا آنحضرت سرور عالم ﷺ نے تیاری فرمالی۔ زرہ پہن لی اور خود (لوہے کی ٹوپی) اوڑھ لی آپ مشورہ کی وجہ سے آمادہ تو ہو گئے لیکن ہتھیار پہننے سے پہلے آپ نے فرمایا دیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ کے اندر ہوں جس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ اس سے مدینہ منورہ مراد ہے اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار کچھ کند ہو گئی اس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ تمہارے اندر کچھ شکستگی ہو گی اور میں نے یہ بھی خواب دیکھا کہ ایک بیل کو ذبح کیا جارہا ہے اور وہ بھاگ رہا ہے۔ مطلب اس خواب کے بیان کرنے کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ ہی کے اندر رہنا چاہیے اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں مسلمانوں میں شکستگی ہو گی۔ بعد میں بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہماری تاریخ یہ ہے کہ جب کبھی اندر رہتے ہوئے جنگ لڑی ہے تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب کبھی باہر نکل کر جنگ کی ہے تو دشمن فتح یاب ہوا ہے۔ لہٰذا رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اندر ہی رہیں باہر نہ نکلیں جن حضرات نے خوب جماؤ کے ساتھ باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا بعد میں ان کو بھی ندامت ہوئی جب آپ کی خدمت میں دوسرا مشورہ پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ کی جیسی رائے ہو آپ اس پر عمل فرمائیں تو آپ نے فرمایا کسی نبی کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ سامان جنگ سے آراستہ ہو جائے اور دشمن کی طرف نکلنے کا حکم دے دے تو وہ قتال کیے بغیر واپس ہو جائے۔ میں نے تم کو پہلے اس امر کی دعوت دی تھی کہ مدینہ ہی میں رہیں لیکن تم لوگوں نے نہیں مانا پس اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو جماؤ کے ساتھ جنگ کرنا۔ اور اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو لے کر احد کی طرف تشریف لے چلے اس وقت آپ کے ساتھ ایک ہزار کی نفری تھی اور دشمن کی تعداد تین ہزار تھی۔ احد جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ قیام کیا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ لہٰذا مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ عبداللہ بن ابی جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس ہو گیا تو انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ اور بنی حارثہ کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہو گئی اور ان کے اندر بھی بزدلی کا اثر ہونے لگا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت دی اور یہ بھی لشکر اسلام کے ساتھ ٹھہر گئے اسی کو آیت بالا میں فرمایا: اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (اور جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ ان کا ولی ہے اور اللہ پر بھروسہ کریں مؤمن بندے)۔

حضرت سرور دو عالم ﷺ احد کے دامن میں پہنچ گئے اور وہاں ایک گھاٹی میں نزول فرمایا آپ نے اور آپ کے لشکر نے احد کی طرف پشت کر لی تاکہ احد پیچھے رہے اور دشمن سے احد کے سامنے میدان میں قتال کیا جا سکے۔ وہیں ایک پہاڑی پر پچاس صحابہ کو مقرر فرما دیا اور ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر کو بنا دیا اور ان حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اسی پہاڑ پر ثابت قدم رہنا۔ فتح ہو یا شکست تم یہاں سے مت ٹلنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم کو پرندے بھی بوٹی بوٹی کر کے لے اڑیں تب بھی اس جگہ سے نہ جانا ان

حضرات کا کام یہ تھا کہ دشمن کے لشکروں کو مقررہ پہاڑی سے نیزے مارتے رہیں تا کہ وہ ان کی طرح سے گزرتے ہوئے لشکر اسلام پر حملہ نہ کردیں۔

رسول اللہ ﷺ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ اور جھنڈا حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کی ترتیب دی اور ان کے ٹھکانے مقرر فرمائے، میمنہ اور میسرہ کی تعیین فرمائی جس کو آیت بالا میں اس طرح بیان فرمایا: (وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ) (اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے کہ مسلمانوں کو قتال کے لیے مقامات بتا رہے تھے)۔

جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتحیاب فرمایا لیکن پھر یہ ہوا کہ جن پچاس افراد کو تیر اندازی کے لیے ایک پہاڑی پر مامور فرمادیا تھا انہوں نے جب فتح وظفر دیکھی تو ان میں آپس میں اختلاف ہوگیا ان میں سے بعض صحابہ کہنے لگے کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت کیا ہے اب تو ہم فتحیاب ہو ہی چکے لہٰذا اس جگہ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ جو بھی صورت ہو ہمیں جم کر رہنے کا حکم ہے، جماعت کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے کچھ ساتھی وہیں جمے رہے اور اکثر حضرات نے جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ چکے تھے، اور وہ شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرچکا تھا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ تیر انداز پہاڑی سے اتر چکے ہیں تو پلٹ کر پھر جنگ شروع کردی، اب صورت حال بدل گئی مسلمانوں کو شکست ہوگئی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

غزوہ بدر کی فتح یابی کا تذکرہ:

ابھی غزوہ احد کا واقعہ مکمل نہیں ہوا، ان شاء اللہ آگے مزید اس کا بیان ہوگا۔ اللہ جل شانہٗ نے غزوہ احد کا تھوڑا سا واقعہ بیان فرما کر غزوہ بدر کا تذکرہ فرمایا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو خوب زیادہ بڑھ چڑھ کر فتح حاصل ہوئی اور اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں کی خوب مدد فرمائی تھی یہاں اس مدد کا تذکرہ ہے۔ غزوۂ بدر والی مدد احد کی حالیہ شکست کے مقابلہ میں سامنے رکھی جائے تو وہی زیادہ معلوم ہوتی کیونکہ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے اور ستر کافروں کو قید کرکے مدینہ منورہ لے آئے۔ اور غزوہ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے لہٰذا اس فتح کے سامنے یہ شکست آدھی رہ جاتی ہے اس طرح سے غزوہ بدر کے تذکرہ میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی تسلی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ بِاَلِفٍ وَدُوْنِهَا بِاَنْ تَزِيْدُوْا فِي الْمَالِ عِنْدَ حُلُوْلِ الْاَجَلِ وَتُؤَخِّرُوا الطَّلَبَ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ بِتَرْكِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ تَفُوْزُوْنَ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اَنْ تُعَذَّبُوْا بِهَا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا بِوَاوٍ وَدُوْنِهَا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اَيْ كَعَرْضِهِمَا لَوْ وُصِلَتْ اِحْدٰهُمَا

بِالْاُخْرٰی وَالْعَرْضُ السَّعَۃُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اللّٰہَ بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْمَعَاصِیْ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ اَیِ الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ الْكَافِّيْنَ عَنْ اِمْضَائِہٖ مَعَ الْقُدْرَۃِ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ اَیِ التَّارِكِيْنَ عُقُوْبَتَہٗ وَاللّٰہُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾ بِهٰذِهِ الْاَفْعَالِ اَیْ يُثِيْبُهُمْ وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً ذَنْبًا قَبِيْحًا كَالزِّنَا اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا دُوْنَہٗ كَالْقُبْلَۃِ ذَكَرُوا اللّٰہَ اَیْ وَعِيْدَہٗ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ اَیْ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ ۠ وَ لَمْ يُصِرُّوْا يُدِيْمُوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا بَلْ اَقْلَعُوْا عَنْہُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ اَنَّ الَّذِیْ اَتَوْہُ مَعْصِيَۃٌ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ حَالٌ مُقَدَّرَۃٌ اَیْ مُقَدِّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا ؕ اِذَا دَخَلُوْهَا وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ بِالطَّاعَۃِ هٰذَا الْاَجْرُ وَنَزَلَ فِیْ هَزِيْمَۃِ اُحُدٍ قَدْ خَلَتْ مَضَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ طَرَائِقُ فِی الْكُفَّارِ بِاِمْهَالِهِمْ ثُمَّ اَخْذِهِمْ فَسِيْرُوْا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَۃُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾ الرُّسُلَ اَیْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنَ الْهَلَاكِ فَلَا تَحْزَنُوْا لِغَلَبَتِهِمْ فَاَنَا اُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِمْ هٰذَا الْقُرْاٰنُ بَيَانٌ لِّلنَّاسِ كُلِّهِمْ وَ هُدًی مِنَ الضَّلَالَۃِ وَّ مَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ مِنْهُمْ وَ لَا تَهِنُوْا تَضْعُفُوْا عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ وَ لَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا اَصَابَكُمْ بِاُحُدٍ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ بِالْغَلَبَۃِ عَلَيْهِمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ حَقًّا وَ جَوَابُہٗ دَلَّ عَلَيْہِ مَجْمُوْعُ مَا قَبْلَہٗ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ يُصِبْكُمْ بِاُحُدٍ قَرْحٌ بِفَتْحِ الْقَافِ وَ ضَمِّهَا جَهْدٌ مِنْ جُرْحٍ وَّ نَحْوِہٖ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ الْكُفَّارَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ ؕ بِبَدْرٍ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا نُصَرِّفُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ يَوْمًا لِفِرْقَۃٍ وَّ يَوْمًا لِاُخْرٰی لِيَتَّعِظُوْا وَ لِيَعْلَمَ اللّٰہُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَخْلَصُوْا فِیْ اِيْمَانِهِمْ مِنْ غَيْرِهِمْ وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ يُكْرِمُهُمْ بِالشَّهَادَۃِ وَ اللّٰہُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ ۙ الْكَافِرِيْنَ اَیْ يُعَاقِبُهُمْ وَمَا يُنْعِمُ بِہٖ عَلَيْهِمْ اسْتِدْرَاجٌ وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُطَهِّرَهُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَا يُصِيْبُهُمْ وَ يَمْحَقَ يُهْلِكَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اَمْ بَلْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَ لَمَّا لَمْ يَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ عِلْمَ ظُهُوْرٍ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ فِی الشَّدَائِدِ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ

فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ حَيْثُ قُلْتُمْ لَيْتَ لَنَا يَوْمًا كَيَوْمِ بَدْرٍ لِنَنَالَ مَا نَالَ شُهَدَاءُهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ اَيْ سَبَبَهُ وَهُوَ الْحَرْبُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ اَيْ بُصَرَاءُ تَتَاَمَّلُوْنَ الْحَالَ كَيْفَ هِيَ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ۔

ع ۱۴ ۵

ترجمہ: اے ایمان والو سود مت کھاؤ چند در چند کر کے اس صورت سے کہ مدت ادائیگی کے وقت پہنچنے پر مطالبہ میں تاخیر کردو اور مال یعنی قیمت میں زیادتی کردو جیسا کہ حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے کہ لوگ ادائے ثمن کی ایک مدت مقرر کر کے بیع کرتے پھر جب مقررہ مدت آجاتی اور خریدار ثمن ادا نہ کرتا تو ثمن میں اضافہ کر کے مہلت دیدیتے پھر اگلی قسط پر کچھ اور بڑھا دیتے اور اس طرح بار بار کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی، مضاعفۃ الف کے ساتھ اور بغیر الف کے مضعفۃ اس دوسری قراءت میں عین کی تشدید کے ساتھ ہوگا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو سود کے چھوڑنے میں امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے کامیاب ہوگے اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے یعنی بچو تم اس آگ کی تعذیب سے یعنی موجبات عذاب سے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔ وَسَارِعُوْٓا واؤ عاطفہ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے دونوں طرح پڑھا گیا ہے پہلی قراءت واؤ کے ساتھ ہے اس صورت میں اَطِيْعُوا یا اتَّقُوا النَّارَ پر عطف ہوگا اور دوسری قراءت بغیر واؤ کی صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا اور دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت جیسی ہے یعنی ان دونوں کے پھیلاؤ کے برابر ہے اگر ایک دوسرے کے ساتھ ملادئے جائیں، عرض کے معنی کشادگی اور پھیلاؤ کے ہیں اور یہ بھی بطور تمثیل کے ہے چونکہ انسان کے تصور و خیال میں سب سے زیادہ وسعت مکانی آسمان و زمین کی ہے ورنہ حقیقت میں جنت کی وسعت ان دونوں سے بھی وسیع ہے، مفسر علام سیوطیؒ نے کعرضھما سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ سورۂ حدید میں تصریح ہے: عرضھا کعرض السماء والارض، اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ جو تیار کی گئی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے یعنی جو طاعات کا عمل کرتے ہیں اور گناہوں کو چھوڑتے یعنی بچتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جو خرچ کرتے ہیں اللہ کی طاعت میں خوش حالی میں اور تنگی میں یعنی آسانی اور تنگی ہر حال میں راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں بخالت نہیں کرتے اور غصہ کو ضبط کرنے والے ہی یعنی باوجود قدرت کے غصہ کو جاری کرنے سے اپنے آپ کو روکنے والے ہیں اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے یعنی ان کی سزا کو چھوڑ دیتے یعنی معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں اس طرح کے نیک کام والوں سے محبت رکھتے ہیں یعنی ان کو ثواب دیں گے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اور وہ لوگ جب کر گزرتے ہیں کوئی فحش کام بدترین گناہ یعنی گناہ کبیرہ جیسے زنا یا خود اپنی ذات پر زیادتی کرلی ہو زنا سے کم درجہ کا گناہ یعنی صغیرہ جیسے بوسہ تو فوراً اللہ کی وعید کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور کون ہے یعنی کوئی نہیں اللہ تعالیٰ کے سوا جو گناہوں کو معاف کرسکتا ہو اور وہ لوگ اصرار نہیں کرتے جمے نہیں رہتے اس گناہ پر جس کو کر گزرے ہیں بلکہ اس سے ہٹ جاتے ہیں یعنی توبہ کر لیتے ہیں درانحالیکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ کام جس کو کیا ہے وہ معصیت

ہے، گناہ ہے۔یہی لوگ ہیں جن کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ خٰلِدِیْنَ حال قدرہ ہے جَزَآؤُهُمْ کی ضمیر سے اَیْ مُقَدِّرِیْنَ الْخُلُوْدَ یعنی ہمیشہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے جب ان میں داخل ہو جائیں گے اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا یعنی کیا خوب ہے طاعت کا یہ اجر۔ غزوۂ اُحد کی شکست کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی گذر چکے ہیں خلت بمعنی مضت ہے تم سے قبل مختلف طریقے یعنی کافروں کے سلسلے میں مختلف طریقے گذر چکے ہیں ان کافروں کو ایک وقت تک مہلت دینے پھر انہیں پکڑنے کے ذریعے سو تم سیر کرو۔ اے مسلمانو! روئے زمین کی اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا ہے ان لوگوں کا جو تکذیب کرنے والے تھے پیغمبروں کے یعنی ان جھٹلانے والوں کا آخری انجام ہلاکت ہے اس لیے تم لوگ غمگین وملول خاطر نہ ہو ان کافروں کے غلبہ کی وجہ سے کیوں کہ انکو مہلت دیتا ہوں ان کے وقت مقررہ تک کے لئے یعنی جو میرے علم میں ان کی ہلاکت کا وقت ہے ھذا الخ یہ قرآن حکیم بیان ہے تمام لوگوں کے لئے کہ اگر اس میں غور کریں تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں اور ہدایت ہے گمراہی سے اور نصیحت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ان میں سے، یعنی ہدایت ونصیحت یہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں کمافی مقام آخر" هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ "ایضا ان فی ذالک لذکری لمن کان له قلب، وَلَا تَهِنُوْا، اور ہمت مت ہارو کافروں کی جنگ سے کمزور وسست نہ ہو اور رنج مت کرو غزوہ احد کی مصیبت پر آخر میں تم ہی اونچے رہو گے ان پر غلبہ حاصل کر کے، مطلب یہ ہے کہ اس عارضی شکست پر رنج وملال نہ کرو انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے، چنانچہ اس کے بعد جنگ احد کے آخر میں بھی اور اس کے بعد عہد رسالت کے تمام غزوات میں مسلمان ہی غالب رہے اگر تم مؤمن ہو سچے دل سے، اس شرط کے جواب پر ماقبل کا مجموعہ دلالت کر رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ شرط کا تعلق ماقبل کے اعلون کے ساتھ ہے اور جواب محذوف ہے جس پر ماقبل دلالت کر رہا ہے یعنی اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرط کا تعلق لَا تَهِنُوْا کے ساتھ ہو یعنی اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا اِنْ يَّمْسَسْكُمْ الخ اگر تم پہنچا ہے یعنی اگر غزوہ احد میں تم کو پہنچا ہے زخم قرح قاف کے فتحہ کے ساتھ اور ضمہ کے ساتھ دونوں ہے یعنی زخم وغیرہ کی تکلیف تو یقینا اس قوم کفار کو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے جنگ بدر میں مطلب یہ ہے کہ اگر اس غزوہ میں تم کو زخم پہنچا کہ تمہارے پچھتر آدمی شہید اور کچھ زخمی ہوئے تو اس سے غمگین اور پست ہمت نہ ہو کیوں کہ ایک سال پہلے غزوہ بدر میں ان کافروں کے ستر آدمی جہنم رسید اور بہت سے زخمی اور ستر آدمی ذلت کے ساتھ قید ہوئے جب کہ تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذلت قبول نہ کی، مگر وہ دوبارہ تم سے لڑنے کے لئے آنے سے پست ہمت نہیں ہوئے پس تم تو اہل ایمان ہی ہو۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا اور ان ایام کو ہم ادلتے بدلتے رہتے ہیں گھماتے رہتے ہیں ان ایام کو لوگوں کے درمیان یعنی کبھی ایک فرقہ کے لیے غلبہ ہے اور کبھی دوسرے کے لئے تاکہ عبرت حاصل کریں اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ معلوم کر لیں ظاہری طور پر ایمان والوں کو جو اپنے ایمان میں بہ نسبت غیر کے مخلص ہیں کیوں کہ مصیبت کے وقت مخلص اور غیر مخلص کا امتحان وامتیاز ہوتا ہے اور اس لیے کہ بنائے تم میں سے بعض کو شہید (یعنی ان کو شہادت کی عزت بخشے) اور اللہ تعالیٰ ظالموں (کافروں) سے محبت نہیں رکھتے ہیں (یعنی ان کو سزا دیں

گے اور جو کچھ ان پر انعام ہو رہا ہے استدراج یعنی ڈھیل ہے اور اس لیے کہ اللہ پاک صاف کر دے ایمان والوں کو یعنی مصیبتوں کے ذریعہ ان کو پاک کر دیں اور مٹا دیں ہلاک کر دیں کافروں کو مطلب یہ ہے کہ جب کفار عارضی غلبہ پر مسرور و مغرور ہو کر کفر وطغیان میں زیادہ سے زیادہ غلو کریں تو خدا کے قہر وغضب کے اور زیادہ مستحق ہوں گے اَمْ حَسِبْتُمْ الخ مفسر سیوطیؒ نے اس کی تفسیر "بَلْ" سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ ام منقطعہ ہے اور ہمزہ استفہام انکاری کو متضمن ہے۔ والمعنی لا تظنوا یا ایها المؤمنون کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے معلوم نہیں کیا ہے ظاہری طور پر جو لوگ دیکھ لیں ان لوگوں کو جو تم میں سے مجاہد ہیں اور نہیں معلوم کیا ہے ان لوگوں کو جو صبر کرنے والے ہیں شدائد و مصائب میں اور بیشک تم موت یعنی شہادت کی تمنا کرتے تھے تَمَنَّوْنَ اصل میں تَتَمَنَّوْنَ تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے موت کے سامنے آنے سے پہلے تم کہا کرتے تھے' کاش ہمارے لیے بھی ایک دن جنگ بدر کی طرح ملتا تو ہم بھی اس مرتبہ شہادت کو حاصل کرتے جو شہداء بدر نے حاصل کیا سو تم نے اس موت یعنی سبب موت جنگ کو دیکھ لیا درانحالیکہ تم کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ حال ہے اور رَاَیْتُمُوْہُ کے اندر مبالغہ مقصود ہے کہ تم اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے، حالات میں غور کر رہے تھے کہ کیسی موت ہے پھر کیوں شکست کھائی یعنی کیوں بھاگے؟ اصل میں جو صحابہ غزوہ بدر کی شرکت سے محروم رہ گئے تھے شہداء بدر کے فضائل سن سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ خدا پھر کوئی موقع لائے جو ہم بھی خدا کی راہ میں مارے جائیں اور شہادت کی سعادت سے سرفراز ہوں، ان ہی حضرات نے احد میں یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے، انکو خطاب کیا گیا جس چیز کی پہلے تمنا رکھتے تھے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آچکی اب آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنا کیسا؟

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِاَنْ تَزِیْدُوْا فِی الْمَالِ: یہ صورت نہی کو مقید کرنے کے لیے نہیں بلکہ عام محاورہ مروج ہونے کی وجہ سے ذکر کر دی۔

قوله: اَنْ تُعَذِّبُوْا بِهَا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ تقویٰ اپنی ذات کے اعتبار سے اس کا تصور بھی نہیں رکھتا۔

قوله: کَعَرْضِهِمَا: اس سے اشارہ کیا کہ حرف تشبیہ حذف کیا گیا ہے عرض کو مقدر مانا تا کہ تشبیہ درست ہو جائے، دونوں مقدار سے متصل ہیں۔

قوله: اَلْکٰظِمِیْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ کظم مجاز ہے، کاف یعنی قدرت کے باوجود بدلہ نہ لینا۔

قوله: مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ: عام لوگ تو ان کے حق سے پہلے ہی بری ہیں، ظالم کو چھوڑ دینے پر ثواب ملے گا۔

قوله: وَعِیْدَهٗ: اس کو مقدر مانا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تذکرہ استغفار کو لازم نہیں کرتا۔

قوله: اَنَّ الَّذِیْ اَتَوْهُ: اس قید سے اشارہ کیا کہ اگر گناہ پر اصرار کا ترک سستی یا تنفر طبع کی وجہ سے ہو تو ثواب نہ ملے گا۔

قوله: حَالٌ: اس سے خٰلِدِیْنَ کے منصوب ہونے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا اور مُقَدِّرِیْنَ کو نکالا تا کہ حال پر مقارنت از منہ والا اعتراض نہ رہے۔

قوله: اَلرُّسُلَ: اس سے اشارہ کیا کہ اَلْمُكَذِّبِيْنَ ۞ کا مفعول محذوف ہے۔

قوله: اٰخِرُ اَمْرِهِمْ: اشارہ کیا کہ عَاقِبَةُ سے مراد دنیا میں ان کا آخری انجام ہے، نہ کہ قیامت کا۔

قوله: اَلْقُرْاٰنُ: اس سے اشارہ کیا کہ هٰذَا کا مشار الیہ قرآن ہے نہ کہ قَدْ خَلَتْ یا فَانْظُرُوْا کا مفہوم۔

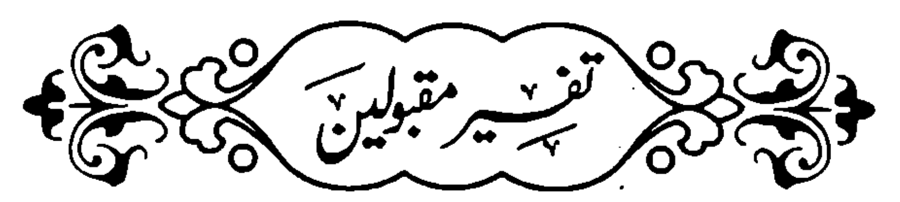
قوله: وَلِيَعْلَمَ: اس کا عطف علت محذوفہ پر ہے یعنی ہم اس کو بہت سے مصالح کی وجہ سے لوٹاتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر کردے۔

قوله: فِيْ اِيْمَانِهِمْ: اَخْلَصُوْا کو مقدر مانا گیا کیونکہ ظاہر میں تو وہ سب ایمان لانے والے تھے۔

قوله: بَلْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اَمْ منقطعہ بمعنی بَلْ اور استفہام کے ہے۔

قوله: سَبَبَهٗ: یہ مقدر مانا کیونکہ نفس موت تو نظر نہیں آتی۔

قوله: بُصَرَاءُ: اس سے اشارہ کیا کہ رؤیت سے یہاں سبب رؤیت مراد ہے اور نظر صاحب بصیرت و بصارت ہونا ہے۔ خود کیفیت حال کا اندازہ کرلو۔



(اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ....) میں فرشتوں کے نزول کے وعدہ کا تذکرہ ہے غزوۂ بدر میں فرشتے آئے تھے انہوں نے جنگ میں بھی حصہ لیا اور مسلمانوں کو ہمتیں دلائیں اور ان کو ثابت قدم رکھا۔ کیا غزوہ احد میں بھی فرشتوں کا نزول ہوا تھا۔ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، آیت بالا میں جو تین ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں غزورہ بدر ہی کے فرشتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۂ انفال میں غزوۂ بدر میں ایک ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ ہے اور یہاں تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ سب غزوۂ بدر سے متعلق ہے اول ایک ہزار پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا وعدہ فرمایا اور پانچ ہزار کا نزول ہوا۔

فرشتوں کی امداد بھیجنے کی حکمت اور اصل مقصد اور تعداد ملائکہ میں مختلف عدد بیان کرنے کی حکمت:

یہاں طبعی طور پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو وہ طاقت بخشی ہے کہ ایک ہی فرشتہ پوری بستی کا تختہ الٹ سکتا ہے، جیسا کہ قوم لوط کی زمین تنہا جبرئیل امین نے الٹ دی تھی، تو پھر فرشتوں کا لشکر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز یہ کہ جب فرشتے میدان میں آئے ہی تھے تو ایک کافر بھی بچنا نہیں چاہئے تھا اس کا جواب خود قرآن کریم نے آیت: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى میں دیدیا، کہ فرشتوں کے بھیجنے میں درحقیقت ان سے کوئی میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہ تھا، بلکہ مجاہدین مسلمین کی تسلی اور تقویت قلب اور بشارت فتح دینا مقصود تھا، جیسا کہ اس آیت کے الفاظ: اِلَّا بُشْرٰى اور لتطمئن قلوبکم سے واضح ہے، اور اس سے زیادہ صریح سورۃ انفال میں اسی واقعہ کے متعلق آئے ہوئے الفاظ ہیں: فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۸:۱۲) جس

میں فرشتوں کو خطاب کر کے ان کے سپرد یہ خدمت کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو جمائے رکھیں، پریشان نہ ہونے دیں، اس تثبیت قلوب کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ اپنے تصرف کے ذریعہ ان کے قلوب کو مضبوط کر دیں، جیسا کہ مشائخ صوفیہ اہل تصرف کو معمول ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے یہ واضح کر دیں کہ اللہ کے فرشتے ان کی مدد پر کھڑے ہیں، کبھی سامنے ظاہر ہو کر، کبھی آواز سے، کبھی کسی اور طریق سے، جیسا کہ میدان بدر میں یہ سب طریقے استعمال کئے گئے، فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (۸:۱۲) کی ایک تفسیر میں یہ خطاب فرشتوں کو ہے، اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ مسلمان نے کسی مشرک پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا سر خود ہی بدن سے جدا ہو گیا۔ (کما روی عن سهل بن حنيف برواية الحاكم و تصيح اللبيهقى) اور بعض صحابہ کرام نے جبرئیل امین کی آواز بھی سنی کہ اقدم حیزوم فرما رہے ہیں، اور بعض نے خود بھی بعض ملائکہ کو دیکھا بھی۔ (رواہ مسلم) یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، کہ ملائکہ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لئے کچھ کچھ کام ایسے بھی کئے ہیں کہ گویا وہ بھی قتال میں شریک ہیں، اور دراصل ان کا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا، فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہیں تھا، اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انسانوں پر عائد کئے گئے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کافر کا نام ہی نہ رہتا، حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی، مگر اس کارخانہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں، یہاں تو کفر و ایمان اور اطاعت و معصیت ملے جلے ہی چلتے رہیں گے، ان کے نکھار کے لئے حشر کا دن ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ غزوہ بدر میں ملائکہ اللہ کو مدد کے لئے بھیجنے میں جو وعدے آئے ہیں ان میں سورۃ انفال کی آیت میں تو ایک ہزار کا وعدہ ہے، اور آل عمران کی مذکورہ آیت میں پہلے تین ہزار کا پھر پانچ ہزار کا وعدہ ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟ بات یہ ہے کہ سورۃ انفال میں مذکور یہ ہے کہ جب میدان بدر میں مسلمانوں نے مخالف کی تعداد ایک ہزار دیکھی اور ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی تو بارگاہ رب العزت میں استغاثہ کیا، اس پر یہ وعدہ ایک ہزار فرشتوں کی امداد کا کیا گیا، کہ جو عدد تمہارے دشمن کا ہے اتنا ہی عدد فرشتوں کا بھیج دیا جائے گا، آیت کے الفاظ یہ ہیں: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ (۸:۹) اور اس آیت کے بعد بھی فرشتوں کی مدد بھیجنے کا یہی مقصد ظاہر فرمادیا کہ مسلمانوں کے قلوب جمے رہیں اور ان کو فتح کی بشارت ملے۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیت کے الفاظ یہ ہیں: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ اور سورۃ آل عمران کی آیت زیر نظر میں تین ہزار فرشتوں کا وعدہ شاید اس بناء پر کیا گیا کہ بدر کے میدان میں مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر محاربی اپنے قبیلہ کا لشکر لے کر مشرکین مکہ کی امداد کو آ رہا ہے۔ (کذا فی الروح) یہاں دشمن کی تعداد مسلمانوں سے تین گناہ زیادہ پہلے ہی سے تھی، مسلمان اس خبر سے کچھ پریشان ہوئے تو تین ہزار فرشتوں کا وعدہ کیا گیا تا کہ معاملہ برعکس ہو کر مسلمانوں کی تعداد دشمن سے تین گنا ہو جائے گی۔ پھر اسی آیت کے آخر میں اس تعداد کو چند شرطوں کے ساتھ بڑھا کر پانچ ہزار کر دیا وہ شرطیں دو تھیں۔ ایک یہ کہ مسلمان صبر و تقوی کے مقام اعلی پر قائم رہیں، دوسرے یہ کہ دشمن ان پر یکبارگی حملہ کر دے، مگر ان دو شرطوں میں سے دوسری شرط یکبارگی

پھراس میں ائمہ تفسیر و تاریخ کے اقوال مختلف ہیں، کہ اگر چہ وعدہ حملہ کی واقع نہیں ہوئی، اس لئے پانچ ہزار کی تعداد کا وعدہ نہ رہا، پھر بھی یہ وعدہ پانچ ہزار کی صورت میں پورا ہوا یا صرف تین ہزار کی صورت میں، یہ اقوال مختلفہ روح کی یہ شرط متحقق نہیں ہوئی، المعانی میں مذکور ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

ربط: جنگ احد کے تذکرہ میں سود کی ممانعت کا ذکر بظاہر بے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاید یہ مناسبت ہو کہ اوپر (اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا) (آل عمران ۳: ۱۲۲) میں جہاد کے موقع پر نامردی دکھلانے کا ذکر ہوا تھا۔ اور سود کھانے سے نامردی پیدا ہوتی ہے۔ دو سبب سے۔ ایک یہ کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے، دوسرے یہ کہ سود لینا انتہائی بخل پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ سود خوار چاہتا ہے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے لے اور بیچ میں کسی کا کام نکلا، یہ بھی مفت نہ چھوڑے۔ اس کا علیحدہ معاوضہ وصول کرے۔ تو جس کو مال میں اتنا بخل ہو کہ خدا کے لئے کسی کی ذرہ بھر ہمدردی نہ کر سکے وہ خدا کی راہ میں جان کب دے سکے گا۔ ابو حیان نے لکھا ہے کہ اس وقت یہود وغیرہ سے مسلمانوں کے سودی معاملات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ اسی لئے ان سے تعلقات قطع کرنا مشکل تھا چونکہ پہلے لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً کا حکم ہو چکا ہے، اور احد کے قصہ میں بھی منافقین یہود کی حرکات کو بہت دخل تھا اس لئے متنبہ فرمایا کہ سودی لین دین ترک کرو ورنہ اس کی وجہ سے خواہی نہ خواہی ان ملعونوں کے ساتھ تعلقات قائم رہیں گے جو آئندہ نقصان اٹھانے کا موجب ہوں گے۔

سود کھانے کی ممانعت اور مغفرت خداوندی کی طرف بڑھنے میں جلدی کرنے کا حکم:

ابھی غزوہ احد کا واقعہ پورا مذکور نہیں ہوا اس کا بہت سا حصہ باقی ہے۔ درمیان میں بعض گناہوں سے خصوصی طور پر بچنے کا حکم فرمایا اور تقویٰ کا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم فرمایا اور بعض طاعات کی ترغیب دی اور اہل اطاعت کے اخروی بدلہ کا تذکرہ فرمایا۔ غزوہ احد میں مسلمانوں سے جو حکم کی خلاف ورزی ہوگئی تھی۔ جس کا ذکر آیت شریفہ: (اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا) میں فرمایا ہے یہاں عمومی طور پر گناہوں سے بچنے اور اطاعت میں لگنے کا حکم فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ گناہ عمومی طور پر مصیبتوں کو لانے والے ہیں اور اطاعات مصائب کو دور کرنے کا سبب ہیں اور آخرت میں مغفرت اور جنت ملنے کا ذریعہ ہیں خاص کر سود لینے کی ممانعت فرمائی۔ یہ گناہ ایسا ہے جو انسان کو خالص دنیا دار بنا دیتا ہے۔ سود خوروں کے دلوں میں تقویٰ اور خوف باقی نہیں رہتا مال زیادہ ہو جانا ہی ان کا وظیفہ زندگی بن جاتا ہے۔ اور مخلوق پر رحم کھانے کا ان میں جذبہ رہتا ہی نہیں۔ یہ جو فرمایا ہے کہ چند در چند سود نہ کھاؤ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ تھوڑا بہت کھانا جائز ہے۔ کیونکہ سود کا ایک درہم لینا بھی حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سود کا ایک درہم بھی کوئی شخص کھاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ وہ سود کا ہے تو وہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص: ۲۴۶، احمد و دار قطنی)

جو لوگ سود پر رقمیں دیتے ہیں عموماً ان کے اصل مال سے سود کا مال بڑھ جاتا ہے۔ اور ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ماہانہ مقررہ

فیصد پر رقم قرض دیتے ہیں پھر جب وقت پر ادانہیں ہوتا تو اصل اور سود دونوں پر سود لگا دیتے ہیں اور جب تک اصل رقم اور سود ادا نہ ہوگا ہر ماہ سود بڑھتا ہی رہے گا۔ اصل پر اور سود پر برابر سود کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس طرح سے اضعافًا مضاعفہ (چند در چند گنا) ہوتا چلا جاتا ہے۔ سودخوروں میں جو طریقہ مروج ہے آیت کریمہ میں اس کا ذکر فرمادیا ہے۔ کوئی سودخور فاسق یہ نہ سمجھ لے کہ تھوڑا بہت سود ہو تو جائز ہے (العياذ بالله من ذالك) سودخوری کا خصوصی ذکر اس جگہ غزوہ کے ذیل میں بیان فرمانا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سودخور کا جہاد میں حوصلہ نہیں ہوسکتا وہ اپنے مال کی وجہ سے ایمان کے تقاضے پورا کرنے سے عاجز رہے گا۔

سود سے بچنے کا حکم دینے کے بعد تقویٰ کا حکم فرمایا اور اس کو کامیابی کا سبب بتایا پھر دوزخ کی آگ سے بچنے کا حکم دیا۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے ہر گناہ دوزخ کی طرف کھینچنے والا ہے۔ گناہوں سے بچنا ہی دوزخ سے بچنا ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: (اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ) یعنی دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ اصل مقام کافروں ہی کا ہے۔ مسلمانوں کا گناہوں میں مبتلا ہو کر اس مقام میں جانا نہایت شرم کی بات ہے دشمن کی جگہ تو یوں بھی نہیں جانا چاہیے چہ جائیکہ عذاب کی جگہ پہنچنے کی راہ ہموار کی جائے اور عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ سخت در سخت ہے۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

یعنی نہ عیش وخوشی میں خدا کو بھولتے ہیں نہ تنگی و تکلیف کے وقت خرچ کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ہر موقع پر اور ہر حال میں حسب مقدرت خرچ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ سودخوروں کی طرح بخیل اور پیسہ کے پجاری نہیں۔ گویا جانی جہاد کے ساتھ مالی جہاد بھی کرتے ہیں۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

غصہ کو پی جانا ہی بڑا کمال ہے اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتی یا غلطیوں کو بالکل معاف کر دیتے ہیں، اور نہ صرف معاف کرتے ہیں، بلکہ احسان اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔ غالبا پہلے جن لوگوں کی نسبت بددعا کرنے سے روکا تھا، یہاں ان کے متعلق غصہ دبانے اور عفو ودرگزر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز جن بعض صحابہ نے جنگ احد میں عدول حکمی کی تھی، یا فرار اختیار کیا تھا، ان کی تقصیر معاف کرنے اور شان عفو واحسان اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ....

یعنی کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو یا کسی اور بری حرکت کے مرتکب ہو جائیں جس کا ضرر ان ہی کی ذات تک محدود رہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

یعنی تم سے پہلے بہت قومیں اور ملتیں گزر چکیں۔ بڑے بڑے واقعات پیش آچکے، خدا تعالیٰ کی عادت بھی بار بار معلوم کرا دی گئی کہ ان میں سے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی عداوت اور حق کی تکذیب پر کمر باندھی اور خدا اور رسول کی تصدیق و

اطاعت سے منہ پھیر کر حرام خوری اور ظلم وعصیان پر اصرار کرتے رہے، انکا کیسا برا انجام ہوا۔ یقین نہ ہوتو زمین میں چل پھر کر ان کی تباہی کے آثار دیکھ لو جو آج بھی تمہارے ملک کے قریب موجود ہیں۔ ان واقعات میں غور کرنے سے معرکہ احد کے دونوں حریفوں کو سبق لینا چاہیے۔ یعنی مشرکین جو پیغمبر خدا کی عداوت میں حق کو کچلنے کے لئے نکلے اپنی تھوڑی سے عارضی کامیابی پر مغرور نہ ہوں کہ انکا آخری انجام بجز ہلاکت و بربادی کے کچھ نہیں۔ اور مسلمان کفار کی سختیوں اور وحشیانہ دراز دستیوں یا اپنی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس نہ ہوں کہ آخر حق غالب و منصور ہو کر رہے گا۔ قدیم سے سنت اللہ یہ ہی ہے جو ٹل نہیں سکتی۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

شہادت کی آرزو کرنے والوں سے خطاب:

اس میں ان حضرات صحابہ سے خطاب ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ بدر میں جنگ کی صورت پیش آجائے گی یہ بات ان کے ذہن میں نہ تھی، اس لیے وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے جب وہاں معرکہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نازل ہوئی جس میں بعض صحابہ شہید بھی ہوئے تو یہ پیچھے رہ جانے والے شریک نہ ہونے پر نادم ہوئے یہ حضرات جنگ کی آرزو کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کاش ہم بھی ان حضرات کے ساتھ مقتول ہو جاتے جو بدر میں مقتول ہوئے اور ہم بھی شہادت کا درجہ پا لیتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں شریک ہونے کا موقعہ دیا اور مسلمانوں کی فتح کے بعد صورت حال پلٹ گئی اور مشرکین بھاگنے کے بعد الٹ کر واپس آکر حملہ آور ہوئے جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ان لوگوں نے بھی ثابت قدمی کا ثبوت نہ دیا جو شہادت کے پیش نظر غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ (روح المعانی ص:۷۱، ج ۴)

وَ نَزَلَ فِيْ هَزِيْمَتِهِمْ لَمَّا اُشِيْعَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ وَ قَالَ لَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ اِنْ كَانَ قُتِلَ فَارْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ۔ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ كَغَيْرِهِ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ رَجَعْتُمْ اِلَى الْكُفْرِ وَالْجُمْلَةُ الْاَخِيْرَةُ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ اَيْ مَا كَانَ مَعْبُوْدًا فَتَرْجِعُوْا وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنَّمَا يَضُرُّ نَفْسَهُ وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ نِعَمَهُ بِالثَّبَاتِ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بِقَضَائِهِ كِتٰبًا مَصْدَرٌ اَيْ كَتَبَ اللّٰهُ ذٰلِكَ مُّؤَجَّلًا ۭ مُؤَقَّتًا لَا يَتَقَدَّمُ وَلَا يَتَاَخَّرُ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ وَالْهَزِيْمَةُ لَا تَدْفَعُ الْمَوْتَ وَالثَّبَاتُ لَا يَقْطَعُ الْحَيٰوةَ وَ مَنْ يُّرِدْ بِعَمَلِهِ ثَوَابَ الدُّنْيَا اَيْ جَزَاءَهُ مِنْهَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ مَا قُسِمَ لَهُ وَلَا حَظَّ لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ اَيْ مِنْ ثَوَابِهَا وَ سَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَ كَاَيِّنْ كَمْ

مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ وَفِي قِرَاءَةٍ قَاتَلَ وَالْفَاعِلُ ضَمِيرُهُ مَعَهٗ خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهُ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ جُمُوعٌ كَثِيرَةٌ فَمَا وَهَنُوْا جَبُنُوا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنَ الْجِرَاحِ وَقَتْلِ أَنْبِيَائِهِمْ وَأَصْحَابِهِمْ وَمَا ضَعُفُوْا عَنِ الْجِهَادِ وَمَا اسْتَكَانُوْا خَضَعُوا لِعَدُوِّهِمْ كَمَا فَعَلْتُمْ حِينَ قِيلَ قُتِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ عَلَى الْبَلَاءِ أَيْ يُثِيبُهُمْ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ عِنْدَ قَتْلِ نَبِيِّهِمْ مَعَ ثُبَاتِهِمْ وَصَبْرِهِمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا تَجَاوُزَنَا الْحَدَّ فِيْٓ اَمْرِنَا إِيذَانًا بِأَنَّ مَا أَصَابَهُمْ لِسُوءِ فِعْلِهِمْ وَهَضْمًا لِأَنْفُسِهِمْ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا بِالْقُوَّةِ عَلَى الْجِهَادِ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا النَّصْرَ وَالْغَنِيمَةَ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ أَيِ الْجَنَّةَ وَحُسْنُهُ التَّفَضُّلُ فَوْقَ الْاِسْتِحْقَاقِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: اور یہ آیات مسلمانوں کی عارضی شکست کے سلسلہ میں نازل ہوئیں جب منافقوں کی طرف سے یہ بات پھیلا دی گئی کہ نبی اکرم ﷺ قتل کر دیئے گئے اور منافقین کہنے لگے کہ اگر محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے تو اپنے دین قدیم کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ اور محمد ﷺ صرف ایک رسول ہیں خدا نہیں آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں پھر کیا اگر وہ مر جائیں اپنی موت سے یا قتل کر دیئے جائیں دوسروں کی طرح تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے؟ اور جملہ اخیرہ یعنی اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ استفہام انکاری کے محل میں ہے یعنی آپ ﷺ معبود نہیں تھے کہ جن کے نہ ہونے سے تم پلٹ جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ صرف ایک پیغمبر ہی تو ہیں تو جس طرح انبیاء سابقین کے انتقال سے ان کا دین نہیں مرا اسی طرح حضور اقدس ﷺ بھی پیغمبر اور رسول ہیں خدا نہیں ہیں انکے مرنے سے دین نہیں مرے گا لہٰذا تم کو لوٹ کر مرتد نہ ہونا چاہئے وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ الخ اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا اپنا ہی نقصان کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو جزا دیں گے یعنی جو اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار ہیں دین اسلام پر ثابت قدم اور جمے رہنے کے ذریعہ اور کسی شخص کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم قضا کے بغیر مر سکے۔

كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا لکھا ہوا ہے وقت مقرر مفسر علامؒ فرماتے ہیں کہ کتاب مصدر ہے جس سے اشارہ کیا کہ یہ مفعول مطلق ہے اور فعل مقدر ہے جس کی تقدیر کی طرف اشارہ کرتے ہیں "اَىْ كَتَبَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اى الموت یعنی اللہ تعالیٰ نے موت کی میعاد معین مقررہ وقت لکھ دی ہے کہ نہ پہلے آ سکتی ہے اور نہ پیچھے۔ لقولہ تعالیٰ: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ پھر کیوں شکست کھائی میدان جنگ سے کیوں بھاگے؟ شکست وفرار موت کو دفع نہیں کر سکتا ہے اور ثابت قدم رہنا حیات کو ختم نہیں کر سکتا، مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی موت اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکھی ہوئی ہے اس کی تاریخ اور وقت معین

ہے وقت مقررہ سے پہلے کسی کو موت نہیں آسکتی ہے اور نہ وقت مقررہ کے بعد زندہ رہ سکتا ہے پھر میدان سے بھاگنا بالکل بے معنی اور غلط ہے۔ وَمَنْ یُّرِدْ الخ اور جو شخص چاہتا ہے اپنے عمل سے دنیا کا بدلہ یعنی عمل کا بدلہ اسی دنیا میں چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا ہی سے دیدیتے ہیں جو اس کے لیے مقدر کیا گیا اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا اور جو شخص آخرت کا ثواب چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت کا ثواب وحصہ دیں گے اور ہم عنقریب شکرگزار بندوں کو اچھا بدلہ دیں گے۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ الخ مفسر علامؒ نے کاین کی تفسیر کم سے کرکے اشارہ کیا ہے کہ اس کی اصل ای استفہامیہ ہے جس پر کاف تشبیہ داخل کردی گئی ہے اور نون خلاف قیاس تنوین کا لکھ دیا، پس كَاَيِّنْ بمعنی کم خبریہ تکثیریہ ہے اور کتنے ہی پیغمبر ایسے ہوئے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی ہے۔ ''وَفِيْ قِرَاءَةٍ قَاتَلَ وَالْفَاعِلُ ضَمِيْرُهٗ'' مفسر علامؒ اس عبارت سے اختلاف قراءت بیان کررہے ہیں کہ ایک قراءت میں قاتل ہے یعنی ماضی معروف اور یہی مشہور قراءت ہے اور پہلی قراءت جس کو جلالین کے متن میں لیا ہے وہ بغیر الف کے ماضی مجہول کا صیغہ قتل بضم القاف ہے ''وَالْفَاعِلُ ضَمِيْرُهٗ'' اور فاعل اس کا ضمیر مستتر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر دو صورت میں خواہ قتل فعل مجہول ہو یا قاتل فعل معروف ہو، فاعل حقیقی ہو یا حکمی ضمیر مستتر ہوگی، مجہول کی صورت میں فاعل حکمی یعنی نائب فاعل ضمیر ہوگی اور بصورت معروف قاتل کا فاعل حقیقی ضمیر ہوگی جو کاین مبتدا کی طرف راجع ہوگی۔ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ مفسر علامؒ کہتے ہیں کہ معہ خبر مقدم اور ربیون کثیر مبتدا مؤخر ہے بمعنی جماعات کثیرہ اس سے آسان ترکیب یہ تھی کہ ہر دو قراءت میں فاعل ربیون کثیر کو قرار دیا جائے۔ فَمَا وَهَنُوْا الخ سو انہوں نے نہ ہمت ہاری یعنی وہ بزدل نہیں ہوئے ان مصائب کی وجہ سے جو اللہ کی راہ میں انہیں پہنچے یعنی زخموں اور انبیاء اور ان کے اصحاب کے قتل سے وہ لوگ پست ہمت نہیں ہوئے اور نہ وہ کمزور ہوئے جہاد کرنے سے اور نہ وہ دبے یعنی ان لوگوں نے دشمن کے سامنے عاجزی نہیں کی جیسے تم لوگوں نے اس وقت کیا جب نبی ﷺ کے قتل کی بات کہی گئی، مطلب یہ ہے کہ ایسے مصائب وشدائد کے وقت بھی وہ اپنے پیغمبر کی اطاعت اور دشمن سے لڑنے پر جمے رہے تم کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں ان لوگوں کو جو صبر کرنے والے ہیں مصیبت وغم پر یعنی ان کو ثواب دیں گے۔ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا الخ قَوْلَهُمْ حالت نصب میں ہے اور كَانَ کی خبر مقدم ہے اور اَنْ قَالُوْا كَانَ کا اسم ہے اس کے سوا ان کا قول کچھ نہ تھا نبی کے قتل کے وقت ثابت قدمی اور صبر کے ساتھ کہ انہوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار معاف کردے ہمارے گناہوں کو اور ہماری زیادتی کو کہ ہم حد عبدیت سے تجاوز کر گئے جو خود ہمارے کاموں میں ہوئی اس بات کی خبر دینے کے لئے کہ جو کچھ مصیبتیں انہیں پہنچی ہیں وہ اپنے فعل کی غلطی کی وجہ سے اور کسر نفسی ظاہر کرنے کے لئے، مطلب یہ ہے کہ ان خدا پرستوں نے مصائب وتکالیف کے وقت بس دعا کی اور معافی طلب کرنے لگے اس استغفار سے دو مقصد تھے ایک تو اپنی غلطی کا اعتراف واظہار اور دوسرا مقصد کسر نفسی وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور خدایا ہمارے قدموں کو جمادیجئے مضبوطی کے ساتھ جہاد پر اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمائیے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا یعنی نصرت وفتح اور مال غنیمت اور آخرت کا بہترین بدلہ دیا جنت اور ثواب کا حسن یعنی بہترین بدلہ استحقاق سے بڑھ کر مہربانی کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ: انکار کا اعتبار کیا گیا کیونکہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: بِقَضَائِهٖ: اذن یہاں قضاء کے معنی میں ہے کیونکہ موت میت کے اختیار میں ہے ہی نہیں، یہاں تک کہ اس کے اذن سے اس کو متعلق کیا جائے۔

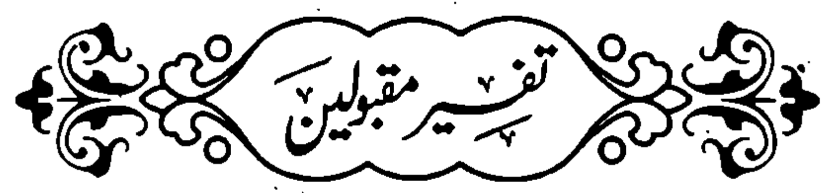
قوله: جَزَاءً: خاص کا تذکرہ کر کے مراد عام لیا کیونکہ بدلے کی جگہ آخرت ہی ہے۔

قوله: مِنْهَا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا دنیا کی طرف ثواب کی نسبت اس طرح ہے جیسا مظروف کی ظرف کی طرف کی جاتی ہے۔

قوله: خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهٗ: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہ قُتِلَ کی ضمیر سے حال نہیں کیونکہ جملہ اسمیہ حال نہیں بنا کرتا۔

قوله: جُمُوْعٌ كَثِيْرَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ رِبِّيُّوْنَ یہ ربة کی طرف منسوب ربی جس کا معنی جماعت ہے اس کی جماع ہے، یہ رب کی طرف منسوب نہیں۔

قوله: وَحُسْنُهُ التَّفَضُّلُ: ثواب حسن کے ساتھ مخصوص کیا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ محض فضل وعنایت ہے۔



وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ ....

غزوہ احد کی عارضی شکست کے وقت جب کسی نے یہ مشہور کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو صحابہ کرام پر جو کچھ گزری اور گزرنی چاہئے تھی اس کا ادنی سا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں، اس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتا ہے جس کو صحابہ کرام کی جاں نثاری اور عشق رسول کا کچھ اندازہ ہو، جس کو یہ پوری طرح معلوم ہو کہ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی محبت میں مال، اولاد اور اپنی جانیں اور سب کچھ گنوا دینے کو دنیا کی سب سے بڑی سعادت سمجھی اور عمل سے اس کا ثبوت دیا ہے۔ ان عشاق رسول اللہ ﷺ کے کانوں میں جب یہ خبر پڑی ہوگی ان کے ہوش وحواس کا کیا عالم ہوگا خصوصا جب کہ میدان جنگ گرم ہے، اور فتح کے بعد شکست کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں، اس عالم میں وہ ہستی جو ساری کوششوں کا محور اور ساری امیدوں کا مظہر تھی، وہ بھی ان سے رخصت ہوتی ہے، اس کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کی ایک بھاری جماعت سراسیمہ ہو کر میدان جنگ سے ہٹنے لگی، یہ میدان جہاد سے ہٹ جانا اگرچہ ہنگامی اور سرسری اور وقتی سراسیمگی کا نتیجہ تھا، خدانخواستہ اسلام سے پھر جانے کا کوئی شبہ یا وسوسہ بھی نہ تھا، لیکن حق تعالیٰ تو اپنے رسول ﷺ کے صحابہ کو ایک ایسی پاکباز فرشتہ خصلت جماعت بنانا چاہتا ہے جو دنیا کے لئے نمونہ عمل بنے، اس لئے ان کی ادنی لغزش بھی سخت قرار دی گئی۔

نزدیکاں رابیش بود حیرانی ان کے ۔لئے میدان جنگ چھوڑنے پر ایسا خطاب کیا گیا جیسے اسلام چھوڑنے پر کیا جاتا ہے، اور سخت عتاب کے ساتھ اس بنیادی مسئلہ پر تنبیہ کی گئی کہ دین وعبادت اللہ کے لئے اور جہاد اسی کے لئے ہیں، جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے، اگر بالفرض یہ خبر صحیح بھی ہوتی کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو بہرحال یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے اس پر ہمت ہار بیٹھنا اور دین کا کام چھوڑ دینا ان حضرات کے شایان شان نہیں ۔اس لیے ارشاد فرمایا: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ یعنی محمد ﷺ ایک رسول ہی تو ہیں ۔(خدا تو نہیں) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر آپ کی وفات ہو جائے یا آپ کو شہید کر دیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ ثواب دے گا شکر گزاروں کو ۔اس میں تنبیہ فرما دی کہ رسول اللہ ﷺ تو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں، آپ کے بعد بھی مسلمانوں کو دین پر ثابت قدم رہنا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس عارضی شکست کے وقت آنحضرت ﷺ کے مجروح ہونے اور وفات کی خبر مشہور ہونے میں یہ قدرتی راز تھا کہ آپ کے بعد جو حالات صحابہ کرام پر پیش آ سکتے تھے وہ آپ کی دنیوی حیات ہی میں ظاہر کر دیئے گئے تاکہ ان میں جو لغزش ہو اس کی اصلاح خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ہو جائے، اور آئندہ جب یہ واقعہ وفات سچ مچ پیش آئے تو یہ عشاق رسول از جارفتہ نہ ہو جائیں، چنانچہ یہی ہوا آپ کی وفات کے وقت جب بڑے بڑے صحابہ کرام کے ہوش وحواس بجا نہ تھے، تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی قسم کی آیات قرآنیہ کی سند لے کر ان کو سمجھایا، اور وہ سب سنبھل گئے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ....

جب کوئی شخص بدون حکم الٰہی کے نہیں مر سکتا خواہ کتنے ہی اسباب موت کے جمع ہوں اور ہر ایک کی موت وقت مقرر پر آنی ضرور ہے خواہ بیماری یا قتل سے یا کسی اور سبب سے، تو خدا پر توکل کرنے والوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے ۔اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کو سن کر مایوس وبددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہیئے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ....

یہ ان مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور غیرت دلائی جنھوں نے احد میں کمزوری دکھلائی تھی ۔حتیٰ کہ بعض نے یہ کہہ دیا تھا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن حاصل کر لیا جائے مطلب یہ ہے کہ جب پہلی امتوں کے حق پرستوں نے مصائب وشدائد میں اس قدر صبر واستقلال کا ثبوت دیا اس امت کو (جو خیر الامم ہے) ان سے بڑھ کر صبر واستقامت کا ثبوت دینا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْمَا يَاْمُرُوْنَكُمْ بِهٖ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ اِلَى الْكُفْرِ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ناصِرُكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ فَاَطِيْعُوْهُ دُوْنَهُمْ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِسُكُوْنِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْفَ وَقَدْ عَزَمُوْا بَعْدَ ارْتِحَالِهِمْ مِنْ اُحُدٍ عَلَى الْعَوْدِ وَاسْتِئْصَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَرُعِبُوْا وَلَمْ يَرْجِعُوْا بِمَآ اَشْرَكُوْا بِسَبَبِ اِشْرَاكِهِمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ حُجَّةً عَلٰى عِبَادَتِهٖ وَهُوَ الْاَصْنَامُ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى مَاْوٰى الظّٰلِمِيْنَ ۞ الْكَافِرِيْنَ هِيَ وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِيَّاكُمْ بِالنَّصْرِ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ تَقْتُلُوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ بِاِرَادَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ جَبُنْتُمْ عَنِ الْقِتَالِ وَ تَنَازَعْتُمْ اِخْتَلَفْتُمْ فِى الْاَمْرِ اَىْ اَمْرِ النَّبِيِّ بِالْمُقَامِ فِيْ سَفْحِ الْجَبَلِ لِلرَّمْيِ فَقَالَ بَعْضُكُمْ نَذْهَبُ فَقَدْ نُصِرَ اَصْحَابُنَا وَ بَعْضُكُمْ لَا نُخَالِفُ اَمْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَصَيْتُمْ اَمْرَهٗ فَتَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ لِطَلَبِ الْغَنِيْمَةِ مِّنْ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنَ النَّصْرِ وَجَوَابُ اِذَا دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهٗ اَىْ مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا فَتَرَكَ الْمَرْكَزَ لِلْغَنِيْمَةِ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ فَثَبَتَ بِهٖ حَتّٰى قُتِلَ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُبَيْرٍ وَّ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَطْفٌ عَلٰى جَوَابِ اِذَا الْمُقَدَّرِ رَدَّكُمْ بِالْهَزِيْمَةِ عَنْهُمْ اَىِ الْكُفَّارِ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ لِيَمْتَحِنَكُمْ فَيُظْهِرَ الْمُخْلِصَ مِنْ غَيْرِهٖ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ مَا ارْتَكَبْتُمُوْهُ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ بِالْعَفْوِ اُذْكُرُوْا اِذْ تُصْعِدُوْنَ تُبْعِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ هَارِبِيْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ تُعَرِّجُوْنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ اَىْ مِنْ وَّرَائِكُمْ يَقُوْلُ اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ فَاَثَابَكُمْ فَجَازَاكُمْ غَمًّا بِالْهَزِيْمَةِ بِغَمٍّ بِسَبَبِ غَمِّكُمُ الرَّسُوْلَ بِالْمُخَالَفَةِ وَ قِيْلَ الْبَاءُ بِمَعْنٰى عَلٰى اَىْ مُضَاعَفًا عَلٰى غَمِّ فَوْتِ الْغَنِيْمَةِ لِّكَيْلَا مُتَعَلِّقٌ بِعَفَا اَوْ بِاَثَابَكُمْ فَلَا زَائِدَةٌ تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ مِنَ الْقَتْلِ وَالْهَزِيْمَةِ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَكَانُوْا يَمِيْدُوْنَ تَحْتَ الْحُجَفِ وَ تَسْقُطُ السُّيُوْفُ مِنْهُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَىْ حَمَلَتْهُمْ عَلَى الْهَمِّ فَلَا رَغْبَةَ لَهُمْ اِلَّا نَجَاتُهَا دُوْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ فَلَمْ يَنَامُوْا وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ ظَنًّا غَيْرَ الظَّنِّ الْحَقِّ ظَنَّ اَىْ كَظَنِّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ حَيْثُ اعْتَقَدُوْا اَنَّ النَّبِيَّ قُتِلَ اَوْلَا يُنْصَرُ يَقُوْلُوْنَ هَلْ مَا لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ اَىِ النَّصْرِ الَّذِيْ وَعَدْنَاهُ مِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ ؕ قُلْ لَهُمْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ بِالنَّصْبِ تَوْكِيْدٌ اَوِ الرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ لِلّٰهِ ؕ اَيِ

الْقَضَاءُ لَهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ يُظْهِرُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ بَيَانٌ لِمَا قَبْلَهٗ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ اَيْ لَوْ كَانَ الْاِخْتِيَارُ اِلَيْنَا لَمْ نَخْرُجْ فَلَمْ نُقْتَلْ لٰكِنْ اُخْرِجْنَا كَرْهًا قُلْ لَّهُمْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَفِيْكُمْ مَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْقَتْلَ لَبَرَزَ خَرَجَ الَّذِيْنَ كُتِبَ قُضِيَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ مِنْكُمْ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ مَصَارِعِهِمْ فَيُقْتَلُوْا وَلَمْ يُنْجِهِمْ قُعُوْدُهُمْ لِاَنَّ قَضَائَهٗ تَعَالٰى كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ وَفَعَلَ مَا فَعَلَ بِاُحُدٍ لِيَبْتَلِيَ يَخْتَبِرَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ قُلُوْبِكُمْ مِنَ الْاِخْلَاصِ وَالنِّفَاقِ وَلِيُمَحِّصَ يُمَيِّزَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ وَّاِنَّمَا يَبْتَلِيْ لِيُظْهِرَ لِلنَّاسِ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ عَنِ الْقِتَالِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ جَمْعُ الْمُسْلِمِيْنَ وَجَمْعُ الْكَافِرِيْنَ بِاُحُدٍ وَهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ اَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِوَسْوَسَةٍ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ مِنَ الذُّنُوْبِ وَهُوَ مُخَالَفَةُ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ حَلِيْمٌ ۝ لَا يُعَجِّلُ عَلَى الْعُصَاةِ۔

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم کافروں کا کہنا مانو گے جس کام کا تم کو حکم دیتے ہیں یعنی عبداللہ بن ابی وغیرہ مشورہ دیتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نہ رہے تو اپنے سابق دین میں لوٹ جاؤ سو اگر ان دشمنوں کا مشورہ مانو گے تو وہ تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں کفر کی طرف پھر تم خسارہ میں پلٹ جاؤ گے بلکہ اللہ ہی تمہارا دوست مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے پس ان منافقوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو عنقریب ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے رعب عین کے سکون کے ساتھ اور عین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی خوف اور بیشک احد سے واپسی کے بعد کافروں نے مسلمانوں کی طرف واپس لوٹنے اور مسلمانوں کے استیصال کا ارادہ کر لیا تھا پھر مرعوب ہو گئے اور واپس نہیں لوٹے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب وخوف ڈالا کہ پھر مسلمانوں کی طرف بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی بِمَآ اَشْرَكُوْا اس سے وجہ سے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا ہے مفسرؒ نے بسبب اشراکھم سے تفسیر کر کے اشارہ کیا ہے کہ باء سببیہ اور ما مصدریہ ہے بسبب شریک ٹھہرانے ان لوگوں کے اللہ کا ایسی چیز کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی یعنی اس کی عبادت پر کوئی دلیل نہیں نازل کی مراد بت ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ظالموں کافروں کا مثویٰ بمعنی ٹھکانہ اُحد کی جنگ کے شروع میں آنحضرت ﷺ نے فرمادیا تھا کہ اگر صبر واستقلال سے کام لو گے تو حق تعالیٰ تم کو غالب کرے گا پھر جب مسلمانوں نے عارضی مغلوبیت وشکست دیکھی تو آپس میں چہ چا کرنے لگے کہ ہم مغلوب کیوں ہوئے' تو اگلی آیتوں کا نزول ہوا اور مغلوبیت وعارضی شکست کے اسباب بتائے گئے

لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ الخ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ تمہاری مدد کرنے کا سچا کر دکھایا جس وقت کہ تم ان کافروں کو قتل کر رہے تھے (تحسونهم بمعنی تَقتلونهم ہے یعنی ان کو قتل کے ذریعہ جڑ سے اکھاڑ رہے تھے کہ سرداران کفار میں سے تقریباً بائیس آدمی مارے گئے جس سے بدحواس ہو کر بھاگے اللہ کے حکم مشیت سے یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی جنگ سے بزدل ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ جنگ کے مورچہ کو چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے اور باہم جھگڑنے لگے اختلاف کرنے لگے حکم میں یعنی نبی اکرم ﷺ کے اس حکم کے بارے میں جو آپ ے تیر اندازی کے لیے پہاڑی درہ میں ٹھہرنے کا دیا تھا، چنانچہ تم میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو جائیں گے کیوں کہ ہمارے اصحاب آ گئے ہیں یعنی ہم کو جب غلبہ ہو گیا اور کافر بھاگ رہے ہیں تو اب بیٹھے رہنے کی ضرورت ختم ہو گئی، اور بعض نے کہا کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے اور تم نے خلاف ورزی کی یعنی تمہاری اکثریت نے حکم نبوی کی خلاف ورزی کی کہ مال غنیمت کے پیچھے مرکز کو چھوڑ دیا جہاں ٹھہرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا تھا بعد اس کے کہ تم کو اس اللہ تعالیٰ نے دکھلا دی جو تم چاہتے تھے یعنی غلبہ ابتداء جنگ میں، اری کا مفعول کم ہے اور مفعول ثانی مَّا تُحِبُّوْنَ ہے اور مفسرؒ کا قول ''وَجَوَابُ اِذَا دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهٗ اَیْ مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ'' اور اِذَا فَشِلْتُمْ کا جواب محذوف ہے یعنی مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ اللہ نے اپنی مدد روک لی'' اور اس حذف جواب پر ماقبل یعنی لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ دلالت کر رہا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تم نے آنکھوں سے دیکھا کہ دشمنوں کا تین ہزار مسلح لشکر تھا مگر اللہ کی مدد سے تم نے ابتداء جنگ میں ان کو مارا اور قتل کیا حالانکہ تم صرف سات سو تھے مگر تم نے نصرت الٰہی سے مار بھگایا اور اللہ کی مدد شامل حال رہی۔ یہاں تک کہ تم درہ پہاڑی پر مورچہ سنبھالنے اور چھوڑنے کے متعلق آپس میں جھگڑنے اور اختلاف کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد روک لی مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا تم میں سے بعض تو وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے چنانچہ مال غنیمت کی خاطر مرکز یعنی پہاڑی کا مورچہ چھوڑ دیا اور بعض تم میں وہ تھے جو آخرت کے طلبگار تھے کہ وہ مورچہ پر ثابت قدم رہے حتی کہ شہید ہو گئے جیسے حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ تیر اندازوں کے امیر اور ان کے اصحاب ثُمَّ صَرَفَكُمْ پھر تم کو پھیر دیا اس کا عطف ہے اِذَا کے جواب مقدر پر اور درمیان میں مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا الخ جملہ معترضہ ہے معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان اَیْ رَدَّكُمْ بِالْهَزِيْمَةِ یعنی تم کو شکست کے ساتھ لوٹا دیا ان کافروں سے کہ کافر تم پر غالب آ گئے اور تم کو شکست ہو گئی لِيَبْتَلِيَكُمْ تاکہ تمہاری آزمائش کرے تمہاری جانچ کرے کہ ظاہر کر دے مخلص کو غیر مخلص یعنی منافق سے اور بلاشبہ اس نے تمہیں معاف کر دیا ہے اس قصور کو جس کا تم نے ارتکاب کیا ہے مطلب یہ ہے کہ اب آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر معاف کرنے میں۔ وہ وقت یاد کرو جب تم چلے جا رہے تھے یعنی میدان جنگ میں بھاگ کر دور جا رہے تھے اور مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے تُعَرِّجُوْنَ ای لا تقیمون یعنی کسی کے ساتھ ٹھہرتے نہیں تھے بلکہ بھاگم بھاگ جا رہے تھے کسی کو حالاں کو رسول اللہ ﷺ تمہارے پیچھے سے تم کو پکار رہے تھے۔ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ بمعنی مِنْ وَرَائِكُمْ ہے یعنی تمہارے پیچھے سے فرما رہے تھے کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ اللہ کے بندو میری طرف آؤ سو اللہ نے تم کو بدلہ دیا یعنی سزا دی غم یعنی شکست کا بسبب غم دینے کے بغم میں باء سببیہ ہے یعنی رسول اللہ کو

رنج وغم دینے کی وجہ سے آپ ﷺ کی مخالفت کر کے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ باء بمعنی علی ہے یعنی مال غنیمت کے فوت ہونے کے غم پر مزید رنج وغم اصحاب کا قتل اور زخمی ہونا، مطلب یہ ہے کہ غم بالائے غم لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا الخ مفسر علام نے اس کی تفسیر میں دو قول پیش کیے ہیں: (۱) متعلق بِعَفَا یہ عفا سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ: وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ سے متصل اور متعلق ہے اور لَا تَحْزَنُوْا میں لا نافیہ ہے ترجمہ ہوگا بلاشبہ اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تا کہ اس معافی کی عظیم خوشخبری سن کر تم غمگین نہ ہو اس غنیمت پر جو فوت ہوگئی اور نہ اس قتل وشکست پر جو تم کو پہنچی، اَوْ بِاَثَابَكُمْ فَلَا زَائِدَةٌ یہاں سے دوسرا قول بیان فرمارہے ہیں کہ لِكَيْلَا متعلق ہے: فَاَثَابَكُمْ غَمًّا سے اور اس صورت میں لا زائدہ ہوگا یعنی لا نافیہ نہیں ہوگا معنی ہوں گے ''سو اللہ نے تم کو غم دیا رسول ﷺ کو غم دینے کی وجہ سے تا کہ تم غم کرو اس غنیمت پر جو تم سے فوت ہوگئی اور اس قتل وشکست پر جو تم کو پہنچی اور اللہ تعالیٰ خبر رکھتے ہیں جو کچھ تم کر رہے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد تم پر امن قلبی اطمینان نازل کیا جو اونگھ لو مفسرؒ نے اَمَنَةً کی تفسیر امنا سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ اَمَنَةً بھی امنا کی طرح مصدر ہے اور دونوں متحد المعنی ہیں یعنی قلبی سکون اور اطمینان اور نُّعَاسًا بدل ہے اَمَنَةً سے۔ يَّغْشٰى وہ اونگھ چھارہی تھی یاء کے ساتھ اس قراءت پر ضمیر نعاس کی طرف راجع ہوگی دوسری قراءت تاء کے ساتھ اَمَنَةً کی طرف راجع ہوگی تم میں سے ایک جماعت پر مراد مسلمان ہیں چنانچہ ڈھالوں کے نیچے جھک رہے تھے اور ان مسلمانوں کی تلواریں گر رہی تھیں یعنی نیند کے غلبہ کی وجہ سے اور ایک جماعت وہ تھی کہ ان کے نفسوں جانوں نے ان کو غم میں ڈال دیا تھا یعنی ان کو غم وفکر پر اکسا دیا، مطلب یہ ہے کہ صرف اپنی جان کی فکر تھی کہ یہاں سے بچ کر بھی جاتے ہیں؟ بس ان کو تو صرف اپنی نجات کی آرزو تھی نہ نبی اکرم ﷺ کی فکر تھی اور نہ صحابہ کرامؓ کی چنانچہ ان لوگوں کو اونگھ نہیں آئی، مطلب یہ ہے کہ سکون واطمینان سے محروم رہے اور یہ لوگ منافقین تھے يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الخ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیال کر رہے تھے ایسا خیال جو واقع کے خلاف تھا مفسرؒ نے ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ کی تفسیر میں ''اَیْ كَظَنِّ'' سے اشارہ کیا ہے کہ منصوب بنزع الخافض ہے اہل جاہلیت یعنی مشرکوں جیسا خیال یعنی ان منافقوں نے یقین کر لیا تھا کہ نبی کریم ﷺ معاذ اللہ قتل کر دیئے گئے یا نبی اکرم ﷺ کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی يَقُوْلُوْنَ هَلْ الخ وہ لوگ کہہ رہے تھے کیا ہم لوگوں کو کچھ ملا معاملہ میں سے یعنی اس نصرت کے معاملہ میں سے جس کا ہم سے وعدہ کیا تھا؟ استفہام انکاری بمعنی نفی ہے ای ماثبت لنا من النصر شیء، یہ منافقین آنحضرت ﷺ کی تکذیب میں کہہ رہے تھے کہ ہم کو اس نصرت میں سے کچھ نہیں ملا جس کا وعدہ ہم سے آپ ﷺ نے کیا تھا اس صورت میں لنا خبر مقدم ہے اور شَيْءٍ ؕ مبتداء مؤخر اور مِنْ زائدہ ہے اور مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ سے حال ہے۔ اکثر مفسرین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کیا ہمارا اختیار کچھ چلتا ہے؟ مطلب یہ تھا کہ ہمارے رائے کسی نے نہیں سنی جو جنگ سے پہلے ہم نے دی تھی خواہ مخواہ سب کو پھنسا دیا۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ آپ فرما دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے کلہ نصب کے ساتھ تاکید ہے یعنی امر کی جو ان کا اسم ہے اور ان کی خبر اللہ اور رفع کے ساتھ کلہ مبتدا اور للہ خبر پھر جملہ انّ کی خبر یعنی فیصلہ اسی کا چلتا ہے جو چاہے کر سکتا ہے يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ الخ وہ لوگ اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں ایسی بات جو آپ سے ظاہر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں یعنی مسلمانوں سے الگ ہونے پر آپس میں کہتے ہیں یا

یہ مطلب ہے کہ اپنے جی میں کہتے ہیں اور یَقُوْلُوْنَ ماقبل یعنی یُخْفُوْنَ کا بیان ہے جو سوال مقدر کا جواب ہے ماقبل میں فرمایا گیا" یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ،سوال پیدا ہوا ما الذی اخفوہ وہ بات کیا ہے جس کو منافقین آنحضور ﷺ سے پوشیدہ رکھتے اور چھپاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے۔ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ الخ اگر اس معاملے میں ہمارے لیے کچھ ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے یعنی اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ہم مدینہ سے باہر نہیں نکلتے اور نہ قتل کئے جاتے لیکن ہم تو جبرا نکالے گئے ہیں، ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ الخ اگر ہمارے لیے معاملہ میں سے کچھ ہوتا یعنی وہ نصرت وغلبہ جس کا وعدہ محمد ﷺ نے کیا تھا کہ فتح وغلبہ مسلمانوں کو ہوتا ہے تو یہ قتل وزخم کی مصیبت ہم پر کیوں آتی یعنی ہم مارے نہیں جاتے آپ فرما دیجئے ان لوگوں سے اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی ہوتے درانحالیکہ تم لوگوں کے اندر وہ لوگ ہوں جن پر اللہ تعالیٰ نے قتل ہونا لکھ دیا ہے لوح محفوظ میں تب بھی ضرور نکل پڑتے برز بمعنی خرج ہے یعنی مدینہ سے باہر نکل پڑتے وہ لوگ جن کے لیے قتل ہونا لکھ دیا گیا تھا مقدر ہو چکا تھا تم میں سے اپنے خواب گاہوں اپنے قتل گاہوں کی طرف، چنانچہ مارے جاتے اور انکا اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا انہیں بچا نہیں سکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یقینی طور پر ہو کر ہی رہتا ہے وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ الخ اور مفسر علام نے واؤ عاطفہ کے بعد "فعل ما فعل باحد" کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ اس کا تعلق فعل محذوف یعنی فعل ما فعل باحد سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کیا جو کچھ کیا ہے احد میں وہ اس لیے کیا تا کہ اللہ تعالیٰ امتحان کرے آزمالے جو کچھ تمہارے سینوں تمہاتے دلوں میں ہے یعنی اخلاص ونفاق اور تا کہ صاف کردے چھانٹ دے ان وساوس وکھوٹ کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی بات خوب جانتے ہیں اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ امتحان کرتے ہیں صرف اس لیے کہ عدالتی طریقہ سے لوگوں کے سامنے مؤمنین کا اخلاص اور منافق کا نفاق ظاہر کردے اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ بیشک تم میں سے جو لوگ پیٹھ پھیر گئے تھے جنگ سے جس روز کہ وہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں یعنی احد میں مسلمانوں کی جماعت اور کافروں کی جماعت جس دن ایک دوسرے سے مقابل ہوئیں اور پیٹھ پھیرنے والوں سے مراد مسلمان ہیں بجز بارہ اشخاص کے، یہی تعداد بخاری شریف کتاب التفسیر ص ۶۵۵ میں حضرت براء بن عازب ؓ سے مروی ہے لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ چودہ آدمی رہے جیسا کہ ابن سعد نے نام بنام شمار کیا ہے اور مسلم شریف کی روایت میں سات اور نسائی میں گیارہ مروی ہے اصل میں اختلاف اوقات اور اختلاف حالت کی وجہ سے حاضرین بارگاہ رسالت کے عدد میں روایتیں مختلف ہیں ہر ایک راوی کا بیان اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے درست ہے کسی وقت بارہ اور کسی وقت گیارہ اور کسی وقت سات آدمی آپ علیہ السلام کے ساتھ رہے اس لیے تعارض بالکل نہیں ہے۔ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الخ ان کو تو صرف شیطان نے اپنے وسوسہ سے لغزش میں مبتلا کر دیا مفسرؒ نے استزل کی تفسیر ازل سے کر کے یہ بتلایا کہ کبھی دونوں ہم معنی بھی آتے ہیں یعنی لغزش کرانا پھسلانا بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا انکے بعض اعمال کے سبب سے یعنی ان گناہوں کی وجہ سے جو انہوں نے کر لیے اور اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہے مرکز چھوڑنے کے معاملہ میں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں مسلمان کو نہایت تحمل والے ہیں کہ گنہگاروں پر جلد بازی نہیں کرتے ہیں سزا دینے میں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: بِسَبَبِ اِشْرَاکِہِمْ: اس سے اشارہ یہ ہے کہ بآسببیہ ہے اور مآ مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ۔

قولہ: وَجَوَابُ اِذَا دَلَّ: اس سے بتلایا کہ اس کا جواب ماقبل نہیں۔

قولہ: عَطْفٌ عَلٰی جَوَابِ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف ماسبق پر نہیں، بلکہ جواب پر ہے۔

قولہ: بِسَبَبِ غَمِّکُمُ الرَّسُوْلَ: یعنی اس غم کی وجہ سے جو تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کے سبب ان کو دیا۔

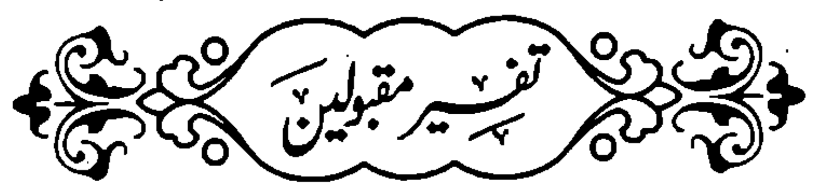
قولہ: فَلَا زَائِدَۃٌ: اگر اَوْ بِاَثَابَکُمْ سے اس کو متعلق کریں تو تا زائدہ ہے اور اگر عَفَا سے متعلق کیا جائے تو زائدہ نہیں، مطلب یہ ہوگا، یقیناً اس نے تم کو معاف کردیا تاکہ تم سے جو رہ گیا اس پر غم نہ کرو کیونکہ یہ حزن معافی کی فرحت سے زائل ہو جائے گا۔

قولہ: امنا: اس سے اشارہ کیا کہ امنۃ مصدر ہے امن کی جمع نہیں جیسے بررۃ جمع بار۔

قولہ: وَفَعَلَ مَا فَعَلَ: اس سے اشارہ ہے کہ یہ فعل محذوف کی علت ہے یہ لکیلا تحزنوا پر عطف نہیں۔

قولہ: اَزَلَّھُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ استفعال یہ افعال کے معنی میں ہے۔

قولہ: مِنَ الذُّنُوْبِ: یہ پابندی لگا کر بتلایا کہ جس طاعت کو مَا کَسَبُوْا شامل ہے وہ اس کا سبب نہیں بن سکتی۔



تفسیر مقبولین

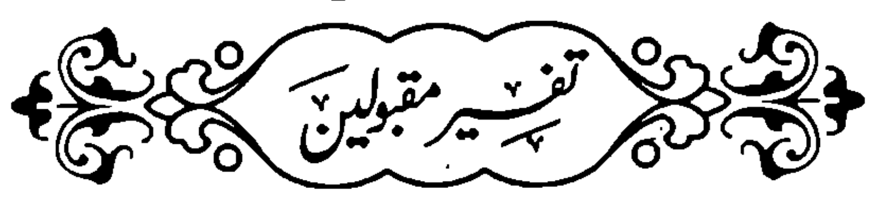
سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا....

کافروں کے قلوب میں رعب ڈالنے کا وعدہ:

فرمایا ہم کافروں کے دلوں میں ایسی ہیبت اور رعب ڈال دیں گے کہ وہ باوجود تمہارے زخمی اور کمزور ہونے اور نقصان اٹھانے کے تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرات نہ کرسکیں۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ ابوسفیان اپنی فوج لے کر بے نیل ومرام میدان سے بھاگا۔ راستہ میں ایک مرتبہ خیال بھی آیا کہ ایک تھکی ماندہ زخم خوردہ فوج کو ہم یوں ہی آزاد چھوڑ کر چلے آئے۔ چلو پھر واپس ہو کر ان کا کام تمام کردیں، مگر ہیبت حق اور رعب اسلام کے اثر سے ہمت نہ ہوئی کہ اس خیال کو عمل میں لاسکے۔ برخلاف اس کے مسلمان مجاہدین نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا اور اس کے بعد کبھی موقع نہ دیا کہ احد کے واقعات کا اعادہ ہوسکے۔

تنبیہ: مشرک خواہ کتنا ہی زور دکھلائے اس کا دل کمزور رہتا ہے کیونکہ وہ کمزور مخلوق کی عبادت کرتا ہے۔ بس جیسا معبود ویسے عابد (ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ) (الحج ۲۲: ۷۳) ویسے بھی اصلی زور وقوت تو فی الحقیقت خدا کی تائید وامداد سے ہے جس سے کفار مشرکین یقیناً محروم ہیں۔ اسی لئے جب تک مسلمان، مسلمان رہے، ہمیشہ کفار ان سے خائف ومرعوب رہے۔ بلکہ ہم آج

تک مشاہدہ کرتے ہیں کہ باوجود مسلمانوں کے سخت انتشار وتشتت اور ضعف وتنزل کے دنیا کی تمام کافر طاقتیں اس سوئے ہوئے زخمی شیر سے ڈرتی رہتی ہیں۔ اور ہمیشہ فکر رکھتی ہیں کہ یہ قوم بیدار ہونے نہ پائے۔ علمی اور مذہبی مناظروں میں بھی اسلام کا یہی رعب مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت سے دشمنوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے بیشک اسی کا اثر ہے جوامت مسلمہ کو ملا۔ فللّٰہ الحمد علی ذلک ولہ المنۃ۔



يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اَيْ فِيْ شَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا سَافَرُوْا فِي الْاَرْضِ فَمَاتُوْا اَوْ كَانُوْا غُزًّى جَمْعُ غَازٍ فَقُتِلُوْا لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ اَيْ لَا تَقُوْلُوْا كَقَوْلِهِمْ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْقَوْلَ فِيْ عَاقِبَةِ اَمْرِهِمْ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ فَلَا يَمْنَعُ عَنِ الْمَوْتِ قُعُوْدٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيِ الْجِهَادِ اَوْ مُتُّمْ بِضَمِّ الْمِيْمِ وَكَسْرِهَا مِنْ مَاتَ يَمُوْتُ وَيَمَاتُ اَيْ اَتَاكُمُ الْمَوْتُ فِيْهِ لَمَغْفِرَةٌ كَائِنَةٌ مِّنَ اللّٰهِ لِذُنُوْبِكُمْ وَرَحْمَةٌ مِّنْهُ لَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَاللَّامُ وَمَدْخُوْلُهَا جَوَابُ الْقَسَمِ وَهُوَ فِيْ مَوْضِعِ الْفِعْلِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ مِنَ الدُّنْيَا بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ مُّتُّمْ بِالْوَجْهَيْنِ اَوْ قُتِلْتُمْ فِي الْجِهَادِ اَوْ غَيْرِهٖ لَاِلَى اللّٰهِ لَا اِلٰى غَيْرِهٖ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ فَبِمَا مَا زَائِدَةٌ رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ يَا مُحَمَّدُ لَهُمْ ۚ اَيْ سَهُلَتْ اَخْلَاقُكَ اِذْ خَالَفُوْكَ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا سَيِّءَ الْخُلُقِ غَلِيْظَ الْقَلْبِ جَافِيًا فَاَغْلَظْتَ لَهُمْ لَانْفَضُّوْا تَفَرَّقُوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ تَجَاوَزْ عَنْهُمْ مَا اَتَوْهُ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ذُنُوْبَهُمْ حَتّٰى اَغْفِرَ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ اِسْتَخْرِجْ اٰرَاءَهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ اَيْ شَانِكَ مِنَ الْحَرْبِ وَغَيْرِهٖ تَطْيِيْبًا لِقُلُوْبِهِمْ وَلِيَسْتَنَّ بِكَ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرَ الْمُشَاوَرَةِ لَهُمْ فَاِذَا عَزَمْتَ عَلٰى اِمْضَاءِ مَا تُرِيْدُ بَعْدَ الْمُشَاوَرَةِ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ ثِقْ بِهٖ لَا بِالْمُشَاوَرَةِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ عَلَيْهِ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ يُعِنْكُمْ عَلٰى عَدُوِّكُمْ كَيَوْمِ بَدْرٍ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ

يَخْذُلْكُمْ بِتَرْكِ نَصْرِكُمْ كَيَوْمِ اُحُدٍ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اَيْ بَعْدَ خُذْلَانِهٖ اَيْ

لَا نَاصِرَ لَكُمْ وَعَلَى اللّٰهِ لَا غَيْرِهٖ فَلْيَتَوَكَّلِ لِيَثِقِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَنَزَلَ لَمَّا فُقِدَتْ قَطِيْفَةٌ حَمْرَاءُ يَوْمَ بَدْرٍ

فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا وَمَا كَانَ يَنْبَغِيْ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ يَخُوْنَ فِي

الْغَنِيْمَةِ فَلَا تَظُنُّوْا بِهٖ ذٰلِكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَيْ يُنْسَبُ اِلَى الْغُلُوْلِ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ حَامِلًا لَهٗ عَلٰى عُنُقِهٖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ الْغَالِّ وَغَيْرِهٖ جَزَاءَ مَّا كَسَبَتْ عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ شَيْئًا اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ فَاَطَاعَ وَلَمْ يَغُلَّ كَمَنْۢ بَآءَ رَجَعَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ بِمَعْصِيَتِهٖ وَ

غُلُوْلِهٖ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ الْمَرْجِعُ هِيَ لَا هُمْ دَرَجٰتٌ اَيْ اَصْحَابُ دَرَجٰتٍ عِنْدَ

اللّٰهِ ؕ اَيْ مُخْتَلِفُوا الْمَنَازِلِ فَلِمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ الثَّوَابُ وَلِمَنْ بَاءَ بِسَخَطِهِ الْعِقَابُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اَيْ

عَرَبِيًّا مِثْلَهُمْ لِيَفْهَمُوْا عَنْهُ وَيَشْرُفُوْا بِهٖ لَا مَلَكًا وَلَا عَجَمِيًّا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ الْقُرْاٰنِ وَيُزَكِّيْهِمْ يُطَهِّرُهُمْ

مِنَ الذُّنُوْبِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ ۚ السُّنَّةَ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ اَيْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ اَيْ قَبْلَ

بَعْثِهٖ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ بَيِّنٍ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ بِاُحُدٍ بِقَتْلِ سَبْعِيْنَ مِنْكُمْ قَدْ اَصَبْتُمْ

مِّثْلَيْهَا ۙ بِبَدْرٍ بِقَتْلِ سَبْعِيْنَ وَاَسْرِ سَبْعِيْنَ مِنْهُمْ قُلْتُمْ مُتَعَجِّبِيْنَ اَنّٰى مِنْ اَيْنَ لَنَا هٰذَا ؕ الْخُذْلَانُ وَنَحْنُ

مُسْلِمُوْنَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْنَا وَالْجُمْلَةُ الْاَخِيْرَةُ فِيْ مَحَلِّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ قُلْ

لَهُمْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ لِاَنَّكُمْ تَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ فَخُذِلْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمِنْهُ

النَّصْرُ وَمَنْعُهُ وَقَدْ جَازَاكُمْ بِخِلَافِكُمْ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ بِاُحُدٍ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهٖ وَ

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ حَقًّا وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَالَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ لَمَّا انْصَرَفُوْا

عَنِ الْقِتَالِ وَهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ وَاَصْحَابُهٗ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَعْدَاءَهٗ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ عَنَّا الْقَوْمَ

بِتَكْثِيْرِ سَوَادِكُمْ اِنْ لَّمْ تُقَاتِلُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ نُحْسِنُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ قَالَ تَعَالٰى تَكْذِيْبًا لَهُمْ هُمْ

لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ بِمَا اَظْهَرُوْا مِنْ خُذْلَانِهِمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَكَانُوْا قَبْلُ اَقْرَبَ اِلَى الْاِيْمَانِ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَلَوْ عَلِمُوْا قِتَالًا لَمْ يَتَّبِعُوْكُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ مِنَ النِّفَاقِ اَلَّذِيْنَ بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهُ اَوْ نَعْتٌ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ فِي الدِّيْنِ وَقَدْ قَعَدُوْا عَنِ الْجِهَادِ لَوْ اَطَاعُوْنَا اَيْ شُهَدَاءُ اُحُدٍ اَوْ اِخْوَانُنَا فِي الْقُعُوْدِ مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ لَهُمْ فَادْرَءُوْا اِدْفَعُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ فِيْ اَنَّ الْقُعُوْدَ يُنْجِيْ مِنْهُ وَنَزَلَ فِي الشُّهَدَاءِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيْ لِاَجْلِ دِيْنِهٖ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ حَوَاصِلِ طُيُوْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثٍ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ يَاْكُلُوْنَ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ فَرِحِيْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُرْزَقُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ يَفْرَحُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ مِنْ اِخْوَانِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُبْدَلُ مِنَ الَّذِيْنَ اَنْ اَيْ بِاَنْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ اَيِ الَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ فِي الْاٰخِرَةِ الْمَعْنٰى يَفْرَحُوْنَ بِاَمْنِهِمْ وَفَرْحِهِمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ ثَوَابٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ زِيَادَةٍ عَلَيْهِ وَّاَنَّ بِالْفَتْحِ عَطْفًا عَلٰى نِعْمَةٍ وَالْكَسْرِ اسْتِئْنَافًا اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ بَلْ يَاْجُرُهُمْ۔

ربع — ع ۱۶ / ۸

تَرْجَمَہ: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا یعنی منافقین اور وہ کہتے ہیں اپنے ہم نسب یا ہم مذہب منافق بھائیوں کے لیے یعنی ان کے حق میں ان کے بارے میں جب وہ لوگ سفر کرتے ہیں کسی زمین میں پھر اتفاقاً وہاں مرجائیں، مفسرؒ نے فماتوا اور اَوْ كَانُوْا غُزًّى کے بعد فَقُتِلُوْا کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ یہ محذوف ہے جس پر آگے کی عبارت مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ قرینہ ہے یا جہاد میں ہوں غزی، غازی کی جمع ہے اور غازی کی جمع غزاۃ بھی آئی ہے بمعنی مجاہد، دشمن سے جہاد کرنے والا پھر وہ جہاد کرنے والا، پھر وہ جہاد میں قتل ہو جائیں تو منافقین کہتے ہیں اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے یعنی سفر اور جہاد میں نہ جاتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے یعنی اے مسلمانو! تم لوگ ان جیسی باتیں نہ بولو کیوں کہ اس سے تقدیر کا انکار لازم آتا ہے جو صریح گمراہی ہے جیسے اسلام میں فرقہ قدریہ گمراہ ہوا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ تا کہ اللہ تعالیٰ بنادیں اس کو یعنی اس بات کو آخرکار ان کے لیے ان کے دلوں میں حسرت مطلب یہ ہے کہ ان کا تقدیر کے خلاف یہ عقیدہ جس پر ان کا قول دلالت کرتا ہے آخر کار قلبی حسرت بن جائے گا کیوں کہ نتیجہ حسرت کے سوا کچھ نہیں مفسر علامؒ نے اپنی تفسیری عبارت فی عَاقِبَةِ اَمْرِهِمْ" سے اشارہ کیا ہے کہ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ الخ میں لام عاقبت کا ہے اور قالوا

کا متعلق ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ قول کی طرف ہے مطلب یہ ہے کہ منافقوں کی زبان و دل پر یہ باتیں اس لیے جاری کی گئیں کہ خدا اُن کو ہمیشہ اسی حسرت و افسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے پس گھر میں بیٹھ رہنا موت کو نہیں روک سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو سب دیکھ رہے ہیں تَعْمَلُوْنَ میں ایک قراءت یا کے ساتھ ہے اس صورت میں کافروں کے لیے وعید ہے یعنی جو کچھ کفار کرتے ہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، چنانچہ تمہیں اس کا بدلہ دیں گے وَلَئِنْ اور اگر لام قسم ہے تم قتل ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی جہاد میں یا مر جاؤ مُتُّمْ مِیم کے ضمہ کے ساتھ از مات یَمُوْتُ باب نصر، دوسری قراءت میم کے کسرہ کے ساتھ ہے مات یمات بروزن خاف یخاف یعنی تمہارے پاس موت آ جائے سفر میں لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ تو اللہ کی طرف سے تمہارے گناہوں کی مغفرت ہوگی اور رحمت یعنی اللہ کی رحمت ہو گی، عَلٰی ذٰلِكَ میں علی بمعنی لام تعلیل ہے ای علی ماذکر من الموت والقتل یعنی اس موت اور قتل کی وجہ سے تم پر اللہ کی رحمت ہوگی، مفسر کا قول "وَاللَّامُ وَمَدْخُوْلُهَا الخ یعنی لَمَغْفِرَةٌ کا لام ابتدا اور اس کا مدخول جواب قسم ہے اور جزاء شرط کے قائم مقام ہے۔ وھو فی موضع الفعل اس میں ھو ضمیر کا مرجع لَمَغْفِرَةٌ الخ پورا کلام فعل کی جگہ میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: لئن قتلتم فی سبیل اللہ اومتم لیغفرن اللہ لکم ویرحمکم، یہ کلام مبتدا ہے اور اس کی خبر آگے ہے خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں یعنی دنیا کی دولت يَجْمَعُوْنَ یا کے ساتھ اور تا کے ساتھ دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ الخ اور اگر لام قسم ہے تم مر گئے مُّتُّمْ بِالْوَجْهَيْنِ یعنی میم کے ضمہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ یا مارے گئے جہاد وغیرہ میں بالضرور اللہ ہی کے پاس نہ کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس جمع کیے جاؤ گے یعنی آخرت میں، چنانچہ تم کو بدلہ دے گا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ فاء تعقیب کے لیے ہے اور باء سببیہ ہے اور ما زائدہ تاکید کے لیے اور رحمۃ کی تنوین تعظیم کے لئے ای فبرحمۃ عظیمۃ من اللہ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے قابل مواخذہ و قابل گرفت لغزش کے بعد اللہ تعالیٰ ہی کی عظیم الشان رحمت کی وجہ سے آپ نرم مزاج ہوئے ہیں اے محمد ﷺ ان کے لیے یعنی جب ان مسلمانوں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی آپ نرم اخلاق والے رہے نرم طبیعت رہے اور اگر ہوتے آپ سخت مزاج (بداخلاق) سخت دل (یعنی اُجڈ ہوتے کہ ان کو جھڑکتے رہتے) تو سب منتشر ہو جاتے (الگ ہو جاتے) آپ ﷺ کے پاس سے پھر آپ کے فیوض و برکات سے محروم ہو جاتے سو معاف کر دیجئے ان کو ان سے جو قصور ہوا اور گذر فرمائیے اور آپ ان کے لئے مغفرت طلب کیجئے ان کے گناہوں کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور آپ ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے یعنی دستور کے مطابق ان کی رائے بھی معلوم کر لیا کیجئے، ان کو بھی مشورہ میں شریک کر لیا کیجئے معاملہ میں یعنی جنگ وغیرہ کے معاملہ میں ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے اور اس لیے بھی کہ آپ کی سنت جاری ہو جائے اور نبی اکرم ﷺ اکثر ان حضرات سے مشورہ لیا کرتے تھے پھر جب آپ عزم کر لیں یعنی مشورہ کے بعد جب اپنے ارادہ کے نافذ کرنے پر پختہ رائے کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں یعنی اس ذات خداوندی پر بھروسہ کیجئے نہ کہ محض مشورہ پر بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں ان لوگوں سے جو اعتماد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد

کرے گا یعنی تمہارے دشمن کے مقابلہ میں اگر اللہ تمہاری مدد کرے غزوہ بدر کی طرح تو پھر کوئی تم پر غلبہ پانے والا نہ ہوگا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے یعنی تمہاری مدد نہ کرے تو کون ہے ایسا جو تمہاری مدد کر سکتا ہے اس کے بعد؟ یعنی اس کے بے مدد چھوڑنے کے بعد کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں ہے تمہارا مددگار، مفسرؒ نے فلا ناصر سے اشارہ کیا ہے کہ استفہام انکاری ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر اس کے علاوہ کسی پر نہیں ایمان والوں کو توکل کرنا چاہئے اعتماد رکھنا چاہئے۔ اور جب غزوہ بدر کے غنائم میں ایک سرخ دھاری دار چادر گم ہوگئی تو بعض لوگ کہنے لگے کہ شاید نبی اکرم ﷺ نے اس کو لے لیا ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ الخ اور کسی نبی کا یہ کام نہیں یعنی نبی سے بعید ہے کہ وہ خیانت کرے یعنی مال غنیمت میں خیانت کرے، سو تم لوگ اس نبی ﷺ کے ساتھ ایسا گمان مت کرو کیوں کہ خیانت گناہ کبیرہ ہے اور نبی معصوم ہے، ایک قراءت میں لفظ یغل مجہول ہے۔ اَیْ یُنْسَبُ اِلَی الْغُلُوْلِ، یعنی نبی کی شان سے بعید ہے کہ خیانت کی طرف نسبت کی جائے وَمَنْ يَّغْلُلْ الخ اور جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص قیامت کے روز اس خیانت کی ہوئی چیز کے ساتھ آئے گا یعنی اپنی گردن پر لاد کر پھر ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا یعنی جو خیانت کرنے والا ہے اور اس کے علاوہ ہر مجرم کو بدلہ ملے گا جو اس نے کمایا ہے عمل کیا ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا کچھ بھی کیا وہ شخص جس نے رضائے الٰہی کی پیروی کی یعنی اللہ کی اطاعت کی اور خیانت نہیں کی اس شخص کے مانند ہو جائے گا جو پھرا ہے لوٹا ہے اللہ کے غضب کے ساتھ اپنی معصیت اور خیانت کی وجہ سے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو اور برا ٹھکانا ہے وہ مصیر بمعنی مرجع ہے اور مفسر کا قول "ھِیَ" مخصوص بالذم ہے اور "لَا" جواب استفہام، مطلب یہ ہے کہ ہرگز یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ لَا هُمْ دَرَجٰتٌ یہ لوگ مختلف درجات والے ہیں اللہ کے نزدیک مفسرؒ نے اَیْ اَصْحَابُ دَرَجٰتٍ سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے هُمْ کا مرجع اس صورت میں ہر دو موصول ہوگا اور یہ مبتدا ہے اور درجات خبر اَیْ مُخْتَلِفُوا الْمَنَازِلِ یعنی یہ مذکورین یعنی متبعین اور مغضوبین درجات میں مختلف ہوں گے پس جن لوگوں نے رضائے الٰہی کی پیروی کی ان کے لئے ثواب ہے اور اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹنے والے کے لئے سزا اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں جو کچھ وہ کر رہے ہیں چنانچہ ان کو اس کا بدلہ دیں گے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ الخ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا ہے جب کہ اس نے ان میں ایک رسول بھیجا خود انہی میں سے یعنی ان ہی کے مثل عربی کو بھیجا تا کہ آسانی سے ان کا کلام سمجھ لیں اور آپ ﷺ کے ذریعہ مشرف ہو سکیں نہ فرشتہ کو بھیجا اور نہ عجمی کو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ الخ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں یعنی قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں یعنی گناہوں سے ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کی تعلیم دیتے ہیں کتاب قرآن حکیم اور حکمت سنت کی وَاِنْ كَانُوْا الخ یہ ان مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ ای انھم اور بلاشبہ یہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے یعنی واضح گمراہی کفر و شرک میں تھے۔ اور جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی کہ غزوہ احد میں تمہارے ستر آدمی قتل ہو گئے حالاں کہ تم اس سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو غزوہ بدر میں ان کے ستر آدمی کو قتل اور ستر کو قید کر کے تو کیا تم بول اٹھے تعجب کرتے ہوئے کہ کہاں سے یہ مصیبت آئی یعنی کدھر سے ہم پر یہ رسوائی آئی حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ کے رسول ہم میں موجود ہیں وَالْجُمْلَةُ الْاَخِيْرَةُ الخ اور جملہ اخیرہ یعنی قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا استفہام انکاری کے محل میں ہے مطلب یہ ہے کہ

اَوَ لَمَّآ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اور لفظ قُلْتُمْ پر داخل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: اقلتم ما ذکر لما اصابتکم یعنی تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہئے۔ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ آپ فرما دیجئے ان سے کہ یہ مصیبت خود تمہاری طرف سے آئی ہے اس لئے کہ تم نے مرکز چھوڑ دیا تو تمہاری مدد چھوڑ دی گئی، مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شدید کی تاکید کے باوجود تم نے مورچہ چھوڑ کر نافرمانی کی اس لیے یہ مصیبت آئی تو اس مصیبت کا سبب تم خود بنے ہو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں منجملہ اس کے مدد کرنا اور مدد کو روکنا بھی ہے اور تم کو تو تمہاری مخالفت کی وجہ سے سزا دی ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ الخ اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ دونوں فوجیں ٹکرائیں غزوہ احد میں سو وہ مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم ارادہ سے ہوئی کیونکہ اس میں مختلف حکمتیں تھیں جن کا بیان پہلے بھی گذر چکا ہے اور ان میں سے ایک حکمت یہ ہے تاکہ دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا یعنی لوگوں کی نظر میں ان لوگوں کو جو ایمان والے ہیں حقیقتاً اور دیکھ لیں ان لوگوں کو جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور وہ لوگ جن سے کہا گیا جب جہاد سے پھرنے لگے اور یہ لوگ عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب ہیں جو تین سو تھے کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو اس کے دشمنوں سے یا مدافعت کرو یعنی ہم سے دشمن کو دفع کرو اپنی جماعت کو بڑھا کر اگر جنگ نہیں کر سکتے ہو، مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کر سکتے تو کم از کم مجمع میں شریک رہو تاکہ دشمن پر کثرت تعداد کا اثر ہو قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ الخ کہنے لگے یعنی مسلمانوں کے مذکورہ قول کے جواب میں منافقین کہنے لگے اگر ہم جانتے محسوس کرتے لڑائی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے لیکن یہ کوئی لڑائی ہے کہ تین ہزار کے مقابلے میں ایک ہزار آدمی وہ بھی بے سروسامان؟ یہ لڑائی کیا ہے محض اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں وہ منافقین اس روز کفر سے زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کی مدد چھوڑنے یعنی علیحدگی کا کھلم کھلا اظہار کیا حالانکہ اس سے قبل ظاہری طور پر ایمان سے زیادہ قریب ہے مطلب یہ ہے کہ پہلے بھی گو دل سے مؤمن نہ تھے مگر مسلمانوں کے ساتھ موافقت کی باتیں بنات رہتے تھے اس روز علیحدگی کو بالکل ظاہر کر کے کفر کے قریب تر ہو گئے وہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں اگر وہ لوگ واقعی لڑائی جان لیتے یا محسوس کر لیتے تو بھی تمہارا ساتھ نہیں دیتے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جس نفاق کو یہ چھپاتے ہیں اَلَّذِیْنَ بدل ہے ماقبل کے الذین نافقوا سے یا الذین نافقوا کی صفت ہے یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے دینی بھائیوں کے متعلق کہتے ہیں حالانکہ خود تو بیٹھ رہے جنگ سے یعنی شریک نہیں ہوئے اگر وہ ہماری بات مان لیتے یعنی شہداء احد یا ہمارے بھائی گھر بیٹھ رہنے میں ہماری بات مان لیتے اور ہمارے منع کرنے پر شریک نہ ہوتے تو وہ بھی مارے نہ جاتے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْمُنَافِقِیْنَ: اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا کا ترجمہ منافقین سے کر کے ظاہر کیا کہ یہاں کفر باطنی مراد ہے۔

قوله: اَیْ فِیْ شَاْنِهِمْ: یہ تاویل اس لیے کی کہ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ یہ بظاہر اخوان مخاطب ہوں تو بدل ہے مگر لَوْ كَانُوْا

عِنۡدَنَا کے قرینہ سے یہ درست نہیں۔ اس کو مَا مَاتُوۡا کے درست معنی کے لیے مقدر ماننا ضروری ہے۔

قوله: فِیۡ عَاقِبَۃِ: یہ لام عاقبت ہے۔ لام غرض نہیں کیونکہ اس کا تعلق بقالوآ سے ہے جو ان کی غرض نہیں۔

قوله: لَامُ قَسَمٍ: اس سے اشارہ کیا کہ جزاء شرط پر لام کیوں آیا ہے جو کہ الْمَغْفِرَۃُ ..... ہے۔

قوله: اَتَاکُمُ الْمَوْتُ: لفظ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یہ مُتُّمۡ میں مقدر ہے کیونکہ اس کا عطف قُتِلۡتُمۡ پر ہے۔

قوله: کَائِنَۃٌ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ ظرف یہ مغفرت کی صفت ہے، اس کی خبر نہیں۔

قوله: مِنۡہُ: کو مقدر مانا کیونکہ وَرَحۡمَۃٌ کا عطف مَغۡفِرَۃٌ پر ہے۔ معطوف کی اسناد جس طرف ہو معطوف علیہ کی اسی طرف ہونی لازمی ہے۔

قوله: ذٰلِكَ: اس کا مشار الیہ قتل و موت ہے۔

قوله: فِیۡ مَوۡضِعِ الۡفِعۡلِ: یہ جواب شرط کے قائم مقام ہے کیونکہ جواب قسم و شرط فعل ہوا کرتا ہے۔

قوله: مِنَ الدُّنۡیَا: اس سے خبردار کیا کہ اس کا عائد ما موصولہ محذوف ہے۔

قوله: لَا اِلٰی غَیۡرِہٖ: اس سے اشارہ کیا کہ تقدیم ظرف اپنے متعلق سے یہ حصر کو ظاہر کرتی ہے۔

قوله: مَازَائِدَۃٌ: اس لیے کہ اس کا موصولہ، شرطیہ، نافیہ، موصوفہ مصدریہ بننا درست نہیں۔

قوله: مَا اَتَوۡہُ: اس سے آپ کے حکم کی مخالفت والا حق مراد ہے۔

قوله: شَانِكَ: ان معاملات میں نہیں جن میں وحی اتری ہو۔

قوله: لَا نَاصِرَ لَكُمۡ: استفہام انکار کے لیے ہے۔

قوله: یَنۡبَغِیۡ: اس سے اشارہ کیا کہ نفی جواز و صحت مراد ہے امکان ذاتی کی نفی نہیں۔

قوله: یُنۡسَبُ اِلَی الۡغُلُوۡلِ: اس میں مبالغہ ہے کہ تقسیم غنیمت پر اعتراض کو غلول قرار دیا۔

قوله: جَزَاءِ: مضاف کو مقدر مانا، جو کمایا اس کو پورا پورا دینا محال ہے۔

قوله: عَمِلَتۡ: اشارہ کیا کہ مَّا کَسَبَتۡ عام ہے، خیر سے مختص نہیں۔

قوله: بِمَعۡصِیَتِہٖ: مسبّب کا ذکر کیا اور مراد سبب لیا۔

قوله: مُخۡتَلِفُوا الۡمَنَازِلِ: یہ مطلب نہیں کہ تمام اصحاب بلند درجات میں یکساں ہیں۔

قوله: اِنَّهُمۡ کَانُوۡا: هُمۡ ضمیر کو مقدر مانا تا کہ ان کی بات رد کی جائے جو ضمیر شان کو مقدر مانتے ہیں۔

قوله: بَیِّنٍ: اس سے اشارہ ہے کہ متعدی یہاں لازم کے معنی میں ہے۔

قوله: فِیۡ مَحَلِّ الۡاِسۡتِفۡهَامِ الۡاِنۡکَارِیِّ: یہ استفہام انکار کے محل میں واقع ہے۔

قوله الَّذِیۡنَ: اس میں اشارہ ہے قِیۡلَ لَهُمۡ کا عطف نَافَقُوۡا پر ہے وہ صلہ کے تحت داخل ہے، الگ کلام نہیں۔

قوله: بِتَکۡثِیۡرِ سَوَادِکُمۡ: یہ قید اس لیے بڑھائی تا کہ قَاتِلُوۡا کا مغایر بن کر عطف درست ہو۔

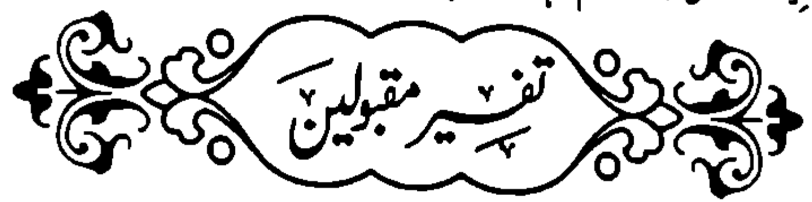
قوله: اَزْوَاحُهُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ عِنْدَ یہاں قرب مکانی کے لیے نہیں۔

قوله: فدرھم: اس سے اشارہ کیا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس کا عطف هُمْ احیاء پر ہے۔

قوله: بِاَنْ: با کو مقدر مانا تا کہ بدل مجرور بھی مجرور ہو۔

قوله: اَلْمَعْنٰی یَفْرَحُوْنَ بِاَمْنِهِمْ: انَّ مصدریہ ہے، تفسیر یہ نہیں کیونکہ اس کی شرط موجود نہیں۔

قوله: وَالْکَسْرِ اسْتِئْنَافًا: یعنی ابتداء کلام ہے، ماسبق پر عطف نہیں۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا .....

کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جن کو جہاد میں جانا پسند نہیں:

بہت سے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خیر کا کام نہ خود کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں اور جو لوگ خیر کے کاموں میں لگیں ان کو طعنے دیتے ہیں۔ اور جو خیر انہیں نصیب ہوا سے نقصان سے تعبیر کرتے ہیں جو لوگ حب دنیا میں غرق ہوں انہیں دوسروں کے آخرت کے اعمال نہیں بھاتے۔ اللہ کے لیے جو ان کی جانی یا مالی قربانی ہو وہ انہیں اچھی نہیں لگتی۔ منافقین کا یہی حال تھا انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائی (نسب میں ان کے بھائی ہوتے تھے اور منافقین ظاہری طور پر دینی بھائی بھی کہلاتے تھے) جو سفر میں گئے یا جہاد میں شریک ہوئے یہ اگر یہیں ہمارے پاس رہتے، سفر میں نہ جاتے، جہاد نہ کرتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے بظاہر ان کا یہ کہنا ہمدردی جتانے کے لیے تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ہمدردی خیر کے کاموں سے روکنے میں نہیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ ایسا کہنا ان کے قلوب میں حسرت کا سبب ہے پھر فرمایا کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص کسی جگہ قیام کرنے سے قضائے الٰہی سے نہیں بچ سکتا وہ جہاں بھی ہوگا قضا اور قدر کے موافق اجل مسمّٰی پر اس کو موت آ ہی جائے گی۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .....

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی سامان سے بہتر ہے:

پھر فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں اگر قتل ہو گئے یا اللہ کی راہ میں مر گئے تو یہ کوئی نقصان کا سودا نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا سبب ہے اور اللہ کی مغفرت اور رحمت اس سے بہتر ہے جو کچھ ایسی باتیں کرنے والے جمع کرتے ہیں۔ دنیا کے لالچی دنیا ہی کے لیے سوچتے ہیں اور اسی دنیا کو دوسروں کے لیے پسند کرنے کی وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی کہ یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ مزید زندگی پا لیتے کچھ پیسہ اور کما لیتے اور یہ پیسہ اللہ کی مغفرت اور رحمت کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم مر گئے یا مقتول ہو گئے تو اللہ کی بارگاہ میں ضرور جمع کیے جاؤ گے، مرنا اور بارگاہ

خداوندی میں پیش ہونا ہر ایک کے لیے ضروری ہے پھر اللہ کی راہ میں کیوں نہ مریں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ ....

رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ:

غزوہ احد کے موقعہ پر مسلمانوں سے جو لغزش ہو گئی تھی اور میدان چھوڑ کر چلے گئے تھے جس سے رسول اکرم ﷺ کو غم پہنچا اور تکلیف ہوئی اس پر آپ نے ان سے سختی کا معاملہ نہیں کیا۔ ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کے ان کریمانہ اخلاق اور آپ کی نرم مزاجی کی اس آیت میں تعریف فرمائی۔ نیز مسلمانوں کی بھی دلداری اور دل جوئی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اول تو دو مرتبہ اپنی طرف سے معافی کا اعلان فرمایا۔ جس کا ذکر پچھلے رکوع میں آچکا ہے پھر اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ بھی معاف فرما دیں اور نہ صرف یہ کہ خود معاف فرما دیں بلکہ ان کے لیے اللہ جل شانہ سے بھی استغفار کریں۔ اور مزید دلداری یوں فرمائی کہ آپ کو ان سے مشورہ لینے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ مشورہ کے بعد جس طرف آپ کی رائے پختہ ہو جائے اللہ کے بھروسہ پر اس پر عمل کر لیجیے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھتے ہیں وہ اللہ کو محبوب ہیں۔

خوش خلقی کا بلند مرتبہ:

آنحضرت ﷺ خوش اخلاق و خوش مزاج ہمیشہ ہی سے تھے اس موقعہ پر خاص طور پر اس کا مظاہرہ ہوا۔ مؤطا میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔ حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے زیادہ بھاری چیز قیامت کے دن جو مؤمن کی ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے اور بے شک اللہ کو فحش گو اور بدزبان مبغوض ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مؤمن اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے راتوں رات نماز پڑھنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ پا لیتا ہے۔ نرمی خوش خلقی کا بہت بڑا جزو ہے صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نرمی سے محروم ہو گیا وہ خیر سے محروم ہو گیا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نرمی جس کسی چیز میں بھی ہو گی اسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نرمی نکال جائے گی وہ عیب دار ہو جائے گی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں بتا دوں جو آتش دوزخ پر حرام ہے اور جس پر آتش دوزخ حرام ہے پھر فرمایا کہ یہ صفت اس شخص کی ہے جس سے ملنا جلنا آسان ہو نرم مزاج ہو قریب ہو سہل ہو، سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سخت مزاج بد اخلاق داخل نہیں ہو گا۔ (یہ روایات مشکوٰۃ المصابیح باب الرفق والحیاء وحسن الخلق) میں مذکور ہیں۔ آنحضرت ﷺ تو تمام خلق حسن والوں کے سردار تھے۔ آپ کیوں نرم نہ ہوتے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچیں سب کو سہہ گئے اور نرمی کے ساتھ نباہ گئے۔

معلمین اور مرشدین خوش خلقی اختیار کریں:

انسان کا مزاج ہے کہ بردبار وخوش اخلاق متواضع اور منکسر المزاج کے پاس جانا اور اٹھنا بیٹھنا اور اس سے فیض لینا اور علم و معرفت حاصل کرنا پسند کرتا ہے جو حضرات حضرت رسول اکرم ﷺ کے نائب ہیں معلم ہیں محدث ہیں، مفتی ہیں، مرشد ہیں، مبلغ ہیں داعی اور ہادی ہیں، ان لوگوں کے لیے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے، اگر امت کو علم سکھانا اور فیض پہنچانا ہے تو نرم مزاج، نرم خو، شفیق اور مہربان بردبار بنیں ورنہ صاحب بڑے عالم اور اونچے درجہ کے مرشد ہیں اور ہمیں ان سے فیض مل سکتا ہے پھر بھی فیض لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، یوں تو ہر مسلمان ہی کو خوش خلق اور نرم مزاج ہونا چاہیے لیکن خاص کر معلمین مصلحین، مبلغین مرشدین کو تو بہت ہی زیادہ اس صفت سے متصف ہونا ضروری ہے۔

کمال یہی ہے کہ عامۃ المسلمین میں گھل مل کر رہے۔ خیر کے کام کرے خیر کی تعلیم دے اور ان سے جو تکلیف پہنچے اس کو برداشت کرے۔ اپنی ذاتی نیکیوں کو لے کر تنہائی میں بیٹھ جانا تا کہ لوگ تکلیف نہ دیں اس میں وہ بات نہیں جو خیر پہنچانے اور تکلیف اٹھانے میں ہے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور ان سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو گھل مل کر نہیں رہتا اور لوگوں کی تکلیف پر صبر نہیں کرتا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص: ۴۳۲)

مشورہ کرنے کا حکم:

پھر فرمایا: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ اللہ جل شانہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ فرمانے کا حکم دیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اپنے صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی آپ نے مشورے فرمائے۔ آیت شریفہ میں مشورے کا حکم دے کر حضرات صحابہ کی اللہ تعالیٰ نے دلجوئی فرمائی اور ان کا اعزاز و اکرام فرمایا یہ مشورہ ان امور میں نہیں تھا جہاں کوئی نص قطعی اور واضح حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجود ہو، جن امور کو آنحضرت سرور عالم ﷺ کے سپرد فرما دیا گیا ان میں مشورہ کرنے کا حکم فرمایا۔

مشورہ کی ضرورت اور اہمیت:

اس سے مشورے کی اہمیت اور ضرورت ظاہر ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ جب سید الاولین والآخرین ﷺ مشورہ سے مستغنی نہیں تو آپ کے بعد ایسا کون ہو سکتا ہے جو مشورہ سے بے نیاز ہو، آئندہ آنے والے امراء اور اصحاب اقتدار اور امت کے کاموں کے ذمہ دار جو بھی آئیں سب کے لیے مشورہ کرنے کی ضرورت واضح ہو گئی۔ مشورہ میں بہت خیر ہے جو اصحاب رائے ہوں خواہ عمر یا مرتبہ میں چھوٹے ہی ہوں ان کو مشورہ میں شریک کرنا چاہیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشورہ کرنے کی صورت میں مختلف رائیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان رایوں کے درمیان سے کسی مناسب ترین رائے کو اختیار کر لینا آسان ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ بڑے کی نظر سے وہ گوشے اوجھل رہ جاتے ہیں جو چھوٹوں کی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ تمام گوشے سامنے آنے سے کسی پہلو کو اختیار

کرنے میں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:((مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلاَ نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ))(یعنی جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا۔اور جس نے مشورہ کیا اسے ندامت نہ ہوگی)۔(ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد)

خانگی امور میں اور اداروں کے معاملات میں مشورے کرتے رہنا چاہیے جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے ان کی ذمہ لازم ہے کہ وہ وہی رائے دیں جسے اپنی دیانت سے فیما بینہم و بین اللہ صحیح سمجھتے ہوں۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((ان المستشار مؤتمن))(یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانتدار ہے)۔

(اخرجہ الترمذی فی ابواب الزھد وابن ماجہ فی کتاب الادب)

اگر کوئی شخص اپنے ذاتی معاملہ میں مشورہ کرے تب بھی اسے وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:((من اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ))(جس نے اپنے بھائی کو کوئی ایسا مشورہ دیا جس کو وہ سمجھتا ہے کہ مشورہ لینے والے کی بہتری دوسری رائے میں تھی جو پیش نہیں کی گئی تو اس نے خیانت کی)۔(رواہ ابوداؤد فی کتاب العلم)

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴿۱۶۱﴾

اس سے غرض یا تو مسلمانوں کی پوری طرح خاطر جمع کرنا ہے،تا کہ یہ وسوسہ نہ لائیں کہ شاید حضرت نے ہم کو بظاہر معاف کر دیا اور دل میں خفا ہیں پھر کبھی خفگی نکالیں گے؟ یہ کام نبیوں کا نہیں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ،یا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ حضرت کی عظمت اور عصمت وامانت کو پوری طرح مستحضر رکھیں،آپ ﷺ کی نسبت کبھی کوئی لغو اور بیہودہ خیال نہ لائیں۔ مثلاً یہ گمان نہ کریں کہ غنیمت کا کچھ مال چھپا رکھیں گے؟(العیاذ باللہ) شاید یہ اس واسطے فرمایا کہ وہ تیرانداز غنیمت کے لئے مورچہ چھوڑ کر دوڑے تھے،کیا حضرت ﷺ ان کو حصہ نہ دیتے؟ یا بعضی چیزیں چھپا رکھتے؟ اور بعض روایات میں ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک چیز(چادر یا تلوار)غنیمت میں سے گم ہوگئی تھی،کسی نے کہا شاید حضرت نے اپنے واسطے رکھی ہوگی۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی،بہر حال مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر حضور ﷺ اپنی نرم خوئی اور خوش خلقی سے تمہاری غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تو تم کو حضور ﷺ کی عظمت شان اور عصمت ونزاہت کا بہت زیادہ پاس رکھنا چاہیے،کہ کسی قسم کا کمزور اور رکیک خیال مؤمنین کے پاس نہ آنے پائے۔دوسری طرف چونکہ آپ کی شفقت ونرم دلی یاد دلا کر جنگ احد کے متعلق مسلمانوں کی کوتاہی کو معاف کرایا جارہا تھا اسی ذیل میں ایک دوسری کوتاہی بھی یاد دلا دی جو بدر سے متعلق تھی کہ آپ اپنی نرم خوئی سے اس پر بھی کچھ دھیان نہ کریں۔

تنبیہ:غلول کے اصل معنی غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات محض ایک چیز کے چھپا لینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ابن مسعود نے فرمایا:غلوا مَصَاحِفَكُمْ۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ....

اس مضمون کی آیت سورۂ بقرہ میں دو جگہ گزر چکی ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی چار شانیں بیان کی گئیں:
(۱) تلاوت آیات (اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا) جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ (۲) تزکیہ نفوس (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے، حضور ﷺ کی صحبت اور قلبی توجہ و تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی۔ (۳) تعلیم کتاب (کتاب اللہ کی مراد بتلانا) اس کی ضرورت خاص خاص مواقع میں پیش آتی تھی۔ (۴) تعلیم حکمت (حکمت کی گہری باتیں سکھلانا) اور قرآن کریم کے غامض اسرار و لطائف اور شریعت کی دقیق و عمیق علل پر مطلع کرنا، خواہ تصریحاً یا اشارۃً۔ آپ ﷺ نے خدا کی توفیق و اعانت سے علم و عمل کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چند روزہ تعلیم و صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی، لہٰذا انہیں چاہیے کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر پہچانیں اور کبھی بھولے سے ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ کا دل متألم ہو۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا....

یعنی جنگ احد میں جو تکلیف اور نقصان اٹھانا پڑا کیا اس پر تم تعجب سے کہتے ہو کہ مصیبت کہاں آگئی، ہم تو مسلمان مجاہد تھے جو خدا کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے تھے۔ خدا تعالیٰ پیغمبر کی زبانی نصرت و امداد کا وعدہ فرما چکا، پھر یہ مصیبت ہم پر کیونکر اور کدھر سے نازل ہوئی۔ ایسا کہتے وقت سوچنا چاہئے کہ جس قدر تکلیف تم کو پہنچی اس سے دو چند تکلیف ان کو تم سے پہنچ چکی ہے احد میں تمہارے تقریباً ستر آدمی شہید ہوئے بدر میں ان کے ستر مارے جا چکے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا، چاہتے تو قتل کر ڈالتے۔ پھر احد میں بھی ابتداء ان کے بیس سے زائد قتل ہو چکے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے تم کو ہزیمت ہوئی تو بدر میں ان کو تباہ کن ہزیمت مل چکی اور احد میں بھی جب تم جم کر لڑے وہ منہزم ہوئے۔ پھر آخر میں میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسی صورت میں انصافاً تم کو اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے اور زیادہ بددل ہونے کا موقع نہیں۔
اگر غور کرو تو تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو۔ تم نے جوش میں آکر پیغمبر کی اور بہت سے تجربہ کاروں کی رائے قبول نہ کی، اپنی پسند اور اختیار سے مدینہ کے باہر محاذ جنگ قائم کیا، پھر باوجود نہی شدید کے تیراندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ کر مرکز خالی کر دیا اور ایک سال پہلے جب اساراء بدر کے متعلق تم کو اختیار دیا گیا تھا کہ یا انہیں قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، اس شرط پر کہ آئندہ اتنے ہی آدمی تم سے لیے جائیں گے تو تم نے فدیہ کی صورت اختیار کی اور شرط کو قبول کر لیا۔ اب وہی شرط پوری کرائی گئی تو تعجب و انکار کا کیا موقع ہے یہ چیز تو خود اپنی طرف سے تم قبول کر چکے تھے

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا....

جنگ شروع ہونے سے پہلے جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا، اس وقت کہا گیا تھا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو، آؤ اگر دعوائے اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو۔ ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے

میں حصہ لو یعنی مجمع میں شریک رہو تا کہ کثرت تعداد کا اثر دشمن پر پڑے، یا یہ کہ خدا کی راہ میں دین کی خاطر نہیں لڑتے تو حمیت و طنی و قومی یا اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو۔ کیونکہ دشمن اگر کامیاب ہوا تو انتقام لینے میں مؤمنین و منافقین کی تمیز نہ کریگا۔ عام مسلمانوں کی طرح تم بھی نقصان اٹھاؤ گے، غرض ان پر ہر طرح ان کے مذاق کے موافق اتمام حجت کیا گیا۔ تا کہ جو کچھ دلوں میں ہے اعلانیہ ظاہر ہو جائے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ....

شہداء زندہ ہیں اور خوش ہیں:

اوپر کی آیت میں مذکور ہے کہ منافقین نے اللہ کی راہ میں مقتول ہو جانے والوں کے بارے میں یوں کہا تھا کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو مقتول نہ ہوتے گویا کہ ان کا مقتول ہو جانا ان کے نزدیک اچھا نہ ہوا اور ان کی خیر خواہی اس میں ظاہر کر رہے تھے کہ وہ مقتول نہ ہوتے اور دنیا میں اور زیادہ زندہ رہ جاتے آیت بالا میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا توڑ بھی ہے اور مؤمنین کو تسلی بھی ہے اور بشارت بھی کہ جو حضرات اللہ کی راہ میں مقتول ہوئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور دنیا کی چیزیں ان کے پاس نہیں ہیں تو یہ کوئی نقصان کی بات نہیں کیونکہ ان کو وہاں ان کے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے جو دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر اعلیٰ اور افضل ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اس پر وہ خوش ہیں ہشاش بشاش ہیں، وہ تو نعمتوں میں ہیں اور رحمتوں میں ہیں اور منافقین خواہ مخواہ کی ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں کہ ہماری بات مانتے تو مقتول نہ ہوتے یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی راہ میں مرجانا موت نہیں ہے بلکہ وہ زندگی ہے اور عمدہ زندگی ہے اور بہت بڑی زندگی ہے۔

جو حضرات شہید ہو گئے وہ نہ صرف اپنی نعمتوں میں خوش ہیں بلکہ وہ ان مسلمانوں کے بارے میں بھی خوش ہو رہے ہیں جو ان تک ابھی نہیں پہنچے اس دنیا میں ان سے پیچھے رہ گئے کہ اگر یہ لوگ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو ان پر بھی ہماری طرح انعام ہوگا، نہ خوف زدہ ہوں گے نہ مغموم ہوں گے، وہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا، نہ اس نے ہمارا اجر ضائع فرمایا نہ ہمارے بعد میں آنے والے اہل ایمان کا اجر ضائع فرمائے گا۔

اَلَّذِيْنَ مُبْتَدَأٌ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ دُعَاءَهُ بِالْخُرُوْجِ لِلْقِتَالِ لَمَّا اَرَادَ اَبُوْ سُفْيَانَ وَ اَصْحَابُهُ الْعَوْدَ وَتَوَاعَدُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُوْقَ بَدْرٍ الْعَامَ الْمُقْبِلَ مِنْ يَوْمِ اُحُدٍ مِنْ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ بِاُحُدٍ وَ خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ بِطَاعَتِهٖ وَ اتَّقَوْا مُخَالَفَتَهٗ اَجْرٌ مَعَ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ هُوَ الْجَنَّةُ اَلَّذِيْنَ بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ اَوْ نَعْتٌ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اَيْ نُعَيْمُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الْاَشْجَعِيُّ اِنَّ النَّاسَ اَبَاسُفْيَانَ وَاَصْحَابَهٗ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ الْجُمُوْعَ لِيَسْتَاْصِلُوْكُمْ فَاخْشَوْهُمْ وَلَا تَاْتُوْهُمْ فَزَادَهُمْ ذٰلِكَ الْقَوْلُ اِيْمَانًا ۖ تَصْدِيْقًا بِاللّٰهِ وَيَقِيْنًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ كَافِيْنَا اَمْرَهُمْ وَ نِعْمَ

الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾ اَلْمُفَوَّضُ اِلَيْهِ الْاَمْرُ هُوَ وَخَرَجُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَافَوْا سُوْقَ بَدْرٍ وَاَلْقَى اللّٰهُ الرُّعْبَ فِيْ قَلْبِ اَبِيْ سُفْيَانَ وَاَصْحَابِهٖ فَلَمْ يَأْتُوْا وَكَانَ مَعَهُمْ تِجَارَاتٌ فَبَاعُوْا وَرَبِحُوْا قَالَ تَعَالٰى فَانْقَلَبُوْا رَجَعُوْا مِنْ بَدْرٍ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ بِسَلَامَةٍ وَرِبْحٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ مِنْ قَتْلٍ اَوْ جُرْحٍ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ بِطَاعَتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ فِي الْخُرُوْجِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾ عَلٰى اَهْلِ طَاعَتِهٖ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الْقَائِلُ لَكُمْ اِنَّ النَّاسَ الخ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ كُمْ اَوْلِيَآءَهٗ الْكُفَّارَ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ فِيْ تَرْكِ اَمْرِيْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾ حَقًّا وَلَا يَحْزُنْكَ بِضَمِّ الْيَاءِ وَكَسْرِ الزَّاءِ وَبِفَتْحِهَا وَضَمِّ الزَّاءِ مِنْ حَزَنَهٗ لُغَةٌ فِيْ اَحْزَنَهٗ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ يَقَعُوْنَ فِيْهِ سَرِيْعًا بِنُصْرَتِهٖ وَهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ اَوِ الْمُنَافِقُوْنَ اَيْ لَا تَهْتَمَّ لِكُفْرِهِمْ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا بِفِعْلِهِمْ وَاِنَّمَا يَضُرُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا نَصِيْبًا فِي الْاٰخِرَةِ اَيِ الْجَنَّةِ فَلِذٰلِكَ خَذَلَهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ فِي النَّارِ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ اَيْ اَخَذُوْهُ بَدْلَهٗ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ بِكُفْرِهِمْ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ مُؤْلِمٌ وَلَا يَحْسَبَنَّ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ اَيْ اِمْلَاءَنَا لَهُمْ بِتَطْوِيْلِ الْاَعْمَارِ وَتَاْخِيْرِهِمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ وَمَعْمُوْلُهَا سَدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ فِيْ قِرَاءَةِ التَّحْتَانِيَّةِ وَمَسَدَّ الثَّانِيْ فِي الْاُخْرٰى اِنَّمَا نُمْلِيْ نُمْهِلُ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا بِكَثْرَةِ الْمَعَاصِيْ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ ذُوْ اِهَانَةٍ فِي الْاٰخِرَةِ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ لِيَتْرُكَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْهِ مِنِ اخْتِلَاطِ الْمُخْلِصِ بِغَيْرِهٖ حَتّٰى يَمِيْزَ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ يَفْصِلَ الْخَبِيْثَ الْمُنَافِقَ مِنَ الطَّيِّبِ الْمُؤْمِنِ بِالتَّكَالِيْفِ الشَّاقَّةِ الْمُبَيِّنَةِ لِذٰلِكَ فَفَعَلَ ذٰلِكَ يَوْمَ اُحُدٍ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ مِنْ غَيْرِهٖ قَبْلَ التَّمْيِيْزِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ يَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُطْلِعُهٗ عَلٰى غَيْبِهٖ كَمَا اَطْلَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوا النِّفَاقَ فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ

فَضْلِهٖ اَیْ بِزَکَاتِهٖ هُوَ اَیْ بُخْلُهُمْ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَالضَّمِیْرُ لِلْفَصْلِ وَالْاَوَّلُ بُخْلُهُمْ مُقَدَّرًا قَبْلَ الْمَوْصُوْلِ عَلَی الْفَوْقَانِیَّةِ وَقَبْلَ الضَّمِیْرِ عَلَی التَّحْتَانِیَّةِ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ اَیْ بِزَکَاتِهٖ مِنَ الْمَالِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِاَنْ یُّجْعَلَ حَیَّةً فِیْ عُنُقِهٖ تَنْهَشُهٗ کَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَرِثُهُمَا بَعْدَ فَنَاءِ اَهْلِهِمَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾ فَیُجَازِیْکُمْ بِهٖ

ع ۹

ترجمہ: جن لوگوں نے اَلَّذِیْنَ مبتداء ہے اور آئندہ جملہ خبر ہے اللہ اور رسول کا حکم مانا یعنی جہاد کے لئے نکلنے کی دعوت کو قبول کرلیا جب کہ ابوسفیان اور اس کے اصحاب نے میدان جنگ میں واپس آنے کا ارادہ کیا اور غزوہ احد کے آئندہ سال بازار بدر میں آنے کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ وعدہ کیا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا غزوہ احد میں اور مبتدا کی خبر یہ ہے ان لوگوں میں سے جنہوں نے نیکی کی آپ کی فرمانبرداری کر کے اور پرہیزگاری کی آپ ﷺ کی نافرمانی سے انکے لیے عظیم اجر ہے مراد جنت ہے، اور اس آیت میں لفظ مِنْهُمْ میں من تبعیضیہ نہیں ہے بلکہ بیانیہ ہے جس پر اس آیت کے ابتدائی الفاظ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا اشاہد ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ تمام حضرات احسان وتقوی کے حامل تھے، نیک اور متقی تھے۔ اَلَّذِیْنَ اپنے ماقبل کے اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا سے بدل ہے یا نعت یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے یعنی نعیم بن مسعود اشجعی نے کہا کہ لوگوں نے یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے جمع کیا ہے تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے تاکہ تمہاری بیخ کنی کرسکیں سو تم لوگ ان سے ڈرو اور ان کے قریب نہ جاؤ پس نعیم کے اس قول نے ان مسلمانوں کے ایمان اللہ کی تصدیق ویقین کو بڑھا دیا اور ان مسلمانوں نے کہا "اللہ ہم کو کافی ہے یعنی ان کا حکم ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے جس کے سپرد کام کردیا جائے وہی وکیل ہے اور صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلے چنانچہ بازار بدر جہاں میلہ لگا کرتا تھا پہونچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دل میں ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ نہیں آسکے اور مسلمانوں کے ساتھ تجارتی سامان تھا، سو مسلمانوں نے خرید وفروخت کیا اور خوب نفع کمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر واپس آئے (یعنی بدر سے لوٹ آئے اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ یعنی سلامتی اور نفع کے ساتھ کوئی برائی یعنی قتل ہونے یا زخمی ہونے کی ان کو نہیں پہنچی اور وہ لوگ اللہ کی مرضی پر چلے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر کے اور اللہ بڑے فضل والے ہیں اپنی اطاعت کرنے والوں پر بلاشبہ یہ مخبر جو تم سے کہہ رہا تھا اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا الخ یعنی نعیم بن مسعود شیطان ہے کہ ڈراتا ہے تمہیں اپنے ساتھیوں کافروں سے سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو میرے حکم کے چھوڑنے اور نافرمانی کے معاملے میں اگر تم ایمان والے ہو حقیقتاً اور آپ کو رنجیدہ نہ کردیں لا یحزنک میں ایک قراءت یاء کے ضمہ اور زا کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی باب افعال سے، دوسری قراءت یا کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ، یہی جمہور کی قراءت ہے یہ حزن یحزن از باب نصر رنجیدہ کرنا، غمگین کرنا سے مشتق ہے جو احزن میں ایک لغت ہے، مطلب یہ ہے کہ احزن کے لغوی معنی ہیں سخت زمین پر چلنا مگر کبھی بمعنی حزن غمگین کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے وہ لوگ جلدی کررہے ہیں کفر میں یعنی کفر کی مدد کر کے کفر میں جا پڑتے ہیں

اور مراد اس سے کفار مکہ ہیں یا منافقین یعنی آپ ان کے کفر کی وجہ سے غمگین نہ ہوں یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اپنے کرتوت سے بلکہ خود اپنا نقصان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھیں۔ حظ بمعنی نصیب یعنی حصہ ہے آخرت میں یعنی جنت میں فَلِذٰلِكَ خَذَلَهُمْ اسی لیے اللہ نے ان کی مدد چھوڑ دی یعنی کفر کی طرف بڑھنے دیا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے جہنم میں بیشک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے خریدا ہے یعنی ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کر لیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اپنے کفر کی وجہ سے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ بمعنی مُؤْلِمٌ یعنی دکھ دینے والا بروزن فعیل بمعنی فاعل۔ اور ہرگز یہ خیال نہ کریں (يَحْسَبَنَّ یا اور تاء کے ساتھ) وہ لوگ جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں (یعنی ہمارا ڈھیل دینا، ای املاءنا سے مفسر کا اشارہ ہے کہ ما مصدر یہ ہے) ان کے لیے بہتر ہے (ان کی عمریں دراز کر کے اور ان کو ڈھیل دے کر اور ان میں اس کا معمول یعنی اسم ز ملی لھم اور ان کی خبر خیر لانفسھم جملہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہے یاتحتانیہ والی قراءت تاء فوقانیہ کی صورت میں مفعول ثانی کے قائم مقام ہے اور اس صورت میں اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا مفعول اول ہوگا اور فاعل ضمیر مخاطب یعنی آپ ﷺ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں الخ) ہم صرف ڈھیل دے رہے ہیں (مہلت دے رہے ہیں) ان کو تاکہ گناہ میں ترقی کر لیں (کثرتِ معاصی کے ذریعہ) اور ان کے لیے توہین آمیز عذاب ہے (یعنی آخرت میں ذلیل کرنے والا عذاب ہے) مَا كَانَ اللّٰهُ الخ اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ چھوڑ دیں (لیذر میں لازم ما نافیہ کی تاکید کے لیے اور معنی میں لیترک کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چھوڑیں گے) مسلمانوں کو اس حالت میں جس پر (اے لوگو!) تم اب ہو (یعنی مخلص غیر مخلص یعنی منافق کے ساتھ مخلوط ہیں) یہاں تک کہ جدا کر دے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ فھما قراءتان سبعیتان) ناپاک (منافق) کو پاک (مؤمن سے سخت تکالیف کے ذریعہ جو اس کو واضح کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ اُحد میں ایسا کیا) اور اللہ ایسے نہیں ہیں کہ تم کو غیب پر مطلع کر دیں (مطلب یہ ہے کہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے بمقتضائے حکمت کہ تم کو پوشیدہ بات کی خبر بذریعہ وحی دے دیں تاکہ تم منافق اور غیر منافق یعنی مخلص مؤمن کو چھانٹنے سے پہلے پہچان لو) لیکن ہاں اللہ تعالیٰ منتخب فرما لیتے ہیں (چن لیتے ہیں) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتے ہیں (چنانچہ اس کو غیب پر مطلع کر دیتے ہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کو منافقوں کے حال پر مطلع کر دیا) پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور پرہیز کرتے رہو (نفاق سے) تو تمہارے لیے عظیم اجر ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ اور ہرگز نہ خیال کریں (یاء اور تاء کے ساتھ فھما قراءتان سبعیتان) وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں (مفسرؒ نے ای بز کاتہ کی تقدیر نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای بز کاۃ ما اتاھم اللہ من فضلہ) کہ وہ (یعنی ان کا بخل کرنا) ان کے لیے بہتر ہوگا (مفسر کا قول مفعول ثانی کا مطلب یہ ہے کہ خَیْرًا مفعول ثانی ہے لَا يَحْسَبَنَّ کا اور فاعل اس کا الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ہے۔ و قول المفسر :وَالضَّمِيْرُ لِلْفَصْلِ اور ضمیر هُوَ فصل بین المفعولین کے لیے ہے، و قول المفسر وَالْاَوَّلُ الخ یعنی مفعول اول بُخْلُهُمْ مقدر ہے الَّذِيْنَ موصول سے پہلے قراءت فوقانیہ یعنی قراءت بالتاء پر تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ولا تحسن بخل الذین یبخلون، اس تقدیری عبارت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مفسر کا قراءت فوقانیہ پر مفعول اول بُخْلُهُمْ یعنی مضاف اور مضاف

الیہ کا مجموعہ مقدر ماننا خالی از مسامحت نہیں صرف لفظ بخل کی تقدیر کافی ہے کیونکہ یہ بخل، اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ کی طرف مضاف ہے اب اگر اس بخل کی اضافت ضمیر کی طرف ہو بُخْلُھُمْ تو اضافت الشی مرتین لازم آئے گی (حاشیہ جلالین) البتہ قراءت تحتانیہ پر مجموعہ مضاف اور مضاف الیہ کی تقدیر ہوگی۔ و قول المفسر: وَقَبْلَ الضَّمِیْرِ عَلَی التَّحْتَانِیَۃِ اور ضمیر سے پہلے بُخْلُھُمْ مفعول مقدر ہے قراءت تحتانیہ کی عبارت اس طرح ہوگی: لا یحسن الذین یبخلون بخلھم ھو خیر لھم) بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ط الخ بلکہ یہ) (بخل) ان کے لیے بہت ہی برا ہے، قریب ہے کہ طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا (یعنی جس مال کی زکوٰۃ میں بخل کیا تھا) قیامت کے روز (اس طرح کہ اس مال کو سانپ بنا کر اس کی گردن میں ڈالا جائے گا کہ وہ سانپ اس زکوٰۃ نہ دینے والے کو ڈستا رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے:) وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ الخ اور زمین اور آسمان کی میراث سب اللہ ہی کے لیے ہے (ان آسمان و زمین کے باشندوں یعنی ساری مخلوق کے فنا ہونے کے بعد اللہ ہی ان کا وارث ہوگا لیکن اس وقت یہ مال اللہ کے لیے ہو جانے سے تمہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ تم نے اپنے اختیار سے نہیں دیا اور جب انجام کار سب اللہ ہی کا ہوتا ہے تو عقل کی بات یہ ہے کہ ابھی اپنے اختیار سے دے دو تاکہ ثواب کے مستحق بنو) اور جو کچھ تم کر رہے ہو (یعملون یاء اور تاء کے ساتھ) اللہ پوری خبر رکھتے ہیں (چنانچہ وہ تمہیں اس کا بدلہ دیں گے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: بِاُحُدٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ لِلَّذِیْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ اجر عظیم مبتداء ہے اور لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا یہ اس کی خبر ہے اور جملہ اَلَّذِیْنَ اول کی خبر ہے۔

قولہ: عَلٰی اَھْلِ طَاعَتِہٖ: اس سے مقید کیا تاکہ متخلف کو حسرت ہو اور اپنی رائے کی غلطی معلوم ہو۔

قولہ: کُمْ: کو مقدر مانا کہ اَوْلِیَآءَہٗ، یُخَوِّفُ کا دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: وَضَمِّ الزَّاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ شارحؒ کو حزن، احزن کا ایک معنی والا قول پسند ہے۔

قولہ: یَقَعُوْنَ فِیْہِ: اشارہ کیا کہ المرعۃ یہ وقوع کے معنی کو متضمن ہے۔ اسی وجہ سے کفر کی طرف فی سے متعدی ہوا۔

قولہ: مُؤْلِمٌ: اس سے اشارہ کیا کہ لازم متعدی کے معنی میں ہے۔

قولہ: اِمْلَاءَنَا: اس سے اشارہ کیا کہ ما مصدریہ ہے، موصولہ نہیں۔

قولہ: مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَیْنِ: دو مفعول کے قائم مقام ہونے کی وجہ مقصد کا حصول ہے کہ افعال قلوب کا مبتداء و خبر کے مابین نسبت سے تعلق پیدا ہو گیا۔

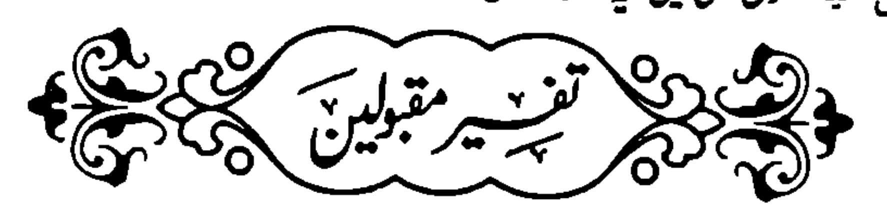
قولہ: اَیُّھَا النَّاسُ: اس سے اشارہ مل گیا کہ اَنْتُمْ کا خطاب عام مخلصین کو ہے اور اَلْمُنَافِقَ بھی کو ہے۔

قولہ: بِزَکَاتِہٖ: اس سے اشارہ ہے کہ بخل سے مراد جو عذاب کا باعث ہے وہ ہے جس میں واجب کا انکار ہو۔

قولہ: قَبْلَ الْمَوْصُوْلِ: اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے: ولا تحسبن بخل الذین۔

قوله: وَقَبْلَ الضَّمِيْرِ: اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے: ولا یحسبن البخلاء بخلهم هو خيرا لهم۔ مقدر کو ضمیر سے پہلے اس لیے لائے کیونکہ ضمیر فعل حقیقی مبتداء و خبر کے درمیان آتی ہے۔

قوله: بِاَنْ يُّجْعَلَ حَيَّةً: طوق حقیقی ہیں، یہ استعارہ نہیں۔



اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ....

ربط آیات اور شان نزول:

اوپر غزوہ احد کے قصہ کا ذکر تھا، مذکورہ آیات میں اسی غزوہ سے متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر ہے، جو غزوہ حمرا الاسد کے نام سے مشہور ہے، حمرا الاسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔ واقعہ اس غزوہ کا یہ ہے کہ جب کفار مکہ احد کے میدان سے واپس ہو گئے، تو راستے میں جا کر اس پر افسوس ہوا کہ ہم غالب آ جانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس لوٹ آئے، ہمیں چاہئے تھا کہ ایک حملہ کر کے سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے اور اس خیال نے کچھ ایسا اثر کیا کہ پھر واپس مدینہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کرنے لگا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا اور سیدھے مکہ مکرمہ کو ہو لئے، لیکن بعض مسافروں سے جو مدینہ کی طرف جا رہے تھے یہ کہہ گئے کہ تم جا کر کسی طرح مسلمانوں کے دل میں ہمارا رعب جماؤ کہ وہ پھر لوٹ کر آ رہے ہیں، آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہو گئی، اس لئے آپ ان کے تعاقب میں حمرا الاسد تک پہنچے۔
(ابن جریر کذا فی الروح)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ احد کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے مجاہدین میں اعلان فرمایا کہ ہمیں مشرکین کا تعاقب کرنا ہے، مگر اس میں صرف وہی لوگ جا سکیں گے جو کل کے معرکہ میں ہمارے ساتھ تھے، اس اعلان پر دو سو مجاہدین کھڑے ہو گئے۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ کون ہے جو مشرکین کے تعاقب میں جائے تو ستر حضرات کھڑے ہو گئے جن میں ایسے لوگ بھی تھے جو گزشتہ کل کے معرکہ میں شدید زخمی ہو چکے تھے، دوسروں کے سہارے چلتے تھے، یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین کے تعاقب میں روانہ ہوئے، مقام حمراء الاسد پر پہنچے تو وہاں نعیم بن مسعود ملا، اس نے خبر دی کہ ابوسفیان نے اپنے ساتھ مزید لشکر جمع کر کے پھر یہ طے کیا ہے کہ پھر مدینہ پر چڑھائی کریں اور اہل مدینہ کا استیصال کریں، زخم خوردہ ضعیف صحابہ اس خبر وحشت اثر کو سن کر یک زبان ہو کر بولے کہ ہم اس کو نہیں جانتے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہتر مددگار ہے۔

اس طرف تو مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے یہ خبر دی گئی اور مسلمان اس سے متاثر نہیں ہوئے، دوسری طرف معبد خزاعی بنی خزاعہ کا ایک آدمی مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہا تھا یہ اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں کا خیر خواہ تھا، اس کا قبیلہ رسول اللہ

ﷺ کا حلیف تھا، اس لئے جب راستہ میں مدینہ سے لوٹے ہوئے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے لوٹنے پر پچھتا رہا ہے اور پھر واپسی کی فکر میں ہے تو اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ تم دھوکے میں ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے، میں ان کے بڑے لشکر کو حمراء الاسد میں چھوڑ کر آیا ہوں، جو پورے ساز و سامان سے تمہارے تعاقب میں نکلا ہے، ابوسفیان پر اس کی خبر نے رعب ڈال دیا۔ اسی واقعہ کا بیان مذکورہ تین آیتوں میں فرمایا گیا ہے۔ (معارف)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ وَهُمُ الْيَهُوْدُ قَالُوْهُ لَمَّا نَزَلَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَقَالُوْا لَوْ كَانَ غَنِيًّا مَا اسْتَقْرَضَنَا سَنَكْتُبُ نَأْمُرُ بِكَتْبِ مَا قَالُوْا فِيْ صَحَائِفِ اَعْمَالِهِمْ لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ وَ نَكْتُبُ قَتْلَهُمُ بِالنَّصْبِ وَالرَّفْعِ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَيِ اللّٰهُ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰٓئِكَةِ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ اِذَا اُلْقُوْا فِيْهَا ذٰلِكَ الْعَذَابُ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ عَبَّرَ بِهِمَا عَنِ الْاِنْسَانِ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ اَيْ بِذِيْ ظُلْمٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ اَلَّذِيْنَ نَعْتٌ لِلَّذِيْنَ قَبْلَهٗ قَالُوْٓا لِمُحَمَّدٍ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ فِي التَّوْرٰةِ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ نُصَدِّقُهٗ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ فَلَا نُؤْمِنُ لَكَ حَتّٰى تَاْتِيَنَا بِهٖ وَهُوَ مَا يُتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ نَعَمٍ وَّغَيْرِهَا فَاِنْ قُبِلَ جَاءَتْ نَارٌ بَيْضَاءُ مِنَ السَّمَاءِ فَاَحْرَقَتْهُ وَاِلَّا بَقِيَ مَكَانَهٗ وَعُهِدَ اِلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ذٰلِكَ اِلَّا فِي الْمَسِيْحِ وَمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالٰى قُلْ لَهُمْ تَوْبِيْخًا قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْمُعْجِزَاتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى فَقَتَلْتُمُوْهُمْ وَالْخِطَابُ لِمَنْ فِيْ زَمَنِ نَبِيِّنَا وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ لِاَجْدَادِهِمْ لِرِضَاهُمْ بِهٖ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فِيْ اَنَّكُمْ تُؤْمِنُوْنَ عِنْدَ الْاِتْيَانِ بِهٖ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ الْمُعْجِزَاتِ وَ الزُّبُرِ كَصُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَالْكِتٰبِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِاِثْبَاتِ الْبَاءِ فِيْهِمَا الْمُنِيْرِ ۝ اَلْوَاضِحِ هُوَ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ جَزَاءَ اَعْمَالِكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ بُعِدَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ نَالَ غَايَةَ مَطْلُوْبِهٖ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اَيِ الْعَيْشُ فِيْهَا اِلَّا مَتَاعُ

الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾ الْبَاطِلِ يُتَمَتَّعُ بِهٖ قَلِيْلًا ثُمَّ يَفْنٰى لَتُبْلَوُنَّ حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِى النُّوْنَاتِ وَالْوَاوُ ضَمِيْرُ
الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ لَتُخْتَبَرُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ بِالْفَرَائِضِ فِيْهَا وَالْجَوَائِحِ وَ اَنْفُسِكُمْ بِالْعِبَادَاتِ
وَالْبَلَاءِ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا مِنَ
الْعَرَبِ اَذًى كَثِيْرًا مِنَ السَّبِّ وَالطَّعْنِ وَالتَّشْبِيْبِ بِنِسَائِكُمْ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا عَلٰى ذٰلِكَ وَ تَتَّقُوا اللّٰهَ
فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾ اَيْ مِنْ مَعْزُوْمَاتِهَا الَّتِيْ يُعْزَمُ عَلَيْهَا لِوُجُوْبِهَا وَ اُذْكُرْ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ
مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اَيِ الْعَهْدَ عَلَيْهِمْ فِى التَّوْرٰةِ لَتُبَيِّنُنَّهٗ اَيِ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ
بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِى الْفِعْلَيْنِ فَنَبَذُوْهُ طَرَحُوا الْمِيْثَاقَ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ فَلَمْ يَعْمَلُوْا بِهٖ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ اَخَذُوْا بَدَلَهٗ
ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا مِنْ سِفْلَتِهِمْ بِرِيَاسَتِهِمْ فِى الْعِلْمِ فَكَتَمُوْهُ خَوْفَ فَوْتِهٖ عَلَيْهِمْ فَبِئْسَ مَا
يَشْتَرُوْنَ ﴿١٨٧﴾ شِرَاؤُهُمْ هٰذَا لَا تَحْسَبَنَّ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا فَعَلُوْا مِنْ اِضْلَالِ النَّاسِ وَ
يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْحَقِّ وَهُمْ عَلٰى ضَلَالٍ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِالْوَجْهَيْنِ
تَاكِيْدٌ بِمَفَازَةٍ بِمَكَانٍ يَنْجُوْنَ فِيْهِ مِّنَ الْعَذَابِ فِى الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِىْ مَكَانٍ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهِ وَهُوَ جَهَنَّمُ وَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٨٨﴾ مُؤْلِمٌ فِيْهَا وَ مَفْعُوْلَا يَحْسَبُ الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِمَا مَفْعُوْلَا الثَّانِيَةِ عَلٰى قِرَاءَةِ
التَّحْتَانِيَّةِ وَ عَلَى الْفَوْقَانِيَّةِ حُذِفَ الثَّانِىْ فَقَطْ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالرِّزْقِ
وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهَا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٨٩﴾ وَمِنْهُ تَعْذِيْبُ الْكَافِرِيْنَ وَاِنْجَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

ترجمہ: بیشک اللہ نے سن لیا ہے ان لوگوں کا قول جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار مراد یہود ہیں۔ یہود نے یہ
بات اس وقت کہی جب آیت: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا نازل ہوئی اور ان لوگوں نے کہا اگر اللہ مال دار ہوتا
تو ہم سے قرض نہیں مانگتا ہم لکھ رہے ہیں ہم لکھنے کا حکم دیتے ہیں ان کے قول کو ان کے نامہ اعمال میں تاکہ اس گستاخانہ قول پر
سزا دیئے جائیں ایک قراءت میں سیکتب یاء کے ساتھ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور ہم لکھ رہے ہیں ان کے قتل کردینے کو
قتل نصب کے ساتھ ہوگا سَنَکْتُبُ نون کی قراءت پر اور یاء کے ساتھ مجہول کی قراءت پر لفظ قتل پر رفع ہوگا انبیاء کو ناحق اور
ہم کہیں گے ایک قراءت نون کے ساتھ ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور دوسری قراءت یاء کے ساتھ یعنی اللہ کہے گا ان سے
آخرت میں سزا جاری کرنے کے وقت فرشتوں کے ذریعہ چکھو جلانے والی آگ کا عذاب یعنی عذاب دوزخ، اور جس وقت وہ

جہنم میں ڈالے جائیں گے ان سے کہا جائے گا کہ: ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ یہ عذاب اس کرتوت کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے کی ہے ہاتھوں سے تعبیر کی گئی ہے مگر مراد انسان ہے یعنی ہاتھ بول کر خود شخص مراد لیا گیا۔ ہے اس لیے کہ اکثر افعال انہی ہاتھوں کے ذریعہ کرتا ہے پس یہ مجاز کے قبیل سے ہے کہ جز بول کر کل مراد لیا گیا اور یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ بلاقصور ان کو سزا دے، مفسرؒ نے ظَلَّام کی تفسیر بِذِیْ ظُلْم سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ لفظ ظَلَّام یہاں مبالغہ کے لیے نہیں ہے محض نسبت کے لیے ہے یعنی ظلم والا، جیسے تمار وعطار وغیرہ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ اَلَّذِيْنَ ماقبل کے الذين قالوا ان الله فقير۔ کے اَلَّذِيْنَ کی صفت ہے وہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے کہا محمد ﷺ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے تورات میں کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں تصدیق نہ کریں جب تک وہ ایک ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھالے پس ہم آپ پر بھی ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے سامنے اس کو لائیں اور وہ قربانی وہ چیز ہے جس سے اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے خواہ چوپایہ ہو یا اس کے علاوہ، پس اگر قربانی کر لی جاتی تو آسمان سے ایک سفید آگ آتی اور اس کو جلا ڈالتی ورنہ قربانی اپنی جگہ پر باقی رہ جاتی اور یہ حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا مگر مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں یہ حکم نہیں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے متعلق یہ حکم تھا کہ اگر وہ تشریف لائیں تو ضرور ایمان لانا یہ قربانی نہیں پیش کریں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے آپ فرما دیجئے ان سے ڈانٹ کر بالیقین مجھ سے پہلے بہت سے رسول تمہارے پاس واضح دلائل معجزات لے کر آئے اور اس چیز کو بھی یعنی قربانی جو تم کہہ رہے ہو جیسے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ پھر بھی تم نے ان کو قتل کر دیا اور خطاب ان یہودیوں سے۔ ہے جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے اور قتل انبیاء کا فعل اگرچہ ان کے اسلاف۔ کا تھا لیکن اسلاف کے اس فعل سے رضاء کی وجہ سے شریک فعل قرار دے کر خطاب کیا گیا سو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا اگر تم سچے ہو اس معاملہ میں کہ قربانی لانے کے وقت تم ایمان لے آؤ گے فَاِنْ كَذَّبُوْكَ الخ سو اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو آپ سے پہلے بھی بہت ایسے رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو روشن دلائل معجزات لے کر آئے تھے اور صحیفے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔ تھے اور ایک قراءت میں الزبر اور الکتب دونوں میں باء جارہ کے اثبات کے ساتھ ہے یعنی بالزبر وبالکتاب، کتاب منیر واضح کتاب جیسے تورات وانجیل پس آپ بھی صبر کیجئے جیسے گزشتہ رسولوں نے صبر کیا، فاصبر کما صبروا کی تقدیر نکال کر مفسر نے اشارہ کیا کہ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ شرط کی جزا محذوف ہے اور فقد کذب رسل اس کے قائم مقام ہے، مطلب یہ ہے کہ دوسرے پیغمبروں کی تکذیب دیکھ کر آپ ﷺ کو رنجیدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ کافروں کا یہ دستور پہلے ہی سے چلا آ رہا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر شخص موت کا مزا چکھنے والا ہے اور تمہیں پورا پورا بدلہ ملے گا یعنی تمہارے اعمال کا بدلہ پورا ملے گا قیامت کے دن، پس جو شخص بچا پایا گیا دور رکھا گیا دوزخ سے اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا اس نے اپنی آخری مراد پالی اور دنیا کی زندگی یعنی دنیا کی عیش وراحت سامان فریب کے سوا کچھ نہیں ہے یعنی باطل وفانی ہے کہ تھوڑے دنوں اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے پھر فنا ہو جاتا ہے لَتُبْلَوُنَّ یقیناً تم ضرور آزمائے جاؤ گے اصل میں تھا لَتُبْلَوُوْ پھر جب نون تاکید لگایا تو لَتُبْلَوُنَّ ہوا اب مفسرؒ کہتے ہیں "حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِی

النُّوْنَاتِ '' یعنی متواتر تین نونات کے جمع ہونے کی وجہ سے پہلا نون رفع حذف کر دیا گیا اور واؤ ضمیر اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دی گئی چونکہ واؤ ماقبل فتحہ کی وجہ سے الف ہو گیا تھا معنی میں لَتُخْتَبَرُنَّ کے ہے اور البتہ تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں ان اموال میں زکوٰۃ وغیرہ کے فرائض کے ذریعہ اور آفات یعنی تجارتی نقصان کے ذریعہ اور اپنی جانوں میں عبادات اور مصائب کے ذریعہ اور البتہ تم سنو گے ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے یعنی یہود و نصاریٰ سے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں عربوں میں سے دل آزار باتیں یعنی گالی گلوچ، طعن و تشنیع اور تمہاری عورتوں کی تشبیب، تشبیب کے معنی ہیں عورتوں کے محاسن و اوصاف کو لطف کے لئے اشعار میں ذکر کرنا چنانچہ منقول ہے کہ کعب بن اشرف یہودی اپنے اشعار میں مؤمن عورتوں کا ذکر کرتا تھا وَاِنْ تَصْبِرُوْا الخ اور اگر تم صبر کرو گے ان مواقع پر اور ڈرتے رہو گے اللہ سے تو بلاشبہ یہ صبر و تقویٰ بڑے عزم و حوصلہ کا کام ہے اَیْ مِنْ مَعْزُوْمَاتِهَا الخ ۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ عزم مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی یہ ان تاکیدی احکام میں سے ہے جس پر واجب ہونے کی وجہ سے پختہ ارادہ کرتے ہیں۔ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا یعنی تورات میں یہ عہد لیا تھا کہ بیان کرتے رہنا اس کتاب کو لوگوں سے اور اس کو پوشیدہ نہ رکھنا دونوں فعلوں یعنی لَتُبَيِّنُنَّهٗ اور لَا تَكْتُمُوْنَهٗ میں یاء اور تاء کے ساتھ وهما قراءتان سبعيتان فعلى الياء اخبار عنهم وعلى التاء حكاية للحال الماضية فنبذوه وراء ظهورهم، سو ان لوگوں نے اس کو پس پشت پھینک دیا (یعنی اس عہد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور اس پر عمل نہیں کیا وَاشْتَرَوْا بِهٖ الخ اور خرید کیا اس کے عوض (یعنی اس کا اخفا کے عوض انہوں نے لیا حقیر معاوضہ یعنی علماء یہود اپنی علمی ریاست کی وجہ سے اپنے جاہل عوام سے دنیاوی مال و متاع لیتے تھے چنانچہ اس مال کے فوت ہونے کے خوف سے حکم الٰہی کو چھپایا سو بری چیز ہے وہ جس کو وہ لوگ لے رہے ہیں یعنی ان علماء یہود کا یہ خریدنا، عوض لینا برا ہے مفسرؒ نے شِرَاؤُهُمْ هٰذَا سے اشارہ کیا کہ فَبِئْسَ مَا میں لفظ جو بئس کا فاعل ہے مصدریہ ہے اور هٰذَا مخصوص بالذم ہے لَا تَحْسَبَنَّ الخ۔ اے نبی آپ ہرگز نہ سمجھیں تاء اور یاء کے ساتھ، انت ضمیر فاعل اور الذین مع اپنے صلہ و معطوف مفعول اول بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ مفعول ثانی دوسری قراءت یاء کی صورت میں الذین فاعل یعنی ہرگز وہ لوگ نہ سمجھیں ان لوگوں کو جو خوش ہو رہے ہیں اپنے کئے پر یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے کے سلسلہ میں جو انہوں نے کیا ہے اور چاہتے ہیں کہ اس کام پر ان کی تعریف کی جائے جو کام انہوں نے نہیں کیا یعنی گمراہی پر رہنے کی حالت میں حق کا چھپنا، مطلب یہ ہے کہ حق اگر مضبوط تھام لیتے پھر گمراہی کا سوال ہی کیوں پیدا ہوتا اس لیے ان کو کبھی حق ظاہر کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اور نہ عہد کو پورا کیا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِالْوَجْهَيْنِ یعنی یاء اور تاء کے ساتھ، یہ پہلے لاتحسبن کی تاکید ہے سو آپ ہرگز نہ سمجھیں۔ ان کو نجات پانے والا یعنی ایسے مقام میں نہ سمجھیں جس میں نجات و خلاصی پالیں گے عذاب سے (آخرت میں بلکہ وہ تو ایسی جگہ میں رہیں گے یعنی جہنم میں جس میں سزا دیے جائیں گے) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ قول المفسرؒ وَ مَفْعُوْلَا يَحْسَبُ الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِمَا مَفْعُوْلَا الثَّانِيَةِ عَلٰى قِرَاءَةِ التَّحْتَانِيَةِ یعنی تحتانیہ کی قراءت پر پہلے تَحْسَبَنَّ کے دونوں مفعول محذوف ہیں جس پر دوسرے تَحْسَبَنَّ کے دونوں مفعول دال ہیں اور فوقانیہ یعنی قراءت بالتاء کی صورت میں صرف مفعول ثانی محذوف ہوگا اور اللہ ہی کی ہے حکومت آسمانوں اور

زمین کی یعنی بارش اور رزق اور زمین کی پیداوار وغیرہ کے خزانے سب اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور منجملہ اس کے کافروں کو سزا دینا اور مؤمنوں کو نجات دینا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: نَأمُرُ بِكَتْبِ: یعنی کتابة یہاں حقیقی معنی میں ہے اور اسناد البتہ مجازی ہے۔

قوله: نَكْتُبُ: اس کو مقدر کیا اس سے اشارہ کر دیا کہ قتل کا عطف ما پر ہے قریب پر نہیں، وہ قَالُوْا ہے۔

قوله: بِذِیْ ظُلْمٍ: اس سے اشارہ کیا کہ صیغہ مبالغہ نفس فعل کا معنی رکھتا ہے۔

قوله: نَعْتٌ لِلَّذِیْنَ: اس میں فاصلے کی وجہ بتلائی کہ نہ تو یہ مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور نہ مضمر هم کی وجہ سے مرفوع ہے۔

قوله: تَوْبِیْخًا: اس قول میں امر قول کفار کا جواب نہیں بلکہ توبیخ کے لیے ہے۔

قوله: جَزَاءَ اَعْمَالِكُمْ: كُمْ کی ضمیر کا مضاف محذوف ہے اور اُجُوْر کا معنی جزاء کر کے اشارہ کیا کہ خاص کو ذکر کر کے عام مراد لیا ہے، وہ جزاء ہے۔

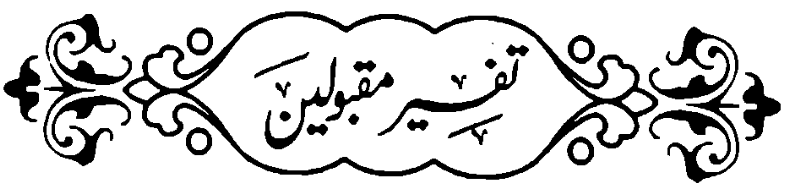
قوله: اَلْعَيْشُ فِيْهَا: اس سے اشارہ کر دیا، دنیا کی طرف حیات کی نسبت ایسی ہے جیسے شئی کی اضافت ظرف کی طرف کی جائے۔

قوله: مِنْ مَعْزُوْمَاتِهَا: اشارہ کیا کہ مصدر بمعنی معزوم علیہ ہے۔ مذم کی اضافت امور اور فاعل کی طرف ہوتی ہے۔ بندے کے لیے یہ ہے، بندے پر عزم واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ارادہ فرمایا اور مقرر فرمایا کے معنی میں ہے۔

قوله: فَلَمْ يَعْمَلُوْا بِهٖ: نبذ وراء الظهر کا مطلب ترک اعتداد اور عدم التفات ہے۔

قوله: حُذِفَ الثَّانِیْ: اشارہ ہے کہ افعال قلوب میں ایک کا حذف تو جائز ہے البتہ ایک پر اکتفاء جائز نہیں۔
(کذا قال القاضی)

قوله: مِنْهُ تَعْذِيْبُ: اس سے ماسبق کے ساتھ ربط کو ظاہر کر دیا۔



لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا ....

یہود کی بیہودگی اور ان کے لیے عذاب کی وعید:

لباب النقول صفحہ: ۶۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دن یہودیوں کے بیت

المدارس (یعنی مدرسہ) میں تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کے پاس یہودی جمع تھے جس کا نام فنحاص تھا۔فنحاص نے کہا اے ابوبکر ہمیں اللہ کی طرف کوئی محتاجی نہیں اور اللہ ہمارا محتاج ہے اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض کیوں مانگتا، تمہارا نبی یہ بتاتا ہے کہ اللہ قرض طلب کرتا ہے اس پر حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آ گیا اور فنحاص کے چہرے پر طمانچہ مار دیا۔فنحاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ! دیکھو تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیا کیا۔آپ نے ابوبکر سے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے بہت سخت بات کہی ہے۔یہ کہتا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اس پر فنحاص منکر ہو گیا۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ مروی ہے کہ جب آیت کریمہ: (مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا) نازل ہوئی تو یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد! تمہارا رب تو فقیر ہو گیا، وہ بندوں سے مانگتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ نازل فرمائی۔یہ تو مشہور ہی ہے کہ اعتراض کرنے والا اندھا ہوتا ہے۔اللہ جل شانہٗ نے زکوٰۃ صدقات دینے کا جو حکم فرمایا پھر اس پر آخرت میں ثواب دینے کا وعدہ فرمایا اس کی مہربانی کے طور پر قرض سے تعبیر فرما دیا کہ یہاں میرے بندوں پر خرچ کردو اور اس کا اجر و ثواب میں تم کو آخرت میں دے دوں گا، سارے بندے اور بندوں کے سارے مال سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں وہ اگر سارا مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور بالکل کچھ بھی ثواب نہ دیتا تو اسے اس کا بھی اختیار ہے وہ تو بے غرض اور بے حاجت ہے غنی ہے مغنی ہے بے نیاز ہے اسے کسی چیز کی حاجت نہیں اس نے ابتلاء اور امتحان کے طور پر بندوں کو حکم دیا کہ بندوں پر خرچ کریں۔اور اپنے پاس سے دینے کا وعدہ فرما لیا۔یہودیوں نے اس کرم اور فضل اور مہربانی کو نہ سمجھا اللہ نے اپنے دیئے ہوئے مال میں سے حکم کے مطابق خرچ کرنے کا نام قرض رکھ دیا اور ثواب کا وعدہ فرما لیا اور قرآن مجید کی اس تعبیر پر اعتراض کر بیٹھے اور کہنے لگے کہ اللہ فقیر ہو گیا ہم سے مانگتا ہے لہٰذا ہم مالدار ہوئے اور وہ فقیر ہوا۔(العیاذ باللہ)

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ انہوں نے جو کہا ہے اس کو ہم لیں گے یعنی صحائف اعمال میں اس کو درج کرادیں گے اور ان کی یہ بات محفوظ رہے گی، جس پر ان کو سزا ملے گی۔یہودیوں کی اس بات میں اللہ جل شانہٗ کے بارے میں بدعقیدہ ہونے کا ظہار ہے اور قرآن کا استہزاء ہے اور ان کا ایک یہی قول باعث عذاب و عقاب نہیں ہے بلکہ وہ تو اور بھی بہت سے بری حرکتیں کر چکے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے ناحق انبیاء کرام کو قتل کیا، یہ کام کیا تو تھا ان کے آباؤ اجداد نے لیکن موجودہ یہودیوں کی اس پر کوئی نکیر نہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے اس عمل سے راضی ہیں لہٰذا یہ بھی قیامت کے دن ان کے اعمال ناموں میں لکھا ہوا ملے گا۔کافرانہ عقیدوں اور حرکتوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھ لو اور یہ عذاب تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے دنیا میں کیے اور آخرت میں بھیج دیئے۔جو کچھ بھی عذاب ہے تمہارے اپنے کیے کا پھل ہے۔اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے۔

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ.....

اس آیت میں یہودیوں کی ایک اور بات نقل فرمائی پھر اس کا جواب دیا، یہودیوں نے یہ کہا کہ اے محمد! ﷺ ہم تم پہ کیسے ایمان لائیں، ہمیں تو اللہ نے توریت میں یہ حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ جو بھی کوئی شخص رسالت اور نبوت کا مدعی ہو تو ہم اس کی تصدیق نہ کریں جب تک کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش نہ کرے اور یہ قربانی ایسی ہو جسے آگ جلا کر بھسم کر دے یہ بات دلیل اس بات کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی قبول ہوگئی اور یہ شخص جس نے قربانی پیش کی ہے واقعی اللہ کا نبی ہے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ آپ جواب میں فرما دیجیے کہ تم سے پہلے کثیر تعداد میں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ان کے پاس کھلے کھلے معجزات تھے اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ قربانی پیش کی جائے جسے آگ جلا دے انہوں نے تمہارے سامنے یہ بھی کیا قربانیاں پیش کیں جنہیں آگ نے جلایا، تم تو اس پر بھی ایمان نہ لائے اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے بلکہ تم نے ان کو قتل کر دیا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو انبیاء سابقین پر ایمان لے آتے بات یہ ہے کہ تمہیں ایمان لانا نہیں ہے بطور کٹ حجتی حیلے بہانے تراشنے کے لیے ایسی باتیں کہتے ہو۔ (روح المعانی صفحہ: ۱۴۱ تا ۱۴۴: ج ۴)

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ.....

آپ کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان ملعونوں کی کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے ملول و دلگیر نہ ہوں اور نہ دوسرے مکذبین کی پروا کریں ۔آپ سے پہلے کتنے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو صاف نشانیاں (معجزات) چھوٹے صحیفے اور بڑی روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔انبیائے صادقین کی تکذیب معاندین کی قدیم عادت رہی ہے۔آپ کو کچھ انوکھی بات پیش نہیں آئی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ.....

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے:

اس آیت شریفہ میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو مرنا ہے اور موت کا مزہ چکھنا ہے مؤمن ہو یا کافر سب کو یہاں سے چلا جانا ہے اور زندگی کا مرحلہ موت پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ زندگی میں جو اچھے یا برے کام کیے موت کے بعد ان کا بدلہ ملے گا اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، حساب ہوگا اعمال کی پیشی ہوگی قاضی روز جزا جل مجدہ فیصلے فرمائے گا، جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا اصل کامیاب وہی ہے۔

کامیاب کون ہے؟

لوگوں نے دنیا میں اپنی کامیابی کے لیے بہت سے معیار تجویز کر رکھے ہیں، حکومتوں والے سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، سیٹھ اور مہاجن اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، بڑے بڑے عہدوں پر پہنچنے والے اپنی کامیابی کے گھمنڈ میں ہیں بڑے بڑے محلوں میں رہنے والے گمان کر رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، ان لوگوں کو آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا ذرا بھی دھیان نہیں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہے، اس میں یہودیوں کو بھی نصیحت ہوگئی جو اپنے احوال اور اموال میں مست ہیں اور کفر کو اختیار کرنے کے باوجود اپنے کو کامیاب سمجھ رہے

ہیں، یہ لوگ بہت بڑی گمراہی میں ہیں۔ اور اپنی جانوں کو دوزخ میں دھکیل رہے ہیں یہاں کی عارضی زندگی کو کامیابی سمجھ رہے ہیں، اور دوزخ کے داخلے کی صورت میں جو ناکامی سامنے آئے گی اور جو جنت سے محرومی ہوگی اس بات کی طرف ذرا دھیان نہیں ہے۔

مسلمانوں کو بھی اس میں تعلیم دی گئی کہ دنیا میں کسی قوم یا فرد کی مال اور دولت والی زندگی دیکھ کر اپنے کو ناکام نہ سمجھیں، جب مؤمن ہو اور جنت اور دوزخ کو مانتے ہو اور یہ بھی سمجھتے ہوں کہ مؤمن جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل ہوں گے تو اپنی وہاں کی کامیابی پر نظر رکھو اور اسی پر خوش رہو۔

دنیا دھوکہ کا سامان ہے:

آخر میں فرمایا: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (اور دنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں) اس جملے کی تشریح ہزاروں صفحات میں ہو سکتی ہے دنیا اور احوال دنیا اور اصحاب دنیا اور ان کے احوال پر نظر ڈالیں تاریخ کا مطالعہ کریں، بادشاہوں کی تاریخ دیکھیں، دولت مندوں کے واقعات سنیں، اپنے سامنے جو دنیا میں حوادث پیش آرہے ہیں، ان کو دیکھیں انقلابات پر نظر ڈالیں تو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ دنیا والی زندگی صرف دھوکہ ہے جس کی مثال کھیتی کی طرح ہے آج لہلہا رہی ہے۔ کل کو سوکھ گئی کسانوں نے کاٹ پیٹ کر برابر کر دی (فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ) لوگوں کے سامنے انقلابات ہیں، حوادث ہیں، قرون اولیٰ کی تاریخ ہے اور یہ بھی پتہ ہے کہ مریں گے۔ پھر بھی دنیا ہی سے دل لگائے ہوئے ہیں اسی کے لیے سوچتے ہیں، اسی کے لیے جیتے ہیں اسی کے لیے مرتے ہیں اور آخرت کی دائمی اور عظیم نعمتوں کے حاصل کرنے کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کا ذرا دھیان نہیں کرتے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ....

جانوں اور مالوں میں تمہاری ضرور آزمائش ہوگی:

اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ صبر اور آزمائش کے جو واقعات تمہارے سامنے آئے یہ نہ سمجھو کہ یہ آخری ہیں انکے بعد بھی ایسے واقعات پیش آتے رہیں گے، جن سے تمہاری آزمائش ہوتی رہے گی، یہ آزمائش جانوں میں بھی ہوگی اور مالوں میں بھی ہوگی، ہمت اور حوصلہ کے ساتھ سب کو برداشت کرتے رہو، نیز اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہیں ایذا پہنچاتے رہیں گے اور ان سے ایسی باتیں سنو گے جن سے تمہیں دکھ پہنچے گا، دشمن اپنی حرکت سے باز نہ آئے گا، تمہیں ان کی ایذاؤں سے اور بدزبانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ صبر اختیار کرو اور تقویٰ ہاتھ سے نہ جانے دو تمہارے لیے اسی میں خیر ہے اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنا ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ....

علمائے اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارات کتاب اللہ میں ہیں انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کرینگے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے نہ ہیر پھیر کر کے ان کے معنی بدلیں گے، مگر انہوں نے ذرہ برابر پروانہ کی اور دنیا کے

تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے آیات اللہ میں لفظی و معنوی تحریفات کیں جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا یعنی پیغمبر آخر الزماں کی بشارت، اسی کو سب سے زیادہ چھپایا، جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے اس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی۔ اور اس کنجوسی کا منشاء بھی مال و جاں اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا، یہاں ضمناً مسلمان اہل علم کو متنبہ فرمادیا کہ تم دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کرنا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا فِيهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ بِالْمَجِيْءِ وَالذَّهَابِ وَ الزِّيَادَةِ وَ النُّقْصَانِ لَاٰیٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ لِذَوِي الْعُقُوْلِ الَّذِیْنَ نَعْتٌ لِمَا قَبْلَهٗ اَوْ بَدَلٌ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ مُضْطَجِعِيْنَ اَيْ فِيْ كُلِّ حَالٍ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يُصَلُّوْنَ كَذٰلِكَ حَسْبَ الطَّاقَةِ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لِيَسْتَدِلُّوْا بِهٖ عَلٰى قُدْرَةِ صَانِعِهِمَا يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا الْخَلْقَ الَّذِيْ نَرَاهُ بَاطِلًا ۚ حَالٌ عَبَثًا بَلْ دَلِيْلًا عَلٰى كَمَالِ قُدْرَتِكَ سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ عَنِ الْعَبَثِ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ لِلْخُلُوْدِ فِيْهَا فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ اَهَنْتَهٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ الْكَافِرِيْنَ فِيْهِ وُضِعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اِشْعَارًا بِتَخْصِيْصِ الْخِزْيِ بِهِمْ مِنْ زَائِدَةٌ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ اَعْوَانٍ يَمْنَعُوْنَهُمْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ يَدْعُو النَّاسَ لِلْاِیْمَانِ اَيْ اِلَيْهِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ اَوِ الْقُرْاٰنُ اَنْ اَيْ بِاَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ بِهٖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ غَطِّ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا فَلَا تُظْهِرْهَا بِالْعِقَابِ عَلَيْهَا وَ تَوَفَّنَا اقْبِضْ اَرْوَاحَنَا مَعَ فِيْ جُمْلَةِ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ الْاَنْبِيَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا اَعْطِنَا مَا وَعَدْتَّنَا بِهٖ عَلٰى اَلْسِنَةِ رُسُلِكَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالْفَضْلِ وَسُؤَالُهُمْ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ وَعْدُهٗ تَعَالٰى لَا يُخْلَفُ سُؤَالُ اَنْ يَّجْعَلَهُمْ مِنْ مُسْتَحِقِّيْهِ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَتَيَقَّنُوا اسْتِحْقَاقَهُمْ لَهٗ وَ تَكْرِيْرُ رَبَّنَا مُبَالَغَةٌ فِي التَّضَرُّعِ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ الْوَعْدَ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ دُعَاءَهُمْ اَنِّیْ اَيْ بِاَنِّيْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ كَائِنٌ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ اَيِ الذُّكُوْرُ مِنَ الْاِنَاثِ وَ بِالْعَكْسِ وَالْجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا اَيْ هُمْ سَوَاءٌ فِي الْمُجَازَاةِ بِالْاَعْمَالِ وَتَرْكِ تَضْيِيْعِهَا نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَسْمَعُ اللّٰهَ ذَكَرَ النِّسَاءَ فِي الْهِجْرَةِ بِشَيْءٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ دِيْنِيْ وَ قٰتَلُوْا الْكُفَّارَ وَ قُتِلُوْا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيْمِهٖ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ اَسْتُرُهَا بِالْمَغْفِرَةِ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مَصْدَرٌ مِنْ مَعْنٰى لَاُكَفِّرَنَّ مُؤَكِّدٌ لَهٗ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ التَّكَلُّمِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ الْجَزَاءِ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اَعْدَاءُ اللّٰهِ فِيْمَا نَرٰى مِنَ الْخَيْرِ وَنَحْنُ فِي الْجَهْدِ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تَصَرُّفُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ بِالتِّجَارَةِ وَالْكَسْبِ هُوَ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ يَتَمَتَّعُوْنَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا يَسِيْرًا وَيَفْنٰى ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ الْفِرَاشُ هِيَ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ اَيْ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا نُزُلًا هُوَ مَا يُعَدُّ لِلضَّيْفِ وَ نَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ مِنْ جَنّٰتٍ وَالْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الظَّرْفِ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ مِنْ مَتَاعِ الدُّنْيَا وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ وَالنَّجَاشِيِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اَيِ الْقُرْاٰنُ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ اَيِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ خٰشِعِيْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُؤْمِنُ مُرَاعًى فِيْهِ مَعْنٰى مَنْ اَيْ مُتَوَاضِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الَّتِيْ عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ مِنْ نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا بِاَنْ يَكْتُمُوْهَا خَوْفًا عَلَى الرِّيَاسَةِ كَفِعْلِ غَيْرِهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُؤْتَوْنَهٗ مَرَّتَيْنِ كَمَا فِي الْقَصَصِ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ فِيْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْمَصَائِبِ وَعَنِ الْمَعَاصِيْ وَ صَابِرُوْا الْكُفَّارَ فَلَا يَكُوْنُوْا اَشَدَّ صَبْرًا مِنْكُمْ وَ رَابِطُوْا اَقِيْمُوْا عَلَى الْجِهَادِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ تَفُوْزُوْنَ بِالْجَنَّةِ وَتَنْجُوْنَ مِنَ النَّارِ۔

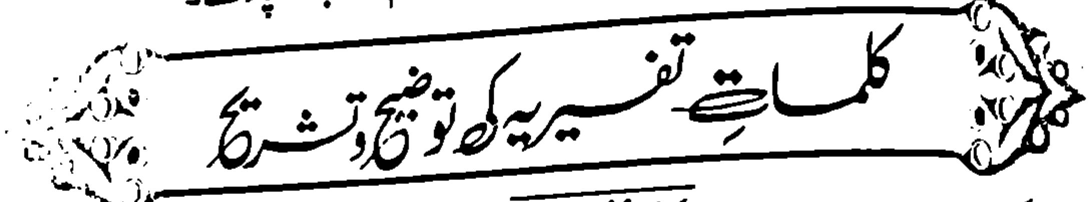
ع ۲۰ ۱۱

ترجمہ: بلاشبہ آسمان وزمین (اور جو کچھ عجائبات ان کے درمیان ہیں ان) کی تخلیق میں اور رات دن کے مختلف ہونے میں (یکے بعد دیگرے آنے جانے اور زیادتی وکمی میں) بڑی ہی نشانیاں ہیں (اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالتیں ہیں) ارباب دانش

(عقلمندوں) کے لیے وہ اہل دانش (یہ ماقبل کی صفت ہے یا بدل ہے) اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں (کروٹ کے بل۔ یعنی ہر حال میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان تینوں حالات میں حسب طاقت نمازیں پڑھتے ہیں) اور غور وفکر کرتے ہیں آسمان وزمین کی پیدائش میں (تا کہ اس سے ان کے صانع کی قدرت پر استدلال کر سکیں درانحالیکہ پکار اٹھتے ہیں کہ) خدایا جو آپ نے پیدا کیا ہے یہ سب کچھ (مخلوق جس کو ہم دیکھ رہے ہیں) بلاشبہ عبث و بے کار نہیں ہے (ترکیب میں باطلاً حال ہے یعنی عبث نہیں۔ بلکہ آپ کی کمال قدرت پر یہ دلیل ہیں) آپ کی ذات اس سے پاک ہے (بے کار کام کرنے سے منزہ ہے) پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔ خدایا جس کو آپ دوزخ میں ڈال دیں (ہمیشگی کی نیت سے) بلاشبہ آپ نے اس کو بڑی ہی خواری میں ڈال دیا (رسوا کر دیا) اور ظلم کرنے والوں کے لئے (کافروں کے لئے۔ اس میں اسم ظاہر کی بجائے ضمیر لائی گئی۔ رسوائی کی تخصیص ان کے ساتھ ظاہر کرنے کے لئے) کوئی (من زائد ہے) مددگار نہیں (کہ اللہ کے عذاب سے مدد کر کے ان کو بچا سکے) خدایا ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی (جو لوگوں کو بلا رہا تھا) ایمان کی طرف (لِلْاِیْمَانِ بمعنی الی الایمان ہے اور مراد اس سے محمدؐ یا قرآن پاک ہے) وہ کہہ رہا تھا (ان معنی میں بیان کے ہے لوگو!) ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر۔ تو ہم ایمان لے آئے (اس پر) پس خدایا ہمارے گناہ بخش دیجئے اور مٹا دیجئے (محو کر دیجئے) ہماری برائیاں (کہ ان پر سزا ہو کر ان کا اظہار نہ ہو جائے) اور ہماری موت (قبض ارواح) نیک کرداروں (انبیاء اور صالحینؒ) کے ساتھ ہو۔ خدایا عنایت فرما (عطا کر) وہ سب کچھ ہم کو (جس کا) آپ نے وعدہ فرمایا ہے اپنے رسولوں (کی زبان) سے (یعنی رحمت وفضل۔ حق تعالیٰ کا وعدہ اگر چہ خلاف نہیں ہوتا۔ لیکن سوال کا منشاء یہ ہے کہ آپ ہمیں اپنے وعدہ کے مستحقین میں شمار فرما لیجئے۔ کیونکہ استحقاقِ وعدہ کا یقین تو نہیں ہے اور لفظ ربنا کا تکرار انتہائی عاجزی کے لئے ہے) اور ہمیں رسوائی نہ ہو قیامت کے دن بلاشبہ آپ ہی ہیں کہ آپ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہو سکتا (مراد بعث وجزاء کا وعدہ ہے) پس ان کے پروردگار نے (ان کی دعائیں) قبول فرما لیں۔ یقیناً میں (ان معنی میں بان کے ہے) کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل اکارت نہیں کیا کرتا۔ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کی جنس (سے) ہو (یعنی مرد عورت سے اور عورت مرد سے اور یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔ یعنی عورت و مرد سب عمل کے بدلہ اور اکارت نہ ہونے میں برابر ہیں) (حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے جب عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہجرت کے سلسلہ میں ہم کہیں عورت کا ذکر قرآن پاک میں نہیں سنتے؟ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) پس جن لوگوں نے ہجرت کی (مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب) اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ میری راہ (دین) میں ستائے گئے اور (کفار سے) لڑے اور قتل ہوئے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں قتلوا کی تقدیم قاتلوا پر ہے) تو یقیناً میں ان کی خطائیں معاف کر دوں گا (مغفرت سے چھپا لوں گا) اور انہیں جنت کے باغات میں پہنچا دوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ ثواب ہو گا (لَاُکَفِّرَنَّ کا معنیٰ یہ مفعول مطلق مؤکد ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (متکلم کے صیغہ سے یہاں التفات ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب (بدلہ) ہے۔ جب بعض مسلمانوں نے کافروں کی خوشحالی دیکھ کر کہا کہ ہم اللہ کے دشمنوں کو اچھی حالت میں دیکھتے ہیں اور ہم

تکلیف میں ہیں باوجودیکہ اہل ایمان ہیں اس پر یہ آیت یہ نازل ہوئی: لَا يَغُرَّنَّكَ الخ تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے خطاب رسول اللہ ﷺ کو اور مراد امت ہے کافروں کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجارت اور کمائی کے لیے یہ قلیل سامان ہے متاع قلیل خبر ہے مبتدا محذوف کی ای تقلبھم متاع قلیل، اس سے دنیا میں معمولی سا نفع حاصل کریں گے اور پھر فنا ہو جائے گا پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بری جگہ بری آرام گاہ ہے مفسرؒ نے ھی سے بئس کے مخصوص بالذم کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے ایسے باغ جنت ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے درانحالیکہ دوام ان کے مقرر ہو چکا ہے نزلا بضمتین اصل معنی ہے ہر وہ چیز جو آنے والے مہمان کے لئے تیار کی جائے، مہمان کے کھانے پینے اور رہنے کا سامان مہیا کیا جائے اور لفظ نزلا جنت سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے فالمعنی حال کون الجنات ضیافتو اکرامامن اللہ لھم اور عامل اس میں ظرف یعنی لھم ہے ای استقر لھم نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے نُزُلًا کا لفظ اہل تقویٰ کے مرتبہ کی بلندی کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنا مہمان بنایا تو پھر ضیافت و میزبانی کا کیا عالم ہوگا اور جو چیز اللہ کے پاس ہے ثواب، بدلہ، یعنی باغ جنت بہتر ہے نیک بندوں کے لیے دنیا کے مال ومتاع سے وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے اصحاب واربعین من نصاری نجران واثنین وثلاثین من الحبشۃ وثمانیۃ من الروم اور نجاشی یعنی حبشہ کے اصحمہ نجاشی اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف بھیجی گئی ہے یعنی قرآن اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ان کے پاس بھیجی گئی یعنی تورات اور انجیل خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں لفظ خٰشِعِيْنَ يُؤْمِنُ کی ضمیر سے حال یعنی یومن کی ضمیر مفرد ھو جو راجع ہے من کی طرف اب صاف مطلب ہوا کہ خٰشِعِيْنَ حال ہے من سے، قول المفسرؒ مراعی فیہ معنی من'' فرماتے ہیں کہ خٰشِعِيْنَ جو جمع کا صیغہ ہے اس میں من کے معنی کا لحاظ کیا گیا ہے چونکہ لفظ من لفظاً واحد اور معنی جمع ہے کہیں لفظ کا لحاظ کیا جاتا ہے اور کہیں معنی کا، خٰشِعِيْنَ بمعنی متواضرین ہے لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض حقیر معاوضہ نہیں لیتے ہیں یعنی اللہ کی وہ آیات جو انکے پاس تورات و انجیل میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف کے متعلق موجود تھیں دنیاوی رقمیں بطور رشوت یا نذرانے لے کر اس طرح کہ ان آیات ربانی کو چھپا دیں اپنی ریاست پر خطرہ کی وجہ سے جیسا کہ ان کے علاوہ دوسرے یہودیوں کا کرتوت ہے یہ نہیں کرتے چونکہ مخلص مؤمن ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لئے عوض ان کے اعمال کا ثواب ان کے پروردگار کے پاس ہے یعنی دوہرا اجر دئے جائیں گے جیسا کہ سورۂ قصص میں ارشاد ربانی ہے: اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ، نیز بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ میں مفصل تصریح ہے بلاشبہ اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں کہ ایام دنیا کے نصف دن کی بقدر مدت میں تمام کا حساب طے کر دیں گے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا اے ایمان والو! صبر کرو مفسرؒ نے صبر کے مراتب ثلاثہ کی طرف اشارہ کیا ہے (۱) صبر علی الطاعات یعنی دین کی پابندی کرو اگرچہ بعض طاعات وعبادات طبیعت پر شاق ہوان پر اپنے نفس کو جمائے رکھو (۲) صبر علی مصائب یعنی شدائد وتکالیف پر صبر کرنا، تکلیف پر بے قابو اور حد سے زائد پریشان نہ ہونا اور سب تکلیف وراحت اور دکھ سکھ کو حق تعالیٰ کی طرف

ہے سمجھ کر نفس پر کنٹرول رکھنا (۳) صبر عَنِ الْمَعَاصِی یعنی جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے اس سے نفس کو روکنا اگرچہ نفس کو کتنی ہی لذیذ و مرغوب ہو وصابروا اور کافروں سے مقابلہ میں صبر کرو یعنی دشمن کے مقابلہ میں اس طرح ثابت قدم رہو کہ کفار تم سے زیادہ صبر کرنے والے نہ ہو سکیں ورابطوا اور تم لگے رہو یعنی جہاد پر مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ہر حال میں تاکہ تم کامیاب ہو۔ یعنی جنت کے ذریعہ مراد کو پہنچو گے اور جہنم سے نجات پاؤ گے۔



قوله: مُضْطَجِعِيْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: يَقُوْلُوْنَ: اس کو مقدر اس لیے مانا کیونکہ اس سے پہلے کلام اللہ ہے اور یہ ذوی العقول کا کلام ہے۔

قوله: الْخَلْقَ: اسم اشارہ کے مذکر لانے کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے مراد تخلیق السماوات والارض ہے۔

قوله: يَمْنَعُهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ نفی نصرت سے مراد روکنا ہے اور وہ قوت سے ہوتا ہے اس سے نفی شفاعت لازم نہیں۔

قوله: اِقْبِضْ اَرْوَاحَنَا: یعنی توفی سے مراد یہاں موت ہے۔

قوله: عَلٰى اَلْسِنَةِ: مضاف محذوف ہے۔ تقریر عبارت یہ ہے وہ وعدہ تیرے رسولوں کی زبانوں پر جاری ہونے والا ہے۔

قوله: مَصْدَرٌ مِّنْ مَّعْنًى: یہ جنات سے حال نہیں، صاحب مدارک کے بقول ثَوَابًا بمعنی اثابۃ ہے۔

قوله: عَنِ التَّكَلُّمِ: خطاب تو جناب نبی اکرم ﷺ کو فرمایا اور مراد آپ کی امت ہے۔

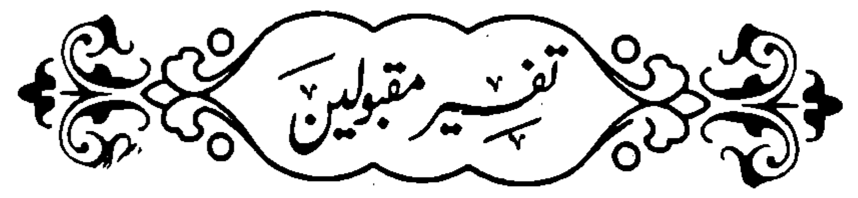
قوله: وَنَصَبُهٗ عَلَى الْحَالِ: یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے: ای انزلوھا نزلا۔

قوله: حَالٌ مِّنْ ضَمِيْرِ: یہ اِلَيْهِمْ کی ضمیر کی صفت نہیں۔

قوله: مُرَاعٰى فِيْهِ: معنی کی رعایت سے صیغہ میں ضمیر لاتے۔

قوله: يُؤْتَوْنَهٗ: اجر کی اضافت ان کی طرف اختصاص کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کو مخصوص اجر ملے گا اور وہ دو مرتبہ اجر کا ملنا ہے۔

قوله: فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِكُمْ: متعلق کا مذکور نہ ہونا تعمیم کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔



اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ....

عقلمندوں کی صفات اور ان کی دعائیں:

ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں کو اور زمین کو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور رات اور دن۔

پیچھے آنے کا جو نظام رکھا ہے جس کے مطابق رات اور دن آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یعنی یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ ان کا پیدا فرمانے والا قادر مطلق ہے، خالق ہے، حکیم ہے، یہ نشانیاں ایسی ہیں کہ عقل والے ان کو دیکھتے ہیں اور ان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب یہ جو کچھ آپ نے پیدا فرمایا ہے بے کار، عبث اور لایعنی نہیں ہے۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تو ہمیں عذاب دوزخ سے بچا دینا۔ درمیان میں ان عقل والوں کی یہ صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ کھڑے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ زبان سے اور دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ کی ذات و صفات کا تذکرہ کرنا اس کی تکوین و تخلیق بیان کرنا اس کی قدرت اور حکمت کا تذکرہ کرنا یہ سب ذکر اللہ میں داخل ہے جن لوگوں کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے وہی حقیقت میں عقل والے ہیں اور ان کے عقل مند اور عارف ہونے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، کھڑے ہوں چل رہے ہوں کسی حال میں ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ پر بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا باعث ہوگی، اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمائے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص کسی جگہ میں لیٹا اس میں اللہ کو یاد نہ کیا تو اس کا لیٹنا اللہ کی طرف سے اس کے لیے نقصان کا باعث ہوگا اور جو شخص کسی جگہ میں چلا اس نے اس چلنے کے دوران اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ چلنا اس کے لیے اللہ کی طرف سے نقصان کا باعث ہوگا۔ (الترغیب ۴۰۹: ج ۲) درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی اس عالم کی روح ہے جب تک اس دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔ (کما رواہ مسلم صفحہ ۸۴: ج ۱)

آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں عقلمند سمجھا جاتا ہے ان لوگوں نے اپنے طور پر سائنس کی معلومات میں اور دیگر امور کی معرفت حاصل کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ لیکن ان معلومات کے ذریعہ انہوں نے خالق کائنات جل مجدہ کو نہیں پہچانا۔ ان میں بہت سے تو خالق جل مجدہ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور جو لوگ اسے موجود مانتے ہیں، وہ بھی اس کی صفات جلال و جمال کو نہیں مانتے۔ اور اس کو تکوینی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اس کے مظاہر قدرت سے اس کی معرفت حاصل کرنے کی بجائے مادہ ہی کو یا طبیعت ہی کو سب کچھ مانتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں کہ طبیعت خود ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گئی یہ ان لوگوں کی اپنے خالق کی معرفت سے محرومی ہے، پھر انہیں یہ احساس نہیں کہ ہم کیوں پیدا ہوئے اور اس دنیا کے بعد ہمارا کیا بنے گا، اور یہ کہ ہمارے خالق نے زندگی گزارنے کا جو نظام بھیجا ہے وہ ہم پر قبول کرنا فرض ہے، ان کے علوم اور تجربات سب اسی دنیا تک ہیں۔ (يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ)

لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ (عقل والے لوگوں) کی جو دعائیں ذکر فرمائی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ (کہ اے ہمارے رب بلاشبہ آپ جسے دوزخ میں داخل فرمائیں اسے رسوا فرمائیں گے) اور یہ ایسی رسوائی ہے جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ دوزخ کا عذاب (عَذَابٌ مُّهِينٌ) یعنی ذلیل کرنے والا ہے اور وہاں کی رسوائی سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ تمام اولین و آخرین کے سامنے ذلیل ہونا بہت بڑی رسوائی ہے لوگ یہ تو سوچتے ہیں کہ دنیا میں رسوائی نہ ہو اور آخرت کی

ہونے سے محفوظ رہنے کا کوئی خیال نہیں رکھتے۔ (وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی .....

یعنی مرد ہو یا عورت ہمارے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی۔ جو کام کریگا اس کا پھل پائیگا، یہاں عمل شرط ہے۔ نیک عمل کر کے ایک عورت بھی اپنی استعداد کے موافق آخرت کے وہ درجات حاصل کر سکتی ہے جو مرد حاصل کر سکتے ہیں۔ جب تم مرد و عورت ایک نوع انسانی کے افراد ہو، ایک آدم سے پیدا ہوئے ہو، ایک رشتۂ اسلامی میں منسلک ہو، ایک اجتماعی زندگی اور امور معاشرت میں شریک رہتے ہو تو اعمال اور ان کے ثمرات میں بھی اپنے کو ایک ہی سمجھو اور جب کسی عمل کرنیوالے کا چھوٹا موٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوتا، پھر ان مردان خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے کفر و عصیان چھوڑنے کے ساتھ دار الکفر بھی چھوڑ دیا۔ وطن، خویش و اقارب، اہل و عیال اور مال و منال سب کو خیر باد کہہ کر دار الاسلام کی طرف نکل کھڑے ہوئے کفار نے ان پر وہ ظلم و ستم توڑے کہ گھروں میں ٹھہرنا محال ہو گیا۔ وطن چھوڑنے اور گھر بار ترک کرنے پر بھی دشمنوں نے چین نہ لینے دیا۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ میرا نام لیتے تھے اور میرا کلمہ پڑھتے تھے

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾

لَا يَغُرَّنَّكَ: تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ خطاب رسول اللہ کو ہے اور مراد امت ہے۔ (کیونکہ رسول اللہ کو تو کافروں کا مال فریب دے ہی نہ سکتا تھا) یا مخاطب عام ہے کوئی ہو۔

تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ ان کافروں کا ملک میں گھومنا، پھرنا شہروں شہروں میں گھومنا یعنی تجارت اور کمائی کے لیے ملک میں چلنا پھرنا (اور کمائی کر کے مزے اڑانا) کافروں کا گھومنا پھرنا مسلمانوں کی فریب خوردگی کا سبب تھا اس فریب خوردگی کی ممانعت فرمائی مراد یہ ہے کہ کافروں کی فراخ حالی پر نظر نہ کرو اور ان کی ظاہری وسعت معاشی سے فریب خوردہ نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: کسی فاجر (کی راحت اور اچھی حالت دیکھ کر اس) پر رشک نہ کرو تم کو نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کے سامنے کیا آئے اللہ کے نزدیک اس کے لیے ایک ایسا مار ڈالنے والا متعین ہے جو (خود) کبھی نہیں مرے گا یعنی دوزخ۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ .....

متقیوں کا ثواب:

اس میں تسلی ہے اہل ایمان کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ تمہیں ہمیشہ کے لیے وہ نعمتیں ملیں گی جو اہل کفر کے تصور میں بھی نہیں۔ ان کی نعمتوں کو ہیچ سمجھو۔ ان کی نعمتیں ان کے لیے باعث عذاب ہیں اور تمہاری نعمتیں واقعی اور حقیقی اور دائمی ہوں گی جو اللہ کی طرف سے بطور مہمانی کے عطاء کی جائیں گی۔ کما قال تعالیٰ: نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ (مہمانی ہے اللہ کی طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک بندوں کے لیے بہتر ہے) کیونکہ یہ دائمی ہے اور کثیر اور کافروں کے پاس قلیل در قلیل ہے اور عارضی ہے۔

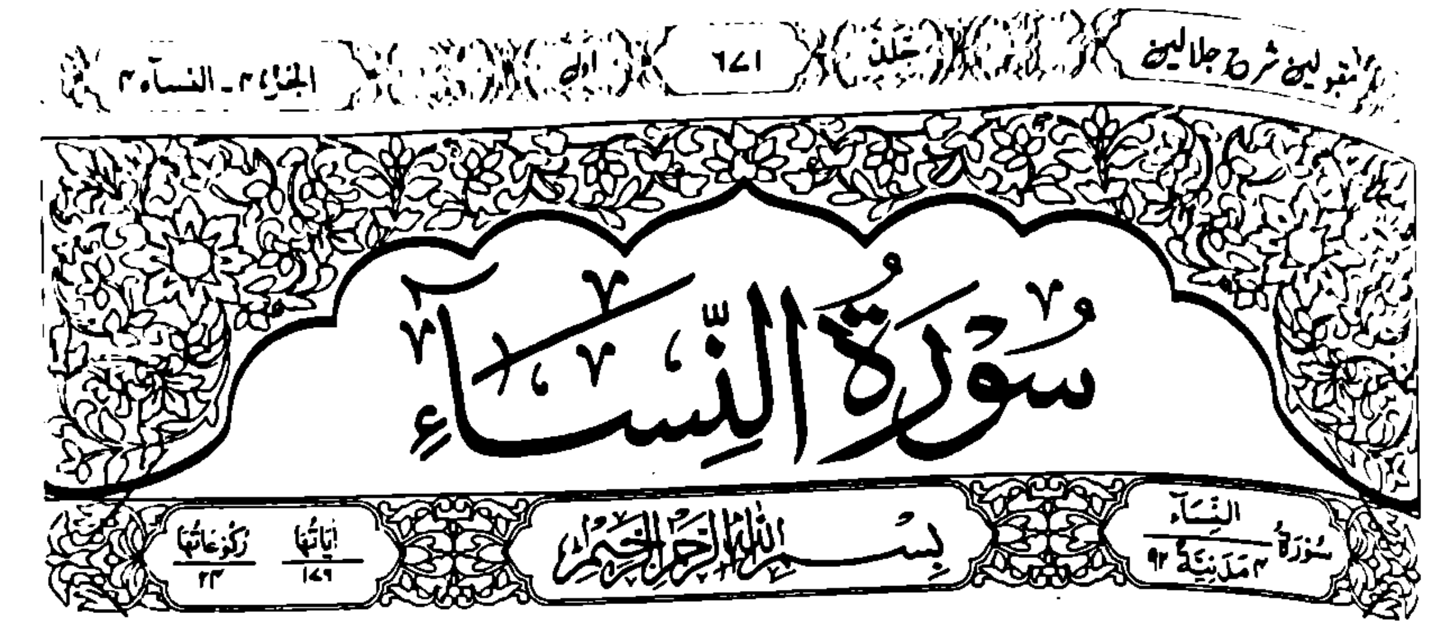
وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ....

اوپر عام متقین کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اہل کتاب میں جو متقی ہوں ان کا خصوصیت سے ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی جو اہل کتاب اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان لائے، قرآن کو مانا اور چونکہ خود قرآن تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے ان کو بھی مانا، مگر اس طرح نہیں، جیسے دنیا پرست احبار مانتے تھے کہ تھوڑے سے دنیاوی فائدہ کی خاطر آیات اللہ کو چھپالیا یا بدل ڈالا، بلکہ خدا کے آگے عاجزی اور اخلاص سے گرے اور جس طرح اس نے کتابیں اتاری تھیں ٹھیک ٹھیک اسی اصلی رنگ میں ان کو تسلیم کیا۔ نہ بشارات کو چھپایا، نہ احکام کو بدلا۔ ایسے پاکباز حق پرست اہل کتاب کے لئے اللہ کے ہاں مخصوص اجر ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا....

خاتمہ پر مسلمانوں کو ایک نہایت جامع ومانع نصیحت فرمادی، جو گویا ساری سورت کا ماحصل ہے، یعنی اگر کامیاب ہونا اور دنیا وآخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو، معصیت سے رکو، دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ، اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو، جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔ (وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ) (الانفال ۸: ۶۰) اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ کرلیا تو سمجھو کہ مراد کو پہنچ گئے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مُفْلِحِين فَائِزِيْنَ بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَ اٰمين- حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تہجد کے لئے اٹھتے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ دس آیتیں: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ختم سورۃ تک تلاوت کرتے تھے۔

تمت سورۃ آل عمران بمنه وحسن توفيقه۔ فله الحمد والمنة وعلى رسوله الف الف سلام وتحية



اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم فرما ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اَىْ عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اٰدَمَ وَّ
خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوَّاءَ بِالْمَدِّ مِنْ ضِلْعٍ مِنْ اَضْلَاعِهِ الْيُسْرٰى وَبَثَّ فَرَّقَ وَنَشَرَ مِنْهُمَا مِنْ اٰدَمَ وَحَوَّاءَ
رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ كَثِيْرَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى السِّيْنِ وَفِىْ
قِرَاءَةٍ بِالتَّخْفِيْفِ بِحَذْفِهَا اَىْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ فِيْمَا بَيْنَكُمْ حَيْثُ يَقُوْلُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ اَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ وَ
اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ وَ اتَّقُوا الْاَرْحَامَ ؕ اَنْ تَقْطَعُوْهَا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْجَرِّ عَطْفًا عَلَى الضَّمِيْرِ فِىْ بِهٖ وَكَانُوْا
يَتَنَاشَدُوْنَ بِالرَّحِمِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① حَافِظًا لِاَعْمَالِكُمْ فَيُجَازِيْكُمْ بِهَا اَىْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا
بِذٰلِكَ وَنَزَلَ فِىْ يَتِيْمٍ طَلَبَ مِنْ وَلِيِّهٖ مَالَهٗ فَمَنَعَهٗ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى الصِّغَارَ الْاُلٰى لَا اَبَ لَهُمْ اَمْوَالَهُمْ اِذَا بَلَغُوْا
وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ الْحَرَامَ بِالطَّيِّبِ ۠ الْحَلَالِ اَىْ تَاْخُذُوْهُ بَدْلَهٗ كَمَا تَفْعَلُوْنَ مِنْ اَخْذِ الْجَيِّدِ مِنْ
مَالِ الْيَتِيْمِ وَجَعْلِ الرَّدِىِّ مِنْ مَالِكُمْ مَكَانَهٗ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ مَضْمُوْمَةً اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ اَىْ اَكْلَهَا
كَانَ حُوْبًا ذَنْبًا كَبِيْرًا ② عَظِيْمًا وَلَمَّا نَزَلَتْ تَحَرَّجُوْا مِنْ وَلَايَةِ الْيَتٰمٰى وَكَانَ فِيْهِمْ مَنْ تَحْتَهُ الْعَشْرُ
اَوِ الثَّمَانُ مِنَ الْاَزْوَاجِ فَلَا يَعْدِلُ بَيْنَهُنَّ فَنَزَلَتْ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا تَعْدِلُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَتَحَرَّجْتُمْ
مِنْ اَمْرِهِمْ فَخَافُوْا اَيْضًا اَلَّا تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ اِذَا نَكَحْتُمُوْهُنَّ فَانْكِحُوْا تَزَوَّجُوْا مَا بِمَعْنٰى مَنْ طَابَ
لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ اَىِ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا وَاَرْبَعًا اَرْبَعًا وَلَا تَزِيْدُوْا عَلٰى ذٰلِكَ

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فِيْهِنَّ بِالنَّفَقَةِ وَ الْقَسَمِ فَوَاحِدَةً اَنْكِحُوْهَا اَوْ اِقْتَصِرُوْا عَلٰى مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ ۚ مِنَ الْاِمَاءِ اِذْ لَيْسَ لَهُنَّ مِنَ الْحُقُوْقِ مَا لِلزَّوْجَاتِ ذٰلِكَ اَيْ نِكَاحُ الْاَرْبَعَةِ فَقَطْ اَوِ الْوَاحِدَةِ اَوِ
التَّسَرِّيْ اَدْنٰى اَقْرَبُ اِلٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ تَجُوْرُوْا وَ اٰتُوا اَعْطُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ جَمْعُ صَدُقَةٍ مُهُوْرَهُنَّ
نِحْلَةً ۚ مَصْدَرٌ عَطِيَّةٌ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا تَمْيِيْزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ
اَيْ اِنْ طَابَتْ اَنْفُسُهُنَّ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّدَاقِ فَوَهَبْنَهُ لَكُمْ فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا طَيِّبًا مَّرِيْٓئًا ۝ مَحْمُوْدَ
الْعَاقِبَةِ لَا ضَرَرَ فِيْهِ عَلَيْكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ نَزَلَ رَدًّا عَلٰى مَنْ كَرِهَ ذٰلِكَ وَلَا تُؤْتُوا اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ السُّفَهَآءَ
الْمُبَذِّرِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ اَمْوَالَكُمْ اَيْ اَمْوَالَهُمُ الَّتِيْ فِيْ اَيْدِيْكُمْ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
قِيٰمًا مَصْدَرُ قَامَ اَيْ تَقُوْمُ بِمَعَاشِكُمْ وَصَلَاحِ اَوْلَادِكُمْ فَيُضِيْعُوْهَا فِيْ غَيْرِ وَجْهِهَا وَ فِيْ قِرَاءَةٍ قِيَمًا
جَمْعُ قِيْمَةٍ مَا تَقُوْمُ بِهِ الْاَمْتِعَةُ وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا اَطْعِمُوْهُمْ مِنْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝
عِدُوْهُمْ عِدَةً جَمِيْلَةً بِاِعْطَائِهِمْ اَمْوَالَهُمْ اِذَا رَشَدُوْا وَابْتَلُوا اِخْتَبِرُوا الْيَتٰمٰى قَبْلَ الْبُلُوْغِ فِيْ دِيْنِهِمْ وَ
تَصَرُّفِهِمْ فِيْ اَحْوَالِهِمْ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ اَيْ صَارُوْا اَهْلًا لَهٗ بِالْاِحْتِلَامِ اَوِ السِّنِّ وَهُوَ اسْتِكْمَالُ
خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رحمه الله فَاِنْ اٰنَسْتُمْ اَبْصَرْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا اِصْلَاحًا فِيْ دِيْنِهِمْ وَمَالِهِمْ
فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ اِسْرَافًا بِغَيْرِ حَقٍّ حَالٌ وَّبِدَارًا اَيْ مُبَادِرِيْنَ اِلٰى
اِنْفَاقِهَا مَخَافَةَ اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ رُشْدًا فَيَلْزَمُكُمْ تَسْلِيْمُهَا اِلَيْهِمْ وَمَنْ كَانَ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ
اَيْ يَعِفُّ عَنْ مَالِ الْيَتِيْمِ وَيَمْتَنِعُ مِنْ اَكْلِهِ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ مِنْهُ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ بِقَدْرِ اُجْرَةِ عَمَلِهِ
فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَيْ اِلَى الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ اَنَّهُمْ تَسَلَّمُوْهَا وَبَرِئْتُمْ لِئَلَّا يَقَعَ
اخْتِلَافٌ فَتَرْجِعُوْا اِلَى الْبَيِّنَةِ وَهٰذَا اَمْرُ اِرْشَادٍ وَكَفٰى بِاللّٰهِ الْبَاءُ زَائِدَةٌ حَسِيْبًا ۝ حَافِظًا لِاَعْمَالِ خَلْقِهِ وَ
مُحَاسِبَهُمْ وَنَزَلَ رَدًّا لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْجَاهِلِيَّةُ مِنْ عَدَمِ تَوْرِيْثِ النِّسَاءِ وَالصِّغَارِ لِلرِّجَالِ الْاَوْلَادِ
وَالْاَقَارِبِ نَصِيْبٌ حَظٌّ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ الْمُتَوَفَّوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَیِ الْمَالِ اَوْ كَثُرَ ؕ جَعَلَهُ اللّٰهُ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ مَقْطُوْعًا بِتَسْلِیْمِهٖ اِلَیْهِمْ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ لِلْمِیْرَاثِ اُولُوا الْقُرْبٰی ذُو الْقَرَابَةِ مِمَّنْ لَا یَرِثُ وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ شَیْئًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَ قُوْلُوْا اَیُّهَا الْاَوْلِیَاءُ لَهُمْ اِذَا كَانَ الْوَرَثَةُ صِغَارًا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ جَمِیْلًا بِاَنْ تَعْتَذِرُوْا اِلَیْهِمْ اَنَّكُمْ لَا تَمْلِكُوْنَهٗ وَاَنَّهٗ لِصِغَارٍ وَهٰذَا قِیْلَ مَنْسُوْخٌ وَقِیْلَ لَا وَلٰكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ فِیْ تَرْكِهٖ وَ عَلَیْهِ فَهُوَ نُدْبٌ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاجِبٌ وَ لْیَخْشَ اَیْ لِیَخَفْ عَلَی الْیَتٰمٰی الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا اَیْ قَارَبُوْا اَنْ یَّتْرُكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ اَیْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا اَوْلَادًا صِغَارًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ ۪ الضِّیَاعَ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ فِیْ اَمْرِ الْیَتٰمٰی وَلْیَاْتُوْا اِلَیْهِمْ مَا یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّفْعَلَ بِذُرِّیَّتِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ وَ لْیَقُوْلُوْا لِلْمَیِّتِ قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ صَوَابًا بِاَنْ یَّاْمُرُوْهُ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِدُوْنِ ثُلُثِهٖ وَیَدَعَ الْبَاقِیَ لِوَرَثَتِهٖ وَلَا یَتْرُكُهُمْ عَالَةً اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا بِغَیْرِ حَقٍّ اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اَیْ مِلْاَهَا نَارًا ؕ لِاَنَّهٗ یَؤُوْلُ اِلَیْهَا وَ سَیَصْلَوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ یَدْخُلُوْنَ سَعِیْرًا ۝ؑ نَارًا شَدِیْدَةً یُّحْتَرَقُوْنَ فِیْهَا۔

ع ۱۰ / ۱۲

ترجمہ: اے لوگو! یعنی اے مکہ والو! اپنے پروردگار سے ڈرو یعنی ڈرو اللہ کے عذاب سے اس طرح کہ اس کی اطاعت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان آدم علیہ السلام سے اور اسی جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا یعنی حضرت حواء مد کے ساتھ کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا اور پھیلایا متفرق اور منتشر کیا ان دونوں آدم اور حواء سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں اور اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو، مطلب یہ ہے کہ خدا سے ڈر کر میرا حق دیدو، سو جب دوسروں کو خدا کی مخالفت سے ڈرنے کو کہتے ہو تو معلوم ہوا کہ تم اس ڈرنے کو ضروری سمجھتے ہو پس تم بھی ڈرو، مفسرؒ کا قول فِیْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فی السین لفظ تساءلون اصل میں تتساءلون تھا تاء ثانیہ کو سین سے بدل کر سین میں ادغام کر دیا گیا یہ ایک قراءت ہے دوسری قراءت بالتخفیف ہے یعنی تاء ثانیہ کو حذف کر کے تَسَاءَلُوْنَ پڑھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہو اَسْاَلُكَ بِاللّٰهِ اور اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اس کا عطف اللہ پر ہے اس لیے مفسرؒ نے اتقوا کی تقدیر سے عامل کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور ڈرتے رہو قرابت کے معاملہ میں یعنی اس قرابت و رشتہ داری کے قطع کرنے سے ڈرو، مفسرؒ نے اِنْ تَقْطَعُوْهَا کی تقدیر نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے ای وَاتَّقُوا الارحام اور ایک قراءت میں ارحام کو جر کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اس صورت میں ارحام کا عطف ہوگا ضمیر بہ پر اور یہ لوگ قرابت کے واسطہ سے قسمیں کھاتے تھے بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم سب پر نگہبان ہے تمہارے اعمال کی پوری نگرانی کر رہے ہیں سو

تم کو اس کا بدلہ دیں گے یعنی حق تعالیٰ اس وصف کے ساتھ ہمیشہ متصف رہتے ہیں چونکہ حق تعالیٰ کا علم ازلی وابدی ہے۔ قول المفسر وَنَزَلَ فِي يَتِيْمٍ طَلَبَ مِنْ وَلِيِّهٖ مَالَهٗ فَمَنَعَهٗ اور آیت کریمہ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى الخ ایک یتیم کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنے ولی چچا سے اپنا مال طلب کیا تو ولی نے دینے سے انکار کر دیا وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى الخ اور دید و یتیموں کو ان چھوٹے نابالغ بچوں کو جن کے باپ نہ رہے ان کے اموال جب کہ وہ بالغ ہو جائیں، الصِّغَارَ الْاُلٰى میں الٰی بضم الہمزہ وفتح اللام اسم موصول ہے اور الذی کی جمع ہے الذین کی طرح وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ اور نہ بدلو خبیث یعنی حرام کو اچھی چیز یعنی حلال سے یعنی ایسا مت کرو کہ تم حلال وطیب کے بدلے حرام لو، کیونکہ تمہارے لیے تمہارا اپنا مال طیب وحلال ہے اور یتیم کا مال تمہارے لئے ناحق کھانا خبیث وحرام ہے اس لیے حلال وطیب سے حرام کو نہ بدلو كَمَا تَفْعَلُوْنَ مِنْ اَخْذِ الْجَيِّدِ الخ جیسا کہ تم کرتے ہو کہ یتیم کے مال میں سے عمدہ لے کر اپنے مال میں سے ردی لے کر اس کی جگہ رکھ دیتے ہو مثلاً یتیم کی موٹی بکری لے لی اور اپنی دبلی بکری بدلہ میں دیدی، اسی طرح کھرا درہم نکال لیا اور کھوٹا درہم یتیم کے مال میں رکھ دیا۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اور ان یتیموں کے مال کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، مقصد یہ ہے کہ یتیموں کے مال کو ناجائز طور پر خرد برد نہ کرو، اس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ انه کان حوبا کبیرا: بلاشبہ یہ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے ولما نزلت تحرجوا من ولایۃ الیتامی الخ اور جب آیات یتیم نازل ہوئی جس میں یتیموں کی حق تلفی اور ان کے مالوں کو خرد برد کرنے کی ممانعت تھی اور گناہ کبیرہ کی وعید تھی تو لوگ یتیموں کی ولایت سے بچنے لگے، مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر یتیموں کی ولایت بہت شاق ہونے لگی تو اس خرد برد سے تو بچنے لگے مگر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے اور ان کا حال یہ تھا کہ ایک ایک شخص کے ماتحت آٹھ آٹھ یا دس بیویاں تھیں مگر ان ازواج یعنی زوجات کے درمیان عدل ومساوات یعنی برابری کا سلوک نہیں کرتے تھے اس پر یہ حکم نازل ہوا فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تم انصاف عدل نہ کر سکو گے یتیموں کے بارے میں اور تم تنگی ودشواری سمجھنے لگے ان کے معاملات سے پھر اس بات سے بھی تم کو اندیشہ ہو کہ اگر ان عورتوں سے نکاح کر لو تو عدل نہ کر سکو گے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری زیر سرپرستی یتیم لڑکیاں ہے اور ان سے نکاح کرنے میں تم ڈر رہے ہو کہ عدل وانصاف نہ کر سکو گے اور حق تلفی کر بیٹھو گے تو نکاح شادی کرو ما بمعنی من ہے عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار یعنی ہر ایک مرد کے لیے تعدد ازواج کی یہ تینوں صورتیں جائز ہیں کہ دو دو عورتوں سے یا تین تین عورتوں سے یا چار چار عورتوں سے شادی کر لے اور اس پر زیادتی مت کرو پھر اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ رکھ سکو گے یعنی تم کو غالب احتمال ہو کہ متعدد بیویاں کر کے ان میں نان ونفقہ اور تقسیم باری یعنی شب باشی میں برابری کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے پس ایک سے یعنی ایک عورت سے نکاح کرو یا اکتفا کر لو ان عورتوں پر جو تمہاری ملک میں ہوں یعنی باندیاں کیوں کہ ان باندیوں کے وہ حقوق نہیں ہیں جو آزاد بیویوں کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ باندیوں کی باری میں نہ نان نفقہ میں عدل واجب ہے نہ شب باشی میں ذٰلِكَ یہ فعل یعنی صرف چار عورتوں سے نکاح کرنا یا صرف ایک بیوی رکھنا یا صرف باندی پر بس کرنا اَدْنٰٓى بمعنی اقرب ہے قریب تر ہے اس بات کے کہ تم ایک طرف مائل نہ ہو جاؤ گے ظلم نہ کرو گے واتوا بمعنی اَعْطُوْا ہے اور اگر تم لوگ عورتوں کو ان کے مہر دید و صدقات صدقۃ کی جمع ہے جس کے معنی مہر

کے ہیں پس صَدُقٰتِهِنَّ بمعنی مُهُوْرَهُنَّ نِحْلَةً مصدر ہے جس کے معنی ہیں طیب خاطر، خوش دلی سے دینا نحل از باب فتح نحلًا دینا نحل المرأة: مہر دینا۔ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ الخ پس اگر وہ عورتیں چھوڑ دیں تمہارے لیے اس: ہر میں سے کچھ خوش دلی سے نفسًا تمیز ہے جو فاعل سے نقل کیا ہوا ہے یعنی عورتوں کا دل خوش ہو گیا تم سے مہر میں سے کچھ کے معاملے میں اور انہوں نے تم کو ہبہ کر دیا، یہی حکم کل کا بھی ہے تو تم اس کو کھاؤ مزے سے خوشی سے خوشگوار سمجھ کر کہ اس کا انجام محمود ہے آخرت میں اس کے لینے میں تم پر کوئی ضرر نہیں ہے، اس آیت کا نزول ان لوگوں کے: دار جواب میں ہوا جو اس مہر کے لینے کو برا سمجھتے تھے اور ظاہر ہے کہ صاحب مال اور صاحب حق اپنی خوشی سے کسی کو اپنا مال ہبہ کر دے اس میں وہ مختار ہے قباحت و کراہت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اور مت دو اے سرپرستو کم عقلوں کو جو فضول برباد کرنے والے ہوں مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے اپنے وہ مال یعنی ان کے مال جو ان کے نابالغ و کم عقل ہونے کی وجہ سے تمہارے قبضہ میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مایہ زندگی بنایا ہے قیام قام از نصر کا مصدر ہے۔ قیاما اصل میں قواما تھا واؤ ماقبل کسرہ کی وجہ سے یاء ہو گیا، یعنی تمہاری معیشت و زندگی اور تمہاری اولاد کی صلاح و درستی قائم ہے مطلب یہ ہے کہ مال تمہاری زندگی کا گزران اور سبب بقاء ہے اس کی قدر کرو اور ان کم عقلوں کو ابھی مت دو۔ فَيُضِيْعُوْهَا فِيْ غَيْرِ وَجْهِهَا کہ وہ ان مالوں کو بلاوجہ ضائع کر دیں گے اور ایک قراءت میں قیما ہے جو قیمۃ کی جمع ہے وہ جس سے سامانوں کا انتظام کر سکے اور ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے رہو مفسرؒ نے بتایا ہے کہ فِيْهَا بمعنی مِنْهَا ہے اس لیے اَطْعِمُوْهُمْ مِنْهَا سے تفسیر کی ہے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو ان سے وعدہ کرتے رہو اچھا وعدہ یعنی خیر خواہی اور بھلائی کا، ان کے مال ان کو دینے کا جب وہ سمجھدار ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ مال واپس دینے کا وعدہ کر کے ان کو تسلی دیتے رہو کہ مال تمہارا ہے تمہاری خیر خواہی کی وجہ سے ابھی ہمارے ہاتھ میں ہے جب تم بڑے ہوشیار ہو جاؤ گے تو تمہیں دیدیا جائے گا اور تم یتیموں کی آزمائش کرتے جانچتے رہا کرو بالغ ہونے سے پہلے ان کے دینی حالات اور ان کے عام حالات میں تصرف کے اندر مثلاً کبھی کچھ سودا سلف ان سے منگالیا اور دیکھا کہ کیسے سلیقے سے خرید کر لایا ہے یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہونچ جائیں یعنی جب نکاح کے قابل ہو جائیں خواہ احتلام کے ذریعہ سے ہو یا عمر کے ذریعہ اور عمر سے بلوغ امام شافعیؒ کے نزدیک پندرہ سال کا مکمل ہونا ہے پھر اگر تم نے معلوم کر لیا دیکھ لیا ان کی ہوشیاری یعنی ان کے دین اور ان کے مال کے بارے میں ہوشیاری و سمجھداری معلوم کر لی یہ تفسیر مسلک شوافعؒ کے مطابق ہے لیکن جمہور حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ رشدا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مالی لین دین میں مال کی حفاظت و رعایت مصالح کا سلیقہ تم کو نظر آ جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو اور نہ کھاؤ ان مالوں کو اے سرپرستو فضول خرچی کر کے ناحق اسرافا حال ہے اور نیز مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے اور جلدی کرتے ہوئے یعنی حاجت سے پہلے ان اموال کے خرچ کرنے میں جلدی کرتے ہوئے اس خوف سے کہ بڑے ہو جائیں گے سمجھدار ہو جائیں گے تو انکے اموال ان کے حوالہ کر دینا تم پر لازم ہو جائے گا اور جو شخص مستغنی ہو یعنی یتیم کے سرپرستوں میں سے جو بقدر کفایت اپنا مال رکھتا ہو محتاج نہ ہو تو اس کو بچتا رہنا چاہئے یعنی یتیم کے مال سے بچے اور اس کے کھانے سے مکمل پرہیز کرے اور جو شخص حاجتمند ہو تو وہ اس مال سے کھا سکتا ہے دستور کے مطابق اپنے عمل کی اجرت

کے مطابق یعنی بقدر حق الخدمت پھر جب حوالہ کرنے لگو یتیموں کے انکے اموال تو ان پر گواہ بنالو کہ ان لوگوں نے ان اموال پر قبضہ کرلیا ہے اور تم بری ہو گئے ہو تا کہ اختلاف نہ واقع ہو کہ بینہ یعنی گواہوں کی طرف رجوع کرو اور یہ امر صرف رہنمائی ہے یعنی امر استحبابی ہے وجوبی نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے کفیٰ باللہ کا باء زائدہ ہے اور اللہ فاعل ہے حساب لینے والا یعنی مخلوق کے اعمال کا نگران اور محاسب ہے۔ اہل جاہلیت جس رسم و رواج دستور پر چل رہے تھے کہ عورتوں اور نابالغ بچوں کو ترکہ نہ دینا یعنی میراث سے محروم رکھنا، اس کی تردید یعنی اصلاح کے لیے اس آیت کا نزول ہوا۔ لِلرِّجَالِ الخ، مردوں کے لیے یعنی اولاد کے لئے خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے اور رشتے داروں کے لیے حصہ ہے نصیب بمعنی حظ یعنی حصہ ہے اس چیز میں سے جو چھوڑیں ماں باپ اور قرابت دار جو وفات پاچکے ہوں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اس چیز میں سے جو چھوڑا ہے والدین اور قرابت داروں نے خواہ وہ چیز یعنی مال قلیل ہو یا کثیر اللہ نے اس کو کر دیا ہے حصہ قطعی یعنی اس مال کو ان کے حوالہ کرنا ضروری ہے وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ الخ اور جب آجائیں تقسیم کے وقت میراث کے قرابت دار یعنی ایسے دور کے رشتہ دار جن کا میراث میں کوئی حصہ نہیں ہے اور یتیم اور مسکین لوگ تو ان کو بھی اس مال میں سے دیدو یعنی تقسیم ترکہ سے پہلے کچھ دیدو بطور خیرات وَقُوْلُوْا لَهُمْ الخ اور کہہ دو اے اولیاء ان حاضر ہونے والوں سے اگر وارث چھوٹے بچے ہوں اور مذکورہ آنے والے اقسام ثلاثہ کو دینے کی جائز صورت نہ ہو معقول بات اچھی بات اس طرح پر کہ ان سے عذر کردو کہ ہم مالک نہیں ہیں۔ یہ مال ان نابالغ بچوں کا ہے یہاں سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ تقسیم ترکہ کے وقت آنے والے یتیم و مسکین یا غیر مستحق رشتہ دار کو جو بطور خیرات و دلجوئی دینے کا حکم ہے وہ صرف بالغین ورثہ جو موجود ہیں وہ اپنے حصہ سے دیں گے نابالغ بچوں کے حصہ میں سے دینا جائز نہیں، یہ آیت (۸) منسوخ ہے یعنی فَارْزُقُوْهُمْ کے امر کو وجوبی حکم مانا جائے تو اب وجوب کا حکم منسوخ ہے اور عند البعض منسوخ نہیں ہے لیکن لوگوں نے آسانی برتی ہے اس کے چھوڑنے میں، مطلب یہ ہے کہ دینے اور حسن سلوک کی اہمیت نہیں سمجھی اور دینا چھوڑ دیا آیت: فَارْزُقُوْهُمْ سے اس کی ترغیب مقصود ہے وقول المفسرؒ: ''وَعَلَيْهِ فَهُوَ نُدُبٌ'' ای علی قوله وقیل لا، مطلب یہ ہے کہ اس دوسرے قول پر جو لوگ منسوخ نہیں کہتے ہیں ان کے نزدیک امر استحبابی ہے اور عند الجمهور یہی صحیح ہے، حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ واجب ہے۔ ولیخش: اور لوگوں کو ڈرنا چاہئے یعنی یتیموں پر خوف کرنا چاہئے کہ اگر وہ خود چھوڑیں یعنی چھوڑنے کے قریب ہوں، مرنے لگیں اپنے پیچھے مرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے بچوں کو تو ان کو خوف رہتا ہے ان بچوں پر ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اپنی اولاد کے سلسلہ میں فکر ہوتی ہے کہ میرے بعد اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے تو انہیں بھی دوسروں کے بچوں کے لیے ایسا ہی خیال رکھنا چاہئے کہ ہم ان کو تکلیف نہ دیں یعنی دل پر ہاتھ رکھ کر موازنہ کریں فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ پس انہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے یتیموں کے معاملہ میں اور ان یتیموں کے ساتھ اس طرح پیش آئیں، سلوک کریں جو اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد کے ساتھ کیا جانا پسند کرتے ہیں اور چاہئے کہ کہیں میت سے یعنی جو لوگ مرنے کے وقت میت کے پاس موجود ہوں انہیں چاہئے کہ کہیں درست بات اس طرح کہ میت کو مشورہ دیں کہ تہائی مال سے کم صدقہ کرے یا وصیت کرے اور باقی مال کو ورثہ کے لیے چھوڑ دے اور ان کو محتاج نہ چھوڑ جائے کہ وہ بعد میں در در کی

ٹھوکریں کھاتے پھریں اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الخ بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں ناحق بس وہ اپنے پیٹ میں کھاتے ہیں بھرتے ہیں آگ اس لیے کہ انجام اسی آگ دوزخ کی طرف ہوگا اور عنقریب داخل ہوں گے سَیَصْلَوْنَ معرف ومجہول دونوں طرح ہے یعنی داخل کئے جائیں گے بھڑکتی آگ میں یعنی ایسی سخت آگ ہے جس میں جلتے رہیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَیْ اَھْلُ مَکَّۃَ: اس لیے کہ آپ کی بعثت قصداً اس قصہ میں ان کی طرف ہوئی۔

قوله: کَثِیْرَۃً: مردوں کی صفات پر اکتفاء کیا اول تو ان کی کثرت کے اعتبار سے، دوسرا حکمت الہیہ کا تقاضا یہی تھا کہ مرد زیادہ ہوں کیونکہ موجودات کی ایجاد وصول کی عدت کے لیے ہے اور وہ حصول کمال کی استعداد مردوں میں عورتوں کی بنسبت بہت زیادہ ہے۔ پس ان کا زیادہ ہونا مناسب ہے۔

قوله: اِتَّقُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ لفظ اللّٰہ پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔ ضمیر مجرور پر عطف کی وجہ سے مجرور نہیں۔

قوله: وَکَانُوْا: اس میں اشارہ ہے کہ ضمیر پر عطف کی صورت میں معنی درست ہے۔

قوله: اِذَابَلَغُوْا: اس سے مقید کیا تا کہ وہ تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمْ کے خلاف نہ ہو۔

قوله: بالرَّحْمِ: انہوں نے خبیث کی تفسیر حرام اور طیب کی حلال سے کی ہے وہ تبدل جس پر باداخل ہو وہ متروک ہے اور جس کی طرف فعل خود متعدی ہو وہ ماخوذ ہے۔

قوله: مَنْ طَابَ: ما سے عورتوں کو غیر عقلاء قرار دے کر تعبیر کی گئی کیونکہ وہ ناقصات العقل ہیں۔

قوله: اَیِ اثْنَیْنِ اِثْنَیْنِ: اس سے اشارہ ہے کہ یہ مکرر اعداد سے معدول ہو کر آئے ہیں۔

قوله: وَلَاتَزِیْدُوْا عَلٰی ذٰلِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ عود مذکور میں اضافے کی نفی ہے، نقصان کی نہیں۔

قوله: اَوِ اقْتَصِرُوْا: اس میں اشارہ ہے کہ مَا مَلَکَتْ یہ فعل محذوف کا مفعول ہے اور عطف الملہ المحذ ونہ علی الجملہ الحذ ولۃ الفعل سے ہے۔

قوله: صَدُقَۃٍ، صدقات: کی واحد صَدُقَۃ بمعنی مہر۔ صداق مفرد نہیں۔

قوله: مَصْدَرٌ: اس کا نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے، حال ہونے کی وجہ سے نہیں۔

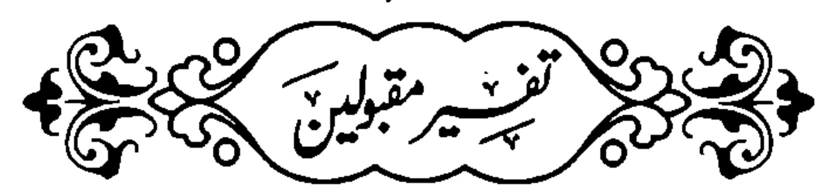
قوله: عَطِیَّۃً عَنْ طِیْبِ نَفْسٍ: دراصل نحلہ عطیہ کے معنی میں ہے اور وہ فعلہ کے وزن پر ہے جو اس ارشاد میں ہے: وَاٰتُوا النِّسَآءَ ....

قوله: طَابَتْ اَنْفُسُهُنَّ: یعنی اصل یہ ہے کہ انفس ہبہ کا فاعل ہو۔

قوله: مَحْمُوْدَ الْعَاقِبَۃِ: یہ دونوں مصدر کی صفت ہیں۔ اے اکلا ھنیئا مریئا۔

قوله: اَمْوَالَهُمْ: اولیاء کی طرف یتامیٰ کے احوال کی نسبت کفیل ومتصرف کے اعتبار سے ہے۔

قوله: بِالْاِحْتِلَامِ: بلوغ نکاح یہ بلوغ سے کنایہ ہے کیونکہ وہ اس وقت مقاصد نکاح کی صلاحیت رکھتا ہے۔
قوله: بِغَيْرِ حَقٍّ: اسراف سے مراد ناحق استعمال خواہ وہ مقدار اسراف ہو یا نہ ہو۔
قوله: جَعَلَهُ اللّٰهُ: اس سے اشارہ ہے کہ نَصِيْبًا یہ جَعَلَ کا دوسرا مفعول ہے۔ وہ جعل مقدر ہے اور نَصِيْبًا میں مصدریت کا مفہوم نہیں۔
قوله: قَارَبُوْا: تَرَكُوْا کو قَارَبُوْا کے معنی میں مانا تاکہ خَافُوْا ضرور تا جزاء بن سکے۔
قوله: اَنْ يَّتْرُكُوْا: اس میں اشارہ ہے کہ لو یہ ان کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اس کے جواب میں لازم نہیں ہے۔
قوله: ظُلْمًا: یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس کا مضاف محذوف ہے۔ای کل الظلم۔ناحق کھانا۔
قوله: مَلْئَهَا: اس سے ظرفیت کے معنی کی طرف اشارہ کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ظرف، ظرف تبھی بنتا ہے جب مکمل مظروف کو مشغول کرلے ورنہ وہ بعض ظرف ہے۔
قوله: لِاَنَّهٗ يَؤُوْلُ اِلَيْهَا: یعنی آگ کے تذکرہ میں مجاز مرسل ہے اور یہ مسبّب ذکر کرکے سبب مراد لینے کی قسم سے ہے۔



تفسیر مقبولین

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ....

بنی آدم کی تخلیق کا تذکرہ اور یتیموں کے مال کھانے کی ممانعت:

ان آیات میں اول تو تمام انسانوں کو ان کے خالق و مالک اور پرورش کرنے والے سے ڈرنے کا حکم فرمایا اور یہ حکم جگہ جگہ قرآن حکیم میں موجود ہے اللہ تعالیٰ شانہ سے ڈرنا ہی سب کامیابیوں کی کنجی ہے کوئی شخص خلوت میں ہو یا جلوت میں اپنے رب تعالیٰ شانہ سے ڈرے گا اور خوف وخشیت کی صفت سے متصف ہوگا تو دنیا و آخرت میں اس کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ دنیا و آخرت کی بربادی گناہوں میں مبتلا ہونے سے ہوتی ہے اور خوف وخشیت دل میں جگہ پکڑ لے تو پھر گناہ چھوٹتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهٖ (کہ تم اللہ سے ڈرنے کو لازم پکڑ لو کیونکہ اس سے تمہارے ہر کام میں زینت آجائے گی) (مشکوۃ المصابیح صفحہ: ۴۱۵) پھر رب جل شانہ کی صفت جلیلہ بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا پھر اس جوڑے سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔ ایک جان سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔

حضرت حوا کی تخلیق:

ان کا جوڑا یعنی حضرت حوا کو ان ہی سے پیدا فرمایا صحیح مسلم صفحہ ۴۷۵: ج۱ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی طریقہ پر تیرے لیے سیدھی نہیں ہو

سکتی۔ سو اگر تو اس سے نفع حاصل کرنا چاہے تو اس کی کجی یعنی ٹیڑھے پن کے ہوتے ہوئے ہی نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے تو توڑ ڈالے گا اور اس کو توڑ دینا طلاق دینا ہے، صحیح بخاری صفحہ ۷۷۹: ج ۲ کی ایک روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ قرآن مجید میں جو وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا فرمایا اس کی تفسیر حدیث شریف سے معلوم ہوگئی کہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں پیدا ہوئیں ان ہی سے آگے نسل چلی جس سے کروڑوں انسان مرد اور عورتیں زمین پر پھیل گئے۔ (در منثور صفحہ ۱۱۶: ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی بیوی پیدا فرمائی پھر ان دونوں سے خوب زیادہ نسل چلی اور پھلی پھولی اور پھیلی، موجودہ دور کے انسان اسی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کو بھی سامنے رکھیں اور صفت ربوبیت کو بھی کہ اس نے پیدا فرمایا اور پرورش بھی فرمائی اور پرورش کے سامان پیدا فرمائے کئی طرح سے اس کا شکر واجب ہے اور شکر کا بہت بڑا جزو یہ ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ یعنی جو مال و اولاد اس نے عطا فرمایا ہے اس کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے اور انہیں اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنایا جائے، یہ تقویٰ کی صفت ہے، شروع آیت میں تقویٰ کا حکم فرمایا اور یہ بھی بتا دیا کہ تقویٰ کیوں اختیار کیا جائے؟ جس نے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت خالقیت اور صفت ربوبیت کو جان لیا وہ ضرور متقی ہوگا اور خلوت و جلوت میں گناہوں سے بچے گا۔

اللہ سے ڈرنے کا حکم:

پھر فرمایا: وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ (کہ تم اللہ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر آپس میں ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو۔) جس نے حق مار لیا ہو یا حق دینے میں دیر لگا دی ہو اس سے کہتے ہو کہ تو خدا سے ڈر و اور میرا حق دے۔ حقوق مانگنے کے سوا دوسری ضروریات کے لیے بھی ایک دوسرے سے یوں کہتے ہو کہ اللہ کے لیے میرا یہ کام کر دو، خدا کے لیے مجھے یہ دے دو جس خدا تعالیٰ کے نام سے اپنے کام چلاتے ہو اس سے ڈرو اور گناہوں سے بچو۔

صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی کا وبال:

پھر فرمایا: وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ ارحام، رحم کی جمع ہے، عربی میں رحم بچہ دانی کو کہا جاتا ہے جس کے اندر ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے پھر یہ کلمہ مطلقاً رشتہ داری کے تعلقات کے لیے استعمال ہونے لگا، زمانہ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب کے نزدیک رشتہ داری کے تعلقات باقی رکھنا اور انہیں خوبی کے ساتھ نباہنا بہت اہم کام تھا۔ تعلقات باقی رکھنے کو صلہ رحمی اور تعلقات توڑ دینے کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ اسلام نے بھی اس کی اہمیت کو باقی رکھا صلہ رحمی پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اور قطع رحمی پر وعیدیں بیان فرمائیں۔ اہل عرب آپس میں صلہ رحمی کے تعلقات کو یاد دلایا کرتے تھے اور قسم دلا کر کہتے تھے کہ اے فلاں تجھے رحم کی قسم ہے تو ہماری رعایت کر اور قطع رحمی نہ کر۔ اس آیت شریفہ میں عرب کی اس عادت کو یاد دلایا ہے۔ اور فرمایا کہ تم قرابت داری کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو۔ آپس میں ایک دوسرے کو رحم کا واسطہ دے کر جو سوال کرتے ہو اس واسطہ کی لاج رکھو اور آپس کے

حقوق ضائع نہ کرو۔ صلہ رحمی کی شریعت اسلامیہ میں بھی بہت اہمیت ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے پسند ہو کہ اس کا رزق زیادہ کر دیا جائے اور اس کی عمر بڑھا دی جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔
(رواہ البخاری صفحہ ۸۸۵: ج۱)

اپنے قرابت داروں سے ملنا جلنا اور شریعت کے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے آنا جانا، لینا دینا یہ سب صلہ رحمی میں شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں کوئی بھی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو اُن پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۲۰: ج۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ایضا) سنن ابو داؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں، میں نے لفظ رحم کو اپنے نام سے نکالا ہے جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں اسے اپنے سے ملالوں گا۔ اور جو شخص قطع رحمی کرے گا میں اسے اپنے سے کاٹ دوں گا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۲۰: ج۲)

آج کل قطع رحمی کا گناہ بہت عام ہے جو لوگ دینداری کے مدعی ہیں نمازوں کے پابند ہیں تہجد گزار ہیں وہ بھی اس گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ کسی کا بہن کے گھر آنا جانا نہیں، کوئی بھائی سے روٹھا ہوا ہے۔ کوئی چچا سے ناراض ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ماں باپ سے ہی تعلقات صحیح نہیں۔ لوگوں کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ غیروں کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں اچھے تعلقات رکھ سکتے ہیں مگر اپنوں کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتے معمولی سی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کر بیٹھتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ آپس کے تعلقات درست رکھے جائیں ایک دوسرے سے جو قصور اور کوتاہی ہو جائے اس سے درگزر کرتے رہیں اور صلہ رحمی کی فضیلت اور دنیاوی و آخروی منفعت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجیے آپ نے فرمایا: یَا عُقْبَۃُ صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَکَ وَاَعْرِضْ عَنْ مَنْ ظَلَمَکَ (کہ اے عقبہ! جو شخص تمہارے ساتھ قطعی رحمی کا معاملہ کرے اس سے تعلقات جوڑے رکھو اور جو تمہیں نہ دے اسے دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو یعنی اس کے ظلم کی طرف دھیان نہ دو) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا: ''وَاعْفُ عَنْ مَنْ ظَلَمَکَ'' (جو شخص تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو)۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۳۴۲: ج۳)

جو شخص یوں کہتا ہے کہ رشتہ دار میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو میں بھی کروں گا ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں وہ تو بدلہ اتارنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تعلق جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو بدلہ اتار دے بلکہ تعلق جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۶: ج۲)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا

ہو وہ مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۹۰: ج۲)

اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے:

پھر فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگران ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ تمہارا کوئی عمل خیر یا شر اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ اعمال کے بدلے پورے پورے دیدے گا اس میں تقویٰ کے مضمون کو دوسرے الفاظ میں دہرا دیا ہے۔ جو ذات پاک خالق اور مالک ہے جسے ہر عمل کا علم ہے جو خلوتوں اور جلوتوں کے تمام اعمال کو جانتا ہے اس سے ڈرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ....

اموال یتامیٰ کے بارے میں تین حکم:

پھر یتیموں کے اولیاء کو حکم دیا کہ تم ان کے مال ان کو دے دو اچھے مال کو برے مال سے تبدیل نہ کرو۔ اور اپنے مال ان کے مالوں میں ملا کر نہ کھا جاؤ اس میں تین باتوں کا حکم فرمایا ہے۔

یتامیٰ کے اموال دے دو:

اول یہ کہ جو یتیم بچے تمہاری پرورش میں ہیں ان کے مال جو انہیں میراث میں ملے ہیں یا کسی نے انہیں ہبہ کر دیئے ان کے بالغ ہونے تک ان کے مالوں کو محفوظ رکھو اور بقدر ضرورت ان کے مالوں میں سے ان پر خرچ کرتے رہو۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو۔ ایسا نہ کرو کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال بلاوجہ اپنی تحویل میں رکھے رہو اور ان کو دینے سے منع کر دو۔ اسباب النزول صفحہ ۱۳۶ میں ہے کہ یہ آیت بنی غطفان کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی اس کی پرورش میں ایک یتیم بچہ تھا جو اس کے بھائی کا لڑکا تھا۔ جب یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے اپنا مال طلب کیا۔ چچا نے اس کا مال سپرد کرنے سے انکار کر دیا اس پر دونوں چچا بھتیجے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی چچا نے جب یہ آیت سنی تو کہا کہ ہم اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بڑے گناہ سے پناہ مانگتے ہیں یہ کہا اور یتیم کا مال اس کے حوالے کر دیا۔

یتامیٰ کے اچھے مال کو برے مال سے تبدیل نہ کرو:

دوم یہ فرمایا کہ برے مال کو اچھے مال سے تبدیل نہ کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ یتیم بچے جو تمہاری پرورش اور نگرانی میں ہیں جن کا مال تمہارے قبضہ میں ہے ان کے اچھے مال کو خود اپنے حصے میں اور اپنے گھٹیا مال کو اس کے عوض اس کے حساب میں لگا کر حساب پورا نہ کر دو۔ اپنی اولاد کی خاطر لوگ یتیم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ اچھی جائداد اور اچھا مال جو یتیموں کی ملکیت ہو اسے اپنا بنا کر اپنے نام رجسٹری کروا لیتے ہیں اور یتیم بچوں کو گھٹیا مال دے دیتے ہیں۔

یتامیٰ کے مال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جاؤ:

سوم: یہ ارشاد فرمایا کہ (وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَهُمْ .... اَمْوَالِكُمْ) (اور یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ) یتیم بچے جن لوگوں کی پرورش میں ہوتے ہیں ان میں جن کا مزاج خیانت والا ہوتا ہے ایسے لوگ مختلف طریقوں اور تدبیروں سے یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا کر کھا جاتے ہیں کچھ لوگ تو غفلت اور بے دھیانی میں ایسا گزرتے ہیں کہ گھر کی مشترکہ ضرورتوں میں مال خرچ کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یتیم بچے پر اس کے اپنے ذاتی مال میں سے کتنا خرچ ہوا اور اس کے مال میں سے مشترکہ ضروریات میں دوسروں پر کتنا خرچ ہوا ہے؟ اور کچھ لوگ قصداً و ارادۃً ایسا کرتے ہیں کہ یتیم بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ان کے مال کو کسی نہ کسی طرح اپنے نام میں یا اپنی اولاد کے نام میں لکھوا دیتے ہیں پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے تو اسے اپنے مال میں سے ذرا بہت ملتا ہے یا بالکل ہی محروم ہو جاتا ہے۔

آخر میں فرمایا: (اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا) (یعنی یتیم کے مال میں خیانت کرنا بڑا گناہ ہے) ہر امانت داری کی خلاف ورزی گناہ ہے لیکن یہاں مستقل طریقہ پر یتیم کے مال میں خیانت کرنے پر تنبیہ فرمائی اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ گناہ ہے بلکہ یہ فرمایا کہ بڑا گناہ ہے جو لوگ یتیموں کے مالوں کے محافظ و متولی ہیں پوری آیت کو بار بار پڑھیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى....

یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انسداد:-

زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں کی ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جو شکل وصورت سے اچھی سمجھی جاتیں یا ان کی ملکیت میں کوئی مال، جائیداد ہوتی تو ان کے اولیا ایسا کرتے تھے کہ خود ان سے نکاح کرتے یا اپنی اولاد سے ان کا نکاح کر دیتے تھے، جو چاہا کم سے کم مہر مقرر کر دیا اور جس طرح چاہا ان کو رکھا، کیونکہ وہی ان کے ولی اور نگراں ہوتے تھے، ان کا باپ موجود نہ ہوتا تھا جو ان کے حقوق کی پوری نگرانی کر سکتا اور ان کی ازدواجی زندگی کے ہر پہلو پر نظر اور فلاح و بہبود کا مکمل انتظام کر کے ان کا نکاح کر دیتا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی اور اس کا ایک باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی شریک تھی، اس شخص نے اس یتیم لڑکی سے خود اپنا نکاح کر لیا، اور بجائے اس کے کہ اپنے پاس سے مہر وغیرہ دیتا اس کے باغ کا حصہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ یعنی اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے خود اپنا نکاح کرنے میں تم انصاف پر قائم نہ رہو گے، بلکہ ان کی حق تلفی ہو جائے گی، تو تمہارے لئے" دوسری عورتیں بہت ہیں، ان میں جو تمہارے لئے حلال اور پسند ہیں ان سے نکاح کر لو۔"

قرآن میں تعداد ازواج اور اسلام سے پہلے اقوام عالم میں اس کا رواج:

ایک مرد کے لئے متعدد بیبیاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا، عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعداد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں، مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے، تعداد ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"ان آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ تعداد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں، بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے۔"

اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن اور اراِزک ٹیلر نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح ویدک تعلیم غیر محدود تعداد ازدواج کو جائز رکھتی ہے اور اس سے دس دس، تیرہ تیرہ، ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت میں جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

کرشن جو ہندوؤں میں واجب التعظیم اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیبیاں تھیں، جو مذہب اور قانون عفت و عصمت کو قائم رکھنا چاہتا ہو اور زنا کاری کا انسداد ضروری جانتا ہو اس کے لئے کوئی چارہ نہیں کہ تعداد ازواج کی اجازت دے، اس میں زنا کاری کا بھی انسداد ہے اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی جو کثرت بہت سے علاقوں میں پائی جاتی ہے اس کا بھی علاج ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کسبی عورتوں کی افراط ہوگی یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعداد ازواج کی اجازت نہیں ان میں زنا کی کثرت ہے، یورپین اقوام کو دیکھ لیجئے ان کے یہاں تعداد ازواج پر تو پابندی ہے، مگر بطور دوستانہ جتنی بھی عورتوں سے مرد زنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے، کیا تماشہ ہے کہ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔

غرض اسلام سے پہلے کثرت ازواج کی رسم بغیر کسی تحدید کے رائج تھی، ممالک اور مذاہب کی تاریخ سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے کسی مذہب اور کسی قانون نے اس پر کوئی حد نہ لگائی تھی، نہ یہود و نصاریٰ نے نہ ہندوؤں اور آریوں نے اور نہ پارسیوں نے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی یہ رسم بغیر تحدید کے جاری رہی، لیکن اس غیر محدود کثرت ازدواج کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اول اول تو حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے تھے، مگر پھر ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے، اور یہ عورتیں ان کے نکاح میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارتی تھیں۔

پھر جو عورتیں ایک شخص کے نکاح میں ہوتیں ان میں عدل و مساوات کا کہیں نام ونشان نہ تھا جس سے وابستگی ہوئی اس کو نوازا گیا، جس سے رخ پھر گیا اس کے کسی حق کی پروا نہیں۔

اسلام نے تعدد ازدواج پر ضروری پابندی لگائی اور عدل و مساوات کا قانون جاری کیا:

قرآن نے عام معاشرہ کے اس ظلم عظیم کو روکا تعدادازدواج پر پابندی لگائی اور چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا اور جو عورتیں ایک ہی وقت میں نکاح کے اندر ہیں ان میں مساوات حقوق کا نہایت موکد حکم اور اس کی خلاف ورزی پر وعید شدید سنائی، آیت مذکورہ میں ارشاد ہوا: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ یعنی جو حلال عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر سکتے ہو، دو دو تین تین چار چار۔"

آیت میں مَا طَابَ کا لفظ آیا ہے، حسن بصری، ابن جبیر اور ابن مالک نے مَا طَابَ کی تفسیر ماحل سے فرمائی ہے، یعنی جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

اور بعض حضرات نے مَا طَابَ کے لفظی معنی کے اعتبار سے "پسندیدہ" کا ترجمہ کیا ہے۔ مگر ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، یہ مراد ہو سکتا ہے کہ جو عورتیں طبعی طور پر تمہیں پسند ہوں اور تمہارے لئے شرعاً حلال بھی ہوں۔ اس آیت میں ایک طرف تو اس کی اجازت دی گئی کہ ایک سے زائد دو، تین، چار عورتیں نکاح میں جمع کر سکتے ہیں، دوسری طرف چار کے عدد تک پہنچا کر یہ پابندی بھی عائد کر دی کہ چار سے زائد عورتیں بیک وقت نکاح میں جمع نہیں کی جا سکتیں۔

رسول کریم ﷺ کے بیان نے اس قرآنی تخصیص اور پابندی کو اور زیادہ واضح کر دیا، اس آیت کے نزول کے بعد ایک شخص غیلان بن اسلمہ ثقفی مسلمان ہوئے، اس وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں اور وہ بھی مسلمان ہو گئی تھیں، رسول کریم ﷺ نے حکم قرآنی کے مطابق ان کو حکم دیا کہ ان دس میں سے چار کو منتخب کر لیں، باقی کو طلاق دے کر آزاد کر دیں، غیلان بن اسلمہ ثقفی نے حکم کے مطابق چار عورتیں رکھ کر باقی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۴ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ)

مسند احمد میں اسی روایت کے تکملہ میں ایک اور واقعہ بھی مذکور ہے، اس کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں، کیونکہ اس کا تعلق بھی نسوانی حقوق سے ہے، وہ یہ کہ:

غیلان بن اسلمہ نے حکم شرعی کے مطابق چار عورتیں رکھ لی تھیں، مگر فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں انہوں نے ان کو بھی طلاق دے دی اور اپنا کل مال و سامان اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا، فاروق اعظم ؓ کو اس کی اطلاع ملی، تو ان کو حاضر کر کے فرمایا کہ تم نے ان عورتوں کو اپنی میراث سے محروم کرنے کے لئے یہ حرکت کی ہے جو سراسر ظلم ہے، اس لئے فوراً ان کی طلاق سے رجعت کرو اور اپنا مال بیٹوں سے واپس لو، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو کہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔

قیس بن الحارث اسدی ؓ فرماتے ہیں کہ میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، میں نے رسول کریم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سے چار رکھ لو باقی کو طلاق دیدو۔ (ابوداؤد، ص ۴۰۲)

اور مسند امام شافعی میں نوفل بن معاویہ دیلمی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو بھی ایک عورت کو طلاق دینے کا حکم دیا، یہ واقعہ مشکوٰۃ شریف (ص ۲۷۴) میں بھی شرح السنۃ سے نقل کیا ہے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے اس تعامل سے آیت قرآنی کی مراد بالکل واضح ہو گئی کہ چار سے زائد

عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کے لئے تعدد ازدواج:

حضور اقدس ﷺ کی ذات والا صفات سراپا رحمت و برکت ہے، تبلیغ احکام اور تزکیہ نفوس اور ابلاغ قرآن آپ کا سب سے بڑا مقصد بعثت تھا، آپ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً و عملاً دنیا میں پھیلا دیا، یعنی آپ بتاتے بھی تھے اور کرتے بھی تھے، پھر چونکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں نبی کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، نماز باجماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات، آل و اولاد کی پرورش اور پاخانہ پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپ کی قولی اور فعلی ہدایات سے کتب حدیث بھر پور ہیں، اندرون خانہ کیا کیا جواب دیا، اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواج مطہرات کے ذریعہ ہی امت کو رہنمائی ملی ہے، تعلیم و تبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر حضور اقدس ﷺ کے لئے کثرت ازواج ایک ضروری امر تھا، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکام و مسائل، اخلاق و آداب اور سیرت نبوی سے متعلق دو ہزار دو سو دس روایات مروی ہیں جو کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں، حضرت ام سلمہؓ کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھتر تک پہنچی ہوئی ہے، حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین (ص ۹ ج ۱) میں لکھا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہؓ کے فتاویٰ جمع کئے جائیں جو انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد دیئے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روایت درروایت اور فقہ و فتاویٰ میں جو مرتبہ ہے وہ محتاج بیان نہیں، ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے، حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد مسلسل اڑتالیس سال تک علم دین پھیلایا۔

بطور مثال دو مقدس بیویوں کا مجمل حال لکھ دیا ہے دیگر ازواج مطہرات کی روایات بھی مجموعی حیثیت سے کافی تعداد میں موجود ہیں ظاہر ہے کہ اس تعلیم و تبلیغ کا نفع صرف ازواج مطہرات سے پہنچا۔

انبیاء اسلام کے مقاصد بلند اور پورے عالم کی انفرادی و اجتماعی، خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکروں کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں، وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں۔ اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے فخر عالم ﷺ کے تعددِ ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دیا ہے اگر حضور اقدس ﷺ کی سیرت پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ کی کثرت ازواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

آپ کی معصوم زندگی قریش مکہ کے سامنے اس طرح گزری کہ پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ صاحب اولاد بیوہ (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کر کے عمر کے پچیس سال تک انہی کے ساتھ گذارہ کیا، وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غار حرا میں مشغول عبادت رہتے تھے، دوسرے نکاح جتنے ہوئے پچاس سالہ عمر شریف کے بعد ہوئے، یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوان شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا، کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے، آپ کے دشمنوں نے آپ پر ساحر، شاعر، مجنون،

کذاب، مفتری جیسے الزامات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں کیا یہ بات غور طلب نہیں ہے کہ جوانی کے پچاس سال اس زہد وتقوی اور لذائذ دنیا سے یک سوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں آپ کو متعدد نکاحوں پر مجبور کیا، اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتلائی جاسکتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اس کثرت ازدواج کی حقیقت کو بھی سن لیجئے تاکہ کس طرح وجود میں آئی۔

پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ ہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح ہوا، مگر حضرت سودہ تو آپ کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ صغر سنی کی وجہ سے اپنے والد کے گھر ہی رہیں، پھر چند سال کے بعد ۲ ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی عمل میں آئی، اس وقت آپ کی عمر چون سال ہو چکی ہے اور دو بیویاں اس عمر میں آکر جمع ہوئی ہیں، یہاں سے تعدد ازدواج کا معاملہ شروع ہوا، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ سے نکاح ہوا، پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا اور صرف اٹھارہ ماہ آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی، ایک قول کے مطابق تین ماہ آپ کے نکاح میں زندہ رہیں، پھر ۴ ھ میں حضرت ام سلمہ سے نکاح ہوا، پھر ۵ ھ میں حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون ۵۸ سال ہو چکی تھی اور اتنی بڑی عمر میں آکر چار بیویاں جمع ہوئیں، حالانکہ امت کو جس وقت چار بیویوں کی اجازت ملی تھی اس وقت ہی آپ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، ان کے بعد ۶ ھ میں حضرت جویریہ سے اور ۷ ھ میں حضرت ام حبیبہ سے اور پھر ۷ ھ میں حضرت صفیہ سے پھر اسی سال حضرت میمونہ سے نکاح ہوا۔

خلاصہ: یہ کہ چون سال کی عمر تک آپ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گذارہ کیا، یعنی پچیس سال حضرت خدیجہ کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہ کے ساتھ گذارے، پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواج مطہرات دو تین سال کے اندر حرم نبوت میں آئیں۔

اور یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا، یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ان کے علاوہ باقی سب ازواج مطہرات بیوہ تھیں، جن میں بعض کے دو دو شوہر پہلے گزر چکے تھے اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں آکر جمع ہوئی ہے

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ.....

میراث میں مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر ہیں:

اس آیت شریفہ میں میراث جاری کرنے کی اہمیت بتائی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مردوں اور عورتوں کے جو حصے مقرر ہیں ان کا دے دینا فرض ہے، مردوں کا بھی اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے متروکہ مالوں میں حصہ

مقرر ہے، اور عورتوں کے لیے بھی اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے اموال واملاک میں حصہ مقرر ہے، زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو مرنے والے کی میراث سے حصہ نہیں دیا کرتے تھے اور اب بھی بہت سی قوموں میں یہی رواج ہے، اول تو لوگ میراث تقسیم کرتے ہی نہیں جس کے قبضہ میں جو کچھ ہوتا ہے اس پر قبضہ جمائے بیٹھا رہتا ہے، اور اگر حصہ دینے بھی لگتے ہیں تو مرنے والوں کی بیویوں اور لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ خاص کر جہاں دو بیویوں کی اولاد ہو ان میں جس بیوی کی اولاد کا قابو ہو گیا وہی سارا مال دبا لیتے ہیں شرعی طور پر حق دینے کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ وارثین میں یتیم بچے ہوتے ہیں، ان کا مال بھی کھا جاتے ہیں، اور میراث کا جو شرعی نظام ہے اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، نماز پڑھنے کی حد تک تو مسلمان ہیں، تلاوت ذکر اذکار بھی خوب کرتے ہیں لیکن میراث جاری کرنا جو شریعت کا ایک لازمی حکم ہے اس کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى....

تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دے دو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے۔ اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں۔ ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے کہ تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور یتامی اور مساکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے۔ اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے، اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً....

یہ ارشاد اصل میں تو یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ اوروں کو بھی اس کا خیال رہے مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور برائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہیے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو، یعنی جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔

يُوْصِيْكُمُ يَأْمُرُكُمُ **اللّٰهُ فِيْٓ** شَانِ **اَوْلَادِكُمْ** ۖ بِمَا يُذْكَرُ **لِلذَّكَرِ** مِنْهُمْ **مِثْلُ حَظِّ** نَصِيْبِ **الْاُنْثَيَيْنِ** ۚ اِذَا اجْتَمَعَتَا مَعَهُ فَلَهُ نِصْفُ الْمَالِ وَلَهُمَا النِّصْفُ فَاِنْ كَانَ مَعَهُ وَاحِدَةٌ فَلَهَا الثُّلُثُ وَلَهُ الثُّلُثَانِ وَاِنِ انْفَرَدَ حَازَ الْمَالَ **فَاِنْ كُنَّ** اَيِ الْاَوْلَادُ **نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ** ۚ الْمَيِّتُ وَكَذَا الْاِثْنَتَانِ لِاَنَّهُ لِلْاُخْتَيْنِ بِقَوْلِهٖ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ فَهُمَا اَوْلٰى وَلِاَنَّ الْبِنْتَ تَسْتَحِقُّ الثُّلُثَ مَعَ الذَّكَرِ فَمَعَ الْاُنْثٰى اَوْلٰى وَفَوْقَ قِيْلَ صِلَةٌ وَقِيْلَ لِدَفْعِ تَوَهُّمِ زِيَادَةِ النَّصِيْبِ بِزِيَادَةِ الْعَدَدِ لِمَا فُهِمَ اسْتِحْقَاقُ الْاِثْنَتَيْنِ الثُّلُثَيْنِ

مِنْ جَعْلِ الثُّلُثِ لِلْوَاحِدَةِ مَعَ الذَّكَرِ وَ إِنْ كَانَتْ الْمَوْلُوْدَةُ وَاحِدَةً وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فَكَانَ تَامَّةٌ فَلَهَا
النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ اَيِ الْمَيِّتِ وَيُبْدَلُ مِنْهُمَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ
ذَكَرٌ اَوْ اُنْثٰى وَنُكْتَةُ الْبَدَلِ اِفَادَةُ اَنَّهُمَا لَا يَشْتَرِكَانِ فِيْهِ وَاُلْحِقَ بِالْوَلَدِ وَلَدُ الْاِبْنِ وَبِالْاَبِ الْجَدُّ فَاِنْ لَّمْ
يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَقَطْ اَوْمَعَ زَوْجٍ فَلِاُمِّهِ بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَ بِكَسْرِهَا فِرَارًا مِنَ الْاِنْتِقَالِ مِنْ
ضَمَّةٍ اِلٰى كَسْرَةٍ لِثِقْلِهٖ فِي الْمَوْضِعَيْنِ الثُّلُثُ ۚ اَيْ ثُلُثُ الْمَالِ اَوْمَا يَبْقٰى بَعْدَ الزَّوْجِ وَالْبَاقِيْ لِلْاَبِ فَاِنْ
كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ اَيِ اثْنَانِ فَصَاعِدًا ذُكُوْرًا اَوْ اُنَاثًا فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ وَالْبَاقِيْ لِلْاَبِ وَ لَا شَيْءَ لِلْاِخْوَةِ
وَارِثٌ مَنْ ذُكِرَ مَاذُكِرَ مِنْۢ بَعْدِ تَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ بِهَآ اَوْ قَضَاءِ دَيْنٍ ۭ
عَلَيْهِ وَتَقْدِيْمُ الْوَصِيَّةِ عَلَى الدَّيْنِ وَاِنْ كَانَتْ مُؤَخَّرَةً عَنْهُ فِي الْوَفَاءِ لِلْاِهْتِمَامِ بِهَا اٰبَاۗؤُكُمْ وَ اَبْنَاۗؤُكُمْ
مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَظَانٌّ اَنَّ ابْنَهٗ اَنْفَعُ لَهٗ فَيُعْطِيْهِ
الْمِيْرَاثَ فَيَكُوْنُ الْاَبُ اَنْفَعَ وَبِالْعَكْسِ وَاِنَّمَا الْعَالِمُ بِذٰلِكَ اللّٰهُ فَفَرَضَ لَكُمُ الْمِيْرَاثَ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا ⑪ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ
اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ مِنْكُمْ اَوْمِنْ غَيْرِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ
مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاُلْحِقَ بِالْوَلَدِ فِيْ ذٰلِكَ وَلَدُ الْاِبْنِ بِالْاِجْمَاعِ وَ لَهُنَّ اَيِ
الزَّوْجَاتِ تَعَدَّدْنَ اَوْلَا الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ مِنْهُنَّ اَوْمِنْ
غَيْرِهِنَّ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَوَلَدُ الْاِبْنِ كَالْوَلَدِ فِيْ ذٰلِكَ
اِجْمَاعًا وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ صِفَةٌ وَالْخَبَرُ كَلٰلَةً اَيْ لَا وَالِدَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ اَوِ امْرَاَةٌ تُوْرَثُ كَلٰلَةً وَّ لَهٗٓ
اَيْ لِلْمَوْرُوْثِ الْكَلَالَةِ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ اَيْ مِنْ اُمٍّ وَ قَرَأَ بِهٖ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَغَيْرُهٗ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
السُّدُسُ ۚ مِمَّا تَرَكَ فَاِنْ كَانُوْٓا اَيِ الْاِخْوَةُ وَالْاَخَوَاتُ مِنَ الْاُمِّ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اَيْ مِنْ وَاحِدٍ فَهُمْ
شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ يَسْتَوِيْ فِيْهِ ذُكُوْرُهُمْ وَاِنَاثُهُمْ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ

حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُوْصٰى اَىْ غَيْرَ مُدْخِلِ الضَّرَرِ عَلَى الْوَرَثَةِ بِاَنْ يُّوْصِىَ بِاَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ وَصِيَّةً مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِيُوْصِيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا دَبَّرَهٗ لِخَلْقِهٖ مِنَ الْفَرَائِضِ حَلِيْمٌ ۝ بِتَاْخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَمَّنْ خَالَفَهٗ وَخَصَّتِ السُّنَّةُ تَوْرِيْثَ مَنْ ذُكِرَ بِمَنْ لَّيْسَ فِيْهِ مَانِعٌ مِّنْ قَتْلٍ اَوِ اخْتِلَافِ دِيْنٍ اَوْ رِقٍّ تِلْكَ الْاَحْكَامُ الْمَذْكُوْرَةُ مِنْ اَمْرِ الْيَتٰمٰى وَمَا بَعْدَهٗ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ شَرَائِعُهُ الَّتِىْ حَدَّهَا لِعِبَادِهٖ لِيَعْمَلُوْا بِهَا وَلَا يَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فِيْمَا حَكَمَ بِهٖ يُدْخِلْهُ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اِلْتِفَاتًا جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ بِالْوَجْهَيْنِ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ فِيْهَا عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ذُوْ اِهَانَةٍ وَرُوْعِىَ فِى الضَّمَائِرِ فِى الْاٰيَتَيْنِ لَفْظُ مَنْ وَفِىْ خٰلِدِيْنَ مَعْنَاهَا

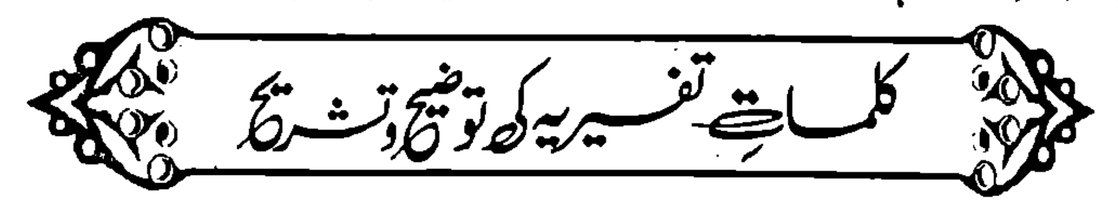
ع ۲ ۱۲

ترجمہ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ الخ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے يُوْصِيْكُمْ بمعنی يَاْمُرُكُمْ ہے یعنی وجوبی اور تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں یعنی تمہاری اولاد کے متعلق جو بیان کیا جا رہا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ الخ کہ مرد کے لئے ان اولاد میں سے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے حَظٌّ بمعنی نصیب یعنی حصہ ہے اور اولاد کے اندر لڑکے اور لڑکیاں سب شامل ہیں مطلب یہ ہے کہ میت کی اولاد میں سے لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، جب اس لڑکے کے ساتھ دو لڑکیاں جمع ہوں یعنی ایک لڑکا اور دو لڑکیاں وارث ہوں فَلَهٗ نِصْفُ الْمَالِ تو اس وقت لڑکے کا نصف مال اور نصف ان دو لڑکیوں کا ہوگا یعنی مال کے چار حصے کر کے ۲/۴ لڑکے کو اور ۱/۴ دونوں لڑکیوں کو دیدیا جائے اور اگر لڑکے کے ساتھ صرف ایک لڑکی ہو تو ایک تہائی لڑکی کے اور تہائی اس لڑکے کے ہوں گے اور اگر صرف لڑکا تنہا ہے تو سارا مال لے لے گا۔ فَاِنْ كَانَ الخ پھر اگر اولاد لڑکیاں ہی ہوں صرف دو سے زیادہ تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو چھوڑا اس نے یعنی میت نے، اسی طرح دو لڑکیاں دو تہائی کی مستحق ہوں گی اس لیے کہ دو بہنوں کے لیے بھی دو تہائی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، اس میں صراحت ہے کہ اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کا حق دو تہائی ہے، فَهُمَا اَوْلٰى ''پس دونوں لڑکیاں بدرجہ اولیٰ مستحق ہوں گی کیوں کہ لڑکی بہ نسبت بہن کے میت کے اقرب ہے، اور اس لیے بھی کہ لڑکی لڑکے کے ساتھ ایک تہائی کی مستحق ہوتی ہے تو لڑکی لڑکی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ ایک تہائی کی مستحق ہوگی پس دو لڑکیوں کا دو تہائی ہوگا۔ قول المفسرؒ وَفَوْقَ قِيْلَ صِلَةٌ، مفسرؒ یہاں سے ایک شبہ کا ازالہ کر رہے ہیں یا کہیے حضرت ابن عباسؓ کے تفرد کا جواب دے رہے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ لفظ فوق صلہ یعنی زائد ہے جیسے فاضربوا فوق الاعناق میں لفظ فوق زائد ہے۔ وَقِيْلَ لِدَفْعِ تَوَهُّمِ الخ اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ لفظ فوق اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ لڑکیوں کا عدد بڑھنے سے حصہ بھی بڑھے گا کیوں کہ

دو تہائی کا مستحق ہونا دو لڑکیوں کا اور ایک لڑکی جب کہ ایک لڑکے کے ساتھ ہو ایک تہائی مقرر کیا گیا پس اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیاں دو سے جتنا بڑھیں ترکہ دو ثلث سے نہیں بڑھے گا وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً اور اگر ایک ہی لڑکی ہو ایک قراءت میں واحدۃ رفع کے ساتھ ہے اس صورت میں کان تامہ ہوگا تو اس لڑکی کو آدھا ملے گا یعنی کل ترکہ کا وَلِاَبَوَيْهِ الخ اور اس میت کے ماں باپ کے لیے لِاَبَوَيْهِ سے بدل واقع ہو رہا ہے لِكُلِّ وَاحِدٍ الخ یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو میت نے چھوڑا اگر میت کے کوئی اولاد ہو لڑکا ہو یا لڑکی ایک ہو یا چند اور بدل لانے کے نکتہ سے یہ فائدہ ہے کہ دونوں ماں باپ اس سدس چھٹے حصہ میں شریک نہیں ہوں گے بلکہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ سدس ہوگا اور ولد کے لفظ میں پوتا اور اب میں دادا شامل ہے فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ الخ اور اگر میت کے کوئی اولاد نہ ہو اور اسکے وارث ماں باپ ہوئے ہوں صرف یا زوج یا زوجہ کے ساتھ ہو تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے لفظ ام ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ اور دوسری قراءت کسرہ کے ساتھ ہے مفسرؒ قراءت کسرہ کی علت بیان کرتے ہیں "فِرَارًا مِنَ الْاِنْتِقَالِ مِنْ ضَمَّةٍ اِلٰى كَسْرَةٍ لِثِقْلِهٖ، ضمہ سے کسرہ کی طرف نقل کو دشوار سمجھنے کی وجہ سے کسرہ سے پڑھتے ہیں، قراءت کسرہ کے آسان وجہ یہ تھی کہ لامہ کے لام کو کسرہ بہر صورت ہے اس کی مجاورت واتباع میں ہمزہ کو بھی امام حمزہ وغیرہ کسرہ سے پڑھتے ہیں، لیکن مفسر سیوطیؒ نے جو علت و وجہ بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ لامہ کے میم کو کسرہ یقینی ہے اور اس سے پہلے ہمزہ کو ضمہ دے کر پڑھنے کی صورت میں کسرے کی طرف نقل میں دشواری ہے اس لیے ہمزہ کو کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں الثلث:۔یعنی پورے مال کا ایک تہائی ماں کا حصہ ہے یا اگر زوج یا زوجہ ہے تو اس کا حصہ دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا اس کا ایک تہائی حصہ ماں کو ملے گا اور باقی یعنی دو تہائی باپ کا ہوگا فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ الخ پھر اگر میت کے بھائی بہن ہوں دو ہوں یا زیادہ بھائی ہوں یا بہنیں تو میت کی ماں کے لیے چھٹا حصہ اور باقی ترکہ باپ کا ہے اور بھائی بہن کو کچھ نہیں ملے گا، وقول المفسرؒ "وَارِثُ مَنْ ذُكِرَ مَاذُكِرَ" اور ان لوگوں کی میراث جو ذکر کئے گئے ہیں اولاد اور اصول میں سے اس قانون پر ہوگی جو بیان کیا جا رہا ہے مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ الخ اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو میت کرے مگر تنفیذ وصیت کے لیے شرط یہ ہے کہ کسی حرام کے لیے نہ ہو مثلاً کسی کنیسہ و مندر پر خرچ کرنے کی یا کسی شرابی کو دینے کی وصیت اگر میت نے کی ہے تو وصیت کا نفاذ نہیں ہوگا صاوی لفظ یوصی معروف اور مجہول فیہما قراءتان سبعیتان فعلی الاول الفاعل ضمیر یعود علی المیت وعلی الثانیۃ ای المجہول نائب الفاعل الجار والمجرور اَوْدَيْنٍ یا قرض ادا کرنے کے بعد یعنی اس میت پر جو کچھ قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد میراث تقسیم ہوگی، وَتَقْدِيْمُ الْوَصِيَّةِ عَلَى الدَّيْنِ الخ اور آیت میں قرض پر وصیت کی تقدیم اگرچہ وصیت پورا کرنے میں قرض سے مؤخر ہے وصیت کی اہمیت واہتمام شان کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ شریعت کا قانون یہ ہے کہ مرنے والے کے مال سے سب سے پہلے میت کا کفن دفن ہوگا جس میں نہ اسراف ہو اور نہ کنجوسی دوسرے نمبر میں میت پر اگر قرض ہو تو ادا کا جائے گا (۳) قرضوں کی ادائیگی کے بعد اگر مال بچ جائے یا قرض بالکل ہی نہ ہو تو اگر میت نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ گناہ کی وصیت نہ ہو تو باقی ماندہ نال کی تہائی میں سے وصیت نافذ ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ اداء قرض کے بعد وصیت نافذ ہوگی مگر تنفیذ وصیت کے لیے شرط یہ ہے کہ کسی حرام کے لیے نہ ہو مثلاً

کسی کنیسہ یا مندر پر خرچ کرنے یا کسی شرابی کو دینے کی وصیت اگر میت نے کی ہے تو وصیت کا نفاذ نہ ہوگا صادی اس کے بعد چوتھے درجہ پر پورا مال وارثوں کے درمیان تقسیم ہوگا مفسرینؒ نے ایک اور جواب دیا ہے کہ آیت میں او کا لفظ ہے جو صرف احد الشیئین کے لیے آتا ہے یہ نہ ترتیب کا تقاضا کرتا ہے اور نہ تعقیب کا پس مطلب یہ ہوگا کہ وصیت و قرض دونوں کے بعد ترکہ کی تقسیم ہوگی۔ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ الخ تمہارے ماں باپ اور تمہاری الاد یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر لَا تَدْرُوْنَ الخ آرہی ہے تم پورے طور پر نہیں جانتے کہ ان میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے دنیا اور آخرت میں، چنانچہ ایک شخص خیال کر لیتا ہے کہ اس کا بیٹا اس کے لیے زیادہ نفع رساں ہے پس اس کو میراث زیادہ دیدیگا اور باپ زیادہ نفع رساں ہوجاتا ہے اور کبھی اس کا عکس اور بلاشبہ اس کا حقیقی علم رکھنے والا اللہ ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے میراث کا حصہ مقرر کر دیا ہے، یعنی تمہاری رائے پر تقسیم میراث نہیں رکھی گئی فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں اپنی مخلوق کو اور حکمت والے ہیں مخلوق کے لیے اپنی تدبیر میں یعنی ہمیشہ اس صفت کے ساتھ متصف رہتے ہیں۔ اور تمہارے لیے آدھا ہے اس ترکہ کا جو تمہاری بیویاں چھوڑ کر جائیں اگر ان زوجات کے کوئی اولاد نہ ہو تم سے ہو یا تمہارے غیر سابق شوہر، غرض مرنے والی عورت نے اگر کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو نہ مذکر نہ مؤنث، نہ ایک نہ متعدد تو شوہر کو مرحومہ کے کل مال کا نصف ملے گا فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ الخ اور اگر ان بیویوں کے کوئی اولاد ہو خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے تو تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے اس ترکہ میں سے جو وہ چھوڑیں بعد اس وصیت کو نافذ کرنے کے جو وہ کر جائیں اور بعد قرض کے مطلب یہ ہے کہ اداء دیون اور انفاذ وصیت کے بعد ترکہ کی تقسیم ہوگی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور اس سے معاملے میں بیٹے کے ساتھ پوتا بھی بالاجماع شامل ہے وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ الخ اور ان کے لئے یعنی بیویوں کے لیے چند ہوں یا ایک چوتھائی ہے اس ترکہ کا جو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو خواہ ان مرنے والی بیویوں سے ہو یا دوسری بیویوں سے تو ان بیویوں کے لیے آٹھواں حصہ ہے تمہارے ترکہ میں سے اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو تم کر دو یا قرض ہو ادائیگی کے بعد اور پوتا اس میں بھی بالاجماع بیٹے کے حکم میں ہے وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ الخ اور اگر ہے کوئی مرد یعنی میت جس کی میراث تقسیم کی جارہی ہے قول المفسرؒ صفة والخبر، یعنی یورث صفت ہے رجل کی اور موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف علیہ اور امرأۃ معطوف مل کر کان کا اسم ہے اور كَلٰلَةً خبر ہے کلالہ یعنی جس کے نہ باپ دادا ہو اور نہ اس کے کوئی اولاد یعنی بیٹا پوتا ہو یا میت عورت ہو جس کی میراث تقسیم کی جارہی ہے وہ کلالہ ہو اور اس کلالہ میت کے لیے ایک بھائی یا ایک بہن ہے اخیافی یعنی ماں شریک بھائی بہن، اور لہ ضمیر کا مرجع احدھما ہے فلا اشکال مفسرؒ نے کلالہ مورث کلالہ میت سے اسی طرف اشارہ کیا ہے، وقول المفسرؒ "وقرأ به ابن مسعود وغیرہ" یعنی عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ جیسے ابی بن کعب اور حضرت سعدؓ نے اسی طرح کی ہے وَّلَهٗٓ الخ اَوْ اُخْتٌ مِنْ اُمٍّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہوگا ترکہ میں سے، مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں میں کوئی ایک ہو اخیافی بھائی یا اخیافی بہن ان میں سے ایک کی صورت میں ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا۔ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اور اگر ہوں اخیافی بھائی اور بہن اس سے زیادہ یعنی ایک سے زیادہ تو وہ سب ایک تہائی

میں شریک ہوں گے اس تہائی میں ان کے مذکر و مؤنث یعنی بھائی بہن کا برابر حصہ ہے اس وصیت کے پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کردی جاوے یا قرض کے بعد یعنی میت پر اگر قرض ہو تو ادائیگی کے بعد پھر وصیت پوری کرنے کے بعد ترکہ کی تقسیم ہوگی غیر مضار درانحالیکہ ضرر پہنچانے والا نہ ہو غیر مضار یوصی کی ضمیر سے حال ہے یعنی وصیت کرنے والا میت کا ارادہ ورثہ کو نقصان پہنچانے کا نہ ہو اس طرح کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کردے وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۖ یہ حکم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لفظ وَصِيَّةً مصدر ہے یعنی مفعول مطلق تاکیدی ہے یوصیکم کا، مفسرؒ کے اس قول میں دو احتمال ہیں: (۱) یوصیکم اللہ فی اولادکم یعنی تیرہواں رکوع اور گیارہویں آیت کا شروع مراد ہو اس صورت میں یوصیکم فعل مذکور ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وصیۃ سے پہلے فعل مقدر ہو ای یوصیکم بذلک وصیۃ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں ان فرائض کو جن کا اپنی مخلوق کے لیے انتظام کر رہے ہیں اور تحمل والے ہیں کہ سزائیں تاخیر کر دیتے ہیں مخالفت کرنے والوں کی، اور سنت نے خاص کر دیا مذکورین میں سے ان سے لوگوں کے وارث بنانے کو جن میں ان موانع میں سے کوئی مانع ارث نہ ہو یعنی (۱) قتل پس مقتول کے ترکہ میں سے قاتل کو ترکہ نہیں ملے گا (۲) اختلاف دین فلا یرث المسلم الکافر و لا العکس (۳) یا غلامی فلا یرث الرقیق من ترکہ الحر شیئا و لا العکس تلک حدود اللہ یہ مذکورہ احکام یعنی یتیموں کا معاملہ اور اس کے بعد یعنی میراث وصیت کے احکام خداوندی ضابطے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کیا ہے تاکہ بندے ان پر عمل کریں اور ان حدود سے تجاوز نہ کریں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی پوری اطاعت کرے گا احکام میں یدخلہ اللہ تعالیٰ اس کو داخل کردیں گے یہ ترجمہ یاء کے ساتھ قراءت کی صورت میں ہوگا، دوسری قراءت نون کے ساتھ ہے اور اس صورت میں التفات ہوگا غیبت سے تکلم کی طرف یعنی ہم اس کو داخل کردیں گے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے حدود سے تجاوز کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کریں گے یدخلہ یہاں بھی دونوں طرح سے پڑھا گیا یعنی یاء کے ساتھ اور نون کے ساتھ خَالِدًا فِيهَا ۖ جس میں وہ ہمیشہ رہیگا اور اس کے لیے اس میں رسوا کن ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا ہر دو آیات یعنی ۱۳، ۱۴ کی ضمیروں یعنی يُدْخِلْهُ دونوں آیتوں میں لفظ مِنْ کی رعایت کی گئی ہے یعنی لفظ مَنْ مفرد ہے اس لیے ضمیرہ مفرد لائی گئی ہے اور خٰلِدِيْنَ میں مَنْ کے معنی کا لحاظ کیا گیا اس لیے جمع لایا گیا۔ وقد مر مرارا۔



قوله: يَأْمُرُكُمْ: اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے امر کے معنی میں ہے۔

قوله: مِنْهُمْ: اس سے اولاد مراد ہے۔ مرجع کو سمجھ آنے کی وجہ سے حذف کر دیا۔

قوله: اَلْمَيِّتُ: تَرَكَ کی ضمیر اَلْمَيِّتُ کی طرف راجع ہے۔

قوله: زِيَادَةِ النَّصِيْبِ: دو سے اوپر کی تقیید وہ حصہ میں اضافہ کی نفی کے لیے ہے۔ دو ثلث کے استحقاق کے انتظار کے لیے نہیں۔

قوله: فَفَقَطْ : وَرِثَهٗ اَبَوٰهُ کا حاصل یہ ہے، فقط وہی وارث ہوں، اگر وہ زوج یا زوجہ میں سے کسی کے ساتھ وارث بنیں تو اس وقت ان کو ترکہ کا ثلث مان کر نہیں ملتا بلکہ مابقی کا ثلث ملتا ہے۔ کذا قال الجمہور۔

قوله: مِنْ بَعْدِ تَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ : مضاف کو مقدر مانا کیونکہ نفس وصیت موصی کا فعل ہے اور تقسیم ارث وصیت کے بعد یہ افعال ورثہ میں سے ہے موصی کا جہاں دخل ہی نہیں، اس لیے تَنْفِيْذ کو مقدر مانا۔

قوله: مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ : یہ فاصلہ کی وجہ ذکر کی کہ یہ جملہ مؤکدہ معترضہ ہے۔

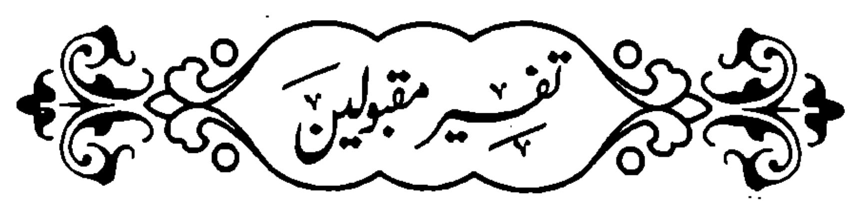
قوله: تَعَدَّدْنَ : جمع کا صیغہ لایا گیا کیونکہ جمع مذکور کو خطاب ہے۔

قوله: لِلْمَوْرُوْثِ الْكَلَالَةِ : ضمیر کا مرجع موروث ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

قوله: مِنْ اُمٍّ : کی قید کا فائدہ بتلاتے ہیں آخر سورت میں کلالہ کے تذکرہ اور وہاں دو بہنوں کی دو ثلث اور بھائیوں کو کل مل جاتا ہے اور ماں کی اولاد کے لیے یہ مناسب نہیں۔

قوله: مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ : اس میں اس کے نصب کی وجہ کی طرف اشارہ اور برعکس قول کی تضعیف ہے۔

قوله: وَرُوْعِيَ فِي الضَّمَائِرِ : يُدْخِلْهُ میں دونوں مرتبہ ضمیر مَنْ کے لحاظ سے اور خٰلِدِيْنَ آیت ثانیہ میں معنی کے لحاظ سے لائی گئی ہیں۔



يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ ....

ربط آیات: پچھلے رکوع میں لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ الخ میں میراث کا استحقاق رکھنے والے لوگوں کا اجمالاً ذکر تھا، اس رکوع میں انہی مستحقین میراث کی بعض اقسام کی تفصیل مذکور ہے اور ان کے مختلف حالات کے اعتبار سے ان کے حصص بیان کئے گئے ہیں،

حقوق متقدمہ علی المیراث:

شریعت کا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے مال سے پہلے شریعت کے مطابق اس کے کفن دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں، جن میں نہ فضول خرچی ہو نہ کنجوسی ہو، اس کے بعد اس کے قرضے ادا کئے جائیں، اگر قرضے اتنے ہی ہوں جتنا اس کا مال ہے یا اس سے بھی زیادہ تو نہ کسی کو میراث ملے گی نہ کوئی وصیت نافذ ہوگی اور اگر قرضوں کے بعد مال بچ جائے یا قرضے بالکل ہی نہ ہوں تو اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ کسی گناہ کی وصیت نہ ہو، تو اب جو مال موجود ہے اس کے ایک تہائی میں سے اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی، اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت کر دے تب بھی تہائی مال ہی میں وصیت معتبر ہوگی........ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا مناسب بھی نہیں ہے اور وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے وصیت کرنا گناہ بھی ہے۔

اداء دین کے بعد ایک تہائی میں وصیت نافذ کر کے شرعی وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے جس کی تفصیلات فرائض کی کتابوں میں موجود ہیں، اگر وصیت نہ کی ہو تو اداء دین کے بعد پورا مال میراث میں تقسیم ہوگا۔

اولاد کا حصہ:

جیسا کہ گزشتہ رکوع میں گزر چکا ہے کہ میراث کی تقسیم الاقرب فالاقرب کے اصول پر ہوگی، مرنے والے کی اولاد اور اس کے والدین چونکہ اقرب ترین ہیں، اس لئے ان کو ہر حال میں میراث ملتی ہے، یہ دونوں رشتے انسان کے قریب ترین اور بلاواسطہ رشتے ہیں، دوسرے رشتے بالواسطہ ہوتے ہیں، قرآن شریف میں پہلے انہی کے حصے بیان فرمائے اور اولاد کے حصہ سے شروع فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ. یہ ایک ایسا قاعدہ کلیہ ہے جس نے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو میراث کا مستحق بھی بنا دیا اور ہر ایک کا حصہ بھی مقرر کر دیا اور یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جب مرنے والے کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان کے حصہ میں جو مال آئے گا اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا مل جائے، مثلاً کسی نے ایک لڑکا دو لڑکیاں چھوڑے تو مال کے چار حصے کر کے لڑکے کو $\frac{2}{4}$ اور $\frac{1}{4}$ ہر لڑکی کو دے دیا جائے گا۔

لڑکیوں کو حصہ دینے کی اہمیت:

قرآن مجید نے لڑکیوں کو حصہ دلانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصہ کو اصل قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتلایا اور بجائے لانثیین مثل حظ الذکر (دو لڑکیوں کو ایک لڑکے کے حصہ کے بقدر) فرمانے کے: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ (لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصہ کے بقدر) کے الفاظ سے تعبیر فرمایا....... جو لوگ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے، اور وہ یہ سمجھ کر بادل ناخواستہ شرما شرمی معاف کر دیتی ہیں کہ ملنے والا تو ہے ہی نہیں تو یوں بھائیوں سے برائی لیں، ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی، ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے، یہ میراث دبانے والے سخت گنہگار ہیں، ان میں بعض بچیاں نابالغ بھی ہوتی ہیں، ان کو حصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے ایک گناہ وارث شرعی کے حصہ کو دبانے کا اور دوسرا یتیم کے مال کو کھانے کا۔

اس کے بعد مزید تشریح فرماتے ہوئے لڑکیوں کا حصہ یوں بیان فرمایا:

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ: یعنی اگر نرینہ اولاد نہ ہوں اور صرف لڑکیاں ہوں اور ایک سے زائد ہوں تو ان کو مال موروث سے دو تہائی مال ملے گا، جس میں سب لڑکیاں برابر کی شریک ہوں گی اور باقی ایک تہائی دوسرے ورثاء مثلاً میت کے والدین، بیوی یا شوہر وغیرہ میراث کے حق داروں کو ملے گا، دو لڑکیاں اور دو سے زائد سب دو تہائی میں شریک ہوں گی۔

دو لڑکیوں سے زائد کا حکم تو قرآن کی آیت میں صراحتاً مذکور ہے، جیسا کہ فوق اثنین کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں، اور لڑکیاں دو ہوں تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو دو سے زیادہ کا حکم ہے، اس کا ثبوت حدیث شریف میں مذکور ہے:

"جابرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ باہر نکلے، اتنے میں ہمارا گذار اسواف

میں ایک "انصاری عورت پر ہوا، وہ عورت اپنی دو لڑکیوں کو لے کر آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول یہ دونوں لڑکیاں ثابت بن قیس (میرے شوہر) کی ہیں، جو آپ کے ساتھ غزوہ احد میں شہید ہو گئے ہیں، ان لڑکیوں کا چچا ان کے پورے مال اور ان کی پوری میراث پر خود قابض ہو گیا ہے اور ان کے واسطے کچھ باقی نہیں رکھا، اس معاملہ میں آپ کیا فرماتے ہیں، خدا کی قسم اگر ان لڑکیوں کے پاس مال نہ ہوگا تو کوئی شخص ان کو نکاح میں رکھنے کے لئے بھی تیار نہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے حق میں فیصلہ فرما دے گا، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ پھر جب سورۃ نساء کی یہ آیت: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت اور اس کے دیور کو (لڑکیوں کا وہ چچا جس نے سارے مال پر قبضہ کر لیا تھا) بلایا آپ نے لڑکیوں کے چچا سے فرمایا کہ لڑکیوں کو کل مال کا دو تہائی حصہ دو، ان کی ماں کو آٹھواں حصہ اور جو بچے وہ تم خود رکھ لو۔"

اس حدیث میں جس مسئلہ کا ذکر ہے اس میں آپ نے دو لڑکیوں کو بھی دو تہائی حصہ لے دیا۔ جس طرح دو سے زیادہ کا یہی حکم خود قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں منصوص ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ "یعنی اگر مرنے والے نے اپنی اولاد میں صرف ایک لڑکی چھوڑی اور اولاد نرینہ بالکل نہ ہو، تو اس کو اس کے والد یا والدہ کے چھوڑے ہوئے مال موروث کا آدھا حصہ ملے گا، باقی دوسرے ورثاء لے لیں گے۔"

والدین کا حصہ:

اس کے بعد خداوند قدوس نے مرنے والے کے ماں باپ کا حصہ بتایا اور تین حالتیں ذکر فرمائیں۔

اول یہ کہ والدین دونوں زندہ چھوڑے ہوں اور اولاد بھی چھوڑی، خواہ ایک ہی لڑکا یا لڑکی ہو اس صورت میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا، دیگر ورثہ اولاد اور بیوی یا شوہر لے لیں گے اور بعض حالات میں کچھ بچا ہوا پھر والد کو پہنچ جاتا ہے جو اس کے لئے مقرر چھٹے حصہ کے علاوہ ہوتا ہے علم فرائض کی اصطلاح میں اس طرح کے استحقاق کو استحقاق تعصیب کہتے ہیں۔

دوسری حالت یہ بتائی کہ مرنے والے کی اولاد اور بھائی بہن نہ ہوں اور ماں باپ موجود ہوں اس صورت میں مال موروث کا تہائی $\frac{1}{3}$ ماں کو اور باقی دو تہائی والد کو مل جائیں گے، یہ اس صورت کا حکم ہے جب کہ مرنے والے کے ورثہ میں اس کا شوہر یا اس کی بیوی بھی موجود نہ ہو، اگر شوہر یا بیوی موجود ہے تو سب سے پہلے ان کا حصہ الگ کیا جاوے گا اور باقی میں $\frac{1}{3}$ والدہ کو اور $\frac{2}{3}$ والد کو مل جائے گا۔

تیسری حالت یہ ہے کہ مرنے والے کی اولاد تو نہ ہوں لیکن بھائی بہن ہوں جن کی تعداد دو ہو، خواہ دو بھائی ہوں، خواہ دو بہنیں ہوں، یا دو سے زیادہ ہوں، اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اور کوئی وارث نہیں تو بقیہ ۶ / ۵ حصہ باپ کو مل جائیں گے، بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی سے ماں کا حصہ کم ہو گیا، لیکن بھائی بہن کو بھی کچھ نہ ملے گا کیونکہ باپ بہ نسبت بھائی بہن کے اقرب ہے، جو بچے گا باپ کو مل جائے گا، اس صورت میں ماں کا حصہ $\frac{1}{3}$ کے بجائے $\frac{1}{6}$ ہو گیا، "فرائض" کی اصطلاح

میں اس کو حجب نقصان کہتے ہیں اور یہ بہن بھائی جن کی وجہ سے والدین کا حصہ کٹ رہا ہے، خواہ حقیقی ہوں خواہ باپ شریک ہوں، خواہ ماں شریک ہوں، ہر صورت میں ان کے وجود سے ماں کا حصہ گھٹ جائے گا، بشرطیکہ ایک سے زیادہ ہوں۔

حصص مقررہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝ "یعنی اولاد اور ماں باپ کے یہ حصے خداوند عالم نے اپنے طور پر مقرر کر دیئے ہیں اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ حکیم ہے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں ان میں بڑی حکمتیں ہیں، اگر تمہاری رائے پر تقسیم میراث کا قصہ رکھا جاتا تو مدار تقسیم تم لوگ نفع رساں ہونے کو بناتے، لیکن نفع رساں کون ہوگا؟ اور سب سے زیادہ نفع کس سے پہنچ سکتا ہے؟ اس کا یقینی علم حاصل کرنا تمہارے لئے مشکل تھا، اس لئے بجائے نافع ہونے کے اقربیت کو مدار حکم بنایا۔"

قرآن کریم کی اس آیت نے بتلادیا کہ میراث کے جو حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں وہ اس کا طے شدہ حکم ہے، اس میں کسی کو رائے زنی یا کمی بیشی کا کوئی حق نہیں اور تمہیں پورے اطمینان قلب کے ساتھ اسے قبول کرنا چاہئے تمہارے خالق و مالک کا یہ حکم بہترین حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، تمہارے نفع کا کوئی پہلو اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے اور جو کچھ حکم وہ کرتا ہے کسی حکمت سے خالی نہیں ہوتا، تمہیں خود اپنے نفع و نقصان کی حقیقی پہچان نہیں ہو سکتی، اگر تقسیم میراث کا مسئلہ خود تمہاری رائے پر چھوڑ دیا جاتا تو تم ضرور اپنی کم فہمی کی وجہ سے صحیح فیصلہ نہ کر پاتے اور میراث کی تقسیم میں بے اعتدالی ہو جاتی، اللہ جل شانہ نے یہ فریضہ اپنے ذمہ لے لیا، تاکہ مال کی تقسیم میں عدل و انصاف کی پوری پوری رعایت ہو اور میت کا سرمایہ منصفانہ طریقہ سے مختلف مستحقین کے ہاتھوں میں گردش کرے۔

شوہر اور بیوی کا حصہ:

مندرجہ بالا سطور میں شوہر اور بیوی کے حصوں کی تعیین کی گئی ہے اور پہلے شوہر کا حصہ بتایا، شاید اس کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہو کہ اس کی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے، کیونکہ عورت کی وفات کے بعد شوہر دوسرے گھر کا آدمی ہو جاتا ہے، اگر اپنے میکہ میں عورت کا انتقال ہوا ہو اور اس کا مال وہیں ہو تو شوہر کا حصہ دینے سے گریز کیا جاتا ہے، گویا اس زیادتی کا سدباب کرنے کے لئے شوہر کا حصہ پہلے بیان فرمایا اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ فوت ہونے والی عورت نے اگر کوئی بھی اولاد نہ چھوڑی ہو تو شوہر کے بعد اداء دین و انفاذ وصیت کے مرحومہ کے کل کا نصف ملے گا اور باقی نصف میں دوسرے ورثاء مثلاً مرحومہ کے والدین، بھائی بہن، حسب قاعدہ حصہ پائیں گے۔

اور اگر مرنے والی نے اولاد چھوڑی ہو، ایک ہو یا دو ہوں یا اس سے زائد ہوں، لڑکا ہو یا لڑکی ہو، اس شوہر سے ہو جس کو چھوڑ کر وفات پائی ہے، یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ہو، تو اس صورت میں موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے اداء دین و انفاذ وصیت کے بعد کل مال کا چوتھائی ملے گا اور بقیہ تین چوتھائی حصے دوسرے ورثاء کو ملیں گے .... یہ شوہر کے حصہ کی تفصیل تھی۔

اور اگر میاں بیوی میں سے مرنے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اداء دین و انفاذ وصیت کے بعد بیوی کو مرنے والے کے کل مال کا چوتھائی ملے گا اور اگر اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے، خواہ اس بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے تو

اس صورت میں بعد ادائے دین و وصیت کے آٹھواں حصہ ملے گا، اگر بیوی ایک سے زائد ہے تو بھی مذکورہ تفصیل کے مطابق ایک بیوی کے حصہ میں جتنی میراث آئے گی، وہ ان سب بیویوں میں تقسیم کی جائے گی، یعنی ہر عورت کو چوتھائی اور آٹھواں حصہ نہیں ملے گا، بلکہ سب بیویاں چوتھائی اور آٹھویں حصہ میں شریک ہوں گی اور ان دونوں حالتوں میں شوہر، بیوی کو ملنے کے بعد جو کچھ ترکہ بچے گا وہ ان کے دوسرے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

کلالہ کی میراث:

ان سطور میں کلالہ کی میراث بیان کی گئی ہے، کلالہ کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں، جو علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کی ہیں، مشہور تعریف یہی ہے جو خلاصہ تفسیر میں مذکور ہے کہ جس مرنے والے کے اصول اور فروع نہ ہوں وہ کلالہ ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے، باپ بیٹے والی قرابت کے وسا قرابت کو کلالہ کہا گیا، اس لئے کہ وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کی نسبت سے کمزور ہے۔

پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے پر بھی کیا گیا جس نے نہ اولاد چھوڑی اور نہ والد اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا جو مرنے والے کا ولد اور والد نہ ہو، لغت کے اعتبار سے جو اشتقاق بتلایا اس کا تقاضا ہے کہ لفظ "ذو" مقدر ہو اور کلالہ بمعنی "ذو کلالہ" ہوگا، یعنی ضعیف رشتہ والا، پھر اس مال موروث پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا، جو ایسے میت نے چھوڑا ہو جس کا کوئی ولد اور والد نہ ہو۔

حاصل کلام یہ کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت وفات پا جائے اور اس کے نہ باپ ہو نہ دادا اور نہ اولاد ہو اور اس نے ایک بھائی یا بہن ماں شریک چھوڑے ہوں، تو ان میں سے اگر بھائی ہے تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور نہیں ہے تو بہن کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں مثلاً ایک بھائی ایک بہن ہو یا دو بھائی یا دو بہنیں ہوں تو یہ سب مرنے والے کے کل مال کے تہائی حصے میں شریک ہوں گے اور اس میں مذکر کو مونث سے دوہرا نہیں ملے گا، علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ولیس فی الفرائض موضع یکون فیہ الذکر والانثی سوآء الا فی میراث الاخوۃ للام۔

بہن بھائی کا حصہ:

واضح رہے کہ اس آیت میں اخیافی (ماں شریک) بہن بھائی کا حصہ بتلایا گیا ہے، اگرچہ قرآن کریم کی اس آیت میں یہ قید مذکور نہیں ہے لیکن یہ قید بالاجماع معتبر ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی اس آیت میں اس طرح ہے: ولہ اخ او اخت من امہ، جیسا کہ علامہ قرطبی، صاحب المعانی اور ابوبکر حصاص اور دیگر حضرات نے نقل کیا ہے، گو یہ قراءت متواتر نہیں ہے، لیکن اجماع امت ہونے کی وجہ سے معمول بہا ہے اور اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ نساء کے ختم پر بھی کلالہ کی میراث کا ذکر کیا ہے، وہاں بتایا ہے کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کو آدھا ملے گا اور اگر ایک بھائی ہو تو اپنی بہن کے پورے مال کا وارث بنے گا اور اگر دو بہنیں ہوں تو دو تہائی مال پائیں گی اور اگر متعدد بھائی بہن ہوں تو مذکر کو مونث

سے دوہرا دیا جائے گا سورت کے ختم پر جو یہ حکم ارشاد فرمایا ہے، عینی حقیقی بہن بھائی اور علاتی یعنی باپ شریک بہن بھائی کا ذکر ہے، اگر یہاں علاتی اور عینی بھائی بہن کو شامل کر لیا جائے تو احکام میں تعارض لازم آ جائے گا۔

وصیت کے مسائل:

اس رکوع میں تین مرتبہ میراث کے حصے بیان کر کے یہ فرمایا کہ حصوں کی یہ تقسیم وصیت اور دین کے بعد ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، کہ میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کل مال سے قرضے ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے تہائی مال وصیت نافذ ہوگی اگر اس سے زیادہ وصیت ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں، ضابطہ میں ادائے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے، اگر تمام مال ادائے دیون میں لگ جائے تو نہ وصیت نافذ ہوگی نہ میراث چلے گی،

مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کی تاکید:

میراث کے حصے بیان کرنے کے بعد اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ، یعنی جو کچھ حصے مقرر کئے گئے اور دین اور وصیت کے بارے میں جو تاکید کی گئی اس سب پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے اللہ پاک کی طرف سے ایک عظیم وصیت اور مہتم بالشان حکم ہے، اس کی خلاف ورزی نہ کرنا، پھر مزید تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے اور اس نے اپنے علم سے ہر ایک کا حال جانتے ہوئے حصے مقرر فرمائے جو احکام مذکورہ پر عمل کرے گا اللہ کے علم سے اس کی یہ نیکی باہر نہ ہوگی اور جو خلاف ورزی کرے گا اس کی یہ بدکرداری بھی اللہ کے علم میں آئے گی، جس کی پاداش میں اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔ نیز جو کوئی مرنے والا دین یا وصیت کے ذریعہ سے ضرر پہنچائے گا اللہ کو اس کا بھی علم ہے، اس کے مواخذہ سے بے خوف نہ رہو، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلاف ورزی کرنے پر اس دنیا میں سزا نہ دے، اس لئے کہ وہ حلیم ہے، خلاف ورزی کرنے والے کو یہ دھوکا نہ لگنا چاہئے کہ میں بچ گیا۔ (معارف القرآن)

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

یعنی تمام احکام مذکورہ سابقہ متعلق حقوق یتامی اور وصیت اور میراث اللہ کے مقرر فرمودہ ضابطے اور قاعدے ہیں۔ اور جو کوئی اطاعت کرے گا احکام الٰہی کی جن میں حکم وصیت و میراث بھی داخل ہے اس کے لئے ہمیشہ کو جنت ہے اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اور حدود خداوندی سے بالکل خارج ہو جائے گا۔ وہ ہمیشہ کو ذلت کے ساتھ عذاب جہنم میں گرفتار رہے گا۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ الزِّنَا مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ اَيْ مِنْ رِّجَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ شَهِدُوْا عَلَيْهِنَّ بِهَا فَاَمْسِكُوْهُنَّ اِحْبِسُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ وَامْنَعُوْهُنَّ مِنْ مُخَالَطَةِ النَّاسِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَيْ مَلٰئِكَتُهٗ اَوْ اِلٰى اَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْخُرُوْجِ مِنْهَا اُمِرُوْا بِذٰلِكَ اَوَّلَ الْاِسْلَامِ ثُمَّ جَعَلَ لَهُنَّ سَبِيْلًا بِجَلْدِ الْبِكْرِ مِائَةً وَتَغْرِيْبِهَا عَامًا وَرَجْمِ الْمُحْصَنَةِ وَفِي

الْحَدِيْثِ لَمَّا بَيَّنَ الْحَدَّ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا عَنِّيْ خُذُوْا عَنِّيْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالَّذٰنِ بِتَخْفِيْفِ النُّوْنِ وَتَشْدِيْدِهَا يَاْتِيٰنِهَا اَيِ الْفَاحِشَةَ الزِّنَا اَوِ اللِّوَاطَةَ مِنْكُمْ اَيْ مِنَ الرِّجَالِ فَاٰذُوْهُمَا ۚ بِالسَّبِّ وَ الضَّرْبِ بِالنِّعَالِ فَاِنْ تَابَا مِنْهَا وَ اَصْلَحَا الْعَمَلَ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ وَلَا تُؤْذُوْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا عَلٰى مَنْ تَابَ رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ بِهٖ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِالْحَدِّ اِنْ اُرِيْدَ بِهِ الزِّنَا وَكَذَا اِنْ اُرِيْدَ بِهَا اللِّوَاطَةُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رحمه الله لٰكِنَّ الْمَفْعُوْلَ بِهٖ لَا يُرْجَمُ عِنْدَهٗ وَاِنْ كَانَ مُحْصَنًا بَلْ يُجْلَدُ وَيُغَرَّبُ وَاِرَادَةُ اللِّوَاطَةِ اَظْهَرُ بِدَلِيْلِ تَثْنِيَةِ الضَّمِيْرِ وَالْاَوَّلُ قَالَ اَرَادَ الزَّانِيَ وَالزَّانِيَةَ وَيَرُدُّهٗ تَبْيِيْنُهُمَا بِمَنِ الْمُتَّصِلَةِ بِضَمِيْرِ الرِّجَالِ وَاشْتِرَاكُهُمَا فِي الْاَذٰى وَالتَّوْبَةِ وَالْاِعْرَاضِ وَهُوَ مَخْصُوْصٌ بِالرِّجَالِ لِمَا تَقَدَّمَ فِي النِّسَاءِ مِنَ الْحَبْسِ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ اَيِ الَّتِيْ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهٖ قَبُوْلَهَا بِفَضْلِهٖ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ الْمَعْصِيَةَ بِجَهَالَةٍ حَالٌ اَيْ جَاهِلِيْنَ اِذْ عَصَوْا رَبَّهُمْ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ زَمَنٍ قَرِيْبٍ قَبْلَ اَنْ يُغَرْغِرُوْا فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ يَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ الذُّنُوْبَ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ وَاَخَذَ فِي النَّزْعِ قَالَ عِنْدَ مُشَاهَدَةِ مَا هُوَ فِيْهِ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ فَلَا يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهُ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ اِذَا تَابُوْا فِي الْاٰخِرَةِ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا اَعْدَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ مُؤْلِمًا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ اَيْ ذَاتَهُنَّ كَرْهًا ۗ بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ لُغَتَانِ اَيْ مُكْرِهِيْهِنَّ عَلٰى ذٰلِكَ كَانُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَرِثُوْنَ نِسَاءَ اَقْرِبَائِهِمْ فَاِنْ شَاءُوْا تَزَوَّجُوْهَا بِلَا صَدَاقٍ اَوْ زَوَّجُوْهَا وَاَخَذُوْا صَدَاقَهَا اَوْ عَضَلُوْهَا حَتّٰى تَفْتَدِيَ بِمَا وَرِثَتْهُ اَوْ تَمُوْتَ فَيَرِثُوْهَا فَنُهُوْا عَنْ ذٰلِكَ وَ لَا اَنْ تَعْضُلُوْهُنَّ اَيْ تَمْنَعُوْا اَزْوَاجَكُمْ عَنْ نِكَاحِ غَيْرِكُمْ بِاِمْسَاكِهِنَّ وَلَا رَغْبَةَ لَكُمْ فِيْهِنَّ ضِرَارًا لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ مِنَ الْمَهْرِ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا اَيْ بَيِّنَةٍ اَوْ هِيَ بَيِّنَةٌ اَيْ زِنًا اَوْ نُشُوْزًا فَلَكُمْ اَنْ تُضَارُّوْهُنَّ حَتّٰى يَفْتَدِيْنَ مِنْكُمْ وَيَخْتَلِعْنَ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ اَيْ بِالْاِجْمَالِ فِي الْقَوْلِ وَالنَّفَقَةِ وَالْمَبِيْتِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَاصْبِرُوْا فَعَسٰى

اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَلَعَلَّهٗ يَجْعَلُ فِيْهِنَّ ذٰلِكَ بِاَنْ يَّرْزُقَكُمْ مِنْهُنَّ وَلَدًا صَالِحًا وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ اَیْ اَخْذَهَا بَدْلَهَا بِاَنْ طَلَّقْتُمُوْهَا وَّ قَدْ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ اَیِ الزَّوْجَاتِ قِنْطَارًا مَالًا كَثِيْرًا صَدَاقًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا ظُلْمًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾ بَيِّنًا وَنَصْبُهُمَا عَلَى الْحَالِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّوْبِيْخِ وَلِلْاِنْكَارِ فِیْ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ اَیْ بِاَیِّ وَجْهٍ وَ قَدْ اَفْضٰى وَصَلَ بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ بِالْجِمَاعِ الْمُقَرِّرِ لِلْمَهْرِ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا عَهْدًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾ شَدِيْدًا وَهُوَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ مِنْ اِمْسَاكِهِنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحِهِنَّ بِاِحْسَانٍ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا بِمَعْنٰى مَنْ نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا لٰكِنْ مَا قَدْ سَلَفَ مِنْ فِعْلِكُمْ فَاِنَّهٗ مَعْفُوٌّ عَنْهُ اِنَّهٗ اَیْ نِكَاحَهُنَّ كَانَ فَاحِشَةً قَبِيْحًا وَّ مَقْتًا سَبَبًا لِّلْمَقْتِ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ اَشَدُّ الْبُغْضِ وَ سَآءَ بِئْسَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ طَرِيْقًا ذٰلِكَ۔

ع ۸/۱۴

ترجمہ: اور جو عورتیں بے حیائی کا کام زنا کریں تمہاری عورتوں میں سے تو تم ان عورتوں پر گواہ طلب کر و اپنوں میں سے چار آدمی یعنی چار مسلمان مردوں میں سے پس کافر، فاسق، غلام اور عورت کسی کی شہادت اس معاملہ میں معتبر نہیں۔ فَاِنْ شَهِدُوْا سو اگر وہ چاروں گواہی دیدیں ان عورتوں کے خلاف اس بے حیائی کی تو ان عورتوں کو روک لو ان کو مقید رکھو گھروں کے اندر اور لوگوں کے ملنے جلنے سے انہیں روکدو یہاں تک کہ موت یعنی موت کے فرشتے انکا خاتمہ کر دیں۔ مفسرؒ نے اَیْ مَلٰئِكَتُهٗ سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اَیْ مَلٰئِكَتُهٗ الموت اَوْ يَجْعَلَ الخ او بمعنی الی ان ہے یعنی یہاں تک بند رکھو کہ حق تعالیٰ کوئی جدید حکم مقرر کردے اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿١٥﴾ یا مقرر کر دے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راستہ جوان گھروں سے نکلنے کا ہو، یہ حکم ابتداء اسلام میں دیا گیا تھا پھر ان کے لیے سبیل موعود یعنی شرعی حکم مقرر کر دیا باکرہ کو سو کوڑے مارنے اور ایک سال جلاوطنی اور محصنہ کو سنگساری کا اور حدیث میں آیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حد بیان فرمادی تو آپ ﷺ نے فرمایا "خُذُوْا عَنِّیْ الخ مجھ سے لے لو، مجھ سے علم حاصل کر لو کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راہ نکال دی ہے (راوہ مسلم) وَالَّذٰنِ نون کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ وہما قراءتان سبعیتان اور جو دو شخص ارتکاب کریں اس بے حیائی کا یعنی وہ بے حیائی زنا ہو یا لواطت تم میں سے یعنی تم مردوں میں سے تو ان دونوں کو تکلیف پہنچاؤ ملامت کر کے اور جوتوں کے ذریعہ پٹائی کر کے پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اس بدکاری سے اور درست کر لیں اپنا عمل تو تم لوگ بھی ان دونوں سے کچھ تعرض مت کرو یعنی انہیں تکلیف مت پہنچاؤ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں جو توبہ کرے نہایت رحم کرنے والے ہیں اور یہ یعنی ثبوت زنا پر ایذا کا حکم منسوخ ہے آیت حد سے اگر اس فاحشہ سے زنا مراد لیا جائے اور اسی طرح یہ حکم ایذا منسوخ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک اگر فاحشہ سے لواطت مراد لی جائے لیکن بصورت لواطت امام شافعیؒ کے نزدیک مفعول بہ کو سنگسار نہیں کیا

جائے گا اگر چہ شادی شدہ ہو بلکہ کوڑے لگائے جائیں گے اور جلاوطن کیا جائے گا قال الصاوی انکان بالغا مختارا، البتہ لاطی یعنی فاعل عند الشافعیؒ زانی کے حکم میں ہے یعنی غیر شادی شدہ کو سو کوڑے اور شادی شدہ کو سنگسار، اور آیت و اللذان یاتیا نھا الخ میں لواطت مراد لینا بہ نسبت زنا کے زیادہ ظاہر ہے ضمیر تثنیہ کی دلیل سے مطلب یہ کہ اللذان تثنیہ ہے الذی اسم موصول واحد مذکر کا جس کی طرف یاتیانھا کی ضمیر تثنیہ راجع ہے ''وَالْاَوَّلُ اَرَادَ الزَّانِيَ وَالزَّانِيَةَ'' اور قول اول کے قائل یعنی قائلین زنا نے ضمیر تثنیہ سے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے بطور تغلیب وقول المفسر ''وَيَرُدُّهُ'' الخ اور اس قول کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ ان دونوں مردوں کا بیان ہے من کے ساتھ جو ضمیر رجال متصل ہے یعنی منکم میں ضمیر مذکر لائی گئی ہے اگر زنا مراد ہوتا تو منکم و منھن ہوتا۔ وَاشْتِرَاكِهِمَا الخ یہاں سے دوسری تردید ہے قائلین زنا کی اور ان دونوں کا اشتراک اذیت، توبہ اور اعراض میں جو مخصوص ہے مردوں کے ساتھ اس لیے کہ عورتوں کے بارے میں اس سے پہلے آیت میں بیان ہو چکا ہے یعنی حبس وقید کی سزا اِنَّمَا التَّوْبَةُ الخ توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ یعنی وہ توبہ جس کا قبول کرنا اپنی ذات پر اپنے فضل واحسان سے لازم کر لیا ہے صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے کوئی برائی گناہ کر بیٹھتے ہیں بِجَهَالَةٍ ترکیب میں حال واقع ہو رہا ہے یعنی بے خبری کی حالت میں جب اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھا، کیوں کہ معصیت کا ارتکاب جہالت وحماقت ہی سے ہوتا ہے عقل وحکمت کے بالکل خلاف ہے بھلا جس کو اپنے سود وزیاں کی خبر نہیں اس سے بڑھ کر نادان کون ہوگا؟ مطلب یہ ہے کہ یہ قید احترازی نہیں ہے اتفاقی ہے ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ پھر توبہ کر لیتے ہیں قریب ہی وقت میں غرغرہ کی حالت سے پہلے پس یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں ان کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور خوب جاننے والے ہیں اپنی مخلوق کو کہ کس نے دل سے توبہ کی اور حکمت والے ہیں ان کے ساتھ اپنی کارگذاری میں کہ توبہ کے بعد سزا نہیں دیں گے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ الخ اور توبہ ان لوگوں کے لیے قبول نہیں جو برائیاں بار بار کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے اور نزع روح شروع ہو گیا تو کہنے لگا بوقت مشاہدہ کرنے اس حال کے جس میں ہے یعنی جانکنی کے وقت ملک الموت کو دیکھ کر اب میں نے توبہ کی سو ان کو توبہ نافع نہیں ہوگی اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی وَلَا الَّذِينَ اس کا عطف يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ پر ہے اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو کفر کی حالت میں مر جائیں جب وہ آخرت میں توبہ کریں گے معائنہ عذاب کے وقت تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب تکلیف دہ عذاب، مفسر علامؒ نے اَعْتَدْنَا کی تفسیر اَعْدَدْنَا سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ اَعْتَدْنَا کی اصل اَعْدَدْنَا ہے دال اول کو تاء سے بدل دیا ہے یعنی اعد یعد اعد ادا سے ہے۔ اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ عورتوں کو میراث بنا لو زبردستی یعنی ان کی ذات کے مالک بن جاؤ مفسرؒ نے اَيْ ذَاتَهُنَّ سے ایک شبہ کا ازالہ فرمایا ہے کہ عورت کے مال میں سے مرد میراث لے سکتا ہے کبھی نصف اور کبھی ربع، پھر اس ممانعت کا کیا مطلب؟ مفسر نے جواب دیا کہ یہاں عورت کی ذات مراد ہے جو کسی حال میں کسی وقت حرہ کا مالک نہیں ہو سکتا، كَرْهًا فتحہ اور ضمہ کے ساتھ دونوں لغت ہیں یعنی ایک قراءت فتحہ کے ساتھ اور دوسری قراءت ضمہ کے ساتھ وھما قرائتان سبعیتان، قول المفسر اَيْ مُكْرِهِيْهِنَّ عَلٰى ذٰلِكَ اس سے اشارہ ہے کہ لفظ كَرْهًا مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور ترکیب میں حال واقع ہو رہا ہے خواہ اَلنِّسَآءَ سے حال ہو ای کارھات جیسا کہ

صاحب کشاف اور روح المعانی کا خیال ہے یا ترثوا کے واؤ سے جیسا کہ مفسر کا رجحان ہے، دور جاہلیت میں لوگ اپنے رشتہ داروں کی عورتوں کے وارث و مالک بن جاتے تھے پھر اگر چاہتے تو بلا مہر اس سے نکاح کر لیتے یا کسی سے اس کا نکاح کر دیتے اور اس کا مہر خود لے لیتے یا اس کو روک رکھتے یہاں تک کہ بطور فدیہ وہ عورت اس مال کو دیدے جس کی وہ وارث ہوئی ہے یا وہ مرجائے کہ اس کے وارث بن جائیں یعنی اس کے مال پر قبضہ کر لیں سو اس ظلم و تعدی سے روکدیئے گئے وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ الخ اور نہ یہ حلال ہے کہ تم ان کو روکے رکھو یعنی تم اپنی ازواج کو دوسروں کے ساتھ شادی کرنے سے مت روکے رکھو جبکہ تم کو انکے اندر کوئی رغبت نہیں ہے تو محض ضرر پہنچانے کے لیے ان کو روکنا، اس غرض سے مت روکے رکھو جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے مہر اس میں سے کچھ لے لو، مطلب یہ ہے کہ شوہر کے لیے صرف تنگ کرنے کے لیے عورت کو اپنی قید میں رکھنا جائز نہیں کہ مجھ کو مال فدیہ رہائی دے تب چھوڑوں اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ الخ مگر یہ کہ وہ عورتیں کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، لفظ مُبَيِّنَةٍ یاء پر فتحہ کے ساتھ یعنی بصیغہ اسم مفعول، دوسری قراءت جمہور کی یاء پر کسرہ کے ساتھ یعنی بصیغہ اسم فاعل "اَيْ بَيِّنَةٍ" یہ تفسیر بفتح الیاء کی یعنی ایسی بے حیائی جو بینہ سے واضح ہو چکی ہے اَوْ هِيَ بَيِّنَةٌ یا وہ بے حیائی ظاہر اور کھلی ہو، اَيْ زِنًا اَوْ نُشُوْزًا یعنی فاحشہ سے مراد زنا ہے یا شوہر کی نافرمانی پس اس فاحشہ کے ارتکاب پر تمہارے لیے جائز ہے کہ ان کو تکلیف پہنچاؤ مثلاً اپنا بستر علیحدہ کر کے یا کچھ غیر آمیز باتوں کے ذریعہ وغیرہ یہاں تک کہ وہ تم کو فدیہ دے کر تم سے خلع کر لے مطلب یہ ہے کہ اگر فاحشہ سے مراد شوہر کی نافرمانی اور عورت کی بدزبانی ہو تو چونکہ قصور عورت کا ہے خاوند مجبور ہو کر طلاق پر آمادہ ہو رہا ہے اس لیے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اس وقت تک اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اپنا دیا ہوا مال وصول نہ کر لے یا مقرر کردہ مہر معاف نہ کرا لے اور اگر فاحشہ سے مراد زنا ہو تو ابتدائے اسلام میں حدود کے احکام نازل ہونے سے قبل شوہر کے لیے جائز تھا کہ اس جرمانہ میں اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے اور اس کو نکال دے اب یہ حکم منسوخ ہے زنا سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا، وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ اور ان عورتوں کے ساتھ گزر کرو خوبی کے ساتھ یعنی اچھے کلام اور نان نفقہ کی خبر گیری اور شب باشی میں پس اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر بڑی بھلائی رکھ دے اور ممکن ہے کہ یہ خیر ان عورتوں میں اس طرح رکھ دے کہ ان عورتوں سے تم کو اولاد صالح عطا کر دے اور اگر تم ارادہ کر لو پہلی بیوی کے بدلے دوسری کے لینے کا اس طرح کہ اس پہلی کو طلاق دیدو، وَّاٰتَيْتُمْ الخ جملہ حالیہ ہے جس کی طرف مفسر نے قد کی تقدیر سے اشارہ کیا ہے اور حال یہ ہے کہ تم نے دیدیا ہے ان بیویوں میں سے کسی ایک کو ڈھیر بہت مال مہر میں تو اس میں سے کچھ بھی مت لو اِحْدٰىهُنَّ میں هن کی ضمیر زوج کی طرف راجع ہے کیوں کہ زوج کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی اور چونکہ یہاں مردوں کی جماعت سے خطاب ہے اس لیے زوج سے مراد زوجات ہیں جیسا کہ مفسرؒ نے اَيِ الزَّوْجَاتِ" سے اشارہ کیا ہے کیا تم اس مال کو لو گے بہتان ظلم کے طور پر اور کھلا گناہ صریح گناہ کا ارتکاب کر کے، مبین بمعنی صریح، کھلم کھلا، اور لفظ بہتان اور اثم حال ہونے کی بناء پر منصوب ہیں اور استفہام أتاخذونہ میں توبیخ کے لیے ہے اور آگے و کیف تاخذونہ میں استفہام انکاری ہے و کیف تاخلوانہ اور تم کیسے لے سکتے ہو یعنی کونسی وجہ ہے کہ تم اس دیئے ہوئے مال کو لو گے حال یہ ہے کہ پہنچ گیا تمہارا بعض بعض کے پاس یعنی بے حجابانہ مل چکا ہے جماع کے ذریعہ جو مہر کو لازم کرنے والا ہے اور وہ عورتیں تم سے گاڑھا اقرار

لے چکی ہیں یعنی مستحکم عہد اور مضبوط اقرار لے چکی ہیں اور وہ مضبوط عہد وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی ان بیویوں کو حسن سلوک سے ساتھ روکنا یعنی دستور کے مطابق بیوی بنا کر رکھنا یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دینا، مفسر علام نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں عہد سے مراد وہ عہد ہے جو حق تعالیٰ نے لیا ہے لیکن چونکہ اس عہد کا سبب عورتیں یعنی بیویاں ہیں اس لیے بطور مجاز عقلی أَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا میں عورتوں کی طرف نسبت کر دی گئی وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ الخ اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو مَا نَكَحَ میں لفظ ما بمعنی من ہے جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، مگر لیکن جو پہلے گزر چکا یعنی تمہاری اس طرح کی حرکت میں سے جو پہلے ہو چکی ہے وہ معاف ہے بیشک یہ یعنی ان عورتوں سے نکاح کرنا بڑی بے حیائی بری بات ہے اور کام ہے غضب کا یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور سخت غصہ کا سبب ہے اور برا چلن ہے یہ طریقہ برا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مَلٰٓئِكَتُهٗ : آیت میں نسبت اور اسناد میں مجاز ہے۔

قوله: أَوْ إِلَى أَنْ : اس سے اشارہ ہے کہ اس کا عطف يَتَوَفّٰى پر ہے، اس سے نصب کی وجہ ظاہر ہو جائے گی۔

قوله: أَوِ اللِّوَاطَةَ : کیونکہ (عند الشافعیؒ) یہ بھی زنا کی طرح موجب حد ہے۔

قوله: وَاشْتِرَاكِهِمَا : اس کا جواب اس طرح دیا جائے گا حد زنا اس طرح اتری ہے۔ اول ایذاء پھر حبس پھر کوڑے یا رجم اور نزول کی ترتیب تلاوت کی ترتیب کے خلاف ہے۔

قوله: حَالٌ : با الصاق کے لیے ہے۔ سببیت کے لیے نہیں اور جار مجرور اپنے متعلق کے اعتبار سے حال ہے۔

قوله: جَاهِلِينَ : اس سے اشارہ کیا کہ با سببیہ نہیں کہ جان بوجھ کر گناہ کرنے والے کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ حالانکہ اس کی توبہ مقبول ہے۔ با الصاق کی ہے کیونکہ ارتکاب قبیح حماقت ہے۔

قوله: يَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ : اس میں اشارہ ہے وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ محل جر پر اس کا عطف يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ پر ہے۔

قوله: ذَاتَهُنَّ : تَرِثُوا النِّسَاءَ کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ایسے تصرف کرنا جیسا مال وراثت پر ہوتا ہے۔

قوله: مُكْرِهِيهِنَّ : مصدر حالیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے نہیں کیونکہ فعل اس کے ہم معنی اسم فاعل کے معنی میں نہیں ہے۔

قوله: أَنْ : کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کا عطف تَرِثُوا پر ہے، لَا يَحِلُّ لَكُمْ پر نہیں۔

قوله: تَمْنَعُوا أَزْوَاجَكُمْ : خاوندوں سمیت خطاب ہے وہ بلا ضرورت عورتوں سے روک کر خلع کرواتے، اس کا قرینہ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ہے۔

قوله: فَاصْبِرُوا : اس میں اشارہ ہے کہ فَعَسٰى اصل میں علت جزاء ہے جو اس کے قائم مقام آتی ہے۔

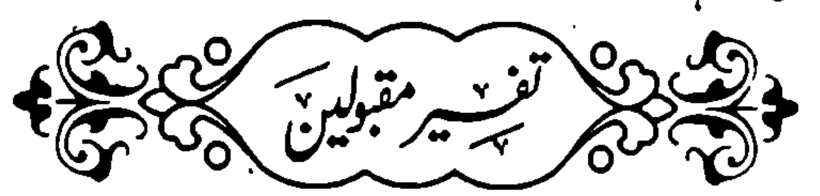
قوله: ظلمات، بہتان، اصل میں اس جھوٹ کو کہتے ہیں جو جس کے متعلق بولا جاتا ہے اسے حیران کر دے جب وہ یہاں مراد

نہ ہوسکتا تھا تو ظلم سے تعبیر کیا جو کہ فعل باطل کو کہتے ہیں۔

قوله:لکن۔ اس سے اشرہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہے اس معنی میں نہیں جو نہی کو لازم ہے گویا اس طرح کہا باپ کی منکوحہ سے نکاح میں سزا پاؤ گے۔ **قوله**:سبب للمقت۔ سبب کو مقدر مانا تا کہ حمل درست ہوجائے۔

قوله:ان تنکحوھن: نکاح کو مقدر مانا کیونکہ تحریم ذات مراد نہیں بلکہ حرمت فعل مراد ہے۔

قوله:افقه للغالب: اس علت کا فائدہ تحریم ہے اور غلبہ احوال کے طور پر اس طرح ذکر فرمایا بلکہ حرمت کی شدت بٹھانے کو کہا گویا تم اپنی بیٹیوں پر نکاح کر رہے ہو۔



وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ....

سیاہ کار عورت اور اس کی سزا:

ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہوجائے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور جنم قید یعنی موت سے پہلے اسے چھوڑا نہ جائے، اس فیصلہ کے بعد یہ اور بات ہے کہ اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے، پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ منسوخ ہوگئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہوا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب تک سورۃ نور کی آیت نہیں اتری تھی زنا کار عورت کے لئے یہی حکم رہا پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور بے شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترا، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت حسن، حضرت عطاء خرسانی حضرت ابوصالح، حضرت قتادہ، حضرت زید بن اسلم اور حضرت ضحاک کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے، حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اترتی تو آپ پر اس کا بڑا اثر ہوتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی کیفیت وحی سے نکلے تو آپ نے فرمایا مجھ سے حکم الٰہی لو اللہ تعالیٰ نے سیاہ کار عورتوں کے لئے راستہ نکال دیا ہے اگر شادی شدہ عورت یا شادی شدہ مرد سے اس جرم کا ارتکاب ہو تو ایک سو کوڑے اور پتھروں سے مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی (مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کچھ تبدیلی کے ساتھ سے مروی ہے، امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں، اسی طرح ابوداؤد میں بھی، ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بوڑھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے لیکن یہ حدیث غریب ہے، طبرانی میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا سورۃ نساء کے اترنے کے بعد اب روک رکھنے کا یعنی عورتوں کو گھروں میں قاید رکھنے کا حکم نہیں رہا، امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا اور جمہور کہتے ہیں کوڑے نہیں لگیں گے صرف رجم کیا جائے گا اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعزؓ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے، اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپ نے رجم کا حکم دیا اور رجم سے پہلے بھی انہیں کوڑے نہیں لگوائے، پھر جمہور کے اس قول کے مطابق

معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اس بے حیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں انہیں ایذاء پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم وغیرہ دلا کر جوتیاں لگا کر، یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور رجم سے منسوخ فرمایا، حضرت عکرمہ عطاء حسن عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد وعورت ہیں، سدی فرماتے ہیں مراد وہ نوجوان مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں حضرت مجاہد فرماتے ہیں لواطت کے بارے میں یہ آیت ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے تم لوطی فعل کرتے دیکھو تو فاعل مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو، ہاں اگر یہ دونوں باز آ جائیں اپنی بدکاری سے توبہ کریں اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اب انکے ساتھ درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ، اس لئے کہ گناہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے، بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے، یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد کفارہ ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ .... توبہ تو بیشک ایسی چیز ہے کہ زنا اور لواطت جیسے سنگین جرم بھی اس سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ آیت سابقہ سے مفہوم ہوا لیکن اس کا بھی ضرور لحاظ رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے فضل سے قبول توبہ کا ذمہ لے لیا ہے وہ اصل میں ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر لیتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر متنبہ اور مطلع ہوتے ہیں تو جب ہی نادم ہوتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں سو ایسوں کی خطائیں اللہ ضرور معاف فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کس نے نادانی سے گناہ کیا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی، اور حکمت والا ہے جس توبہ کا قبول کرنا موافق حکمت ہوتا ہے اس کو قبول فرما لیتا ہے۔

فائدہ: قید جہالت اور قید قریب سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص گناہ تو کرے نادانی سے اور تنبیہ کے بعد توبہ کر لے جلدی سے تو بقاعدہ عدل وحکمت اس کی توبہ مقبول ہونی ضروری ہے اور جس نے جان بوجھ کر دیدہ ودانستہ اللہ کی نافرمانی پر جرات کی یا اطلاع کے بعد اس نے توبہ میں تاخیر کی اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو بقاعدہ عدل وانصاف اس کی خطا اصل میں معافی کے قابل نہیں۔ اس کا قبول کر لینا اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی توبہ کو بھی قبول کر لیتا ہے۔ یہ اس کا احسان ہے مگر ذمہ داری صرف اول صورت میں ہے باقی میں نہیں۔

<u>توبہ کی حقیقت</u>: توبہ کی کیا حقیقت ہے اس کو سمجھنا چاہیے بہت سے لوگ زبان سے توبہ توبہ کے الفاظ نکال دیتے ہیں اور ان کے دل میں ذرا بھی اس بات کی کسک نہیں ہوتی کہ گناہ کو چھوڑیں سو جاننا چاہیے کہ توبہ کے تین جزو ہیں، اول یہ کہ جو بھی گناہ ہو گئے ہیں ان سب پر سچے دل سے خوف ندامت ہو اور اس بات کی شرمندگی وپشیمانی ہو کہ ہائے! میں نے کیا کر دیا؟ میں نے اپنے خالق ومالک کی نافرمانی کر دی۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا خوب پکا مضبوط عہد ہو۔ تیسرا جزو یہ ہے کہ جو حقوق ضائع کیے (اللہ کے حقوق ہوں یا بندوں کے) ان کی ادائیگی کرے، اللہ کے حقوق مثلاً زکوٰتیں حساب کر کے دے اور اتنا مال دیدے کہ یقین ہو جائے کہ اس سے زیادہ کی ادائیگی فرض نہ ہوگی۔ اور حج بھی کرے اور نمازوں کی بھی قضا کرے، فرضوں اور وتروں کی قضا ہو گئی تو ان میں بھی حساب لگائے کہ زیادہ سے زیادہ اتنی ہوں گی، ان سب کو ادا کرے، اگر رمضان کے روزے چھوڑے ہوں ان کو بھی قضا کرے اور انکے

علاوہ بھی غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کیا کیا ضائع کیے ہیں اور ان کی تلافی کی فکر کرے، بندوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرے، کس کس کی مال خیانت کی ہے چوری کی ہے، سودا بیچتے وقت ناپ تول میں کمی کی ہے اور خرید و فروخت میں دھوکہ دیا ہے قرض لے کر مار لیا ہے، غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں بہتان باندھے ہیں کسی کو گالیاں دی ہیں، مار پیٹ کی ہے وغیرہ وغیرہ ان سب امور کی تلافی کرے، مالی حقوق کو ادا کرے ادائیگی کا انتظام نہ ہو تو ان لوگوں سے معاف کرائے جن کے حقوق ہیں، جن کی غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں ان سے معافی مانگے اور جن پر بہتان باندھے ہیں ان سے بھی معافی مانگے اور جن کو گالیاں دی ہیں ان سب سے معافی مانگے، ظالمانہ مار پیٹ کی تلافی کرے یعنی جس کو بلا اجازت شرعی مارا ہو اگرچہ وہ اپنے سے چھوٹا ہی ہو اس کو بدلہ دے یا معافی مانگے اس میں خفت اور ذلت محسوس نہ کرے کیونکہ آخرت میں اصحاب حقوق کے گناہ ظلم کرنے والے کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ توبہ کے تین اہم جزو ہیں اول گناہ پر نادم ہونا، دوم آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرنا، سوم ضائع کردہ حقوق کی تلافی کرنا، یہ چیزیں نہ ہوں اور زبانی توبہ توبہ کرتا رہے تو اس سے مطلوب توبہ نہیں ہوتی خوب سمجھ لیا جائے آج کل غفلت کے ساتھ توبہ کی جاتی ہے جو زبان کی حد تک ہوتی ہے اور دل میں اس کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوتا، دل کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میری زبان سے توبہ کے الفاظ نکل رہے ہیں۔ (انوار البیان)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ....

جبر و اکراہ کے ساتھ عورتوں کی جان و مال کا وارث بننے کی ممانعت:

جاہلیت کے زمانہ میں عورتوں پر لوگ طرح طرح سے ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ یہ ظلم ان کی جانوں پر بھی ہوتا تھا اور ان کے مالوں پر بھی۔ ان کی جانوں پر اس طرح ظلم ہوتا تھا کہ جب کسی عورت کا شوہر مر گیا تو اس عورت کو میت کے ساتھ مال کی طرح اپنی میراث سمجھتے تھے۔ عورت کو اپنی جان میں کوئی اختیار نہ ہوتا تھا کہ خود سے کہیں اپنا نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔ پھر جو لوگ وارث ہوتے اس عورت کو اپنی مرضی سے جہاں چاہتے بیاہ دیتے تھے اور یہ بیاہنا ایک طرح کا بیچنا ہوتا تھا۔ مہر میں جو مال ملتا تھا خود ہی کھا جاتے تھے۔ یا با قاعدہ باندی کی طرح بیچ دیتے تھے اور قیمت پر قابض ہو جاتے تھے۔ نیز عورت کے مال کے جبراً مالک بن جاتے تھے۔ میراث میں جو اس کا حق نکلتا اسے خود ہی دبا لیتے تھے یا اس کو نکاح نہ کرنے دیتے تھے۔ تاکہ یہیں ہمارے گھر پڑی پڑی مر جائے اور ہم اس کا مال لے لیں، یا وہ اپنے مال میں سے دینے پر مجبور ہو جائے (یہ چیزیں اب بھی بہت سے خاندانوں میں پائی جاتی ہیں) عورتوں کے مال زبردستی وصول کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عورت کو طرح طرح سے تکلیفیں دیں ایذائیں پہنچائیں اور جب وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے طلاق مانگے تو اس سے کہیں کہ اتنی رقم دیدے یا حق معاف کر دے تو میں چھوڑوں وہ بیچاری مصیبت زدہ اپنی جان چھڑانے کے لیے مجبور ہو کر مال دے دیتی ہے یا مہر معاف کر دیتی ہے، آیت کے عمومی الفاظ سے اہل ایمان کو اچھی طرح کی تمام حرکتوں سے منع فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے ایسا کرنا حلال نہیں ہے۔ البتہ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فرما کر یہ بتا دیا کہ اگر عورتیں کوئی صریح نازیبا حرکت کریں تو ان سے مال لیا جا سکتا ہے۔

صریح نازیبا حرکت سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے عورت کی زبان درازی، بد خلقی نافرمانی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عورت ایسی حرکتیں کرے تو شوہر اپنا مال جو مہر کی صورت میں دیا تھا۔ وہ بطور خلع لے سکتا ہے، اور اس صورت میں یہ مال لینا جائز ہوگا، اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ ان سے العیاذ باللہ اگر زنا صادر ہو جائے تو خاوند

اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے اور اس کو طلاق دے کر جدا کر دے، یہ حکم ابتدائے اسلام میں حدود نازل ہونے سے پہلے تھا اب جب زنا کی حد نازل ہو گئی تو یہ حکم باقی نہیں رہا لہٰذا عورت کے زنا کر لینے سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم:

پھر ارشاد فرمایا: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور تم عورتوں کے ساتھ اچھے طریقہ پر زندگی گزارو یعنی خوش اخلاقی سے پیش آؤ، نان نفقہ خوراک و پوشاک کی خیر وخبر رکھو اور اگر تمہیں ان کی کوئی ادا طبعی طور پر ناپسند ہو تو اس کو برداشت کر لو اور یہ سمجھ لو کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کسی ایسی چیز میں کوئی بڑی منفعت رکھ دے جو چیز تمہیں ناپسند ہو۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ رنگ وروپ اور شکل وصورت کے لحاظ سے عورت دل کو نہیں بھاتی لیکن خدمت گزار ہوتی ہے، مال کی حفاظت کرتی ہے، گھر بار کو سنبھال کر رکھتی ہے، بچوں کو اچھی تربیت کرتی ہے ان کو تقویٰ اور اعمال صالحہ پر ڈالتی ہے یہ خیر کی صورتیں ہیں، تھوڑی سی طبعی ناگواری اس طرح کے منافع کے لیے برداشت کرنی چاہیے۔

سمجھدار اور دیندار مرد ایسا ہی کرتے ہیں، ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد مؤمن کسی مؤمنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہو گی تو دوسری خصلت پسند آ جائے گی۔ (مسلم ص۴۷۰ ج۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کامل ایمان والوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھے اخلاق والے اور سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل کے لیے سب سے بہتر ہیں اور میں تم میں اپنے اہل کے لیے سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۱ از ترمذی)

درحقیقت بات یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ معاشرت ہو یا دوسرے لوگوں کے ساتھ مرافقت ومصاحبت ہو سو فیصدی ہر ایک کا ہر ایک کے ساتھ دل مل جائے اور ذرا سی بھی طبعی وعقلی اذیت نہ پہنچے اس دار المصائب میں عموماً ایسا ہوتا ہی نہیں فوائد و منافع کو دیکھ کر ناگواریوں کو برداشت کرنے ہی سے مصاحبت اور مرافقت باقی رہ سکتی ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ.....

والد کی بیوی سے نکاح کرنے کی حرمت:

اسباب نزول صفحہ ۱۴۱ میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت حصن بن ابی قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا نیز اسود بن خلف اور صفوان بن امیہ نے اور بھی دو تین افراد کے نام لکھے ہیں جو باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کے مرتکب ہوئے ابوقیس کی بیوی کو جب ابوقیس کے بیٹے نے نکاح کا پیغام دیا تو وہ کہنے لگی کہ میں تجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہوں تجھ سے کیسے نکاح کروں؟ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کروں گی۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور بات سامنے رکھی) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت نازل فرمائی۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ مرنے والے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ ابتداء اسلام میں بعض ایسے واقعات پیش آئے۔ پھر ہمیشہ کے لیے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا، واضح رہے کہ جس کسی بھی عورت سے کسی شخص نے نکاح کر لیا صرف نکاح کر لینے سے

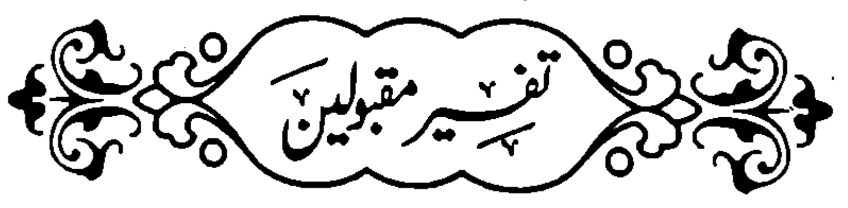
ہی وہ عورت اس شخص کے بیٹوں پر حرام ہوگئی باپ کے ساتھ اس عورت کی خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

حضرت براء بن عازبؓ نے بیان فرمایا کہ میرے ماموں ابو بردہ میرے پاس سے گزرے ان کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا کہ آپ کہاں جارہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کا سر کاٹ کر لاؤں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۷٤)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَشَمَلَتِ الْجَدَّاتُ مِنْ قِبَلِ الْاَبِ اَوِالْاُمِّ **وَ بَنٰتُكُمْ** وَشَمَلَتْ بَنَاتُ الْاَوْلَادِ وَاِنْ سَفَلْنَ **وَ اَخَوٰتُكُمْ** مِنْ جِهَةِ الْاَبِ اَوِالْاُمِّ **وَ عَمّٰتُكُمْ** اَیْ اَخَوَاتُ اٰبَائِكُمْ وَاَجْدَادِكُمْ **وَ خٰلٰتُكُمْ** اَیْ اَخَوَاتُ اُمَّهَاتِكُمْ وَجَدَّاتِكُمْ **وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ** وَتَدْخُلُ فِيْهِنَّ بَنَاتُ اَوْلَادِهِنَّ **وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ** قَبْلَ اسْتِكْمَالِ الْحَوْلَيْنِ خَمْسَ رَضَعَاتٍ كَمَا بَيَّنَهُ الْحَدِيْثُ **وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ** وَيُلْحَقُ بِذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ الْبَنَاتُ مِنْهَا وَهُنَّ مَنْ اَرْضَعَتْهُنَّ مَوْطُوْئَتُهٗ وَالْعَمَّاتُ وَالْخَالَاتُ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ مِنْهَا لِحَدِيْثِ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ **وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ** جَمْعُ رَبِيْبَةٍ وَهِیَ بِنْتُ الزَّوْجَةِ مِنْ غَيْرِهٖ **الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ** تَرْبُوْنَهَا صِفَةٌ مُوَافِقَةٌ لِلْغَالِبِ فَلَا مَفْهُوْمَ لَهَا **مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ** اَیْ جَامَعْتُمُوْهُنَّ **فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** فِیْ نِكَاحِ بَنَاتِهِنَّ اِذَا فَارَقْتُمُوْهُنَّ **وَ حَلَآئِلُ** اَزْوَاجُ **اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ** بِخِلَافِ مَنْ تَبَنَّيْتُمُوْهُمْ فَلَكُمْ نِكَاحُ حَلَائِلِهِمْ **وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ** مِنْ نَسَبٍ اَوْرَضَاعٍ بِالنِّكَاحِ وَيُلْحَقُ بِهِنَّ بِالسُّنَّةِ الْجَمْعُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا وَيَجُوْزُ نِكَاحُ كُلِّ وَاحِدَةٍ عَلَى الْاِنْفِرَادِ وَمَلَكَهُمَا مَعًا وَيَطَأُ وَاحِدَةً **اِلَّا** لٰكِنْ **مَا قَدْ سَلَفَ** فِی الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ نِكَاحِكُمْ بَعْضَ مَا ذُكِرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَا سَلَفَ مِنْكُمْ قَبْلَ النَّهْیِ **رَّحِيْمًا** بِكُمْ فِیْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: اور تم پر حرام کردی گئیں تمہاری مائیں یعنی ان سے نکاح کرنا، اور امہات شامل ہوں گی تمام جدات کو خواہ باپ کی جانب سے ہو یعنی دادی یا ماں کی جانب سے ہو یعنی نانی حرمت میں سب داخل ہیں۔ **وَ بَنٰتُكُمْ** اور تمہاری بیٹیاں اور حرمت بنات میں پوتیاں اور ان کے نیچے پڑپوتیاں داخل ہیں **وَ اَخَوٰتُكُمْ** اور تمہاری بہنیں خواہ باپ کی جانب سے ہوں یعنی علاتی ہوں یا ماں کی جانب سے یعنی اخیافی ہوں اور ظاہر ہے کہ عینی بہنیں بطریق اولیٰ ہوں گی **وَ عَمّٰتُكُمْ** اور تمہاری پھپیاں یعنی تمہارے باپ کی بہنیں اور تمہارے دادا کی بہنیں، مطلب ہے کہ باپ دادا کی تینوں قسموں کی بہنیں عینی، علاتی اور اخیافی داخل

ہیں وَ خٰلٰتُکُمْ اور تمہاری خالائیں یعنی تمہاری امہات کی اور جدات کی بہنیں وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور ان کی اولاد بھی داخل ہیں۔ وَ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے دو سال کی عمر پوری ہونے سے قبل پانچ گھونٹ پیا ہے جیسا کہ حدیث نے بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ مفسر علام سیوطیؒ نے مسلک شوافع کے مطابق تفسیر کی ہے احنافؒ کے نزدیک ایک گھونٹ سے جو بچہ کے پیٹ میں اتر جائے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ وَ اَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور اسی مذکور کے ساتھ یعنی رضاعی ماں اور رضاعی بہن کے ساتھ لاحق کر دی جائیں گی حدیث کے ذریعہ بیٹیاں اور بنات سے مراد وہ لڑکیاں ہیں جن کو اس شخص کی موطوءہ نے دودھ پلایا ہے اور پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں رضاعی سب داخل ہیں اس حدیث کی وجہ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ یعنی رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔ (بخاری ومسلم) وَ اُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ اور تمہاری بیویوں کی مائیں (اس حکم میں بیویوں کی نانی دادی سب شریک ہیں) وَ رَبَآئِبُکُمُ اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں ربائب ربیتہ کی جمع ہے بیوی کی وہ بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو جو تمہاری گودوں میں ہیں یعنی جن کی تم پرورش کر رہے ہو، یہ ایک ایسی حالت ہے جو اکثر و بیشتر ایسی ہی ہوتی ہے کہ ماں کے ساتھ رہتی ہے سو یہ قید احترازی نہیں ہے اور وہ لڑکیاں تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو یعنی ان سے تم نے مجامعت کر لی ہے اور اگر اب تک تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں یعنی جب تم ان بیویوں کو چھوڑ دو طلاق دیدو تو ان کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہے وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الخ اور حرام ہیں تم پر تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں بخلاف ان بیٹوں کے جن کو تم نے متبنّیٰ بنالیا ہے سو تمہارے لئے ان کی بیویوں سے نکاح جائز ہے وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اور حرام ہے تم پر یہ کہ جمع کرو دو بہنوں کو نکاح میں خواہ دو بہنیں نسبی ہوں یا رضاعی اور حدیث کے ذریعہ انہی دونوں کے ساتھ شامل ہوں گی بیوی اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنا یا بیوی اور اس کی خالہ کو جمع کرنا اور ان میں سے ہر ایک سے انفرادی طور پر نکاح جائز ہے اور ان دونوں کا ایک ساتھ مالک ہونا بھی جائز ہے مگر وطی صرف ایک سے جائز ہوگی اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ الخ لیکن جو پہلے ہو چکا یعنی زمانہ جاہلیت میں جو بعض مذکورہ عورتوں سے تم نے نکاح کر لیا تھا اس سلسلے میں تم پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں۔ ممانعت سے پہلے جو کچھ تم سے ہو چکا ہے رحم کرنے والے ہیں تم پر اس بارے میں۔



حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ....

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا تفصیلی بیان:

۱ ان آیات میں تفصیل کے ساتھ محرمات کا تذکرہ فرمایا ہے محرمات وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح جائز نہ ہو۔ بعض عورتیں تو وہ ہیں جن سے کبھی بھی نکاح جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ پہلی آیت میں ان عورتوں کا ذکر ہے اور بعض عورتیں وہ ہیں جن

سے کسی موجودہ سبب کی وجہ سے نکاح جائز نہیں۔ اگر وہ سبب دور ہو جائے تو نکاح جائز ہو جاتا ہے مثلاً کوئی عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو تو جب تک وہ عورت اس مرد کے نکاح سے نہ نکل جائے (اس مرد کی وفات ہو جانے کے بعد عدت یا طلاق دینے کی وجہ سے) اور عدت نہ گزر جائے، اس وقت تک کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا، طلاق یا موت کے بعد عدت گزر جائے تو یہ عورت ایسے مرد سے نکاح کر سکتی ہے جس سے نکاح کرنا حلال ہو۔ اسی طرح جب کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کر لیا تو جب تک یہ عورت اس مرد کے نکاح میں رہے گی، اس وقت تک اس عورت کی بہن سے اس مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا، منکوحہ بہن کا شوہر طلاق دیدے یا فوت ہو جائے اور اس کی عدت گزر جائے تو اس کی بہن سے اس کے شوہر کے نکاح میں آ سکتی ہے جس نے طلاق دی ہے یا فوت ہوا ہے۔

محرمات ابدیہ: جن سے کبھی بھی نکاح درست نہیں تین طرح کی ہیں: اول محرمات نسبیہ (جو نسب کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں) دوم محرمات رضاعیہ (جو دودھ پینے کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں) سوم محرمات بالمصاہرہ (جو سرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں)

محرمات نسبیہ: بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں۔ اس کے عموم میں مائیں اور ماؤں کی مائیں اوپر تک جہاں تک سلسلہ چلا جائے سب کی حرمت آ گئی۔ وَبَنٰتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری بیٹیاں) اس کے عموم میں بیٹیاں اور بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں اور ان کی بیٹیاں سب داخل ہو گئیں۔ وَاَخَوٰتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری بہنیں) اس کے عموم میں سگی بہنیں باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب آ گئیں۔ وَعَمّٰتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری پھوپھیاں) اس میں باپ کی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب آ گئیں۔ وَخٰلٰتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری خالائیں) اس کے عموم میں بھی ماں کی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب داخل ہو گئیں۔ وَبَنٰتُ الْاَخِ (اور بھائی کی بیٹیاں حرام کی گئیں) اس کے عموم میں سگے بھائی کی بیٹیاں اور باپ شریک بھائی کی بیٹیاں اور ماں شریک بھائی کی بیٹیاں سب داخل ہیں۔ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ (اور بہن کی بیٹیاں حرام کی گئیں) اس کے عموم میں سگی بہن باپ شریک بہن، ماں شریک بہن سب کی بیٹیاں داخل ہیں۔

محرمات بالرضاع: یہاں تک محرمات نسبیہ کا بیان ہوا، اس کے بعد رضاعی رشتوں کا ذکر فرمایا ارشاد ہے: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ اور حرام کی گئیں تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (اور حرام کی گئیں تمہاری بہنیں جو تمہاری دودھ شریک ہیں) قرآن مجید میں رضاعت کے رشتہ کو حرمت کا سبب بیان فرماتے ہوئے رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کرنے پر اکتفا فرمایا ہے، احادیث شریفہ میں اس کا قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ((اَلرِّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ)) صحیح بخاری صفحہ ۷٦٤ کے الفاظ ہیں (مطلب یہ ہے کہ جو عورت ولادت کے رشتہ سے حرام ہے رضاعت کے رشتہ سے بھی حرام ہے) اور صحیح مسلم صفحہ ٤٦٧ میں یہ الفاظ ہیں: ((يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ)) (بلاشبہ رضاعت کی وجہ سے وہ سب رشتے حرام ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد میرے رضاعی چچا میرے پاس آئے جنہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اجازت نہ دی اور جواب میں کہہ

دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کرلوں گی اجازت نہ دوں گی جب آنحضرت سرور عالم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا وہ تمہارا رضاعی چچا ہے اس اندر آنے کی اجازت دے دو۔ میں نے عرض کیا مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا آپ نے فرمایا وہ تمہارا چچا ہے تمہارے گھر میں اندر آ سکتا ہے۔

(رواہ البخاری صفحہ ۷٦٤، ومسلم صفحہ ٤٦٧ : ج ۱)

محرمات بالمصاہرہ: اسکے بعد محرمات بالمصاہرہ کا تذکرہ فرمایا: وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ، تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام کی گئیں، کسی عورت سے نکاح ہو جانا ہی اس کی ماں سے نکاح ہونے کی حرمت کے لیے کافی ہے۔ بیوی سے خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ (یعنی جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جنہیں تم گودوں میں لیتے ہو، اور کھلاتے ہو ان لڑکیوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، بشرطیکہ تم نے ان لڑکیوں کی ماؤں سے جماع کیا ہو۔ اگر کسی عورت سے نکاح تو کرلیا لیکن جماع نہیں کیا پھر اسے طلاق دے دی تو اس عورت کی پہلے شوہر والی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ فِیْ حُجُوْرِكُمْ ، قید احترازی نہیں ہے جس بیوی سے نکاح کر کے جماع کرلیا اس کی لڑکی سے نکاح درست نہیں اگر چہ کسی دوسرے رشتہ دار کے پاس پرورش پاتی ہو اور اس کی گود میں پلتی ہو۔ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ : یعنی تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں وہ بھی تم پر حرام ہیں۔ اس میں بھی عموم ہے حرمت کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ بیٹے نے کسی عورت سے نکاح کرلیا ہو۔ نکاح کے بعد جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو بہر حال اب نکاح کرنے والے کے باپ سے اس عورت کا نکاح حرام ہوگا۔

جمع بین الاختین کی حرمت: اسکے بعد ان محرمات کا ذکر فرمایا جو بعض اسباب کی وجہ سے حرام ہوتی ہوں اگر وہ عارض دور ہو جائے تو نکاح اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہو جاتا۔ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ، کہ یہ بھی تم پر حرام کیا گیا کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو، جب ایک بہن سے کسی نے نکاح کرلیا تو جب تک اسے طلاق نہ دیدے یا فوت نہ ہو جائے اور اسکی عدت نہ گزر جائے، ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کرلیا تو شرعاً وہ نکاح نہ ہوگا۔

فائدہ: جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح سے پھوپھی اور بھتیجی خالہ اور بھانجی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر یا پھوپھی کا اس کے بھائی کی بیٹی پر اور کسی عورت کا اس کی خالہ پر یا خالہ کا اپنی بہن کی بیٹی پر نکاح کیا جائے نہ بڑی کا نکاح چھوٹی پر کیا جائے اور نہ چھوٹی کا بڑی پر کیا جائے۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد، مشکوۃ المصابیح صفحہ ۲۷٤، وھو فی البخاری صفحہ ۷٦٦ : ج ۲ بالاختصار)

مطلب یہ ہے کہ چونکہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتی ہیں اس لیے پہلے سے کسی مرد کے نکاح میں بڑی ہو تو چھوٹی سے اور چھوٹی ہو تو بڑی سے اس مرد کا نکاح نہیں ہوسکتا۔





تفسیر ابن کثیر
حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر



مکتبۃ العلم
۱۸-اردو بازار لاہور ۰ پاکستان
37231788-37211788